اثمار الهداية

علی الهدایة

ھدایہ رابع

۵۱۱ھ - ۵۹۳ھ

احادیث کا عظیم ذخیرہ

شارح

حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم

جلد اثنا عشر

ناشر

مدرسہ ثمرۃ العلوم

گھُٹّی، جھارکھنڈ،انڈیا

معذرت

کتاب البیوع، جلد ثالث کی شرح اثمار الھدایہ جلد ۸، اور جلد ۹ چھپ کر آئی تو اساتذہ اور طلبہ کا مطالبہ آیا کہ ہدایہ جلد رابع کے ان ابواب کی شرح لکھی جائے جو درس میں پڑھائے جاتے ہیں اور اہم ہیں، اور انکو حل کرنا مشکل ہے، ان میں سے کتاب الشفعہ سے کتاب الکراہیت تک بہت اہم ابواب ہیں اور تقریبا ہر بڑے مدرسے میں پڑھائے جاتے ہیں اس لئے پہلے اس کی شرح لکھی جائے اس کے بعد باقی ابواب کی شرح لکھی جائے چنانچہ انکے مطالبے کو سامنے رکھتے ہوئے کتاب الشفعہ سے لیکر کتاب احیاء الموات تک کی شرح لکھی

، ان ابواب میں

کتاب المزارعة ...... کھیت کو بٹائی پر دینا

کتاب المساقات ...... ، درختوں کو بٹائی پر دینا۔

کتاب الذبائح ...... جانور ذبح کرنا،

فصل فیما یحل اکله ...... ، کن جانور کو کھانا حلال ہے اور کس جانور کو کھانا، حلال نہیں،

کتاب الاضحیة ، ...... قربانی کس طرح کرے، اور کس جانور کی کرے

فصل فی الاکل و الشرب ...... ، کن برتن میں کھانا حلال ہے، اور کس میں نہیں، ......

فصل فی اللبس ، ...... کتنا کپڑا پہننا چاہئے اور کون سا کپڑا پہننا چاہئے،

برقع، پردہ

، **فصل فی الوطی و النظر، و اللمس** ...... ، کسی عورت کو دیکھنا اور انکو چھونا، کہاں تک حلال ہے اور کہاں تک ناجائز ہے

، یہ وہ ابواب ہیں جنکی ضرورت زندگی میں بہت پڑتی ہیں

، اس لئے ان ابواب کو پہلے لکھ کر طلبہ کے سامنے پیش کیا، اب اساتذہ کی ذمہ داری ہے کہ طلبہ کو یہ ابواب اہمیت کے ساتھ پڑھائیں اور انکو ذہن نشیں کرائیں تا کہ یہ مسائل زندگی میں کام آئے

میری ناقص رائے ہے کہ ان ابواب کو شروع سال میں کتاب البیوع سے پہلے پڑھائے تا کہ اس مسائل کو طلبہ یاد رکھ سکیں درمیان میں جلد نمبر ۱۰، اور جلد نمبر ۱۱، چھوڑ دیا اس کا میں معذرت خواہ ہوں، ان جلدوں کو ان شاء اللہ زندگی رہی تو بعد میں لکھوں گا والسلام

احقر ثمیر الدین قاسمی غفرلہ

ملنے کے پتے

مولانا مسلم صاحب دہلی۔امام مسجد بادل بیگ
بازار سرکی والان5005
حوض قاضی، دہلی
Pin 110006
Tel 09891 213348

ثاقب بک ڈپو
مقام، پوسٹ دیوبند ضلع سہارنپور
یوپی۔انڈیا
پین کوڈ 247554
tel 09412 496688

مدرسہ ثمرۃ العلوم، گھٹی

ضلع گڈا، جھارکھنڈ، انڈیا

حضرت مولانا ثمیر الدین صاحب دامت برکاتہ، کا گاؤں گھٹی ہے اس میں کافی زمانے سے مکتب چل رہا ہے جس میں دو اساتذہ خدمت انجام دیتے ہیں، گاؤں کے سبھی بچے اس میں دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں، یہ طلبہ کم وبیش ۷۰ ہوتے ہیں، اور اللہ رقم سے اس کے اخراجات پورے کئے جاتے ہیں۔ الحمد للہ اس میں پڑھے ہوئے طلبہ کئی درجن حافظ اور عالم بنے اور ملک کے مختلف گوشے میں خدمت انجام دے رہے ہیں، اس مکتب کی وجہ سے اس گاؤں کی دینی فضا کافی اچھی ہے۔

یہاں کے ذمہ دار حضرات کی دیرینہ خواہش تھی کہ اس مکتب کی جانب سے حضرت مولانا کی کتاب شائع ہو، تاکہ یہ مکتب بھی اس عظیم کار خیر میں شامل ہو جائے، چنانچہ اسی خدمت کے جذبے سے اثمار الهدایہ جلد اثنا عشرۃ شائع کی جارہی ہے، اور اللہ تعالی سے دعا کرتے ہیں کہ اس کو شرف قبولیت سے نوازے۔ اور اجر آخرت کا ساماں ہو جائے، آمین یا رب العالمین

ناظم، مدرسہ ثمرۃ العلوم، گھٹی

۱۳/۱۱/ ۲۰۱۳ء

﴿خصوصیات اثمار الهدایۃ﴾

(۱)	ھدایہ کے ہر مسئلے کے لئے تین حدیث تین حوالے لانے کی کوشش کی گئی ہے، اوراس کا پورا حوالہ دیا گیا ہے
(۲)	پھر صاحب ھدایہ جو حدیث لائے ہیں وہ کس کتاب میں ہے اس کا پورا حوالہ دیا گیا ہے تا کہ صاحب ھدایہ کی حدیث پر اشکال باقی نہ رہے۔اور یہ بھی لکھ دیا گیا ہے کہ یہ حدیث ہے، یا قول صحابی، یا قول تابعی۔
(۳)	طلباء کے ذہن کو سامنے رکھتے ہوئے ہر مسئلے کا محاوری اور آسان ترجمہ پیش کیا ہے۔
(۴)	کمال یہ ہے کہ عموما ہر ہر مسئلے کو چار مرتبہ سمجھایا ہے، تا کہ طلباء مسئلہ اور اسکی دلیل بھی آسانی سے سمجھ جائیں
(۵)	مسائل کی تشریح آسان اور سلیس اردو میں کی ہے۔
(۶)	وجہ کے تحت ہر مسئلے کی دلیل نقلی قرآن اور احادیث سے مع حوالہ پیش کی گئی ہے۔
(۷)	حسب موقع دلیل عقلی بھی ذکر کر دی گئی ہے۔
(۸)	امام شافعیؒ کا مسلک انکی ، کتاب الام، کے حوالے سے لکھا گیا اور حدیث کی دلیل بھی وہیں سے ذکر کی گئی ہے
(۹)	کونسا مسئلہ کس اصول پر فٹ ہوتا ہے وہ اصول بھی بیان کیا گیا ہے۔
(۱۰)	لغت کے تحت مشکل الفاظ کی تحقیق پیش کی گئی ہے۔
(۱۱)	لفظی ابحاث اور اعتراض و جوابات سے دانستہ احتراز کیا گیا ہے تا کہ طلباء کا ذہن پریشان نہ ہو۔
(۱۲)	جو حدیث ہے اس کے لئے 'حدیث' اور جو قول صحابی یا قول تابعی ہے اس کے لئے قول صحابی، یا قول تابعی لکھا ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ کون حدیث ہے اور کون قول صحابی، یا قول تابعی ہے۔
(۱۳)	حدیث کے حوالے کے لئے پورا باب لکھا۔ پھر بیروتی کتابوں کا صفحہ نمبر لکھا اور بیروتی یا سعودی کتابوں کا احادیث نمبر لکھ دیا گیا تا کہ حدیث نکالنے میں آسانی ہو۔
(۱۴)	پرانے اوزان کے ساتھ نئے اوزان بھی لکھ دئے گئے ہیں تا کہ دونوں اوزان میں بآسانی موازنہ کیا جا سکے۔
(۱۵)	کتاب الشفعۃ میں بہت سارے مسئلے اصول پر ہیں، میں نے ہر جگہ اصول لکھا ہے تا کہ اصول یاد ہو جائے اور مسئلہ سمجھنے میں بھی آسانی ہو۔

ہم اثمار الھدایہ ہی کو کیوں پڑھیں ؟

(۱)	اس شرح میں ہر جگہ اصول لکھے گئے ہیں جن سے مسئلہ سمجھنا آسان ہو جاتا ہے اور اصول بھی یاد ہو جاتے ہیں
(۲)	اس شرح میں ہر مسئلے کے تحت تین حدیثیں، تین حوالے ہیں جس سے دل کو سکون ہو جاتا ہے کہ کس مسئلے کے لئے کون سی حدیث ہے۔
(۳)	کوشش کی گئی ہے کہ احادیث صحاح ستہ ہی سے لائی جائے، تا کہ حدیث مضبوط ہوں۔
(۴)	صاحب ھدایہ جو حدیث لائے ہیں اس کی مکمل دو تخریج پیش کی گئی ہے۔
(۵)	ایک ایک مسئلے کو چار چار بار مختلف انداز سے سمجھایا ہے، جس سے مسئلہ آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے۔
(۶)	بلا وجہ اعتراض و جوابات نہیں لکھا گیا ہے۔
(۷)	سمجھانے کا انداز بہت آسان ہے۔
(۸)	پرانے اوزان کے ساتھ نئے اوزان مثلا گرام وغیرہ کو لکھ دیا گیا ہے، جس سے پرانا اور نیا دونوں وزنوں سے واقفیت ہوتی ہے۔
(۹)	امام شافعیؒ کا مسلک انکی کتاب الام سے نقل کیا گیا ہے، اور انکی دلیل بھی صحاح ستہ سے دی گئی ہے۔

فہرست مضامین اثمار الهدایہ جلد اثنا عشر

فہرست مضامین اثمار الھدایہ جلد اثنا عشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿نقل احادیث میں ترتیب کی رعایت﴾

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

ھدایہ پڑھانے کے زمانے میں ذہین طلباء کبھی کبھی اشکال کرتے تھے کہ ہر مسئلے کے ثبوت کے لئے حدیث بیان کریں، صرف دلیل عقلی سے لوگ مطمئن نہیں ہوتے، وہ کہتے کہ ہماری مسجدوں میں شافعی، مالکی اور حنبلی لوگ ہوتے ہیں، ان کے سامنے مسئلہ بیان کرتا ہوں تو وہ نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں کہ مسئلہ آیات قرآنی سے بنتا ہے یا حدیث سے۔ زیادہ سے زیادہ قول صحابہ اور اس سے بھی نیچے اتریں تو قول تابعی یا فتوی تابعی پیش کر سکتے ہیں۔ اس لئے ہر مسئلے کے لئے آیت قرآنی یا احادیث پیش کیا کریں! طلباء کی پریشانی اپنی جگہ بجا تھی۔ واقعی شافعی، حنبلی اور مالکی حضرات مسئلے کے لئے احادیث ہی مانگتے ہیں۔ اور وہ بھی صحاح ستہ سے، وہ دلیل عقلی سے مطمئن نہیں ہوتے۔ اس لئے یہ ناچیز بھی پریشان تھا اور دل میں سوچتا رہتا کہ اگر موقع ہو تو ھدایہ کے ہر مسئلے کے ساتھ باب، صفحہ اور حدیث کے نمبرات کے ساتھ پوری حدیث نقل کر دی جائے تاکہ طلباء کو سہولت ہو جائے اور دوسرے مسلک والوں کو مطمئن کر سکے۔ کسی کو اصلی کتاب دیکھنا ہو تو وہاں سے رجوع کرے۔ حدیث، باب اور احادیث کے نمبرات لکھنے سے طلباء کو بھی پتہ چل جائے کہ یہ مسئلہ کس درجے کا ہے۔ اگر آیت سے ثابت ہے تو مضبوط ہے۔ صحاح ستہ کی احادیث سے ثابت ہے تو اس سے کم درجے کا ہے۔ اور دار قطنی اور سنن بیہقی میں وہ احادیث ہیں تو اس سے کم درجے کا مسئلہ ہے۔ اور مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبد الرزاق کے قول صحابی یا قول تابعی سے ثابت ہے تو وہ مسئلہ اس سے کم درجے کا ہے۔ اس لئے ایسے مسئلے میں دوسرے مسلک والوں سے زیادہ نہ الجھیں تاکہ اتحاد کی فضا قائم رہے۔ برطانیہ میں ایک پریشانی یہ ہے کہ ایک ہی مسجد میں شافعی، حنبلی، مالکی اور حنفی سبھی موجود ہوتے ہیں۔ اور ہر مسلک والے اپنے اپنے مسلک کے اعتبار سے نماز ادا کرتے ہیں اس لئے مسئلے کی حیثیت معلوم نہ ہو تو یہاں الجھاؤ زیادہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے ناچیز کے ذہن میں بار بار تقاضا آتا رہا۔ حسن اتفاق سے کچھ سالوں سے فرصت مل گئی جس کی وجہ سے اس تمنا کو پوری کرنے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ چنانچہ طلباء کی خواہش کے مطابق ہر مسئلے کو نمبر ڈال کر علیحدہ کیا۔ اور پوری کوشش کی ہے کہ اس کے ثبوت کے لئے آیت قرآنی اور احادیث پیش کی جائیں

﴿احادیث لانے میں ترتیب﴾

نمبر ڈال کر جس ترتیب سے کتاب لکھی جا رہی ہے اسی ترتیب سے احادیث نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، یعنی ہر مسئلے کے تحت آیت لکھنے کی کوشش کی، اگر آیت نہیں ملی، تو بخاری شریف سے حدیث لانے کی کوشش کی، اگر بخاری شریف میں حدیث نہیں ملی تب مسلم شریف سے حدیث لانے کی کوشش کی اور اس میں بھی نہیں ملی تب ابوداود شریف سے، اسی طرح نمبر وار ترتیب رکھی

ہے، مسئلے کے لئے حدیث نہیں ملی تب آثار لایا ہوں، اور وہ بھی نہیں ملا تب اصول پیش کیا ہوں۔ اور اصول کے لئے حدیث لایا ہوں اور اس پر مسئلے کو متفرع کیا ہوں۔ کتاب البیوع میں اصول کی ضرورت زیادہ پڑی ہے اس لئے ان جلدوں اصول زیادہ لایا گیا ہے۔

ایسا نہیں کیا کہ حدیث تلاش کئے بغیر قول صحابی لے آیا۔ چنانچہ اگر کسی مسئلے کے تحت صرف قول تابعی مذکور ہے اور حدیث کا حوالہ نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں نے حدیث تلاش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن نہ ملنے پر قول تابعی ذکر کیا۔ یا کسی مسئلے کے ثبوت کے لئے قول تابعی بھی ذکر نہ کر سکا تو اس کا معنی یہ ہوا کہ بہت تلاش کے باوجود قول تابعی بھی نہ ملا جس سے مجبور ہو کر بیاض چھوڑ دیا۔ اور اہل علم سے درخواست کرتا ہوں کہ اگر ان کو حدیث یا قول صحابی یا قول تابعی مل جائے تو ضرور اس کی اطلاع دیں۔

کوشش کی ہے کہ حضرت امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا مسلک بھی ذکر کر دیا جائے۔ اور ان کی دلیل بھی اسی ترتیب سے، پہلے آیت یا صحاح ستہ کی کتابوں سے حدیث لائی جائے اور وہاں نہ ملے تو قول صحابی یا قول تابعی ذکر کیا جائے۔ تاکہ طلباء ان کے مسلک اور ان کے متدلات سے واقف ہو جائیں۔ وہ بھی ہمارے امام ہیں، بلکہ سر کے تاج ہیں۔ صاحب ہدایہ نے ہر جگہ ان حضرات کا نام بڑے احترام سے لیا ہے اور ان کے دلائل دریا دلی سے پیش کئے ہیں۔ ناچیز نے بھی انہیں کی اتباع کی ہے۔ اور ہر جگہ ان کا مسلک اور ان کے دلائل شرح وبسط سے بیان کئے ہیں۔

﴿ گذارش ﴾

تحقیق مسائل اور ان کے دلائل بحر بیکراں ہے اس کی تہ تک پہنچنا آسان کام نہیں ہے۔ اس لئے اہل علم کی خدمت میں مؤدبانہ اور عاجزانہ گذارش ہے کہ جن مسائل کے دلائل چھوٹ گئے ہیں اگر ان کو دلائل مل جائیں تو ضرور مطلع فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں ان کا اضافہ کر دیا جائے۔ اسی طرح جہاں غلطی اور سہو نظر آئے اس کی نشاندہی کریں، اس کی بھی اصلاح کروں گا اور تہ دل سے شکر گذار ہوں گا۔

﴿ شکریہ ﴾

میں اپنی اہلیہ محترمہ کا تہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے ہر قسم کی سہولت پہنچا کر فراغت دی اور اشاعت کتاب کے لئے ہمہ وقت متمنی اور دعا گو رہی اور مزید ھدایہ کی چھ جلدوں کے اختتام کے لئے دعا گو ہے۔ خداوند کریم ان کو دونوں جہانوں میں بہترین بدلہ عطا فرمائے اور جنت الفردوس سے نوازے، حضرت مولانا مسلم قاسمی صاحب سینپوری سلمہ نے کتاب کی چھپائی کے وقت نگرانی کی ہے میں ان کا بھی شکر گزار ہوں۔ خداوند قدوس ان حضرات کو پورا پورا بدلہ عطا فرمائے اور جنت الفردوس سے نوازے۔ حضرت مولانا عبد الرؤف صاحب باٹلی، اور حضرت مولانا مرغوب صاحب ڈیوز بری صاحب کا بھی شکر گزار ہوں کہ وہ کتاب لکھنے کے دوران کئی اہم علماء کو ساتھ لیکر گھر پر آتے رہے اور تسلی دیتے رہے اور اہم مشورے سے نوازتے رہے

۔ کتاب الشفعہ لکھنے کے دوران بار بار طبیعت خراب ہوتی رہی ، ایسے موقع پر حضرت گھر تشریف لاتے اور بہت ڈھارس بندھاتے ، جس سے دل کو سکون بھی ہوتا اور مزید لکھنے کی ہمت بھی ہوتی اللہ تعالی ان حضرات کو دونوں جہانوں میں بہترین بدلہ عطا فرمائے ۔ امین یارب العالمین

اللہ تعالی اس کتاب کو قبولیت سے نوازے اور ذریعۂ آخرت بنائے ۔ اس کے طفیل سے ناچیز کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور کمی کوتاہی کو معاف فرمائے ۔ آمین یارب العالمین ۔

ثمیر الدین قاسمی	Samiruddin Qasmi
سابق استاد حدیث جامعہ اسلامیہ مانچسٹر	70 Stamford Street, Oldtrafford,
وچیرمین مون ریسرچ سینٹر، یو کے	Manchester ,England, M16 9LL
۱۳/۱۱/ ۲۰۱۳ء	Tel (0044) 0161 2279577

﴿ كِتَابُ الشُّفْعَةِ ﴾

الشُّفْعَةُ مُشْتَقَّةٌ مِنْ الشَّفْعِ وَهُوَ الضَّمُّ، سُمِّيَتْ بِهَا لِمَا فِيهَا مِنْ ضَمِّ الْمُشْتَرَاةِ إلَى عَقَارِ الشَّفِيعِ. (١) قَالَ: ﴿الشُّفْعَةُ وَاجِبَةٌ لِلْخَلِيطِ فِي نَفْسِ الْمَبِيعِ ثُمَّ لِلْخَلِيطِ فِي حَقِّ الْمَبِيعِ

﴿ كتاب الشفعة ﴾

لغت: شفعہ شفع سے مشتق ہے جسکا ترجمہ ہے ملانا، شفعہ کو شفعہ اس لئے کہا گیا ہے کہ خریدی ہوئی زمین کو شفیع کی زمین کے ساتھ ملائی جاتی ہے

تشریح: شفعہ کے معنی ہیں ملانا، چونکہ اپنی زمین کے ساتھ دوسرے کی زمین کو ملانا ہوتا ہے اس لئے اس کو حق شفعہ کہتے ہیں۔ کسی کی زمین یا غیر منقول جائداد بک رہی ہو اور دوسروں کو نہ خریدنے دے اور شریک یا پڑوس خود خرید لے اس کو حق شفعہ کہتے ہیں۔

وجہ: (١) اس حق کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔ سمع ابا رافع سمع النبی ﷺ یقول الجار احق بسقبه (ابو داؤد شریف، باب فی الشفعة، ص ٥٠٦، نمبر ٣٥١٦) (٢) عن جابر بن عبد اللہؓ قال قضی رسول الله ﷺ بالشفعة کل ما لم یقسم فاذا وقعت الحدود و صرفت الطرق فلا شفعة۔ (بخاری شریف، باب عرض الشفعة علی صاحبها قبل البیع، ص ٣٥٩، نمبر ٢٢٥٨) (٣) عن جابر قال قال رسول الله ﷺ الجار احق بشفعته ینتظر به و ان کان غائبا، اذا کان طریقهما واحدا۔ (ترمذی شریف، باب ما جاء فی الشفعة للغائب، ص ٣٣١، نمبر ١٣٦٩) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ پڑوس کو حق شفعہ ہے۔

ترجمہ: (١) شفعہ واجب ہے نفس مبیع میں شریک کے لئے، پھر حق مبیع مثلا پانی اور راستے میں شریک کے لئے، پھر پڑوس کے لئے۔

تشریح: زمین اور جائداد کے ساتھ تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔

١......ایک تو وہ جو خود زمین میں شریک ہو کہ مثلا آدھی اس کی زمین ہے اور آدھی حق شفعہ کا دعوی کرنے والے کی زمین ہے۔ اس کو 'مبیع میں شریک' کہتے ہیں۔ زمین بکے تو اس کو خریدنے کا زیادہ حق ہے ورنہ دوسرا کوئی خراب شریک آئے گا تو اس کو نقصان ہوگا۔

٢......دوسرے وہ لوگ ہیں جو خود زمین میں تو شریک نہیں ہیں لیکن زمین کا جو حق ہے مثلا زمین پر آنے کا راستہ یا زمین میں پانی آنے کی نالی اس میں یہ لوگ شریک ہیں ان کو 'حق مبیع میں شریک' کہتے ہیں۔ ان کو دوسرے نمبر پر حق شفعہ ملتا ہے کہ مبیع میں شریک نہ لے تو حق مبیع میں شریک کو شفعہ کا حق ہوگا۔

كَالشُّرْبِ وَالطَّرِيقِ ثُمَّ لِلْجَارِ) ل أَفَادَ هَذَا اللَّفْظُ ثُبُوتَ حَقِّ الشُّفْعَةِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْ هَؤُلَاءِ،

۳......تیسرے وہ لوگ ہیں جو نہ مبیع میں شریک ہیں اور نہ مبیع کے راستے یا پانی بہنے کی نالی میں شریک ہیں۔البتہ مبیع سے سٹی ہوئی اس کی زمین ہے جس کو پڑوس کہتے ہیں ان کو تیسرے نمبر پر حق شفعہ ملے گا۔مبیع میں شریک اور حق مبیع میں شریک نہ لیں تو اب مبیع کے پڑوس والوں کو شفعہ کا حق ملے گا کہ وہ لوگ اس بکنے والی زمین کو حق شفعہ کے ماتحت خریدیں۔اور یہ تینوں قسم کے لوگ نہ خریدیں تب باہر کے لوگوں کو خریدنے کا حق ہوگا۔

وجہ : (۱) اگر ان لوگوں کو حق شفعہ نہ ملے اور دوسرے لوگ بیچ میں آ جائیں تو ان لوگوں کو تکلیف ہوگی اس لئے شریعت نے مناسب قیمت میں ان لوگوں کو پہلے خریدنے کا حقدار دیا ہے۔(۲) ترتیب کی دلیل یہ حدیث مرسل ہے۔سمعت الشعبی یقول قال رسول اللہ ﷺ الشفیع اولی من الجار والجار اولی من الجنب ۔(مصنف عبد الرزاق، باب الشفعۃ بالجوار او الخلیط احق ، ج ثامن ،ص ۶۲ ،نمبر ۱۴۴۶۸ / مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۰۲ من کان یقضی بالشفعۃ للجار، ج رابع، ص ۵۲۱ نمبر ۲۲۷۱۷) اس حدیث میں شفیع سے مراد شریک ہے (۳) کیونکہ دوسرے قول تابعی میں ہے۔عن ابراھیم قال الخلیط احق من الجار، و الجار احق من غیرہ (مصنف عبد الرزاق ج ،ثامن ،ص ۶۲ ،نمبر ۱۴۴۶۷) کی عبارت ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ پہلا حق شریک فی نفس المبیع کا، دوسرا حق شریک فی حق المبیع کا اور تیسرا حق پڑوس کا ہے۔(۴) اور ہر ایک کو حق کی دلیل یہ احادیث ہیں۔عن جابر قال قضی رسول اللہ بالشفعۃ فی کل شرکۃ لم تقسم ربعۃ او حائط لا یحل لہ ان یبیع حتی یوذن شریکہ فان شاء اخذ وان شاء ترک فاذا باع ولم یوذنہ فھو احق بہ . (مسلم شریف، باب الشفعۃ ،ص ۷۰۳ ، نمبر ۱۶۰۸ / ۴۱۲۸ / ابو داؤد شریف، باب فی الشفعۃ ،ص ۵۰۶ ،نمبر ۳۵۱۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شریک کو حق شفعہ ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ زمین اور باغ جو غیر منقول جائداد ہیں ان میں حق شفعہ ہے۔(۵) اور پڑوس کو حق شفعہ ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن سمرۃ عن النبی ﷺ جار الدار احق بدار الجار او الارض . (ابو داؤد شریف، باب فی الشفعۃ ص ۵۰۶ ،نمبر ۳۵۱۷ / ترمذی شریف، باب ما جاء فی الشفعۃ ،ص ۳۳۱، نمبر ۱۳۶۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پڑوس کو بھی حق شفعہ ہے۔

لغت : الخلیط : خلط سے مشتق ہے، خلط ملط ہونا۔ یہاں مراد ہے شریک۔شرب: کھیت میں پانی جانے کی جو نالی ہوتی ہے اس کو شرب کہتے ہیں۔طریق: گھر تک جانے کا جو راستہ ہوتا ہے، بعض مرتبہ اس راستے سے بہت سے لوگ اپنے اپنے گھروں کو جاتے آتے ہیں یہاں وہ طریق مراد ہے۔

ترجمہ : ل متن کے الفاظ سے ان تینوں حقداروں میں سے ہر ایک کے حق کا ثبوت ملا، اور تینوں کی ترتیب کا بھی فائدہ دیا۔

تشریح : اس عبارت میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ متن کے الفاظ سے دو باتوں کا پتہ چلتا ہے [۱] ایک تو یہ کہ تین آدمیوں کو حق شفعہ ملے گا۔مبیع میں شریک کو۔ اس کے بعد جو لوگ راستے میں یا پانی کی نالی میں شریک ہیں ان کو۔اور وہ نہ ہوں تو جو لوگ

وَأَفَادَ التَّرْتِيبَ، ۲؎ أَمَّا الثُّبُوتُ فَلِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – الشُّفْعَةُ لِشَرِيكٍ لَمْ يُقَاسِمْ. ۳؎ وَلِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – جَارُ الدَّارِ أَحَقُّ بِالدَّارِ وَالْأَرْضِ، يُنْتَظَرُ لَهُ وإِنْ كَانَ غَائِبًا إِذَا كَانَ طَرِيقُهُمَا وَاحِدًا. ۴؎ وَلِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – الْجَارُ أَحَقُّ بِسَقَبِهِ، قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا سَقَبُهُ؟ قَالَ شُفْعَتُهُ. وَيُرْوَى الْجَارُ أَحَقُّ بِشُفْعَتِهِ. ۵؎ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا شُفْعَةَ

پڑوس کے لوگ ہیں ان کو شفعہ کے ذریعہ لینے کا حق ملے گا۔[۲] دوسری بات کا یہ پتہ چلا کہ اسی ترتیب سے ملے گا جس ترتیب سے اوپر متن میں بیان کیا گیا۔

ترجمہ :۲؎ بہر حال شفعہ کا ثابت ہونا تو اس حدیث کی وجہ سے ہے، شریک جب تک تقسیم نہ کرلے شفعہ کا حقدار ہے۔

وجہ :صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن جابر بن عبد اللہؓ قال قضی رسول الله ﷺ بالشفعة کل ما لم یقسم فاذا وقعت الحدود و صرفت الطرق فلا شفعة ۔(بخاری شریف، باب عرض الشفعة علی صاحبها قبل البیع، ص ۳۵۹، نمبر ۲۲۵۸ر مسلم شریف، باب الشفعة، ص۷۰۳، نمبر ۱۶۰۸ر۴۱۲۸)

ترجمہ :۳؎ بہر حال ثبوت تو حضور ﷺ کا قول گھر کا پڑوسی گھر کا اور زمین کا زیادہ حقدار ہے، اگر وہ غائب ہے تو اس انتظار کیا جائے گا، اگر دونوں کا راستہ ایک ہے۔

وجہ : (۱)صاحب ہدایہ کی یہ حدیث دو حدیثوں کا مجموعہ ہے ایک حدیث یہ ہے۔عن سمرة عن النبی ﷺ جار الدار احق بدار الجار او الارض . (ابوداؤد شریف، باب فی الشفعة ص ۵۰۶، نمبر ۳۵۱۷ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی الشفعة، ص ۳۳۱، نمبر ۱۳۶۸)(۲) دوسری حدیث یہ ہے۔ عن جابر بن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ الجار أحق بشفعة جاره ینتظر بها و ان کان غائبا اذا کان طریقهما واحدا (ابوداؤد شریف، باب فی الشفعة ص ۵۰۷، نمبر ۳۵۱۸ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی الشفعة للغائب، ص ۳۳۱، نمبر ۱۳۶۹) (۳) اس حدیث میں بھی اس کا تذکرہ ہے۔ عن جابر قال قال رسول الله ﷺ الجار أحق بشفعة جاره اذا کان طریقهما واحد ینتظر بها و ان کان غائبا۔(مصنف ابن ابی شیبة ۴۰۲ من کان یقضی بالشفعة للجار، ج رابع، ص ۵۲۰ نمبر ۲۲۷۱۳)

ترجمہ :۴؎ اور حضور ﷺ کا قول الجار احق بسقبہ، حضورؐ سے پوچھا سقب کیا ہے تو فرمایا کہ اس سے شفعہ مراد ہے، اور دوسری روایت میں أحق بشفعتہ کا لفظ ہے۔

وجہ :اس حدیث کا مفہوم ان احادیث میں ہے۔سمع ابا رافع سمع النبی ﷺ یقول : الجار احق بسقبه (ابوداؤد شریف، باب فی الشفعة ،ص ۵۰۶، نمبر ۳۵۱۶ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی الشفعة للغائب، ص ۳۳۱، نمبر ۱۳۶۹) دوسری حدیث ہے،عن جابر بن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ الجار أحق بشفعة (ابوداؤد شریف، باب فی

بِالْجِوَارِ لِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – الشُّفْعَةُ فِيمَا لَمْ يُقْسَمْ، فَإِذَا وَقَعَتْ الْحُدُودُ وَصُرِفَتْ الطَّرِيقُ فَلَا شُفْعَةَ، ٦ وَلِأَنَّ حَقَّ الشُّفْعَةِ مَعْدُولٌ بِهِ عَنْ سَنَنِ الْقِيَاسِ لِمَا فِيهِ مِنْ تَمَلُّكِ الْمَالِ عَلَى الْغَيْرِ مِنْ غَيْرِ رِضَاهُ، وَقَدْ وَرَدَ الشَّرْعُ بِهِ فِيمَا لَمْ يُقْسَمْ، وَهَذَا لَيْسَ فِي

الشفعة ،ص ۵۰۷،نمبر ۳۵۱۸ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الشفعة للغائب، ص ۳۳۱، نمبر ۱۳۶۹)

نوٹ :صاحب ہدایہ نے یہ احادیث کتاب کو سامنے رکھ کرنہیں لکھی ہیں اس لئے الفاظ میں کمی بیشی ہوتی ہیں۔

ترجمہ :۵ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ پڑوسی کو حق شفعہ نہیں ہے، حضور ﷺ کے قول کی وجہ سے کہ، جو چیز تقسیم نہیں ہوئی ہو اس میں حق شفعہ ہے، پس اگر حد واقع ہوگئی ہو اور راستہ الگ الگ ہوگیا ہو تو اب حق شفعہ نہیں ہے۔

تشریح :امام شافعیؒ کے نزدیک جو مبیع میں شریک ہو، یا مبیع کے راستے میں، یا نالی میں شریک ہو صرف اس کو حق شفعہ ملتا ہے۔جو صرف پڑوس میں ہیں ان کو حق شفعہ نہیں ملتا ہے۔

وجہ :انکی دلیل یہ حدیث ہے جسکو صاحب ھدایہ نے ذکر کیا ہے۔**عن جابر بن عبد الله قال قضى النبى** ﷺ **بالشفعة فى كل مالم يقسم فاذا وقعت الحدود وصرفت الطرق فلا شفعة** (بخاری شریف، باب الشفعة فيما لم يقسم فاذا وقعت الحدود فلا شفعة ،ص ۳۵۹،نمبر ۲۲۵۷ رابوداؤد شریف، باب فی الشفعة ،ص ۵۰۶،نمبر ۳۵۱۴ رترمذی شریف، باب ماجاء اذ حدت الحدود ووقعت السهام فلا شفعة ،ص ۳۳۱،نمبر ۱۳۷۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شرکت ختم ہو جائے اور دونوں کے راستے الگ الگ ہو جائیں یعنی مبیع کے راستے میں بھی شریک نہ ہو تو اب شفعہ نہیں ہوگا۔ ہماری دلیل اوپر کی حدیث

ترجمہ :٦ اس لئے کہ شفعہ کا حق قیاس کے طریقے سے ہٹا ہوا ہے اس لئے کہ شفعہ میں غیر کے مال پر اس کی رضامندی کے بغیر مالک بننا ہے، اور حدیث میں جو حق شفعہ وارد ہوا ہے وہ اس صورت میں جبکہ مبیع تقسیم نہیں ہوئی ہو اور پڑوس کا حق تقسیم کے معنی میں نہیں ہے، اس لئے پڑوس کو حق شفعہ نہیں ملے گا۔

تشریح : یہ امام شافعیؒ کی جانب سے دلیل عقلی ہے، اور صرف محاورہ استعمال کیا گیا ہے اس لئے توجہ سے عبارت دیکھیں، اس کا حاصل یہ ہے۔قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ کسی کا مال اس کی رضامندی سے لے، اور حق شفعہ میں بائع کی رضامندی کے بغیر اس کی چیز لی جاتی ہے، اس لئے حدیث میں جتنے لوگوں کے لئے وارد ہے اتنے ہی لوگوں کو حق شفعہ ملے گا۔اور اوپر کی حدیث میں یہ گزرا کہ مبیع میں شریک ہو یا اس کے راستے میں شریک ہو تب تو حق شفعہ ملے گا، لیکن اگر اگر تقسیم ہوگئی، یا حد قائم ہوگئی تو اب حق شفعہ نہیں ملے گا اس لئے اسی پر اکتفاء کیا جائے گا، اور پڑوس کو حق نہیں ملے گا۔

لغت :**حق الشفعه معدول عن سنن القياس** : حق شفعہ قیاس کے راستے سے ہٹا ہوا ہے، کیونکہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ بائع کی رضامندی سے چیز لے اور یہاں اس کی رضامندی کے بغیر لی جا رہی ہے۔**قد ورد الشرع به فيما لم يقسم** :حدیث میں حق شفعہ ان لوگوں کو دیا گیا ہے جو مبیع میں شریک ہو یا راستے میں شریک ہو اور ابھی تقسیم نہیں ہوئی ہو۔**و هذا ليس**

مَعْنَاهُ؛ ۷؎ لِأَنَّ مُؤْنَةَ الْقِسْمَةِ تَلْزَمُهُ فِي الْأَصْلِ دُونَ الْفَرْعِ، ۸؎ وَلَنَا مَا رَوَيْنَا، ۹؎ وَلِأَنَّ مِلْكَهُ مُتَّصِلٌ بِمِلْكِ الدَّخِيلِ اتِّصَالَ تَأْبِيدٍ وَقَرَارٍ، فَيَثْبُتُ لَهُ حَقُّ الشُّفْعَةِ عِنْدَ وُجُودِ الْمُعَاوَضَةِ

فی معناہ: یہاں ھذا: سے مراد پڑوس والا ہے۔ اور پڑوس والا شریک کے معنی میں نہیں ہے اسلئے اس کو حق شفعہ نہیں ملے گا

ترجمہ: ۷؎ اس لئے کہ تقسیم کرنے کی مشقت اصل [یعنی شریک ہونے کی صورت میں لازم ہوتی ہے] فرع [یعنی پڑوس میں لازم نہیں ہوتی۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کی دوسری دلیل عقلی ہے۔ مبیع میں شریک یا راستے میں شریک والے کو حق شفعہ اس لئے دیا گیا کہ شریک کے علاوہ دوسرے کو بیچنے کے بعد اس کو لازمی طور پر مبیع کو تقسیم کرنا پڑے گا، یا راستے کو تقسیم کرنا پڑے گا، یہ تقسیم نہ کرنا پڑے اس لئے شریک کو حق شفعہ دیا گیا ہے، اور جو فرع ہے [یعنی پڑوس ہے] اس کو نہ بیچا تو اس کو تقسیم کرنے کی مجبوری نہیں ہے، کیونکہ مبیع میں اس کا اس کا کوئی حصہ نہیں ہے، اس لئے اس کو حق شفعہ بھی نہیں ملے گا۔

لغت: اصل: مبیع میں شریک ہو، یا راستے میں شریک ہو، اصل سے یہاں یہی لوگ مراد ہیں۔ فرع: سے مراد پڑوس ہے۔ مؤنۃ: خرچ، بٹوارے کی مشقت۔

ترجمہ: ۸؎ ہماری دلیل وہ حدیث ہے جسکو ہم نے روایت کی۔

تشریح: یہ حدیث گزر چکی ہے کہ پڑوس کو بھی حق شفعہ ہے اس کی وجہ سے اس کو حق شفعہ ملے گا، حدیث یہ تھی، عن جابر بن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ الجار أحق بشفعة (ابوداؤد شریف، باب فی الشفعۃ، ص ۵۰۷، نمبر ۳۵۱۸ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی الشفعۃ للغائب، ص ۳۳۱، نمبر ۱۳۶۹)

ترجمہ: ۹؎ اور اس لئے کہ شفیع کی ملکیت جسکا ابھی دخل ہے اس کی ملکیت کے ساتھ ہمیشہ کے لئے متصل ہے، اس لئے زمین کی قیمت دینے کی وجہ سے اس کو حق شفعہ ملے گا حدیث کے وارد ہونے پر قیاس کرتے ہوئے۔

تشریح: یہ امام ابو حنیفہؒ کی جانب سے دلیل عقلی ہے۔ شفیع کی زمین بیچنے والے کی زمین کے ساتھ ہمیشہ کے لئے متصل ہے، اس لئے دوسرا کوئی اجنبی آدمی وہاں آئے گا تو پڑوس والے کو ہمیشہ کے لئے تکلیف ہوگی اس لائے اس تکلیف کو دور کرنے کے لئے دو وجہ سے شفیع کے لینے کا حق ہقگا، ایک تو زمین کی پوری قیمت دے رہا ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ اوپر والی حدیث پر قیاس کیا جا رہا ہے۔

لغت: ملکہ: میں شفیع کی ملک مراد ہے۔ دخیل: جو زمین بک رہی ہے اس پر جسکا ابھی دخل ہے۔ تابید و قرار: شفیع کی زمین ہمیشہ برقرار رہنے کے لئے متصل ہے۔ مورد الشرع: شریعت جس چیز کے لئے وارد ہوئی ہے، یعنی پڑوسی کو حق شفعہ دینے کے لئے وارد ہوئی ہے۔

ترجمہ: ۱۰؎ حق شفعہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح ہمیشہ کے لئے متصل ہونا پڑوسیت کے نقصان کو دفع کرنے سبب

بِالْمَالِ اعْتِبَارًا بِمَوْرِدِ الشَّرْعِ، ۱۰؎ وَهَـذَا لِأَنَّ الِاتِّصَالَ عَلَى هَذِهِ الصِّفَةِ انَّمَا انْتَصَبَ سَبَبًا فِيهِ لِدَفْعِ ضَرَرِ الْجِوَارِ، اذْ هُوَ مَادَّةُ الْمَضَارِّ عَلَى مَا عُرِفَ، ۱۱؎ وَقَطْعُ هَذِهِ الْمَادَّةِ بِتَمَلُّكِ الْأَصْلِ أَوْلَى؛ لِأَنَّ الضَّرَرَ فِي حَقِّهِ بِازْعَاجِهِ عَنْ خُطَّةِ آبَائِهِ أَقْوَى، ۱۲؎ وَضَرَرُ الْقِسْمَةِ مَشْرُوعٌ لَا يَصْلُحُ عِلَّةً لِتَحْقِيقِ ضَرَرِ غَيْرِهِ. ۱۳؎ وَأَمَّا التَّرْتِيبُ فَلِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ –

ہےاس لئے کہ برے پڑوس کا ہونا نقصان کی جڑ ہے، جیسا کہ سب کو معلوم ہے۔

تشریح :حق شفعہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ شفیع کی زمین اس بکنے والی زمین کے ساتھ ہمیشہ کے لئے متصل ہے۔اور خراب پڑوس آجائے تو ہمیشہ کے لئے نقصان ہے کیونکہ خراب پڑوس کا آنا نقصان کی جڑ ہے۔اس لئے اس نقصان کو دور کرنے کے لئے حق شفعہ دیا گیا ہے۔

ترجمہ :۱۱؎ اور اصیل یعنی شفیع کو مبیع کا مالک بنا کر اس نقصان کے مادے کو دور کرنا زیادہ بہتر ہے اس لئے کہ شفیع کو اس کے باپ دادا کے گھر سے نکالنے سے زیادہ بہتر ہے۔

تشریح : یہ ایک اشکال کا جواب ہے۔اشکال یہ ہے کہ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ خود شفیع کا گھر مشتری کو دلا دیا جائے تو شفیع کو کوئی نقصان نہیں ہوگا، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ شفیع کا گھر باپ دادا کے زمانے سے آرہا ہے اس کو وہاں سے ہٹانے سے اس کو زیادہ نقصان ہے، اور بائع تو اس گھر کو بیچ رہا ہے اس لئے اس گھر کو شفیع کو دلانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لغت :قطع ھذہ المادۃ: اس مادے کو قطع کرنے سے مطلب یہ ہے کہ اس نقصان کو دفع کرنا۔اصیل: یہاں اصیل سے مراد ہے شفیع کو مالک بنا دینا۔ازعاج: زعج، سے مشتق ہے، ہٹانا۔خطۃ اباۂ: باپ کا خطہ، باپ کی زمین۔

ترجمہ :۱۲؎ اور تقسیم کا ضرر تو مشروع ہے اس لئے وہ دوسرے کے ضرر کو متحقق کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

تشریح : یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے کہا تھا کہ، راستے اور مبیع میں شریک ہو اور اس کا آدھا حصہ کسی دوسرے کے پاس چلا جائے تو اس کو مجبوراً تقسیم کرنا پڑے گا، اس مجبوری کی وجہ سے شریک کو حق شفعہ ملا، اور پڑوس کو یہ مجبوری نہیں ہے اس لئے اس کو حق شفعہ نہیں ملے گا۔تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ چیز کو تقسیم کرنا یہ تو عام بات ہے، مثلاً ایک فریق بٹوارے کی درخواست دے دے تب بھی تقسیم کرنا پڑتا ہے چاہے دوسرے فریق کو نقصان ہو جائے اس لئے تقسیم حق شفعہ کی علت نہیں بن سکتی۔حق شفعہ کی اصل علت ہے پڑوس کو نقصان ہونا۔

ترجمہ :۱۳؎ بہر حال ترتیب تو حضورؐ کے قول شریک خلیط [راستے میں شریک] سے زیادہ حقدار ہے، اور شفیع [پڑوس والا] خلیط سے زیادہ حقدار ہے۔نفس مبیع میں جو شریک ہو وہ شریک ہے۔اور مبیع کے حقوق [راستے] میں جو شریک ہے وہ خلیط ہے۔اور یہاں شفیع کا مطلب پڑوس ہے۔

الشَّـرِيکُ أَحَـقُّ مِـنُ الْـخَـلِـيـطِ، وَالْـخَـلِـيـطُ أَحَقُّ مِنُ الشَّفِيعِ. فَالشَّرِيکُ فِيُ نَفُسِ الْمَبِيعِ وَالْخَلِيطُ فِيُ حُقُوقِ الْمَبِيعِ وَالشَّفِيعُ هُوَ الْجَارُ. ۱۴؎ وَلأَنَّ الاتِّصَالَ بِالشَّرِكَةِ فِيُ الْمَبِيعِ أَقْوَى؛ لِأَنَّهُ فِيُ كُلِّ جُزْءٍ، وَبَعُدَهُ الاتِّصَالُ فِيُ الْحُقُوقِ؛ لِأَنَّهُ شَرِكَةٌ فِيُ مَرَافِقِ الْمِلُکِ، وَالتَّرُجِيحُ يَتَحَقَّقُ بِقُوَّةِ السَّبَبِ، ۱۵؎ وَلأَنَّ ضَرَرَ الْقِسُمَةِ إِنُ لَمُ يَصُلُحُ عِلَّةً صَلَحَ مُرَجِّحًا.

وجه :(۱)صاحب ھدایہ کی حدیث مرسل یہ ہے۔سمعت الشعبی یقول قال رسول اللہ ﷺ الشفیع اولی من الجار والجار اولی من الجنب۔(مصنف عبد الرزاق، باب الشفعۃ بالجوار او الخلیط احق، ج ثامن، ص ۶۲، نمبر ۱۴۴۶۸ر مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۰۲ من کان یقضی بالشفعۃ للجار، ج رابع، ص ۵۲۱ نمبر ۲۲۷۱۷)اس حدیث میں شفیع سے مراد شریک ہے (۳) صاحب ہدایہ کا قول اس قول تابعی میں ہے۔ عن الشبعی عن شریح قال الخلیط أحق من الشفیع و الشفیع أحق من الجار ، و الجار أحق ممن سواہ. (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۰۲ من کان یقضی بالشفعۃ للجار، ج رابع، ص ۵۲۰ نمبر ۲۲۷۱۷ رمصنف عبد الرزاق ج، ثامن، ص ۶۲، نمبر ۱۴۴۶۷)۔اس سے معلوم ہوا کہ پہلا حق شریک فی نفس المبیع کا، دوسرا حق شریک فی حق المبیع کا اور تیسرا حق پڑوس کا ہے

لغت : صاحب ھدایہ اور حدیث میں شریک کی جو تفصیل بیان کی ہے اس میں تھوڑا سا فرق ہے اس کو ملحوظ رکھیں۔صاحب ھدایہ نے نفس مبیع میں جو شریک ہے اس کو شریک کہا ہے۔اور حدیث میں اس کو ,خلیط ، کہا ہے، جسکا معنی شریک ہے۔صاحب ہدایہ نے راستے میں جو شریک ہے اس کو ,خلیط ، کہا ہے اور حدیث میں اس کو ,شفیع ، کہا ہے۔صاحب ہدایہ نے پڑوس کو شفیع ، کہا ہے اور حدیث میں اس کو ,جار، کہا ہے۔ یہ فرق یاد رکھیں۔

ترجمہ :۱۴؎ اور اس لئے کہ مبیع میں شرکت کے ذریعہ اتصال راستے میں شرکت سے زیادہ قوی ہے اس لیء کہ مبیع کے ہر ہر جز میں شرکت ہے۔اس کے بعد حقوق [راستے] میں شرکت کا نمبر ہے اس لئے کہ ملک کے منافع میں شرکت ہوئی اور سبب کے مضبوط ہونے سے ترجیح متحقق ہوتی ہے۔

تشریح : حق شفعہ میں ترتیب ثابت کرنے کے لئے یہ دلیل عقلی ہے۔مبیع میں شرکت ہو تو یہ شرکت بہت مضبوط ہے اس لئے کہ مبیع کے ہر ہر جزو میں شرکت ہو جاتی ہے اس لئے اس کو پہلے حق شفعہ ملے گا۔اس کے بعد راستے میں یا نالی میں جو شریک ہے اس کو حق شفعہ ملے گا، کیونکہ وہ ملک کے منافع میں شریک ہوئے، یہ دونوں نہ ہوں تب پڑوس کو حق شفعہ ملے گا۔

ترجمہ :۱۵؎ اور اس لئے کہ تقسیم کرنے کا نقصان اگر چہ علت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی لیکن ترجیح کی صلاحیت تو رکھتی ہے

تشریح :اوپر امام شافعیؒ کا جواب دیتے ہوئے صاحب ھدایہ نے کہا تھا کہ تقسیم کرنے کا نقصان حق شفعہ کی علت نہیں بن سکتا، یہاں فرماتے ہیں کہ علت تو نہیں بن سکتا لیکن اس کی وجہ سے اس بات کی ترجیح دی جا سکتی ہے کہ دوسرے کے پاس بیچنے

(۲)قَالَ: (وَلَيْسَ لِلشَّرِيكِ فِي الطَّرِيقِ وَالشِّرْبِ وَالْجَارِ شُفْعَةٌ مَعَ الْخَلِيطِ فِي الرَّقَبَةِ) لِمَا ذَكَرْنَا أَنَّهُ مُقَدَّمٌ. (۳) قَالَ: (فَإِنْ سَلَّمَ فَالشُّفْعَةُ لِلشَّرِيكِ فِي الطَّرِيقِ، فَإِنْ سَلَّمَ أَخَذَهَا الْجَارُ) لِمَا بَيَّنَّا مِنْ التَّرْتِيبِ، ۲ـ وَالْمُرَادُ بِهَذَا: الْجَارُ الْمُلَاصِقُ، وَهُوَ الَّذِي عَلَى ظَهْرِ

سے اس گھر کو تقسیم کرنا پڑے گا اس لئے شریک کو حق شفعہ پہلے دیا جائے۔

ترجمہ: (۲) راستے میں اور پانی پلانے میں شریک کے لئے اور پڑوس کے لئے حق شفعہ نہیں ہے مبیع میں شریک کے ہوتے ہوئے۔ ا ان حدیث اور وجوہات کی بنا پر جو پہلے گزر چکے۔

تشریح: واضح ہے۔

لغت: رقبۃ: گردن، مراد ہے اصل مبیع۔ شرب: زمین میں پانی پلانے کا حق، نالی۔ خلیط: شریک مراد ہے۔

ترجمہ: (۳) پس اگر شریک چھوڑ دے تو راستے میں شریک کے لئے ہوگا، پس اگر وہ بھی چھوڑ دے تو اس کو پڑوس لے گا

ترجمہ: ا اس حدیث کی بنا پر جسکو ہم نے پہلے بیان کیا۔

تشریح: اوپر گزر چکا ہے کہ سب سے پہلے مبیع میں شریک کو حق شفعہ ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے حق مبیع میں شریک یا پڑوس کو حق نہیں ہے۔ وہ نہ لے تو حق مبیع میں شریک کو حق شفعہ ہے۔ حق مبیع میں شریک کا مطلب یہ ہے کہ مبیع کے راستے میں شریک ہے یا مبیع میں پانی آنے کی نالی میں شریک ہے۔ وہ بھی نہ ہو یا ہو لیکن نہ لینا چاہتا ہو تو پڑوس کو حق شفعہ ہے۔ اور وہ بھی نہ ہو یا ہو لیکن نہ لینا چاہتا ہو تب دوسروں کو لینے کا حق ہے۔ اس کے لئے بار بار پہلے دلائل گزر چکے ہیں۔

ترجمہ: ۲ اس پڑوس متاد جو گھر سے متصل ہے وہ پڑوس مراد ہے اور وہ ہے جو شفعہ والے گھر کی پشت پر ہو اور اس کا دروازہ دوسری میں نکلتا ہو۔

تشریح: صاحب ھدایہ نے جار کی تفصیل کی ہے۔

ا......جس گھر کو بیچا جا رہا ہو اس کی پشت پر جو گھر ہو اور اس کا دروازہ دوسری طرف گلی میں کھلتا ہو یہاں جار سے مراد وہ گھر ہے اس کو جار کی بنیاد پر حق شفعہ ملے گا

اس نقشے کو دیکھیں
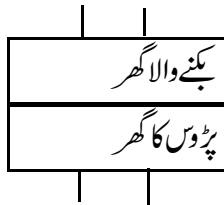
اس نقشے میں بکنے والے گھر کے پیچھے پڑوس کا گھر ہے جسکا دروازہ دوسری طرف، دوسری گلی میں نکلتا ہے۔ لیکن پڑوس ہونے

الـدَّارِ الْـمَشْـفُـوعَةِ وَبَابُهُ فِيْ سِكَّةٍ أُخْرَى. ٣ عَـنْ أَبِـيْ يُـوسُفَ أَنَّ مَعَ وُجُودِ الشَّرِيكِ فِيْ الـرَّقَبَةِ لَا شُـفْعَةَ لِغَيْرِهِ سَلَّمَ أَوْ اسْتَوْفَى؛ لِأَنَّهُمْ مَحْجُوبُونَ بِهِ. ٤ وَوَجْـهُ الظَّاهِرِ: أَنَّ السَّبَبَ

کی وجہ سے اس کو حق شفعہ ملے گا۔

٢......دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں گھر کا دروازہ ایک ہی گلی میں نکلتا ہو تو اس صورت میں پڑوس کے گھر کو حق شفعہ ملے گا لیکن پڑوس ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ دونوں گھر والے ایک راستے میں شریک ہیں اس لئے حق شفعہ ملے گا

اس نقشہ کو دیکھیں

پڑوس کا گھر	بکنے والا گھر
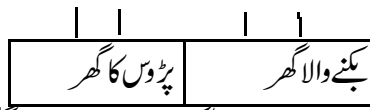
اس نقشے میں دونوں گھر ساتھ ساتھ ہیں لیکن دونوں کا راستہ ایک گلی میں نکلتا ہے اس لئے راستے میں شریک ہونے کی بنا پر اس کو حق شفعہ ملے گا۔

٣......تیسری صورت یہ ہے کہ دونوں گھر آمنے سامنے ہیں، اور دونوں کے درمیان میں سڑک، یا گلی ہے، جس میں دونوں کا دروازہ کھلتا ہے، تو اب اس گھر والے کو حق شفعہ نہیں ملے گا، کیونکہ دونوں کے درمیان گلی، یا سڑک آنے کی وجہ سے جار ملاصق، یعنی متصل والا پڑوس نہیں رہا،

اس کے لئے اس نقشہ کو دیکھیں
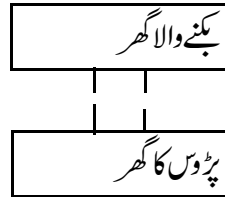
اس نقشے میں دونوں گھر متصل نہیں ہیں، کیونکہ دونوں کے درمیان سڑک ہے اور دونوں کا دروازہ سڑک پر کھلتا ہے اس لئے حق شفعہ نہیں ملے گا۔

وجه: اس قول تابعی میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن الحسن قال اذا كان بين الدارين طريق فلا شفعة بينهما**۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب اذا کان بین الدارین طریق فلا شفعۃ فیہ، ج رابع، ص ٥٢٢، نمبر ٢٢٧٣١) اس قعل تابعی میں ہے کہ دو گھروں کے درمیان راستہ ہو تو شفعہ نہیں ہے۔

لغت: سکۃ: راستہ۔

ترجمه: ٣ حضرت امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ مبیع کے اندر شریک کے ہوتے ہوئے دوسرے کو حق شفعہ نہیں ہے چاہے وہ بکنے والی چیز کو نہ لے، چاہے لے لے، اس لئے کہ باقی لوگ شریک فی المبیع کی وجہ سے محروم ہیں۔

تَقَرَّرَ فِي حَقِّ الْكُلِّ، إِلَّا أَنَّ لِلشَّرِيكِ حَقَّ التَّقَدُّمِ، فَإِذَا سَلَّمَ كَانَ لِمَنْ يَلِيهِ بِمَنْزِلَةِ دَيْنِ الصِّحَّةِ مَعَ دَيْنِ الْمَرَضِ، ۵ وَالشَّرِيكُ فِي الْمَبِيعِ قَدْ يَكُونُ فِي بَعْضٍ مِنْهَا، كَمَا فِي مَنْزِلٍ مُعَيَّنٍ مِنَ الدَّارِ أَوْ جِدَارٍ مُعَيَّنٍ مِنْهَا وَهُوَ مُقَدَّمٌ عَلَى الْجَارِ فِي مَنْزِلٍ، وَكَذَا عَلَى الْجَارِ فِي بَقِيَّةِ

اصول :امام ابو یوسفؒ کا اصول یہ ہے کہ مبیع میں شریک موجود ہو تو چاہے وہ لے یا نہ لے ہر حال میں دوسرے کو حق شفع نہیں ہے۔

اصول :امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ مبیع میں شریک لے تب تو دوسرے کو حق نہیں ملے گا، لیکن اگر وہ نہ لے تو چاہے وہ موجود ہو تب بھی دوسرے کو حق شفعہ ملے گا۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ :۴ ظاہر روایت یہ ہے کہ تمام کے حق میں شفعہ کا سبب ثابت ہوا ہے، لیکن مبیع میں شریک کو پہلے حق ہے، پس اگر اس نے نہیں لیا تو جو اس کے بعد ہے اس کو حق ہوگا، جیسے تندرستی کی حالت میں قرض لیا ہو، بیماری کی حالت میں قرض کے ساتھ۔

تشریح :ظاہر روایت میں یہ کہا گیا کہ مبیع میں شریک نہیں لے تو راستے میں شریک کو شفعہ ملے گا، اور وہ بھی نہ لے تو اب جار کو شفعہ ملے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ گھر بکتے ہی ایک ساتھ سب کو شفعہ مل گیا تھا، البتہ جو گھر میں شریک ہے اس کو پہلے حق ملے گا، اور وہ نہ لے تو پھر راستے میں شریک کو حق ملے گا، اور وہ بھی نہ لے تو اب پڑوس کو حق ملے گا۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں، تندرستی کی حالت میں مثلا پانچ ہزار قرض لیا، پھر دو ہزار قرض بیماری کی حالت میں لیا۔ اور مرنے والے نے صرف پانچ ہزار ہی رقم چھوڑی ہے، تو یہاں پہلے تندرستی کی حالت والا قرض ادا کیا جائے گا، اور اس سے بچ جائے تو بیماری کا قرض ادا کیا جائے گا، یا تندرستی کے قرض والے نے معاف کر دیا تو بیماری کا قرض ادا کیا جائے گا، کیونکہ دونوں کا حق ایک ساتھ متعلق ہوا ہے، ہاں تندرستی والے کو پہلے حق ملے گا، اسی طرح یہاں سب کو ایک ساتھ شفعہ ملا ہے، ہاں مبیع میں شریک والے کو پہلے ملے گا، وہ نہ لے تو بعد والے کو ملے گا، کسی کا حق ساقط نہیں ہوگا۔ سلم: چھوڑ دیا۔ سپرد کر دیا۔

ترجمہ :۵ مبیع میں شریک کبھی اس کے بعض حصے ہی میں ہوتا ہے، جیسے بڑی حویلی کے ایک خاص کمرے میں ہی شریک ہے، یا ایک دیوار میں شریک ہے پھر بھی حویلی کے جو پڑوس ہے اس پر اس شریک کا حق شفعہ پہلے ہوگا، حضرت امام ابو یوسفؒ کی صحیح روایت یہی ہے، اس لئے کہ اس لئے کہ شریک والے کا اتصال قوی ہے اور حویلی تو ایک ہی جگہ ہے۔

تشریح :یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ایک آدمی پورے گھر میں شریک نہیں ہے، بلکہ اس کے ایک کمرے میں شریک ہے، یا صرف ایک دیوار میں شریک ہے، پھر بھی یہ مبیع میں شریک ہے اس لئے اس کو پڑوس سے پہلے حق شفعہ ملے گا۔ کیونکہ یہ کسی نہ کسی حد تک شریک ہے اور اس کا اتصال قوی ہے۔ اور پڑوس بالکل شریک نہیں ہے، اس لئے اس کا حق بعد میں ہے۔ چاہے وہی

الدَّارِ فِي أَصَحِّ الرِّوَايَتَيْنِ عَنْ أَبِي يُوسُفَ؛ لِأَنَّ اتِّصَالَهُ أَقْوَى وَالْبُقْعَةَ وَاحِدَةٌ. ٦ ثُمَّ لا بُدَّ أَنْ يَكُونَ الطَّرِيقُ أَوْ الشِّرْبُ خَاصًّا حَتَّى تَسْتَحِقَّ الشُّفْعَةُ بِالشَّرِكَةِ فِيهِ، فَالطَّرِيقُ الْخَاصُّ أَنْ لا يَكُونَ نَافِذًا، وَالشِّرْبُ الْخَاصُّ أَنْ يَكُونَ نَهْرًا لا تَجْرِي فِيهِ السُّفُنُ، وَمَا تَجْرِي فِيهِ فَهُوَ عَامٌّ. وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ. وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّ الْخَاصَّ أَنْ يَكُونَ نَهْرًا يُسْقَى مِنْهُ قَرَاحَانِ أَوْ ثَلاثَةٌ، وَمَا زَادَ عَلَى ذَلِكَ فَهُوَ عَامٌّ، ٧ فَإِنْ كَانَتْ سِكَّةٌ غَيْرَ نَافِذَةٍ يَتَشَعَّبُ مِنْهَا سِكَّةٌ غَيْرُ نَافِذَةٍ وَهِيَ مُسْتَطِيلَةٌ فَبِيعَتْ دَارٌ فِي السُّفْلَى فَلِأَهْلِهَا الشُّفْعَةُ خَاصَّةً دُونَ أَهْلِ الْعُلْيَا، وَإِنْ

کمرہ بک رہا ہو یا حویلی کا کوئی دوسرا کمرہ بک رہا ہو، اس کا حق پڑوس پر مقدم ہوگا۔

لغت: منزل: بڑی حویلی جس میں کئی کمرے ہوتے ہیں۔ یا الگ الگ فلیٹ ہوتے ہیں۔ بقعۃ: ٹکڑا، جگہ۔

ترجمہ: ٦ پھر ضروری ہے کہ راستہ یا نالی خاص ہو تا کہ اس میں شرکت کی وجہ سے شفعہ کا مستحق ہو سکے۔ پس خاص راستہ یہ ہے کہ وہ کھلا ہوا نہ ہو، اور خاص نالی یہ ہے کہ ایسا نہر ہو جس میں کشتی نہ چل سکتی ہو، اور جس میں کشتی چل سکتی ہو وہ عام نہر ہے یہ امام ابو حنیفہؒ، اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ ہے کہ خاص نہر اس کہا جائے گا جس سے دو باغ، یا تین سیراب کئے جاتے ہوں، اور جس نہر سے اس سے شیادہ سیراب کئے جاتے ہوں تو وہ عام نہر ہے۔

تشریح: اوپر متن میں جو آیا کہ راستے میں شریک ہو تو اس کا مطلب یہ تھا کہ خاص راستے میں شریک ہو، یا خاص نالی میں شریک ہو تب ہی حق شفعہ ملے گا، اور اگر بڑے راستے میں شریک ہو، یا بڑی نہر میں شریک ہو تو اس میں تو بہت سارے لوگ شریک ہوتے ہیں اس لئے اس کی وجہ سے حق شفعہ کیسے ملے گا! آگے چھوٹے راستے کی تعریف کی ہے جو راستہ دونوں طرف سے بند ہو اس کو چھوٹا راستہ کہتے ہیں اور جو کھلا ہوا اس میں ہر آدمی جا سکتا ہے وہ عام راستہ ہے۔ شرب کی تعریف میں فرمایا کہ جس میں کشتی چل سکتی ہو وہ شرب عام ہے اور جس میں کشتی نہ چل سکتی ہو اس کو شرب خاص [چھوٹی نالی] کہتے ہیں، یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی تعریف ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ کی تعریف یہ ہے کہ، جو چھوٹی نالی ہو جس سے دو تین باغ، یا دو تین کھیت سیراب کیا جا سکتا ہو اس کو شرب خاص کہتے ہیں، اور جو اس سے بڑی ہو اس کو شرب عام کہتے ہیں۔

لغت: قرح: زمین کا ٹکڑا، باغ۔ سفن: کشتی۔ شرب: پانی پلانے کی نالی۔

ترجمہ: ٧ اگر [لمبی] بند گلی ہو اس سے دوسری [چھوٹی] بند گلی نکلتی ہو، اور گھر سفلی [چھوٹی] گلی میں بک رہی ہو تو خاص طور پر چھوٹی گلی والے کو ہی حق شفعہ ہوگا علیا [لمبی] گلی والے کو نہیں۔ اور اگر لمبی گلی میں بک رہی ہو تو دونوں گلی والوں کو حق شفعہ ہوگا، اور وجہ وہ ہے جو ادب القاضی میں ذکر کیا۔

اصول: جسکو جہاں بار بار جانے کی ضرورت ہے اس کو وہاں کا حق شفعہ ملے گا۔ اور جہاں بار بار جانے کی ضرورت نہیں ہے

بِيعَتْ لِلْعُلْيَا فَلِأَهْلِ السِّكَّتَيْنِ، وَالْمَعْنَى مَا ذَكَرْنَا فِي كِتَابِ أَدَبِ الْقَاضِي. ٨ وَلَوْ كَانَ نَهْرٌ صَغِيرٌ يَأْخُذُ مِنْهُ نَهْرٌ أَصْغَرُ مِنْهُ فَهُوَ عَلَى قِيَاسِ الطَّرِيقِ فِيمَا بَيَّنَّاهُ. ٩ قَالَ: وَلَا يَكُونُ الرَّجُلُ

اس کو وہاں کا حق شفعہ نہیں ملے گا۔

لغت : ينشعب :شعب سے مشتق ہے، اس ترجمہ ہے، کھلتی ہو۔ سفلی : سے مراد چھوٹی گلی ہے۔ اور علیا سے مراد لمبی گلی ہے جو آگے سے بند ہے۔ سکۃ : گلی، سکۃ غیر نافذۃ : ایسی گلی جو کھلی ہوئی نہ ہو، جسکو بند گلی، کہتے ہیں۔

تشریح : چھوٹی گلی والے کو لمبی گلی میں بار بار جانے کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے اس کو وہاں گزرنے کا حق ہے، اس لئے لمبی گلی میں گھر بک رہا ہو تو چھوٹی گلی والے کو بھی حق شفعہ ملے گا۔ اور لمبی گلی والے کو چھوٹی گلی میں جانے کی ضرورت نہیں ہے کبھی کبھار چلا گیا وہ اور بات ہے، اور جب جانے کی ضرورت نہیں ہے تو اس کو حق شفعہ بھی نہیں ملے گا۔

اس کے لئے یہ نقشہ دیکھیں۔
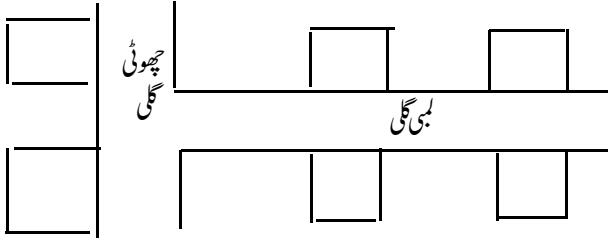
چھوٹی گلی

لمبی گلی

اس نقشہ میں دیکھیں کہ لمبی گلی میں گھر بک رہا ہے تو لمبی گلی والے کو اور چھوٹی گلی والے دونوں کو حق شفعہ مل رہا ہے اور چھوٹی گلی میں گھر بک رہا ہے تو صرف چھوٹی گلی والے کو ہی حق مل رہا ہے۔

وجہ : اس قول تابعی سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔ **عن ابن طاؤس عن ابيه قال الشفعة بالجوار و هي بالابواب** ۔ (مصنف عبد الرزاق، باب الشفعۃ بالابواب او الحدود، ج ثامن، ص ٦٤، نمبر ١٤٤٢٧) اس قول تابعی میں ہے کہ جسکا دروازہ قریب ہو اس کو حق جوار زیادہ ملے گا، اور لمبی گلی والے کا دروازہ چھوٹی گلی والے سے دور ہے اس لئے اس کو حق جوار نہیں ملے گا۔

ترجمہ : ٨ چھوٹی نہر ہو اور اس سے بھی ایک چھوٹی نالی نکل رہی ہو تو اس مسئلہ راستے پر قیاس کر کے حق بیان کیا جائے گا، ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

تشریح : ایک لمبی چھوٹی نہر ہو اس سے ایک نالی نکل رہی ہو، پس اگر لمبی نہر پر کسی کا کھیت بک رہا ہو تو اس نہر والے کو بھی حق شفعہ ہوگا اور چھوٹی نالی والے کو بھی حق شفعہ ہوگا، کیونکہ چھوٹی نالی والے کو پانی لینے کے لئے نہر کے پاس بار بار جانا ہوگا اس لئے اس کو بھی حق ہوگا۔ اور اگر نالی کے پاس کھیت بک رہا ہو تو صرف نالی کے پاس والے کو حق شفعہ ہوگا، نہر والے کو حق شفعہ نہیں ملے گا، کیونکہ نہر والے کو نالی کے پاس آنے کی ضرورت نہیں ہے۔

لغت : يأخذ منه : اس سے لیتی ہو یعنی اس سے نکلتی ہو۔

بِـالْـجُـذُوعِ عَـلَى الْحَائِطِ شَفِيعَ شَرِكَةٍ وَلَكِنَّهُ شَفِيعُ جِوَارٍ، لِأَنَّ الْعِلَّةَ هِيَ الشَّرِكَةُ فِي الْعَقَارِ وَبِـوَضْـعِ الْـجُـذُوعِ لَا يَصِيرُ شَرِيكًا فِي الدَّارِ إِلَّا أَنَّهُ جَارٌ مُلَازِقٌ (۴) قَالَ: (وَالشَّرِيكُ فِي الْـخَشَبَةِ تَكُونُ عَلَى حَائِطِ الدَّارِ جَارٌ) لِمَا بَيَّنَّا. (۵)قَالَ: (وَإِذَا اجْتَـمَعَ الشُّفَعَاءُ فَالشُّفْعَةُ

ترجمه :۹ اورآدمی دیوار پرکڑی رکھنے کی وجہ سے شرکت کا شفیع نہیں بنے گا اور پڑوس والا شفیع بنے گا، اس لئے کہ زمین میں شریک ہونا یہ شرکت کا شفیع ہونا علت ہے، اور صرف کڑی رکھنے سے گھر میں شریک نہیں ہوا، ہاں ملا ہوا پڑوس ضرور ہے۔

اصول : یہ مسئلہ اورآگے کا مسئلہ اس اصول پر ہے کہ زمین میں شرکت ہو تب تو شریک والا شفیع ہوگا، اور زمین میں شرکت نہ ہو تو شریک والا شفیع نہیں ہوگا، پڑوسی والا شفیع ہوگا۔

تشریح : زمین میں شریک ہو تب جا کر اس کو یہ کہا جائے گا کہ یہ مبیع میں شریک والا شفیع ہے۔لیکن دیوار مبیع والے کی ہے اور اس پر شفیع کی کڑی رکھی ہوئی ہے تو یہ شرکت والا شفیع نہیں ہوگا، ہاں یوں کہا جائے گا کہ یہ پڑوسی ہے، اور اس کا گھر مبیع سے متصل ہے اس لئے پڑوسی والا شفیع ہے۔

وجه: زمین میں شریک ہو تب شرکت والا شفیع بنتا ہے، اور یہ زمین میں شریک نہیں ہے اس لئے شرکت والا شفیع نہیں بنے گا۔

لغت : جذوع: لمبی لکڑی، جسکو شہ تیر کہتے ہیں، اسی کو کڑی کہتے ہیں۔عقار: زمین۔ملازق: لزق سے مشتق ہے، چپکا ہوا، ملا ہوا۔

ترجمه :(۴) اور وہ لکڑی جو دیوار پر ہے اس میں شریک ہو تو وہ پڑوس ہے۔

تشریح : یہ مسئلہ ابھی اوپر کی شرح میں گزر گیا۔کہ دیوار پر لکڑی رکھی ہوئی ہے، وہ دیوار بیچنے والے کی ہے البتہ جو لکڑی ہے اس میں شفیع اور بیچنے والا دونوں شریک ہیں تو شفیع پڑوس ہونے کی وجہ سے تو حق شفعہ رکھتا ہے، شرکت کی وجہ سے حق شفعہ نہیں رکھے گا، کیونکہ دیوار اور زمین میں اس کی شرکت نہیں ہے، صرف لکڑی میں شرکت ہے۔

فرق :اوپر کی شرح اور اس مسئلے میں فرق یہ ہے کہ اوپر کی شرح میں دیوار مکان بیچنے والے کی تھی اور لکڑی صرف شفیع کی تھی، اور اس متن کے مسئلے میں دیوار بیچنے والے کی ہے، اور اس پر جو لکڑی رکھی ہوئی ہے اس میں بھی دونوں شریک ہیں۔تاہم دیوار میں شفیع کی شرکت نہیں ہے اس لئے شرکت کا شفیع نہیں ہے۔

ترجمه :(۵) اگر کئی شفیع جمع ہو جائیں تو حق شفعہ اس کی تعداد کے اعتبار سے ہوگا اور ملکیت کی کمی زیادتی کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

اصول : امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جتنے شفیع ہیں انکی عدد کا اعتبار ہوگا اور سب کو برابر برابر حق شفعہ ملے گا۔

اصول :امام شافعی کے نزدیک، جسکی جتنی ملکیت ہے اس حساب سے حق شفعہ ملے گا۔

تشریح :مثلا چار آدمیوں نے ایک مکان چالیس ہزار درہم میں خریدا۔ایک کا بیس ہزار ہے، دوسرے کا دس ہزار ہے،

بَیۡنَھُمۡ عَلَی عَدَدِ رُوسِھِمۡ وَلَا یُعۡتَبَرُ اخۡتِلَافُ الۡاَمۡلَاکِ)ل وَقَالَ الشَّافِعِیُّ: ھِیَ عَلَی مَقَادِیرِ الۡاَنۡصِبَاءِ؛ لِاَنَّ الشُّفۡعَةَ مِنۡ مَرَافِقِ الۡمِلۡکِ؛ اَلَا یَرَی اَنَّھَا لِتَکۡمِیلِ مَنۡفَعَتِهٖ ۲ فَاَشۡبَهَ الرِّبۡحَ

تیسرے کا پانچ ہے اور چوتھے کا بھی پانچ ہزار لگا ہے، اب پانچ ہزار والے میں سے ایک نے اپنا حصہ بیچا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سب کو برابر برابر حق شفعہ کے ذریعہ لینے کا حق ملے گا، اور اس حصے کو سب آدمی برابر برابر لیں گے، ایسا نہیں ہوگا کہ بیس ہزار والے کو آدھا حصہ ملے گا، اور دس والے کو چوتھائی اور پانچ ہزار والے کو چوتھائی کا آدھا آٹھواں حصہ ملے گا۔

وجہ: (۱) اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ ایک کا حصہ زیادہ دوسرے کا اس سے آدھا، اور تیسرے کا اس سے بھی آدھا ہے لیکن شرکت سب کی ہے اس لئے سب کو برابر برابر لینے کا حق ملے گا۔ (۲) اس قول تابعی میں ہے۔ عن الشعبی قال الشفعة علی رؤس الرجال۔ (مصنف عبد الرزاق، باب الشفعة بالحصص او علی الروٴس، ج ثامن ۶۷، نمبر ۱۴۴۹۳) اس قول تابعی میں ہے کہ حقدار کے عدد کے اعتبار سے حق ملے گا

ترجمہ: ل امام شافعیؒ نے فرمایا کہ حصے کی مقدار کے اعتبار سے حق شفعہ ملے گا اس لئے کہ شفعہ ملک کی منفعت میں سے ہے

تشریح: امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جن لوگوں کی جتنی ملکیت ہے اس اعتبار سے اس کو حصہ لینے کا حقدار ہے، مثال مذکور میں جسکا بیس ہزار ہے اس کو بکنے والے حصے کا آدھا ملے گا، کیونکہ چالیس ہزار میں سے اس کا آدھا ہے، جس کا دس ہزار ہے اس کو بکنے والے حصے کی چوتھائی ملے گی، اور جسکا پانچ ہزار ہے اس کو بلکنے والے حصے کا آٹھواں حصہ ملے گا

وجہ: (۱) انکی دلیل یہ ہے کہ حق شفعہ ملک کے مرافق میں سے ہے اور اس کے نفع میں سے ہے اس لئے جسکا حصہ زیادہ ہے اس کو اسی حساب سے حق شفعہ ملے گا۔ (۲) عن عطاء ال الشفعة علی بالحصص۔ (مصنف عبد الرزاق، باب الشفعة بالحصص او علی الروٴس، ج ثامن ۶۷، نمبر ۱۴۴۹۳۶) اس قول تابعی میں ہے کہ حقدار کے حصے کے اعتبار سے حق ملے گا۔

ترجمہ: ۲ اس لئے نفع غلے، اولاد اور پھل کی طرح ہو گیا۔

تشریح: امام شافعیؒ کی جانب سے یہ چار مثالیں ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے

۱......ربح: خریدی ہوئی چیز کو بیچے اس میں سے جو نفع آئے، ربح سے وہ مراد ہے۔ مثلا زید نے بیس ہزار دیا، عمر نے دس ہزار دیا، اور خالد نے پانچ ہزار دیا اور ملا کر پینتیس 35 ہزار کی گائے خریدی، اور اس کو ساڑے اڑتیس 38500 ہزار میں بیچ دیا، اور گویا کہ ساڑے تین ہزار نفع کمایا، تو اس نفع میں سے دو ہزار زید کو ملے گا، کیونکہ اس کا بیس ہزار تھا، ایک ہزار عمر کو ملے گا، کیونکہ اس کا دس ہزار تھا، اور پانچ سو خالد کو ملے گا، کیونکہ اس کا پانچ ہزار تھا، تو جس طرح نفعے میں حصص کے اعتبار سے اسی طرح حق شفعہ میں بھی جس کا حصہ جتنا ہے اسی اعتبار سے اس کو حق شفعہ ملے گا۔

۲......غلة: غلہ سے مراد زمین کی پیداوار ہے۔ مثلا زید نے بیس ہزار دیا، عمر نے دس ہزار دیا، اور خالد نے پانچ ہزار دیا اور ملا کر پینتیس 35 ہزار کی زمین خریدی، اور اس میں پینتیس کوئنٹل گیہوں پیدا ہوئے تو زید کو بیس کوئنٹل ملے گا، عمر کو دس کوئنٹل، اور خالد کو

وَالْغَلَّةَ وَالْوَلَدَ وَالثَّمَرَةَ. ۳؎ وَلَنَا: أَنَّهُمْ اسْتَوَوْا فِيْ سَبَبِ الِاسْتِحْقَاقِ وَهُوَ الِاتِّصَالُ، فَيَسْتَوُوْنَ فِيْ الِاسْتِحْقَاقِ؛ أَلَا يَرَى أَنَّهُ لَوْ انْفَرَدَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ اسْتَحَقَّ كُلَّ الشُّفْعَةِ. وَهَذَا آيَةُ كَمَالِ السَّبَبِ، ۴؎ وَكَثْرَةُ الِاتِّصَالِ تُؤْذِنُ بِكَثْرَةِ الْعِلَّةِ، وَالتَّرْجِيحُ بِقُوَّةِ الدَّلِيلِ لَا بِكَثْرَتِهِ، وَلَا

پانچ کوغلہ ملے گا، کیونکہ اسی حساب سے زمین میں حصہ داری ہے۔

۳......الولد: ولد سے مراد باندی کا بچہ ہے، مثلا زید نے بیس ہزار دیا، عمر نے دس ہزار دیا، اور خالد نے پانچ ہزار دیا اور ملا کر پینتیس 35 ہزار کی باندی خریدی، اس میں لڑکا پیدا ہوا جو پینتیس ہزار کا بکا تو زید کو بیس ہزار، عمر کو دس ہزار، اور خالد کو پانچ ہزار ملے گا، کیونکہ اسی حساب سے باندی میں حصہ داری ہے۔

۴......الثمرۃ: سے مراد باغ کا پھل ہے، مثلا زید نے بیس ہزار دیا، عمر نے دس ہزار دیا، اور خالد نے پانچ ہزار دیا اور ملا کر پینتیس 35 ہزار کا باغ خریدا، اس میں پھل آیا جو پینتیس ہزار کا بکا تو زید کو بیس ہزار، عمر کو دس ہزار، اور خالد کو پانچ ہزار ملے گا، کیونکہ اسی حساب سے باغ میں حصہ داری تھی۔

ان چار مثالوں میں حصے کے تناسب سے ہر ایک کو ملتا ہے، تو حق شفعہ بھی منافع ہے اس لئے حصے کے تناسب ہی سے ہر ایک کو حق شفعہ ملے گا۔

ترجمہ: ۳؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ مستحق ہونے کے سبب میں سب برابر ہیں اور وہ ہے مبیع کے ساتھ متصل ہونا اس لئے حق لینے میں بھی سب برابر ہوں گے، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ کوئی ایک ہی لینے والا رہ جائے تو پورا شفعہ کا حقدار بنتا ہے اور یہ سبب کے کامل ہونے کی دلیل ہے۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ حق شفعہ کے استحقاق کے سبب میں سب برابر ہیں، یعنی مبیع میں شریک تو سبھی ہیں، یہ اور بات ہے کہ کسی کا حق زیادہ ہے اور کسی کا حق کم ہے۔ الا یریٰ سے اس کی ایک دلیل دیتے ہیں کہ اگر باقی دو آدمی اپنا حق لینے سے انکار کر دے تو تیسرے آدمی کو پورا حصہ لینے کا حق مل جاتا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حق شفعہ میں سب حصہ داروں کا حق برابر ہے۔

لغت: لوانفرد واحد منہم: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ باقی سب نے حق شفعہ لینے سے انکار کر دیا تو اب سب حق ایک کو مل جائے گا۔ آیۃ کمال السبب: مبیع میں شریک ہونا ہر ایک کو پورا پورا حق لینے کا سبب ہے، اس لئے سب کو برابر حق مل جائے گا۔

ترجمہ: ۴؎ اور اتصال کا زیادہ ہونا علت کے زیادہ ہونے کی خبر دیتی ہے، لیکن ترجیح دلیل کے قوی ہونے کو ہے بہت زیادہ دلیل ہونے کو نہیں ہے، اور یہاں دوسرے شفیع کی دلیل قوی نہیں ہے اس لئے کہ دوسرا بھی مقابلے میں اسی وقت کھڑا ہے۔

اصول: ایک قاعدہ یاد رکھیں۔ ایک چیز کو ثابت کرنے کے لیے کئی علتیں ہوں لیکن سب کے سب کمزور ہوں، اور دوسری چیز کو ثابت کرنے کے لئے ایک ہی علت ہو لیکن وہ مضبوط ہو تو مضبوط ہونے کی بنا پر اس چیز کو ثابت کر دی جائے گی، کیونکہ علت

قُوَّةَ هَاهُنَا لِظُهُورِ الْأُخْرَى بِمُقَابَلَتِهِ، ۵ وَتَمَلُّکُ مِلْکِ غَيْرِهِ لا يُجْعَلُ ثَمَرَةً مِنْ ثَمَرَاتِ مِلْكِهِ، بِخِلَافِ الثَّمَرَةِ وَأَشْبَاهِهَا. ٦ وَلَوْ أَسْقَطَ بَعْضُهُمْ حَقَّهُ فَهِيَ لِلْبَاقِينَ فِي الْكُلِّ عَلَى

کے مضبوط ہونے کا اعتبار ہے، کثرت سے علت ہونے کا اعتبار نہیں ہے۔

تشریح : اب اوپر کے اصول کو سامنے رکھ کر دیکھیں کہ جس کا حق زیادہ ہے اس کی علتیں زیادہ ہیں، لیکن دوسروں کے مقابلے پر یہ مضبوط نہیں ہے، کیونکہ یہ مضبوط ہوتی تو زیادہ حقدار کے رہتے ہوئے کم والے کو بالکل حق نہیں ملتا، حالانکہ کم والے کو بھی مل رہا ہے، یہ اور بات ہے کہ اس کو کم مل رہا ہے، اور جب اس کی علت مضبوط نہیں ہے تو سب کو برابر حق شفعہ ملے گا۔

لغت :و لا قوة ھٰھنا لظھور الاخریٰ بمقابلته :اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جیسے مبیع میں شریک موجود ہو تو راستے میں شریک کو بالکل حق نہیں ملتا، کیونکہ مبیع میں شریک کی علت مضبوط ہے، اور یہاں ایسا نہیں ہے، کیونکہ مبیع میں جس کا زیادہ حق ہے اس کے رہتے ہوئے بھی جس کا کم حق ہے اس کو بھی حق ملتا ہے، اس لئے اس کا حق دوسروں کے مقابلے پر مضبوط نہیں ہے

ترجمه : ۵ اور غیر کی ملکیت کے مالک بننے سے اپنی ملکیت کا پھل قرار نہیں دیا جا سکتا، بخلاف جو اصل پھل ہو یا اس کی اور قسمیں جو اوپر گزریں۔

تشریح :یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے۔انہوں نے چار مثالیں دی تھی کہ یہ ملکیت کا ثمرہ اور پھل ہے، اور ملکیت کے ثمرہ اور پھل میں جسکا جتنا حصہ ہوتا ہے اسی مقدار سے پھل ملتا ہے، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ، یہاں شفعہ کے ذریعہ دوسرے کی ملکیت کو لینا ہے، یہ اپنی ملکیت کا ثمرہ اور پھل نہیں ہے اس لئے شفعہ کو ثمرہ اور پھل پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے۔

ترجمه :٦ اور اگر بعض نے اپنے حق کو ساقط کر دیا تو پورا پورا گھر باقی کے لئے ہوگا اس کی تعداد کے مطابق اس لئے کہ سب کا حصہ جو کم ہوا تھا وہ اس ایک کی مزاحمت کی وجہ سے ہوا تھا حالانکہ ہر ایک کے حق میں سبب پورا پورا موجود ہے۔

تشریح :مثلا چار آدمیوں نے ایک مکان چالیس ہزار درہم میں خریدا۔ایک کا بیس ہزار ہے، دوسرے کا دس ہزار ہے، تیسرے کا پانچ ہے اور چوتھے کا بھی پانچ ہزار لگا ہے، اب پانچ ہزار والے میں سے ایک نے اپنا حصہ بیچا، تو اوپر کے تین آدمیوں کو برابر برابر حق شفعہ تھا، ایک نے حق لینے سے انکار کر دیا تو باقی دو کو یہ حصہ برابر برابر ملے گا، ایسا نہیں ہوگا کہ بیس ہزار والے کو زیادہ اور دس ہزار والے کو کم حق ملے۔

وجه :اس کی وجہ وہی ہے جو اوپر گزر چکی، کہ حنفیہ کے نزدیک سب کو برابر حق تھا، لیکن ایک تیسرا آدمی تھا اس لئے ہر ایک کو ایک ایک تہائی مل رہی تھی، اب اس نے انکار کر دیا باقی دو کو آدھا آدھا مل جائے گا۔

لغت :لان الانتقاض للمزاحمة: انتقاض: کا ترجمہ ہے کم، اور مزاحمة: زحمة سے مشتق ہے، مقابلہ۔سب شفیع کو جو کم کم مل رہا تھا وہ تیسرے آدمی کی مزاحمت کی وجہ سے مل رہا تھا، لیکن اب اس نے لینے سے انکار کر دیا اس لئے اب باقی کو برابر مل جائے گا، کیونکہ سب کے لینے کا جو سبب ہے، یعنی شریک ہونا وہ سب کے لئے کامل سبب ہے۔

عَـدَدِهِمْ؛ لِأَنَّ الِانْتِقَاصَ لِلْمُزَاحَمَةِ مَعَ كَمَالِ السَّبَبِ فِي حَقِّ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ وَقَدِ انْقَطَعَتْ. ۷ وَلَـوْ كَانَ الْبَعْضُ غُيَّبًا يَقْضِي بِهَا بَيْنَ الْحُضُورِ عَلَى عَدَدِهِمْ؛ لِأَنَّ الْغَائِبَ لَعَلَّهُ لا يَطْلُبُ، ۸ وَإِنْ قَـضَـى لِحَاضِرٍ بِالْجَمِيعِ ثُمَّ حَضَرَ آخَرُ يَقْضِي لَهُ بِالنِّصْفِ، وَلَوْ حَضَرَ ثَالِثٌ فَبِثُلُثِ مَا فِي يَدِ كُلِّ وَاحِدٍ تَحْقِيقًا لِلتَّسْوِيَةِ، ۹ فَلَوْ سَلَّمَ الْحَاضِرُ بَعْدَمَا قَضَى لَهُ بِالْجَمِيعِ لا يَأْخُذُ الْقَادِمُ إِلَّا النِّصْفَ؛ لِأَنَّ قَضَاءَ الْقَاضِي بِالْكُلِّ لِلْحَاضِرِ يَقْطَعُ حَقَّ الْغَائِبِ عَنِ النِّصْفِ بِخِلَافِ مَا قَبْلَ الْقَضَاءِ. (٦) قَالَ: وَالشُّـفْعَةُ تَجِبُ بِعَقْدِ الْبَيْعِ) ١ وَمَـعْنَاهُ بَعْدَهُ لا أَنَّهُ هُوَ السَّبَبُ؛ لِأَنَّ سَبَبَهَا

ترجمہ : ۷ اور اگر بعض شفیع غائب ہوتو حاضرین کے درمیان اس کی تعداد کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا اس لئے کہ غائب آدمی شاید شفعہ طلب نہ کرے۔

تشریح : مثلا تین آدمی شفیع تھے ان میں سے ایک غائب ہے تو جو دو حاضر ہیں ان میں ان کی تعداد کے مطابق برابر برابر حق تقسیم کر دیا جائے گا، اور غائب آدمی کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔

وجہ: ہوسکتا ہے کہ غائب آدمی شفعہ طلب نہ کرے، اس لئے غائب کی وجہ سے حاضر کا حق نہیں مارا جائے گا۔

ترجمہ : ۸ اگر حاضر آدمی کے لئے پورے حصے کا فیصلہ کر دیا گیا پھر دوسرا آدمی حاضر ہوا تو اس کے لئے آدھا کا فیصلہ کیا جائے گا، اور اگر تیسرا آ گیا تو ہر ایک کے لئے تہائی تہائی کا فیصلہ کیا جائے گا برابر کو ثابت کرنے کے لئے۔

تشریح : تین آدمی شفیع تھے، لیکن ایک آدمی حاضر تھا تو اس کے لئے پورے کا فیصلہ کر دیا جائے گا، لیکن اب دوسرا آ گیا تو دونوں کے لئے آدھے آدھے کا فیصلہ کر دیا جائے گا، اور اگر تیسرا ابھی آ گیا تو ہر ایک کے لئے ایک ایک تہائی کا فیصلہ کیا جائے گا، تاکہ سب کا حصہ برابر رہے۔ تسویۃ: سوی سے مشتق ہے، برابر۔

ترجمہ : ۹ جو حاضر تھا اس کے لئے پورے حصے کے فیصلے کے بعد شفعہ چھوڑ دیا تو بعد میں آنے والا ہے اس کو آدھا ہی ملے گا، اس لئے کہ قاضی نے حاضر کے لئے پورا فیصلہ کر دیا تھا اس فیصلے نے غائب کا آدھا حصہ ختم کر دیا، [اس لئے اس کو آدھا ہی ملے گا] بخلاف فیصلے سے پہلے آ جاتا [تو پورا مل جاتا]

تشریح : دو آدمی شفیع تھے ایک آدمی حاضر تھا اس کے لئے پورے کا فیصلہ کر دیا، اس کے بعد غائب آدمی آیا تو اس کے لئے آدھا ہی حصہ ملے گا۔ لیکن قاضی کے فیصلے سے پہلے غائب آدمی آ گیا تو اب غائب کو پورا گھر مل جائے گا۔

وجہ : کیونکہ جب حاضر کے لئے پورے کا فیصلہ کر دیا تو گویا کہ غائب کے لئے آدھا ہی رہ گیا اس لئے وہ آدھا ہی لے سکے گا، ہاں حاضر کے لئے قاضی کا فیصلہ نہ ہوا ہوتا تو اب غائب کو پورا گھر مل جاتا۔

ترجمہ:(٦) شفعہ ثابت ہوتا ہے بیع کے عقد سے۔

الِاتِّصَالُ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ، ۲؎ وَالْوَجْهُ فِيهِ أَنَّ الشُّفْعَةَ انَّمَا تَجِبُ إِذَا رَغِبَ الْبَائِعُ عَنْ مِلْكِ الدَّارِ، وَالْبَيْعُ يُعَرِّفُهَا وَلِهَذَا يُكْتَفَى بِثُبُوتِ الْبَيْعِ فِي حَقِّهِ حَتَّى يَأْخُذَهَا الشَّفِيعُ إِذَا أَقَرَّ الْبَائِعُ

:شفعہ کے لئے چار باتیں ہونی ضروری ہیں[۱] بیع کا ثبوت[۲] بیچنے کا علم ہوتے ہی گواہ بنانا[۳] فوری طور پر گواہ بنانا، جسکو طلب مواثبہ، کہتے ہیں[۴] قاضی شفعہ کا فیصلہ کرے، یا مشتری شفیع کے لئے چھوڑ دے تب جا کر حق شفعہ کے ذریعہ گھر لے سکے گا۔

تشریح : یہ پہلی بات ہے۔حق شفعہ اس وقت ہوتا ہے جب بائع اس زمین کو بیچ رہا ہو اور اپنی ملکیت سے نکال رہا ہو تب شفیع کو حق شفعہ کے ذریعہ سے اس کو لینے کا حق ہوتا ہے۔

وجہ : (۱)اگر زمین بیچ نہیں رہا ہو تو حق شفعہ کیسے ہوگا؟(۲)حدیث میں ہے۔عن جابر قال قال رسول الله ﷺ ... فان باع فهو احق به حتى يوذنه (ابوداؤد شریف، باب فی الشفعۃ، ص۵۰۶،نمبر۳۵۱۳)حدیث سے معلوم ہوا کہ جب بیچے تب شفیع کو حق شفعہ ہوگا(۳) اس قول تابعی میں ہے۔قال ابن ابی لیلی لا یقع له شفعة حتى يقع البيع فان شاء اخذ وان شاء ترک. (مصنف عبد الرزاق، باب الشفیع یأذن قبل البیع وکم وقتھا، ج ثامن، ص۶۵،نمبر۱۴۴۸۲)اس قول تابعی میں ہے کہ بیع واقع ہو تب حق شفعہ ہوگا ورنہ نہیں۔

ترجمہ :۱؎ متن کی عبارت کا معنی یہ ہے کہ بیع کے بعد حق شفعہ ہوگا، یہ مطلب نہیں ہے کہ بیع شفعہ کا سبب ہے، اس لئے کہ شفعہ کا سبب تو متصل ہونا ہے۔

تشریح :متن کی عبارت میں ہے بعقد البیع ،جس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ عقد بیع شفعہ کا سبب ہے، اس لئے اس کی تصحیح فرما رہے ہیں کہ عقد بیع کے بعد جب بیع منعقد ہو جائے تب شفعہ شروع ہوگا۔اور شفعہ کا سبب مبیع کے ساتھ شفیع کی ملکیت کا متصل ہونا ہے۔خود بیع شفعہ کا سبب نہیں ہے۔

ترجمہ :۲؎ اس کی وجہ یہ ہے کہ شفعہ اس واجب ہوتا ہے جبکہ بائع گھر کی ملکیت سے بے رغبتی کا اظہار کرے، اور بیع اس کی پہچان ہے یہی وجہ ہے کہ بائع کے حق میں بیع کا ثبوت ہو جائے یا تنا ہی شفعہ کے لئے کافی ہے یہی وجہ ہے کہ شفیع گھر کو لے لیگا اگر بائع بیع کا اقرار کر لے، چاہے مشتری اس کی تکذیب کرے۔

تشریح :یہاں سے متن کی وجہ بیان کر رہے ہیں۔ایسا محسوس ہو کہ بائع اس گھر کو اپنی ملکیت میں نہیں رکھنا چاہتا ہے تو حق شفعہ ہو جائے گا، اور بیع کرنے سے اس بات کا پتہ ہوتا ہے کہ مالک اب اس گھر کو اپنی ملکیت میں نہیں رکھنا چاہتا ہے، چنانچہ بیع کا صرف ثبوت ہو جائے تو حق شفعہ ہو جاتا ہے، مثلا بائع اقرار کرتا ہے کہ میں نے گھر کو بیچا ہے اور مشتری اس کا انکار کرتا ہے تب بھی حق شفعہ ہو جائے گا، کیونکہ بیع کا ثبوت ہو گیا۔

لغت:یعرف:عرف سے مشتق ہے اس کا اظہار ہونا۔اس کو بتلاتا ہے۔

بِالْبَيْعِ وَإِنْ كَانَ الْمُشْتَرِي يُكَذِّبُهُ. (۷) قَالَ: (وَتَسْتَقِرُّ بِالْإِشْهَادِ، وَلَا بُدَّ مِنْ طَلَبِ الْمُوَاثَبَةِ) ۱؎ لِأَنَّهُ حَقٌّ ضَعِيفٌ يَبْطُلُ بِالْإِعْرَاضِ، ۲؎ فَلَا بُدَّ مِنَ الْإِشْهَادِ وَالطَّلَبِ لِيُعْلَمَ بِذَلِكَ رَغْبَتُهُ

ترجمہ :(۷) اور پختہ ہوجاتا ہے گواہ بنانے سے،اور فوری طور پر طلب کرنا ضروری ہے۔

تشریح : یہاں سے دوسری اور تیسری باتیں بیان کررہے ہیں۔[۲] دوسری بات یہ ہے کہ شفیع گواہ بنائے کہ مجھے یہ گھر لینا ہے تاکہ قاضی کے سامنے یہ گواہی پیش کر سکے گا میں نے علم ہونے کے بعد ہی لینے پر گواہ بنایا تھا۔[۳] اور تیسری بات یہ ہے کہ بیچنے کے علم ہونے کے بعد فوراہی گواہ بنائے،اگر ٹال مٹول کیا تو حق شفعہ ختم ہوجائے گا۔

وجہ :(۱) دوسرے کی زمین اپنے لئے کرنا ہے اس لئے علم ہونے کے بعد ذرا سا بھی اعراض کرے گا تو حق شفعہ ساقط ہو جائے گا (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ الشفعة كحل العقال. (ابن ماجہ شریف، باب طلب الشفعۃ،ص ۳۵۸،نمبر ۲۵۰۰رسنن للبیھقی ،باب روایۃ الفاظ منکرۃ یذکرھا بعض الفقھاء فی مسائل الشفعۃ، ج سادس،ص ۱۷۸،نمبر ۱۱۵۸۹)اس حدیث میں ہے کہ شفعہ کا معاملہ ایسا ہے جیسے اونٹ کی رسی کو کھولنا یعنی جس طرح اونٹ کی رسی کھولنے سے وہ بھاگ جاتا ہے اسی طرح شفعہ کو ذرا سی دیر کے لئے چھوڑ دیں تو وہ ساقط ہوجائے گا۔(۳) قول تابعی میں ہے۔عن الشعبی قال من بیعت شفعته وهو شاهد لا يغيرها فلا شفعة له . (بخاری شریف،باب عرض الشفعۃ علی صاحبھا قبل البیع ،ص ۳۵۹،نمبر ۲۲۵۸ رمصنف عبدالرزاق ،باب الشفیع یأذن قبل البیع وکم وقتھا ،ج ثامن،ص ۶۶،نمبر ۱۴۴۸۳)اس قول تابعی میں ہے کہ بیع ہوتے دیکھ رہا ہو اور شفیع اس کو اپنی طرف نہ بدلے تو حق شفعہ ختم ہوجائے گا۔اس لئے بکنے کا علم ہوتے ہی اس کو اپنے لینے پر گواہ بنانا چاہئے۔(۴) اگر اعراض کیا تو ساقط ہوجائے گا اس کی دلیل یہ قول تابعی ہے ۔عن شریح قال انما الشفعة لمن واثبها (مصنف عبدالرزاق، باب الشفیع یأذن قبل البیع وکم وقتھا ؟ ج ثامن،ص ۶۶، نمبر ۱۴۴۸۴)اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ جلدی سے کود کر حق شفعہ کا دعوی کرے گا تو اس کو حق ملے گا اور اگر اعراض کیا تو یہ حق ساقط ہوجائے گا۔

لغت:تستقر : پختہ ہوجانا،مضبوط ہوجانا۔مواثبۃ :وثب سے مشتق ہے کودنا، یہاں مراد ہے جلدی سے حق شفعہ کا دعوی کرے

ترجمہ:۱؎ اس لئے کہ یہ کمزور حق ہے اس لئے اعراض کرنے سے باطل ہوجائے گا۔

تشریح : واضح ہے۔

ترجمہ:۲؎ اور گواہ بنانا اور طلب کرنا ضروری ہے تاکہ اس میں رغبت کرنا معلوم ہوجائے،اور یہ کہ اس سے اعراض نہیں کر رہا ہے،اور اس لئے کہ قاضی اپنے طلب کو ثابت کرنے کی ضرورت پڑے گی،اور گواہ بنائے بغیر یہ ممکن نہیں ہے۔

تشریح:اس بات پر گواہ بنانا ضروری ہے کہ میں اس گھر کو حق شفعہ کے ماتحت لینا چاہتا ہوں،اور شفعہ کو طلب بھی کرے تاکہ پتہ چلے کی اس کو اس گھر کے لینے میں رغبت ہے۔اس کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ قاضی کے سامنے یہ گواہی پیش کرنی ہوگی کہ میں

فِيهِ دُونَ اعْرَاضِهِ عَنْهُ، وَلِأَنَّهُ يَحْتَاجُ إِلَى اثْبَاتِ طَلَبِهِ عِنْدَ الْقَاضِي وَلَا يُمْكِنُهُ إِلَّا بِالْإِشْهَادِ. (۸) قَالَ: (وَتُمْلَكُ بِالْأَخْذِ إِذَا سَلَّمَهَا الْمُشْتَرِي أَوْ حَكَمَ بِهَا الْحَاكِمُ) ۱؎ لِأَنَّ الْمِلْكَ لِلْمُشْتَرِي قَدْ تَمَّ فَلَا يَنْتَقِلُ إِلَى الشَّفِيعِ إِلَّا بِالتَّرَاضِي أَوْ قَضَاءِ الْقَاضِي كَمَا فِي الرُّجُوعِ وَالْهِبَةِ. ۲؎ وَتَظْهَرُ فَائِدَةُ هَذَا فِيمَا إِذَا مَاتَ الشَّفِيعُ بَعْدَ الطَّلَبَيْنِ وَبَاعَ دَارَهُ الْمُسْتَحَقَّ بِهَا الشُّفْعَةُ أَوْ بِيعَتْ دَارٌ بِجَنْبِ الدَّارِ الْمَشْفُوعَةِ قَبْلَ حُكْمِ الْحَاكِمِ أَوْ تَسْلِيمِ الْمُخَاصِمِ لَا تُوْرَثُ عَنْهُ فِي الصُّورَةِ الْأُولَى وَتَبْطُلُ شُفْعَتُهُ فِي الثَّانِيَةِ وَلَا يَسْتَحِقُّهَا فِي الثَّالِثَةِ

لینے پر یہ گواہ بنایا ہے، اور میں نے فوری طور پر اس کو طلب بھی کیا ہے، اس لئے فوری طور پر گواہ بنانا ضروری ہے۔

ترجمہ :(۸) اور شفیع ملک بنے گا لینے سے، اگر مشتری اس شفعہ والے گھر کو سپرد کردے، یا قاضی سپرد کرنے کا فیصلہ کردے۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ مشتری کی ملکیت مکمل ہو چکی ہے اس لئے شفیع کی طرف منتقل نہیں ہوگی مگر مشتری کی رضامندی سے، یا قاضی کے فیصلے سے۔

تشریح :مکان کے مالک نے مشتری کے ہاتھ مکان بیچ دیا ہے اس لئے اس کی ملکیت ہو چکی ہے اس لئے یا تو وہ اپنی رضامندی سے مکان شفیع کو سپرد کردے، یا قاضی سپرد کردینے کا فیصلہ کردے تب شفیع اس مکان کا مالک بنے گا۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ کسی نے زید کو مکان ہبہ کردیا اور اس پر قبضہ بھی دے دیا، اب اس کو واپس لینا چاہتا ہے تو یا زید اپنی رضامندی سے واپس کردے، یا قاضی واپس کرنے کا فیصلہ کردے تب ہبہ کرنے والا مکان کا مالک بنے گا، کیونکہ موہوب لہ اس مکان کا مالک بن چکا تھا، اسی طرح یہاں مشتری واپس کردے، یا قاضی واپس کرنے کا فیصلہ کردے تب شفیع مکان کا مالک بنے گا۔

ترجمہ :۲؎ اس کا فائدہ ظاہر ہوگا۔[۱] دونوں طلبوں کے بعد شفیع مرجائے۔[۲] یا جس گھر کے ذریعہ شفعہ کا حق ملا تھا وہ بیچ دیا [۳] یا جس گھر کو شفعہ پر لینے جا رہا تھا اس کے بغل میں گھر بک رہا ہے قاضی کے فیصلے سے پہلے یا مشتری کے سپرد کرنے سے پہلے، تو پہلے صورت میں شفعہ والے گھر کا وارث نہیں ہوگا۔ اور دوسری صورت میں شفعہ ختم ہو جائے گا۔ اور تیسری صورت میں شفعہ کا حق نہیں ملے گا اس لئے کہ ابھی تک شفیع کی ملکیت نہیں ہوئی ہے۔

اصول :جب تک مشتری شفعہ والا گھر سپرد نہ کردے، یا قاضی فیصلہ نہ کردے شفیع مالک نہیں بن سکتا، اس لئے اس گھر کے مالک بننے سے پہلے آگے تین فائدہ ذکر کر رہے ہیں۔

تشریح :یہاں تین فائدے ایک ساتھ ذکر کردئے ہیں آپ اس کو الگ الگ سمجھیں

[۱] شفیع نے دونوں طلب یعنی گواہ بھی بنایا اور طلب بھی کیا لیکن ابھی تک قاضی نے فیصلہ نہیں کیا، اور نہ مشتری نے سپرد کیا تو شفیع

لِانْعِدَامِ الْمِلْكِ لَهُ. ۳؎ ثُمَّ قَوْلُهُ تَجِبُ بِعَقْدِ الْبَيْعِ بَيَانٌ أَنَّهُ لا يَجِبُ إِلَّا عِنْدَ مُعَارَضَةِ الْمَالِ بِالْمَالِ عَلَى مَا نُبَيِّنُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى. وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ابھی تک اس گھر کا مالک نہیں بنا ہے، اس لئے اگر شفیع مر گیا تو اس کا وارث اس گھر کو تقسیم نہیں کر سکتا ہے، اس لئے کہ یہ شفیع کی ملکیت نہیں ہے۔[۲] دوسری مثال یہ ہے کہ جس گھر کے ذریعہ حق شفعہ کا دعوی کیا تھا اس گھر کو شفیع نے بیچ دیا تو اب حق شفعہ ختم ہو جائے گا، کیونکہ اب وہ گھر ہی نہیں رہا جس کے ذریعہ شفعہ کا دعوی کرتا، اور شفعہ والا گھر ابھی اس کی ملکیت میں آیا نہیں ہے۔[۳] تیسری مثال یہ ہے کہ اس دوران شفعہ والے گھر کے پاس ایک دوسرا مکان بکنے لگا تو اگر شفیع اس دوسرے مکان کو لینا چاہے تو نہیں لے سکتا، کیونکہ ابھی تک یہ مکان شفیع کا نہیں ہوا ہے اس لئے اس کی بنیاد پر اس کے پاس والے مکان میں حق شفعہ کا دعوی کیسے کر سکتا ہے۔

لغت: بتسلیم المخاصم: مخاصم، کا ترجمہ ہے جھگڑا کرنے والا۔ یہاں مخاصم سے مراد مشتری ہے۔ بتسلیم المخاصم: کا ترجمہ ہوگا مشتری کے سپرد کرنے سے پہلے۔

ترجمہ: ۳؎ پھر متن میں یہ قول تجب بعقد البیع، [بیع کے عقد سے شفعہ ہوگا] اس بات کا بیان ہے کہ مال کے بدلے میں گھر بکے تب ہی حق شفعہ واجب ہوگا، اس بات کو ان شاء اللہ بعد میں بیان کریں گے۔

تشریح: متن میں مسئلہ نمبر ۶ میں یہ گزرا کہ عقد بیع ہو تب حق شفعہ ہوگا، اس کا مطلب یہ ہے کہ جب بھی مال کے بدلے میں مکان، یا زمین جائے تو حق شفعہ لازم ہوگا، چاہے وہ بکنے کی صورت میں جائے، یا ہبہ کی شکل میں جائے، تو حق شفعہ واجب ہوگا، اس بات کو بعد میں بیان کریں گے۔

﴿بَابُ طَلَبِ الشُّفْعَةِ وَالْخُصُومَةُ فِيهَا﴾

(۹)قَالَ: (وَإِذَا عَلِمَ الشَّفِيعُ بِالْبَيْعِ أَشْهَدَ فِي مَجْلِسِهِ ذَلِكَ عَلَى الْمُطَالَبَةِ) ۱ اعْلَمْ أَنَّ الطَّلَبَ عَلَى ثَلَاثَةِ أَوْجُهٍ: طَلَبُ الْمُوَاثَبَةِ وَهُوَ أَنْ يَطْلُبَهَا كَمَا عَلِمَ، حَتَّى لَوْ بَلَغَ الشَّفِيعَ الْبَيْعُ وَلَمْ يَطْلُبْ شُفْعَتَهُ بَطَلَتْ الشُّفْعَةُ لِمَا ذَكَرْنَا، ۲ وَلِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – الشُّفْعَةُ

﴿باب طلب الشفعة و الخصومة فيها﴾

ترجمہ :(۹)جب شفیع کو بیع کا علم ہوا تو گواہ بنالے اسی مجلس میں مطالبے پر۔

تشریح : یہ طلب کی تفصیل ہے،اوراس کی تین قسمیں ہیں[۱] جیسے ہی معلوم ہوتو لینے پرمجلس ہی میں گواہ بنائے اس کو طلب مواثبت، کہتے ہیں [۲] پھراس کو ثابت کرنے کے لئے اگر گھر بائع کے ہاتھ میں ہوتو اس کو لینے پر گواہ بنائے ،اوراگر گھر مشتری کے قبضے میں ہوتو مشتری کو گواہ بنائے ،اوروہ نہ ہوسکے تو زمین پر جا کر گواہی کا اعلان کرے،اس سے شفعہ مضبوط ہوجائے گا۔اس کو طلب تقریر، کہتے ہیں۔[۳]اس کے بعد قاضی کے سامنے شفعہ کی درخواست دے اس کو طلب خصومت، کہتے ہیں۔

وجہ :(۱) چونکہ دوسرے کی زمین صرف ایک حق کے ماتحت لینی ہے اس لئے ذرا سے اعراض کرنے سے حق ساقط ہو جائے گا (۲) حدیث میں اس کا ثبوت گزر چکا ہے۔**عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ الشفعة کحل العقال.** (ابن ماجہ شریف، باب طلب الشفعۃ ،ص ۳۵۸ ،نمبر ۲۵۰۰ رسنن للبیھقی ، باب روایۃ الفاظ منکرۃ یذکرھا بعض الفقھاء فی مسائل الشفعۃ ، ج سادس ،ص ۱۷۸ ،نمبر ۱۱۵۸۹)اس حدیث میں ہے کہ شفعہ کا معاملہ ایسا ہے جیسے اونٹ کی رسی کو کھولنا یعنی جس طرح اونٹ کی رسی کھولنے سے وہ بھاگ جاتا ہے اسی طرح شفعہ کو ذرا سی دیر کے لئے چھوڑ دیں تو وہ ساقط ہوجائے گا۔(۳)اس قول تابعی میں ہے کہ دیر کرے گا حق ساقط ہوجائے گا ،**قال الثوری الشفعة للکبیر ، والصغیر و الاعرابی ، و الیھودی و النصرانی و المجوسی ، فاذا علم لثلاثة ایام فلم یطلبھا فلا شفعة له و اذ مکث ایاما ثم طلبھا و قال لم اعلم ان له شفعة فھو متھم** ۔(مصنف عبدالرزاق، باب ھل للکافر شفعۃ وللاعرابی؟ ج ثامن،ص ۶۷، نمبر ۱۴۴۹۱)اس قول تابعی میں ہے کہ دیر کرے گا تو حق ساقط ہوجائے گا۔

ترجمہ :۱ یقین کیجئے کہ طلب کے تین مرحلے ہیں[۱] ایک طلب مواثبت ہے،اوروہ یہ ہے کہ جیسے ہی بکنے کا علم ہوتو اس کو طلب کرے،یہی وجہ ہے کہ شفیع کو بکنے کی خبر ہواوراس کا شفعہ طلب نہ کرے تو شفعہ باطل ہوجائے گا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کیا[کہ یہ حق بہت کمزور حق ہے]

تشریح :یہاں سے طلب کرنے کے تین مرحلے بیان کر رہے ہیں،[۱] پہلا مرحلہ ہے کہ طلب مواثبت کرے،یعنی جیسے

لِمَنْ وَاثَبَهَا. ۳؎ وَلَوْ أُخْبِرَ بِكِتَابٍ وَالشُّفْعَةُ فِي أَوَّلِهِ أَوْ فِي وَسَطِهِ فَقَرَأَ الْكِتَابَ إِلَى آخِرِهِ بَطَلَتْ شُفْعَتُهُ، وَعَلَى هَذَا عَامَّةُ الْمَشَايِخِ، وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ مُحَمَّدٍ. وَعَنْهُ: أَنَّ لَهُ مَجْلِسَ الْعِلْمِ، وَالرِّوَايَتَانِ فِي النَّوَادِرِ. ۴؎ وَبِالثَّانِيَةِ أَخَذَ الْكَرْخِيُّ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا ثَبَتَ لَهُ خِيَارُ التَّمَلُّكِ لَا بُدَّ لَهُ

ہی بکنے کی خبر ملے تو اسی مجلس میں اس کو لے لینے پر گواہ بنائے، چنانچہ اگر فوری طور پر گواہ نہیں بنایا اور مجلس ختم ہوگئی تو حق شفعہ باطل ہو جائے گا، کیونکہ یہ حق بہت کمزور ہے، کیونکہ بغیر بائع کی رضامندی کے اس کو لینے کا قدم اٹھا رہا ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے شفعہ اس کے لئے ہے جو دوڑ کر لے۔

تشریح: صاحب ہدایہ کا قول تابعی یہ ہے۔ عن شریح قال انما الشفعة لمن واثبها (مصنف عبد الرزاق، باب الشفیع یأذن قبل البیع وکم وقتھا؟ ج ثامن، ص ۶۶، نمبر ۱۴۴۸۴) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ جلدی سے کود کر حق شفعہ کا دعوی کرے گا تو اس کو حق ملے گا اور اگر اعراض کیا تو یہ حق ساقط ہو جائے گا۔ باقی دلائل پہلے گزر چکے ہیں۔

ترجمہ: ۳؎ اگر خط کے ذریعہ سے بکنے کی خبر دی گئی، اور شفعہ کا لفظ شروع میں تھا، یا درمیان میں تھا، اور پورا خط پڑھ ڈالا تو شفعہ کا حق ختم ہو جائے گا، اسی پر عام مشائخ ہیں اور یہی روایت امام محمدؒ کی روایت ہے، اور انہیں سے دوسری روایت یہ ہے کہ جاننے کی پوری مجلس کا اعتبار ہے۔، اور نوادر کتاب میں دو روایتیں ہیں۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس مجلس میں زمین بکنے کا علم ہوا اس کے آخیر تک گواہ بنانے کا حق ہے، یا علم ہوتے ہی گواہ بنانا ضروری ہے، مجلس کے آخیر تک کی گنجائش نہیں ہے۔

تشریح: خط کے ذریعہ سے زمین بکنے کی خبر دی گئی، بکنے کی خبر خط کے شروع میں تھا اس نے پورا خط پڑھا اس کے بعد لینے پر گواہ بنایا، تو چونکہ بکنے کی خبر پڑھتے ہی گواہ نہیں بنایا مجلس کی آخیر تک تاخیر کی اس لئے حق شفعہ ختم ہو گیا، عام مشائخ اسی پر ہیں اور امام محمدؒ کی بھی ایک روایت یہی ہے، لیکن انکی دوسری روایت یہ ہے کہ جس مجلس میں خط پڑھا اس مجلس کے آخیر تک بھی گواہ بنا لے گا تو حق شفعہ باطل نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۴؎ دوسری روایت کو حضرت کرخیؒ نے لیا ہے، اس لئے کہ جب شفیع کو مالک بننے کا اختیار ملا تو تو غور کرنے کا کچھ زمانہ ملنا چاہئے جیسے کہ جس عورت کو طلاق کا اختیار دیا جاتا ہے تو اس کو مجلس تک طلاق دینے کا اختیار ملتا ہے۔

تشریح: امام کرخیؒ نے دوسری روایت کو اختیار کیا ہے، یعنی مجلس تک اختیار ملے گا۔

وجہ: اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ جب شفیع کو مبیع لینے کا اختیار ملا تو مجلس تک غور کرنے کا موقع ملنا چاہئے، تاکہ وہ غور کر سکے کہ اس زمین کو لینا چاہئے یا نہیں۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ کسی عورت کو شوہر نے طلاق دینے کا اختیار دیا تو مجلس کے ختم ہونے تک یہ اختیار باقی رہتا ہے، مجس کے ختم ہونے پر طلاق دینے کا اختیار ختم ہو جائے گا۔ اسی طرح یہاں مجلس کے ختم ہونے تک شفیع کو لینے یا چھوڑ دینے کا اختیار ہوگا۔

مِنْ زَمَانِ التَّأَمُّلِ كَمَا فِي الْمُخَيَّرَةِ، ۵ وَلَوْ قَالَ بَعْدَمَا بَلَغَهُ الْبَيْعُ: اَلْحَمْدُ لِلَّهِ أَوْ " لا حَوْلَ وَلا قُوَّةَ إلَّا بِاللَّهِ " أَوْ قَالَ " سُبْحَانَ اللَّهِ " لا تَبْطُلُ شُفْعَتُهُ؛ لِأَنَّ الْأَوَّلَ حَمْدٌ عَلَى الْخَلاصِ مِنْ جِوَارِهِ وَالثَّانِي تَعَجُّبٌ مِنْهُ لِقَصْدِ اضْرَارِهِ، وَالثَّالِثُ لِافْتِتَاحِ كَلامِهِ فَلا يَدُلُّ شَيْءٌ مِنْهُ عَلَى الْإِعْرَاضِ، ٦ وَكَذَا إذَا قَالَ: مَنْ ابْتَاعَهَا وَبِكَمْ بِيعَتْ؛ لِأَنَّهُ يَرْغَبُ فِيهَا بِثَمَنٍ دُونَ ثَمَنٍ

لغت: التامل: غور، فکر۔ مخیّرۃ: اختیار سے مشتق ہے، جس عورت کو شوہر نے طلاق دینے کا اختیار دیا ہو۔

ترجمہ: ۵ بیع کی خبر پہنچنے کے بعد، الحمد لله، کہا، یالا حول و لا قوة الا بالله، یاسبحان الله، کہا تو شفعہ باطل نہیں ہوگا اس لئے کہ پہلا غلط پڑوسیوں سے چھٹکارہ پانے پر حمد ہے، اور دوسری صورت میں بائع کے نقصان دینے کے ارادے پر تعجب ہے، اور تیسری صورت اپنی بات شروع کرنے پر تعجب ہے، اس لئے ان میں سے کوئی بات اعراض کرنے پر دلالت نہیں کرتی۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ بکنے کی خبر ہونے کے بعد کوئی حرکت کی جو اعراض پر دلالت نہیں کرتی تو اس سے حق شفعہ ساقط نہیں ہوگا۔

تشریح: بکنے کی کی خبر ہونے کے بعد شفیع نے الحمد لله، کہا، اس کے بعد طلب مواثبت کی تو اس سے حق شفعہ ساقط نہیں ہوگا، کیونکہ یہ جملہ اعراض پر دلالت نہیں کرتا بلکہ ایسے خراب پڑوسی سے چھٹکارہ مل گیا اس پر شکر ادا کر رہا ہے، اس لئے اس سے حق شفعہ ساقط نہیں ہوگا۔ یا لا حول و لا قوة الا بالله، کہا تو اس سے بھی حق ساقط نہیں ہوگا، کیونکہ یہ جملہ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ بیچنے والا شفیع کو نہ بتا کر نقصان دے رہا تھا اس پر اس نے تعجب کا اظہار کیا اور لا حول و لا قوة الا بالله، کہا اس لئے یہ اعراض کا جملہ نہیں ہے، یا سبحان الله، کہا تو اس سے شفیع خوشی میں اپنی بات شروع کرنا چاہتا ہے اس لئے یہ بھی اعراض کا جملہ نہیں ہے، اس لئے حق ساقط نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ٦ ایسے ہی اگر کہا کہ کس نے خریدا ہے؟ یا کتنے میں بیچا ہے؟ [تو حق شفعہ ساقط نہیں ہوگا] اس لئے کہ وہ رغبت کر رہا ہے ایک قیمت سے نہ کہ دوسری قیمت سے، اور اعراض کرنا ہے بعض برے پڑوس سے نہ کہ دوسرے پڑوس سے۔

تشریح: بکنے کی خبر ملنے کے بعد شفیع نے یہ پوچھنا شروع کر دیا کہ کتنے میں بکا ہے، اس کے بعد گواہ بنایا تو اس سے اعراض ثابت نہیں ہوگا، بلکہ اس سے تو رغبت ظاہر ہوتی ہے، کیونکہ قیمت پوچھ کر کے یہ فیصلہ کرنا چاہتا ہے کہ کم قیمت میں بکی ہو تو شفعہ کا دعوی کروں گا، اور زیادہ قیمت میں بکی ہو تو شفعہ کا دعوی نہیں کروں گا۔ اسی طرح یہ پوچھتا ہو کہ کس نے خریدا ہے تو اس سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ اچھا پڑوسی آر ہا ہو تو شفعہ کا دعوی نہیں کروں گا، اور خراب پڑوسی آر ہا ہو تو خود خرید لوں گا تا کہ خراب پڑوسی زندگی بھر کے لئے پریشان کن نہ بنے، اس لئے یہ پوچھنا اعراض کی دلیل نہیں ہے۔

وَيَرْغَبُ عَنْ مُجَاوَرَةِ بَعْضٍ دُونَ بَعْضٍ، ٧ وَالْمُرَادُ بِقَوْلِهِ فِي الْكِتَابِ: أَشْهَدَ فِي مَجْلِسِهِ ذٰلِکَ عَلَى الْمُطَالَبَةِ طَلَبُ الْمُوَاثَبَةِ، وَالْإِشْهَادُ فِيهِ لَيْسَ بِلَازِمٍ، انَّمَا هُوَ لِنَفْيِ التَّجَاحُدِ وَالتَّقْيِيدُ بِالْمَجْلِسِ إِشَارَةٌ إِلَى مَا اخْتَارَهُ الْكَرْخِيُّ. ٨ وَيَصِحُّ الطَّلَبُ بِكُلِّ لَفْظٍ يُفْهَمُ مِنْهُ طَلَبُ الشُّفْعَةِ كَمَا لَوْ قَالَ: طَلَبْتُ الشُّفْعَةَ أَوْ أَطْلُبُهَا أَوْ أَنَا طَالِبُهَا؛ لِأَنَّ الِاعْتِبَارَ لِلْمَعْنَى، ٩ وَإِذَا بَلَغَ الشَّفِيعَ بَيْعُ الدَّارِ لَمْ يَجِبْ عَلَيْهِ الْإِشْهَادُ حَتَّى يُخْبِرَهُ رَجُلَانِ أَوْ رَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ أَوْ

ترجمه :٧ اورمتن میں اشھد فی مجلسہ: کا مطلب یہ ہے کہ طلب مواثبت کرے، اوراس میں گواہ بنانا ضروری نہیں ہے، یہ تو صرف انکار کی نفی کے لئے ہے، اور مجلس کی قید اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جسکو امام کرخی نے اختیار کیا کہ [کہ مجلس ختم ہونے تک لینے کا حق ہے]

تشریح : : یہاں متن کی عبارت کی تصحیح ہے۔ بکنے کی خبر ہونے کے بعد دو باتیں ہوتی ہیں [۱] ایک تو شفیع صرف اعلان کردے کہ میں اس مکان کو لینے والا ہوں۔ اتنا ہی ضروری ہے تاکہ مشتری یہ کہے کہ فوری طور پر لینے کا دعوی نہیں کیا تھا اس لئے تمہارا حق شفعہ ساقط ہے تو شفیع قسم کھا کر کہہ سکے کہ میں نے لینے کا اعلان کیا تھا۔[۲] دوسری صورت یہ ہے کہ لینے کے اعلان پر گواہ بھی بنائے، یہ ضروری نہیں ہے، البتہ بنالے تو اچھا ہے، تاکہ قاضی کے سامنے معاملہ جائے تو گواہی پیش کر سکے کہ میں نے لینا کا اعلان کیا تھا۔ اورمتن میں یہ جو ہے کہ مجلس میں گواہ بنائے تو اس کا مطلب یہ نکلا کہ مجلس ختم ہونے تک اعلان کرسکتا ہے، اسی کو امام کرخیؒ نے لیا ہے، علم ہوتے ہیں فورا اعلان کرنا ضروری نہیں ہے۔

لغت : تجاحد: جحد سے مشتق ہے، انکار کرنا۔ نفی التجاحد کا ترجمہ ہوگا، مشتری انکار کرے تو اس کی نفی کے لئے گواہ بنانا بہتر ہے۔

ترجمه :٨ ہر وہ لفظ جس سے شفعہ کا طلب کرنا سمجھا جاتا ہو اس سے شفعہ کا طلب کرنا جائز ہے، جیسے اگر کہا طلبتُ الشفعۃ [میں نے شفعہ طلب کیا]، یا اطلبھا [میں شفعہ طلب کرتا ہوں]، انا طالبھا [میں شفعہ طلب کرنے والا ہوں]، اس لئے کہ معنی کا اعتبار ہے۔

تشریح: :جن الفاظ سے شفعہ طلب کرنا سمجھا جاتا ہو اس سے شفعہ طلب کرنے سے شفعہ کا حق مل جائے گا۔ پھر اس کی تین مثالیں دی ہیں [۱] میں نے شفعہ طلب کیا، یہ فعل ماضی کے ذریعہ شفعہ طلب کرنا ہوا۔[۲] یا میں اس کو طلب کروں گا، یہ فعل مضارع کے ذریعہ شفعہ طلب کرنا ہوا۔[۳] یا میں شفعہ طلب کرنے والا ہوں، یہ اسم فاعل کے ذریعہ شفعہ طلب کرنا ہوا۔ ان الفاظ سے شفعہ طلب کرنا جائز ہوگا، اس لئے کہ معنی اور مفہوم کا اعتبار ہے۔

ترجمه: ٩ شفیع کو گھر بیچنے کی خبر ملی تو اس پر گواہ بنانا واجب نہیں ہوگا، یہاں تک کہ اس کو دو مرد خبر دے، یا ایک مرد اور دو عورتیں خبر دے، یا ایک عادل مرد خبر دے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ شفیع پر گواہ بنانا واجب ہے اگر ایک

وَاحِـدٌ عَـدُلٌ عِـنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا: يَجِبُ عَلَيْهِ أَنْ يُشْهِدَ إِذَا أَخْبَرَهُ وَاحِدٌ حُرًّا كَانَ أَوْ عَبْدًا صَبِيًّا كَـانَ أَوْ امْـرَأَةً إِذَا كَـانَ الْـخَبَرُ حَقًّا. وَأَصْلُ الِاخْتِلَافِ فِي عَزْلِ الْوَكِيلِ، وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ بِدَلَائِلِهِ وَأَخَوَاتِهِ فِيمَا تَقَدَّمَ، ١٠ وَهَذَا بِخِلَافِ الْمُخَيَّرَةِ إِذَا أُخْبِرَتْ عِنْدَهُ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِيهِ إِلْزَامُ حُكْمٍ، ١١ وَبِخِلَافِ مَا إِذَا أَخْبَرَهُ الْمُشْتَرِي؛ لِأَنَّهُ خَصْمٌ فِيهِ وَالْعَدَالَةُ غَيْرُ مُعْتَبَرَةٍ فِي الْخُصُومِ.

آدمی نے خبر دی، چاہے وہ آزاد ہو، یا غلام ہو، یا بچہ ہو، عورت ہو، بشرطیکہ صحیح خبر ہو۔

اصول : امام ابوحنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ شفعہ کی خبر دینا معاملہ ہے اس لئے پوری گواہی ہو، یعنی دو مرد ہو، یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں، یا گواہی کا ایک حصہ ہو[شطر الشہادۃ] یعنی خبر دینے والا ایک عادل مرد ہو، یا دو مستور الحال مرد ہو تب شفیع پر گواہ بنانا ضروری ہو، اور یہ نہ ہو تو گواہ بنانا ضروری نہیں ہے۔

اصول :اور صاحبینؒ کا اصول یہ ہے کہ بکنے کی خبر دینا ایک عام خبر ہے معاملات نہیں ہے اس لئے بچہ، باندی بھی خبر دے دے تو شفیع پر گواہ بنانا واجب ہے، یہی اختلاف وکیل کے عزل کرنے کے بارے میں (کتاب ادب القاضی، باب فی القضاء بالمواریث، ص۲۲۲، مسئلہ نمبر ۴۷۵) میں گزر چکا ہے

ترجمہ :١٠ بخلاف اس عورت کے جسکو طلاق کا اختیار دیا ہو اگر اس کو خبر دی جائے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس لئے کہ اس میں حکم کو لازم کرنا نہیں ہے۔

تشریح: کسی عورت کو شوہر نے طلاق دینے کا اختیار دیا ہو، تو اس کی خبر کسی بچے نے دے دی تو عورت کو طلاق دینے کا اختیار مل جائے گا، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس میں پوری گواہی، یا گواہی کا آدھا حصہ [شطر شہادت] ہونے کی ضرورت نہیں ہے

وجہ: اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ یہاں عورت پر حکم کو لازم کرنا نہیں ہے، کیونکہ طلاق دینے کے بعد شوہر اس کی تصدیق کرے گا تو طلاق واقع ہوگی اور شوہر انکار کردے گا تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ چونکہ عورت پر کوئی چیز لازم کرنا نہیں ہے اس لئے شہادت یا شطر شہادت ہونا ضروری نہیں ہے، اور شفعہ میں دوسرے کی زمین کو لینا ہے اور اس میں الزام ہے اس لئے وہاں گواہی ہو یا اس کا آدھا حصہ ہو تب شفیع پر گواہ بنانا ضروری ہوگا۔

ترجمہ :١١ بخلاف اگر خود مشتری ہی نے بکنے کی خبر دی تو [شہادت، یا شطر شہادت کی ضرورت نہیں ہے]، اس لئے کہ وہ خود خصم [جھگڑا] کرنے والا ہے اس لئے جھگڑا کرنے والے کے لئے عدالت ضروری نہیں ہے۔

تشریح :خود مشتری نے شفیع کو مکان بکنے کی خبر دی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مشتری کا عادل ضروری نہیں ہے۔ شفیع کو لینے پر گواہ بنا دینا چاہئے۔

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ اس معاملے میں یہ خود خصم ہے، بکنے کی خبر دیکر اپنا نقصان کر رہا ہے، اس لئے یہی سمجھا جائے گا کہ یہ

۱۲؎ وَالثَّانِي: طَلَبُ التَّقْرِيرِ وَالْإِشْهَادِ؛ لِأَنَّهُ مُحْتَاجٌ إِلَيْهِ لِإِثْبَاتِهِ عِنْدَ الْقَاضِي عَلَى مَا ذَكَرْنَا، وَلَا يُمْكِنُهُ الْإِشْهَادُ ظَاهِرًا عَلَى طَلَبِ الْمُوَاثَبَةِ؛ لِأَنَّهُ عَلَى فَوْرِ الْعِلْمِ بِالشِّرَاءِ فَيَحْتَاجُ بَعْدَ ذَلِكَ إِلَى طَلَبِ الْإِشْهَادِ وَالتَّقْرِيرِ، وَبَيَانُهُ مَا قَالَ فِي الْكِتَابِ: (۱۰) ثُمَّ يَنْهَضُ مِنْهُ (يَعْنِي مِنَ الْمَجْلِسِ) وَيُشْهِدُ عَلَى الْبَائِعِ إِنْ كَانَ الْمَبِيعُ فِي يَدِهِ (مَعْنَاهُ لَمْ يُسَلِّمْ إِلَى الْمُشْتَرِي) أَوْ عَلَى الْمُبْتَاعِ أَوْ عِنْدَ الْعَقَارِ، فَإِذَا فَعَلَ ذَلِكَ اسْتَقَرَّتْ شُفْعَتُهُ ۱؎ وَهَذَا لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا خَصْمٌ

سچ کہہ رہا ہوگا، اس لئے اس کا عادل ہونا، یا اس صورت میں آدھی گواہی ہونا ضروری نہیں ہے۔ مشتری کے خبر دینے کے بعد لینے پر گواہ نہیں بنایا تو شفیع کا حق ساقط ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۱۲؎ دوسرا طلب تقریر ہے اور گواہ بنانا ہے اس لئے کہ قاضی کے پاس ثابت کرنے کے لئے اس کی ضرورت ہے، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ طلب مواثبۃ کے وقت گواہ بنانا ممکن نہ ہو، اس لئے کہ خریدنے کو جاننے کے بعد فورا ہوتا ہے اس لئے اس کے بعد گواہ بنانے اور اس کو ثوبت کرنے کی ضرورت پڑے گی، اور اس کی صورت وہ ہے جو آگے صاحب قدوری فرمارہے ہیں۔

تشریح: تقریر کا ترجمہ ہے ثابت کرنا۔ پہلا طلب مواثبت تھا، جسکی صورت یہ تھی کہ بکنے کی خبر ہونے کے بعد فورا لینے کا اعلان کردے۔ اس کے بعد طلب تقریر کا مرحلہ ہے، یعنی اس اعلان کو بیچنے والے اور خریدنے والے کے پاس جا کر ثابت کرے، اور بار بار ثابت کرے کہ میں اس کو حق شفعہ کے ماتحت لوں گا۔

وجہ: اس کی ضرورت اس لئے ہے کہ ہوسکتا ہے کہ طلب مواثبت کے وقت گواہ میسر نہ ہوا ہو کیونکہ وہ اعلان تو بکنے کی خبر ہونے کے وقت کرنا پڑتا ہے، اور یہ ممکن ہے کہ وہاں کوئی گواہ موجود نہ ہو، اس لئے اب، بائع اور مشتری کے پاس جا کر اعلان پر گواہ بنائے تاکہ قاضی کے سامنے معاملہ پیش ہو تو گواہ کے ذریعہ ثابت کر سکے کہ علم ہوتے ہی میں نے اس کے لینے پر گواہ بنایا تھا۔ اور طلب تقریر کس طرح کیا جائے گا اس کا پورا خاکہ خود صاحب قدوری نے آگے پیش کیا ہے۔

ترجمہ: (۱۰) پھر اٹھے [یعنی مجلس سے اٹھے] اور بایع کے سامنے گواہ بنائے اگر مبیع اس کے قبضے میں ہو تو [اس کا معنی یہ ہے کہ مشتری کو نہ دیا ہو، یا مشتری پر گواہ بنائے، یا زمین پر جا کر گواہ بنائے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ بائع اور مشتری میں سے ہر ایک اس میں خصم ہے، اس لئے کہ پہلے [یعنی بائع] کا قبضہ ہے، اور دوسرے [یعنی مشتری] کی ملکیت ہے، اور ایسے ہی مبیع پر بھی گواہ بنانا صحیح ہے اس لئے کہ حق شفعہ مبیع سے بھی متعلق ہے۔

تشریح: یہ طلب تقریر کی صورت ہے۔ کہ طلب مواثبت کے بعد اب طلب تقریر کے لئے مجلس سے اٹھے اور اگر بائع کے پاس مبیع ہو تو اس کے سامنے لینے پر گواہ بنائے، اور اگر مبیع مشتری کے پاس ہے تو مشتری کے سامنے گواہ بنائے، اور وہ بھی نہ ہو

فِيهِ؛ لِأَنَّ لِلْأَوَّلِ الْيَدَ وَلِلثَّانِي الْمِلْکَ، وَكَذَا يَصِحُّ الْإِشْهَادُ عِنْدَ الْمَبِيعِ؛ لِأَنَّ الْحَقَّ مُتَعَلِّقٌ بِهِ، ۲؎ فَإِنْ سَلَّمَ الْبَائِعُ الْمَبِيعَ لَمْ يَصِحَّ الْإِشْهَادُ عَلَيْهِ لِخُرُوجِهِ مِنْ أَنْ يَكُونَ خَصْمًا، اذْ لَا يَدَ لَهُ وَلَا مِلْکَ؛ فَصَارَ كَالْأَجْنَبِيِّ. ۳؎ وَصُورَةُ هَذَا الطَّلَبِ أَنْ يَقُولَ: انَّ فُلَانًا اشْتَرَى هَذِهِ الدَّارَ وَأَنَا شَفِيعُهَا وَقَدْ كُنْتُ طَلَبْت الشُّفْعَةَ وَأَطْلُبُهَا الْآنَ فَاشْهَدُوا عَلَى ذَلِکَ. ۴؎ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ: أَنَّهُ يُشْتَرَطُ تَسْمِيَةُ الْمَبِيعِ وَتَحْدِيدُهُ؛ لِأَنَّ الْمُطَالَبَةَ لَا تَصِحُّ إِلَّا فِي مَعْلُومٍ. ۵؎ وَالثَّالِثُ طَلَبُ الْخُصُومَةِ وَالتَّمَلُّکِ، وَسَنَذْكُرُ كَيْفِيَّتَهُ مِنْ بَعْدُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى.

سکے تو زمین پر جا کر گواہ بنائے ، کیونکہ حق شفعہ زمین کے ساتھ متعلق ہے۔

وجہ:(۱) بائع کے سامنے اس لئے گواہ بنائے کہ اس کا قبضہ ہے،اور مشتری کے سامنے اس لئے گواہ بنائے کہ خریدنے کی وجہ سے اس کی ملکیت ہو چکی ہے،اور زمین پر اس لئے گواہ بنائے کہ اس کے ساتھ شفعہ متعلق ہے۔(۲) گواہ بنانے کی دلیل یہ قول تابعی بن سکتا ہے۔عن شریح قال انما الشفعة لمن واثبها (مصنف عبدالرزاق، باب الشفیع یأذن قبل البیع وکم وقتها؟ ج ثامن،ص ۶۶،نمبر ۱۴۴۸۴)اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ جلدی سے کود کر حق شفعہ کا دعوی کرے گا تو اس کو حق شفعہ ملے گا،ورنہ نہیں۔

ترجمہ : ۲؎ پس اگر بائع نے مبیع مشتری کو سپرد کر دی تو اب بائع پر گواہ بنانا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ وہ خصم ہونے سے نکل گیا ہے اس لئے کہ اب اس کا قبضہ نہیں رہا اس کی ملکیت بھی نہیں رہی اس لئے وہ اجنبی کی طرح ہو گیا۔

تشریح:اگر بیچنے والے نے مبیع مشتری کو سپرد کر دیا تو اب اس پر گواہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اب اس کا قبضہ بھی نہیں ہے،اور اس کی ملکیت بھی نہیں ہے اس لئے وہ اس مبیع سے اجنبی سا ہو گیا،اس لئے اس پر گواہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے

ترجمہ :۳؎ طلب کی صورت یہ ہے کہ کہے،فلاں نے اس گھر کو خریدا ہے اور میں اس کا شفیع ہوں،اور پہلے بھی طلب مواظبت میں شفعہ طلب کیا تھا،اور ابھی بھی کر رہا ہوں اور تم لوگ اس پر گواہ رہو۔

تشریح:واضح ہے۔

ترجمہ :۴؎ حضرت امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ مبیع کا نام اور اس کا حدود اربعہ بیان کرنا ضروری ہے اس لئے کہ مطالبہ بغیر معلوم چیز کے صحیح نہیں ہوتا۔

تشریح :امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ طلب تقریر کے وقت مبیع کا پورا نام اور اس کا حدود اربعہ بیان کرنا ضروری ہے تا کہ وہ چیز معلوم ہو جائے اور متعین ہو جائے ، کیونکہ اس کے بغیر شفعہ کا دعوی کرنا صحیح نہیں ہوگا۔

ترجمہ :۵؎ اور تیسرا طلب خصومت،اور طلب تملک ہے،اس کی کیفیت بعد میں ذکر کروں گا ان شاء اللہ۔

(۱۱) قَالَ: وَلَا تَسْقُطُ الشُّفْعَةُ بِتَأْخِيرِ هَذَا الطَّلَبِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ۱؎ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي يُوسُفَ. ۲؎ وَقَالَ مُحَمَّدٌ: إنْ تَرَكَهَا شَهْرًا بَعْدَ الْإِشْهَادِ بَطَلَتْ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ، مَعْنَاهُ: إذَا تَرَكَهَا مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ. ۳؎ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ إذَا تَرَكَ الْمُخَاصَمَةَ فِي مَجْلِسٍ مِنْ مَجَالِسِ الْقَاضِي تَبْطُلُ شُفْعَتُهُ؛ لِأَنَّهُ إذَا مَضَى مَجْلِسٌ مِنْ مَجَالِسِهِ وَلَمْ يُخَاصِمْ فِيهِ اخْتِيَارًا دَلَّ ذَلِكَ عَلَى إعْرَاضِهِ وَتَسْلِيمِهِ. ۴؎ وَجْهُ قَوْلِ مُحَمَّدٍ: أَنَّهُ لَوْ لَمْ يَسْقُطْ بِتَأْخِيرِ الْخُصُومَةِ مِنْهُ أَبَدًا

تشریح: تیسرا مرحلہ، قاضی کے پاس جا کر جھگڑا کرے اور مبیع کا مالک بننے کے لئے کوشش کرے اس کو طلب خصومت، اور طلب تملک کہتے ہیں، اس کی تفصیل ان شاء اللہ بعد میں آئے گی۔

ترجمہ :(۱۱) امام ابو حنیفہ کے نزدیک تاخیر کرنے سے حق شفعہ ساقط نہیں ہوگا۔

ترجمہ :۱؎ یہی ایک روایت امام ابو یوسفؒ سے بھی ہے۔

اصول: حق شفعہ مضبوط ہونے کے بعد ساقط نہیں ہوگا۔

تشریح : مجلس علم میں بھی گواہ بنالیا اور بائع کے پاس بھی حق شفعہ کے ماتحت لینے پر گواہ بنالیا لیکن بغیر کسی عذر کے قاضی کے پاس مطالبے کے لئے دیر سے گیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا حق شفعہ ساقط نہیں ہوگا۔

وجہ: دو جگہ گواہ بنانے کے بعد حق شفعہ مضبوط ہو گیا اس لئے مضبوط ہونے کے بعد قاضی کے پاس جانے میں تاخیر ہونے سے حق ساقط نہیں ہوگا۔ جب تک کہ زبان سے حق لینے کا انکار نہ کرے۔

ترجمہ : ۲؎ امام محمدؒ نے کہا کہ گواہ بنانے کے بعد ایک ماہ چھوڑ دے تو حق شفعہ باطل ہو جائے گا، اور یہی قول امام زفرؒ کا ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ بغیر کسی عذر کے چھوڑ دے۔

تشریح: امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ بغیر کسی عذر کے ایک ماہ تک قاضی کے پاس مقدمہ نہیں لے گیا تو حق شفعہ ختم ہو جائے گا۔
وجہ: ایک ماہ کو قریب کی مدت کہتے ہیں اور ایک ماہ سے زیادہ کو دیر کی مدت کہتے ہیں، اس لئے ایک ماہ سے زیادہ تاخیر کرے گا تو بائع اور مشتری کو بلا وجہ نقصان ہوگا اس لئے حق شفعہ ساقط ہو جائے گا۔

ترجمہ :۳؎ امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ قاضی کی کسی مجلس میں بھی جھگڑا چھوڑ دیا تو شفعہ ختم ہو جائے گا اس لئے کہ جب کوئی مجلس گزر گئی اور اختیار ہوتے ہوئے اس میں جھگڑا نہیں کیا تو یہ اعراض پر اور شفعہ چھوڑ دینے پر دلالت کرتا ہے

تشریح :امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ قاضی نے تاریخ دی اس پر بغیر کسی عذر کے نہیں گیا تو اس سے اعراض کرنا ، اور شفعہ کے چھوڑ دینے پر دلالت ہے اس لئے حق شفعہ ختم ہو جائے گا۔

ترجمہ : ۴؎ امام محمدؒ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ جھگڑا کے تاخیر کرنے سے کبھی بھی حق شفعہ ساقط نہ کریں تو اس سے مشتری کو

يَتَضَـرَّرُ بِـهِ الْمُشْتَرِي؛ لِأَنَّهُ لا يُمْكِنُهُ التَّصَرُّفُ حَذَارَ نَقْضِهِ مِنْ جِهَةِ الشَّفِيعِ فَقَدَّرْنَاهُ بِشَهْرٍ؛ لِأَنَّـهُ آجِـلٌ وَمَـا دُونَـهُ عَـاجِـلٌ عَلَى مَا مَرَّ فِي الْأَيْمَانِ. ۵ وَوَجْـهُ قَـوْلِ أَبِـي حَنِيفَةَ وَهُوَ ظَاهِرُ الْـمَـذْهَـبِ وَعَـلَيْـهِ الْفَتْوَى: أَنَّ الْحَقَّ مَتَى ثَبَتَ وَاسْتَقَرَّ لا يَسْقُطُ إِلَّا بِإِسْقَاطِهِ وَهُوَ التَّصْرِيحُ بِلِسَانِهِ كَمَا فِي سَائِرِ الْحُقُوقِ، ۶ وَمَا ذُكِرَ مِنَ الضَّرَرِ يُشْكِلُ بِمَا إِذَا كَانَ غَائِبًا، وَلا فَرْقَ فِي

نقصان ہوگا اس لئے کہ اس کے حق کو توڑ دینے کے ڈر سے مبیع میں تصرف نہیں کرے گا۔ اس لئے ہم نے ایک مہینہ متعین کیا، اس لئے کہ کم ہے اور اس سے زیادہ زیادہ ہے جیسا کہ کتاب الایمان میں گزر گیا۔

تشریح: امام محمدؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ تاخیر کرنے سے حق شفعہ ساقط نہ کریں تو مشتری کو نقصان ہوگا، کیونکہ وہ سمجھے گا کہ اس کو لینے کے بعد کچھ بنایا، اور بعد میں شفیع نے لے لیا تو میرا بنایا ہوا بیکار جائے گا اس لئے وہ کبھی بنائے گا ہی نہیں، اور اس سے بائع کا بھی نقصان ہے، اس لئے زیادہ تاخیر نہیں دی جائے گی، البتہ ایک ماہ قلیل مدت ہے اس لئے اس مدت میں قاضی کے پاس جھگڑا شروع کرے گا تو حق ساقط نہیں ہوگا اور اس سے مؤخر کرے گا تو حق ساقط ہو جائے گا۔

وجہ: حدثنی ابی ان رسول الله ﷺ ذکر شهر رمضان فقال شهر کتب الله علیکم صیامه و سننت لکم قیامه ، فمن صامه و قامه ایمانا و احتسابا خرج من ذنوبه کیوم ولدته أمه (ابن ماجۃ شریف، باب ما جاء فی قیام شہر رمضان، ص ۱۸۸، نمبر ۱۳۲۸) اس حدیث میں ایک ماہ روزہ رکھے اور ایک ماہ قیام رمضان کرے تو اس کا گناہ معاف ہو جائے گا، جس کے اشارے سے معلوم ہوا کہ ایک ماہ قلیل مدت ہے اور اس سے زیادہ کثیر ہے۔

ترجمہ: ۵ اور امام ابو حنیفہؒ کے قول کی وجہ یہ ہے، اور وہی ظاہر مذہب بھی ہے کہ اور اسی پر فتوی ہے کہ حق جب ثابت ہو گیا اور مضبوط ہو گیا تو بغیر شفیع کے ساقط کئے ہوئے ختم نہیں ہوگا، اور اس کی شکل یہ ہے کہ زبان سے اس کی تصریح کرے، جیسا کہ اور باقی حقوق میں ہوتا ہے۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کا قول یہ تھا کہ حق مضبوط ہونے کے بعد چاہے جتنی تاخیر کرے ساقط نہیں ہوگا، اس کی وجہ یہ بیان کر رہے ہیں کہ، جس طرح دوسرے حقوق میں جب تک زبان سے انکار نہ کرے ساقط نہیں ہوتا اسی طرح اس میں بھی ساقط نہیں ہوگا۔ فرماتے ہیں کہ اسی پر فتوی ہے اور یہی ظاہر مذہب ہے۔

ترجمہ: ۶ اور مشتری کا جو نقصان بیان کیا، اس پر اشکال یہ ہے کہ اگر شفیع غائب ہو تو بھی مشتری کو نقصان ہوگا، اس کا کیا علاج ہے۔ جبکہ مشتری کے بارے میں شفیع کے سفر اور حضر کا کوئی فرق نہیں ہے۔

تشریح: امام محمدؒ نے یہ فرمایا تھا کہ مشتری کا نقصان ہوگا، اس پر اشکال کیا جا رہا ہے کہ شفیع غائب ہو تب بھی مشتری کو دیر تک شفیع کے آنے کا انتظار کرنا پڑتا ہے، اسی طرح یہاں بھی دیر تک انتظار کرنا پڑے تو کیا فرق پڑتا ہے، کیونکہ شفیع سفر میں ہو یا

حَقِّ الْمُشْتَرِي بَيْنَ الْحضَرِ وَالسَّفَرِ، ۷ وَلَوْ عُلِمَ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ فِي الْبَلَدِ قَاضٍ لَا تَبْطُلُ شُفْعَتُهُ بِالتَّأْخِيرِ بِالِاتِّفَاقِ؛ لِأَنَّهُ لَا يَتَمَكَّنُ مِنَ الْخُصُومَةِ إِلَّا عِنْدَ الْقَاضِي فَكَانَ عُذْرًا (۱۲)قَالَ: وَإِذَا تَقَدَّمَ الشَّفِيعُ إِلَى الْقَاضِي فَادَّعَى الشِّرَاءَ وَطَلَبَ الشُّفْعَةَ سَأَلَ الْقَاضِي الْمُدَّعَى عَلَيْهِ، فَإِنْ اعْتَرَفَ بِمِلْكِهِ الَّذِي يُشْفَعُ بِهِ وَإِلَّا كَلَّفَهُ بِإِقَامَةِ الْبَيِّنَةِ ۱ لِأَنَّ الْيَدَ ظَاهِرٌ مُحْتَمِلٌ فَلَا تَكْفِي

حضر میں ہو دونوں صورتوں میں مسئلہ تو ایک ہی ہے۔

ترجمه : ۷ اور اگر اس شہر میں کوئی قاضی نہیں ہے تو تاخیر کرنے سے بالاتفاق حق شفعہ ختم نہیں ہوگا ، کیونکہ قاضی کے پاس ہی جھگڑا ممکن ہے اس لئے یہ عذر ہوا۔

تشریح : یہ تاخیر کرنے کا ایک عذر بیان کیا ہے، کہ اس شہر میں قاضی نہیں تھا اس لئے شفیع نے مؤخر کیا تو یہ ایک بڑا عذر ہے اس کی وجہ سے شفعہ ختم نہیں ہوگا۔

ترجمه : (۱۲) اگر شفیع قاضی کے پاس آئے اور خرید نے دعوی کرے اور شفعہ طلب کرنے کا دعوی کرے، تو قاضی مدعی علیہ [مشتری، یا بائع] سے پوچھے [کہ کیا واقعی شفیع کا مکان اس مبیع کے پاس ہے] پس اگر شفیع کی ملکیت کا اعتراف کرلے جس سے شفعہ کا دعوی کیا جاتا ہے [تو ٹھیک ہے] ورنہ شفیع کو اپنے مکان ہونے پر بینہ قائم کرنا پڑے گا]

ترجمه : ۱ اس لئے کہ شفیع کا قبضہ ایک ظاہری چیز ہے جس میں مختلف طرح کے قبضے کا احتمال ہے اس لئے شفیع کے استحقاق صابت کرنے کے لئے یہ کافی نہیں ہے۔

تشریح: یہاں سے طلب خصومت [یعنی قاضی کیا کیا معلومات کرے گا اس کی تفصیل ہے] چنانچہ قاضی دو باتیں پوچھے گا [۱] شفیع کی ملکیت کا گھر وہاں ہے یا نہیں [۲] اور کس بنیاد پر دعوی کر رہا ہے، گھر میں شرکت کی بنیاد پر، یا راستے میں شرکت کی بنیاد پر، یا پڑوسی کی بنیاد پر۔

جب شفیع قاضی کے پاس جائے گا اور شفعہ طلب کرے گا تو اگر شفیع نے بائع پر دعوی کیا ہے تو اس سے اور مشتری پر دعوی کیا ہے تو اس سے پوچھے گا کہ کیا واقعی شفیع کا مکان اس مکان کے پاس ہے جو مکان بک رہا ہے، اگر اس نے اقرار کرلیا تو ٹھیک ہے، معاملہ آگے بڑھایا جائے گا] ورنہ شفیع سے اس بات پر گواہ مانگا جائے گا کہ بکنے والے گھر کے پاس جو شفیع کا مکان ہے وہ اس کی ملکیت ہے۔

وجه : کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شفیع کے قبضے میں جو مکان ہے وہ اس کے قبضے میں تو ہے، لیکن ملکیت کی نہیں ہے، بلکہ اجرت پر لے کر رکھا ہے، یا عاریت پر لیکر رکھا، جس کی وجہ سے اس کو حق شفعہ نہیں ہے اس لئے قاضی اس بات کی وضاحت طلب کرے گا کہ شفیع کا مکان بکنے والے مکان کے پاس ہے، اور اس کی بھی وضاحت طلب کرے کہ یہ اس کی ملکیت ہے۔ تب حق شفعہ ملے گا

لِإِثْبَاتِ الِاسْتِحْقَاقِ. ۲؎ قَالَ – رَحِمَهُ اللَّهُ –: يَسْأَلُ الْقَاضِي الْمُدَّعِيَ قَبْلَ أَنْ يُقْبِلَ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ عَنْ مَوْضِعِ الدَّارِ وَحُدُودِهَا؛ لِأَنَّهُ ادَّعَى حَقًّا فِيهَا فَصَارَ كَمَا إذَا ادَّعَى رَقَبَتَهَا، ۳؎ وَإِذَا بَيَّنَ ذَلِكَ يَسْأَلُهُ عَنْ سَبَبِ شُفْعَتِهِ لِاخْتِلَافِ أَسْبَابِهَا، فَإِنْ قَالَ: أَنَا شَفِيعُهَا بِدَارٍ لِي تُلَاصِقُهَا الْآنَ تَمَّ دَعْوَاهُ عَلَى مَا قَالَهُ الْخَصَّافُ. ۴؎ وَذَكَرَ فِي الْفَتَاوَى تَحْدِيدَ هَذِهِ الدَّارِ الَّتِي يُشْفَعُ بِهَا أَيْضًا، وَقَدْ بَيَّنَّاهُ فِي الْكِتَابِ الْمَوْسُومِ بِالتَّجْنِيسِ وَالْمَزِيدِ.

لغت : کلفہ :شفیع کومکلّف بنائے گا۔الید: ہاتھ،مراد ہے گھر پر قبضہ۔محتمل:احتمال ہے، یہاں یہ احتمال ہے کہ اجارے کے طور پر گھر پر قبضہ ہو، یہ بھی احتمال ہے کہ عاریت کے طور پر قبضہ ہو،اور یہ بھی احتمال ہے کہ ملکیت کے طور پر قبضہ ہواس لئے اس کا ثبوت ضروری ہے کہ ملکیت کے طور پر قبضہ ہے تب حق شفعہ ملے گا۔

ترجمہ : ۲؎ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مدعی علیہ کی طرف متوجہ ہونے سے پہلے قاضی خود شفیع سے پوچھے گا کہ بکنے والے گھر کی جگہ کیا ہے،اس کا حدود اربعہ کیا ہے،اس لئے کہ جب اس میں حق شفعہ کا دعوی کر رہا ہے تو ایسا ہوا کہ اس کی ملکیت کا دعوی کر رہا ہے۔

تشریح :صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مدعی علیہ کو پوچھنے سے پہلے خود شفیع کو یہ پوچھے کہ جس گھر میں شفعہ کا دعوی کر رہے ہو وہ گھر کس شہر میں ہے،اور اس کا حدود اربعہ کیا ہے،اور اس دور کے اعتبار سے زمین کا کھاتہ اور کھسرہ بھی پوچھے۔

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ شفعہ کا دعوی کر رہا ہے تو گویا کہ اس میں ملکیت کا دعوی کر رہا،اور قاعدہ یہ ہے کہ جس گھر میں ملکیت کا دعوی کر رہا ہو اس کا مقام وقوع ،اور حدود اربعہ پوچھا جاتا ہے اس لئے یہاں بھی مقام وقوع اور حدود اربعہ پوچھا جائے گا۔زمین کے چاروں کے زمین والوں کا حدود اربعہ، کہتے ہیں۔

ترجمہ :۳؎ اور جب زمین کے حدود اربعہ کو بیان کر دیا تو قاضی شفعہ کے سبب کے بارے میں پوچھے گا،کیونکہ شفعہ کے اسباب مختلف ہوتے ہیں، پس اگر شفیع نے مثلا کہا کہ میرا گھر بکنے والے گھر کے متصل ہے تو اب اس کا دعوی پورا ہو گیا،جیسا کہ حضرت خصافؒ نے کہا ہے۔

تشریح :شفیع نے یہ بھی بیان کر دیا کہ میرا گھر بکنے والے گھر کے پاس ہے،اور یہ بھی بیان کر دیا کہ یہ گھر ملکیت کا ہے،تو اب قاضی یہ پوچھے گا کہ کس سبب سے تمہارا حق شفعہ ہے، بکنے والے گھر میں تمہاری شرکت ہے، یا راستے میں شرکت ہے، یا تمہارا گھر اس کے پڑوس میں اس بنا پر حق شفعہ ہے، کیونکہ حق شفعہ کے یہ تینوں اسباب ہیں، جب حق شفعہ کا سبب بیان کر دے گا تب اس کا دعوی پورا ہو گیا۔ایسا ہی حضرت خصافؒ نے بیان کیا ہے۔

ترجمہ:۴؎ فتاوی میں لکھا ہوا ہے کہ جس گھر کی وجہ سے حق شفعہ لے رہا ہے اس کا بھی حدود اربعہ بیان کرے،اور اس مسئلے کو

(١٣) قَالَ: فَإِنْ عَجَزَ عَنْ الْبَيِّنَةِ اسْتَحْلَفَ الْمُشْتَرِي بِاَللَّهِ مَا يَعْلَمُ أَنَّهُ مَالِكٌ لِلَّذِي ذَكَرَهُ مِمَّا يُشْفَعُ بِهِ ١ مَعْنَاهُ بِطَلَبِ الشَّفِيعِ؛ ٢ لِأَنَّهُ ادَّعَى عَلَيْهِ مَعْنًى لَوْ أَقَرَّ بِهِ لَزِمَهُ، ٣ ثُمَّ هُوَ اسْتِحْلَافٌ عَلَى مَا فِي يَدِهِ فَيَحْلِفُ عَلَى الْعِلْمِ (١۴) فَإِنْ نَكَلَ أَوْ قَامَتْ لِلشَّفِيعِ بَيِّنَةٌ ثَبَتَ مِلْكُهُ فِي الدَّارِ

کتاب التجنیس والمزید، کتاب میں ذکر کیا ہے۔

تشریح :فتاوی کی کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ جہاں بکنے والے گھر کی حدود اربعہ پوچھے، ساتھ ہی جس گھر کی وجہ سے حق شفعہ لے رہا ہے اس کی بھی چوہدی پوچھے، تا کہ فراڈ نہ کر سکے۔

ترجمہ :(١٣) پس اگر شفیع اپنے گھر ہونے پر گواہ قائم نہیں کر سکا تو مشتری سے قسم لے گا کہ ,خدا کی قسم مجھے معلوم نہیں ہے کہ جس گھر کی بنیاد پر شفعہ لے رہا ہے یہ گھر اس کی ملکیت ہے یا نہیں۔

تشریح :اوپر آیا کہ شفیع کو کہا جائے گا کہ جس گھر کی وجہ سے شفعہ کا دعوی کر رہے ہو وہ تمہاری ملکیت ہے اس پر گواہ کرو، لیکن وہ اپنے ملک ہونے پر گواہ قائم نہیں کر سکا، اور مطالبہ کیا کہ مشتری قسم کھائے تو اب مشتری سے قسم لی جائے گی، چونکہ یہ دوسرے کی ملکیت پر قسم کھانا ہے اس لئے وہ یوں قسم کھائے گا کہ ,خدا کی قسم مجھے اس کا علم نہیں ہے کہ یہ گھر شفیع کا یا نہیں۔ اور اگر مشتری نے یہ قسم نہیں کھائی تو ثابت ہو جائے گا کہ وہ گھر شفیع ہے، جسکی وجہ سے مشتری نے جو گھر خریدا ہے وہ گھر دینا پڑے گا۔

ترجمہ :١ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ شفیع مشتری سے قسم کا مطالبہ کرے تب اس سے قسم لی جائے گی۔

تشریح :متن میں تھا کہ قاضی مشتری سے قسم لے، تو اس کا مطلب بتا رہے ہیں کہ شفیع قسم کا مطالبہ کرے گا تو قسم لی جائے گی۔

ترجمہ : ٢ اس لئے کہ شفیع نے مشتری پر ایسا دعوی کیا ہے کہ مشتری اگر اقرار کر لے تو مشتری پر گھر دینا لازم ہو جائے گا

تشریح :مشتری قسم کیوں کھائے اس کی وجہ بتا رہے ہیں۔ شفیع نے مشتری پر دعوی کیا ہے، اس لئے وہ مدعی علیہ ہوا، اور قاعدہ یہ ہے کہ مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو مدعی علیہ پر قسم لازم ہے، اس لئے وہ قسم کھائے گا، اور اگر قسم کھانے سے انکار کرے گا تو خریدا ہوا گھر دینا پڑ جائے گا۔

ترجمہ : ٣: پھر دوسرے کے قبضے میں جو کچھ ہے اس پر قسم کھلانا ہے اس لئے جاننے پر قسم کھائے گا۔

تشریح :اپنی چیز پر قسم کھانا ہو تو حتمی اور یقینی قسم کھائے گا، اس کو قسم علی البتات، کہتے ہیں۔ اور دوسرے کی چیز پر قسم کھانا ہو، تو چونکہ یقینی معلوم نہیں ہے کہ وہ چیز اس کی ہے یا نہیں اس لئے یوں قسم کھائے گا، کہ مجھے معلوم نہیں ہے کہ یہ چیز اس کی ہے یا نہیں۔ اس کو قسم علی العم، کہتے ہیں۔ یہاں مشتری دوسرے کی چیز پر قسم کھا رہا ہے اس لئے قسم علی العلم، کھائے گا۔

ترجمہ :(١۴) اگر مشتری نے قسم کھانے سے انکار کر دیا، یا شفیع نے [اپنے مکان ہونے پر] گواہ قائم کر دیا تو اس گھر میں شفیع کی ملکیت ثابت ہو جائے گے جس کی بنیاد پر حق شفعہ کا دعوی کر رہا ہے اور پڑوسی میں ہونا ثابت ہو جائے گا

الَّتِی یُشۡفَعُ بِهَا وَثَبتَ الۡجِوَارُ، (۱۵) فَبَعۡدَ ذٰلِکَ سَأَلَهُ الۡقَاضِی (یَعۡنِی الۡمُدَّعٰی عَلَیۡه) هَلِ ابۡتَاعَ أَمۡ لَا، فَاِنۡ أَنۡکَرَ الِابۡتِیَاعَ قِیلَ لِلشَّفِیعِ أَقِمِ الۡبَیِّنَةَ؛ ا لِأَنَّ الشُّفۡعَةَ لَا تَجِبُ إِلَّا بَعۡدَ ثُبُوتِ الۡبَیۡعِ وَثُبُوتُهُ بِالۡحُجَّةِ. (۱۶)قَالَ: فَإِنۡ عَجَزَ عَنۡهَا اسۡتَحۡلَفَ الۡمُشۡتَرِيَ بِاَللَّهِ مَا ابۡتَاعَ أَوۡ بِاَللَّهِ مَا اسۡتَحَقَّ عَلَیۡهِ فِي هٰذِهِ الدَّارِ شُفۡعَةً مِنَ الۡوَجۡهِ الَّذِی ذَکَرَه ا فَهٰذَا عَلَی الۡحَاصِلِ، وَالۡأَوَّلُ عَلَی السَّبَبِ، وَقَدۡ اسۡتَوۡفَیۡنَا الۡکَلَامَ فِیهِ فِي الدَّعۡوَی، وَذَکَرۡنَا الِاخۡتِلَاف بِتَوۡفِیقِ اللّٰهِ، ۲ وَاِنَّمَا

تشریح :مشتری کواس بات پرقسم کھلائی کہ یہ گھر شفیع کا ہے یانہیں؟ لیکن اس نے قسم کھانے سے انکار کردیا،تو یہ گھر شفیع کا ثابت ہوجائے گا۔اسی طرح شفیع نے گواہ قائم کردیا کہ یہ گھر میری ملکیت ہے اس سے بھی یہ گھر شفیع کا ثابت ہوجائے گا،اور اس سے اس کی پڑوسیت ثابت ہوجائے گی۔

ترجمہ :(۱۵)اس کے بعد قاضی مدعی علیہ [یعنی مشتری] سے پوچھے گا کہ کیا آپ نے اس گھر کوخریدا ہے یانہیں؟ پس اگر خریدنے کاانکار کرے توشفیع سے کہا جائے گا کہ خریدنے پر گواہ پیش کرو۔

ترجمہ:ا اس لئے کہ شفعہ بیع کے ثبوت کے بعد ہی ہوتا ہے،اوراس کا ثبوت حجت سے ہوگا۔

تشریح :شفیع کا گھر ثابت ہوگیا تو اگلی کاروائی یہ ہے کہ مشتری سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اس بکنے والے گھر کوخریدا ہے یا نہیں؟ اگر وہ ہاں کہے تو اب شفعہ ثابت ہوجائے گا،اوراگر وہ انکار کرے توشفیع سے کہا جائیگا کہ گھر کے خریدنے پر گواہ پیش کرو

وجہ : گھر بکے تب ہی شفعہ ثابت ہوتا ہے،اور گھر بکا ہے یانہیں اس کا ثبوت دو طریقے سے ہوگا، یا مشتری اقرار کرلے، یا شفیع گواہ کے ذریعہ یہ ثابت کردے کہ گھر بکا ہے اوراس مشتری نے خریدا ہے، اس لئے ان دونوں میں سے ایک کاروائی قاضی کرے گا۔

ترجمہ : (۱۶)اگر شفیع بکنے پر گواہی پیش کرنے سے عاجز ہوگیا تو تو مشتری سے قسم لے گا،خدا کی قسم میں نے خریدا نہیں ہے۔یا خدا کی قسم جس بنیاد پر حق شفعہ کا دعوی ہے وہ اس کا مستحق نہیں ہے۔

ترجمہ :ا پس یہ قسم حاصل پر ہے اور پہلی قسم سبب پر تھی،اور کتاب الدعوی میں پوری بات ذکر کی ہے۔اور وہاں اختلاف بھی ذکر کیا ہے۔

تشریح :شفیع سے اس بات پر گواہی مانگی تھی کہ مشتری نے گھر خریدا ہے،لیکن وہ یہ گواہی پیش نہیں کرسکا تو اب مشتری سے قسم لی جائے گی۔قسم لینے کے دو طریقے ہیں۔[۱] ایک یہ کہ،خدا کی قسم میں نے گھر نہیں خریدا ہے۔اس قسم میں شفیع کو جو حق شفعہ ملتا اس سبب کا انکار ہے۔[۲] قسم کھلانے کی دوسری صورت یہ ہے۔جس وجہ سے اس گھر میں حق شفعہ کا دعوی ہے خدا کی قسم وہ اس کا مستحق نہیں ہے۔اس صورت میں شفعہ ہونے کا جو حاصل ہے اس پر قسم کھلائی جارہی ہے

يُحَلِّفُهُ عَلَى الْبَتَاتِ؛ لِأَنَّهُ اسْتِحْلَافٌ عَلَى فِعْلِ نَفْسِهِ وَعَلَى مَا فِي يَدِهِ أَصَالَةً، وَفِي مِثْلِهِ يُحَلَّفُ عَلَى الْبَتَاتِ. (١٧)قَالَ: وَتَجُوزُ الْمُنَازَعَةُ فِي الشُّفْعَةِ وَإِنْ لَمْ يُحْضِرْ الشَّفِيعُ الثَّمَنَ إلَى مَجْلِسِ الْقَاضِي، فَإِذَا قَضَى الْقَاضِي بِالشُّفْعَةِ لَزِمَهُ إحْضَارُ الثَّمَنِ ١ وَهَذَا ظَاهِرُ رِوَايَةِ الْأَصْلِ. ٢ وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ لَا يَقْضِي حَتَّى يُحْضِرَ الشَّفِيعُ الثَّمَنَ، وَهُوَ رِوَايَةُ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ؛ لِأَنَّ الشَّفِيعَ عَسَاهُ يَكُونُ مُفْلِسًا فَيَتَوَقَّفُ الْقَضَاءُ عَلَى إحْضَارِهِ حَتَّى لَا يَتْوَى مَالُ الْمُشْتَرِي. ٣ وَجْهُ الظَّاهِرِ: أَنَّهُ لَا ثَمَنَ لَهُ عَلَيْهِ قَبْلَ الْقَضَاءِ وَلِهَذَا لَا يُشْتَرَطُ تَسْلِيمُهُ، فَكَذَا

وجه: حدیث میں ہے کہ مدعی پر بینہ ہے اور وہ پیش نہ کر سکے تو مدعی علیہ پر قسم ہے۔ان رسول اللہ ﷺ قال البینة علی من ادعی والیمین علی من انکر الا فی القسامة۔(دار قطنی، کتاب الحدود والدیات، ج ثالث، ص ۸۸، نمبر ۳۱۶۶)

ترجمه: ٢ مشتری بتات [یعنی یقینی] پر قسم کھائے گا اس لئے کہ مشتری کی اپنی ذات کے فعل پر قسم کھانا ہے، یا اصل میں جو اس کے قبضے میں ہے اس پر قسم کھانا ہے، اور اس قسم میں یقینی پر قسم کھلائی جاتی ہے۔

تشریح: مشتری کے قبضے میں جو گھر ہے اس پر قسم کھلائی جا رہی ہے، یہ اس کا ذاتی فعل ہے اس لئے بتات اور یقینی پر قسم کھلائی جائے گی، علم پر نہیں۔

ترجمه: (١٧) شفعہ کا جھگڑا اٹھانا جائز ہے چاہے شفیع مجلس قضاء میں قیمت حاضر نہ کیا ہو۔اور جب قاضی اس کے لئے شفعہ کا فیصلہ کر دے تو اس کو ثمن حاضر کرنا لازم ہے۔

ترجمه: ١ یہ مبسوط کی ظاہر روایت ہے۔

تشریح: قاضی نے ابھی شفعہ کا فیصلہ نہیں کیا ہے صرف مطالبہ شفعہ کا جھگڑا اٹھانا ہے تو چاہے ساتھ جائداد کی قیمت نہ لے گیا ہو پھر بھی جھگڑا اٹھانا جائز ہے۔البتہ جب قاضی شفعہ کا فیصلہ کر دے تو جائداد کی قیمت حاضر کرنا ضروری ہے۔

وجه: شفعہ کا فیصلہ ہونے کے بعد جائداد کو لینا ہے اس لئے اس وقت اس کی قیمت حاضر کرنا ضروری ہے۔ورنہ جائداد کیسے لے گا؟

ترجمه: ٢ امام محمدؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ جب تک کہ شفیع گھر کی قیمت حاضر نہ کرے قاضی فیصلہ نہ کرے، یہی روایت امام ابو حنیفہؒ کی حضرت حسنؒ کی ہے، اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ شفیع مفلس ہو، اس لئے قیمت کے حاضر کرنے پر فیصلہ منحصر ہوگا تا کہ مشتری کا مال ضائع نہ جائے۔

تشریح: واضح ہے

ترجمه: ٣ ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے کہ فیصلے سے پہلے شفیع پر قیمت نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اس پر سپرد کرنے کی شرط نہیں

لَا يُشْتَرَطُ إِحْضَارُهُ (۱۸)وَإِذَا قَضَى لَهُ بِالدَّارِ فَلِلْمُشْتَرِي أَنْ يَحْبِسَهُ حَتَّى يَسْتَوْفِيَ الثَّمَنَ ا وَيَنْفُذُ الْقَضَاءُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ أَيْضًا؛ لِأَنَّهُ فَصْلٌ مُجْتَهَدٌ فِيهِ وَوَجَبَ عَلَيْهِ الثَّمَنُ فَيُحْبَسُ فِيهِ، ۲ فَلَوْ أَخَّرَ أَدَاءَ الثَّمَنِ بَعْدَمَا قَالَ لَهُ ادْفَعِ الثَّمَنَ إِلَيْهِ لَا تَبْطُلُ شُفْعَتُهُ؛ لِأَنَّهَا تَأَكَّدَتْ بِالْخُصُومَةِ عِنْدَ الْقَاضِي. (۱۹) قَالَ: وَإِنْ أَحْضَرَ الشَّفِيعُ الْبَائِعَ، وَالْمَبِيعُ فِي يَدِهِ فَلَهُ أَنْ يُخَاصِمَهُ فِي الشُّفْعَةِ؛ لِأَنَّ الْيَدَ لَهُ وَهِيَ يَدٌ مُسْتَحَقَّةٌ وَلَا يَسْمَعُ الْقَاضِي الْبَيِّنَةَ حَتَّى يَحْضُرَ الْمُشْتَرِي فَيَفْسَخَ الْبَيْعَ بِمَشْهَدٍ مِنْهُ، وَيَقْضِيَ بِالشُّفْعَةِ عَلَى الْبَائِعِ وَيَجْعَلَ الْعُهْدَةَ عَلَيْهِ؛ ا لِأَنَّ

ہے اس لئے اس کو حاضر کرنا بھی ضروری نہیں ہے۔

تشریح :ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے کہ فیصلے سے پہلے شفیع پر قیمت لازم نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کو سپرد کرنا بھی ضروری نہیں ہے اس لئے اس کو قضا کی مجلس میں حاضر کرنا بھی ضروری نہیں ہے۔

ترجمہ :(۱۸) اگر قاضی نے گھر کا فیصلہ کر دیا تو مشتری کے لئے جائز ہے کہ قیمت وصول کرنے تک گھر روکے رکھے۔

تشریح : قاضی نے گھر کا فیصلہ کیا تو مشتری کو اس کا حق ہے کہ جب تک اپنی قیمت وصول نہ کرلے گھر شفیع کو نہ دے، کیونکہ یہ اس کی چیز ہے۔

ترجمہ : ا اور نافذ ہو جائے گا امام محمدؒ کے نزدیک بھی اس لئے کہ یہ مجتہد فیہ مسئلہ ہے، اور شفیع پر قیمت واجب ہے اس لئے اس کے لئے مشتری اپنا گھر روک سکتا ہے۔

یہ ایک اشکال کا جواب ہے، اشکال یہ ہے کہ امام محمدؒ کے نزدیک بغیر قیمت حاضر کئے ہوئے فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے تو یہاں شفیع پر قیمت کیسے واجب کر دی! اس کا جواب ہے کہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے اس لئے اگر قاضی نے فیصلہ کر دیا تو شفعہ کا فیصلہ ہو جائے گا۔ اور شفیع پر قیمت واجب ہو جائے گی۔

ترجمہ : ۲ قاضی نے کہا کہ قیمت دے دو پھر بھی شفیع نے دیر کی تب بھی حق شفعہ ساقط نہیں ہوگا، کیونکہ قاضی کے فیصلے سے شفعہ مؤکد ہو چکا ہے۔

تشریح :واضح ہے۔

ترجمہ :(۱۹) اگر شفیع نے بائع کو حاضر کیا اور مبیع اسی کے ہاتھ میں ہو تو شفیع کے لئے جائز ہے کہ شفعہ کی بابت میں بائع سے جھگڑا کرے۔ اور قاضی بینہ کو نہیں سنے گا یہاں تک کہ مشتری حاضر ہو جائے۔ پس بیع فسخ کرے مشتری کی موجودگی میں۔ اور شفعہ کا فیصلہ کرے بائع پر اور خرچہ بھی اسی پر ڈالے۔

ترجمہ : ا اس لئے کہ ملک مشتری کی ہے، اور قبضہ بائع کا ہے اور قاضی شفیع کے لئے دونوں کے لئے فیصلہ کرے گا اس

الْـمِـلْكَ لِلْـمُشْتَـرِي وَالْيَـدَ لِلْبَائِعِ، وَالْقَاضِي يَقْضِي بِهِمَا لِلشَّفِيعِ فَلَا بُدَّ مِنْ حُضُورِهِمَا، ٢ بِـخِلَافِ مَـا إِذَا كَـانَـتُ الـدَّارُ قَدْ قُبِضَتْ حَيْثُ لَا يُعْتَبَرُ حُضُورُ الْبَائِعِ؛ لِأَنَّهُ صَارَ أَجْنَبِيًّا إِذْ لَا يَبْقَى لَهُ يَدٌ وَلَا مِلْكٌ. ٣ وَقَـوْلُـهُ فَيَفْسَخُ الْبَيْعَ بِمَشْهَدٍ مِنْهُ إِشَارَةٌ إِلَى عِلَّةٍ أُخْرَى: وَهِيَ أَنَّ الْبَيْـعَ فِيْ حَقِّ الْمُشْتَرِي إِذَا كَانَ يَنْفَسِخُ لَا بُدَّ مِنْ حُضُورِهِ لِيَقْضِيَ بِالْفَسْخِ عَلَيْهِ، ٤ ثُمَّ وَجْهُ هَـذَا الْـفَسْـخِ الْمَذْكُورِ أَنْ يَنْفَسِخَ فِيْ حَقِّ الْإِضَافَةِ لِامْتِنَاعِ قَبْضِ الْمُشْتَرِي بِالْأَخْذِ بِالشُّفْعَةِ

لئے دونوں کا حاضر ہونا ضروری ہے۔

تشریح : مبیع ابھی بائع کے قبضے میں ہے اس لئے قبضہ اس کا ہے، لیکن بیع ہونے کی وجہ سے ملکیت مشتری کی ہوگئی ہے۔ اس لئے قاضی جب شفیع کے لئے گھر کا فیصلہ کرے گا تو دونوں کا حاضر ہونا ضروری ہے۔

وجہ : چونکہ قبضہ بائع کا ہے اس لئے فیصلہ تو اس کے خلاف ہوگا اور اسی پر ساری ذمہ داری ہوگی، لیکن ملکیت مشتری کی ہے اس لئے فیصلے کے ذریعہ اس کو توڑنا ہوگا، اور غائب پر فیصلہ کر نہیں سکتے اس لئے اس کی حاضری بھی ضروری ہے۔

اصول: چیز جس کے قبضے میں ہوتی ہے مقدمہ کا رخ اسی کی طرف ہوتا ہے۔

لغت: العھدۃ : بیع وشراء میں ہونے والے امور۔

ترجمہ : ٢ بخلاف اگر گھر پر مشتری کا قبضہ ہو چکا ہو تو بائع کے حاضر ہونے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ وہ اجنبی بن چکا ہے اس لئے کہ نہ اس کا قبضہ باقی رہا اور نہ اس کی ملکیت باقی رہی۔

تشریح : اگر گھر پر مشتری کا قبضہ ہو چکا ہو تو اب بائع کو حاضر ہونے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ نہ اس کا قبضہ ہے اور نہ اس کی ملکیت باقی ہے اس لئے وہ اجنبی بن گیا اس لئے صرف مشتری کے حاضر ہونے پر فیصلہ کیا جائے گا۔

ترجمہ : ٣ متن کا قول، فیفسخ البیع بمشھد منہ، سے دوسری علت کی طرف اشارہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ بیع مشتری کے حق میں جب فسخ کی جائے گی تو اس کا حاضر ہونا بھی ضروری ہے، تا کہ مشتری پر بھی فسخ کا فیصلہ کیا جائے۔

تشریح : متن میں جو تھا کہ مشتری بھی حاضر ہو تا کہ اس کے سامنے فیصلہ کیا جا سکے اس سے اشارہ ہوتا ہے کہ مشتری کی ملکیت ختم ہوگی اس لئے اس کے حق میں بھی بیع ٹوٹے گی اس لئے اس کا حاضر ہونا بھی ضروری ہے۔

ترجمہ : ٤ پھر اس ذکر کئے ہوئے فسخ کی وجہ یہ ہے کہ مشتری کی طرف اضافت کے حق میں فسخ ہوگا، کیونکہ شفعہ کے ذریعہ سے لینے کی وجہ سے مشتری کا قبضہ رہنا ممتنع ہے اس لئے فسخ کرنا واجب ہے، مگر اصل بیع باقی رہے گی، کیونکہ اصل بیع کا فسخ کرنا متعذر رہے، کیونکہ اسی کی بنیاد پر شفعہ ملے گا، لیکن بیع کا عقد بدل کر شفیع کی طرف چلا جائے گا، اور شفیع ہی کو مشتری قرار دے دیا، اسی لئے ذمہ داری بائع پر لوٹ جائے گی۔

وَهُوَ يُوجِبُ الْفَسْخَ، إِلَّا أَنَّهُ يَبْقَى أَصْلُ الْبَيْعِ لِتَعَذُّرِ انْفِسَاخِهِ؛ لِأَنَّ الشُّفْعَةَ بِنَاءٌ عَلَيْهِ، وَلَكِنَّهُ تَتَحَوَّلُ الصَّفْقَةُ إِلَيْهِ وَيَصِيرُ كَأَنَّهُ هُوَ الْمُشْتَرِي، مِنْهُ فَلِهَذَا يَرْجِعُ بِالْعُهْدَةِ عَلَى الْبَائِعِ، ۵ بِخِلَافِ مَا إِذَا قَبَضَهُ الْمُشْتَرِي فَأَخَذَهُ مِنْ يَدِهِ حَيْثُ تَكُونُ الْعُهْدَةُ عَلَيْهِ؛ لِأَنَّهُ مَلَكَهُ بِالْقَبْضِ. ۶ وَفِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ امْتَنَعَ قَبْضُ الْمُشْتَرِي وَأَنَّهُ يُوجِبُ الْفَسْخَ، وَقَدْ طَوَّلْنَا الْكَلَامَ فِيهِ فِي كِفَايَةِ الْمُنْتَهِي بِتَوْفِيقِ اللَّهِ تَعَالَى. (۲۰) قَالَ: وَمَنْ اشْتَرَى دَارًا لِغَيْرِهِ فَهُوَ الْخَصْمُ لِلشَّفِيعِ؛ ۱ لِأَنَّهُ هُوَ الْعَاقِدُ، وَالْأَخْذُ بِالشُّفْعَةِ مِنْ حُقُوقِ الْعَقْدِ فَيَتَوَجَّهُ عَلَيْهِ.

تشریح: یہ لمبا جملہ ایک اشکال کا جواب ہے۔اشکال یہ ہے کہ جب مشتری کے خریدنے کو قاضی توڑ دے گا تو اب بیع ہی باقی نہیں رہی تو حق شفعہ کیسے ملے گا؟ اس کا جواب دیا جارہا ہے کہ مشتری کے حق میں بیع ٹوٹ جائے گی، لیکن اصل بیع باقی رہے گی، اور اب خریدار شفیع کو قرار دیا جائے گا اسی لئے تمام ذمہ داری اصل بائع پر ہوگی۔

لغت: ینفسخ فی حق الاضافۃ: اضافت کے حق میں بیع ٹوٹے گی، یعنی مشتری کی طرف جو بیع کی نسبت تھی وہ ٹوٹ کر اب شفیع کی طرف ہو جائے گی، یعنی شفیع مشتری بن جائے گا۔ لکنہ تتحول الصفقۃ الیہ: لیکن صفقہ یعنی عقد بیع مشتری کی طرف سے منتقل ہو کر شفیع کی طرف ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۵ بخلاف جبکہ مشتری نے قبضہ کر لیا ہو اور بائع کے قبضے سے لے لیا ہو، اس صورت میں ذمہ داری مشتری پر ہوگی اس لئے کہ قبضہ کرنے کی وجہ سے مشتری کی ملکیت پوری ہوگئی ہے۔

تشریح: مشتری نے قبضہ کر لیا تو اب چونکہ اس کی ملکیت پوری ہوگئی ہے اور بائع اجنبی ہو گیا ہے اس لئے شفعہ کی ذمہ داری مشتری پر ہوگی۔

ترجمہ: ۶ اور پہلی صورت میں مشتری کا قبضہ ٹوٹ گیا اس لئے مشتری کے حق بیع فسخ ہو گیا، اس بات کو کفایۃ المنتہی میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

تشریح: پہلی صورت جس میں ابھی تک مشتری کا قبضہ نہیں ہوا تھا تو اس کے حق میں بیع ٹوٹ جائے گی، اور فسخ ہو جائے گی اس لئے مشتری پر ذمہ داری نہیں رہے گی، تمام ذمہ داری بائع پر ہوگی۔

ترجمہ: (۲۰) کسی نے دوسرے کے لئے گھر خریدا تو وہی مدعی علیہ ہوگا شفعہ میں۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ یہی وکیل ہی عقد کرنے والا ہے، اور شفعہ کے ذریعہ سے لینا عقد کے حقوق میں سے ہے اس لئے وکیل پر ہی حق متوجہ ہوگا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ وکیل نے گھر خریدا ہے تو حق شفعہ میں وہی ذمہ دار ہے، کیونکہ وہی عقد کرنے والا ہے،

(٢١) قَالَ: إِلَّا أَنْ يُسَلِّمَهَا إِلَى الْمُوَكِّلِ ۱؎ لِأَنَّهُ لَمْ يَبْقَ لَهُ يَدٌ وَلَا مِلْكٌ فَيَكُونُ الْخَصْمُ هُوَ الْمُوَكِّلُ، ٢؎ وَهَذَا؛ لِأَنَّ الْوَكِيلَ كَالْبَائِعِ مِنَ الْمُوَكِّلِ عَلَى مَا عُرِفَ، فَتَسْلِيمُهُ إِلَيْهِ كَتَسْلِيمِ الْبَائِعِ إِلَى الْمُشْتَرِي فَتَصِيرُ الْخُصُومَةُ مَعَهُ، ٣؎ إِلَّا أَنَّهُ مَعَ ذَلِكَ قَائِمٌ مَقَامَ الْمُوَكِّلِ، فَيَكْتَفِي بِحُضُورِهِ فِي الْخُصُومَةِ قَبْلَ التَّسْلِيمِ، وَكَذَا إِذَا كَانَ الْبَائِعُ وَكِيلَ الْغَائِبِ فَلِلشَّفِيعِ أَنْ

اوراگراس نے مؤکل کوگھر سپرد کر دیا تواب مؤکل ذمہ دار ہوجائے گا۔کیونکہ اب وہ عاقد بن گیا۔

تشریح:مثلازید نے عمر کا وکیل بن کر عمر کے لئے گھر خریدا توشفیع حق شفعہ کے لئے زید ہی کو مدعی علیہ بنائے گا اوراسی پر مقدمہ دائر کرے گا۔ابھی عمر کونہیں۔ہاں!اگر زید نے گھر عمر مؤکل کوسپرد کر دیا تواب شفیع عمر مؤکل کو مدعی علیہ بنائے گا۔

وجہ: جوگھر خریدتا ہے مشتری وہی مانا جاتا ہے۔چاہے دوسرے کے لئے خریدا ہو۔اوردعوی وغیرہ کے سارے حقوق خریدنے والے ہی پرلادا جاتا ہے۔تواس صورت میں زید وکیل نے ظاہری طور پرخریدا ہے اس لئے وہی مدعی علیہ بنیں گے۔اورمؤکل کے ہاتھ میں جانے کے بعداب وہ گویا کہ اصل خریدار بن گیااس لئے وہ مدعی علیہ بنے گا۔

ترجمہ:(٢١)مگر یہ کہ وکیل مؤکل کوسپرد کر دے۔[تومؤکل ذمہ دار بن جائے گا]

ترجمہ:۱؎ اس لئے کہ اب وکیل کا قبضہ باقی نہیں رہااورنہ اس کی ملکیت ہے اس لئے اب مؤکل خصم بنے گا۔

تشریح:ہاں اگر وکیل نے مؤکل کومبیع سپرد کر دیا توچونکہ اب وکیل کے قبضے میں مبیع نہیں رہی،اورنہ وکیل اس کا مالک ہے اس لئے اب شفیع وکیل کوخصم نہیں بنائے گا بلکہ مؤکل کوخصم بنائے گا۔

ترجمہ:٢؎ اس کی وجہ یہ ہے کہ وکیل مؤکل کے لئے بائع کے درجے میں ہے جیسا کہ معلوم ہوااس لئے وکیل کا مؤکل کا سپرد کرنا ایسا ہے جیسا کہ بائع نے مشتری کوسپرد کر دیااس لئے اب جھگڑا مؤکل کے ساتھ ہوگا۔

تشریح:مؤکل کوسپرد کرنے کے بعداس سے جھگڑا کیوں کرے گااس کی وجہ بیان کرتے ہیں۔کہ وکیل اورمؤکل کے درمیان واسطہ ایسا ہے جیسے بائع اورمشتری کا واسطہ،پس جس طرح بائع مشتری کومبیع سپرد کر دے تواب مشتری خصم بنتا ہے اسی طرح وکیل نے مؤکل کوسپرد کر دیا توگویا کہ وکیل نے مؤکل کومبیع بیچ دیااوراس پرقبضہ دے دیااسلئے اب مؤکل خصم بنیں گے

ترجمہ:٣؎ مگر یہ کہ وکیل مؤکل کے بھی قایم مقام ہے اس لئے مبیع سپرد کرنے سے پہلے جھگڑے میں صرف وکیل کی حاضری پراکتفا کیا جائے گا۔

تشریح: یہ ایک اشکال کا جواب ہے۔اشکال یہ ہے کہ جب وکیل کا تعلق مؤکل کے ساتھ بائع اورمشتری کی طرح ہے تو بائع کے قبضے میں چیز ہوتواس وقت قاضی حق شفعہ کا فیصلہ کرے تو مشتری کو بھی حاضر ہونا پڑتا ہے،اوروکیل کے قبضے میں چیز ہواورقاضی شفعہ کا فیصلہ کرے تو مؤکل کوحاضر ہونے کی ضرورت نہیں ہے،تووکیل مؤکل کے ساتھ بائع اورمشتری کے درجے

يَأْخُذَهَا مِنْهُ إِذَا كَانَتْ فِي يَدِهِ؛ لِأَنَّهُ عَاقِدٌ ٤ وَكَذَا إِذَا كَانَ الْبَائِعُ وَصِيًّا لِمَيِّتٍ فِيمَا يَجُوزُ بَيْعُهُ لِمَا ذَكَرْنَا. (٢٢) قَالَ: وَإِذَا قَضَى الْقَاضِي لِلشَّفِيعِ بِالدَّارِ وَلَمْ يَكُنْ رَآهَا فَلَهُ خِيَارُ الرُّؤْيَةِ، وَإِنْ وَجَدَ بِهَا عَيْبًا فَلَهُ أَنْ يَرُدَّهَا وَإِنْ كَانَ الْمُشْتَرِي شَرَطَ الْبَرَاءَةَ مِنْهُ ١ لِأَنَّ الْأَخْذَ بِالشُّفْعَةِ بِمَنْزِلَةِ الشِّرَاءِ؛ أَلَا يَرَى أَنَّهُ مُبَادَلَةُ الْمَالِ بِالْمَالِ فَيَثْبُتُ فِيهِ الْخِيَارَانِ كَمَا فِي الشِّرَاءِ، ٢ وَلَا يَسْقُطُ بِشَرْطِ الْبَرَاءَةِ مِنَ الْمُشْتَرِي وَلَا بِرُؤْيَتِهِ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِنَائِبٍ عَنْهُ فَلَا يَمْلِكُ اسْقَاطَهُ.

میں کیسے ہوا؟ اس کا جواب دیا جارہا ہے کہ بائع مشتری کے قائم مقام نہیں ہے اس لئے مشتری کو بھی حاضر ہونا پڑتا ہے اور وکیل مؤکل کے قائم مقام ہے اس لئے وکیل کی حاضری کے وقت مؤکل کی حاضری کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ :٤ ایسے ہی اگر غائب کے لئے بیچنے کا وکیل ہو تو شفیع کو حق ہے کہ بائع ہی سے مبیع لے لے اگر مبیع اس کے قبضے میں ہو، اس لئے کہ بائع ہی عقد کرنے والا ہے۔

تشریح :اوپر تھا کہ خریدنے کا وکیل تھا، یہاں بیچنے کا وکیل ہے، اور مؤکل غائب ہے، پس اگر مبیع ابھی تک بائع کے ہاتھ میں ہے تو شفیع بائع ہی سے لیگا اس لئے کہ عقد کرنے والا یہی وکیل ہے۔

ترجمہ :٤ ایسے ہی اگر بیچنے والا میت کا وصی ہو، جہاں وصی کا بیچنا جائز ہو، تو شفیع بائع ہی سے جھگڑا کرے گا۔

تشریح :اگر گھر بیچنے والا میت کا وصی ہو تو وہ وکیل کے درجے میں ہوتا ہے اس لئے شفیع وصی ہی سے جھگڑا کرے گا، کیونکہ میت اب موجود نہیں ہے۔

لغت:فیما یجوز بیعه:اس عبارت میں بتایا کہ مثلا بیس ہزار کا گھر دس ہزار میں بیچنا چاہے تو وصی کو اس کی اجازت نہیں ہے ،اسی طرح سب وارث بالغ ہیں تو وصی کو بیچنے کی اجازت نہیں ہے، اس لئے صاحب ہدایہ نے فرمایا جس کو بیچنا جائز ہو اس میں وصی سے وصول کرے گا۔

ترجمہ :(۲۲) شفیع کے لئے گھر کا فیصلہ کیا اور شفیع نے گھر کو دیکھا نہیں تھا تو اس کع خیار رویت ملے گا، اور اگر گھر میں عیب نکلا تو شفیع کو واپس کرنے کا حق ملے گا، اگر چہ مشتری نے اس سے برأت کی شرط لگائی ہو۔

ترجمہ :١ اس لئے کہ شفعہ کے ذریعہ لینا خریدنے کے درجے میں ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ یہ مبادلۃ المال بالمال ہے اس لئے اس میں خیار ثابت ہوگا۔ جیسے کہ خریدنے میں خیار رویت ثابت ہوتا ہے۔

تشریح : شفعہ کے ذریعہ لینا حقیقت میں گھر کو مستقل خریدنا ہے اس لئے اگر شفیع نے گھر کو دیکھا نہیں ہے تو دیکھنے کے بعد خیار رویت ملے گا، اور اس میں کوئی عیب ہو تو اس کے ماتحت گھر کو واپس کرنے بھی حق ملے گا۔

ترجمہ :٢ اور مشتری نے بری ہونے کی شرط کردی ہو تو تب بھی شفیع کا حق ساقط نہیں ہوگا اور نہ اس کی رویت ساقط ہوگی،

﴿فَصْلٌ فِيْ الِاخْتِلافِ﴾

(۲۳)قَالَ: وَإِنْ اخْتَلَفَ الشَّفِيعُ وَالْمُشْتَرِي فِي الثَّمَنِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُشْتَرِي؛ ۱؎ لِأَنَّ الشَّفِيعَ يَدَّعِي اسْتِحْقَاقَ الدَّارِ عَلَيْهِ عِنْدَ نَقْدِ الْأَقَلِّ، وَهُوَ يُنْكِرُ، وَالقَوْلُ قَوْلُ الْمُنْكِرِ مَعَ يَمِينِهِ، ۲؎ وَلَا يَتَحَالَفَانِ؛ لِأَنَّ الشَّفِيعَ إِنْ كَانَ يَدَّعِي عَلَيْهِ اسْتِحْقَاقَ الدَّارِ فَالْمُشْتَرِي لَا يَدَّعِي عَلَيْهِ شَيْئًا

اس لئے کہ مشتری شفیع کا نائب نہیں ہے اس لئے وہ ساقط کرنے کا مالک نہیں ہے۔

تشریح: مشتری نے خیار رویت لینے سے برأت کا اظہار کر دیا ہو، یا خیار رویت ساقط کر دیا ہو تب بھی شفیع کا خیار عیب، یا خیار رویت ساقط نہیں ہوگا، کیونکہ مشتری شفیع کا نائب نہیں ہے۔

﴿فَصْلٌ فِيْ الِاخْتِلافِ﴾

ترجمہ: (۲۳) اگر شفیع اور مشتری اختلاف کر جائے ثمن میں تو مشتری کے قول کا اعتبار ہوگا۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ شفیع کم قیمت دینے کے وقت مشتری پر گھر کے مستحق ہونے کا دعوی کر رہا ہے اور مشتری انکار کر رہا ہے اور قسم کے ساتھ مشتری کی بات مانی جاتی ہے۔

تشریح: مثلا مشتری کہتا ہے کہ اس زمین کو میں نے بائع سے ایک ہزار درہم میں خریدی ہے۔ اور شفیع کہتا ہے کہ تم نے آٹھ سو درہم میں خریدا ہے۔ اور مجھ کو تم سے آٹھ سو میں زمین لینے کا حق ہے۔ اور شفیع کے پاس آٹھ سو پر بینہ نہیں ہے تو قسم کے ساتھ مشتری کی بات مان لی جائے گی۔

وجہ: شفیع آٹھ سو درہم دے کر زمین لینے کا مدعی ہے اور مشتری اس کا منکر ہے۔ اور مدعی کے پاس بینہ نہیں ہے اس لئے مشتری منکر کی بات قسم کے ساتھ مان لی جائے گی۔

ترجمہ: ۲؎ اور دونوں قسمیں نہیں کھائیں گے اس لئے کہ شفیع اگر چہ مشتری پر گھر کا دعوی کرتا ہے لیکن مشتری شفیع پر کسی چیز کا دعوی نہیں کر رہا ہے کیونکہ شفیع کو اختیار دے رہا ہے لینے یا چھوڑنے کا، اور اور یہاں دونوں کو قسم کھلانے کی کوئی حدیث نہیں ہے اس لئے دونوں کو قسم نہیں کھلائیں گے۔

تشریح: شفیع اور مشتری بائع اور مشتری کے درجے میں ہیں، لیکن تھوڑا سا فرق ہے اس لئے دونوں کو قسمیں نہیں کھلائیں گے، صرف مشتری قسم کھائے گا۔ یہاں شفیع کا دعوی مشترے پر ہے کہ کم قیمت دیکر گھر لینا چاہتا ہے، اس لئے شفیع مدعی ہے اور مشتری منکر ہے، اس لئے گواہ نہ ہونے کی صورت میں مشتری قسم کھائے گا۔ لیکن مشتری کا دعوی شفیع پر نہیں کیونکہ وہ اختیار دیتا ہے کہ چاہے گھر لو یا چھوڑ دو، اب جب مشتری کا دعوی شفیع پر نہیں ہے تو شفیع منکر نہیں بنا اس لئے وہ قسم نہیں کھائے گا اس لئے

لِتخَيُّرِهِ بَيْنَ التَّرْكِ وَالْأَخْذِ وَلَا نَصَّ هَاهُنَا، فَلَا يَتَحَالَفَان. (۲۴) قَالَ: وَلَوْ أَقَامَا الْبَيِّنَةَ فَالْبَيِّنَةُ لِلشَّفِيعِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: الْبَيِّنَةُ بَيِّنَةُ الْمُشْتَرِي؛ ۱؎ لِأَنَّهَا أَكْثَرُ اثْبَاتًا فَصَارَ كَبَيِّنَةِ الْبَائِعِ وَالْوَكِيلِ وَالْمُشْتَرِي مِنَ الْعَدُوِّ. ۲؎ وَلَهُمَا: أَنَّهُ لَا تَنَافِيَ بَيْنَهُمَا فَيُجْعَلُ كَأَنَّ

دونوں کو قسمیں نہیں کھلائی جائے گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ دونوں کو قسم کھلانے کے بارے میں کوئی حدیث بھی نہیں ہے اس لئے بھی دونوں کو قسم نہیں کھلائی جائے گی۔

ترجمہ: (۲۴) پس اگر شفیع اور مشتری دونوں نے بینہ قائم کر دیا تو شفیع کا بینہ معتبر ہوگا امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک۔

اصول: امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کا اصول یہ ہے کہ جو جو مدعی ہے اس کے گواہی کا اعتبار ہے۔

تشریح: شفیع نے اس بات پر بینہ قائم کیا کہ مشتری نے اس زمین کو آٹھ سو میں خریدا ہے۔ اور مشتری نے اس بات پر بینہ قائم کیا کہ میں نے ایک ہزار میں خریدی ہے۔ تو طرفین فرماتے ہیں کہ شفیع کا بینہ قابل قبول ہوگا، مشتری کا نہیں۔

وجہ: شفیع مدعی ہے کم قیمت سے خریدنے کا اور مشتری منکر ہے۔ اور حدیث کے اعتبار سے مدعی کی گواہی قابل قبول ہے۔ اس لئے شفیع کی گواہی معتبر ہوگی۔

ترجمہ: ۱؎ امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ مشتری کے گواہ کا اعتبار ہے اس لئے کہ وہ زیادہ قیمت ثابت کر رہا ہے، اس لئے بائع، اور وکیل، اور دار الحرب سے خرید کرلانے والے کی طرح ہو گیا۔

اصول: امام ابو یوسفؒ کا اصول یہ ہے کہ جو زیادہ قیمت ثابت کرنے کی گواہی دے اس کی گواہی مانی جائے گی۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ مشتری کی گواہی مانی جائے گی اس لئے کہ اس کی گواہی زیادہ قیمت ثابت کرتی ہے، اس کی تین مثالیں پیش کی ہیں۔ [۱] پہلی مثال یہ ہے کہ بائع اور مشتری میں اختلاف ہو جائے، بائع کہتا ہے کہ ایک ہزار میں گھر بیچا ہوں اور مشتری کہے آٹھ سو میں خریدا ہوں اور دونوں گواہی پیش کرے، تو چونکہ مشتری کی گواہی زیادہ قیمت ثابت کرتی ہے اس لئے اس کی گواہی قبول کی جاتی ہے اسی طرح یہاں مشتری کی گواہی زیادہ قیمت ثابت کرتی ہے اس لئے اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ [۲] دوسری مثال۔ وکیل کہتا ہے کہ اس گھر کو ایک ہزار میں خریدا تھا، اور موکل کہتا ہے کہ آٹھ سو میں خریدا تھا اور دونوں نے گواہی پیش کی تو وکیل کی گواہی مانی جاتی ہے اس لئے کہ وہ زیادہ کو ثبوت کرتی ہے۔ [۳] تیسری مثال۔ زید کا غلام دار الحرب والا لے گیا تھا، اس کو کسی مسلمان نے خرید کر لایا، اب زید کہتا ہے کہ تم نے آٹھ سو میں خریدا ہے، اور خریدنے والا کہتا ہے کہ ایک ہزار میں خریدا ہوں تو خریدنے والے کی گواہی مانی جائے گی کیونکہ وہ زیادہ قیمت کو ثابت کرتی ہے، اسی طرح مشتری کی گواہی مانی جائے گی اس لئے کہ وہ زیادہ کو ثابت کرتی ہے۔

ترجمہ: ۲؎ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ دونوں طرح کے بیچنے میں کوئی تنافی نہیں ہے تو ایسا کر دیا جائے گا کہ دو بیع ہوئی، اور شفیع کے لئے یہ ہے کہ جس قیمت کے بدلے میں چاہے لے۔

الْمَوْجُودَ بَيْعَانِ، وَلِلشَّفِيعِ أَنْ يَأْخُذَ بِأَيِّهِمَا شَاءَ، ٣ وَهَذَا بِخِلَافِ الْبَائِعِ مَعَ الْمُشْتَرِي؛ لِأَنَّهُ لَا يَتَوَالَى بَيْنَهُمَا عَقْدَانِ إلَّا بِانْفِسَاخِ الْأَوَّلِ، وَهَاهُنَا الْفَسْخُ لَا يَظْهَرُ فِي حَقِّ الشَّفِيعِ ٤ وَهُوَ التَّخْرِيجُ لِبَيِّنَةِ الْوَكِيلِ؛ لِأَنَّهُ كَالْبَائِعِ، وَالْمُوَكِّلُ كَالْمُشْتَرِي مِنْهُ، كَيْفَ وَأَنَّهَا مَمْنُوعَةٌ عَلَى مَا رُوِيَ عَنْ مُحَمَّدٍ، ٥ وَأَمَّا الْمُشْتَرِي مِنْ الْعَدُوِّ فَقُلْنَا: ذُكِرَ فِي السِّيَرِ الْكَبِيرِ أَنَّ الْبَيِّنَةَ بَيِّنَةُ الْمَالِكِ الْقَدِيمِ. فَلَنَا أَنْ نَمْنَعَ. ٦ وَبَعْدَ التَّسْلِيمِ نَقُولُ: لَا يَصِحُّ الثَّانِي هُنَالِكَ إلَّا بِفَسْخِ

تشریح : یہ طرفین کی دلیل ہے کہ یہاں دو بیع مان لی جائے، ایک بیع آٹھ سو کے بدلے، اور دوسری بیع ایک ہزار کے بدلے، اس لئے شفیع کو اختیار ہوگا کہ جس قیمت میں چاہے لے۔۔ یہ دلیل کوئی مضبوط نہیں لگتی، اور پیچیدہ ہے، غور سے سمجھیں۔

ترجمہ :٣ یہ بخلاف بائع کا معاملہ ہو مشتری کے ساتھ اس لئے کہ ان دونوں کے درمیان دو بیع نہیں ہو سکتی مگر پہلے کو فسخ کرکے اور یہاں شفیع کے حق فسخ ظاہر نہیں ہوگا۔

تشریح : حضرت امام ابو یوسفؒ نے تین مثالیں دی تھی یہ جملہ اس کا جواب ہے۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ شفیع کے حق میں دو بیع مان لی جائے، ایک آٹھ سو میں اور دوسرا ایک ہزار میں، اس لئے شفیع کو یہ حق ہوگا کہ کم قیمت دیکر لے لے، لیکن بائع اور مشتری کے درمیان ایک ساتھ دو بیع نہیں مان سکتے، بلکہ پہلی بیع فسخ کرنے کے بعد دوسری بیع منعقد ہوگی، اور شفیع کے حق میں یہی سمجھا جائے گا کہ ایک ہی بیع ہوئی ہے۔

ترجمہ : ٤ یہی تخریج ہے وکیل کے گواہ کا اس لئے کہ وکیل بائع کی طرح ہے اور موکل مشتری کی طرح ہے۔

تشریح : :وکیل بائع کی طرح ہے اور موکل مشتری کی طرح ہے اس لئے ان دونوں کے درمیان بھی دو بیع ایک ساتھ نہیں کر سکتے، بلکہ پہلی بیع فسخ کرکے دوسری بیع نافذ کریں گے اس لئے وکیل کے بینہ کا اعتبار ہوگا۔

ترجمہ : ترجمہ :٥ حالانکہ یہ بات بھی کیسے مان لوں کیونکہ امام محمدؒ سے روایت ہے کہ موکل کی گواہی کا اعتبار ہوگا۔

تشریح :اوپر کا جواب اس صورت میں تھا کہ یہ مان لیا جائے کہ وکیل کی گواہی کا اعتبار ہے جس میں زیادہ ہونے کا ثبوت ہے، لیکن امام محمدؒ کی دوسری روایت یہ ہے کہ موکل کی گواہی کا اعتبار ہے تو پھر زیادہ والے کی گواہی ماننے کا اعتبار نہیں رہا، اس لئے مشتری کی گواہی ماننے کی ضرورت ہی نہیں رہی۔

ترجمہ : ٦ بہر حال دار الحرب سے خریدنے والا تو اس بارے میں ہم کہتے ہیں کہ سیر کبیر میں یہ ذکر کیا ہے کہ پرانے مالک کی گواہی قبول کی جائے گی، تو ہم آپ کی بات روک سکتے ہیں۔

تشریح : یہ امام ابو یوسفؒ کے تیسرے استدلال کا جواب ہے۔ دار الحرب سے غلام خرید کر لایا تو امام محمدؒ کی کتاب سیر کبیر میں یہ مذکور ہے کہ جو پرانا مالک ہے جو کم قیمت میں غلام خرید کرلانے کا دعوی کر رہا ہے اس کی گواہی قبول کی جائے گی، اس

الْأَوَّلِ، أَمَّا هَاهُنَا فَبِخِلَافِهِ ، ٧ وَلِأَنَّ بَيِّنَةَ الشَّفِيعِ مُلْزِمَةٌ وَبَيِّنَةَ الْمُشْتَرِي غَيْرُ مُلْزِمَةٍ وَالْبَيِّنَاتُ لِلْإِلْزَامِ. (۲۵) قَالَ: وَإِذَا ادَّعَى الْمُشْتَرِي ثَمَنًا وَادَّعَى الْبَائِعُ أَقَلَّ مِنْهُ وَلَمْ يَقْبِضِ الثَّمَنَ أَخَذَهَا الشَّفِيعُ بِمَا قَالَهُ الْبَائِعُ وَكَانَ ذَلِكَ حَطًّا عَنِ الْمُشْتَرِي ؛ ا وَهَذَا لِأَنَّ الْأَمْرَ إِنْ كَانَ عَلَى مَا

صورت میں بھی امام ابو یوسف کا قاعدہ کہ زیادہ کو ثابت کرنے والے کی گواہی مانی جائے گی، یہ ثابت نہیں ہوئی۔

ترجمه : ٧ اور یہ تسلیم کرنے کے بعد [کہ خریدنے والے ہی کی بات مانی جائے گی] ہم یہ کہتے ہیں کہ وہاں بھی پہلی بیع کو فسخ کئے بغیر دوسری بیع نہیں ہوگی۔اور شفیع کی صورت میں پہلی بیع فسخ کر کے دوسری بیع ثابت کی جا سکتی ہے۔

تشریح : یہ بھی امام ابو یوسفؒ کی تیسری دلیل کا جواب ہے۔ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ خریدنے والی کی گواہی مان لی جائے، لیکن یہاں بھی صورت یہ ہے کہ دو بیع ایک ساتھ نہیں مان سکتے ، بلکہ پہلی بیع فسخ کر کے دوسری بیع صابت کرنی ہوگی ، اور جب ایک بیع ہوگی تو وہاں جو منکر ہوگا اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔اس کے برخلاف شفیع کی صورت میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ دو بیع ہوئی، اس لئے شفیع کو حق ہے کہ کم قیمت دیکر گھر خرید لے۔نوٹ: یہ دو بیع ماننے کی صورت بہت کمزور ہے۔

ترجمه : ٨ اور اس لئے کہ شفیع کا بینہ لازم کرنے والا ہے اور مشتری کا بینہ لازم کرنے والا نہیں ہے، اور گواہ لازم کرنے کے لئے ہوتا ہے۔

تشریح : یہ امام ابو حنیفہؒ کی جانب سے دلیل عقلی ہے۔شفیع گواہ کے ذریعہ آٹھ سو میں بیع ثابت کر دے تو مشتری پر دینا لازم ہے، اور مشتری ایک ہزار میں بیع ثابت کرے تو شفیع پر اس کا لینا لازم نہیں، وہ گھر چھوڑ دے گا، اس لئے معلوم ہوا کہ مشتری کا بینہ لازم کرنے کے لئے نہیں ہے اور شفیع کا بینہ لازم کرنے کے لئے ہے اور گواہ لازم کرنے کے لئے ہوتا ہے اس لئے شفیع کے گواہ کو قبول کیا جائے گا۔

ترجمه :(۲۵) اگر دعوی کرے مشتری زیادہ ثمن کا اور بائع دعوی کرے اس سے کم کا اور بائع نے ثمن پر قبضہ نہیں کیا ہے تو شفیع اس کو لے گا اس قیمت میں جو بائع نے کہی۔اور یہ مشتری کے ذمہ سے قیمت کم کرنا سمجھا جائے گا۔

ترجمه : ا یہ اس لئے ہے کہ اگر بات ایسی ہی ہے جو بائع کہتا ہے کہ [کہ قیمت کم ہے] تو اس قیمت پر ہی شفعہ واجب ہوگا، اور جو مشتری نے کہا وہ بات صحیح ہے [کہ قیمت زیادہ ہے] تو یوں سمجھا جائے گا کہ بائع نے بعد میں قیمت کم کر دی، اور یہ کم کرنا شفیع کے حق میں ظاہر ہوگا، جسکو ہم بعد ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

تشریح: مثلا عمر مشتری نے کہا کہ اس زمین کو زید سے ایک ہزار درہم میں خریدا ہوں۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ خالد شفیع کو بھی ایک ہزار میں یہ زمین دوں گا۔اور زید بائع نے کہا کہ میں نے عمر کے ہاتھ آٹھ سو میں زمین بیچی ہے۔اور زید بائع نے ابھی تک زمین کی قیمت عمر مشتری سے نہیں لی ہے تو خالد شفیع اس زمین کو عمر مشتری سے آٹھ سو درہم میں لے گا۔اور یوں سمجھا جائے گا کہ زید بائع نے مشتری کے لئے دو سو درہم بعد میں کم کر دیئے۔اور اب زید بائع بھی عمر مشتری سے آٹھ سو درہم ہی لے گا۔کیونکہ

قَالَ الْبَائِعُ فَقَدْ وَجَبَتِ الشُّفْعَةُ بِهِ، وَإِنْ كَانَ عَلَى مَا قَالَ الْمُشْتَرِي فَقَدْ حَطَّ الْبَائِعُ بَعْضَ الثَّمَنِ، وَهَذَا الْحَطُّ يَظْهَرُ فِي حَقِّ الشَّفِيعِ عَلَى مَا نُبَيِّنُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى،٢ وَلِأَنَّ التَّمَلُّكَ عَلَى الْبَائِعِ بِإِيجَابِهِ فَكَانَ الْقَوْلُ قَوْلَهُ فِي مِقْدَارِ الثَّمَنِ مَا بَقِيَتْ مُطَالَبَتُهُ فَيَأْخُذُ الشَّفِيعُ بِقَوْلِهِ.

(٢٦) قَالَ: وَلَوْ ادَّعَى الْبَائِعُ الْأَكْثَرَ يَتَحَالَفَانِ وَيَتَرَادَّانِ، وَأَيُّهُمَا نَكَلَ ظَهَرَ أَنَّ الثَّمَنَ مَا يَقُولُهُ الْآخَرُ فَيَأْخُذُهَا الشَّفِيعُ بِذَلِكَ، وَإِنْ حَلَفَا يَفْسَخُ الْقَاضِي الْبَيْعَ عَلَى مَا عُرِفَ وَيَأْخُذُهَا الشَّفِيعُ بِقَوْلِ الْبَائِعِ؛١ لِأَنَّ فَسْخَ الْبَيْعِ لَا يُوجِبُ بُطْلَانَ حَقِّ الشَّفِيعِ.

اس نے خود ہی اقرار کیا کہ میں نے آٹھ سو درہم میں بیچی ہے۔

وجہ :اگر بائع کی بات مان لیں تب تو آٹھ سو میں شفیع لے گا ہی، اور اگر مشتری کی بات مان لیں کہ ایک ہزار میں خریدا تھا تو اب یوں سمجھا جائے گا کہ بائع نے بعد میں دو سو درہم کم کر دیا ہے۔

لغت:حط :کم کرنا۔

ترجمہ : ٢ اور اس لئے کہ بائع کے ایجاب کرنے سے مالک بنانا ہوا اس لئے قیمت کی مقدار میں اسی کی بات مانی جائے گی جب تک اس کا مطالبہ باقی ہے اس لئے شفیع بائع ہی کی بات پر لے گا۔

تشریح :مشتری بھی جو مالک بنا ہے تو بائع کی ایجاب کرنے سے مالک بنا ہوگا، کہ اتنی رقم میں بیچتا ہوں، اس لئے جب تک اس کی قیمت باقی ہے اس وقت تک اسی کی بات پر فیصلہ ہوگا، اور شفیع اسی کی بات پر گھر لیگا۔ اور یہی قیمت چونکہ خود بائع کو ملے گی اس لئے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا ہے کہ بائع نے مشتری کو نقصان پہونچانے کے لئے کم قیمت بتائی ہے۔

ترجمہ (٢٦) اور اگر بائع نے زیادہ قیمت کا دعوی کیا، تو بائع اور مشتری دونوں قسمیں کھائیں گے اور بیع ختم کر دی جائے گی، اور اگر کسی ایک نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو ظاہر ہو جائے گا کہ قیمت وہ ہے جو دوسرا کہہ رہا ہے، اور شفیع اسی قیمت میں لے گا، اور اگر دونوں قسم کھا لیں تو قاضی بیع کو فسخ کر دے گا، جیسا کہ آپ نے جان لیا، اور شفیع بائع کی بات پر گھر لے گا

ترجمہ:١ اس لئے کہ بیع فسخ ہونے سے شفیع کا حق باطل نہیں ہوگا۔

تشریح : اگر بائع کہتا ہے کہ ایک ہزار میں بیچا تھا، اور مشتری کہتا ہے کہ آٹھ سو میں بیچا تھا۔ اور کسی کے پاس گواہ نہیں ہے تو بائع اور مشتری دونوں سے قسم لی جائے، اگر ایک نے قسم کھانے سے انکار کر دیا اور دوسرے آدمی نے قسم کھالی تو جس نے قسم کھائی اس کی بات مان کر شفیع اسی کی قیمت پر گھر لے گا۔ اور اگر دونوں نے قسم کھالی تو قاضی بیع کو توڑ دے گا اور بائع جتنی قیمت کہہ رہا ہے اس قیمت پر گھر لے گا۔

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں کی قسم کھانے کی وجہ سے قاضی نے بعد میں بیع توڑی ہے ورنہ حقیقت میں بیع ہوئی تھی، اس

(۲۷)قَالَ: وَإِنْ كَانَ قَبَضَ الثَّمَنَ أَخَذَ بِمَا قَالَ الْمُشْتَرِي إِنْ شَاءَ وَلَمْ يَلْتَفِتْ إِلَى قَوْلِ الْبَائِعِ؛ ١ لِأَنَّهُ لَمَّا اسْتَوْفَى الثَّمَنَ انْتَهَى حُكْمُ الْعَقْدِ، وَخَرَجَ هُوَ مِنَ الْبَيْنِ، وَصَارَ هُوَ كَالْأَجْنَبِيِّ، وَبَقِيَ الِاخْتِلَافُ بَيْنَ الْمُشْتَرِي وَالشَّفِيعِ، وَقَدْ بَيَّنَّاهُ. ٢ وَلَوْ كَانَ نَقْدُ الثَّمَنِ غَيْرَ ظَاهِرٍ، فَقَالَ الْبَائِعُ: بِعْت الدَّارَ بِأَلْفٍ وَقَبَضْتُ الثَّمَنَ يَأْخُذُهَا الشَّفِيعُ بِأَلْفٍ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا بَدَأَ بِالْإِقْرَارِ بِالْبَيْعِ تَعَلَّقَتْ الشُّفْعَةُ بِهِ، فَبِقَوْلِهِ بَعْدَ ذَلِكَ: قَبَضْتُ الثَّمَنَ يُرِيدُ إسْقَاطَ حَقِّ الشَّفِيعِ فَيُرَدُّ عَلَيْهِ.

لئے حقیقت میں بیع ہونے کی وجہ سے شفیع کا حق ختم نہیں ہوگا۔اور چونکہ بائع کے ایجاب کی وجہ سے بیع ہوئی ہے اس لئے بائع کی بات کو اصل مان کر اسی کی بتائی ہوئی قیمت پر شفیع گھر لے گا۔

ترجمہ:(۲۷)اور اگر بائع نے ثمن پر قبضہ کر لیا ہے تو لے گا شفیع اس قیمت میں جو مشتری نے کہی اور نہ توجہ دی جائے گی بائع کے قول کی طرف۔

ترجمہ:١ اس لئے کہ جب بائع نے قیمت لے لی تو بیع کا حکم ختم ہو گیا، اور بائع درمیان سے نکل گیا اور وہ اجنبی کی طرح ہو گیا، اور شفیع اور مشتری کے درمیان اختلاف باقی رہا، [اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ شفیع کے پاس بینہ نہ ہو تو مشتری قسم کھائے گا اور اس کی بتائی ہوئی قیمت پر شفیع کو لینا ہوگا]

وجہ: بائع نے قیمت پر قبضہ کر لیا تو اب وہ اس معاملے سے اجنبی ہو گیا۔اب اس کی بات کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی۔اب معاملہ رہا شفیع اور مشتری کا۔اور اوپر گزر چکا ہے کہ اس صورت میں شفیع مدعی ہے اور مشتری منکر ہے۔اس لئے مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو قسم کے ساتھ مشتری کی بات مان لی جائے گی۔

اصول: اجنبی کی بات پر توجہ نہیں دی جائے گی۔

لغت: لم یلتفت : توجہ نہیں دی جائے گی۔استوفی: وفی سے مشتق ہے۔پورا لے لیا۔

ترجمہ:٢ اور اگر قیمت پر قبضہ ظاہر نہیں ہے، اب بائع کہتا ہے کہ میں نے گھر کو ایک ہزار میں بیچا، اور قیمت پر قبضہ کیا، تو شفیع ایک ہزار میں گھر لے گا، اس لئے کہ جب پہلے بیع کا اقرار کیا تو اس گھر سے شفعہ متعلق ہو گیا، اس کے بعد جب یہ کہہ رہا ہے کہ میں نے قیمت پر قبضہ کر لیا ہے تو شفیع کے حق کو اپنے سے ساقط کرنا چاہتا ہے اس لئے اس کی بات کو رد کر دی جائے گی۔

تشریح: بائع نے قیمت پر قبضہ کیا ہے یا نہیں یہ ظاہر نہیں ہے۔اب بائع دو عبارت استعمال کرتا ہے۔[١] ایک میں, بعت الدار بالف ، و قبضت الثمن ،کہتا ہے اس میں، بیچنا پہلے لایا ہے جس سے حق شفعہ ثابت ہو جاتا ہے، اور قیمت پر قبضہ کرنے کا جملہ بعد میں لایا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بائع درمیان سے نکلنا چاہتا ہے، اور شفیع کو حق شفعہ سے محروم کرنا چاہتا ہے، اس لئے بائع کی بات اس کے منہ پر مار دی جائے گی، اور ایک ہزار میں شفیع گھر لے گا۔

۳؎ وَلَوْ قَالَ: قَبَضْتُ الثَّمَنَ وَهُوَ أَلْفٌ لَمْ يُلْتَفَتْ إلَى قَوْلِهِ؛ لِأَنَّ بِالْأَوَّلِ وَهُوَ الْإِقْرَارُ بِقَبْضِ الثَّمَنِ خَرَجَ مِنَ الْبَيْنِ وَسَقَطَ اعْتِبَارُ قَوْلِهِ فِي مِقْدَارِ الثَّمَنِ.

ترجمه: ۳؎ اور اگر کہا میں نے قیمت پر قبضہ کیا ہے، اور وہ ہزار ہے تو بائع کی بات کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی اس لئے کہ پہلا جملہ قیمت پر قبضہ کرنے کا اقرار ہے اس لئے بائع پہلے ہی درمیان سے نکل گیا اس لئے قیمت کے بارے میں اس کی بات کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔[قیمت الگ سے طے کرے۔]

تشریح: یہ بائع کی دوسری عبارت, قبضت ُالثمن و هو الف ،ہے اس عبارت میں قیمت پر قبضہ کیا پہلے ہے، اس لئے قیمت پر قبضہ کرنے کی وجہ سے بائع بیع سے نکل گیا اور اجنبی بن گیا اس لئے بعد میں جو کہہ رہا کہ وہ ایک ہزار ہے اس کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی ، اور گھر کتنے میں بکا ہے اس کے لئے دوسرے قرائن مثلا مشتری سے معلوم کر کے قیمت طے کی جائے گی، تاہم چونکہ بیچنے کی بات ثابت ہو چکی ہے اس لئے حق شفعہ ضرور ملے گا

﴿فَصْلٌ فِيمَا يُؤْخَذُ بِهِ الْمَشْفُوعُ﴾

(۲۸)قَالَ: وَإِذَا حَطَّ الْبَائِعُ عَنْ الْمُشْتَرِي بَعْضَ الثَّمَنِ يَسْقُطُ ذَلِكَ عَنْ الشَّفِيعِ، ١ وَإِنْ حَطَّ جَمِيعَ الثَّمَنِ لَمْ يَسْقُطْ عَنْ الشَّفِيعِ ٢ لِأَنَّ حَطَّ الْبَعْضِ يَلْتَحِقُ بِأَصْلِ الْعَقْدِ فَيَظْهَرُ فِي حَقِّ الشَّفِيعِ؛ لِأَنَّ الثَّمَنَ مَا بَقِيَ، ٣ وَكَذَا إِذَا حَطَّ بَعْدَمَا أَخَذَهَا الشَّفِيعُ بِالثَّمَنِ يَحُطُّ عَنْ الشَّفِيعِ

﴿فصل فيما يؤخذ به المشفوع﴾

ترجمه :(۲۸)اگر بائع نے مشتری سے بعض قیمت کم کر دی تو اتنی مقدار شفیع سے کم ہو جائے گی۔

اصول :یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ،جس قیمت میں فروخت ہوئی ہے اسی قیمت میں شفیع خریدے گا۔

تشریح : مثلا بائع نے پہلے ایک ہزار میں زمین بیچی تھی، بعد میں مشتری سے دوسو کم کر دی اور آٹھ سو میں دی تو شفیع سے بھی دوسو کم ہو جائیں گے۔اور وہ اب آٹھ سو میں زمین لے گا۔

وجه:جس قیمت میں مشتری نے خریدی ہے قاعدہ یہ ہے کہ اسی قیمت میں شفیع بھی خریدنے کا حقدار ہے۔

ترجمه :١ اور اگر تمام قیمت کم کر دے تو شفیع سے کچھ ساقط نہیں ہوگی۔

تشریح :مثلا ایک ہزار میں زمین بیچی، بعد میں بائع نے سب معاف کر دی تو شفیع سے کچھ ساقط نہیں ہوگی۔

وجه :یہ تو طے ہے کہ شفیع کو کچھ نہ کچھ قیمت دینی ہی ہوگی۔اب کچھ معاف کرتا تو اصل عقد کے ساتھ لاحق ہوتا اور شفیع سے بھی کم ہو جاتا۔لیکن پوری قیمت معاف کر دی تو اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوگی۔ بلکہ الگ سے بعد میں معاف کرنا ہوا۔اس لئے شفیع کو اب پوری قیمت ہی دینی ہوگی۔

ترجمه : ٢ اس لئے کہ بعض کو کم کرنا اصل عقد کے ساتھ ملایا جائے گا اس لئے یہ کمی شفیع کے حق میں بھی ظاہر ہوگا اس لئے کہ اب قیمت وہ ہے جو باقی رہی۔

تشریح : جب بائع نے قیمت کم کر دی تو یہ کمی اصل قیمت سے کم ہوگی، اور یوں سمجھا جائے گا کہ بائع نے اصل قیمت میں کمی کر دی ہے اس لئے اب شفیع اسی کم والی قیمت میں گھر لے گا۔

ترجمه : ٣ ایسے ہی اگر شفیع سے قیمت لینے کے بعد بائع نے کمی کی تو شفیع سے بھی کم ہو جائے گی، یہی وجہ ہے کہ شفیع اپنی دی ہوئی زیادہ قیمت واپس لے گا۔

تشریح :اوپر کی بات تھی شفیع سے لینے سے پہلے کی، اب فرماتے ہیں کہ شفیع نے گھر لے لیا اور اور مشتری کو قیمت بھی دے دی اس کے بعد بائع نے قیمت کم کی تو بھی شفیع سے قیمت کم ہو جائے گی، اور شفیع نے جو زیادہ قیمت مشتری کو دی ہے وہ بھی واپس لے گا۔

حَتَّى يَرْجِعَ عَلَيْهِ بِذَلِكَ الْقَدْرِ، ٤ بِخِلَافِ حَطِّ الْكُلِّ؛ لِأَنَّهُ لَا يَلْتَحِقُ بِأَصْلِ الْعَقْدِ بِحَالٍ، وَقَدْ بَيَّنَّاهُ فِي الْبُيُوعِ. (٢٩)وَإِنْ زَادَ الْمُشْتَرِي لِلْبَائِعِ لَمْ تَلْزَمْ الزِّيَادَةُ فِي حَقِّ الشَّفِيعِ؛ ا لِأَنَّ فِي اعْتِبَارِ الزِّيَادَةِ ضَرَرًا بِالشَّفِيعِ لِاسْتِحْقَاقِهِ الْأَخْذَ بِمَا دُونَهَا، بِخِلَافِ الْحَطِّ؛ لِأَنَّ فِيهِ مَنْفَعَةً لَهُ، ٢ وَنَظِيرُ الزِّيَادَةِ: إذَا جَدَّدَ الْعَقْدَ بِأَكْثَرَ مِنْ الثَّمَنِ الْأَوَّلِ لَمْ يَلْزَمْ الشَّفِيعَ حَتَّى كَانَ لَهُ أَنْ

ترجمہ : ٤ بخلاف پوری قیمت ہی کم [معاف] کردے تو وہ کسی حال میں اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوگا، اور اس بات کو کتاب البیوع میں نے ذکر کیا ہے۔

تشریح : یہ جملہ اوپر کے متن کی دلیل ہے کہ، بائع پوری قیمت ہی کم کردے، یعنی معاف کردے تو یہ اصل قیمت کے ساتھ لاحق نہیں ہوگا،

وجہ : کیونکہ یہ تو بیچنا، یعنی مبادلۃ المال بالمال نہیں ہوا، یہ تو ہبہ کرنا ہوا، اور شفیع تو ہر حال میں کچھ نہ کچھ قیمت دے کر ہی لے گا اس لئے شفیع سے سب قیمت کم نہیں ہوگی، بلکہ پہلے جس قیمت میں بیچی گئی ہے اسی میں گھر لینا ہوگا۔

ترجمہ :(٢٩) اگر مشتری بائع کے لئے زیادہ کردے ثمن میں تو شفیع کو یہ زیادتی لازم نہیں ہوگی۔

ترجمہ :ا اس لئے کہ زیادہ کے اعتبار کرنے میں شفیع کا نقصان ہے اس لئے کہ کم سے لینے کا وہ مستحق بن گیا ہے، بخلاف کم کرنے میں اس لئے اس میں شفیع کا فائدہ ہے۔

تشریح :مثلا ایک ہزار میں زمین بیچی، بعد میں مشتری نے اپنی خوشی سے بارہ سودے دیئے تو یہ دوسو شفیع کو لازم نہیں ہوں گے۔ شفیع پہلی قیمت ایک ہزار میں ہی زید سے لے گا۔

وجہ:(ا) یہ بہت ممکن ہے کہ مشتری نے زیادہ دے کر شفیع کو دوسو درہم کے نقصان دینے کا ارادہ کیا ہوگا۔ اس لئے شریعت اس نقصان کی تلافی کرے گی اور بیع میں جو پہلی قیمت طے ہوئی ہے شفیع کو وہی لازم ہوگی (٢) لا ضرر و لا ضرار، حدیث گزر چکی ہے۔

ترجمہ :٢ قیمت زیادہ کرنے کی دوسری مثال یہ ہے کہ پہلی قیمت سے زیادہ قیمت میں دوسرا عقد کرے تو بھی شفیع کو لازم نہیں ہوگا، یہاں تک کہ اس کے لئے جائز ہے کہ پہلی قیمت میں گھر لے اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے پہلے بیان کی، اسی طرح یہ معاملہ بھی ہے۔

تشریح :اوپر کے متن کی ایک دوسری صورت بیان کر رہے ہیں کہ بائع اور مشتری نے دوسری نئی بیع کی اور اس میں زیادہ قیمت رکھی تب بھی شفیع پہلی قیمت میں ہی گھر لے گا۔ کیونکہ اس کو اس میں نقصان دینے کا خطرہ ہے۔

ترجمہ :(٣٠) کسی نے گھر سامان کے بدلے خریدا تو شفیع اس کو اس کی قیمت سے لے گا۔

يَأْخُذَهَا بِالثَّمَنِ الْأَوَّلِ لِمَا بَيَّنَّا، كَذَا هَذَا. (۳۰) قَالَ: وَمَنُ اشْتَرَى دَارًا بِعَرْضٍ أَخَذَهَا الشَّفِيعُ بِقِيمَتِهِ ۱؎ لِأَنَّهُ مِنْ ذَوَاتِ الْقِيَمِ (۳۱) وَإِنِ اشْتَرَاهَا بِمَكِيلٍ أَوْ مَوْزُونٍ أَخَذَهَا بِمِثْلِهِ ۱؎ لِأَنَّهُمَا مِنْ ذَوَاتِ الْأَمْثَالِ. ۲؎ وَهَذَا لِأَنَّ الشَّرْعَ أَثْبَتَ لِلشَّفِيعِ وِلَايَةَ التَّمَلُّكِ عَلَى الْمُشْتَرِي بِمِثْلِ مَا تَمَلَّكَهُ فَيُرَاعَى بِالْقَدْرِ الْمُمْكِنِ كَمَا فِي الْإِتْلَافِ ۳؎ وَالْعَدَدِيُّ الْمُتَقَارِبُ مِنْ ذَوَاتِ

ترجمہ : ۱؎ اس لئے کہ سامان ذواۃ القیم میں سے ہے۔

اصول : قیمتی ہونا، مثلی ہونا، عددی ہونا ثمن کی صفت ہے، اس لئے جس صفت کے ساتھ مشتری نے خریدی ہے اسی صفت کے ساتھ شفیع کو لینے کا حق ہوگا۔

تشریح : مشتری نے سامان [مثلا کپڑے کے بدلے میں] زمین خریدی تو شفیع اس سامان کی قیمت دے کر زمین خریدے گا۔اس سامان کی جو قیمت ہوگی وہ دے کر مشتری سے زمین لے گا۔

وجہ : سامان ذواۃ القیم ہے۔اس کی قیمت ہی لگتی ہے۔اس کا مثل نہیں ہوتا اس لئے سامان کی قیمت دیکر زمین لے گا۔۔
ذواۃ القیم، اس کو کہتے ہیں جسکی مثل لازم نہ ہوتی ہو، بلکہ اس کی قیمت لازم ہوتی ہو۔

ترجمہ : (۳۱) اور اگر گھر کو کیلی یا وزنی چیزوں کے بدلے لیا ہے تو اس کو اس کے مثل لے لے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ یہ مثلی ہے

تشریح : مثلا دوسو کیلو گیہوں کے بدلے گھر خریدا ہے تو شفیع گیہوں کے مثل دوسو کیلو گیہوں دے کر گھر مشتری سے لیگا۔

وجہ: گیہوں کیلی چیز ہے اور مثلی ہے۔اس لئے اس کا مثل دے کر شفیع لے گا۔

ترجمہ: ۲؎ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس چیز سے مشتری مالک بنا ہے شریعت نے شفیع کے لئے
اسی کے مثل دیکر مشتری کی زمین پر مالک بننے کی ولایت دی ہے، اس لئے ممکن مقدار تک اس کی رعایت دی جائے گی جیسے کی ضائع کرنے کی شکل میں ہوتا ہے۔

تشریح : چونکہ مشتری کی رضامندی کے بغیر شفیع کو لینے کا حق دیا ہے، اس لئے کوشش کی جائے گی کہ مشتری نے جس چیز کے بدلے میں لیا ہے حتی الامکان وہی چیز اس کو دلوائی جائے، اب اس نے مثلا گیہوں کے بدلے میں لیا ہے تو گیہوں ہی دلوائی جائے، تاکہ مثل ہو جائے، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ اگر گیہوں ضائع کیا ہے تو مالک کو گیہوں ہی دلواتے ہیں، اسی طرح یہاں مثلی کے بدلے میں خریدا ہے تو مثلی ہی دلوائی جائے گی۔

ترجمہ : ۳؎ ایسے گن کر بیچی جانے والی چیز جو قریب قریب ہیں، وہ ذواۃ الامثال میں سے ہیں [یعنی اس کی قیمت نہیں لگے گی مثلی دی جائے گی۔

الْأَمْثَالِ. (۳۲)وَإِنْ بَاعَ عَقَارًا بِعَقَارٍ أَخَذَ الشَّفِيعُ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِقِيمَةِ الْآخَرِ ﴿۱ لِأَنَّهُ بَدَلُهُ وَهُوَ ذَوَاتُ الْقِيَمِ فَيَأْخُذُهُ بِقِيمَتِهِ. (۳۳) قَالَ: وَإِذَا بَاعَ بِثَمَنٍ مُؤَجَّلٍ فَلِلشَّفِيعِ الْخِيَارُ، إِنْ شَاءَ أَخَذَهَا بِثَمَنٍ حَالٍّ، وَإِنْ شَاءَ صَبَرَ حَتَّى يَنْقَضِيَ الْأَجَلُ ثُمَّ يَأْخُذُهَا، وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَأْخُذَهَا

تشریح: وہ چیز جو گن کر بیچی جاتی ہے لیکن قریب قریب ہیں آپس میں کوئی زیادی تفاوت نہیں ہے، جیسے انڈا، تو اس کو ذواۃ الامثال کا حکم دیا جائے گا، یعنی اس کے بدلے میں گھر لیا ہے تو شفیع پر اس کی قیمت نہیں لگے گی بلکہ انڈا ہی دینا ہوگا، کیونکہ یہ مثلی چیز ہے۔

لغت: ذواۃ القیم: جس چیز کی قیمت لازم ہوتی ہو، اس کا مثل لازم نہ ہوتا ہو، جیسے بکری ضائع ہو جائے تو بکری لازم نہیں ہوتی اس کی قیمت لازم ہوتی ہے ۔ ذواۃ الامثال: جس چیز کا مثل لازم ہوتا ہو، جیسے گیہوں ضائع ہو جائے تو اس کے مثل گیہوں ہی لازم ہوگا۔ عددی: جو گن کر بکتا ہو جیسے انڈا یہ گن کر بکتا ہے، عددی متقارب: جو چیز گن کر بکتی ہو اور قریب قریب ہو، آپس میں کوئی زیادہ فرق نہ ہو جیسے انڈا۔ جسکے آپس میں فرق ہو اس کو عددی متفاوت کہتے ہیں جیسے خربوزہ۔ یہ عددی ہے، لیکن اس کے آپس میں بہت فرق ہوتا ہے، کوئی بہت بڑا ہوتا ہے اور کوئی بہت چھوٹا ہوتا ہے۔

ترجمہ: (۳۲) اگر بیچا زمین کو زمین کے بدلے تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے شفیع لیں گے دوسرے کی قیمت کے بدلے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ دوسری زمین بھی پہلی کا بدل ہے، اور یہ زمین ذواۃ القیم ہے اس لئے اس کی قیمت کے بدلے لیگا۔

تشریح: مثلا زید نے عمر کی زمین اپنی زمین کے بدلے خریدی جس کی بنا پر زید کی زمین کے شفیع کھڑے ہوئے اور عمر کی زمین کے شفیع بھی کھڑے ہوئے۔ اب زید کی زمین کی قیمت ایک ہزار تھی اور عمر کی زمین کی بازاری قیمت آٹھ سو تھی۔ اس لئے زید کی زمین کے جو شفیع ہیں وہ عمر کی زمین کی قیمت جو آٹھ سو ہے اس کے بدلے میں لیں گے۔ اور عمر کی زمین کے جو شفیع ہیں وہ زید کی زمین کی جو قیمت ایک ہزار ہے اس کے بدلے میں لیں گے۔

وجہ: زید کی زمین کی قیمت عمر کی زمین ہے۔ اس لئے زید کے شفیع کے لئے عمر کی زمین کی قیمت لگے گی۔ اور عمر کی زمین کے شفیع کے لئے زید کی زمین کی قیمت لگے گی ۔۔۔ عقار : زمین۔

ترجمہ: (۳۳) اگر مؤخر قیمت کے ساتھ بیچا تو شفیع کو اختیار ہے کہ نقد قیمت سے لے لے، اور چاہے تو مدت ختم ہونے تک صبر کرے پھر گھر کو نقد قیمت سے لے، لیکن شفیع کو یہ حق نہیں ہے کہ اس وقت ادھار قیمت سے لے۔

اصول: امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ نقد اور ادھار یہ قیمت کی صفت نہیں ہے، یہ بائع اور مشتری کے درمیان الگ سے معاملہ ہے، اس لئے یہ حق شفیع کو نہیں ملے گا۔

تشریح: بائع نے ایک ہزار ادھار میں گھر بیچا تو شفیع کو اس ادھار کا حق نہیں ملے گا، یہ بائع اور مشتری کے درمیان الگ سے

فِي الْحَالِ بِثَمَنٍ مُؤَجَّلٍ ۱ وَقَالَ زُفَرُ: لَهُ ذَلِكَ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ فِي الْقَدِيمِ؛ لِأَنَّ كَوْنَهُ مُؤَجَّلًا وَصْفٌ فِي الثَّمَنِ كَالزِّيَافَةِ، وَالْأَخْذُ بِالشُّفْعَةِ بِهِ فَيَأْخُذُ بِأَصْلِهِ وَوَصْفِهِ كَمَا فِي الزُّيُوفِ. ۲ وَلَنَا: أَنَّ الْأَجَلَ انَّمَا يَثْبُتُ بِالشَّرْطِ، وَلَا شَرْطَ فِيمَا بَيْنَ الشَّفِيعِ وَالْبَائِعِ أَوْ الْمُبْتَاعِ، وَلَيْسَ الرِّضَا بِهِ فِي حَقِّ الْمُشْتَرِي رِضًا بِهِ فِي حَقِّ الشَّفِيعِ لِتَفَاوُتِ النَّاسِ فِي الْمَلَاءَ

معاملہ ہے، کیونکہ ادھار اور نقد ہونا قیمت کی صفت نہیں ہے، ہاں شفیع کو الگ سے ادھار کا حق دے دے تو اب الگ معاہدہ کی وجہ سے شفیع کو ادھار لینے کا حق ملے گا۔ مشتری کے معاملے کی وجہ سے شفیع کو ادھار کا حق نہیں ملے گا۔ اب یا تو شفیع نقد ایک ہزار دیکر گھر لے، یا مدت ختم ہونے تک انتظار کرے اور جب مدت ختم ہو جائے تو اس وقت نقد ایک ہزار دیکر گھر لے۔

ترجمہ : ۱ امام زفرؒ نے فرمایا کہ شفیع کو ادھار لینے کا بھی حق ہوگا، اور امام شافعیؒ کا قدیم قول بھی یہی ہے اس لئے کہ ادھار ہونا ثمن میں وصف ہے جیسے کہ کھوٹا ہونا وصف ہے، اور شفعہ کے ذریعہ اسی کو لینا ہے اس لئے اصل قیمت اور اس کی وصف کے ساتھ لیگا، جیسے کہ کھوٹے کی شکل میں ہوتا ہے۔

اصول :امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کا اصول یہ ہے کہ نقد اور ادھار قیمت کی صفت ہے اس لئے مشتری اگر ادھار قیمت سے گھر لیا ہے تو شفیع کو بھی یہ حق خود بخود مل جائے گا۔

تشریح :امام زفرؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مشتری نے ادھار لیا ہے تو شفیع کو بھی یہ حق مل جائے گا، اور وہ بھی ادھار لے گا

وجہ :انکے یہاں ادھار ہونا، اور نقد ہونا ثمن کی صفت ہے اس لئے جس طرح اصل قیمت ایک ہزار سے لیگا اسی طرح اس کی صفت ادھار سے بھی لیگا، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ مثلا مشتری نے ایک ہزار کھوٹے سے لیا تو کھوٹا ہونا صفت ہے اس لئے بائع ایک ہزار کھوٹے سے ہی گھر لے گا، اسی طرح یہاں ہوگا۔۔ زیوف: کھوٹا سکہ۔

ترجمہ : ۲ ہماری دلیل یہ ہے کہ ادھار ہونا الگ سے شرط لگانے سے ثابت ہوئی ہے، اور شفیع اور بائع، یا شفیع اور مشتری کے درمیان ابھی تک کوئی ایسی شرط نہیں ہوئی ہے [اس لئے شفیع کو ادھار کا حق نہیں ملے گا] اور مشتری کے حق میں راضی ہونے سے شفیع کے حق میں راضی ہونا لازم نہیں آتا، لوگوں کے ادائیگی کے متفاوت ہونے کی وجہ سے۔

ترجمہ : ہماری دلیل یہ ہے کہ ادھار ہونا ثمن کی صفت نہیں ہے بلکہ الگ سے مشتری نے شرط لگائی ہے اس کی وجہ سے اسے ملی ہے، اس لئے شفیع کو الگ سے شرط لگائے بغیر نہیں ملے گی، کیونکہ مشتری کے ساتھ ادھار میں راضی ہونے کی وجہ سے ضروری نہیں ہے کہ شفیع کے ساتھ بھی راضی ہو جائے، کیونکہ ادائیگی میں ہر آدمی الگ الگ اخلاق کے ہوتے ہیں، کوئی جلدی ادا کرتا ہے، کوئی ٹال مٹول کرتا ہے۔۔

لغت :ملائۃ: مالداری، یہاں مراد ہے کہ ادا کرنے میں کوئی ٹال مٹول کرنے والا ہوتا ہے اور کوئی جلدی ادا کرتا ہے۔ مبتاع:

ۃِ، ۳؎ وَلَيْسَ الْأَجَلُ وَصْفَ الثَّمَنِ؛ لِأَنَّهُ حَقُّ الْمُشْتَرِي؛ وَلَوْ كَانَ وَصْفًا لَهُ لَتَبِعَهُ فَيَكُونُ حَقًّا لِلْبَائِعِ كَالثَّمَنِ ۴؎ وَصَارَ كَمَا إذَا اشْتَرَى شَيْئًا بِثَمَنٍ مُؤَجَّلٍ ثُمَّ وَلَّاهُ غَيْرَهُ لَا يَثْبُتُ الْأَجَلُ إلَّا بِالذِّكْرِ، كَذَا هَذَا، ۵؎ ثُمَّ إنْ أَخَذَهَا بِثَمَنٍ حَالٍّ مِنْ الْبَائِعِ سَقَطَ الثَّمَنُ عَنْ الْمُشْتَرِي لِمَا بَيَّنَّا مِنْ قَبْلُ، ۶؎ وَإِنْ أَخَذَهَا مِنْ الْمُشْتَرِي رَجَعَ الْبَائِعُ عَلَى الْمُشْتَرِي بِثَمَنٍ مُؤَجَّلٍ كَمَا كَانَ؛ لِأَنَّ الشَّرْطَ الَّذِي جَرَى بَيْنَهُمَا لَمْ يَبْطُلْ بِأَخْذِ الشَّفِيعِ فَبَقِيَ مُوجِبُهُ فَصَارَ كَمَا إذَا بَاعَهُ بِثَمَنٍ حَالٍّ

مشتری،خریدنے والا۔

ترجمہ : ۳؎ اورادھار ہونا ثمن کی صفت نہیں ہے اس لئے کہ وہ مشتری کا حق ہے، اگر ثمن کی صفت ہوتی تو ثمن کے تابع ہوتا اور ثمن کی طرح بائع کا حق ہوتا۔

تشریح : یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے کہا تھا کہ ادھار ثمن کی صفت ہے، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ اگر وہ ثمن کی صفت ہوتا تو جس طرح ثمن بائع کا حق ہے یہ بھی بائع کا حق ہوتا، یہ مشتری کا حق نہیں ہوتا، جبکہ یہ مشتری کا حق ہوتا ہے۔

ترجمہ : ۴؎ یہ معاملہ ایسا ہو گیا کہ کسی چیز کو ادھار قیمت میں خریدا پھر اس کو دوسرے سے تولیہ کے طور پر بیچ دیا تو دوسرے مشتری کو ذکر کئے بغیر ادھار نہیں ملے گا ایسا ہی شفیع کا معاملہ بھی ہے۔

تشریح : یہ حنفیہ کی جانب سے مثال ہے۔ مشتری نے مثلا بیل کو ایک ہزار میں ادھار خریدا ، اور اب کسی کو ایک ہزار میں تولیہ کر کے بیچ دیا تو دوسرے مشتری کو ادھار نہیں ملے گا، جب تک کہ وہ مشتری بھی ادھار کی شرط نہ لگائے، اسی طرح مشتری نے ادھار خریدا تو شفیع کو ادھار نہیں ملے گا، کیونکہ یہ بائع اور مشتری کا الگ معاملہ ہے۔

ترجمہ : ۵؎ پھر اگر گھر کو بائع سے نقد قیمت میں لے لیا تو مشتری سے قیمت ساقط ہو جائے گی، اس دلیل سے جو پہلے بیان کیا [کہ بائع اور مشتری کے درمیان کی بیع ختم ہو گئی]

تشریح : شفیع نے بائع سے نقد قیمت میں گھر لے لیا تو اب مشتری پر کوئی قیمت لازم نہیں ہوگی، کیونکہ پہلے گزر چکا ہے کہ شفیع کے لینے کی وجہ سے مشتری اور بائع کے درمیان کی بیع ختم ہو گئی اس لئے اس پر قیمت لازم نہیں ہوگی۔

ترجمہ : ۶؎ اور اگر گھر کو مشتری سے لیا تو بائع مشتری سے ادھار ثمن وصول کرے گا، جیسا پہلے ادھار تھا، اس لئے کہ بائع اور مشتری کے درمیان جو شرط ہوئی ہے وہ شفیع کے نقد لینے سے ختم نہیں ہوگی، اس لئے ادھار وصول کرنے کا سبب باقی رہے گا۔ اور ایسا ہو گیا کہ نقد قیمت کے بدلے میں بیچ دیا جبکہ اس کو ادھار خریدا تھا۔

تشریح : یہ دوسری صورت ہے، کہ شفیع نے مشتری سے نقد قیمت میں گھر لیا تو مشتری کو جو ادھار کی سہولت ملی تھی وہ باقی رہے گی۔ اس لئے کہ یہ شرط بائع اور مشتری کے درمیان پہلے سے تھی اس لئے شفیع کے نقد لینے سے یہ ختم نہیں ہوگی۔ اس کی

وَقَدْ اشْتَرَاهُ مُؤَجَّلًا، ۷ وَإِنْ اخْتَارَ الِانْتِظَارَ لَهُ ذَلِكَ؛ لِأَنَّ لَهُ أَنْ لَا يَلْتَزِمَ زِيَادَةَ الضَّرَرِ مِنْ حَيْثُ النَّقْدِيَّةُ. ۸ وَقَوْلُهُ فِي الْكِتَابِ: وَإِنْ شَاءَ صَبَرَ حَتَّى يَنْقَضِيَ الْأَجَلُ: مُرَادُهُ الصَّبْرُ عَنْ الْأَخْذِ، أَمَّا الطَّلَبُ عَلَيْهِ فِي الْحَالِ حَتَّى لَوْ سَكَتَ عَنْهُ بَطَلَتْ شُفْعَتُهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ خِلَافًا لِقَوْلِ أَبِي يُوسُفَ الْآخَرِ؛ ۹ لِأَنَّ حَقَّ الشُّفْعَةِ انَّمَا يَثْبُتُ بِالْبَيْعِ، وَالْأَخْذُ يَتَرَاخَى عَنْ الطَّلَبِ، ۱۰ وَهُوَ مُتَمَكِّنٌ مِنْ الْأَخْذِ فِي الْحَالِ بِأَنْ يُؤَدِّيَ الثَّمَنَ حَالًّا فَيُشْتَرَطُ الطَّلَبُ عِنْدَ

ایک مثال دیتے ہیں کہ۔ایک آدمی مثلا بیل ادھار خریدا، اور اس نے اس کو نقد بیچ دیا تو خریدنے والے کا ادھار ختم نہیں ہوگا، وہ شرط کے مطابق طے شدہ مدت پر رقم ادا کرے گا، ایسے ہی یہاں مشتری اپنی مدت پر قیمت ادا کرے گا۔

ترجمہ: ۷ اور اگر شفیع نے انتظار کرنا پسند کیا تو اس کو یہ اختیار ہے تا کہ نقد دینے میں زیادہ ضرر لازم نہ آئے۔

تشریح: اگر شفیع نے یہ پسند کیا کہ مدت تک انتظار کرلیں تو اس کو اختیار ہوگا، تا کہ ابھی رقم دینے جو پریشانی ہے اس سے نجات مل جائے گی۔

ترجمہ: ۸ متن میں ہے کہ چاہے تو شفیع مدت ختم ہونے تک صبر کرے، اس کی مراد یہ ہے کہ ابھی لینے سے صبر کرے، تاہم ابھی طلب کرنا لازم ہے یہاں تک کہ طلب کرنے سے چپ رہا تو شفعہ ختم ہو جائے گا، امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ،خلاف امام ابو یوسفؒ کے۔

تشریح: متن میں یہ جو ہے کہ چاہے تو شفیع مدت ختم ہونے تک صبر کرے اس کا مطلب یہ ہے کہ گھر لینے سے صبر کرے، لیکن طلب شفعہ جو بیچنے کا علم ہوتے ہی کرنا پڑتا ہے وہ تو کرنا ہی پڑے گا، اور اگر یہ نہیں کیا تو اعراض کی دلیل ہوگی اور شفعہ کا حق ختم ہو جائے گا، یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے۔امام ابو یوسف کا آخری قول یہ ہے کہ چونکہ لینا بعد میں ہے اس لئے ابھی طلب شفعہ نہ کرنا اعراض کی دلیل نہیں ہے اس لئے ابھی طلب نہیں کیا تو اس سے حق شفعہ ساقط نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۹ اس لئے کہ حق شفعہ بیع سے ثابت ہوتا ہے اور اس کو لینا طلب کے بعد ہوتا ہے [اس لئے ابھی طلب کرلے اور مدت پر جا کرلے]

تشریح: یہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے کہ، جیسے ہی بیع ہوئی حق شفعہ ہو جائے گا، اور چونکہ بیع ہو چکی ہے اس لئے حق کے طلب کرنا لازم ہوگا۔باقی رہا لینا تو بہت بعد میں ہوتا ہے اس لئے جب مدت ختم ہوگی تو لے لیگا۔

ترجمہ: ۱۰ اس کی بھی قدرت ہے کہ قیمت دیکر ابھی گھر لے لے اس لئے بیع کا علم ہوتے ہی طلب کرنے کی شرط ہوگی۔

تشریح: یہ امام زفر کو جواب ہے، کہ شفیع کو بھی قدرت ہے کہ ابھی قیمت دیکر گھر لے لے، جب اس کو اس کی بھی قدرت ہے اس لئے بیع کا علم ہوتے ہی طلب کرنا ضروری ہے۔اس کو تاخیر کرنے کی گنجائش نہیں ہوگی۔

الْعِلْمِ بِالْبَيْعِ. (۳۴) قَالَ: وَإِنْ اشْتَرَى ذِمِّيٌّ بِخَمْرٍ أَوْ خِنْزِيرٍ دَارًا وَشَفِيعُهَا ذِمِّيٌّ أَخَذَهَا بِمِثْلِ الْخَمْرِ وَقِيمَةِ الْخِنْزِيرِ ۱؎ لِأَنَّ هَذَا الْبَيْعَ مَقْضِيٌّ بِالصِّحَّةِ فِيمَا بَيْنَهُمْ، ۲؎ وَحَقُّ الشُّفْعَةِ يَعُمُّ

ترجمہ :(۳۴)اگر ذمی نے گھر شراب یا سور کے بدلے میں خریدااور اس کا شفیع ذمی ہے تو گھر کو لے گا شراب کی مثل اور سور کی قیمت کے عوض۔

ترجمہ :۱؎ ذمی کے لئے شراب اور سور کی بیع آپس میں صحیح ہونے کی وجہ سے یہ شفعہ ہے۔

تشریح : ذمی ایک دوسرے سے شراب اور سور کی بیع کرے تو یہ جائز ہے اس لئے اس کی وجہ سے حق شفعہ بھی ملے گا۔اب ذمی نے کسی ذمی سے شراب کے بدلے یا سور کے بدلے گھر بیچا۔اور اس گھر کا شفیع ذمی ہے تو جتنے شراب میں گھر فروخت ہوا ہے اتنی شراب دے کر گھر لے لے۔

وجہ :(۱) شراب مثلی چیز ہے اس لئے جتنی شراب میں گھر فروخت ہوا ہے اتنی شراب میں گھر لے لے۔اور ذمی کے لئے شراب جائز ہے اس لئے دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور سور کے بدلے گھر بکا ہے تو سور ذوات القیم ہے۔اس لئے اس سور کی قیمت جتنی ہو سکتی ہے اتنی رقم دے کر گھر لے لے۔(۲) ذمی کے لئے شراب اور سور کا بیچنا جائز ہے اس کی دلیل اس قول صحابی کا اشارۃ النص ہے۔ . **عن سوید بن غفلة أن عمال عمرؓ كتبوا اليه فى شأن الخنازير و الخمر يأخذونها فى الجزية ؟ فكتب عمرؓ أن ولولها اربابها** (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۱۵۴، فی الخمر تعشیر ام لا؟، ج ثانی ،ص ۴۳۹، نمبر ۱۰۷۹۹) اس قول صحابی میں ہے کہ ذمی کو اپنا کام کرنے دو یعنی شراب اور سور بیچنے دو(۳) اس قول تابعی میں بھی اس کا ثبوت ہے . **عن ابراهيم قال : ...و من اهل الذمة اذا اتجروا فى الخمر من كل عشرة دراهم درهم** ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۱۰۵، فی نصاری بنی تغلب مایؤ خذ منھم، ج ثانی، ص ۴۱۷، نمبر ۱۰۵۸۵)اس قول تابعی میں ہے کہ ذمی کو شراب اور سور کی تجارت کرنے دو۔

ترجمہ : ۲؎ اور شفعہ کا حق مسلمان اور ذمی دونوں کو عام ہے [اس لئے دونوں کو حق ملے گا۔اور اس کے لئے شراب ہمارے لئے سرکے کی طرح ہے، اور سور بکری کی طرح ہے۔اس لئے پہلی صورت میں ذمی مثل سے گھر لے گا، اور دوسری صورت میں قیمت سے گھر لے گا۔

تشریح :شفعہ کا حق مسلمان اور ذمی دونوں کو ملتا ہے، اس لئے ذمی کو بھی شفعہ کا حق ملے گا، اور قاعدہ یہ ہے کہ شراب مثلی ہے اس لئے ذمی اس کا مثل دیکر گھر لے گا، اور سور ذواۃ القیم ہے اس لئے اس کی قیمت دیکر گھر لے گا۔

وجہ :اس قول تابعی میں ہے کہ ذمی کو حق شفعہ ہے، **قال الثورى الشفعة للكبير ، والصغير و الاعرابى ، و اليهودى و النصرانى و المجوسى ، فاذا علم لثلاثة ايام فلم يطلبها فلا شفعة له و اذ مكث اياما ثم طلبها و قال لم اعلم ان له شفعة فهو متهم** ۔(مصنف عبد الرزاق، باب ھل للکافر شفعۃ وللا عرابی؟ ج ثامن، ص ٦٧، نمبر

الْمُسْلِمَ وَالذِّمِّيَّ، وَالْخَمْرُ لَهُمْ كَالْخَلِّ لَنَا وَالْخِنْزِيرُ كَالشَّاةِ، فَيَأْخُذُ فِي الْأَوَّلِ بِالْمِثْلِ، وَالثَّانِي بِالْقِيمَةِ. (۳۵) قَالَ: وَإِنْ كَانَ شَفِيعُهَا مُسْلِمًا أَخَذَهَا بِقِيمَةِ الْخَمْرِ وَالْخِنْزِيرِ ۱؎ أَمَّا الْخِنْزِيرُ فَظَاهِرٌ، ۲؎ وَكَذَا الْخَمْرُ لِامْتِنَاعِ التَّسَلُّمِ وَالتَّسْلِيمِ فِي حَقِّ الْمُسْلِمِ فَالْتَحَقَ بِغَيْرِ الْمِثْلِيِّ، ۳؎ وَإِنْ كَانَ شَفِيعُهَا مُسْلِمًا وَذِمِّيًّا أَخَذَ الْمُسْلِمُ نِصْفَهَا بِنِصْفِ قِيمَةِ الْخَمْرِ وَالذِّمِّيُّ نِصْفَهَا بِنِصْفِ مِثْلِ الْخَمْرِ اعْتِبَارًا لِلْبَعْضِ بِالْكُلِّ، ۴؎ فَلَوْ أَسْلَمَ الذِّمِّيُّ أَخَذَهَا بِنِصْفِ قِيمَةِ

۱۴۴۸۹) اس قول تابعی میں ہے کہ ذمی کے لئے شفعہ ہے۔

ترجمہ: (۳۵) اور اگر اس کا شفیع مسلمان ہے تو لے گا گھر کو شراب اور سور کی قیمت کے بدلے۔

وجہ: شفیع مسلمان ہے اس لئے یہ نہ شراب دے سکتا ہے اور نہ سور دے سکتا ہے۔ اس لئے دونوں کی جتنی جتنی قیمت ہوگی اتنی رقم دے کر گھر لے لے۔

ترجمہ: ۱؎ بہر حال سور تو ظاہر ہے کہ قیمت ہی دیگا۔

تشریح: شفیع اگر ذمی ہوتا تو سور کی قیمت ہی دیکر لیتا اس لئے شفیع مسلمان ہے تو بدرجہ اولی قیمت ہی دیکر گھر لے گا۔

ترجمہ: ۲؎ ایسے ہی اگر شراب ہو تو قیمت ہی دیگا، اس لئے کہ مسلمان کے حق میں شراب کا دینا اور لینا ممنوع ہے اس لئے اس کے حق میں مثلی نہیں رہی۔

تشریح: مسلمان شراب نہ لے سکتا ہے اور نہ دے سکتا ہے اس لئے اس کے حق میں شراب مثلی نہیں رہی بلکہ ذوات القیم بن گئی اس لئے اس کی قیمت ہی دیکر لے گا۔

ترجمہ: ۳؎ اگر گھر کا شفیع ذمی اور مسلمان دونوں ہوں، تو مسلمان آدھا حصہ آدھی شراب کی قیمت کے بدلے میں لیگا، اور ذمی آدھا لیگا آدھی شراب کے مثل کے بدلے میں کل کو آدھا کر کے۔

تشریح: اگر مسلمان اور ذمی دونوں شفیع ہوں، تو مسلمان آدھی شراب کے بدلے میں جو قیمت ہوتی ہے اس کے بدلے آدھا گھر لے گا، کیونکہ وہ شراب نہیں دے سکتا، اور ذمی آدھا شراب دے گا اور اس کے بدلے میں آدھا گھر لے گا، کیونکہ وہ شراب دے سکتا ہے۔

ترجمہ: ۴؎ اور اگر ذمی مسلمان ہو جائے آدھی شراب کی قیمت کے بدلے میں آدھا گھر لیگا، کیونکہ شراب کے مالک بنانے سے اب عاجز ہے، اور مسلمان ہونے سے اس کا حق شفعہ اور مؤکد ہو گیا، باطل نہیں ہوگا، تو ایسا ہو گیا کہ ایک کُر تر کھجور کے بدلے میں، اب شفیع بازار سے تر کھجور ختم ہونے کے بعد آیا تو اب تر کھجور کی قیمت کے بدلے میں لیگا ایسا ہی یہاں ہوا۔

تشریح: ذمی شفیع اب مسلمان ہو گیا تو اب شراب نہیں دے سکتا اس لئے اس کی آدھی قیمت دیکر ادھا گھر لے گا۔ اور

الْخَمْرِ لِعَجْزِهِ عَنْ تَمْلِيكِ الْخَمْرِ وَبِالْإِسْلَامِ يَتَأَكَّدُ حَقُّهُ لا أَنْ يَبْطُلَ، فَصَارَ كَمَا إِذَا اشْتَرَاهَا بِكُرٍّ مِنْ رُطَبٍ فَحضَرَ الشَّفِيعُ بَعْدَ انْقِطَاعِهِ يَأْخُذُ بِقِيمَةِ الرُّطَبِ، كَذَا هَذَا.

﴿فصل﴾

(٣٦)قَالَ: وَإِذَا بَنَى الْمُشْتَرِي فِيهَا أَوْ غَرَسَ ثُمَّ قُضِيَ لِلشَّفِيعِ بِالشُّفْعَةِ فَهُوَ بِالْخِيَارِ، إِنْ شَاءَ أَخَذَهَا بِالثَّمَنِ وَقِيمَةِ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ، وَإِنْ شَاءَ كَلَّفَ الْمُشْتَرِي قَلْعَهُ ۱؎ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لا

مسلمان ہونے کی وجہ سے حق شفعہ اور مؤکد ہو گیا، کیونکہ ذمی کے بارے میں تو بعض کا قول ہے بھی کہ اس کو حق شفعہ نہیں ملے گا ،لیکن مسلمان ہونے کے بعد تو بہر حال ملے گا۔اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ، تر کھجور کے بدلے میں گھر خریدا تھا، جب شفیع گھر لینے کے لئے آیا تو بازار سے تر کھجور ختم ہو گیا، تو اب اس کی قیمت دیکر گھر خریدے گا، اسی طرح یہاں مسلمان ہونے کی وجہ سے شراب نہیں دے سکتا تو اس کی قیمت دیکر گھر لیگا۔

﴿فصل﴾

ترجمہ :(٣٦) اگر مشتری نے مکان بنالیا یا باغ لگایا پھر شفیع کے لئے شفعہ کا فیصلہ کیا گیا تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس کو لے قیمت سے اور اکھڑے ہوئے مکان اور کٹے باغ کی قیمت دیکر اور چاہے تو مشتری کو اکھاڑنے پر مجبور کرے۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دوسرے کا حق متعلق ہو گیا ہو، اور اس کی اجازت کے بغیر گھر بنالیا، یا باغ لگالیا تو اس کو توڑنے کا حکم دیا جائے گا۔

تشریح :مشتری نے زمین خریدی اس کے بعد اس پر مکان بنالیا یا باغ لگالیا۔اس کے بعد اس زمین کا فیصلہ شفیع کے لئے ہوا تو شفیع زمین کی قیمت دے گا۔اور ٹوٹے ہوئے مکان کی قیمت اور اکھڑے ہوئے درختوں کی قیمت دے گا۔اور زمین اور مکان اور باغ کو لے گا۔یا پھر مشتری کو مجبور کرے گا کہ مکان توڑے اور باغ اکھاڑے۔اور زمین مکمل خالی کر کے شفیع کے حوالے کرے۔

وجہ:(ا)مشتری نے زمین بائع سے خریدی ہے۔حق شفعہ کے فیصلے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ حقیقت میں شفیع کی زمین تھی جس کو مشتری نے لی تھی۔اور شفیع کی اجازت کے بغیر مشتری نے مکان بنایا تھا اور باغ لگایا تھا اس لئے مشتری پر مکان توڑنا اور باغ کو کاٹنا لازم ہے۔(۲)اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن عائشةؓ قالت قال رسول الله ﷺ من بنی فی رباع قوم باذنهم فله القيمة و من بنی بغير اذنهم فله النقض** (سنن للبیہقی ، باب من بنی اوغرس فی ارض غیرہ۔ج سادس۔ص ۱۵۰،نمبر ۱۱۴۸۸)(۳)اس قول صحابی میں بھی ہے۔ **عن عبد الله بن عمر قال من بنی فی ارض قوم بغير**

يُكَلَّفُ الْقَلْعَ وَيُخَيَّرُ بَيْنَ أَنْ يَأْخُذَ بِالثَّمَنِ وَقِيمَةِ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ وَبَيْنَ أَنْ يَتْرُكَ، ٢ وَبِهِ قَالَ الشَّافِعِيُّ، إِلَّا أَنَّ عِنْدَهُ لَهُ أَنْ يُقْلِعَ وَيُعْطِي قِيمَةَ الْبِنَاءِ، ٣ لِأَبِي يُوسُفَ: أَنَّهُ مُحِقٌّ فِي الْبِنَاءِ لِأَنَّهُ بَنَاهُ عَلَى أَنَّ الدَّارَ مِلْكُهُ، وَالتَّكْلِيفُ بِالْقَلْعِ مِنْ أَحْكَامِ الْعُدْوَانِ، وَصَارَ كَالْمَوْهُوبِ لَهُ

اذنهم فله نقضه وان بنى باذنهم فله قيمته (سنن للبیهقی، باب من بنی اوغرس فی ارض غیرہ۔ ج سادس۔ ص ۱۵۰، نمبر ۱۱۴۸۸) اس قول صحابی میں ہے کہ بغیر اجازت کے مکان بنایا تو اس کو توڑنا ضروری ہے (۴) اور بونے کے سلسلے میں یہ حدیث ہے۔ عن رافع بن خديج قال قال رسول الله ﷺ من زرع فی ارض قوم بغير اذنهم فليس له من الزرع شیء و له نفقته (ابوداود شریف، باب فی زرع الارض بغیر اذن صاحبھا ص ۴۹۴، نمبر ۳۴۰۳) اس حدیث میں ہے کہ بغیر اجازت کے بودیا تو بونے والے کو کچھ نہیں ملے گا۔ اسلئے یا تو ٹوٹے ہوئے مکان اور کٹے ہوئے باغ کی قیمت لیکر شفیع کے حوالے کرے۔ جو قیمت بہت کم ہوگی۔ یا مشتری باضابطہ مکان توڑے اور باغ کاٹے، پھر شفیع کے حوالے کرے

لغت: غرس : باغ لگایا، درخت بویا۔ المقلوع : اکھڑا ہوا قلع سے مشتق ہے۔

ترجمہ: ۱ امام ابو یوسفؒ سے روایت یہ ہے کہ مشتری کو اکھاڑنے کا مکلّف نہیں بنایا جائے گا، اور دو اختیار ہوں گے [۱] زمین کی قیمت دے، اور عمارت اور درخت کی قیمت دیکر لے۔ [۲] یا شفعہ چھوڑ دے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ سے روایت یہ ہے کہ شفیع کو یہ اختیار نہیں ہوگا کہ مشتری سے کہے کہ درخت اکھاڑ دو، اور عمارت توڑ دو اس لئے کہ مشتری یہ سمجھ کر بنایا یا درخت لگایا کہ وہ اپنی زمین ہے، یہ تو بعد میں شفیع کا فیصلہ ہوا اس لئے مشتری کو اکھاڑنے کا حکم دینا ظلم ہے، شفیع کو دو اختیار ہیں [۱] ایک یہ کہ زمین کی قیمت دے اور مشتری کے لگائے ہوئے درخت اور بنائی ہوئی عمارت کی قیمت دے، اور زمین لے، [۲] اور یہ نہیں کرتا تو پھر شفعہ چھوڑ دے۔

ترجمہ: ۲ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اس کے علاوہ ایک اور حق ہے، وہ یہ کہ عمارت توڑوادے اور شفیع اس کی قیمت دے۔

تشریح: امام شافعیؒ کے یہاں تین اختیار ہیں [۱] دو اختیار پہلے کے ہیں یعنی عمارت اور درخت کی قیمت دیکر لے [۲] یا شفعہ چھوڑ دے۔ [۳] اور تیسرا اختیار یہ ہے کہ عمارت توڑوادے، درخت اکھاڑ دے، اور زمین کے علاوہ عمارت اور درخت کی قیمت دے اور زمین لے۔

وجہ: انکی دلیل بھی وہی ہے کہ مشتری نے اپنا حق سمجھ کر بنایا تھا اس لئے اس کو اس کا نقصان دینا ہوگا۔

ترجمہ: ۳ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ عمارت بنانے میں مشتری حق پر ہے اس لئے کہ گھر اس کی ملکیت ہے اس لئے اس نے بنایا ہے، اس لئے اکھاڑنے کی تکلیف دینا ظلم کے احکام ہیں، اور ایسا ہو گیا جیسا کہ ہبہ کی ہوئی چیز پر بنایا، یا شراء فاسد کے ماتحت گھر تھا اس پر بنایا، یا مشتری نے کھیتی لگائی تو اکھاڑنے کی تکلیف نہیں دی جائے گی، [ایسے ہی یہاں اکھاڑنے کی تکلیف نہیں دی جائے گی۔]

وَالْـمُشْتَـرِي شِـرَاءً فَـاسِـدًا، وَكَـمَا إِذَا زَرَعَ الْمُشْتَرِي فَإِنَّهُ لا يُكَلَّفُ الْقَلْعَ، ۴ وَهَذَا لِأَنَّ فِي إِيجَابِ الْأَخْذِ بِالْقِيمَةِ دَفْعَ أَعْلَى الضَّرَرَيْنِ بِتَحَمُّلِ الْأَدْنَى فَيُصَارُ إِلَيْهِ. ۵ وَوَجْهُ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ أَنَّهُ بَنَى فِي مَحِلٍّ تَعَلَّقَ بِهِ حَقٌّ مُتَأَكِّدٌ لِلْغَيْرِ مِنْ غَيْرِ تَسْلِيطٍ مِنْ جِهَةِ مَنْ لَهُ الْحَقُّ

تشریح :امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ مشتری نے اس لئے عمارت بنائی کہ یہ زمین اس کی ملکیت تھی، اسلئے اکھاڑنے کا حکم دینا اس پر ظلم ہے، پھر اس کی تین مثالیں دی ہیں۔[۱] پہلی مثال یہ ہے کہ زید نے عمر کو زمین ہبہ کر دیا، عمر نے اس پر عمارت بنائی، اس کے بعد زید اس زمین کو واپس لینا چاہتا ہے تو عمارت توڑنے کی اجازت نہیں ہوگی، کیونکہ عمر نے اپنی ملکیت سمجھ کر بنائی ہے۔[۲] دوسری مثال یہ ہے کہ مشتری نے شراء فاسد کے ماتحت زمین خریدی، اور اس پر عمارت بنائی، اب بائع اس کو واپس لینا چاہتا ہے تو عمارت توڑنے کا حق نہیں دیا جائے گا، اس لئے کہ مشتری نے اپنی ملکیت سمجھ کر بنائی ہے [۳] تیسری مثال یہ ہے کہ مشتری نے زمین میں کھیتی لگائی تو شفیع کو اس کے اکھاڑنے کا حق نہیں ہے اسی طرح درخت لگایا تو اس کو کاٹنے کا حق نہیں دیا جائے گا۔

ترجمہ :۴ یہ وجہ بھی ہے کہ قیمت دینے کے واجب کرنے میں دو نقصان میں سے اعلی کو ادنی کے ذریعہ دفع کرنا ہے، اس لئے اسی کی طرف پھیرنا بہتر ہوگا۔

تشریح : یہ امام ابو یوسفؒ کی دوسری دلیل ہے۔ شفیع کو عمارت کی قیمت دینی پڑتی ہے تو اس کو عمارت بھی مل رہی ہے مفت نہیں ہے اس لئے شفیع کا یہ ادنی نقصان ہے، جبکہ مشتری کو توڑنے کہیں گے تو اس کو کچھ بھی نہیں ملے گا، یہ اس کا اعلی نقصان ہوگا، اس لئے ادنی نقصان کی طرف پھیرنا زیادہ بہتر ہے۔

ترجمہ :۵ ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے کہ مشتری نے ایسی جگہ میں عمارت بنائی ہے جس میں غیر [یعنی شفیع] کا حق مؤکد ہو گیا، اور انکی جانب سے بنانے پر مسلط نہیں کیا گیا ہے، اس لئے عمارت توڑنے کا حکم دیا جائے گا، جیسے راہن رہن رکھی ہوئی جگہ پر عمارت بنا لے [تو توڑنے کا حکم دیا جاتا ہے]

تشریح : ظاہر روایت، یعنی امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس زمین میں شفیع کا حق مؤکد ہو گیا ہے، اور اس کی جانب سے مشتری کو گھر بنانے کا حکم نہیں ہے دیا گیا ہے اس لئے اس عمارت کو توڑنے کا حکم دیا جائے گا، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ راہن [یعنی قرض لینے والے نے] جس زمین کو رہن پر رکھا اس میں بغیر قرض دینے والے [مرتہن] کی اجازت کے گھر بنا لیا تو اس گھر کو توڑنے کا حکم دیا جائے گا، کیونکہ اس کے ساتھ مرتہن کا حق متعلق ہو گیا ہے، اسی طرح یہاں شفیع کا حق متعلق ہو گیا ہے اس لئے اس گھر کو توڑنے کا حکم دیا جائے گا۔

لغت :ینقض: نقض سے مشتق ہے توڑنا۔ راہن: جس نے قرض لیا اور اس کے بدلے میں قرض دینے والے کے پاس زمین گروی پر رکھا۔ مرتہن: جس نے قرض دیا، اور اس کے بدلے میں زمین گروی پر رکھا۔ شیء مرہون: جس زمین کو گروی پر

فَيُنقَضُ كَالرَّاهِنِ إِذَا بَنَى فِي الْمَرْهُونِ، ٦ وَهَذَا لِأَنَّ حَقَّهُ أَقْوَى مِنْ حَقِّ الْمُشْتَرِي لِأَنَّهُ يَتَقَدَّمُ عَلَيْهِ وَهَذَا يَنْقُضُ بَيْعَهُ وَهِبَتَهُ وَغَيْرَهُ مِنْ تَصَرُّفَاتِهِ، ٧ بِخِلَافِ الْهِبَةِ وَالشِّرَاءِ الْفَاسِدِ عِنْدَ أَبِي

رکھا اس کو، شیء مرہون، کہتے ہیں۔

ترجمه :٦ اس کی وجہ یہ ہے کہ شفیع کا حق مشتری کے حق سے زیادہ قوی ہے اس لئے کہ شفیع مشتری پر مقدم ہے، یہی وجہ ہے کہ مشتری کی بیع، اس کا ہبہ اور دیگر تصرفات توڑ دئے جاتے ہیں۔

تشریح : یہ امام ابوحنیفہؒ کی جانب سے دلیل ہے کہ شفیع کا حق مشتری سے زیادہ قوی ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر مشتری نے اس زمین کو بیچا ہو، یا کسی کو ہبہ کیا ہو، یا کوئی اور تصرف کیا ہو اس کے تصرف کو توڑ دیا جاتا ہے اس لئے مشتری نے گھر بنایا، یا درخت لگایا ہے تو اس کو توڑنے کے لئے کہا جائے گا، کیونکہ شفیع کی اجازت کے بغیر بنایا ہے۔

ترجمه: ٧ بخلاف ہبہ کے اور شراء فاسد کے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، اس لئے کہ ان دونوں میں جنکا حق ہے اس کی جانب سے گھر بنانے پر مسلط کیا ہے۔

تشریح : یہ امام ابو یوسفؒ کو جواب ہے، انہوں نے دو استدلال کیا تھا [۱] ایک یہ کہ ہبہ کی ہوئی چیز پر موہوب لہ [جسکو ہبہ کیا تھا] نے گھر بنالیا تو ہبہ کرنے والا اس کو توڑوا نہیں سکتا، اسی طرح شفیع مشتری کے گھر کو توڑوا نہیں سکے گا، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ، ہبہ کرنے والے نے ہبہ کر کے اس کو گھر بنانے کی اجازت دی ہے، اس لئے اس کو توڑنے کا حکم نہیں دیا جا سکتا، اس کے برخلاف شفیع نے مشتری کو گھر بنانے کی اجازت نہیں دی ہے اس لئے اس کو توڑنے کا حکم دیا جا سکتا ہے۔ [۲] دوسرا استدلال یہ کیا تھا کہ (شراء فاسد) فاسد خرید کے ماتحت زمین خریدی اور مشتری نے اس پر گھر بنالیا تو اب بائع اس کو توڑنے کا حکم نہیں دے سکتا، اسی طرح یہاں شفیع مشتری کو توڑنے کا حکم نہیں دے سکتا، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ شراء فاسد میں بائع نے بیچ کر مشتری کو گھر بنانے کی اجازت دی ہے، اس لئے توڑنے کا حکم دے سکتا ہے، اور شفیع نے مشتری کو گھر بنانے کی اجازت نہیں دی ہے اس لئے توڑنے کا حکم نہیں دے سکتا۔

لغت: من لہ الحق: جس کا حق ہے، یہاں اس سے مراد شفیع ہے، بتسليط من جهة من له الحق، کا مطلب یہ ہے کہ شفیع کا حق ہے اور اس نے مشتری کو گھر بنانے پر مسلط نہیں کیا ہے۔

ترجمه : ٨ اور اس لئے کہ ہبہ اور شراء فاسد میں واپس لینے کا حق کمزور ہے اسی لئے عمارت بنانے کے بعد واپس لینے کا حق نہیں رہتا، اور شفعہ کے ماتحت لینے کا حق عمارت بنانے کے بعد بھی باقی رہتا ہے اس لئے قیمت واجب کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے، جیسے کوئی اس زمین کا مستحق نکل جائے تو مستحق پر عمارت کی قیمت واجب نہیں ہوتی۔

تشریح : یہ امام ابوحنیفہؒ کی جانب سے دوسرا جواب ہے، کہ ہبہ میں اور شراء فاسد میں زمین واپس لینے کا حق کمزور ہے،

حَنِيفَةَ، لِأَنَّهُ حَصَلَ بِتَسْلِيطٍ مِنْ جِهَةِ مَنْ لَهُ الْحَقُّ، ۸ وَلِأَنَّ حَقَّ الِاسْتِرْدَادِ فِيهِمَا ضَعِيفٌ وَلِهَذَا لَا يَبْقَى بَعْدَ الْبِنَاءِ، وَهَذَا الْحَقُّ يَبْقَى فَلَا مَعْنَى لِإِيجَابِ الْقِيمَةِ كَمَا فِي الِاسْتِحْقَاقِ، ۹ وَالزَّرْعُ يُقْلَعُ قِيَاسًا. وَإِنَّمَا لَا يُقْلَعُ اسْتِحْسَانًا؛ لِأَنَّ لَهُ نِهَايَةً مَعْلُومَةً وَيَبْقَى بِالْأَجْرِ وَلَيْسَ فِيهِ كَثِيرُ ضَرَرٍ، ۱۰ وَإِنْ أَخَذَ بِالْقِيمَةِ يُعْتَبَرُ قِيمَتُهُ مَقْلُوعًا، كَمَا بَيَّنَّاهُ فِي الْغَصْبِ ۱۱ وَلَوْ أَخَذَهَا

یہی وجہ ہے کہ عمارت بنانے کے بعد ہبہ کرنے والے اور بائع کو زمین لینے کا حق باقی نہیں رہتا، اور شفعہ میں عمارت بنانے کے بعد بھی شفیع کو زمین لینے کا حق رہتا ہے اس لئے شفیع پر عمارت کی قیمت لازم کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ مشتری کے عمارت بنانے کے بعد اس زمین کا کوئی مستحق نکل گیا، تو مستحق اس زمین کو لے لیگا، اور عمارت کی قیمت مشتری کو نہیں دیگا، کیونکہ مستحق نے عمارت بنانے کے لئے نہیں کہا تھا، یہ اور بات ہے کہ مشتری بائع سے عمارت کی قیمت لیگا، اسی طرح یہاں شفیع نے عمارت بنانے نہیں کہا ہے اس لئے وہ گھر کی قیمت نہیں دے گا۔

لغت: استرداد: رد سے مشتق ہے واپس لینا۔ استحقاق: کوئی زمین کا مستحق نکل جائے۔

ترجمہ: ۹ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ کھیتی کو بھی اکھاڑ دی جائے، لیکن استحسان کے طور پر نہیں اکھاڑا جائے گا، اس لئے کہ اس کی نہایت معلوم ہے [کہ وہ چند مہینے رہے گی]۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اجرت پر بھی کھیتی باقی رہ سکتی ہے، اور تیسری بات یہ ہے کہ اس کے رکھنے میں شفیع کا زیادہ نقصان نہیں ہے۔

تشریح: یہ امام ابو یوسفؒ کو جواب ہے کہ کھیتی کو بھی اکھڑانے کا حکم دیا جانا چاہئے، قیاس کا تقاضہ یہی ہے، لیکن استحسان کے طور پر اس کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس کی تین وجہ بتاتے ہیں [۱] ایک یہ کہ وہ چند مہینے میں کٹ جائے گی، درخت اور گھر کی طرح ہمیشہ باقی نہیں رہے گی، [۲] دوسری بات یہ ہے کہ مشتری زمین کو اجرت پر لیکر بھی کھیتی برقرار رکھ سکتا ہے [۳] اور تیسری بات یہ ہے کہ تین ماہ رکھنے میں شفیع کو کوئی زیادہ نقصان نہیں ہے اس لئے اس کو درخت اور گھر پر قیاس نہ کیا جائے۔

ترجمہ: ۱۰ اگر اگر شفیع نے زمین کو قیمت کے بدلے لیا تو اکھاڑے ہوئے گھر کی قیمت کا اعتبار ہوگا، جیسا کہ ہم نے کتاب الغصب میں ذکر کیا۔

تشریح: شفیع نے یہ چاہا کہ زمین کو اور گھر کو لے لیں، تو ٹوٹے ہوئے گھر اور اکھڑے ہوئے درخت کی جو قیمت ہوگی وہ لازم ہوگی، مثلا بنی ہوئی گھر کی قیمت دس ہزار درہم ہے۔ لیکن اس کو توڑنے کے بعد صرف ٹوٹی ہوئی اینٹ کی قیمت رہ جاتی ہے تو جو پانچ سو درہم ہوگی، اس لئے اب صرف زمین کی قیمت اور ٹوٹی ہوئی اینٹ کی قیمت دیکر زمین اور مکان لیگا، کتاب الغصب میں ہے کہ غاصب نے غصب شدہ زمین میں مکان بنالیا تو زمین کا مالک اس مکان کی قیمت نہیں دے گا اس لئے کہ مالک کی اجازت کے بغیر بنائے ہے۔ اسی طرح یہاں بھی شفیع مکان کی قیمت دئے بغیر زمین لیگا۔

الشَّفِيعُ فَبَنَى فِيهَا أَوْ غَرَسَ ثُمَّ اسْتُحِقَّتْ رَجَعَ بِالثَّمَنِ لِأَنَّهُ تَبَيَّنَ أَنَّهُ أَخَذَهُ بِغَيْرِ حَقٍّ وَلَا يَرْجِعُ بِقِيمَةِ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ، لَا عَلَى الْبَائِعِ إِنْ أَخَذَهَا مِنْهُ، وَلَا عَلَى الْمُشْتَرِي إِنْ أَخَذَهَا مِنْهُ، ۲؎ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَرْجِعُ لِأَنَّهُ مُتَمَلِّكٌ عَلَيْهِ فَنَزَلَا مَنْزِلَةَ الْبَائِعِ وَالْمُشْتَرِي، ۳؎ وَالْفَرْقُ عَلَى

ترجمه : ۱؎ اور اگر شفیع نے زمین لی اور اس پر مکان بنایا، یا درخت لگایا پھر کسی اور کی زمین نکل گئی تو صرف ثمن لیگا، اس لئے کہ ظاہر ہو گیا کہ شفیع نے بغیر حق کے لیا تھا، اور مکان کی قیمت درخت کی قیمت نہیں وصول کرے گا نہ بائع سے اگر اس سے لیا تھا، اور نہ مشتری سے اگر اس سے لیا تھا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اگر بائع اور مشتری نے شفیع کو عمارت بنانے پر مسلط نہیں کیا تھا اور اس نے بنالیا تو عمارت کی قیمت بائع یا مشتری سے نہیں لیگا، صرف دی ہوئی قیمت ہی وصول کرے گا۔

تشریح :: شفیع نے حق شفعہ کے ماتحت زمین لی، اور اس پر مکان بنایا، یا درخت لگایا، بعد میں یہ زمین کسی اور کی نکل گئی، اور اس نے مکان توڑنے کے لئے کہا، یا درخت اکھاڑنے کے لئے کہا، تو شفیع نے اگر بائع سے زمین لی تھی تو اس کو زمین کی جتنی رقم دی تھی صرف وہی وصول کر سکے گا، مکان اور درخت کی قیمت وصول نہیں کر سکے گا، اور مشتری سے زمین لی تھی تو اس کو زمین کی جتنی قیمت دی تھی صرف وہی وصول کر سکے گا، مکان اور درخت کی قیمت وصول نہیں کرے گا۔

وجہ : بائع یا مشتری نے مجبوراً شفیع کو زمین دی تھی، اس لئے اس نے شفیع کو مکان بنانے پر مسلط نہیں کیا تھا اس لئے اس سے مکان، یا درخت کی قیمت وصول نہیں کرے گا، صرف اپنی دی ہوئی زمین کی قیمت وصول کرے گا۔

ترجمه : ۲؎ امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ شفیع بائع، یا مشتری سے مکان کی بھی قیمت وصول کرے گا، اس لئے کہ بائع، یا مشتری نے شفیع کو مالک بنایا ہے، اس لئے شفیع، اور جس سے زمین لی تھی بائع اور مشتری کے درجے میں اتر گئے

تشریح : امام ابو یوسفؒ سے روایت یہ ہے کہ اگر بائع سے زمین لی تھی تو شفیع بائع سے مکان کی، اور درخت کی قیمت بھی وصول کرے گا۔

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بائع سے زمین لی تو وہ بائع بن گیا، اور شفیع مشتری بن گیا، یا مشتری سے لیا تو مشتری شفیع کے لئے بائع بن گیا، اور شفیع مشتری بن گیا، اور گویا کہ بائع نے شفیع کو مکان بنانے پر مسلط کیا، اس لئے مکان کی قیمت بھی بائع سے وصول کرے گا۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ مشتری نے مکان بنایا ہو اور زمین کسی کی نکل جائے تو مشتری مکان کی قیمت بھی بائع سے وصول کرے گا، کیونکہ اس نے دھوکہ دیا کہ یہ زمین میری اپنی ہے، اور اس کے مسلط کرنے سے مشتری نے مکان بنایا ہے، اس لئے مکان کی قیمت بھی وصول کرے گا، اسی طرح یہاں بھی ہوگا۔

ترجمه : ۳؎ مشہور روایت پر فرق یہ ہے کہ بائع کی جانب سے مشتری کو دھوکہ دیا گیا ہے، اور بائع ہی کی جانب سے مشتری

مَا هُوَ الْمَشْهُورُ أَنَّ الْمُشْتَرِي مَغْرُورٌ مِنْ جِهَةِ الْبَائِعِ وَمُسَلَّطٌ عَلَيْهِ مِنْ جِهَتِهِ، وَلَا غُرُورَ وَلَا تَسْلِيطَ فِي حَقِّ الشَّفِيعِ مِنَ الْمُشْتَرِي لِأَنَّهُ مَجْبُورٌ عَلَيْهِ، (۳۷)قَالَ: وَإِذَا انْهَدَمَتِ الدَّارُ أَوْ احْتَرَقَ بِنَاؤُهَا أَوْ جَفَّ شَجَرُ الْبُسْتَانِ بِغَيْرِ فِعْلِ أَحَدٍ فَالشَّفِيعُ بِالْخِيَارِ، إِنْ شَاءَ أَخَذَهَا بِجَمِيعِ الثَّمَنِ ١ لِأَنَّ الْبِنَاءَ وَالْغَرْسَ تَابِعٌ حَتَّى دَخَلَا فِي الْبَيْعِ مِنْ غَيْرِ ذِكْرٍ فَلَا يُقَابِلُهُمَا شَيْءٌ مِنَ

مکان بنانے پر مسلط کیا گیا تھا، اور شفیع کے حق میں نہ دھوکہ ہے اور نہ مسلط کیا گیا ہے، اس لئے کہ مشتری کو تو یہاں زمین دینے پر مجبور کیا گیا ہے۔

تشریح : مشہور روایت میں یہ کہا گیا کہ شفیع بائع، یا مشتری سے مکان کی قیمت وصول نہیں کر سکے گا اس کی وجہ یہ بیان کر رہے ہیں کہ حقیقی بائع نے حقیقی مشتری کو یہ کہہ کر دھوکہ دیا ہے کہ یہ میری زمین ہے، حالانکہ وہ دوسرے کی تھی، اور بائع نے مشتری کو مکان بنانے پر مسلط کیا تھا اس لئے وہ مکان کی بھی قیمت وصول کرے گا، اور یہاں شفیع کو مسلط نہیں کیا ہے، کیونکہ بائع اور مشتری نے مجبوراً یہ زمین شفیع کو دی ہے اس لئے وہ مکان کی قیمت کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

لغت: مغرور: غر سے مشتق ہے، دھوکہ دینا۔

ترجمہ :(۳۷) اگر گھر منہدم ہو گیا، یا اس کی دیوار جل گئی یا باغ کا درخت خشک ہو گیا کسی کے کچھ کئے بغیر تو شفیع کو اختیار ہے چاہے تو اس کو لے پوری قیمت سے اور چاہے تو چھوڑ دے۔

اصول: یہ مسئلہ اس پر ہے کہ تابع کی قیمت نہیں لگے گی، سارا مدار اصل پر ہوگا۔

تشریح :مشتری نے بائع سے مثلا ایک ہزار درہم میں زمین، اس پر مکان اور باغ خریدا تھا۔ اس درمیاں آفت سماوی سے مکان جل گیا یا باغ اجڑ گیا جس کی وجہ سے چار سو درہم قیمت کم ہو گئی۔ اب شفیع مشتری سے زمین لینا چاہے تو ایک ہزار ہی میں لے گا۔ چار سو درہم کم نہیں ہوں گے۔

وجہ: زمین اصل ہے۔ مکان اور باغ اس کے تابع ہیں۔ اور آفت سماوی سے مکان جلا ہے یا باغ اجڑا ہے۔ کسی نے کوئی حرکت نہیں کی ہے۔ اس لئے زمین کو اصل مان کر پوری قیمت اسی پر لگے گی۔ اور شفیع کو ایک ہزار درہم دے کر لینے کا حق ہوگا۔ اور نہ لینا چاہے تو چھوڑ دے۔

لغت:انہدم : گر گیا، منہدم ہو گیا۔ جف : خشک ہو گیا۔

ترجمہ : ۱ :اس لئے کہ عمارت اور درخت زمین کے تابع ہیں یہی وجہ ہے کہ بغیر ذکر کئے ہوئے بھی بیع میں داخل ہو جائیں گے، اس لئے اس کے مقابلے میں کوئی قیمت نہیں ہوگی، جب تک کہ اس کو مقصد بنا کر نہ بیچے، یہی وجہ ہے کہ پوری ہی قیمت میں مرابحہ کے طور پر بیچ سکتا ہے۔

الثَّمَنِ مَا لَمْ يَصِرْ مَقْصُودًا، وَلِهَذَا جَازَ بَيْعُهَا مُرَابَحَةً بِكُلِّ الثَّمَنِ فِي هَذِهِ الصُّورَةِ، ٢ بِخِلَافِ مَا إذَا غَرِقَ نِصْفُ الْأَرْضِ حَيْثُ يَأْخُذُ الْبَاقِيَ بِحِصَّتِهِ لِأَنَّ الْفَائِتَ بَعْضُ الْأَصْلِ، (٣٨) قَالَ: وَإِنْ شَاءَ تَرَكَ ١ لِأَنَّ لَهُ أَنْ يَمْتَنِعَ عَنْ تَمَلُّكِ الدَّارِ بِمَالِهِ، (٣٩) قَالَ: وَإِنْ نَقَضَ الْمُشْتَرِي الْبِنَاءَ قِيلَ لِلشَّفِيعِ إنْ شِئْت فَخُذْ الْعَرْصَةَ بِحِصَّتِهَا، وَإِنْ شِئْت فَدَعْ ١ لِأَنَّهُ صَارَ مَقْصُودًا بِالْإِتْلَافِ فَيُقَابِلُهُ شَيْءٌ مِنْ الثَّمَنِ، بِخِلَافِ الْأَوَّلِ لِأَنَّ الْهَلَاكَ بِآفَةٍ سَمَاوِيَّةٍ

تشریح: یہ دلیل ہے کہ زمین پر جو گھر بنایا ہے، یا درخت لگایا ہے وہ زمین کے تابع ہیں اور صفت کے درجے میں ہیں، یہی وجہ ہے کہ زمین کو بیچتے وقت ان دونوں کا نام نہیں لیا تب بھی زمین کی بیع میں داخل ہو جائیں گے اس لئے اس کے مقابلے پر کوئی قیمت نہیں ہوگی، اس لئے بغیر بائع اور مشتری کی حرکت درخت سوکھ گیا، یا گھر گر گیا تو اس کی قیمت کم نہیں ہوگی شفیع اسی پہلی قیمت میں زمین لیگا۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ اگر اس زمین کو مرابحہ کے طور پر بیچنا چاہے تو اسی پہلی قیمت میں ہی مرابحہ کرے گا، جس کا مطلب یہ نکلا کہ درخت سوکھنے سے اس کی قیمت کم نہیں ہوئی۔

ترجمہ: ٢ بخلاف اگر آدھی زمین ڈوب جائے تو باقی زمین کو اس کے حصے کی قیمت سے لیگا اس لئے کہ اصل کا ہی بعض فوت ہو گیا ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اصل میں سے فوت ہو جائے تو جتنا فوت ہوا ہے اتنی قیمت کم ہو جائے گی۔

تشریح: اگر آدھی زمین ہی ندی میں ڈوب گئی تو چونکہ اصل زمین ہی ڈوبی ہے اسلئے اب مشتری آدھی قیمت میں لیگا

ترجمہ: (٣٨) اور اگر چاہے تو چھوڑ دے۔

ترجمہ: ١ اس لئے کہ شفیع کو یہ حق ہے کہ اپنے مال کے بدلے میں گھر کے مالک بننے سے رک جائے۔

تشریح؛ درخت سوکھ جانے اور گھر گر جانے کے باوجود وہی اصلی قیمت ہے اس لئے شفیع کو یہ حق ہے کہ اپنا مال برباد نہ کرے اور گھر نہ لے۔

ترجمہ: (٣٩) اگر مشتری نے عمارت توڑ دی تو شفیع سے کہا جائے گا کہ خالی زمین اس کے حصے سے لے لے اور چاہے تو چھوڑ دے۔

ترجمہ: ١ اس لئے کہ ضائع کرنے کی وجہ سے گھر مقصود بن گیا اس لئے اس کے مقابلے میں قیمت ہوگی، بخلاف پہلی صورت کے اس لئے کہ وہاں آسمانی آفت سے ہلاک ہوا ہے اس لئے اس کے مقابلے میں قیمت نہیں ہوگی۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جان کر مشتری نے تابع کو نقصان کیا ہے تو وہ اصل بن جائے گا اور اس کی قیمت شفیع سے کم ہو جائے گی۔

(۴۰) وَلَيْسَ لِلشَّفِيعِ أَنْ يَأْخُذَ النَّقْضَ اِ لِأَنَّهُ صَارَ مَفْصُولًا فَلَمْ يَبْقَ تَبَعًا، (۴۱) قَالَ: وَمَنْ ابْتَاعَ أَرْضًا وَعَلَى نَخْلِهَا ثَمَرٌ أَخَذَهَا الشَّفِيعُ بِثَمَرِهَا اِ وَمَعْنَاهُ إِذَا ذُكِرَ الثَّمَرُ فِي الْبَيْعِ؛ لِأَنَّهُ لَا

تشریح :مشتری نے مثلا ایک ہزار درہم میں زمین، اس پر مکان سمیت خریدا تھا۔ بعد میں مشتری نے خود مکان توڑ دیا جس کی وجہ سے چار سو درہم کم قیمت ہوگئی۔اب شفیع لینا چاہے تو صرف زمین کی جو قیمت ہے چھ سو درہم وہ دے کر صرف خالی زمین لے لے اور نہ لینا چاہے تو چھوڑ دے۔

وجہ :مشتری نے مکان خود توڑا ہے اس لئے اس کے توڑنے کی وجہ سے مکان اصل ہوگیا۔اب زمین کے تابع نہیں رہا اس لئے مکان کے ٹوٹنے کی وجہ سے جتنی قیمت کم ہوئی ہے وہ کم ہوجائے گی اور زمین کی قیمت جواب ہے وہ دے کر شفیع لے گا ۔اور پہلی صورت میں یہ تھا کہ آسمانی آفت سے مکان ٹوٹا تھا اس لئے وہ اصل نہیں بن سکا، وہ زمین کے تابع رہا اس لئے اس کے مقابلے میں کوئی قیمت نہیں ہوگی

ترجمہ:(۴۰) اور شفیع کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ٹوٹ پھوٹ لے۔

ترجمہ:ا اس لئے کہ یہ ٹوتی ہوئی چیز اب الگ ہوگئی اس لئے زمین کے تابع باقی نہیں رہی۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ، زمین سے الگ ہونے کے بعد وہ چیز زمین کے تابع نہیں رہتی۔اس لئے اس میں حق شفعہ نہیں ہے۔

تشریح :مشتری کے مکان توڑنے کے بعد اینٹ لکڑی وغیرہ جو زمین سے الگ ہوگئے اس میں شفیع کا حق شفعہ نہیں ہے۔ اس کو حق شفعہ کے ماتحت نہیں لے سکتا۔

وجہ : زمین اور زمین سے متصل چیزوں میں حق شفعہ ہوتا ہے۔اور اینٹ اور لکڑی وغیرہ زمین اور مکان سے الگ ہو چکے ہیں ۔اب وہ زمین کے تابع نہیں رہے۔اس لئے اس کو حق شفعہ کے ماتحت نہیں لے سکتا۔الگ سے قیمت دے کر مشتری کی خوشی سے لینا چاہے تو لے سکتا ہے۔۔۔النقض : ٹوٹی ہوئی چیز۔

ترجمہ:(۴۱) اگر مشتری نے زمین خریدی اور اس کے درخت پر پھل ہیں تو شفیع اس کو پھل کے ساتھ لے گا۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ زمین کے ساتھ کوئی چیز متصل ہو اور اس کے تابع ہو تو زمین کے ساتھ اس میں بھی حق شفعہ ہوگا۔

تشریح :مشتری نے ایسی زمین خریدی جس میں باغ ہے اور باغ میں پھل بھی لگے ہوئے ہیں، اور مشتری نے زمین کے ساتھ پھل کا ذکر کر کے اس کو خریدا تھا، تو شفیع کو حق ہے کہ اتنی ہی قیمت میں زمین کے ساتھ باغ اور پھل بھی لے

وجہ : درخت کی بیع میں پھل شامل نہیں ہوتا ہے۔لیکن یہاں مشتری نے بائع سے پھل بھی خریدا ہے اس لئے پھل زمین کے تابع ہوگیا۔اسلئے زمین کے حق شفعہ کے ساتھ پھل میں بھی حق شفعہ ہوگا۔اور پھل کو بھی اسی قیمت مین خریدنے کا حقدار ہوگا۔

يَدْخُلُ مِنْ غَيْرِ ذِكْرٍ، وَهَذَا الَّذِى ذَكَرَهُ اسْتِحْسَانٌ، وَفِي الْقِيَاسِ لا يَأْخُذُهُ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِتَبَعٍ؛ أَلَا يَرَى أَنَّهُ لا يَدْخُلُ فِي الْبَيْعِ مِنْ غَيْرِ ذِكْرٍ فَأَشْبَهَ الْمَتَاعَ فِي الدَّارِ. ٢ وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ: أَنَّهُ بِاعْتِبَارِ الِاتِّصَالِ صَارَ تَبَعًا لِلْعَقَارِ كَالْبِنَاءِ فِي الدَّارِ، وَمَا كَانَ مُرَكَّبًا فِيهِ فَيَأْخُذُهُ الشَّفِيعُ، (۴۲)

قَالَ: وَكَذَلِكَ إِنْ ابْتَاعَهَا وَلَيْسَ فِي النَّخِيلِ ثَمَرٌ فَأَثْمَرَ فِي يَدِ الْمُشْتَرِي ١ يَعْنِي يَأْخُذُهُ الشَّفِيعُ لِأَنَّهُ مَبِيعٌ تَبَعًا؛ لِأَنَّ الْبَيْعَ سَرَى إِلَيْهِ عَلَى مَا عُرِفَ فِي وَلَدِ الْمَبِيعِ،

لغت :ابتاع :خریدا، باع سے مشتق ہے۔ ارضا : سے مراد باغ والی زمین ہے۔

ترجمہ :ا متن کی عبارت کا معنی یہ ہے کہ بیع میں الگ سے پھل کا ذکر کر کے خریدا ہے، اس لئے کہ بغیر ذکر کئے پھل داخل نہیں ہوتا، اور یہ استحسان کا تقاضہ ہے، ورنہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ شفیع پھل کو نہ لے سکے اس لئے کہ وہ درخت کے تابع نہیں ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ بغیر پھل کے ذکر کئے ہوئے وہ بیع میں داخل نہیں ہوگا، اس لئے گھر میں رکھے ہوئے سامان کے مشابہ ہوگیا۔

تشریح : متن میں جو ذکر کیا ہے کہ درخت پر پھل ہو اس کا معنی یہ ہے کہ زمین خریدتے وقت الگ سے پھل کا ذکر کر کے مشتری نے پھل خریدا ہو، کیونکہ اگر الگ سے پھل کا ذکر نہیں کرے گا تو زمین کی بیع میں پھل داخل نہیں ہوگا، کیونکہ پھل زمین کے تابع نہیں ہے۔ دوسری بات فرماتے ہیں کہ قیاس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ شفیع حق شفعہ کے ماتحت پھل نہ لے سکے، کیونکہ زمین کے تابع نہیں ہے، لیکن چونکہ مشتری نے زمین کے ساتھ پھل خریدا ہے، اور شفیع کو پھل کی رقم بھی دینی ہوگی، اور وہ زمین کے ساتھ متصل بھی ہے اس لئے پھل کو زمین کے تابع کر کے شفیع پھل کو بھی لے گا۔

ترجمہ :۲ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ اتصال کے اعتبار سے زمین کے تابع ہوگیا جیسے کہ دیوار گھر کے اندر اور جو بھی چیز گھر کے ساتھ ملی ہوئی ہو تو شفیع اس کو لیگا۔

تشریح : استحسان کا تقاضہ یہ ہے کہ جو چیز زمین کے ساتھ متصل ہے شفیع اس کو لیگا، کیونکہ وہ زمین کے تابع ہوگئی۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں، جیسے گھر خریدے تو دیوار اس کے تابع ہوتی ہے، اور جو چیز گھر کے ساتھ متصل ہے وہ بھی شفیع حق شفعہ کے ماتحت لیتا ہے، اسی طرح یہاں پھل زمین کے ساتھ متصل ہے اس لئے زمین کے ساتھ پھل بھی لینے کا حقدار ہوگا۔

ترجمہ:(۴۲) ایسے ہی اگر اس حال میں خریدا درخت پر پھل نہیں تھا، پھر مشتری کے قبضے میں پھل آ گیا

ترجمہ :ا تو شفیع اس کو لیگا، اس لئے کہ تابع ہو کر وہ بھی مبیع ہے، اس لئے کہ بیع اس کی طرف بھی سرایت کر گئی، جیسے کہ مبیع کے بچے کے بارے میں معلوم ہوا۔

تشریح : پہلے اور اس مسئلے میں فرق یہ ہے کہ پہلے مسئلے میں مشتری کے خریدتے وقت پھل موجود تھا، اور اس مسئلے میں

(۴۳)قَالَ: فَإِنْ جَدَّهُ الْمُشْتَرِي ثُمَّ جَاءَ الشَّفِيعُ لَا يَأْخُذُ الثَّمَرَ فِي الْفَصْلَيْنِ جَمِيعًا ١ لِأَنَّهُ لَمْ يَبْقَ تبعًا لِلْعَقَارِ وَقْتَ الْأَخذِ حَيْثُ صَارَ مَفْصُولًا عَنْهُ فَلَا يَأْخُذُهُ، ٢ قَالَ فِي الْكِتَابِ: وَإِنْ جَدّ

خریدتے وقت پھل موجود نہیں تھا، بعد میں مشتری کے قبضے میں اس درخت سے پھل آیا، تو یہ پھل بھی زمین کے تابع ہوگا، کیونکہ اسی زمین کی رس چوس کر پھل آیا ہے اس لئے زمین اور درخت کے تابع ہوکر شفیع کو لینے کا حق ہوگا۔اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ اگر بھینس خریدی اور قبضہ سے پہلے بچہ دے دیا تو یہ بچہ بھی بھینس کے تابع ہوکر مشتری ہی کا ہوتا ہے اسی طرح یہاں پھل بھی درخت کے تابع ہوکر شفیع کا ہوگا۔

ترجمہ:(۴۳)اور اگر مشتری نے پھل توڑ لیا پھر شفیع آیا تو دونوں صورتوں میں پھل نہیں لے گا۔

ترجمہ :١ اس لئے کہ شفیع کے لیتے وقت پھل زمین کے تابع نہیں رہا اس لئے کہ وہ الگ ہو چکا ہے اس لئے اس کو نہیں لے سکے گا۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مشتری نے پھل درخت سے الگ کر لیا ہو تو اب تابع بنکر شفیع کو یہ پھل نہیں ملے گا۔

تشریح : یہاں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں شفیع کو پھل نہیں ملے گا۔اور آگے شرح میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ پہلی صورت میں پھل کی قیمت ساقط ہوگی، اور دوسری صورت میں پھل کی قیمت شفیع سے ساقط نہیں ہوگی

یہاں دو شکلیں ہیں [١] ایک یہ کہ جس وقت مشتری نے بائع سے لیا تھا اس وقت درخت پر پھل تھا لیکن بعد میں کاٹ لیا، اور اس کے بعد شفیع نے لینے کا دعوی کیا، اس صورت میں پھل کے بدلے میں اگر چہ کچھ مال ہے، لیکن ابھی پھل درخت سے الگ ہو چکا ہے اس لئے اس کے تابع ہوکر شفیع کو یہ نہیں ملے گا۔[٢] دوسری صورت یہ ہے کہ مشتری کے خریدتے وقت درخت پر پھل نہیں تھا اس کے بعد پھل آیا لیکن مشتری نے اس کو کاٹ لیا۔اس صورت میں مشتری کے بیع کرتے وقت بھی پھل نہیں تھا، اس لئے قیمت کا کچھ حصہ پھل کے مقابلے پر نہیں ہے، اور اب پھل جدا بھی ہو چکا ہے اس لئے شفیع کو اور بھی لینے کا حق نہیں ہوگا

تشریح : ٢ متن میں کہا کہ اگر مشتری نے پھل کاٹ لیا تو شفیع سے پھل کے حصے کی رقم کم ہو جائے گی، صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ یہ جواب پہلی صورت [خریدتے وقت پھل موجود تھا] میں ہے اس لئے کہ پھل بیع میں مقصود بن کر داخل تھا، اس لئے اس کے مقابلے میں کچھ قیمت ہوگی، بہر حال دوسری صورت [خریدتے وقت پھل درخت پر نہیں تھا] میں پھل کو چھوڑ کر پوری قیمت دیکر لے گا، اس لئے کہ پھل خریدتے وقت موجود نہیں تھا اس لئے پھل تابع ہوکر مبیع بنے گا، اس لئے اس کے مقابلے پر کوئی قیمت نہیں ہوگی۔

تشریح: ہدایہ میں قدوری کا یہ جملہ نہیں ہے [فان جده المشترى سقط عن الشفيع حصته] ترجمہ: اگر مشتری نے پھل کاٹ لیا تو شفیع سے اس پھل کا حصہ ساقط ہو جائے گا۔ صاحب ہدایہ اسی جملے کی تصریح کر رہے ہیں کہ پہلی صورت جبکہ مشتری کے خریدتے وقت درخت پر پھل موجود تھا اور مشتری نے کاٹ لیا تو پھل کی جو قیمت ہے وہ شفیع سے ساقط ہو جائے

الْمُشْتَرِي سَقَطَ عَنِ الشَّفِيعِ حِصَّتُهُ قَالَ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - وَهَذَا جَوَابُ الْفَصْلِ الْأَوَّلِ لِأَنَّهُ دَخَلَ فِي الْبَيْعِ مَقْصُودًا فَيُقَابِلُهُ شَيْءٌ مِنَ الثَّمَنِ أَمَّا فِي الْفَصْلِ الثَّانِي يَأْخُذُ مَا سِوَى الثَّمَرِ بِجَمِيعِ الثَّمَنِ لِأَنَّ الثَّمَرَ لَمْ يَكُنْ مَوْجُودًا عِنْدَ الْعَقْدِ فَلَا يَكُونُ مَبِيعًا إِلَّا تَبَعًا فَلَا يُقَابِلُهُ شَيْءٌ مِنَ الثَّمَنِ. وَاللَّهُ أَعْلَمُ

﴿بَابُ مَا تَجِبُ فِيهِ الشُّفْعَةُ وَمَا لَا تَجِبُ﴾

(۴۴)قَالَ: الشُّفْعَةُ وَاجِبَةٌ فِي الْعَقَارِ وَإِنْ كَانَ مِمَّا لَا يُقْسَمُ ا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا شُفْعَةَ فِيمَا

گی۔اس لئے کہ مشتری نے جب خریدا تھا تو پھل موجود تھا اس لئے مقصود کے طور پر پھل کے مقابلے پر قیمت تھی اس لئے اتنی قیمت شفیع سے کم ہو جائے گی۔

اور دوسری صورت میں جب مشتری کے خریدتے وقت پھل موجود نہیں تھا تو اس کے مقابلے پر کوئی قیمت نہیں ہوئی اس لئے پھل کی قیمت شفیع سے کم نہیں ہوگی۔

﴿باب ما تجب فيه الشفعة و ما لا تجب﴾

ترجمه:(۴۴) شفعہ ثابت ہوتا ہے جائداد میں اگر چہ وہ ایسی ہو جو تقسیم نہ ہو سکتی ہو

تشریح :جو زمین ہو یا زمین کی جنس سے ،جیسے مکان،دوکان وغیرہ اس میں حق شفعہ ہوتا ہے۔اب چاہے وہ تقسیم ہو سکتی ہو یا تقسیم نہ ہو سکتی ہو ہر حال میں حق شفعہ ہوتا ہے۔جیسے حمام، پچھلے زمانے کے خاص قسم کے غسلخانے کہ وہ تقسیم ہونے اور ٹکڑے ہونے سے کسی کام کے نہیں رہیں گے۔پھر بھی اگر وہ بک رہے ہوں تو پڑوس کو حق شفعہ ہوگا۔یا پن چکی اور اس کی زمین کہ اس کو تقسیم کرنے سے کسی کام کی نہیں رہے گی۔یا کنواں اور چھوٹے مکان دو ٹکڑے نہیں ہو سکتے۔لیکن یہ بک رہے ہوں تو ان میں حق شفعہ ہوگا۔

وجه :حق شفعہ پڑوسیت کے نقصان کو دور کرنے کے لئے ہوتا ہے۔اور زمین کے علاوہ منقولی جائداد ایسی ہے کہ وہ ایک جگہ نہیں رہتی کہ پڑوسیت کا نقصان ہو۔البتہ زمین اور اس پر بننے والی عمارتیں ایسی ہیں جو ہمیشہ ایک جگہ رہیں گی۔جس کی وجہ سے پڑوسیوں کا نقصان ہوگا اس لئے زمین اور زمین پر بننے والی عمارتوں میں حق شفعہ ہوگا (۲) حدیث میں ہے۔عن جابر قال قضى رسول الله ﷺ بالشفعة فى كل شركة لم تقسم ربعة او حائط (مسلم شریف،باب الشفعة ،ص۷۰۳، نمبر ۱۶۰۸/۴۱۲۸/ابو داؤد شریف ، باب فی الشفعة ،ص ۵۰۶ ،نمبر ۳۵۱۳) اس حدیث میں تصریح ہے کہ زمین یا باغ میں حق شفعہ ہے اس لئے زمین اور اس کی جنس میں حق شفعہ ہوگا (۳)عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ لا شفعة الا

لَا يُقْسَمُ، لِأَنَّ الشُّفْعَةَ انَّمَا وَجَبَتْ دَفْعًا لِمُؤْنَةِ الْقِسْمَةِ، وَهَذَا لَا يَتَحَقَّقُ فِيمَا لَا يُقْسَمُ، ٢ وَلَنَا قَوْلُهُ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ –: الشُّفْعَةُ فِي كُلِّ شَيْءٍ عَقَارٌ أَوْ رَبْعٌ إلَى غَيْرِ ذَلِكَ مِنْ

فی دار او عقار (سنن للبیھقی، باب لا شفعۃ فیما ینقل ویحوی، ج سادس، ص ۱۸۰، نمبر ۱۱۵۹۷) اس حدیث میں توصراحت ہے کہ زمین اور گھر کے علاوہ کسی چیز میں حق شفعہ نہیں ہے۔ (۴) بخاری میں ہے۔ عن جابر بن عبد الله قال قضی النبی بالشفعة فی کل مالم یقسم (بخاری شریف، باب الشفعۃ فی مالم یقسم فاذا وقعت الحدود فلا شفعۃ، ص ۳۵۹، نمبر ۲۲۵۷ / ابوداؤد شریف، باب فی الشفعۃ، ص ۵۰۶، نمبر ۳۵۱۴) اس حدیث میں ہے کہ جو چیز تقسیم نہ ہو سکتی ہو پھر بھی اس میں حق شفعہ ہے۔

ترجمہ : ١ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جو چیز تقسیم نہ ہو سکتی ہو اس میں شفعہ نہیں ہے، اس لئے کہ تقسیم کی مشقت کو دفع کرنے کے لئے شفعہ واجب ہوا ہے، اور جو چیز تقسیم نہیں ہو سکتی اس میں یہ مشقت متحقق نہیں ہوتی [اس لئے اس میں حق شفعہ بھی نہیں ہے

تشریح : امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ جو چیز تقسیم نہ ہو سکتی ہو اس میں حق شفعہ نہیں ہے۔

وجہ : اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ حق شفعہ اس لئے دیا جاتا ہے کہ شریک کو تقسیم نہ کرنا پڑے، اور یہاں وہ چیز تقسیم ہی نہیں ہو سکتی ہے اس لئے حق شفعہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ : ٢ ہماری دلیل حضور ﷺ کا قول ہے کہ شفعہ ہر چیز میں ہے چاہے شمین ہو یا منزل ہو، اس کے علاوہ بہت سارے عموم ہے۔

تشریح : ہماری دلیل یہ حدیث ہے ، کہ ہر چیز میں شفعہ ہے، چاہے وہ زمین ہو یا گھر ہو، اور زمین کی قسم کی اور بھی جو عمومی چیز ہو اس میں حق شفعہ ہے۔

وجہ : صاحب ہدایہ کی حدیث ان تین احادیث میں پھیلی ہوئی ہے [١] عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال الشریک شفیع ، و الشفعة فی کل شیء (سنن للبیھقی، باب لا شفعۃ فیما ینقل ویحوی، ج سادس، ص ۱۸۰، نمبر ۱۱۵۹۸) اس حدیث میں شفعۃ فی کل شیء ہے۔ [٢] اور ربعۃ کا لفظ اس حدیث میں ہے۔ عن جابر قال قضی رسول الله ﷺ بالشفعة فی کل شرکة لم تقسم ربعة او حائط (مسلم شریف، باب الشفعۃ، ص ۷۰۳، نمبر ۱۶۰۸ / ۴۱۲۸ / ابوداؤد شریف، باب فی الشفعۃ، ص ۵۰۶، نمبر ۳۵۱۳) [٣] اور عقار کا لفظ اس حدیث میں ہے۔ عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ لا شفعة الا فی دار او عقار (سنن للبیھقی، باب لا شفعۃ فیما ینقل ویحوی، ج سادس، ص ۱۸۰، نمبر ۱۱۵۹۷) ان تین احادیث کا مجموعہ مصنف کی حدیث بنتی ہے۔

ترجمہ : ٣ اور اس لئے کہ شفعہ کا سبب ملکیت میں متصل ہونا ہے اور شفعہ میں حکمت یہ ہے کہ برے پڑوسی سے بچانا ہے، جیسا کہ گزر چکا۔ اور برے پڑوسی سے بچانا دونوں قسموں کو شامل ہے، چاہے وہ چیز تقسیم ہو سکتی ہو یا نہ ہو سکتی ہو، اور وہ غسل خانہ،

الْعُمُومَاتِ، ٣ِ وَلِأَنَّ الشُّفْعَةَ سَبَبُهَا الِاتِّصَالُ فِيْ الْمِلْكِ وَالْحِكْمَةَ دَفْعُ ضَرَرِ سُوءِ الْجِوَارِ عَلَى مَا مَرَّ، وَأَنَّهُ يَنْتَظِمُ الْقِسْمَيْنِ مَا يُقْسَمُ وَمَا لَا يُقْسَمُ وَهُوَ الْحَمَّامُ وَالرَّحَى وَالْبِئْرُ وَالطَّرِيقُ. (۴۵) قَالَ: وَلَا شُفْعَةَ فِيْ الْعُرُوضِ وَالسُّفُنِ ١ِ لِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – لَا شُفْعَةَ إِلَّا فِيْ رَبْعٍ أَوْ حَائِطٍ، وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى مَالِكٍ فِيْ إِيجَابِهَا فِيْ السُّفُنِ،٢ِ وَلِأَنَّ الشُّفْعَةَ

اور پن چکی اور کنواں، اور راستہ ہیں۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔شفعہ کا سبب یہ ہے کہ شفیع کی زمین بکنے والی زمین کے ساتھ متصل ہو۔اوراس کی حکمت یہ ہے کہ برا پڑوسی آجائے گا تو شفیع کو نقصان دیگا اس سے بچانا ہے، اس صورت میں چاہے وہ چیز تقسیم ہو سکتی ہو یا نہ ہو سکتی ہو دونوں صورتوں میں برا پڑوسی آنے سے نقصان ہوگا اس لئے دونوں ہی میں اس کو حق شفعہ ملنا چاہئے۔آگے جو تقسیم نہ ہو سکتی ہو اس کی چار مثالیں دی ہیں غسل خانہ، اور پن چکی اور کنواں، اور راستہ۔

ترجمہ: (۴۵) سامان میں اور کشتیوں میں حق شفعہ نہیں ہے۔

ترجمہ: ١ حضور ﷺ کے قول کی وجہ سے کہ نہیں شفعہ ہے مگر منزل میں، اور دیوار [مکان] میں، اور یہ حدیث امام مالکؒ پر حجت ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جو چیز ہمیشہ رہنے والی ہے اس میں حق شفعہ ہوگا، اور جو چیز ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے اس میں حق زفعہ نہیں ہے۔

نوٹ: اس متن کے تحت چار مسئلے بیان کئے جا رہے ہیں

[۱] غیر منقولی جائداد، جس میں حق شفعہ ہے۔

[۲] منقولی جائداد، جیسے سامان، کشتی وغیرہ۔اس میں حق شفعہ نہیں ہے۔

[۳] درخت جو زمین کے ساتھ بکے تو غیر منقولی ہے، اس لئے حق شفعہ ہے، اور زمین کے بغیر تنہا درخت بکے تو یہ منقولی ہے، اس لئے حق شفعہ نہیں ہوگا۔

[۴] بالا خانہ، اوپر کی منزل، اس کا تعلق زمین کے ساتھ نیچے کی منزل کے واسطے سے ہے، اس لئے یہ غیر منقولی ہے، اس لئے اس کے بکنے میں حق شفعہ ملے گا۔یہ چار مسئلے یہاں بیان کئے جاتے ہیں۔آگے اس کی تفصیل دیکھیں۔

تشریح: (یہ دوسری قسم کی چیز ہے، جو منقولی ہے، اور اس میں حق شفعہ نہیں ہے)۔سامان و اسباب فروخت ہو رہے ہوں یا کشتی فروخت ہو رہی ہو تو ان میں حق شفعہ نہیں ہوگا۔

وجہ: (۱) اوپر گزر چکا ہے کہ یہ منتقل ہوتی رہتی ہیں اس لئے ان میں پڑوسیت کا نقصان نہیں ہے (۲) صاحب ہدایہ کی

انَّمَا وَجَبَتْ لِدَفْعِ ضَرَرِ سُوءِ الْجِوَارِ عَلَى الدَّوَامِ، وَالْمِلْكُ فِي الْمَنْقُولِ لا يَدُومُ حَسَبَ دَوَامِهِ فِي الْعَقَارِ فَلَا يُلْحَقُ بِهِ، ٣ وَفِي بَعْضِ نُسَخِ الْمُخْتَصَرِ: وَلَا شُفْعَةَ فِي الْبِنَاءِ وَالنَّخْلِ إِذَا

حدیث ان دو حدیثوں کا مجموعہ ہے۔ پہلی حدیث یہ ہے۔**عن ابی ھریرة قال قال رسول الله ﷺ لا شفعة الا فی دار او عقار** (سنن للبیھقی، باب لا شفعة فیما ینقل ویحول، ج سادس، ص۱۸۰، نمبر ۱۱۵۹۷) اس حدیث میں لا شفعة الا فی دار او عقار کا لفظ ہے، اور دوسری حدیث ہے ۔**عن جابر قال قضی رسول الله ﷺ بالشفعة فی کل شرکة لم تقسم ربعة او حائط** (مسلم شریف، باب الشفعة، ص۷۰۳، نمبر ۴۱۲۸/۱۶۰۸/ابوداؤد شریف، باب فی الشفعة، ص ۵۰۶، نمبر ۳۵۱۳)اس حدیث میں لم تقسم ربعة او حائط کا لفظ ہے۔ ان دونوں حدیثوں کے مجموعے سے معلوم ہوا کہ گھر اور زمین کے علاوہ میں شفعہ نہیں ہے اس لئے اسباب اور کشتیوں میں حق شفعہ نہیں ہوگا۔

فائدہ: امام مالکؒ کے نزدیک اگر شرکت ہو تو سامان میں بھی حق شفعہ ہوگا۔

وجہ:(۱)ان کی دلیل اوپر کی حدیث بخاری ہے۔**عن جابر بن عبد الله قال قضی النبی بالشفعة فی کل مالم یقسم** (بخاری شریف، باب الشفعة فی مالم یقسم فاذا وقعت الحدود فلا شفعة، ص۳۵۹، نمبر ۲۲۵۷) کہ تمام وہ چیزیں جو تقسیم نہ ہوئی ہو ان میں حق شفعہ ہے۔اس لئے سامان میں بھی اگر شرکت ہو تو اس میں بھی حق شفعہ ہوگا (۲) حدیث مرسل میں ہے۔**قال ابن ابی ملیکة قضی رسول الله ﷺ بالشفعة فی کل شیء** (مصنف عبد الرزاق، باب ھل فی الحیوان او البئر او النخل او الدین شفعة، ج ثامن، ص ۶۹، نمبر ۱۴۵۰۳/سنن للبیھقی، باب لا شفعة فیما ینقل ویحول، ج سادس، ص ۱۸۱، نمبر ۱۱۶۰۰) اس حدیث سے امام مالکؒ سامان اور کشتیوں میں بھی شفعہ کا حق دیتے ہیں۔

لغت:السفن : جمع ہے سفینۃ کی کشتی۔

ترجمہ: ٢ اور اس لئے بھی کہ شفعہ ہمیشہ کے لئے برے پڑوس کے نقصان کو دفع کرنے کے لئے ہوتا ہے، اور منقولی چیز میں زمین کی طرح ہمیشگی نہیں ہوتی، اس لئے منقولی چیز کو زمین کی طرح ہمیشگی نہیں دی جا سکتی۔

تشریح:سامان اور کشتی میں حق شفعہ نہ ہونے کی یہ دلیل عقلی ہے۔ زمین میں حق شفعہ دیا گیا ہے کہ زمین، مکان اور دکان ہمیشہ رہنے والی چیز ہے، اس میں برا پڑوس آئے گا تو ہمیشہ کے لئے تکلیف ہوگی اس نقصان کو دفع کرنے کے لئے حق شفعہ دیا گیا ہے، اور اور سامان اور کشتی منقولی چیز ہے، آج ہے اور کل نہیں ہے اس لئے اس میں پڑوس، یا شریک کو ہمیشہ کے لئے نقصان ہونے کا خطرہ نہیں ہے اس لئے اس میں حق شفعہ نہیں ہوگا۔

ترجمہ:٣ مختصر قدوری کے بعض نسخوں میں یہ ہے کہ عمارت میں درخت میں حق شفعہ نہیں ہے اگر وہ بغیر زمین کے بیچی جائے، اور صحیح یہی ہے اور یہی کتاب الاصل [مبسوط میں] مذکور ہے اس لئے کہ انکو قرار نہیں ہے اس لئے یہ منقولی ہو گئے۔

تشریح: عمارت کی دیوار بک رہی ہے لیکن اس کی زمین نہیں فروخت ہو رہی ہے، اس لئے دیوار توڑ کر لیجائیں گے، اس

بِيعَتْ دُونَ الْعَرْصَةِ، وَهُوَ صَحِيحٌ مَذْكُورٌ فِي الْأَصْلِ، لِأَنَّهُ لَا قَرَارَ لَهُ فَكَانَ نَقْلِيًّا، ۴ وَهَذَا بِخِلَافِ الْعِلْوِ حَيْثُ يُسْتَحَقُّ بِالشُّفْعَةِ وَيُسْتَحَقُّ بِهِ الشُّفْعَةُ فِي السِّفْلِ إِذَا لَمْ يَكُنْ طَرِيقُ الْعِلْوِ فِيهِ، لِأَنَّهُ بِمَا لَهُ مِنْ حَقِّ الْقَرَارِ الْتَحَقَ بِالْعَقَارِ، (۴٦) قَالَ: وَالْمُسْلِمُ وَالذِّمِّيُّ فِي الشُّفْعَةِ سَوَاءٌ ١ لِلْعُمُومَاتِ، وَلِأَنَّهُمَا يَسْتَوِيَانِ فِي السَّبَبِ وَالْحِكْمَةِ فَيَسْتَوِيَانِ فِي الِاسْتِحْقَاقِ، وَلِهَذَا

لئے یہ منقولی جائداد ہوگئی، اس لئے اس میں حق شفعہ نہیں ہوگا۔

،اسی طرح باغ فروخت ہو رہا ہے لیکن اس کی زمین فروخت نہیں کر رہا ہے تو حق شفعہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ جب زمین بک رہی ہے تو درخت کاٹ کر لیجائے گا، اس لئے یہ درخت منقولی ہے، اس لئے اس میں حق شفعہ نہیں ہوگا۔

لغت :العرصة : میدان، زمین۔ البناء: عمارت، دیوار۔ النخل: درخت، کھجور کا درخت۔

ترجمہ: ۴ یہ بخلاف اوپر کی منزل کے اس لئے کہ شفعہ کا مستحق ہوگا، اور نیچے کی منزل بکنے پر شفعہ کا حق ہوگا، اگر اوپر کی منزل کا نیچے کی منزل میں راستہ نہ ہو تو [اور راستہ ہو تو حق شرکت ہوگا] اس کی وجہ یہ ہے کہ اوپر کی منزل کو ہمیشہ کے لئے قرار کا حق ہے، اس لئے وہ زمین کے ساتھ لاحق ہو گیا۔

لغت :العلو فيه: بالاخانہ [اوپر کی منزل والا]۔ و يستحق به الشفعة فى السفل اذا لم يكن طريق العلو فيه: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اوپر کی منزل والے کا راستہ نیچے کی منزل سے ہو کر گزرتا ہو تب تو یہ نیچے کی منزل میں راستے میں شریک ہے اس لئے اس کو راستے میں شرکت کی وجہ سے حق شفعہ ملے گا۔ اور اگر نیچے کی منزل سے راستہ نہیں گزر رہا ہو تو اس کو پڑوسی ہونے کی وجہ سے حق شفعہ ملے گا۔ و يستحق به الشفعة فى السفل اذا لم يكن طريق العلو فيه . میں اسی بات کی بات کی تصریح ہے۔

تشریح : یہ چوتھی قسم ہے، جس میں حق شفعہ ہے۔ اوپر کی منزل کا راستہ نیچے کی منزل سے ہو کر گزرتا ہے تب تو راستے میں شریک ہونے کی وجہ سے حق شفعہ ملے گا اور راستہ نہیں گزرتا ہے تب پڑوسی ہونے کی وجہ سے حق شفعہ ملے گا، تاہم چونکہ بالے خانے کا تعلق زمین کے ساتھ ہے اور ہمیشہ کے لئے ہے اس لئے حق شفعہ ملے گا۔

ترجمہ: (۴٦) مسلمان اور ذمی شفعہ میں برابر ہیں۔

ترجمہ :١ روایات کے عام ہونے کی وجہ سے۔

لغت: للعمومات: یہ محاورہ ہے، اس عبارت کا مطلب یہ ہے حق شفعہ کی روایتیں عام ہیں، اس میں مسلمان کی تخصیص نہیں

تشریح: یعنی جس طرح مسلمان کو حق شفعہ ہوگا اگر ذمی مسلمان کے پڑوس میں ہے تو اس کو بھی حق شفعہ ہوگا۔

وجہ :(١) دار الاسلام میں ٹیکس دینے کے بعد ذمی کا حق بھی ان چیزوں میں مسلمان کی طرح ہو گیا اس لئے ذمی کو بھی حق

يَسْتَوِي فِيهِ الذَّكَرُ وَالْأُنْثَى وَالصَّغِيرُ وَالْكَبِيرُ وَالْبَاغِي وَالْعَادِلُ وَالْحُرُّ وَالْعَبْدُ إِذَا كَانَ مَأْذُونًا أَوْ مُكَاتَبًا، (۴۷) قَالَ: وَإِذَا مَلَكَ الْعَقَارَ بِعِوَضٍ هُوَ مَالٌ وَجَبَتْ فِيهِ الشُّفْعَةُ ؎ لِأَنَّهُ أَمْكَنَ مُرَاعَاةُ شَرْطِ الشَّرْعِ فِيهِ، وَهُوَ التَّمَلُّكُ بِمِثْلِ مَا تَمَلَّكَ بِهِ الْمُشْتَرِي صُورَةً أَوْ قِيمَةً، عَلَى

شفعہ ملے گا (۲) قول تابعی میں ہے۔ کتب عمر ابن عبد العزیز ان للیھودی شفعة ۔(مصنف عبد الرزاق، باب ھل للکافر شفعۃ وللا عرابی، ج ثامن، ص ۶۷، نمبر ۱۴۴۹۰) اس قول تابعی میں حضرت عمر بن عبد العزیز نے یہودی کو حق شفعہ دیا ہے جو کافر کے درجے میں ہے۔ اس لئے کافر کو بھی حق شفعہ ہوگا۔ (۳) قال الثوری الشفعة للکبیر و الصغیر و الاعرابی ، و الیھودی ، و النصرانی ، و المجوسی ۔(مصنف عبد الرزاق، باب ھل للکافر شفعۃ وللا عرابی، ج ثامن، ص ۶۷، نمبر ۱۴۴۹۱) اس قول تابعی میں بھی ہے کہ ذمی کو حق شفعہ ملے گا۔

ترجمہ: ؎ اور اس لئے کہ مسلمان اور ذمی دونوں شفعہ کے سبب میں اور حکمت میں برابر ہیں اس لئے مستحق ہونے میں بھی برابر ہوں گے، یہی وجہ ہے کہ مذکر اور مؤنث، بڑے اور چھوٹے، باغی اور عادل، آزاد اور غلام سب حق شفعہ لینے میں برابر ہیں، شرط یہ ہے کہ غلام کو تجارت کرنے کی اجازت ہو، یا مکاتب ہو۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔ کہ پڑوسیت کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے نقصان ہوگا، اس لئے حق شفعہ دیا جاتا ہے۔ اور اس میں سب برابر ہیں اس لئے مسلمان اور ذمی سب کو حق شفعہ دیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ مذکر مونث، چھوٹے بڑے، جو بغاوت کرنے والا، اور حکومت کا ساتھ دینے والا، ہو آزاد ہو یا غلام ہو ہر ایک کو حق شفعہ ملتا ہے، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ غلام میں تجارت کرنے کی اہلیت ہو، تب اس کو حق شفعہ ملے گا، اور تجارت کی اہلیت دو طرح سے ہوتی ہے، یا تو اس کو تجارت کرنے کی اجازت ہو یا اس کو مکاتب بنا کر تجارت کرنے کی اجازت دی گئی ہو، تب اس کو شفعہ کا حق ملے گا۔

ترجمہ: (۴۷) جب مالک ہو جائداد کا ایسے عوض کے بدلے جو مال ہو تو اس میں حق شفعہ ثابت ہوگا۔

ترجمہ: ؎ اس لئے کہ اس میں شریعت کی شرط کی رعایت کرنا ممکن ہے، اور وہ ہے کہ مشتری جس چیز کو دیکر زمین کا مالک بنا ہے اسی کی صورت، قیمت دیکر مالک بننا ممکن ہو، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

اصول: زمین، مکان، یا دکان مال کے بدلے میں خریدا ہو تو حق شفعہ ہوگا ورنہ نہیں، کیونکہ شفیع مال دیکر زمین لے سکتا ہے۔ جو صورت میں مثل ہے، یا قیمت کے اعتبار سے مثل ہے۔

تشریح: اصل قاعدہ یہ ہے کہ مشتری ایسی چیز کے بدلے زمین لے جو خود شفیع بھی دے سکتا ہو مثلا درہم، دنانیر، چاول اور گیہوں کے بدلے میں زمین خریدے جو شفیع بھی دے سکتا ہے۔ لیکن اگر ایسی چیز کے بدلے میں مشتری لے جو شفیع نہیں دے سکتا تو حق شفعہ کیسے ہوگا۔ مثلا بیوی کو مہر میں زمین دے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بیوی بضعہ کے بدلے زمین لے رہی ہے اور شفیع بضعہ نہیں دے سکتا اس لئے ایسی صورت میں شفیع کو حق شفعہ نہیں ہوگا۔

مَا مَرَّ. (۴۸)قَالَ: وَلَا شُفْعَةَ فِي الدَّارِ الَّتِي يَتَزَوَّجُ الرَّجُلُ عَلَيْهَا أَوْ يُخَالِعُ الْمَرْأَةَ بِهَا أَوْ يَسْتَأْجِرُ بِهَا دَارًا أَوْ غَيْرَهَا أَوْ يُصَالِحُ بِهَا عَنْ دَمٍ عَمْدٍ أَوْ يُعْتِقُ عَلَيْهَا عَبْدًا۱ لِأَنَّ الشُّفْعَةَ عِنْدَنَا اِنَّمَا تَجِبُ فِي مُبَادَلَةِ الْمَالِ بِالْمَالِ لِمَا بَيَّنَّا، وَهَذِهِ الْأَعْوَاضُ لَيْسَتْ بِأَمْوَالٍ، فَإِيجَابُ الشُّفْعَةِ

ترجمه :(۴۸)جس گھر کے بدلے میں آدمی نے نکاح کیا ہو، یا عورت نے اس گھر کے بدلے خلع کی ہو۔ یا گھر کے بدلے میں کسی گھر کو اجرت پر لی ہو یا گھر کے علاوہ کو اجرت پر لی ہو، یا جان کر قتل کے بدلے میں صلح کی ہو، یا گھر کے بدلے میں غلام کو آزاد کیا ہو، تو حق شفعہ نہیں ہوگا۔

اصول : یہاں پانچ مسئلے ہیں، جن میں گھر کو مال کے بدلے میں نہیں دیا جا رہا ہے، بلکہ جان، یا عضو کے بدلے میں دیا جا رہا ہے اس لئے اس گھر میں حق شفعہ نہیں ملے گا۔

وجہ :اس اصول کی دلیل یہ حدیث ہے کہ بیع یعنی مبادلۃ المال بالمال پایا جائے تب ہی شفعہ کا حق ملے گا ورنہ نہیں۔ حدیث یہ ہے(۱) عن جابر قال قال رسول الله ﷺ ... فان باع فهو احق به حتى يوذنه. (ابوداؤد شریف، باب فی الشفعۃ ص۱۴۰ نمبر۳۵۱۳) حدیث سے معلوم ہوا کہ جب بیچے تب شفیع کو حق شفعہ ہوگا (۳) اس قول تابعی میں ہے ۔قال ابن ابی لیلی لا يقع له شفعة حتى يقع البيع فان شاء اخذ وان شاء ترك. (مصنف عبد الرزاق، باب الشفیع یأذن قبل البیع وکم وقتھا، ج ثامن، ص۸۳، نمبر۱۴۴۰۴) اس قول تابعی میں ہے کہ بیع واقع ہو تب حق شفعہ ہوگا ورنہ نہیں

تشریح : یہاں پانچ مسئلے ہیں[۱] شوہر نے گھر کو مہر میں دیکر نکاح کیا، تو گھر کے بدلے میں مال نہیں آیا بلکہ بضع آیا جو مال نہیں ہے، بلکہ عضو ہے اس لئے شفعہ نہیں ملے گا۔

[۲] عورت نے گھر دیکر خلع کیا، تو گویا کہ گھر دیکر اپنی بضع کی خلاصی لی ، جو مال نہیں عضو ہے اس لئے شفعہ نہیں ملے گا۔

[۳] مکان کو دیکر کسی کے مکان کو کرایہ پر لیا، یا کسی دوسری چیز کو کرایہ پر لیا، تو مکان کے بدلے میں نفع آیا جو مال نہیں ہے اس لئے شفعہ نہیں ملے گا۔

[۴] کسی پر قصاص واجب تھا اس نے مکان دیکر مقتول کے وارث سے صلح کر لی، تو مکان کو جان کی خلاصی کے بدلے میں دیا اس لئے شفعہ نہیں ملے گا۔

[۵] غلام نے مکان دیا اسکے بدلے میں آزادگی دی گئی۔ تو جان کے بدلے میں مکان دیا اس لئے اس میں حق شفعہ نہیں ملے گا

ترجمه :۱ اس لئے کہ ہمارے نزدیک مبادلۃ المال بالمال تب شفعہ واجب ہوتا ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہوا اور یہ بدلے جتنے بھی ہیں مال نہیں ہیں اس لئے ان میں شفعہ واجب کرنا خلاف مشروع ہے اور موضوع کو پلٹانا ہے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔ کہ اوپر گزر چکا ہے کہ گھر کو مال کے بدلے میں بیچا ہو تب حق شفعہ ملتا ہے، اور یہاں پانچ چیزوں جو بدلہ ہے وہ مال نہیں ہے بلکہ جان ہے، یا عضو ہے، جو مال نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ شفیع ان چیزوں کو اپنی جانب سے

فِيهَا خِلَافُ الْمَشْرُوعِ وَقَلْبُ الْمَوْضُوعِ. ٢ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ تَجِبُ فِيهَا الشُّفْعَةُ؛ لِأَنَّ هَذِهِ الْأَعْوَاضَ مُتَقَوِّمَةٌ عِنْدَهُ، فَأَمْكَنَ الْأَخْذُ بِقِيمَتِهَا إِنْ تَعَذَّرَ بِمِثْلِهَا كَمَا فِي الْبَيْعِ بِالْعَرْضِ، ٣ بِخِلَافِ الْهِبَةِ لِأَنَّهُ لَا عِوَضَ فِيهَا رَأْسًا، ٤ وَقَوْلُهُ يَتَأَتَّى فِيمَا إِذَا جَعَلَ شِقْصًا مِنْ دَارٍ مَهْرًا أَوْ مَا يُضَاهِيهِ؛ لِأَنَّهُ لَا شُفْعَةَ عِنْدَهُ إِلَّا فِيهِ، ٥ وَنَحْنُ نَقُولُ: انَّ تَقَوُّمَ مَنَافِعِ الْبُضْعِ فِي النِّكَاحِ

گھر والے کو دے بھی نہیں سکتا ہے، اس لئے ان کو حق شفعہ کیسے دیا جائے گا!

لغت : مبادلۃ المال بالمال: یہ ایک محاورہ ہے۔ مال کے بدلے میں مال دیا ہو۔ یعنی دونوں مال ہو، منافع نہ ہو، کان یا عضو نہ ہو۔ خلاف المشروع: مشروع یہ ہے کہ مال کے بدلے میں شفیع گھر لے۔ اور یہاں جان کے بدلے میں، یا عضو کے بدلے میں لینا ہوگا، جو خلاف مشروع ہے۔ قلب الموضوع: موضوع سے الٹا ہونا۔ الٹا اس طرح ہوا کہ مال کے بدلے میں لینا چاہئے، یہاں جان جو محترم ہے اس کے بدلے میں گھر جو غیر محترم ہے اس کو لینا پڑ رہا ہے اس لئے موضوع سے الٹا ہو گیا۔

ترجمہ : ٢ امام شافعیؒ کے نزدیک اوپر کی ان چیزوں میں شفعہ واجب ہے اس لئے کہ یہ عوض انکے نزدیک قیمت والے ہیں اس لئے اس کی قیمت لینا ممکن ہے اگر چہ اس کا مثل لینا ناممکن ہے، جیسے کہ سامان کے بدلے میں بیچا ہو تو اس کے مثل سے شفیع لیگا۔

تشریح : اوپر کی پانچوں صورت جن میں جان کے بدلے میں، یا عضو کے بدلے میں گھر دیا ہے، ان میں حق شفعہ ملے گا۔

وجہ : (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ جان یا عضو انکے نزدیک قیمت والی ہے، اس لئے جان کے مثل جان، اور عضو کے مثل عضو تو نہیں دے گا، لیکن اس کی قیمت دیکر شفیع گھر لیگا۔ (۲) اس کی ایک مثال دیتے ہیں، جیسے سامان کے بدلے میں گھر بیچا ہو تو سامان کی قیمت دیکر شفیع گھر لیگا، اسی طرح جان کے بدلے میں گھر دیا ہو تو اس جان کی قیمت دیکر شفیع گھر لیگا، اور اس کو شفعہ کا حق ملے گا۔ عرض: سامان۔

ترجمہ : ٣ بخلاف ہبہ کے [اس میں شفعہ نہیں ملے گا] اس لئے کہ اس کے بدلے میں بالکل عوض نہیں ہے۔

تشریح : اگر گھر کو ہبہ کر دیا تو اس کے بدلے میں کوئی عوض نہیں ہے اس لئے اس میں شفعہ نہیں ملے گا۔

ترجمہ : ٤ امام شافعیؒ کے شفعہ کا قول اس صورت میں ہوگا جبکہ گھر کا ایک حصہ مہر۔ یا اجرت وغیرہ میں دیا ہو اس لئے کہ انکے نزدیک شرکت کی صورت میں ہی شفعہ ہے۔

تشریح : یہ امام شافعیؒ کے قول پر تبصرہ ہے، انکے یہاں صرف شریک کو شفعہ کا حق ملتا ہے، اس لئے یہ گھر کسی اور کی شرکت میں ہو اور شریک اپنے حصے کو مہر، اجرت، دم عمد، عتق میں دیا ہو تو دوسرے شریک شفعہ کا حق ملے گا، پڑوس کو شفعہ کا حق نہیں ملے گا

لغت یتأتی: آئے گا، یعنی شفعہ کے بارے میں حضرت امام شافعیؒ کا قول آئے گا۔ یہاں، فیہ: سے مراد شرکت ہے۔ شقصا

وَغَيْرِهَا بِعَقْدِ الْإِجَارَ ةِ ضَرُورِيٌّ فَلَا يَظْهَرُ فِي حَقِّ الشُّفْعَةِ، ٦ وَكَذَا الدَّمُ وَالْعِتْقُ غَيْرُ مُتَقَوِّمٍ؛ لِأَنَّ الْقِيمَةَ مَا يَقُومُ مَقَامَ غَيْرِهِ فِي الْمَعْنَى الْخَاصِّ الْمَطْلُوبِ، وَلَا يَتَحَقَّقُ فِيهِمَا، ٧ وَعَلَى هَذَا إذَا تَزَوَّجَهَا بِغَيْرِ مَهْرٍ ثُمَّ فَرَضَ لَهَا الدَّارَ مَهْرًا؛ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْمَفْرُوضِ فِي الْعَقْدِ فِي كَوْنِهِ

: شقص سے مشتق ہے، گھر کا ایک حصہ۔ یضاھیہ: ضاہ سے مشتق ہے، مشابہ ہونا، یہاں مہر کے مشابہ خلع، اجرت، دم عمد پر صلح، گھر کے بدلے میں آزاد کرنا مراد ہے۔

ترجمہ :۵ ہم کہتے ہیں کہ نکاح میں بضع کا منافع اور جو اس کے علاوہ ہیں عقد اجارہ کی وجہ سے ان کا قیمتی ہونا [ضروری] یعنی مجبوری کی وجہ سے ہے، اس لئے شفعہ کے حق میں ظاہر نہیں ہوگا۔

تشریح :امام شافعیؒ کی جانب سے اشکال یہ ہے کہ دخول کے وقت میں عورت کا بضع قیمتی ہے اسی لئے تو بضع کا مہر لازم ہوتا ہے، اسی طرح منافع کی قیمت ہوتی ہے اسی لئے تو اس کے بدلے میں گھر دیا جاتا ہے۔ اس لئے کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ چیز قیمت والی نہیں ہے، اور اس کے بدلے میں بیچی جائے تو شفعہ کا حق نہیں ملے گا؟۔

اس کا جواب دیا جارہا ہے کہ ان سب کا قیمت والا ہونا مجبوری کے درجے میں ہے، اس لئے جہاں اس کو قیمت والا بنانے کی ضرورت پڑی وہاں قیمت والا بنا دیا، باقی دوسری جگہ [یعنی شفعہ کے حق میں] وہ قیمت والا نہیں ہے۔

ترجمہ : ٦ ایسے ہی خون کا بدلہ، اور آزاد کرنا قیمت والا نہیں ہے۔ اس لئے کہ قیمت اس کو کہتے ہیں کہ جہاں خاص مطلوب ہو وہاں دوسرے کے قائم مقام ہو جائے، اور ان دونوں میں یہ معنی متحقق نہیں ہوتا۔

تشریح :دم عمد کے بدلے میں گھر دیکر صلح کی ہو۔ یا گھر کے بدلے میں غلام نے آزادگی لی ہو تو دم عمد اور آزادگی قیمت والی نہیں ہیں، اس لئے کہ قیمت اس کو کہتے ہیں کہ مالیت بن سکے، اور خون اور آزدگی مالیت نہیں بن سکتی اس لئے یہ متقوم [قیمت والی] نہیں ہے، اس لئے اس کے بدلے میں گھر دیا تو اس میں شفعہ کا حق نہیں ہوگا۔

لغت : یہاں محاورہ استعمال کیا ہے اس کو سمجھیں: لان القیمۃ ما یقوم مقام غیرہ المعنی الخاص المطلوب: الخاص المطلوب: سے مراد ہے مالیت بن سکے، اس کو قیمت، کہتے ہیں، اور ایسی چیز کو قیمت والی [متقوم] کہتے ہیں ۔ ولا یتحقق فیہما: ان دونوں [دم عمد، اور آزاگی] میں قیمت کا معنی متحقق نہیں ہوتا۔ یہاں مصنف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دم عمد کے بدلے میں صلح، اور آزادگی کوئی قیمت نہیں ہیں اور مالیت بھی نہیں ہیں، اس لئے اس کے بدلے میں گھر دیا تو اس میں شفعہ کا حق نہیں ملے گا۔

ترجمہ : ٧ اسی طرح ہے۔ اگر بغیر مہر کے نکاح کیا، پھر مہر کے لئے گھر ہی متعین کیا [تو شفعہ کا حق نہیں ہوگا] اس لئے کہ یہ بھی عقد ہی کے وقت متعین کرنے کے درجے میں ہے، اس لئے کہ یہ بھی بضع کے مقابلے میں ہے۔

تشریح :ایک صورت پہلے گزری کہ نکاح کے وقت ہی مہر میں گھر دیا تو شفعہ کا حق نہیں ہے، یہاں دوسری صورت ہے کہ۔ نکاح کے وقت صاف انکار کر دیا کہ مہر متعین نہیں کرے گا، جسکی وجہ سے مہر مثل بھی لازم نہ ہو سکا، بعد میں مہر میں گھر دے دیا، تو

مُقَابِلًا بِالْبُضْعِ، ٨ ۔ بِخِلَافِ مَا إِذَا بَاعَهَا بِمَهْرِ الْمِثْلِ أَوْ بِالْمُسَمَّى لِأَنَّهُ مُبَادَلَةُ مَالٍ بِمَالٍ، ٩ ۔ وَلَوْ تَزَوَّجَهَا عَلَى دَارٍ عَلَى أَنْ تَرُدَّ عَلَيْهِ أَلْفًا فَلَا شُفْعَةَ فِي جَمِيعِ الدَّارِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا: تَجِبُ فِي حِصَّةِ الْأَلْفِ؛ لِأَنَّهُ مُبَادَلَةٌ مَالِيَّةٌ فِي حَقِّهِ. وَهُوَ يَقُولُ: مَعْنَى الْبَيْعِ فِيهِ تَابِعٌ ١٠ ۔ وَلِهَذَا

اس صورت میں بھی شفعہ کا حق نہیں ملے گا۔

وجه :اس کی وجہ یہ ہے کہ بعد میں مہر میں گھر دینا گویا کہ نکاح کے وقت ہی میں مہر میں گھر دینا ہے، اور بضع مال نہیں ہے اس لئے حق شفعہ نہیں ملے گا۔

لغت:مفروض فی العقد :اس کا مطلب یہ ہے کہ عقد نکاح کے وقت ہی گھر کو مہر فرض کر دیا گیا ہو۔

ترجمه : ٨ ۔ بخلاف جبکہ مہر مثل کے بدلے میں گھر بیچا ہو، یا مہر پہلے سے متعین تھا اس کے بدلے میں گھر بیچا ہو [تو شفعہ کا حق ملے گا] اس لئے کہ مال کے بدلے میں مال کا بیچنا ہے۔

تشریح :پہلے سے مہر مثل متعین تھا، یا کوئی متعین مہر موجود تھا اس کے بدلے میں شوہر نے عورت کے ہاتھ گھر بیچ دیا تو اب شفعہ کا حق ملے گا۔

وجه : کیونکہ مہر مثل درہم، یا دینار ہے جو مال ہے، یا متعین مہر مال ہے اس کے بدلے میں گھر بیچا ہے تو مبادلۃ المال بالمال پایا گیا اس لئے شفعہ کا حق ملے گا۔

تشریح : ٩ ۔ اور اگر گھر کے بدلے میں عورت سے نکاح کیا اس شرط پر کہ عورت ہزار واپس کرے گی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک پورے گھر میں شفعہ نہیں ہے۔اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ ہزار کے حصے میں شفعہ ہوگا اس لئے کہ اتنے حصے میں مبادلۃ المال بالمال ہے۔اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بیع کا معنی اس میں تابع ہے۔

اصول :یہاں دو اصول ہیں [١] ایک ؛۔یہ آدھا گھر مہر کے بدلے میں ہے اور آدھا گھر ہزار کے بدلے میں بیع ہے۔اب امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بیع تابع ہے اور نکاح اصل ہے اس لئے پورے گھر میں شفعہ کا حق نہیں ملے گا۔

اصول :صاحبینؒ کے نزدیک مہر بھی اصل ہے اور بیع بھی اصل ہے۔اس لئے مہر کے حصے میں شفعہ نہیں ہوگا، اور بیع کے حصے میں شفعہ ہوگا۔

تشریح : آدمی نے مہر میں گھر دیا، لیکن عورت سے یہ بھی کہا کہ اس گھر کے بدلے میں ایک ہزار درہم دینا، تو یہاں دو معاملے ہوئے، ایک تو گھر کا کچھ حصہ مہر میں ہے جسکے کی وجہ سے اس میں شفعہ کا حق نہیں ہوگا۔اور دوسرا معاملہ یہ ہے کہ کچھ حصہ ہزار کے بدلے میں بیچا ہے، اس لئے اس حصے میں شفعہ کا حق ہونا چاہئے، اب امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ نکاح کا معاملہ اصل ہے اور اس میں بیع تابع ہے اس لئے گھر کے کسی کے حصے میں شفعہ کا حق نہیں ہوگا، اس کے لئے آگے کئی دلائل

يَنْعَقِدُ بِلَفْظِ النِّكَاحِ ١١ وَلَا يَفْسُدُ بِشَرْطِ النِّكَاحِ فِيهِ، وَلَا شُفْعَةَ فِي الْأَصْلِ فَكَذَا فِي التَّبَعِ، ١٢ وَلِأَنَّ الشُّفْعَةَ شُرِعَتْ فِي الْمُبَادَلَةِ الْمَالِيَّةِ الْمَقْصُودَةِ، حَتَّى أَنَّ الْمُضَارِبَ إِذَا بَاعَ دَارًا وَفِيهَا رِبْحٌ لَا يَسْتَحِقُّ رَبُّ الْمَالِ الشُّفْعَةَ فِي حِصَّةِ الرِّبْحِ لِكَوْنِهِ تَابِعًا فِيهِ

دے رہے ہیں۔اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ نکاح بھی اصل ہے اور بیع بھی اس میں اصل ہے اس لئے جتنے حصے میں مہر ہے اس میں شفعہ کا حق نہیں ہوگا، اور جتنے حصے میں بیع ہے اس حصے میں شفعہ کا حق ہوگا۔

ترجمہ :١٠ یہی وجہ ہے کہ لفظ سے یہاں بیع منعقد ہوئی ہے۔

تشریح : یہاں سے امام ابوحنیفہؒ کی جانب سے تین دلیلیں پیش کر رہے ہیں۔[١] قاعدہ یہ ہے کہ نکاح کے لفظ سے بیع منعقد نہیں ہوتی، یوں کہے کہ میں نے نکاح کیا اور اس سے بیع مراد لے تو بیع نہیں ہوگی۔ ہاں بیع کے لفظ سے نکاح منعقد ہوتا ہے، چنانچہ عورت یوں کہے کہ میں نے بضع بیچا اور اس سے نکاح مراد لے تو نکاح ہو جائے گا۔ یہاں نکاح بول کر بیع منعقد ہو رہی ہے، جس سے پتہ چلا کہ نکاح اصل ہے اور بیع بالکل تابع ہے، کیونکہ اگر بیع اصل ہوتی تو نکاح کے لفظ سے بیع منعقد ہی نہیں ہوتی۔

وجہ : بیع میں عورت کے تمام عضو بکتے ہیں، اور نکاح میں صرف بضع بکتا ہے، اس لئے کل بول کر جزء مراد لینا جائز ہے، لیکن جزء بول کر کل مراد لینا جائز نہیں اس لئے کہ وہ مسبب ہے۔

ترجمہ :١١ اور نکاح کی شرط لگانے سے یہاں بیع فاسد نہیں ہوگی، اور جب اصل نکاح میں شفعہ نہیں ہے، تو اس کے تابع میں بھی نہیں ہوگا۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کی جانب سے یہ دوسری دلیل ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ شرط فاسد لگانے سے بیع فاسد ہو جاتی ہے، یہاں نکاح کی شرط لگائی جا رہی ہے، پھر بھی بیع فاسد نہیں ہو رہی ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بیع اصل نہیں نکاح اصل ہے اور بیع اس کے تابع ہے اس لئے شفعہ کا حق نہیں ملے گا۔

ترجمہ :١٢ اور اس لئے کہ مقصود طور پر مبادلۃ المال بالمال ہو اس میں شفعہ مشروع ہے، یہی وجہ ہے کہ مضارب اگر گھر کو بیچے اور اس میں نفع کمائے تو مال والا نفع کے حصے میں بھی شفعہ کا حق دار نہیں ہے۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کی جانب سے یہ تیسری دلیل ہے، اور ذرا پیچیدہ ہے۔ رب المال [مال والے نے] مضاربت کرنے والے کو گھر خریدنے کے لئے مال دیا، مضارب نے ایک گھر خریدا۔ اس کو بیچ کر مثلا ایک ہزار درہم نفع کمایا، پھر اصل مال اور ایک ہزار نفع سے دوسرا گھر خریدا جو رب المال کے پڑوس میں تھا، اب یہاں قاعدہ یہ ہے کہ اس گھر میں جتنا مال رب المال کا ہے اس میں تو شفعہ کا حق نہیں ہوگا، کیونکہ یہ تو خود رب المال ہی کا مال ہے اس لئے اپنے ہی گھر میں شفعہ کا حق کیسے ملے گا۔ لیکن جتنا مال نفع کا ہے اس میں شفعہ کا حق ملنا چاہئے، کیونکہ یہ مال رب المال کا نہیں ہے۔ لیکن اس نفع والے حصے میں

(۴۹)قَالَ: أَوْ يُصَالِحُ عَلَيْهَا بِإِنْكَارٍ، فَإِنْ صَالَحَ عَلَيْهَا بِإِقْرَارٍ وَجَبَتْ الشُّفْعَةُ﴿ قَالَ - رَضِيَ

بھی رب المال کو شفعہ کا حق نہیں ملے گا، کیونکہ نفع والا حصہ مقصود طور پر نہیں خرید ا گیا ہے، مقصود طور پر تو صرف وہ حصہ خرید ا گیا ہے جو رب المال کا حصہ ہے، پس جس طرح یہاں جو مقصود طور پر نہیں خرید ا گیا اس میں شفعہ کا حق نہیں ہے، اسی طرح نکاح میں اصل مقصد نکاح ہے ، اور بیع اس کے تابع ہے اس لئے وہاں بھی تابع میں شفعہ کا حق نہیں ملے گا۔

لغت: مضارب: مال کسی اور کا ہو اور دوسرا آدمی کام کرے، اور نفع میں دونوں شریک ہو جائے اس کو مضارب کہتے ہیں۔

ترجمہ: (۴۹) یا صلح کرے گھر کے بدلے انکار کی صورت میں، اور اگر صلح کیا حق کا اقرار کرکے تو شفعہ واجب ہے۔

لغت: یصالح علیہا: گھر دیکر صلح کرے۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ دعوی کرنے والے کو گھر ہی دے دیا اور صلح کر لی ۔ یصالح عنھا: گھر کے لئے کوئی چیز دیکر صلح کی، اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ گھر پر کسی کا دعوی تھا، اس نے گھر کو رکھ لیا اور اس کے بدلے میں کوئی رقم دے دی اور صلح کر لی۔

تشریح: اس متن کے تحت میں چھ مسئلے آرہے ہیں۔

اصول: اور یہاں بھی اصول یہ ہے کہ اگر گھر کے بدلے میں مال آتا ہو تو شفعہ ملے گا، اور اگر گھر کے بدلے میں مال نہ آتا ہو تو شفعہ کا حق نہیں ملے گا۔

[۱] پہلا مسئلہ: **یصالح عنھا**: کی پہلی شکل گھر کے بارے میں جھگڑا تھا، مالک نے انکار کیا کہ یہ گھر مدعی کا نہیں ہے، پھر اس کے بدلے میں کچھ رقم دے کر صلح کر لی تو شفعہ نہیں ملے گا۔

وجہ: گھر کا مالک یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ گھر پہلے سے میرا ہے، اور ابھی بھی میرا ہی ہے، البتہ دار القضاء میں جا کر جھگڑا کرنا پڑے ، اور قسم کھانا پڑے اس سے بچنے کے لئے کچھ رقم مفت دے دی اور جان چھڑا لی۔ پس یہاں گھر دعوی کرنے والے کا نہیں ہے، اور اس کے بدلے میں رقم نہیں دی اس لئے مبادلۃ المال بالمال نہیں پایا گیا اس لئے شفعہ نہیں ملے گا۔

[۲] دوسرا مسئلہ۔ **یصالح عنھا**: کی دوسری شکل۔ مدعی نے دعوی کیا کہ یہ گھر میرا ہے، مالک چپ رہا، نہ یہ کہا کہ یہ گھر تمہارا ہے ، اور نہ یہ کہا کہ یہ گھر میرا ہے۔ بعد میں کچھ درہم دیکر صلح کر لی اور گھر اپنے پاس رکھ لیا، تو شفعہ کا حق نہیں ملے گا۔

وجہ: چپ رہنے کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ گھر مدعی کا ہے، اور رقم دیکر صلح کر لی اس صورت میں شفعہ ملے گا۔ لیکن دوسرا مطلب بھی نکل سکتا ہے جو زیادہ واضح ہے۔ کہ گھر کا مالک یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ گھر پہلے سے میرا ہے، اور ابھی بھی میرا ہی ہے، البتہ دار القضاء میں جا کر جھگڑا کرنا پڑے، اور قسم کھانا پڑے اس سے بچنے کے لئے کچھ رقم مفت دے دی اور جان چھڑا لی۔ پس یہاں گھر دعوی کرنے والے کا نہیں ہوا، اور اس کے بدلے میں رقم نہیں دی اس لئے مبادلۃ المال بالمال نہیں پایا گیا اس لئے شفعہ نہیں ملے گا۔

[۳] تیسرا مسئلہ۔ یصالح عنھا: کی تیسری شکل۔ مدعی نے دعوی کیا کہ یہ گھر میرا ہے، مالک نے اقرار کر لیا کہ ہاں یہ گھر تمہارا

اللّٰـهُ عَنـهُ-: هٰـكَذَا ذُكِرَ فِيْ أَكْثَرِ نُسَخِ الْمُخْتَصَرِ، وَالصَّحِيحُ أَوْ يُصَالِحُ عَنْهَا بِإِنْكَارٍ مَكَانَ قَوْلِهِ: أَوْ يُصَالِحُ عَلَيْهَا، ۲؎ لِأَنَّهُ إِذَا صَالَحَ عَنْهَا بِإِنْكَارٍ بَقِيَ الدَّارُ فِيْ يَدِهِ فَهُوَ يَزْعُمُ أَنَّهَا لَمْ تَزُلْ

ہی ہے پھر کچھ رقم دیکر یہ گھر اپنے پاس رکھ لیا تو اس صورت میں شفعہ کا حق ملے گا۔

وجــــه : اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اقرار کر لیا کہ یہ گھر مدعی کا ہے، تو یہ گھر مدعی کا ہو گیا، اب اسکو رقم دیکر گھر خریدا تو بیع پائی گئی اس لئے شفعہ کا حق ہوگا۔

[۴] چوتھا مسئلہ۔ **یصالح علیها**: کی پہلی شکل۔ مدعی نے دعوی کیا کہ مثلا یہ گائے میری ہے، زید نے انکار کیا، پھر اپنا گھر دیکر صلح کر لی تو اس گھر میں شفعہ کا حق ملے گا۔

وجه: زید نے گھر دیا اور اس کے بدلے میں گائے لی، اس لئے گھر کی بیع پائی گئی اس لئے شفعہ کا حق ملے گا۔

[۵] پانچواں مسئلہ۔ **یصالح علیها**: کی دوسری شکل۔ مدعی نے دعوی کیا کہ مثلا یہ گائے میری ہے، زید چپ رہا، پھر اپنا گھر دیکر صلح کر لی تو اس گھر میں شفعہ کا حق ملے گا۔

وجه: زید نے گھر دیا اور اس کے بدلے میں گائے لی، اس لئے گھر کی بیع پائی گئی اس لئے شفعہ کا حق ملے گا۔

[۶] چھٹا مسئلہ۔ **یصالح علیها**: کی تیسری شکل۔ مدعی نے دعوی کیا کہ مثلا یہ گائے میری ہے، زید نے اقرار کیا کہ ہاں یہ گائے تیری ہے، پھر اپنا گھر دیکر صلح کر لی تو اس گھر میں شفعہ کا حق ملے گا۔

وجه: زید نے گھر دیا اور اس کے بدلے میں گائے لی، اس لئے گھر کی بیع پائی گئی اس لئے شفعہ کا حق ملے گا۔

نوٹ: یہاں متن اور شرح میں چھ مسئلے ہیں، جس کا نکالنا پیچیدہ ہے اس لئے اب اس کو عبارت سے سمجھیں۔

ترجمه :۱؎ مصنفؒ نے فرمایا کہ قدوری کے اکثر نسخے میں اسی طرح یصالح علیھا، لکھا ہوا ہے، لیکن صحیح یصالح عنھا ہے۔

تشــريح :صاحب ھدایہ فرماتے ہیں کہ قدوری کے اکثر نسخوں میں یصالح علیھا، لکھا ہے ، اور وہ صحیح نہیں ہے، اس کی وجہ اوپر گزر چکی ہے کہ یصالح علیھا ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا، کہ کسی اور چیز، مثلا گائے کے بارے میں جھگڑا تھا اسکے بدلے میں گھر دے دیا اور صلح کر لی، تو اس صورت میں، انکار کی شکل، چپ رہنے کی شکل، اور اقرار کی شکل، تینوں شکلوں میں شفعہ کا حق ملتا ہے ، اسلئے انکار اور اقرار میں فرق نہیں ہوگا، اور یصالح عنھا کی صورت میں اقرار کی شکل میں شفعہ کا حق ملتا ہے، اور انکار اور چپ رہنے کی شکل میں شفعہ کا حق نہیں ملتا، اور متن میں اقرار اور انکار میں فرق کیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ یصالح عنھا، صحیح ہے

نوٹ :ہندوستان کے مروج نسخوں میں یصالح عنھا ہے، اس کی عبارت یہ ہے، او یصالح بانکار ، او سکوت ، فان صالح عنها باقرار وجبت فيه الشفعة۔ (قدوری، جلد۲، باب الشفعۃ)

ترجمه :۲؎ اس لئے کہ اگر گھر کے بارے میں انکار کے ساتھ صلح کی تو گھر اس کے قبضے میں باقی رہا، اور وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کی ملکیت گھر سے زائل نہیں ہوئی۔

عَنْ مِلْكِهِ، ۳؎ وَكَذَا إِذَا صَالَحَ عَنْهَا بِسُكُوتٍ؛ لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنَّهُ بَذَلَ الْمَالَ افْتِدَاءً لِيَمِينِهِ وَقَطْعًا لِشَغَبِ خَصْمِهِ، كَمَا إِذَا أَنْكَرَ صَرِيحًا، ۴؎ بِخِلَافِ مَا إِذَا صَالَحَ عَنْهَا بِإِقْرَارٍ؛ لِأَنَّهُ مُعْتَرِفٌ بِالْمِلْكِ لِلْمُدَّعِي، وَإِنَّمَا اسْتَفَادَهُ بِالصُّلْحِ فَكَانَ مُبَادَلَةً مَالِيَّةً. ۵؎ أَمَّا إِذَا صَالَحَ عَلَيْهَا بِإِقْرَارٍ أَوْ سُكُوتٍ أَوْ إِنْكَارٍ وَجَبَتْ الشُّفْعَةُ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ؛ لِأَنَّهُ أَخَذَهَا عِوَضًا عَنْ حَقِّهِ فِي

تشریح : یہ اوپر کی پہلی شکل [یصالح عنھا] کی دلیل ہے اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ گھر کے بارے میں دعوی تھا اس نے انکار کیا، پھر کچھ رقم دیکر صلح کر لی اور گھر رکھ لیا، تو گھر پہلے بھی اسی کا تھا اور اب بھی اسی کی رہی، اس کی بیع نہیں ہوئی، اور جو رقم دی وہ صرف جان چھڑانے کے لئے مفت دی ہے اس لئے شفعہ نہیں ملے گا۔

لغت : یزعم انھا لم تزل عن ملکہ: گھر کے مالک کا گمان ہے کہ یہ گھر پہلے بھی میرا تھا اور اب بھی میرا ہی ہے، اس کو رقم دیکر مدعی سے نہیں خریدا ہے۔ باقی رہا جو رقم دی وہ جان چھڑانے کے لئے مفت دی ہے۔

ترجمہ : ۳؎ ایسے ہی اگر چپ رہنے کے بعد گھر کے بارے میں صلح کی [تو شفعہ کا حق نہیں ہوگا] کیونکہ کیونکہ احتمال رکھتا ہے کہ قسم کھانے کے بدلے فدیہ دینے کے لئے، اور مدعی کے شور وشغب دور کرنے کے لئے مال خرچ کیا ہو، جیسا کہ جب صراحت کے ساتھ انکار کیا ہو تو شفعہ کا حق نہیں ملے گا۔

تشریح : [۲] یہ صالح عنھا کی دوسری صورت ہے۔ مدعی نے گھر پر دعوی کیا، گھر والا چپ رہا، بعد میں کچھ رقم دیکر صلح کر لی اور گھر رکھ لیا تو شفعہ کا حق نہیں ملے گا۔

وجہ : مالک یہ گمان کر رہا ہے کہ یہ گھر پہلے بھی میرا تھا اور ابھی بھی میرا ہے، اس گھر کی بیع نہیں ہوئی ہے، اس لئے شفعہ کا حق نہیں ملے گا۔ اور جو رقم دی وہ اس لئے کہ خواہ مخواہ قسم نہ کھانی پڑے، اور مدعی کا شور وشغب نہ سننا پڑے۔

لغت : افتداء لیمینہ: قسم نہ کھانی پڑے، اس کے لئے رقم کی فدیہ دی۔ قطعا لشغب خصمہ: شغب کا ترجمہ ہے شور وشغب، مدعی کے شور وشغب کو ختم کرنے کے لئے۔

ترجمہ : ۴؎ بخلاف اگر گھر کا اقرار کر لیا پھر رقم دیکر صلح کی [تو شفعہ کا حق ملے گا] کیونکہ مدعی کی ملک کا اعتراف کر رہا ہے، اور صلح کر کے گھر سے فائدہ اٹھا رہا ہے تو یہ مبادلۃ مالیہ ہوگئی۔

تشریح : اگر اقرار کر لیا کہ یہ گھر مدعی ہی کا ہے، پھر رقم دیکر صلح کی تو گویا کہ یہ گھر مدعی کا ہو گیا، اور اس کو درہم دیکر گھر خریدا اس لئے بیع ہوگئی اس لئے اس میں شفعہ کا حق ملے گا۔

ترجمہ : ۵؎ اگر گھر ہی دیکر صلح کی اقرار کے بعد، یا چپ رہنے کے بعد، یا انکار کے بعد تو تینوں صورتوں میں شفعہ واجب ہوگا، اس لئے کہ مدعی اپنے حق کے بدلے میں گھر لیا، مدعی کے گمان میں، جبکہ گھر کی جنس میں نہ ہو تو مدعی کے گمان کے مطابق

زَعْـمِهِ إِذَا لَمْ يَكُنْ مِنْ جِنْسِهِ فَيُعَامَلُ بِزَعْمِهِ،(۵۰) قَالَ: وَلَا شُفْعَةَ فِي هِبَةٍ لِ لِمَا ذَكَرْنَا، ۲ إِلَّا أَنْ تَكُونَ بِعِوَضٍ مَشْرُوطٍ لِأَنَّهُ بَيْعٌ انْتِهَاءً، وَلَا بُدَّ مِنَ الْقَبْضِ وَأَنْ لَا يَكُونَ الْمَوْهُوبُ وَلَا

معاملہ کیا جائے گا۔

تشریح :مثلا گائے کے بارے میں دعوی تھا، مالک نے گائے کے بدلے گھر دیکر صلح کی تو، چاہے انکار کیا ہو یا چپ رہا ہو، یا انکار کیا ہو تینوں صورتوں میں شفعہ کا حق ملے گا۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ گائے کے بدلے میں گھر دے دیا تو گھر کی بیع ہوگئی اس لئے اب شفعہ کا حق ہوگا، اس لئے کہ پہلے اصول گزر چکا ہے کہ گھر کی بیع ہوئی ہو تو شفعہ کا حق ملے گا۔

لغت : اذا لم یکن من جنسه:اگر مدعی کا دعوی گھر کی جنس سے نہ ہو تو۔اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ۔اگر مدعی کا دعوی گھر ہی پر تھا، اور مالک نے گھر دے دیا تو اس صورت میں گھر کی بیع نہیں سمجھی جائے گی، بلکہ وہ تفصیل ہوگی جو اوپر گزری، کہ اگر انکار کیا یا چپ رہا اور صلح کی تو شفعہ کا حق نہیں ملے گا، اور اگر اقرار کیا پھر گھر دیکر صلح کی تو شفعہ کا حق ملے۔

ترجمہ :(۵۰) اور ہبہ کی صورت میں شفعہ نہیں ہے۔

ترجمہ :۱ اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے ذکر کی۔

تشریح : ہبہ میں ایک ہی جانب سے مفت چیز دی جاتی ہے اس لئے بیع کی صورت نہیں ہے اس لئے اس میں شفعہ بھی نہیں ہوگا۔ پہلے یہی بات مصنف نے ذکر کی ہے۔

ترجمہ :۲ مگر یہ کہ ہبہ میں بدلہ شرط ہو اس لئے کہ انتہاء کے طور پر یہ بیع ہے، اور ضروری ہے کہ قبضہ کرے، اور یہ بھی ضروری ہے کہ ہبہ کی ہوئی چیز اور جو اس کا بدلہ ہے وہ شائع نہ ہو، اس لئے کہ یہ ابتداء کے اعتبار سے ہبہ ہے [اور انتہاء کے اعتبار سے بیع ہے] اس بات کو کتاب الہبہ میں ذکر کیا ہے۔

تشریح : اگر گھر ہبہ کیا لیکن یہ بھی شرط لگا دی کہ اس کے بدلے میں مثلا ایک ہزار درہم دے گا تو یہاں دو صورتیں ہوگئیں، ابتداء کے اعتبار سے ئی ہبہ ہے، اس لئے اس میں ہبہ کی تمام شرائط پائی جانی ضروری ہے، لیکن انتہاء کے اعتبار سے بیع ہے اس لئے اس میں شفعہ کا بھی حق ہوگا، کیونکہ ایک ہزار کی شرط کی وجہ سے یہ بیع ہوگئی۔

اب ہبہ میں مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہوتا ہے اس لئے چونکہ یہ ہبہ بھی ہے اس لئے مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہوگا، دوسری بات یہ ہے کہ ہبہ میں یہ شرط ہے کہ جو چیز ہبہ کر رہا ہو وہ تقسیم شدہ ہو، کسی اور کی شرکت میں نہ ہو ورنہ جسکو ہبہ کر رہا ہے اس کا قبضہ نہیں ہوگا اور ہبہ بھی درست نہیں ہوگا، اس لئے یہاں یہ ضروری ہے کہ جو چیز ہبہ کر رہا ہو وہ تقسیم شدہ ہو،، اسی طرح جو چیز ہبہ کے بدلے میں دے رہا ہے وہ بھی تقسیم شدہ ہو تا کہ تقسیم نہ کرنا پڑے۔

لغت: شائعا: جو چیز تقسیم شدہ نہ ہو اس کو شائع، کہتے ہیں۔

عِوَضُهُ شَائِعًا؛ لِأَنَّهُ هِبَةٌ ابْتِدَاءً وَقَدْ قَرَّرْنَاهُ فِي كِتَابِ الْهِبَةِ، ۳ بِخِلَافِ مَا إِذَا لَمْ يَكُنِ الْعِوَضُ مَشْرُوطًا فِي الْعَقْدِ؛ لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا هِبَةٌ مُطْلَقَةٌ، إِلَّا أَنَّهُ أُثِيبَ مِنْهَا فَامْتَنَعَ الرُّجُوعُ، (۵۱) قَالَ: وَمَنْ بَاعَ بِشَرْطِ الْخِيَارِ فَلَا شُفْعَةَ لِلشَّفِيعِ ۱؎ لِأَنَّهُ يَمْنَعُ زَوَالَ الْمِلْكِ عَنِ الْبَائِعِ (۵۲) فَإِنْ أُسْقِطَ الْخِيَارُ وَجَبَتِ الشُّفْعَةُ ۱؎ لِأَنَّهُ زَالَ الْمَانِعُ عَنِ الزَّوَالِ ۲؎ وَيُشْتَرَطُ الطَّلَبُ عِنْدَ

ترجمه: ۳؎ بخلاف جبکہ عقد میں بدلے کی شرط نہ ہو [تو شفعہ نہیں ہوگا] اس لئے کہ ہر ایک مطلق ہبہ ہے، یہ اور بات ہے کہ دونوں کی جانب سے بدلہ ہو گیا اس لئے ہبہ واپس لینا ناممکن ہو گیا۔

تشریح : مالک نے گھر ہبہ کیا، اور ہزار دینے کی شرط نہیں لگائی، لیکن جسکو ہبہ کیا تھا اس نے بغیر شرط کے بھی ایک ہزار درہم دے دیا تو یہاں بیع نہیں ہے بلکہ دونوں جانب سے ہبہ ہی ہے، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اب مالک گھر واپس لینا چاہے تو نہیں لے سکتا، کیونکہ ہبہ کے بدلے میں بدلہ دے دیا، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ ہبہ کے بدلے میں کچھ دے دے تو اس ہبہ کو واپس نہیں لے سکتا، اور اگر کچھ نہ دیا ہو تو مالک ہبہ دی ہوئی چیز واپس لے سکتا ہے۔

ترجمه: (۵۱) اگر کسی نے گھر خیار شرط لیکر بیچا تو شفیع کو شفعہ کا حق نہیں ملے گا۔

ترجمه: ۱؎ اس لئے کہ خیار شرط کی وجہ سے بائع کی ملکیت گھر سے زائل نہیں ہوئی۔

اصول: مبیع سے بائع کی ملکیت زائل ہو جائے تب شفعہ کا حق ملتا ہے تاکہ بیع کامل ہو جائے۔

تشریح : اصول یہ ہے کہ بائع نے خیار شرط لی ہو تو مبیع سے اس کی ملکیت زائل نہیں ہوتی ہے، اور جب تک بائع کی ملکیت زائل نہ ہو تو شفعہ کا حق نہیں ملے گا، یہاں مالک نے خیار شرط لی ہے اس لئے جب تک خیار شرط ختم نہیں ہوتی ملکیت زائل نہیں ہوگی، اس لئے شفعہ کا حق بھی نہیں ملے گا۔

ترجمه: (۵۲) اگر خیار شرط ساقط کر دی تو شفعہ واجب ہو جائے گا، اس لئے کہ بائع کی ملکیت زائل ہونے کی وجہ سے شفعہ نہ ملنے کا مانع زائل ہو گیا۔

تشریح : جب تک بائع کا خیار رہا تو گھر سے اس کی ملکیت زائل نہیں ہوئی، پس جب خیار ساقط کر دیا تو اسکی ملکیت زائل ہو گئی، اس لئے اب شفیع کو شفعہ کا حق ملے گا، اس لئے کہ شفعہ نہ ملنے کا جو مانع تھا وہ زائل ہو گیا۔

ترجمه: ۲؎ اور صحیح روایت یہ ہے کہ خیار کے ساقط ہوتے وقت شفعہ کا طلب کرنا شرط ہے۔ اس لئے کہ بیع ملک کے زائل ہوتے وقت شفعہ کا سبب بنی ہے۔

تشریح : شفیع بیع ہوتے وقت شفعہ کا مطالبہ کرے گا یا، جس وقت خیار ساقط کیا اس وقت شفعہ کا مطالبہ کرے گا، تو مصنف فرماتے ہیں کہ جس وقت بائع نے خیار ساقط کیا اس وقت شفیع کو شفعہ کا حق ملا اس لئے اس وقت شفعہ کا مطالبہ کرے گا، بیع

سُقُوطِ الْخِيَارِ فِي الصَّحِيحِ لِأَنَّ الْبَيْعَ يَصِيرُ سَبَبًا لِزَوَالِ الْمِلْكِ عِنْدَ ذَلِكَ. (٥٣) وَإِنْ اشْتَرَى بِشَرْطِ الْخِيَارِ وَجَبَ الشُّفْعَةُ ١ لِأَنَّهُ لا يَمْنَعُ زَوَالَ الْمِلْكِ عَنْ الْبَائِعِ بِالِاتِّفَاقِ، وَالشُّفْعَةُ تَبْتَنِي عَلَيْهِ عَلَى مَا مَرَّ، ٢ وَإِذَا أَخَذَهَا فِي الثُّلُثِ وَجَبَ الْبَيْعُ لِعَجْزِ الْمُشْتَرِي عَنْ الرَّدِّ، وَلَا خِيَارَ لِلشَّفِيعِ؛ لِأَنَّهُ يَثْبُتُ بِالشَّرْطِ، وَهُوَ لِلْمُشْتَرِي دُونَ الشَّفِيعِ، ٣ وَإِنْ بِيعَتْ دَارٌ إِلَى جَنْبِهَا وَالْخِيَارُ لِأَحَدِهِمَا فَلَهُ الْأَخْذُ بِالشُّفْعَةِ، أَمَّا لِلْبَائِعِ فَظَاهِرٌ لِبَقَاءِ مِلْكِهِ فِي الَّتِي يُشْفَعُ

کرتے وقت شفعہ کا مطالبہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اس وقت شفعہ کا حق نہیں ملا ہے۔

لغت :لان البیع یصیر سببا لزوال الملک عند ذالک :اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ: بیع ابھی شفعہ کا سبب نہیں بنی ہے، بلکہ جب خیار ساقط کیا اس وقت بیع شفعہ کا سبب بنی ہے اس لئے اس وقت شفعہ کا طلب کرنا لازم ہوگا۔

ترجمہ:(۵۳) اگر مشتری نے خیار شرط کے ساتھ خریدا ہے تو شفعہ واجب ہے۔

ترجمہ :١ اس لئے کہ بائع سے ملک کا زائل ہونا ممنوع نہیں ہے بالاتفاق، اور شفعہ ملنے کا دارومدار اسی ملک سے زائل ہونے پر ہے۔

تشریح :مشتری نے گھر خریدا اور خیار شرط لی، اور بائع نے خیار شرط نہیں لی، تو بائع کی ملکیت گھر سے زائل ہوگئی، اور قاعدہ گزر گیا کہ بائع کی ملکیت زائل ہو جائے تو شفعہ کا حق ملتا ہے۔

ترجمہ :٢ اگر شفیع نے تین دن کے اندر گھر لے لیا، تو مشتری کی بیع واجب ہوگئی، کیونکہ مشتری بیع رد کرنے سے عاجز ہو گیا، اور شفیع کو خیار شرط نہیں ہے، کیونکہ وہ شرط لگانے سے ثابت ہوتی ہے، اور یہ خیار مشتری کو ہے شفیع کو نہیں ہے۔

تشریح : مشتری کو خیار شرط تھا، اس درمیان شفیع نے گھر لے لیا تو بیع مکمل ہوگئی، اور اب مشتری کا خیار شرط ساقط ہو گیا، اب وہ خیار شرط کے ماتحت مبیع کو واپس نہیں کر سکتا۔

وجہ :اس کی وجہ یہ بیان کر رہے ہیں کہ جب شفیع نے گھر قبضے میں لے لیا تو مشتری کا جو خیار تھا وہ خود بخود ختم ہو گیا، کیونکہ شفیع کو خیار نہیں تھا، خیار تو اس وقت ملتا جب وہ لیتا، اس لئے گھر پر قبضہ کرتے ہی یہ اس کا ہو گیا، اس لئے اب مشتری کا خیار خود بخود ساقط ہو گیا، اب مشتری بھی گھر کو بائع کی طرف واپس کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا، کیونکہ اب اس کا خیار باقی نہیں رہا۔

لغت :فی الثلث: یہاں فی الثلث سے مراد، خیر کے تین دن ہیں۔

ترجمہ:٣ اور اگر اس گھر کے بغل میں گھر بکنے لگا اور خیار شرط بائع اور مشتری میں سے ایک کو ہے تو شفعہ کے ذریعہ اس کو لینے کا حق ہے، بائع کو اس لئے کہ جس گھر کے ذریعہ سے شفعہ کا دعوی کر رہا ہے اس میں اس کی ملکیت باقی ہے۔

تشریح :بائع جو گھر بیچ رہا تھا اس میں خیار شرط لے لی، اس لئے اس گھر میں اس کی ملکیت ابھی تین دن تک باقی ہے،

بِهَا، ؎ وَكَذَا إِذَا كَانَ لِلْمُشْتَرِي، وَفِيهِ اشْكَالٌ أَوْضَحْنَاهُ فِي الْبُيُوعِ فَلَا نُعِيدُهُ. وَإِذَا أَخَذَهَا كَانَ اجَازَةً مِنْهُ لِلْبَيْعِ، ۵؎ بِخِلَافِ مَا إِذَا اشْتَرَاهَا وَلَمْ يَرَهَا حَيْثُ لَا يَبْطُلُ خِيَارُهُ بِأَخْذِ مَا بِيعَ بِجَنْبِهَا بِالشُّفْعَةِ، لِأَنَّ خِيَارَ الرُّؤْيَةِ لَا يَبْطُلُ بِصَرِيحِ الْإِبْطَالِ فَكَيْفَ بِدَلَالَتِهِ، ٦؎ ثُمَّ إِذَا حَضَرَ

اب اسی کے پڑوس میں دوسرا گھر بکنے لگا تو چونکہ بائع کی ملکیت باقی ہے اس لئے بغل والے گھر میں اس کو شفعہ کا حق ملے گا۔

ترجمہ : ؎ اور اسی طرح مشتری کو شفعہ کا حق ملے گا، اور اس بارے میں اشکال ہے جسکی وضاحت کتاب البیوع میں کی ہے، دوبارہ اس کو بیان نہیں کروں گا، اور جب مشتری نے شفعہ والا گھر لے لیا تو مشتری کی جانب سے بیع کی اجازت ہوگئی۔

اصول : گھر پر بائع، یا مشتری کی ملکیت ہوگی تب ہی شفعہ کا حق ملے گا، اگر ملکیت نہیں ہے تو بغل والے گھر میں شفعہ کا حق نہیں ملے گا۔

تشریح : کتاب البیوع میں قاعدہ گزرا کہ بائع نے خیار شرط نہ لیا ہو تو گھر اس کی ملکیت سے نکل جائے گا، اور مشتری نے خیار لیا ہے تب بھی صاحبینؒ کے نزدیک مشتری کی ملکیت میں داخل ہو جائے گا، اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مشتری کی ملکیت میں داخل نہیں ہوگا ، کیونکہ اس نے خیار شرط لیا ہے۔

اس قاعدے کی وضاحت کے بعد، تفصیل یہ ہے کہ مشتری نے خیار لیا تو صاحبینؒ کے نزدیک گھر اس کی ملکیت میں داخل ہو گیا اس لئے وہ بغل والے گھر میں شفعہ کا دعوی کر سکتا ہے، اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر چہ مشتری کی ملکیت میں گھر داخل نہیں ہوا لیکن جیسے ہی شفعہ کا دعوی کرے گا تو یوں سمجھا جائے گا کہ خیار ختم کر دیا اور گھر کو ملکیت میں لے لیا، اور پھر بغل والے گھر میں شفعہ کا دعوی کر رہا ہے، اس لئے مشتری کو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بھی شفعہ کا دعوی کرنے کا حق ملے گا، اس کی پوری تفصیل کتاب البیوع میں ذکر کی ہے، اس لئے اب اس کو نہیں لوٹائیں گے۔

لغت : فیہ اشکال: مشتری نے خیار شرط لیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک گھر اس کی ملکیت میں داخل نہیں ہوا اس کے باوجود اس کو شفعہ کا حق کیسے ملا؟ یہ اشکال ہے۔ لیکن دبے زبان میں مصنف نے اس کا جواب یہ دے دیا کہ جب شفعہ کا دعوی کیا تو مشتری کا خیار خود بخود ختم ہو گیا، اور بیع مکمل ہوگئی اس لئے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بھی اب مشتری کو شفعہ کا حق مل جائے گا۔

ترجمہ : ۵؎ بخلاف اگر گھر کو خریدا ہے اور اس کو دیکھا نہیں ہے تو بغل میں جو گھر بک رہا ہے اس کو شفعہ کے ماتحت لینے کی وجہ سے پہلے گھر کا خیار رویت ختم نہیں ہوگا، اس لئے کہ صراحت کے ساتھ خیار رویت ساقط کرنے سے خیار رویت ساقط نہیں ہوتا تو دلالت سے کیسے ساقط ہوگا۔

اصول : اصول یہ ہے کہ مبیع کو دیکھا نہ ہو تو مشتری کو خیار رویت ملتا ہے، پھر جب تک مبیع کو دیکھ کر یہ نہ کہہ دے کہ میں اس مبیع سے راضی ہوں خیار رویت ختم نہیں ہوتا، اور بغیر دیکھے ہوئے یہ کہہ دے کہ میں خیار رویت ساقط کرتا ہوں تو اس سے خیار

شَفِيعُ الدَّارِ الْأُولَى لَهُ أَنْ يَأْخُذَهَا دُونَ الثَّانِيَةِ لِانْعِدَامِ مِلْكِهِ فِي الْأُولَى حِينَ بِيعَتْ الثَّانِيَةُ، (۵۴)قال: وَمَنْ ابْتَاعَ دَارًا شِرَاءً فَاسِدًا فَلَا شُفْعَةَ فِيهَا ؁ أَمَّا قَبْلَ الْقَبْضِ فَلِعَدَمِ زَوَالِ مِلْكِ الْبَائِعِ، وَبَعْدَ الْقَبْضِ لِاحْتِمَالِ الْفَسْخِ، وَحَقُّ الْفَسْخِ ثَابِتٌ بِالشَّرْعِ لِدَفْعِ الْفَسَادِ، وَفِي اثْبَاتِ

رویت ساقط نہیں ہوتا۔

تشریح :مشتری نے گھر خریدا، لیکن ابھی دیکھا نہیں تھا اس لئے اس کو اس میں خیار رویت تھا، اب اس کے بغل میں دوسرا گھر بکنے لگا، اور مشتری نے اس کو شفعہ کے ماتحت لے لیا تو پہلے گھر میں جو خیار رویت تھا شفعہ کے ماتحت گھر خریدنے سے اس کا خیار رویت ختم نہیں ہوگا، کیونکہ جب تک دیکھے نہیں خیار رویت ختم نہیں ہوتا، اس لئے یہاں شفعہ کے ماتحت گھر خریدنے سے خیار رویت ختم نہیں ہوگا۔

وجه :دیکھنے کے بعد خیار رویت ملے گا اس کے لئے یہ حدیث ہے۔عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ من اشتری شیئا لم یره فهو بالخیار اذا رآه. (دار قطنی، کتاب البیوع، ج ثالث، ص ۵، نمبر ۲۷۷۹ رسنن للبیھقی، باب من قال یجوز بیع العین الغائبۃ، ج خامس، ص ۴۴۰، نمبر ۱۰۴۲۶)اس حدیث میں خیار رویت کا اختیار ہے۔

ترجمه :۶؎ پھر اگر پہلے گھر شفیع حاضر ہوا تو اس کو یہ پہلا گھر لینے کا حق ہے، لیکن دوسرا گھر لینے کا حق نہیں ہے، اس لئے کہ جب دوسرا بک رہا تھا تو پہلے گھر میں اس کی ملکیت نہیں تھی۔

تشریح:اس نقشے کو دیکھ کر عبارت سمجھیں

شفیع کا گھر	پہلا گھر	دوسرا گھر

پہلے گھر کا شفیع آیا تو اس کو پہلا گھر لینے کا حق ہے، لیکن ابھی تک پہلا گھر نہیں لیا ہے کہ اس کے پڑوس میں دوسرا گھر بکنے لگا تو اب دوسرا گھر لینے کا اختیار نہیں ہوگا، کیونکہ جس وقت دوسرا گھر بک رہا ہے اس وقت شفیع پہلے گھر کا مالک نہیں ہے، اور یہ ضروری ہے کہ دوسرا گھر بکتے وقت شفیع پہلے گھر کا مالک ہو، اور اسی وقت شفعہ کا مطالبہ بھی کرے، یہاں جب دوسرا گھر بک رہا تھا تو شفیع پہلے گھر کا مالک ہی نہیں ہے اس لئے دوسرے گھر پر شفعہ کا مطالبہ بھی نہیں کر سکتا ہے، اور تاخیر ہونے پر اس کا شفعہ کا حق ہی ساقط ہو گیا، اس لئے دوسرا گھر نہیں لے سکتا۔

ترجمه : (۵۴) کسی نے شراء فاسد کے ماتحت گھر خریدا تو اس میں شفعہ نہیں ہے۔

ترجمه :۱؎ مشتری کے قبضے سے پہلے اس لئے نہیں ہے کہ بائع کی ملک زائل نہیں ہوئی، اور قبضے کے بعد اس لئے نہیں ہے کہ ابھی بھی بیع کے فسخ کرنے کا احتمال ہے، اور فساد ختم کرنے کے لئے فسخ کا حق شریعت سے ثابت ہے، اور شفعہ کا حق

حَقِّ الشُّفُعَةِ تَقْرِيرُ الْفَسَادِ فَلا يَجُوزُ، ۲ بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ الْخِيَارُ لِلْمُشْتَرِي فِي الْبَيْعِ الصَّحِيحِ؛ لِأَنَّهُ صَارَ أَخَصَّ بِهِ تَصَرُّفًا وَفِي الْبَيْعِ الْفَاسِدِ مَمْنُوعٌ عَنْهُ، (۵۵)قَالَ: فَإِنْ سَقَطَ حَقُّ الْفَسْخِ وَجَبَتْ الشُّفُعَةُ ا لِزَوَالِ الْمَانِعِ، ۲ وَإِنْ بِيعَتْ دَارٌ بِجَنْبِهَا وَهِيَ فِي يَدِ الْبَائِعِ بَعْدُ فَلَهُ الشُّفْعَةُ لِبَقَاءِ مِلْكِهِ، وَإِنْ سَلَّمَهَا إِلَى الْمُشْتَرِي فَهُوَ شَفِيعُهَا لِأَنَّ الْمِلْكَ لَهُ ۳ ثُمَّ إِنْ سَلَّمَ

ثابت کرنے میں فساد کواور مضبوط کرنا ہے،اس لئے شفعہ کا حق دینا جائز نہیں ہوگا۔

تشریح :زید نے شراء فاسد کے ماتحت گھر بیچا تو اس میں کسی کو شفعہ کا حق نہیں ہے۔

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ابھی تک مشتری نے گھر پر قبضہ نہیں کیا ہے تو ابھی تک بائع ہی کی ملکیت ہے،اور قاعدہ گزر چکا ہے کہ جب تک بائع کی ملکیت ختم نہ ہو شفعہ کا حق نہیں ملے گا۔

اور اگر مشتری نے قبضہ کر لیا ہے، تب بھی شفعہ کا حق نہیں دیا جائے گا، کیونکہ شریعت ابھی بھی کہتی ہے کہ اس بیع کو توڑ کر گھر بائع کی طرف واپس کرو تا کہ فساد باقی نہ رہے،اور شفعہ کا حق دیتے ہیں تو یہ فساد اور مضبوط ہوتا ہے،اس لئے شفعہ کا حق نہ دیا جائے

ترجمہ : ۲ بخلاف اگر صحیح بیع میں خیار شرط مشتری کے لئے ہو [تو شفعہ کا حق ملے گا] اس لئے کہ یہ خاص اس کا تصرف ہے،اور بیع فاسد میں تو بیع ہی سے منع کیا گیا ہے۔

تشریح :اگر مشتری کو خیار شرط ہو پھر بھی شفعہ کا حق اس لئے ملے گا کہ یہ اس کا ذاتی حق ہے،شریعت اس بارے میں منع نہیں کرتی ،اس لئے وہاں شفعہ کا حق ملے گا ،اور بیع فاسد میں شریعت ہی روکتی ہے کہ اس بیع کو مت کرو اس لئے یہاں شفعہ کا حق نہیں ملے گا تا کہ فساد مضبوط نہ ہو جائے۔

ترجمہ :(۵۵):اگر فسخ کا حق ساقط کر دیا تو اب شفعہ واجب ہو جائے گا۔

ترجمہ :ا اس لئے کہ مانع زائل ہو گیا۔

تشریح : بیع فاسد میں فسخ کا حق تھا لیکن مشتری نے گھر بیچ دیا جسکی وجہ سے اب بیع فسخ کرنے کا حق ختم ہو گیا تو اب اس میں شفعہ کا حق ملے گا۔

وجہ :شفعہ کا حق اس لئے نہیں مل رہا تھا کہ ابھی بھی اس کو فسخ کرنا چاہئے ،لیکن جب بیچ دینے کی وجہ سے فسخ کا حق ختم ہو گیا تو اب مانع نہیں رہا اس لئے اب شفعہ کا حق ملے گا۔

ترجمہ : ۲ بیع فاسد کے ساتھ بکے ہوئے گھر کے بغل میں دوسرا گھر بکنے لگا،اور بیع فاسد والا گھر بائع کے قبضے میں ہے تو بائع کو شفعہ کا حق ملے گا،اس لئے کہ اس کی ملکیت باقی ہے،اور اگر مشتری کو دے دیا تو اب مشتری اس کا شفیع ہے،اس لئے کہ اب اس کی ملکیت ہے۔

الْبَـائِـعُ قَبْـلَ الْـحُكْـمِ بِالشُّفْعَةِ لَهُ بَطَلَتْ شُفْعَتُهُ كَمَا إِذَا بَا عَ، ٤ بِـخِلَافِ مَا إِذَا سَلَّمَ بَعْدَهُ لِأَنَّ بَـقَـاءَ مِـلْـكِـهِ فِـي الـدَّارِ الَّتِـي يُشْـفَـعُ بِهَا بَعْدَ الْحُكْمِ بِالشُّفْعَةِ لَيْسَ بِشَرْطٍ فَبَقِيَتْ الْمَأْخُوذَةُ بِـالشُّـفْعَةِ عَلَى مِلْكِهِ، ٥ وَإِنْ اسْـتَـرَدَّهَـا الْبَـائِـعُ مِنَ الْمُشْتَرِي قَبْلَ الْحُكْمِ بِالشُّفْعَةِ لَهُ بَطَلَتْ لِانْـقِـطَـا عِ مِـلْـكِـهِ عَنْ الَّتِي يُشْفَعُ بِهَا قَبْلَ الْحُكْمِ بِالشُّفْعَةِ، وَإِنْ اسْتَرَدَّهَا بَعْدَ الْحُكْمِ بَقِيَتْ

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ گھر پر جس کی ملکیت ہے شفعہ کا حق اس کو ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ٣ پھر اگر بائع نے شفعہ سے فیصلے سے پہلے گھر مشتری کو دے دیا تو بائع کا شفعہ ختم ہو جائے گا، جیسے کہ بائع اس گھر کو بیچ دے۔

اصول: قاضی جس گھر کی وجہ سے شفعہ کا فیصلہ کر رہا ہے اس کے فیصلے تک اس گھر کی ملکیت شفیع کے لئے رہنا ضروری ہے، لیکن فیصلے کے بعد شفیع کی ملکیت میں اس گھر کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

تشریح: شفعہ کا فیصلہ ابھی تک نہیں ہوا تھا اس سے پہلے بائع نے اس گھر کو مشتری کے حوالے کر دیا تو اب چونکہ یہ گھر بائع کا نہیں رہا اس لئے قاضی اس بغل والے گھر کو بائع کے لئے فیصلہ نہیں کر سکتا، کیونکہ فیصلے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ گھر بائع کی ملکیت میں برقرار رہے۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ، اگر بائع نے یہ گھر دوسرے کے ہاتھ میں بیچ دیا تو اس کے بغل والے گھر کو شفعہ کے ماتحت نہیں لے سکتا، اسی طرح اس گھر کو مشتری کے حوالے کر دیا تب بھی، اب شفعہ کے ماتحت نہیں لے سکتا۔

ترجمہ: ٤ بخلاف اگر فیصلے کے بعد گھر مشتری کو سپرد کیا، اس لئے کہ جس گھر کے ذریعہ سے شفعہ کا دعوی کر رہا ہے فیصلے کے بعد اس کی ملکیت میں باقی رہنا شرط نہیں ہے۔

تشریح: قاضی نے بائع کے لئے گھر کا فیصلہ کر دیا اس کے بعد اس گھر کو مشتری کے حوالے کر دیا جس کی وجہ سے شفعہ کا دعوی کیا تھا تو اب یہ گھر بائع ہی کا رہے گا، کیونکہ فیصلے کے بعد اس گھر کا بائع کی ملکیت میں رہنا ضروری نہیں ہے، بس فیصلہ تک رہنا ضروری تھا۔

ترجمہ: ٥ اور اگر مشتری سے بائع نے گھر واپس لے لیا قاضی کے فیصلے سے پہلے، تو مشتری کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا اس لئے کہ جس گھر کے ذریعہ شفعہ کا دعوی کر رہا تھا اس کی ملکیت ختم ہو گئی۔ اور اگر قاضی کے فیصلے کے بعد بائع نے گھر واپس لیا تو دوسرا گھر مشتری کی ملکیت میں رہے گا، اس دلیل کی بناء پر جو ہم نے بیان کی۔

تشریح: بیع فاسد ہوئی تھی، اور مشتری نے گھر پر قبضہ کیا تھا، اس کی وجہ سے بغل والے گھر پر شفعہ کا دعوی کیا تھا، اب شفعہ

الثَّانِيَةُ عَلَى مِلْكِهِ لِمَا بَيَّنَّا. (۵٦)قَالَ: وَإِذَا اقْتَسَمَ الشُّرَكَاءُ الْعَقَارَ فَلَا شُفْعَةَ لِجَارِهِمْ بِالْقِسْمَةِ ۱ لِأَنَّ الْقِسْمَةَ فِيهَا مَعْنَى الْإِفْرَازِ وَلِهَذَا يَجْرِي فِيهَا الْجَبْرُ، وَالشُّفْعَةُ مَا شُرِعَتْ إِلَّا فِي الْمُبَادَلَةِ الْمُطْلَقَةِ، (۵۷)قَالَ: وَإِذَا اشْتَرَى دَارًا فَسَلَّمَ الشَّفِيعُ الشُّفْعَةَ ثُمَّ رَدَّهَا الْمُشْتَرِي بِخِيَارِ رُؤْيَةٍ أَوْ شَرْطٍ أَوْ بِعَيْبٍ بِقَضَاءِ قَاضٍ فَلَا شُفْعَةَ لِلشَّفِيعِ ۱ لِأَنَّهُ فَسْخٌ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ فَعَادَ إِلَى قَدِيمِ مِلْكِهِ وَالشُّفْعَةُ فِي انْشَاءِ الْعَقْدِ، وَلَا فَرْقَ فِي هَذَا بَيْنَ الْقَبْضِ وَعَدَمِهِ.

کے فیصلے سے پہلے بائع نے شریعت کے ماتحت مشتری سے گھر واپس لے لیا تو مشتری کے لئے بغل والا گھر شفعہ کے ماتحت نہیں ملے گا، کیونکہ فیصلہ کے وقت یہ گھر اس کی ملکیت میں نہیں رہا۔ اور اگر قاضی نے گھر کا فیصلہ کر دیا اس کے بعد بائع نے گھر واپس لیا تو بغل والا گھر مشتری ہی کا رہے گا، کیونکہ ابھی اوپر گزرا کہ فیصلے کے بعد اس گھر کا مشتری کی ملکیت میں رہنا ضروری نہیں ہے۔

ترجمہ: (۵٦) اور اگر شریک زمین کو تقسیم کر رہے ہیں تو تقسیم کرنے کی وجہ سے پڑوس کو شفعہ کا حق نہیں ہے۔

تشریح: ایک زمین میں کئی آدمی شریک تھے، اور اس زمین کو تقسیم کر رہے ہوں تو اس میں پڑوسی کو شفعہ کا حق نہیں ہے۔

وجہ: کیونکہ شفعہ کا حق اس وقت ملتا ہے جب بیع ہو رہی ہو اور رضا مندی سے مبادلۃ المال بالمال ہو رہا ہو، اور یہاں تو حصے کو جدا کرنا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر ایک شریک تقسیم نہ کرنا چاہے تو اس کو تقسیم پر مجبور کیا جا سکتا ہے کہ تقسیم کرو۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ تقسیم میں جدا کرنے کا معنی ہے، اسی لئے شریک کو تقسیم پر مجبور کیا جا سکتا ہے، اور شفعہ تو مطلقا مبادلۃ المال بالمال میں مشروع ہے۔

تشریح: یہاں سے تقسیم میں اور بیع میں دو فرق بیان کر رہے ہیں۔ ایک فرق یہ ہے کہ تقسیم میں جدا کرنے اور حصے کو الگ کرنے کا معنی ہے، جبکہ بیع میں مال کو مال سے بدلنے کا معنی ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ اگر شریک تقسیم کرنے پر راضی نہ ہو تو اس کو مجبور کیا جا سکتا ہے، جبکہ بیع میں بائع اور مشتری میں سے کوئی ایک بیع پر راضی نہ ہو تو اس کو بیع پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اس فرق کی وجہ سے تقسیم میں شفعہ کا حق نہیں ملے گا۔

لغت: فرز: زمین کو تقسیم کر کے الگ کرنا۔ یجری الجبر: جبر جاری ہوتا ہے، یعنی شریک کو مجبور کیا جا سکتا ہے کہ تقسیم کرو۔ مبادلۃ المطلقہ: مطلق مال کے بدلے میں مال ہو، تب شفعہ کا حق ہوگا۔

ترجمہ: (۵۷) اگر گھر خریدا، پس شفیع نے شفعہ چھوڑ دیا۔ پھر گھر کو مشتری نے خیار رویت یا خیار شرط یا خیار عیب کے ماتحت قضاء قاضی سے واپس کیا تو شفیع کو دوبارہ شفعہ نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ پورے ہی طور پر فسخ ہے، اس لئے بائع کی پورانی ملکیت کی طرف لوٹ گیا، اور شفعہ عقد کے شروع

(۵۸)وَإِنْ رَدَّهَا بِعَيْبٍ بِغَيْرِ قَضَاءٍ أَوْ تَقَايَلَا الْبَيْعَ فَلِلشَّفِيعِ الشُّفْعَةُ ۱؎ لِأَنَّهُ فَسْخٌ فِي حَقِّهِمَا لِوِلَايَتِهِمَا عَلَى أَنْفُسِهِمَا وَقَدْ قَصَدَا الْفَسْخَ وَهُوَ بَيْعٌ جَدِيدٌ فِي حَقِّ ثَالِثٍ لِوُجُودِ حَدِّ الْبَيْعِ

کرنے سے ہوتا ہے۔[اس لئے شفعہ نہیں ملے گا]

تشریح : مشتری نے گھر خریدا، اس وقت شفیع نے حق شفعہ چھوڑ دیا۔ مشتری نے قضاء قاضی کے ذریعہ خیار رویت، یا خیار شرط یا خیار عیب کے ماتحت گھر واپس کیا تو اس واپس کرنے کی وجہ سے دوسری مرتبہ شفیع کو حق شفعہ نہیں ملے گا۔

وجہ : قاضی نے جب مبیع واپس کرنے کا فیصلہ کیا تو پہلی بیع کو منسوخ کیا اور مبیع بائع کی پرانی ملکیت کی طرف لوٹ گئی۔ کوئی نئی بیع نہیں ہوئی۔ اس لئے شفیع کو دوبارہ حق شفعہ نہیں ملے گا۔ اگر نئی بیع ہوتی تو شفیع کو دوبارہ حق شفعہ ملتا۔

ترجمہ : ۲؎ اور کوئی فرق نہیں ہے کہ مشتری نے قبضہ کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

تشریح :مشتری نے قبضہ کیا ہو یا نہ کیا ہو، دونوں صورتوں میں جب قاضی کے ذریعہ اصل بیع فسخ ہوگئی تو اب گویا کہ بیع ہی نہیں ہوئی اس لئے شفیع کو شفعہ کا حق نہیں ملے گا۔

ترجمہ: (۵۸) اور اگر گھر کو واپس کیا بغیر قضاء قاضی کے یا بائع اور مشتری نے اقالہ کیا تو شفیع کے لئے دوبارہ حق شفعہ ہوگا

ترجمہ : ۱؎ اس لئے کہ بائع اور مشتری کے حق میں پہلی بیع کو فسخ کرنا ہے، اس لئے کہ دونوں کو اپنی ذات پر ولایت ہے، اور دونوں نے بیع فسخ کرنے کا ارادہ بھی کیا ہے، لیکن تیسرے کے حق میں جدید بیع ہے، اس لئے کہ بیع کی تعریف پائی گئی، اور وہ ہے رضامندی سے مال کو مال سے بدلنا، اور شفیع تیسرا آدمی ہے[اس لئے اس کے حق نئی بیع ہے اس لئے اس کو شفعہ کا حق ملے گا

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جب جب نئی بیع ہو تو شفیع کو حق شفعہ ملے گا۔ اور جب جب پہلی بیع کو فسخ کرنا ہو تو شفیع کو حق شفعہ نہیں ملے گا.

تشریح : خیار عیب ہے اور مبیع پر قبضہ کر چکا اور قاضی کے فیصلے کے بغیر بائع نے مبیع واپس لے لی، یا بائع اور مشتری نے اقالہ کر لیا، تو صورت یہ بنی کہ پہلی بیع تام ہوئی، اور دوبارہ ان دونوں کے درمیان بیع ہوئی، اور گویا کہ مشتری اس مرتبہ بائع بنا اور بائع مشتری بنا، اس لئے اگر شفیع نے پہلے گھر لینے سے انکار کیا تو اب دوبارہ شفعہ کا حق ملے گا، کیونکہ دوسری بیع ہوئی۔

وجہ :بغیر قاضی کے فیصلے کے مشتری نے بائع کی طرف گھر واپس کیا تو اگر چہ ان دونوں کے حق میں پہلی بیع کو توڑنا ہے۔ لیکن تیسرا آدمی دیکھ رہا ہے کہ مشتری کی جانب سے مبیع بائع کی طرف منتقل ہو رہی ہے۔ اور مبادلۃ المال بالمال بھی ہے اس لئے شفیع کے حق میں بیع جدید ہے اس لئے شفیع کو دوبارہ حق شفعہ ملے گا۔

لغت: تقایلا : اقالۃ سے مشتق ہے، رضامندی سے بیع کو واپس کرنا، اقالہ کرنا۔

ترجمہ : ۲؎ اس کی مراد ہے قبضہ کرنے کے بعد عیب کی وجہ سے بیع رد کی ہو، اس لئے کہ قبضہ کرنے سے پہلے تو اصل سے

وَهُوَ مُبَادَلَةُ الْمَالِ بِالْمَالِ بِالتَّرَاضِي، وَالشَّفِيعُ ثَالِثٌ، ٢ وَمُرَادُهُ الرَّدُّ بِالْعَيْبِ بَعْدَ الْقَبْضِ؛ لِأَنَّ قَبْلَهُ فَسْخٌ مِنَ الْأَصْلِ وَإِنْ كَانَ بِغَيْرِ قَضَاءٍ عَلَى مَا عُرِفَ؛ ٣ وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: وَلَا شُفْعَةَ فِي قِسْمَةٍ وَلَا خِيَارِ رُؤْيَةٍ، وَهُوَ بِكَسْرِ الرَّاءِ، وَمَعْنَاهُ: لَا شُفْعَةَ بِسَبَبِ الرَّدِّ بِخِيَارِ الرُّؤْيَةِ لِمَا بَيَّنَّاهُ، وَلَا تَصِحُّ الرِّوَايَةُ بِالْفَتْحِ عَطْفًا عَلَى الشُّفْعَةِ؛ لِأَنَّ الرِّوَايَةَ مَحْفُوظَةٌ فِي كِتَابِ الْقِسْمَةِ أَنَّهُ يَثْبُتُ فِي الْقِسْمَةِ خِيَارُ الرُّؤْيَةِ وَخِيَارُ الشَّرْطِ لِأَنَّهُمَا يَثْبُتَانِ لِخَلَلٍ فِي الرِّضَا فِيمَا يَتَعَلَّقُ لُزُومُهُ بِالرِّضَا، وَهَذَا الْمَعْنَى مَوْجُودٌ فِي الْقِسْمَةِ. وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ أَعْلَم

ہی بیع کو فسخ کرنا ہے، چاہے بغیر قاضی کے فیصلے کے ہی ہو۔

تشریح : اگر مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے عیب کے ماتحت مبیع واپس کردی تو چاہے قاضی کا فیصلہ نہ ہو تب بھی اصل سے ہی بیع ختم ہوجاتی ہے اس لئے شفعہ کا حق نہیں ملے گا، اس لئے یہاں جو تفصیل ہے کہ قاضی کے فیصلے کے بعد واپس کرے تو شفعہ ملے گا وہ اس صورت میں ہے جبکہ مبیع پر قبضہ ہو چکا ہو۔

ترجمہ : ٣ اور جامع صغیر عبارت یوں ہے۔ و لا شفعة فی قسمة و لا خیار رویة ۔(جامع صغیر، باب الشفعۃ، ص ٣٦٢)۔ اور خیار کی ,ر، پر کسرہ ہو اور معنی یہ ہوگا کہ خیار رویت کی بنا پر مبیع واپس کی ہو تو شفعہ نہیں ہے، اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کی۔ اور شفعہ پر عطف کرتے ہوئے ,ر، پر فتحہ کی روایت صحیح نہیں ہے اس لئے کہ مبسوط کے کتاب القسمۃ میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ تقسیم ہو تو اس میں بھی خیار رویت اور خیار شرط ملتی ہے ، اس لئے کہ وہ دونوں رضامندی میں خلل واقع ہونے سے ثابت ہوتی ہے، اور تقسیم میں یہ معنی موجود ہے [اس لئے وہاں بھی خیار رویت اور خیار شرط ملے گی]

تشریح : اس عبارت میں جامع صغیر کی ایک عبارت پر تبصرہ ہے۔ جامع صغیر کی عبارت یہ ہے۔ و لا شفعة فی قسمة و لا خیار رویة ۔ اب ,خیار رویۃ، کا عطف ,قسمۃ، پر کریں ,اور ,ر، پر فتحہ پڑھیں، تو مطلب یہ ہوگا کہ زمین تقسیم ہو تب بھی شفعہ نہیں ہے اور بیع میں خیار رویت کے ماتحت زمین واپس کی ہو تب بھی شفیع کو شفعہ کا حق نہیں ملے گا، کیونکہ خیار رویت ماتحت واپس کرنے سے گویا کہ اصل بیع ہی ختم ہوگئی، اس صورت میں ,خیار، کی ,ر، پر کسرہ پڑھا جائے گا۔ اور یہی عبارت صحیح ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ,خیار، کا عطف شفعہ پر کیا جائے، اور عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ زمین تقسیم کرے تو اس میں کسی شریک کو خیار رویت نہیں ملے گا۔ لیکن یہ عبارت صحیح نہیں ہے، کیونکہ مبسوط میں ہے کہ زمین تقسیم ہو تو اس میں شریک کو خیار رویت ملے گا، یعنی اگر شریک کے حصے میں جو چیز آئی ہے اگر اس کو دیکھا نہ ہو تو اس کو اختیار ہے کہ دیکھنے کے بعد نہ لے، اور قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کے لینے میں پوری رضامندی نہ ہو تو اس کو اختیار ملتا ہے، اور یہاں اپنے حصے کی چیز کو دیکھا نہیں ہے اس لئے اس کو لینے کی پوری رضامندی نہیں ہے اس لئے اس کو خیار رویت ملے گا، اس لئے خیار کا عطف شفعہ پر صحیح نہیں ہے۔

﴿بَابُ مَا تَبْطُلُ بِهِ الشُّفْعَةُ﴾

(۵۹) قَالَ: وَإِذَا تَرَكَ الشَّفِيعُ الْإِشْهَادَ حِينَ عَلِمَ بِالْبَيْعِ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَى ذَلِكَ بَطَلَتْ شُفْعَتُهُ لِ لِإِعْرَاضِهِ عَنِ الطَّلَبِ ۲ وَهَذَا لِأَنَّ الْإِعْرَاضَ انَّمَا يَتَحَقَّقُ حَالَةَ الِاخْتِيَارِ وَهِيَ عِنْدَ

﴿باب ما تبطل به الشفعة﴾

ترجمہ:(۵۹) اگر چھوڑ دیا شفیع نے گواہ بنانا جب بیع کا علم ہوا حالانکہ وہ گواہ بنانے پر قادر تھا تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا

ترجمہ:لے طلب سے اعراض کرنے کی وجہ سے۔

تشریح:شفیع کو معلوم ہوا کہ فلاں جائداد فروخت ہو رہی ہے اور اوہ اس وقت حق شفعہ کے طور پر لینے کے لئے گواہ بنانے پر قدرت رکھتا تھا۔ پھر بھی گواہ نہیں بنایا تو اس کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔

وجہ:(۱) وجہ دوسرے کی زمین اپنے لئے کرنا ہے اس لئے علم ہونے کے بعد ذرا سا بھی اعراض کرے گا تو حق شفعہ ساقط ہو جائے گا (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ الشفعة کحل العقال.** (ابن ماجہ شریف، باب طلب الشفعۃ ،ص ۳۵۸، نمبر ۲۵۰۰ رسنن للبیہقی ، باب روایۃ الفاظ منکرۃ یذ کرھا بعض الفقھاء فی مسائل الشفعۃ ، ج سادس ،ص ۱۷۸، نمبر ۱۱۵۸۹) اس حدیث میں شفعہ کا معاملہ ایسا ہے جیسے اونٹ کی رسی کو کھولنا یعنی اس کو جلدی سے طلب کرو ورنہ حق ساقط ہو جائے گا (۳) اس قول تابعی میں ہے۔ **عن الشعبی قال من بیعت شفعته وھو شاھد لا ینکرھا فقد ذھبت شفعته** (بخاری شریف، باب عرض الشفعۃ علی صاحبھا قبل البیع ،ص ۳۰۰، نمبر ۲۲۵۸ رمصنف عبدالرزاق، باب الشفیع یأذن قبل البیع وکم وقتھا ، ج ثامن ،ص ۶۶، نمبر ۱۴۴۸۳) اس قول تابعی میں ہے کہ بیع ہوتے دیکھ رہا ہو اور شفیع اس پر انکار نہ کرے تو حق شفعہ ختم ہو جائے گا۔ اس لئے بکنے کا علم ہوتے ہی اس کو اپنے لینے پر گواہ بنانا چاہئے۔ اگر اعراض کیا تو ساقط ہو جائے گا (۴) اس کی دلیل یہ قول تابعی ہے۔ **عن شریح قال انما الشفعة لمن واثبھا.** (مصنف عبدالرزاق، باب الشفیع یأذن قبل البیع وکم وقتھا؟ ، ج ثامن ،ص ۶۶، نمبر ۱۴۴۸۴) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ جلدی سے کود کر حق شفعہ کا دعوی کرے گا تو اس کو حق ملے گا اور اگر اعراض کیا تو یہ حق ساقط ہو جائے گا۔ (۵) اس قول تابعی میں ہے کہ دیر کرے گا حق ساقط ہو جائے گا ،**قال الثوری الشفعة للکبیر ، والصغیر و الاعرابی ، و الیھودی و النصرانی و المجوسی ، فاذا علم لثلاثة ایام فلم یطلبھا فلا شفعة له و اذا امکث ایاما ثم طلبھا، و قال لم اعلم ان له شفعة فھو متھم** ۔(مصنف عبدالرزاق، باب ھل للکافر شفعۃ وللاعرابی؟ ج ثامن ،ص ۶۷، نمبر ۱۴۴۹۱) اس قول تابعی میں ہے کہ دیر کرے گا تو حق ساقط ہو جائے گا۔

ترجمہ:۲ اور یہ اعراض متحقق ہوگا اختیار کی حالت میں، اور وہ قدرت کے وقت میں ہے۔

الْقُدْرَةِ. (٦٠) وَكَذٰلِكَ إِنْ أَشْهَدَ فِي الْمَجْلِسِ وَلَمْ يَشْهَدْ عَلَى أَحَدِ الْمُتَبَايِعَيْنِ وَلَا عِنْدَ الْعَقَارِ ﴿ وَقَدْ أَوْضَحْنَاهُ فِيمَا تَقَدَّمَ. (٦١) قَالَ: وَإِنْ صَالَحَ مِنْ شُفْعَتِهِ عَلَى عِوَضٍ بَطَلَتْ شُفْعَتُهُ وَرَدَّ الْعِوَضَ ﴿ لِأَنَّ حَقَّ الشُّفْعَةِ لَيْسَ بِحَقٍّ مُتَقَرِّرٍ فِي الْمَحِلِّ، بَلْ هُوَ مُجَرَّدُ حَقِّ التَّمَلُّكِ فَلَا

تشریح : آدمی کو اختیار ہو اس وقت اعراض کرے تب ہی اس اعراض کا اعتبار ہوگا، لیکن مجبور ہو اور اعراض کرے تو اس اعراض سے شفعہ کا حق ساقط نہیں ہوگا۔

ترجمہ :(٦٠) ایسے ہی اگر مجلس میں گواہ بنایا اور نہیں گواہ بنایا بائع اور مشتری میں سے کسی ایک پر اور نہ زمین کے پاس۔[تو شفعہ کا حق ساقط ہو جائے گا]

اصول : یہ گواہ بنانا اس لئے ہے تا کہ بائع، یا مشتری کو نقصان نہ اٹھانا پڑے، لاضرر ولا ضرار۔

تشریح : شفیع کو دو مقامات پر گواہ بنانا چاہئے تھا (۱) جس مجلس میں فروخت ہونے کا علم ہوا اس میں۔اور دوسری مرتبہ ان تمام جگہوں میں سے کسی ایک کے پاس، یا بائع کے پاس یا مشتری کے پاس یا کم از کم زمین کے پاس جا کر۔لیکن شفیع نے مجلس علم میں گواہ بنایا لیکن بائع یا مشتری یا زمین کے پاس گواہ نہیں بنایا تو دوسری مرتبہ چونکہ گواہ نہیں بنایا اس لئے اس کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔

وجہ : یہ گواہ بنانا اس لئے ہے تا کہ بائع اور مشتری کو بھی پتہ چل جائے کہ اس زمین کو شفیع لے رہا ہے تا کہ وہ مزید کوئی تصرف نہ کرے، اور ان کو بھی بھنک لگ جائے کہ یہ زمین کسی اور کے پاس جا رہی ہے، تا کہ اس کو مزید کوئی نقصان نہ اٹھانا پڑے۔

ترجمہ:(٦١) اگر صلح کر لی اپنے شفعہ سے کسی عوض کے بدلے تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا اور عوض لوٹا دیا جائے گا۔

اصول :شفعہ ایک معنوی حق ہے اس کے بدلے میں مال نہیں ہو سکتا۔

تشریح : یہ مسئلہ اصول پر ہے کہ شفعہ ایک معنوی حق ہے، کسی محل کی ملکیت نہیں ہوتی اس لئے اس کے بدلے میں مال پر صلح کرے، یا اس کو بیچے یہ تو اس کی قیمت نہیں ملے گی، اور اس میں شفعہ سے اعراض ہے اس لئے شفعہ کا حق بھی ساقط ہو جائے گا۔ مثلا زید کو حق شفعہ تھا لیکن زمین لینے کے بجائے حق شفعہ کے بدلے مشتری سے کچھ مال لے لیا تا کہ حق شفعہ چھوڑ دے تو اس عوض لینے کی وجہ سے حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔اور جس عوض پر صلح ہوئی تھی وہ بھی شفیع کو نہیں ملے گا۔

ترجمہ:﴿ اسلئے کہ شفعہ کا حق کسی محل مقرر نہیں ہے، بلکہ محض مالک بننے کا ایک حق ہے، اس لئے اس کا بدلہ لینا صحیح نہیں ہے

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔شفعہ کے حق کی وجہ سے گھر کا کوئی حصہ اس کی ملکیت نہیں ہوگئی ہے کہ اس کے بدلے میں کوئی قیمت وصول کرے، یہ صرف گھر پر مالک بننے کا ایک حق ہے جو معنوی ہے، اس لئے اس کے بدلے میں صلح کر کے کوئی بدلہ نہیں لے سکتا۔

ترجمہ :۲ جائز شرط متعلق کر کے شفعہ کو ساقط کرنا جائز نہیں ہے تو فاسد شرط لگا کر ساقط کرنا بدرجہ اولی جائز نہیں ہوگا۔اس

يَصِحُّ الِاعْتِيَاضُ عَنهُ، ٢ وَلَا يَتَعَلَّقُ اِسْقَاطُهُ بِالْجَائِزِ مِنَ الشَّرْطِ، فَبِالْفَاسِدِ أَوْلَى فَيَبْطُلُ الشَّرْطُ وَيَصِحُّ الْإِسْقَاطُ، ٣ وَكَذَا لَوْ بَاعَ شُفْعَتَهُ بِمَالٍ. لِمَا بَيَّنَّا، ٤ بِخِلَافِ الْقِصَاصِ؛ لِأَنَّهُ حَقٌّ مُتَقَرِّرٌ، وَبِخِلَافِ الطَّلَاقِ وَالْعِتَاقِ؛ لِأَنَّهُ اعْتِيَاضٌ عَنْ مِلْكٍ فِي الْمَحِلِّ، ٥ وَنَظِيرُهُ: إِذَا

لئے عوض لینے کی شرط ختم ہوجائے گی اور شفعہ ساقط ہوجائے گا۔

تشریح : یہ دوسری دلیل ہے۔اگر شفعہ ساقط کرے اور کوئی جائز شرط لگائے تب بھی شرط کا اعتبار نہیں ہے اور شفعہ ساقط ہوجائے گا، یہاں فاسد شرط لگائی ہے کہ مجھے شفعہ کے حق کے بدلے میں درہم دو اس لئے بدرجہ اولی عوض ساقط ہوجائے گا، اور شفعہ کا حق بھی ختم ہوجائے گا۔

ترجمہ:٣ ایسے ہی شفعہ کو مال کے بدلے میں بیچے [تو شفعہ ختم ہوجائے گا، اور مال بھی نہیں ملے گا۔اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کی۔

تشریح :اوپر یہ تھا کہ شفعہ کے بدلے میں صلح کرے، یہاں یہ ہے کہ شفعہ کے حق کو بیچے تو یہ بیچنا بھی جائز نہیں ہوگا، اور شفعہ کا حق بھی ختم ہوجائے گا، کیونکہ یہ کوئی محسوس مال نہیں ہے، بلکہ معنوی طور پر ایک حق ہے جسکی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔

لغت :لما بینا:لما بینا کا مطلب یہی ہے کہ یہ حق کوئی محسوس مال نہیں ہے کہ اس کو بیچ سکے، یہ تو ایک معنوی حق ہے، جسکی قیمت نہیں ہوتی۔

ترجمہ:٤ بخلاف قصاص کے، کیونکہ وہ قاتل کی جان کے اندر مقرر حق ہے، اور بخلاف طلاق اور آزاد کرنے کے اس لئے کہ محل کے اندر جو ملکیت ہے اس کا بدلہ ہے۔

تشریح : یہاں تین مثالیں دے رہے ہیں جن میں حق کے بدلے رقم لے سکتا ہے۔قصاص میں مقتول کا وارث قاتل کی جان کا مالک بن جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ قاضی کے ذریعہ اس کی جان کو قتل کرواسکتا ہے، اس لئے جان کے محل میں حق ہوگیا، یہ معنوی حق نہیں رہا اس لئے قصاص کے حق کے بدلے مال لینا چاہے تو لے سکتا ہے۔اسی کو حق متقرر کہا ہے۔

[٢] نکاح کے وقت شوہر بضع کا مالک بن جاتا ہے، اور اس محل میں شوہر کا حق ثابت ہوجاتا ہے، اس لئے طلاق دیتے وقت اس محل کا بدلہ لینا چاہے، اور خلع کرنا چاہے تو جائز ہوگا۔

[٣] مالک غلام کے پورے جسم کا مالک بن جاتا ہے اس لئے آزاد کرتے وقت اس کا بدلہ لینا چاہے تو لے سکتا ہے، کیونکہ یہ معنوی حق نہیں رہا۔

لغت :مجرد حق التملیک :حق تملیک اور حق متقرر: میں فرق یہ ہے کہ۔کسی محل میں کسی کا حق ہو تو اس کو حق متقرر کہتے ہیں، مثلا بیوی کے بضع پر شوہر کا حق ہوتا ہے، تو یہ حق متقرر فی محل ہے۔اور شفعہ کے ذریعہ صرف مالک بننے کا حق تو اسکو معنوی حق، اور مجرد حق التملیک، کہتے ہیں۔

قَالَ لِلْمُخَيَّرَةِ اخْتَارِينِي بِأَلْفٍ، أَوْ قَالَ الْعِنِّينُ لِامْرَأَتِهِ: اخْتَارِي تَرْكَ الْفَسْخِ بِأَلْفٍ فَاخْتَارَتْ سَقَطَ الْخِيَارُ وَلَا يَثْبُتُ الْعِوَضُ، ٦ وَالْكَفَالَةُ بِالنَّفْسِ فِي هَذَا بِمَنْزِلَةِ الشُّفْعَةِ فِي رِوَايَةٍ، وَفِي أُخْرَى: لَا تَبْطُلُ الْكَفَالَةُ وَلَا يَجِبُ الْمَالُ، ٧ وَقِيلَ: هَذِهِ رِوَايَةٌ فِي الشُّفْعَةِ، وَقِيلَ: هِيَ فِي

ترجمہ: ۵ اس کی مثال جیسے اختیار دی ہوئی عورت سے کہے کہ مجھکو ہزار کے بدلے میں اختیار کرلو، یا عنین نے اپنی بیوی سے کہا ہزار کے بدلے میں فسخ کرنے کو چھوڑ دو، اوراس نے فسخ کرنا چھوڑ دیا تو اختیار بھی ساقط ہوجائے گا اور بدلہ بھی ثابت نہیں ہوگا۔

لغت: مخیّرۃ: کسی عورت کو شوہر نے طلاق دینے کا اختیار دیا، اس کو مخیّرہ، کہتے ہیں۔ عنین: جس مرد کا عضو تناسل کمزور ہو تو اس کی بیوی کو نہ رہنے کا اختیار دیا جاتا ہے، لیکن یہ اختیار ایک معنوی حق ہے، کسی محل پر حق نہیں ہے، اس لئے اس کے بدلے میں کوئی بدلہ نہیں لے سکتی ۔

تشریح: یہاں دو مثالیں دی، جن میں یہ ہے کہ صرف معنوی حق ہے جسکا بدلہ نہیں لے سکتی۔
[۱] پہلی مثال یہ ہے۔ شوہر نے بیوی کو اختیار دیا کہ وہ اپنے آپ کو طلاق دیکر اختیار کرلے، جسکو مخیّرہ کہتے ہیں، پھر شوہر نے کہا کہ ایک ہزار لے لو اور طلاق کے اختیار کو ساقط کر دو، عورت ایک ہزار پر راضی ہوگئی، تو اختیار بھی ختم ہوجائے گا اور ایک ہزار بھی نہیں ملے گا، کیونکہ یہ جو اختیار ہے یہ معنوی حق ہے جسکے بدلے میں کوئی بدلہ نہیں لے سکتی۔[۲] دوسری مثال یہ ہے کہ عنین کی بیوی کو الگ ہونے کا اختیار ملا تھا۔ پھر عنین نے کہا کہ ایک ہزار لے لو اور الگ ہونے کا اختیار چھوڑ دو، عورت اس پر راضی ہوگئی، اختیار بھی ساقط ہوجائے گا، کیونکہ اس نے ساقط کر دیا، اور ایک مرتبہ ساقط ہونے کے بعد پھر اختیار واپس نہیں ملتا، اور ایک ہزار بھی نہیں ملے گا، کیونکہ یہ معنوی حق ہے جسکے بدلے میں کوئی قیمت نہیں ہوتی، ٹھیک اسی طرح شفعہ کا حق ایک معنوی حق ہے، اس کے بدلے میں رقم لے گا تو حق بھی ساقط ہوجائے گا اور رقم بھی نہیں ملے گی۔

ترجمہ: ٦ اور کفالہ بالنفس اس بارے میں [بدلہ لینے کے بارے میں] ایک روایت میں شفعہ کی طرح ہے [یعنی حق بھی ساقط اور بدلہ بھی ساقط] اور دوسری روایت میں کفالہ بالنفس باطل نہیں ہوگا، اور مال بھی واجب نہیں ہوگا۔

لغت: کسی آدمی کو قاضی کے سامنے حاضر ہونا ہو، دوسرے آدمی نے ذمہ داری لی کہ ابھی اس کو چھوڑ دو بعد میں میں اس کو قاضی کے سامنے حاضر کروں گا، تو اس کو کفالہ بالنفس، کہتے ہیں [یعنی نفس کو حاضر کرنے کا کفیل]

تشریح: کوئی آدمی کسی آدمی کو قاضی کے سامنے حاضر کرنے کا کفیل بنا، پھر جسکے لئے کفیل بنا تھا اس کو کہا کہ مجھے کفالت سے بری کر دو اور ایک ہزار درہم لے لو اس نے قبول کرلیا، تو ایک روایت میں ہے کہ یہ شفعہ کی طرح ہے، یعنی کفالت ختم ہوجائے گی اور رقم نہیں ملے گی، اور دوسری روایت یہ ہے کہ کفالت باقی رہے گی، البتہ رقم واجب نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ٧ بعض حضرات نے فرمایا کہ شفعہ کے بارے میں بھی ایک روایت یہ ہے کہ رقم نہیں ملے گی اور شفعہ کا حق باقی

الْـكَفَالَةِ خَاصَّةً، وَقَدْ عُرِفَ فِيْ مَوْضِعِهِ، (٦٢) قَالَ: وَإِذَا مَـاتَ الشَّفِيعُ بَطَلَتْ شُفْعَتُهُ ۱ وَقَالَ الشَّـافِعِيُّ: تُـورَثُ عَـنْـهُ. قَـالَ - رَضِـيَ الـلَّـهُ عَـنْـهُ -: مَعْنَاهُ إذَا مَاتَ بَعْدَ الْبَيْعِ قَبْلَ الْقَضَاءِ بِـالشُّـفْعَةِ، أَمَّا إذَا مَاتَ بَعْدَ قَضَاءِ الْقَاضِي قَبْلَ نَقْدِ الثَّمَنِ وَقَبْضَهُ فَالْبَيْعُ لَازِمٌ لِوَرَثَتِهِ، ۲ وَهَذَا

رہے گا۔اور بعض حضرات نے فرمایا کہ نہیں صرف کفالہ بالنفس کے بارے میں ہے کہ [کفالہ ختم نہیں ہوگا اور مال نہیں ملے گا] جیسا کہ اپنی جگہ پر پہچانا گیا ہے،یعنی مبسوط میں ہے۔

تشریح : یہاں سے شفعہ اور کفالہ بالنفس کے بارے میں دوسری روایت بیان کررہے ہیں۔فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے فرمایا کہ شفعہ کے بارے میں بھی ایک روایت ہے کہ کفالہ بالنفس کی طرح اگر شفعہ کے بدلے میں مال لیا تو مال واجب نہیں ہوگا ،لیکن شفعہ کا حق ختم نہیں ہوگا۔لیکن بعض حضرات نے فرمایا کہ نہیں شفعہ کے بارے میں یہ روایت نہیں ہے، بلکہ صرف کفالہ بالنفس کے بارے میں یہ روایت ہے کہ مال واجب نہیں ہوگا،لیکن کفالہ بھی ختم نہیں ہوگا۔

ترجمہ:(٦٢)جب مرجائے شفیع تو اس کا شفعہ باطل ہوجائے گا۔

اصول :یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ قاضی کے فیصلے تک اس گھر پر شفیع کی ملکیت باقی رہنا شرط ہے جس کے ذریعہ شفعہ کا دعوی کررہا ہے۔

تشریح :مجلس علم میں گواہ بنایا، پھر مشتری پر گواہ بنایا، پھر قاضی کے یہاں حق شفعہ کا دعوی کیا۔لیکن شفعہ کے فیصلے سے پہلے پہلے شفیع کا انتقال ہوگیا تو اس کا شفعہ باطل ہوجائے گا۔اب اس بنیاد پر شفیع کے ورثہ کو حق شفعہ کے دعوی کرنے کا حق نہیں ہوگا۔

وجہ :(۱)اس کی وجہ یہ ہے کہ قاضی کے فیصلے تک وہ گھر شفیع کی ملکیت میں ہونا ضروری ہے جس کی وجہ سے اس کو شفعہ کا حق ملا تھا،اور یہاں فیصلے سے پہلے شفیع کا انتقال ہوگیا اور گھر اس کے ہاتھ سے نکل گیا اور اب اس کے وارث کی ملکیت میں چلا گیا، اس لئے شفیع کو تو شفعہ نہیں ملے گا،اور اس کے وارث کو اس لئے نہیں ملے گا کہ شفعہ والا گھر بکتے وقت اس کے وارث کی ملکیت میں وہ گھر نہیں تھا جسکی وجہ سے شفعہ کا حق ملتا ہے۔(۲) یہ ایک قسم کا معنوی حق ہے۔اور معنوی حقوق ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوتے۔اس لئے حق شفعہ ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوگا۔(۳)اس قول تابعی میں ہے۔**قال الثوری سمعنا ان الشفعة لا تباع ولا توهب ولا تورث ولا تعار وهی لصاحبها الذی وقعت له.** (مصنف عبدالرزاق،باب ہل یوہب؟ و کیف ان بنی فیہا او باع بعضہا ؟، ج ثامن، ص ٦٦،نمبر ۱۴۴۸۵)اس قول تابعی میں ہے کہ حق شفعہ وراثت کے طور پر منتقل نہیں ہوتا۔بلکہ جس کے لئے حق شفعہ واقع ہوا ہو اسی کے لئے رہے گا۔اور اس کے انتقال کے بعد حق شفعہ ختم ہوجائے گا۔

ترجمہ:۱ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ وارث بنے گا۔

تشریح :امام شافعیؒ نے فرمایا کہ شفیع کا وارث شفعہ کا حقدار بنے گا

نَظِيرُ الاخْتِلافِ فِيْ خِيَارِ الشَّرْطِ، وَقَدْ مَرَّ فِي الْبُيُوعِ، ۳ وَلِأَنَّ بِالْمَوْتِ يَزُولُ مِلْكُهُ عَنْ دَارِهِ وَيَثْبُتُ الْمِلْكُ لِلْوَارِثِ بَعْدَ الْبَيْعِ، وَقِيَامُهُ وَقْتَ الْبَيْعِ وَبَقَاؤُهُ لِلشَّفِيعِ إِلَى وَقْتِ الْقَضَاءِ شَرْطٌ فَلا يَسْتَوْجِبُ الشُّفْعَةَ بِدُونِهِ. (۶۳) وَإِنْ مَاتَ الْمُشْتَرِي لَمْ تَبْطُلْ ١ لِأَنَّ الْمُسْتَحِقَّ

وجه :انکے یہاں جس طرح ملکیت کی وراثت ہوتی ہے اسی طرح حقوق کی بھی وراثت ہوتی ہے۔

ترجمہ:۲ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اس عبارت کا معنی یہ ہے کہ گھر بکنے کے بعد اور قاضی کے شفعہ کے فیصلے سے پہلے شفیع مرا ہو تو یہ بات ہے، اور اگر قاضی کے فیصلے کے بعد اور قیمت دینے، یا گھر پر قبضہ کرنے سے پہلے مرا ہو تو ورثہ کے لئے بیع لازم ہو جائے گی۔

تشریح :صاحب ہدایہ فرماتے کہ متن میں جو ہے کہ شفیع مرا ہو تو اسکا مطلب یہ ہے کہ شفیع گھر بکنے کے بعد، اور شفعہ کا دعوی کرنیکے بعد اور گھر کے فیصلے سے پہلے، مرا ہو تو یہ گھر وارث کو شفعہ کے طور پر نہیں ملے گا۔لیکن قاضی کا فیصلہ ہو چکا ہو لیکن ابھی تک گھر پر شفیع کا قبضہ نہ ہوا ہو، یا گھر قیمت ادا نہ کیا ہو اور شفیع کا انتقال ہوا تو یہ گھر وارث کو ملے گا، کیونکہ یہ گھر شفیع کا ہو چکا ہے

ترجمہ:۲ یہ اس کی مثال ہے خیار شرط میں، اور یہ بحث کتاب البیوع میں گزر گئی ہے۔

تشریح :کتاب البیوع میں یہ بحث گزر چکی ہے کہ امام شافعیؒ کے یہاں خیار شرط میں بھی وراثت ہوتی ہے، اور امام ابو حنیفہؒ کے یہاں خیار شرط میں وراثت نہیں ہوتی، اسی طرح کا اختلاف، شفعہ کے بارے میں بھی ہے کہ امام شافعیؒ کے یہاں وراثت ہوگی، اور امام ابو حنیفہؒ کے یہاں وراثت نہیں ہوگی۔

ترجمہ:۳ اور اس لئے کہ موت سے شفیع کی ملکیت گھر سے ختم ہو جاتی ہے [اس لئے اس کو شفعہ نہیں ملے گا] اور وارث کی ملکیت بیع کے بعد ثابت ہوتی ہے، حالانکہ بیع کے بعد سے لیکر فیصلے تک شفیع کے لئے ملکیت باقی رہنا شرط ہے، اس لئے شفعہ اس کے بغیر نہیں ہوگا۔

اصول :یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ بیع کے وقت سے لیکر قاضی کے فیصلے تک اس گھر پر ملکیت باقی رہے جس کی وجہ سے شفعہ کا دعوی کر رہا تک شفعہ ملے گا، اگر بیع کے وقت ملکیت نہیں تھی، یا فیصلے وقت ملکیت نہیں رہی تو گھر نہیں ملے گا۔

تشریح :یہ دلیل عقلی ہے۔ بیع کے بعد فیصلے سے پہلے شفیع کا انتقال ہو گیا تو فیصلے کے وقت شفیع کی ملکیت نہیں رہی اس لئے قاضی اس کا فیصلہ نہیں کر سکتا، اور وارث کو اس لئے نہیں ملے گا کہ بیع کے وقت گھر پر اس کی ملکیت نہیں رہی، اس لئے اس کو بھی نہیں ملے گا۔

ترجمہ:(۶۳) اگر مشتری مر جائے تو شفعہ ساقط نہیں ہوگا۔

ترجمہ:۱ اس لئے کہ حق لینے والا شفیع باقی ہے، اس کے حق کا سبب ابھی بدلہ نہیں ہے۔

بَاقٍ وَلَمْ يَتَغَيَّرْ سَبَبُ حَقِّهِ، ٢ وَلَا يُبَاعُ فِي دَيْنِ الْمُشْتَرِي وَوَصِيَّتِهِ، ٣ وَلَوْ بَاعَهُ الْقَاضِي أَوْ الْوَصِيُّ أَوْ أَوْصَى الْمُشْتَرِي فِيهَا بِوَصِيَّةٍ فَلِلشَّفِيعِ أَنْ يُبْطِلَهُ وَيَأْخُذَ الدَّارَ لِتَقَدُّمِ حَقِّهِ وَلِهَذَا يُنْقَضُ تَصَرُّفُهُ فِي حَيَاتِهِ، (٦٤) قَالَ: وَإِذَا بَاعَ الشَّفِيعُ مَا يُشْفَعُ بِهِ قَبْلَ أَنْ يُقْضَى لَهُ بِالشُّفْعَةِ بَطَلَتْ شُفْعَتُهُ ا لِزَوَالِ سَبَبِ الِاسْتِحْقَاقِ قَبْلَ التَّمَلُّكِ وَهُوَ الِاتِّصَالُ بِمِلْكِهِ؛ ٢ وَلِهَذَا

تشریح: یہاں شفیع باقی ہے، اور گھر لینے کا سبب ہے بکے ہوئے گھر کے پڑوس میں شفیع کا گھر ہو وہ بھی موجود ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے اس لئے کہ مشتری کے مرنے کے باوجود شفیع کو شفعہ کا حق ملے گا۔

ترجمہ: ٢ مشتری کے قرض میں اور اس کی وصیت میں نہیں بیچا جائے گا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ شفیع کا حق مشتری سے مقدم ہے۔

تشریح: یہ گھر اگر چہ مشتری کا ہو چکا ہے، لیکن شفیع کا حق مقدم ہے اس لئے مشتری کے قرض میں نہیں بیچا جائے گا، اور نہ اس کی وصیت میں دیا جائے گا، ہاں مشتری نے جو درہم دیا تھا، شفیع جب وہ درہم واپس کرے گا تو اس درہم سے مشتری کا قرض ادا کیا جائے گا، یا اس کی وصیت ادا کی جائے گی۔

ترجمہ: ٣ اور اگر قاضی نے گھر کو بیچ دیا یا وصی نے بیچ دیا، یا مشتری نے اس کے بارے میں کوئی وصیت کی تھی تو شفیع کو حق ہے کہ ان سب تصرفات کو ختم کر دے، اور شفیع گھر لے لے۔ اس کے حق کے مقدم ہونے کی وجہ سے۔ یہی وجہ ہے کہ خود مشتری کی زندگی میں اس کے تمام تصرفات کو توڑ دے گا۔

تشریح: اگر قاضی نے یا وصی نے اس گھر کو بیچ دیا، یا مشتری نے اس کے بارے میں کوئی وصیت کی تو چونکہ شفیع کا حق مقدم ہے اس لئے یہ سارے تصرفات ختم کر دئے جائیں گے اور گھر شفیع کو دے دیا جائے گا،

وجہ: اگر مشتری زندہ ہوتا اور یہ تصرفات کرتا تو بھی شفیع ان کو توڑ دیتا اور گھر لے لیتا، اس لئے شفیع کے مرنے کے بعد بھی وہ یہ تصرفات توڑ دیگا اور گھر لے لیگا۔

ترجمہ: (٦٤) اگر شفیع بیچ دے اس زمین کو جس کے ذریعہ اس کو حق شفعہ تھا اس کے لئے شفعہ کے فیصلے سے پہلے تو اس کا شفعہ باطل ہو جائیگا۔

ترجمہ: ا گھر کا مالک بننے سے پہلے شفعہ کے مستحق ہونے کے سبب کے زائل ہونے کی وجہ سے، اور وہ اپنی ملکیت کے ساتھ متصل ہونا۔

اصول: فیصلہ ہونے تک حق شفعہ کا سبب بحال رہنا ضروری ہے۔

تشریح: جس زمین کی وجہ سے شفیع کو حق شفعہ ملا تھا شفعہ کے فیصلے سے پہلے وہ زمین بیچ دی تو اسکا حق شفعہ باطل ہو جائے گا

يَزُولُ بِهِ وَإِنْ لَمْ يَعْلَمْ بِشِرَاءِ الْمَشْفُوعَةِ، كَمَا إِذَا سَلَّمَ صَرِيحًا أَوْ إِبْرَاءً عَنِ الدَّيْنِ وَهُوَ لَا يَعْلَمُ بِهِ، وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا بَاعَ الشَّفِيعُ دَارَهُ بِشَرْطِ الْخِيَارِ لَهُ؛ لِأَنَّهُ يَمْنَعُ الزَّوَالَ فَبَقِيَ الِاتِّصَالُ. (٦٥)قَالَ: وَوَكِيلُ الْبَائِعِ إِذَا بَاعَ وَهُوَ الشَّفِيعُ فَلَا شُفْعَةَ لَهُ، وَوَكِيلُ الْمُشْتَرِي إِذَا

وجہ: جس زمین کی بنا پر حق شفعہ ملا تھا وہ زمین ہی شفیع کے پاس نہیں رہی تو حق شفعہ کا فیصلہ کیسے ہوگا؟ کیونکہ فیصلہ ہونے تک زمین شفیع کے پاس رہنی چاہئے تب قاضی حق شفعہ کا فیصلہ کر سکے گا۔

ترجمہ: ۲ے اسی لئے زائل ہو جائے گا گھر بیچنے کی وجہ سے اگر چہ جسکو شفعہ پر لینا ہے اس کے بکنے کا علم نہ ہوا ہو، جیسے کہ صراحت سے شفعہ چھوڑ دیا ہو۔

اصول: لاعلمی میں بھی شفعہ کا حق ختم ہو گیا تو وہ ختم ہو جائے گا۔

تشریح: یہاں بارت پیچیدہ ہے۔ جس گھر کی وجہ سے شفیع کو شفعہ کا حق ملتا تھا وہ گھر بیچ دیا اور اس کو اس کا پتہ نہیں تھا کہ پڑوس کا گھر بک رہا ہے، اپنا گھر بیچنے کے بعد پتہ چلا اس لاعلمی کے باوجود اس کا شفعہ کا حق ختم ہو جائے گا۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ، مثلا زید کا بکر پر ایک ہزار درہم قرض تھا لیکن اس کو اس کا علم نہیں تھا، زید نے بکر کو بری قرار دے دیا تب بھی لاعلمی کی وجہ سے بکر بری ہو جائے گا، اسی طرح شفعہ کا علم نہ ہو تب بھی شفعہ کا حق ختم ہو جاتا ہے۔

لغت: یزول بہ: اس میں بہ سے مراد ہے کہ شفیع نے اپنا گھر بیچ دیا۔ شراء المشفوعة: یہاں شراء سے مراد پڑوس کے اس گھر کا بکنا ہے جس کو شفعہ کے ماتحت لینا چاہتا ہے۔

ترجمہ: ۳ے یہ بخلاف اگر شفیع نے خیار شرط کے ساتھ اپنا گھر بیچا [تو شفعہ ملے گا] اس لئے کہ خیار شرط ملک زائل ہونے سے روکتا ہے تو گویا کہ اتصال باقی ہے۔

تشریح: یہ ایک دوسرا جزئیہ ہے۔ شفیع نے اپنا گھر بیچا اور اس میں خیار شرط لے لیا، تو گویا کہ گھر ابھی بھی اسی کی ملکیت میں ہے، اب پتہ چلا کہ پڑوس کا گھر بک رہا ہے تو اس کو شفعہ کا حق ملے گا، کیونکہ جس گھر کی وجہ سے شفعہ کا حق ملتا ہے وہ گھر ابھی بھی اسی کی ملکیت میں ہے۔

ترجمہ: (۶۵) بائع کا وکیل اگر بیچے اور وہی شفیع ہو تو اس کے لئے شفعہ نہیں ہے۔

تشریح: مثلا زید نے عمر کو اپنا گھر بیچنے کا وکیل بنایا اور عمر پڑوسی ہونے کی وجہ سے اس گھر کا شفیع تھا۔ اب عمر نے گھر بیچا تو عمر کو اس گھر کا حق شفعہ نہیں ہوگا۔

وجہ: (۱) وکیل بیچنے کا خود ذمہ دار ہوتا ہے۔ جب اس نے بیچا اور بیچتے وقت خود خریدنے کا اظہار نہیں کیا تو گویا کہ اس نے لینے سے اعراض کیا اور طلب مواثبت نہیں کی اس لئے اس کو حق شفعہ نہیں ملے گا (۲) قول تابعی گزر چکا ہے۔ وقال الشعبی من بیعت شفعته وهو شاهد لا يغيرها فلا شفعة له. (بخاری شریف، نمبر ۲۲۵۸) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ

ابْتَاعَ فَلَهُ الشُّفْعَةُ ۱؎ وَالْأَصْلُ أَنَّ مَنْ بَاعَ أَوْ بِيعَ لَا شُفْعَةَ لَهُ، وَمَنْ اشْتَرَى أَوْ ابْتِيعَ لَهُ فَلَهُ الشُّفْعَةُ، لِأَنَّ الْأَوَّلَ بِأَخْذِ الْمَشْفُوعَةِ يَسْعَى فِي نَقْضِ مَا تَمَّ مِنْ جِهَتِهِ وَهُوَ الْبَيْعُ، وَالْمُشْتَرِي لَا يُنْقَضُ شِرَاؤُهُ بِالْأَخْذِ بِالشُّفْعَةِ؛ لِأَنَّهُ مِثْلُ الشِّرَاءِ. ۲؎ وَكَذَلِكَ لَوْ ضَمِنَ الدَّرْكَ عَنْ

فروخت ہوتے دیکھ رہا ہو اور کوئی حرکت نہیں کرتا ہو تو اس کو حق شفعہ نہیں ملے گا۔

ترجمہ: ۱؎ اصل قاعدہ یہ ہے کہ کسی نے بیچا ہو یا اس کے لئے بیچا ہو تو اس کو شفعہ نہیں ملے گا، اور اگر خریدا ہو یا اس کے لئے خریدا ہو تو اس کو شفعہ ملے گا، اس لئے کہ پہلا آدمی شفعہ کی چیز کو لیکر جس چیز کو پورا کیا ہے اسی کو توڑنے کی کوشش کر رہا ہے اور وہ ہے بیع۔

لغت : یہاں خریدنے اور بیچنے کی چار صورتیں ہیں، اس کی تفصیل یہ ہے۔[۱] من باع: کسی نے بیچی ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وکیل نے بائع کی چیز بیچی ہو، اور بائع کا گھر پڑوس میں ہو تو بائع کو شفعہ کا حق نہیں ملے گا۔[۲] بیع لہ: جسکے لئے بیچی ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مضارب نے گھر بیچا اور رب المال کا مکان پڑوس میں تھا تو اس رب المال کو شفعہ کا حق نہیں ملے گا، کیونکہ اسی کے لئے گھر بیچا ہے۔[۳] من اشتری: کسی نے خریدا ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وکیل نے مشتری کے لئے گھر خریدا، اور مشتری کا گھر پڑوس میں ہو تو مشتری کو شفعہ کا حق ملے گا، کیونکہ یہ تو اس گھر کو لینا ہی چاہتا ہے۔[۴] ابتیع لہ: کسی کے لئے گھر خریدا ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مضارب نے گھر خریدا اور مشتری کا گھر اس کے پڑوس میں ہے تو اس کو شفعہ کا حق ملے گا، کیونکہ یہ تو اس گھر کو لینا ہی چاہتا ہے۔

تشریح :اصل قاعدہ یہ ہے کہ جس نے بیچا ہو۔ یا جسکے لئے بیچا ہو اس کو شفعہ کا حق نہیں ہے

وجہ : کیونکہ اس کا کام تو اپنی ملکیت سے نکالنا ہے تو شفعہ کے ذریعہ واپس کیسے دیا جائے گا، اس صورت میں بیع کو توڑنے کی کوشش ہوگی، اور وکیل اس کے لئے بیچے یا مضارب اس کے لئے بیچے دونوں صورتوں میں بیچنا ہے۔ اس لئے بیچنے کی صورت میں شفعہ کا حق نہیں ہوگا۔

اور وکیل اس کے لئے خریدے، یا مضارب اس کے لئے خریدے، دونوں صورتوں میں اپنی ملکیت میں لینا ہے، اس لئے اس کو شفعہ کا حق ہوگا۔

لغت :یسعی فی نقض ما تم من جھتہ: یہ ایک محاورہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ خود کیا پھر اسی کو توڑنے کی کوشش کرے تو اس کو اس توڑنے کا حق نہیں ملے گا۔

ترجمہ: ۲؎ اور ایسے ہی اگر شفیع ضامن بن جائے عوارض کا بائع کی طرف سے، تو اس کو شفعہ نہیں ملے گا۔

تشریح :بائع نے زمین بیچی اور جو شفیع بننے والا تھا اس نے مشتری سے کہا کہ اگر اس زمین میں کسی کا حق وغیرہ نکلا تو میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ اس زمین میں کسی کا حق نہیں ہے آپ بے فکر ہو کر خرید لیجئے تو اب اس شفیع کو حق شفعہ نہیں ملے گا۔

الْبَائِعِ وَهُوَ الشَّفِيعُ فَلا شُفْعَةَ لَهُ ٣ وَكَذَلِكَ إِذَا بَاعَ وَشَرَطَ الْخِيَارَ لِغَيْرِهِ فَأَمْضَى الْمَشْرُوطُ لَهُ الْخِيَارُ الْبَيْعَ وَهُوَ الشَّفِيعُ فَلا شُفْعَةَ لَهُ، لِأَنَّ الْبَيْعَ تَمَّ بِإِمْضَائِهِ، ٤ بِخِلَافِ جَانِبِ الْمَشْرُوطِ لَهُ الْخِيَارُ مِنْ جَانِبِ الْمُشْتَرِي. (٦٦)قَالَ: وَإِذَا بَلَغَ الشَّفِيعَ أَنَّهَا بِيعَتْ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ فَسَلَّمَ ثُمَّ عَلِمَ أَنَّهَا بِيعَتْ بِأَقَلَّ أَوْ بِحِنْطَةٍ أَوْ شَعِيرٍ قِيمَتُهَا أَلْفٌ أَوْ أَكْثَرُ فَتَسْلِيمُهُ بَاطِلٌ وَلَهُ الشُّفْعَةُ ١ لِأَنَّهُ انَّمَا سَلَّمَ لِاسْتِكْثَارِ الثَّمَنِ فِي الْأَوَّلِ وَلِتَعَذُّرِ الْجِنْسِ الَّذِى بَلَغَهُ وَتَيَسُّرِ مَا

وجه: جب خود ہی کہا کہ اس زمین میں کسی کا حق وغیرہ نہیں ہے تو اب خود حق شفعہ کا دعوی کیسے کرے گا؟ یہ گویا کہ حق شفعہ سے اعراض کر رہا ہے۔اس لئے اس کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔اصول اور دلائل اوپر کئی بار گزر چکے ہیں۔

لغت: الدرک : پانا، زمین وجائداد میں کسی کا حق ثابت ہونا۔

ترجمہ: ٣ ایسے ہی اگر گھر بیچا اور خیار شرط دوسرے کے لیا، اس نے بیع نافذ کر دی، اور جس نے بیع نافذ کی وہی شفیع تھا تو اس کو شفعہ نہیں ملے گا، اس لئے کہ اس کے نافذ کرنے بیع پوری ہوگئی۔

تشریح: مثلا زید نے گھر بیچا اور کہا کہ اس میں بکر کو خیار شرط ہے، بکر نے خیار شرط ختم کر کے بیع نافذ کر دی، بعد میں بکر کو پتہ چلا کہ مجھے شفعہ کا حق ہے، تو اب اس کو شفعہ نہیں ملے گا، کیونکہ اس نے ہی مکمل بیع نافذ کی ہے، تو اب شفعہ کے ذریعہ اس کو کیسے توڑے گا!

ترجمہ: ٤ بخلاف جس کے لئے خیار شرط لی ہے وہ مشتری کی جانب سے ہو [تو اس کو خیار شرط ملے گا]

تشریح: مثلا زید نے گھر خریدا، اور بکر کے لئے خیار شرط لیا، اور بکر نے خیار شرط ختم کر کے بیع نافذ کر دی، اب پتہ چلا کی بکر کو شفعہ کا حق ہے تو اس کو شفعہ کا حق ملے گا۔

وجه: (۱) پہلے گزر چکا ہے کہ مشتری کی جانب سے بیع مکمل ہوئی ہو تو اس کو شفعہ ملے گا۔(۲) دوسری بات یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ مشتری نے اس لئے بھی مکمل کی تا کہ اس کو شفعہ ملے تو اس لئے اس میں شفعہ سے انکار نہیں ہے بلکہ اور اس کو لینے کی کوشش ہے۔اس لئے شفعہ کا حق ملے گا۔

ترجمہ: (٦٦) اگر شفیع کو خبر ملی کے گھر ایک ہزار میں فروخت ہوا ہے اس لئے شفعہ چھوڑ دیا۔ پھر معلوم ہوا کہ اس سے کم میں فروخت ہوا ہے۔یا گیہوں کے بدلے میں یا جو کے بدلے میں فروخت ہوا ہے جس کی قیمت ایک ہزار ہے یا اس سے زیادہ ہے تو اس کا چھوڑنا باطل ہے اور اس کو حق شفعہ ہوگا۔

ترجمہ: ١ پہلی صورت میں شفعہ کو چھوڑنا قیمت کے زیادہ ہونے کی وجہ سے ہے، اور جس جنس کی خبر ملی ہے اس کے متعذر ہونے کی وجہ سے، اور دوسری جنس کے آسان ہونے کی وجہ سے، اس لئے کہ جنس مختلف ہوتی ہے، یہی حکم ہے ہر کیلی اور وزنی

بِيعَ بِهِ فِي الثَّانِي اِذِ الْجِنسُ مُخْتَلِفٌ، وَكَذَا كُلُّ مَكِيلٍ أَوْ مَوْزُونٍ أَوْ عَدَدِيٍّ مُتَقَارِبٍ، ۲؎ بِخِلَافِ مَا إذَا عَلِمَ أَنَّهَا بِيعَتْ بِعَرْضٍ، قِيمَتُهُ أَلْفٌ أَوْ أَكْثَرُ، لِأَنَّ الْوَاجِبَ فِيهِ الْقِيمَةُ وَهِيَ دَرَاهِمُ أَوْ دَنَانِيرُ، ۳؎ وَإِنْ بَانَ أَنَّهَا بِيعَتْ بِدَنَانِيرَ قِيمَتُهَا أَلْفٌ فَلَا شُفْعَةَ لَهُ، وَكَذَا إذَا كَانَتْ

چیز کی، اور عددی چیز کی جو قریب قریب ہو۔

اصول: یہ مسئلے اس اصول پر ہیں کہ شفیع کو ایک قیمت کا علم ہوا، اس نے شفعہ پر لینے کا انکار کر دیا، پھر دوسری قیمت کا علم ہوا تو اب دوبارہ شفعہ کا حق ہوگا، کیونکہ انکار زیادہ قیمت کی بنیاد پر تھا۔

تشریح: یہاں دو مسئلے ہیں [۱] شفیع کو خبر ملی کہ گھر ایک ہزار میں فروخت ہوا ہے اس وقت اس نے حق شفعہ چھوڑ دیا۔ بعد میں علم ہوا کہ اس سے کم میں فروخت ہوا ہے۔ تو اس کو دوبارہ شفعہ کا حق ملے گا، کیونکہ پہلا چھوڑنا قیمت کے زیادہ ہونے کی وجہ سے ہے، یہ شفعہ سے اعراض کی دلیل نہیں ہے۔ [۲] یا معلوم ہوا کہ ایک ہزار میں بکا ہے، بعد میں معلوم ہوا کہ گیہوں کے بدلے میں، یا جو کے بدلے میں بکا ہے جسکی قیمت چاہے ایک ہزار ہو، چاہے اس سے زیادہ ہو تب بھی شفعہ ملے گا، کیونکہ جنس بدل گئی، اور ایسا ہوتا ہے کہ دیہاتی کے لئے درہم دینا مشکل ہوتا ہے اس لئے شفعہ چھوڑ دیا، اور گیہوں یا جو دینا آسان ہے اس لئے شفعہ لے لیا اس لئے شفعہ کا حق دوبارہ ملے گا۔

اصول: خلاف جنس کی خبر ملی تو حق شفعہ ساقط نہیں ہوگا۔

لغت: استکثار الثمن: کثر سے مشتق ہے، قیمت زیادہ ہونا۔ جنس: یہاں جنس سے مراد، گیہوں، جو، چاول وغیرہ ہیں۔ عددی متقارب: جو چیز گن کر بکتی ہو، لیکن قریب قریب ہو، جیسے انڈا، گن کر بکتا ہے، لیکن قریب قریب ہے۔

ترجمہ: ۲؎ بخلاف اگر علم ہوا کہ سامان کے بدلے بکا ہے جس کی قیمت ایک ہزار ہے [تو شفعہ نہیں ملے گا] اس لئے کہ واجب تو اس میں بھی قیمت ہی ہے اور وہ درہم اور دینار ہے۔

تشریح: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ شفیع کو پہلے معلوم ہوا کہ ایک ہزار میں بکا ہے، اس نے انکار کر دیا، بعد میں معلوم ہوا کہ سامان کے بدلے میں بکا ہے جسکی قیمت ایک ہزار درہم ہے تو اب بھی دوبارہ شفعہ نہیں ملے گا۔

وجہ: یہاں قاعدہ یہ ہے کہ اگر پہلے معلوم ہوتا کہ درہم ہے، بعد میں معلوم ہوتا کہ گیہوں جیسی مثلی چیز ہے تو گیہوں لازم ہوتا، جو مختلف جنس ہے، تو گویا کہ قیمت میں فرق ہو گیا، اس لئے شفعہ کا حق ملے گا، لیکن پہلے معلوم ہوا کہ درہم ہے، بعد میں معلوم ہوا کہ سامان ہے، تو یہاں اب بھی سامان کی قیمت ایک ہزار لازم ہوگا، سامان مثلی نہیں ہے، ذوی القیم، ہے، اس لئے پہلے بھی ایک ہزار تھا اور اب بھی ایک ہزار ہے، دونوں قیمتوں میں کوئی فرق نہیں ہے، اس لئے شفعہ کا حق نہیں ملے گا۔

ترجمہ: ۳؎ اور اگر ظاہر ہوا کہ گھر دینار کے بدلے بکا ہے جسکی قیمت ایک ہزار درہم ہے تو شفعہ نہیں ملے گا، ایسے ہی اگر

أَكْثَرَ. ۴ وَقَالَ زُفَرُ: لَهُ الشُّفْعَةُ لِاخْتِلَافِ الْجِنْسِ، وَلَنَا أَنَّ الْجِنْسَ مُتَّحِدٌ فِي حَقِّ الثَّمَنِيَّةِ.
(٦٧)قَالَ: وَإِذَا قِيلَ لَهُ انَّ الْمُشْتَرِيَ فُلَانٌ فَسَلَّمَ الشُّفْعَةَ ثُمَّ عَلِمَ أَنَّهُ غَيْرُهُ فَلَهُ الشُّفْعَةُ ١ُ

دینار کی قیمت زیادہ ہوتو بھی شفعہ نہیں ملے گا۔

تشریح : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ دینار اور درہم ایک ہی چیز ہیں، اس لئے اگر پہلے خبر ملی کہ ایک ہزار درہم میں مکان بکا ہے، اس پر لینے سے انکار کر دیا، اب ظاہر ہوا کہ دینار کے بدلے میں بکا ہے، جس کی قیمت ایک ہزار درہم ہے تب بھی شفعہ کا حق نہیں ملے گا، کیونکہ گویا کہ اسی ایک ہزار پر لینے سے پہلے انکار کر چکا ہے۔

اسی طرح یہ معلوم ہوا کہ دینار کی قیمت ایک ہزار درہم سے زیادہ ہے تب بھی شفعہ کا حق نہیں ملے گا، کیونکہ جب ایک ہزار پر انکار کر چکا ہے تو ایک ہزار سے زیادہ پر بدرجہ اولی انکار شمار کیا جائے گا۔

لغت: بان : ظاہر ہوا۔

ترجمہ: ۴ امام زفرؒ نے فرمایا کہ انکار کرنے والے کو شفعہ کا حق ہوگا جنس کے مختلف ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : امام زفرؒ کا فارمولہ یہ ہے کہ دینار الگ جنس ہے اور درہم الگ جنس ہے، اس لئے جب ایک ہزار درہم کا علم ہوا اور انکار کر دیا، تو اب دینار کے علم ہونے کی وجہ سے شفعہ کا حق ختم نہیں ہوگا، کیونکہ یہ الگ جنس ہے۔

ترجمہ: ۵ ہماری دلیل یہ ہے کہ قیمت ہونے کے حق دونوں جنس متحد ہیں۔

تشریح : ہماری دلیل یہ ہے کہ قیمت ہونے کے اعتبار سے درہم اور دینار ایک ہی جنس ہیں اس لئے درہم کے وقت انکار کرنے کی وجہ سے دینار کے بارے میں بھی انکار ہی سمجھا جائے گا اس لئے اب بھی اس کو شفعہ کا حق نہیں ملے گا۔

ترجمہ: (٦٧) اور اگر شفیع سے کہا گیا کہ خریدار فلاں ہے پس شفعہ چھوڑ دیا پھر جانا کہ اس کے علاوہ ہے تو اس کو حق شفعہ ہوگا

ترجمہ: ١ پڑوس کے متفاوت ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : شفیع کو خبر ملی کہ مثلا زید زمین کا خریدار ہے اس لئے حق شفعہ چھوڑ دیا۔ بعد میں اطلاع ملی کہ خریدار عمر ہے تو اس کو دوبارہ حق شفعہ ملے گا۔

وجہ : حق شفعہ ضرر جوار سے بچانے کے لئے ہوتا ہے۔ اس لئے شفیع کو جب معلوم ہوا کہ زید خرید رہا ہے جو شریف آدمی ہے۔ اس کی پڑوسیت سے نقصان نہیں ہوگا۔ اس لئے حق شفعہ چھوڑ دیا۔ پھر معلوم ہوا کہ عمر خرید رہا ہے جو خطرناک آدمی ہے۔ اس کی پڑوسیت سے نقصان ہوگا اس لئے حق شفعہ کا دعوی کیا تو کر سکتا ہے۔ کیونکہ پہلا انکار اعراض پر دلالت نہیں کرتا ہے۔

اصول : ان مسائل میں یہی اصول کارفرما ہے کہ جو حرکت اعراض پر دلالت کرتی ہو اس سے حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔ اور جو حرکت اعراض پر دلالت نہ کرتی ہو اس سے حق شفعہ بحال رہے گا۔

ترجمہ: (٦٨) اگر معلوم ہوا کہ مشتری وہی ہے غیر کے ساتھ تو اس کو غیر کا حصہ لینے کا حق ہے۔

لِتفاوُتِ الْجوَار (٦٨) وَلَوْ عَلِمَ أَنَّ الْمُشْتَرِيَ هُوَ مَعَ غَيْرِهِ فَلَهُ أَنْ يَأْخُذَ نَصِيبَ غَيْرِهِ ا لِأَنَّ التَّسْلِيمَ لَمْ يُوجَدْ فِي حَقِّهِ (٦٩) وَلَوْ بَلَغَهُ شِرَاءُ النِّصْفِ فَسَلَّمَ ثُمَّ ظَهَرَ شِرَاءُ الْجَمِيعِ فَلَهُ الشُّفْعَةُ ا لِأَنَّ التَّسْلِيمَ لِضَرَرِ الشَّرِكَةِ وَلَا شَرِكَةَ، ٢ وَفِي عَكْسِهِ لَا شُفْعَةَ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ؛ لِأَنَّ التَّسْلِيمَ فِي الْكُلِّ تَسْلِيمٌ فِي أَبْعَاضِهِ

ترجمه: ا اس لئے کہ غیر کے حصے کا چھوڑ نا نہیں پایا گیا۔

تشریح: مثلا پہلے معلوم ہوا کہ صرف زید نے گھر خریدا ہے اس لئے شفیع نے لینے سے انکار کر دیا، بعد میں معلوم ہوا کہ زید کے ساتھ عمر نے بھی خریدا ہے تو شفیع کو عمر کے حصے کو لینے کا حق ہوگا، کیونکہ عمر کے حصے کو لینے سے انکار نہیں کیا ہے۔

ترجمه: (٦٩) اگر شفیع کو خبر ملی کہ آدھا خریدا ہے اس لئے شفعہ چھوڑ دیا، پھر معلوم ہوا کہ پورا گھر خریدا ہے تو شفیع کو پھر سے گھر لینے کا حق ہوگا۔

ترجمه: ا اس لئے کہ پہلا چھوڑ نا شرکت نقصان کی وجہ سے ہے، اور پورے بکنے میں اب نقصان کا ضرر نہیں ہے۔

تشریح: شفیع کو پہلے خبر ملی کی آدھا گھر بکا ہے اس لئے اس نے یہ سوچ کر شفعہ کا حق چھوڑ دیا کہ آدھا میں لوں گا تو باقی آدھا بائع کا رہے گا، اور شرکت ہوگی۔ اب خبر ملی کی پورا گھر بکا ہے، اس لئے اب پورا گھر شفیع کا ہو جائے گا، اور شرکت کا نقصان نہیں رہے گا، اس لئے اب دوبارہ شفعہ کے ماتحت لینے کا حق ہوگا۔

ترجمه: ٢ اور اس کے الٹے میں [یعنی پہلے خبر ملی ہو کہ پورا گھر بکا ہے، جس پر شفیع نے لینے سے انکار کر دیا، بعد میں خبر ملی کہ آدھا گھر بکا ہے] تو ظاہر روایت میں یہی ہے کہ شفعہ کا حق نہیں ملے گا، کیونکہ جب پورے میں شفعہ کا حق چھوڑ دیا تو بعض میں بھی چھوڑ نا پایا گیا۔

تشریح: پہلے خبر ملی کہ پورا گھر بکا ہے، اس پر شفیع نے لینے سے انکار کر دیا، بعد میں خبر ملی کہ آدھا گھر بکا ہے تو شفعہ کا حق نہیں ملے گا۔

وجه: کیونکہ جب پورے گھر کا حق شفعہ چھوڑ دیا تو اس کے تحت بعض گھر کا بھی حق شفعہ چھوڑ دیا، اور ایک مرتبہ حق چھوڑ دیا تو اب واپس حق نہیں ملے گا۔

امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ کل میں شفعہ کا حق چھوڑا ہے تو بعض میں نہیں چھوڑا ہے، کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے کہ پورے گھر کی قیمت اس کے پاس نہ ہو اس لئے اس وقت شفعہ چھوڑ دیا، اور آدھے کی قیمت اس کے پاس ہے اس لئے پورے کے چھوڑ نا، بعض کا چھوڑ نا نہیں ہوا۔
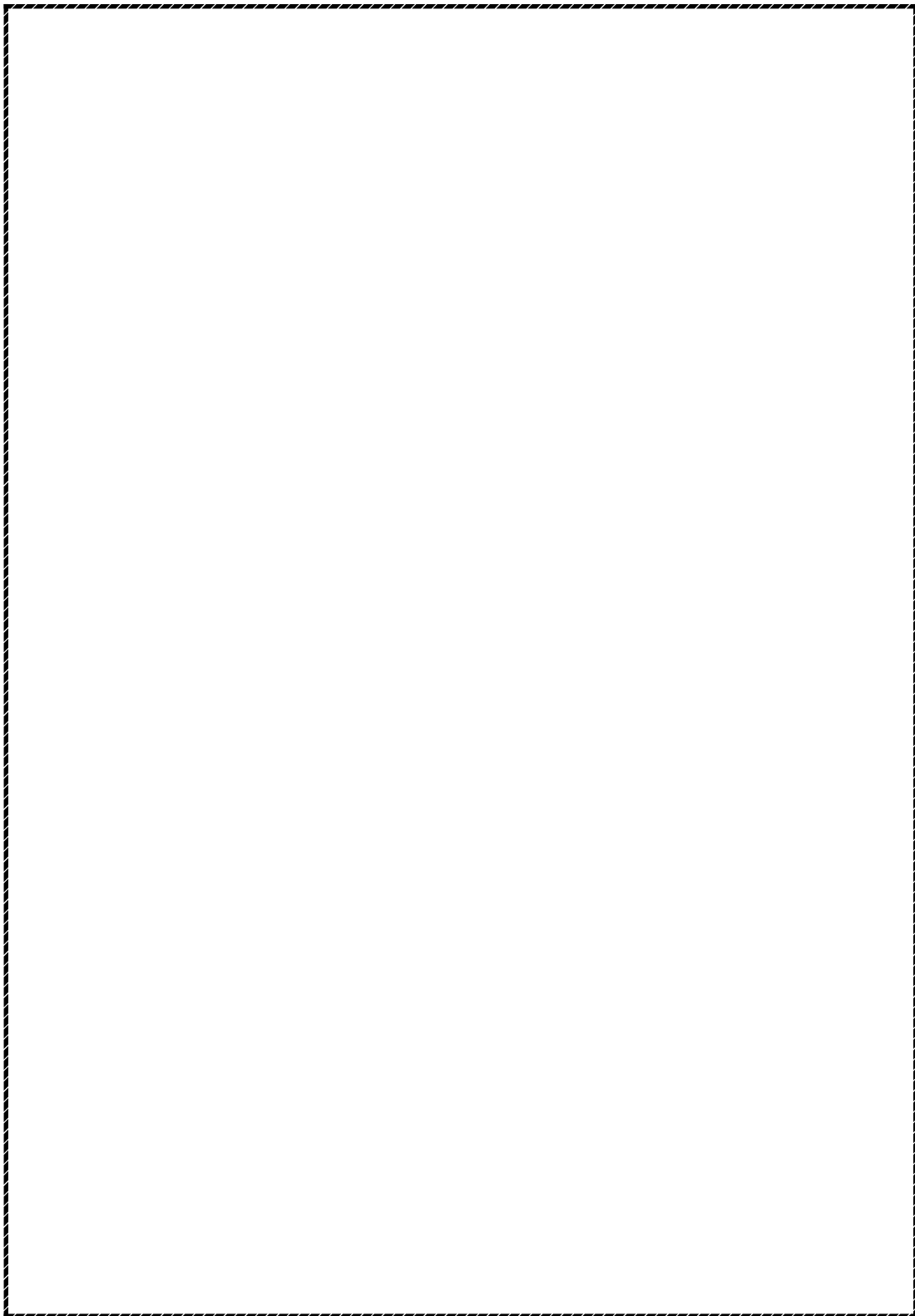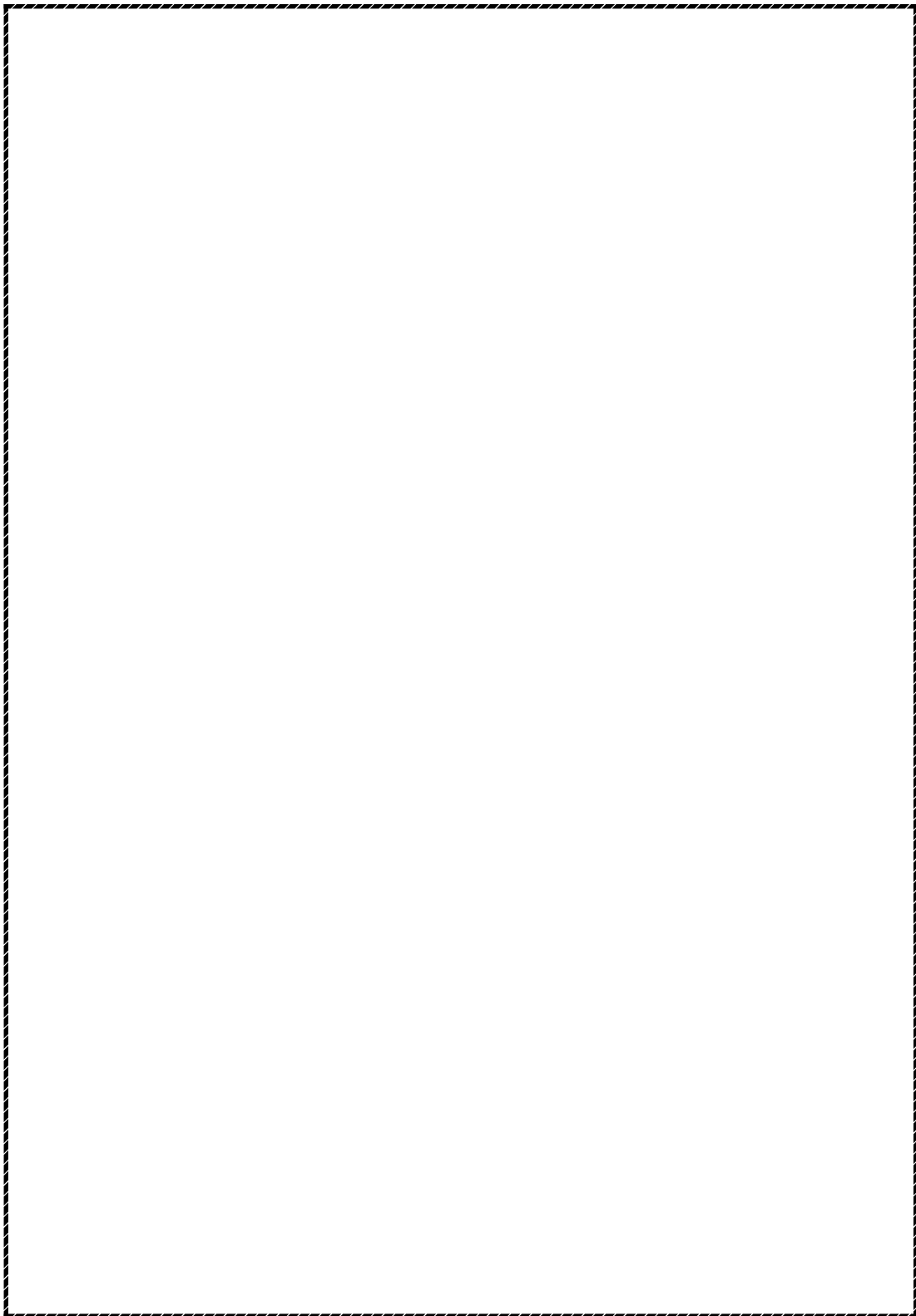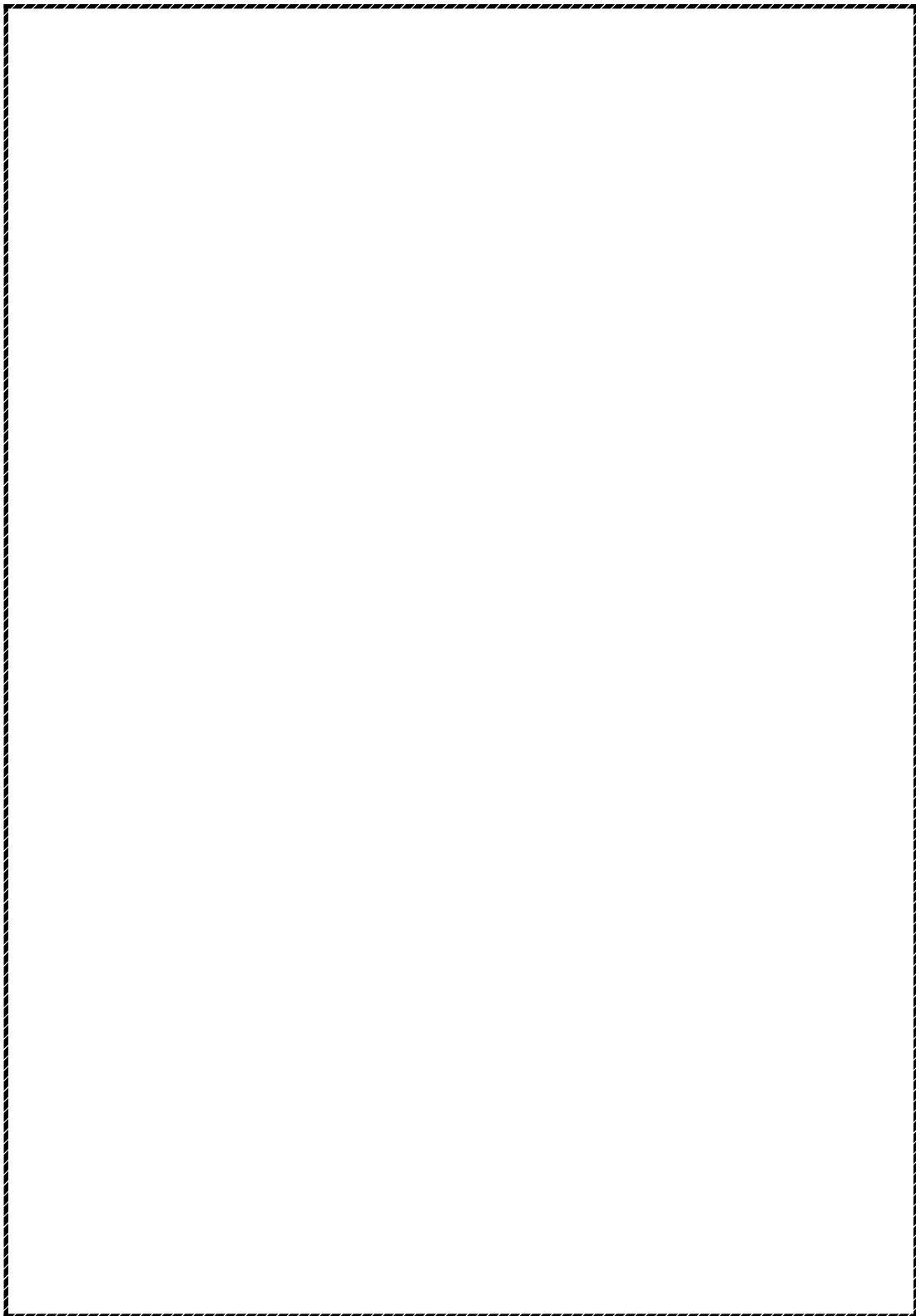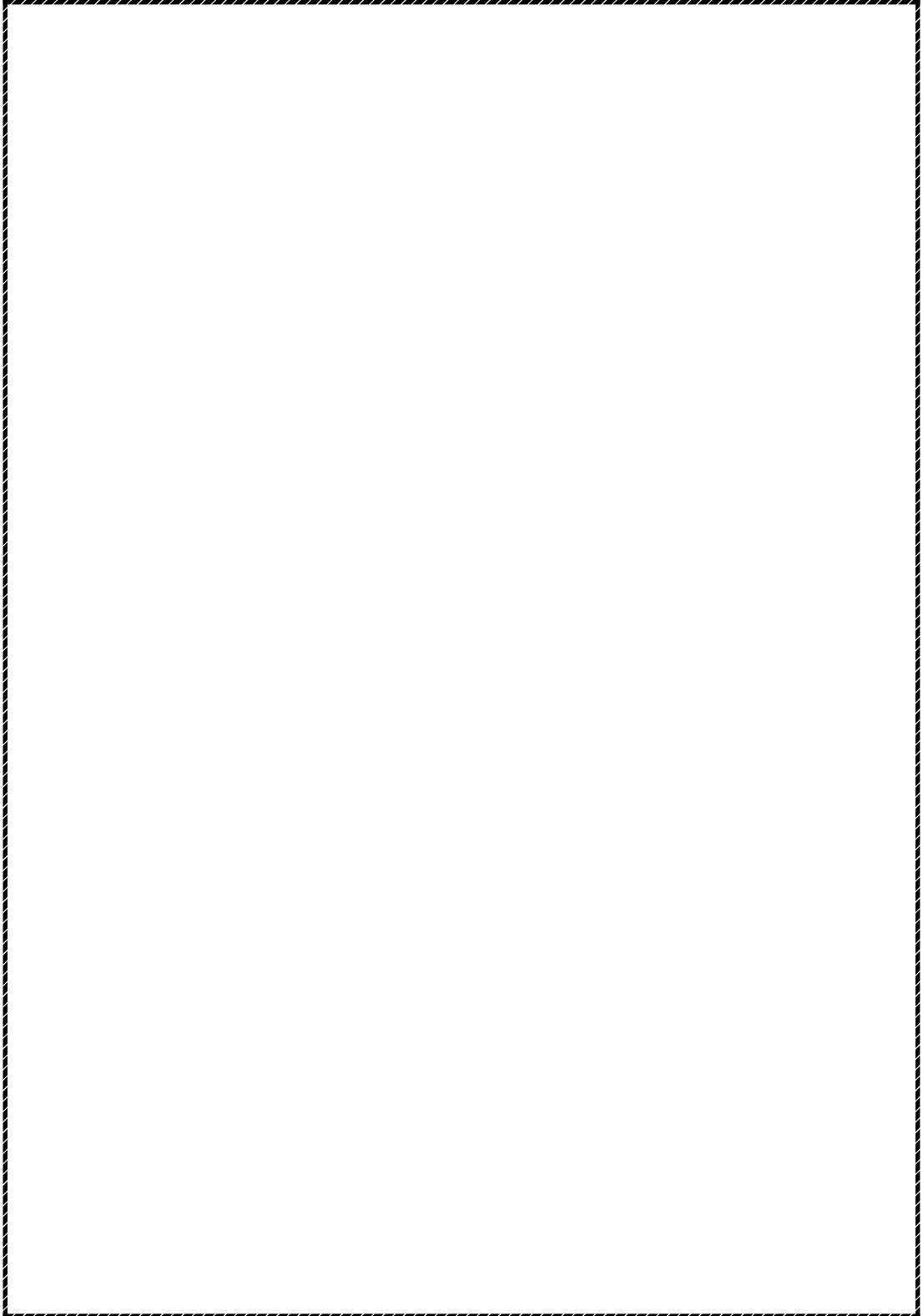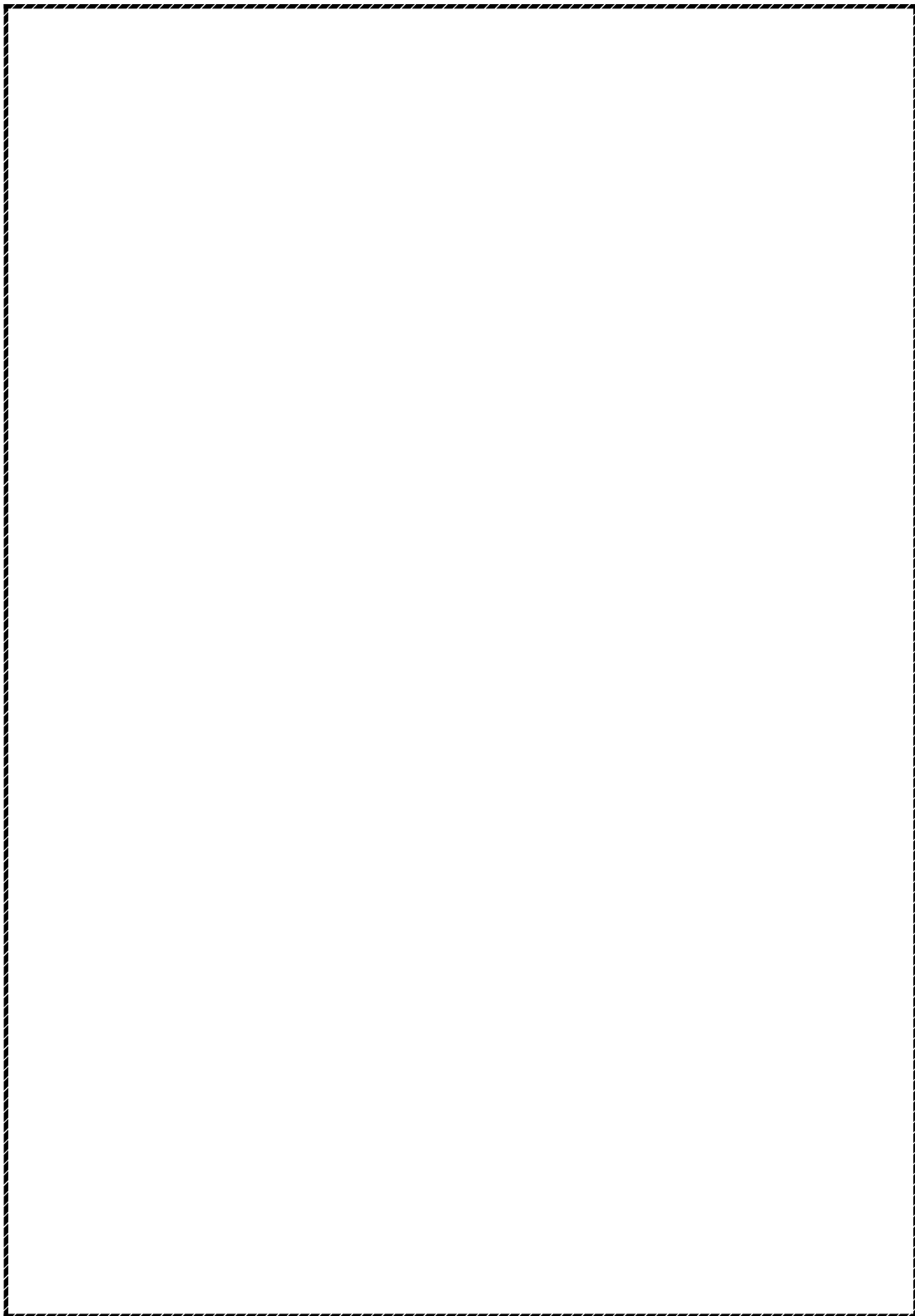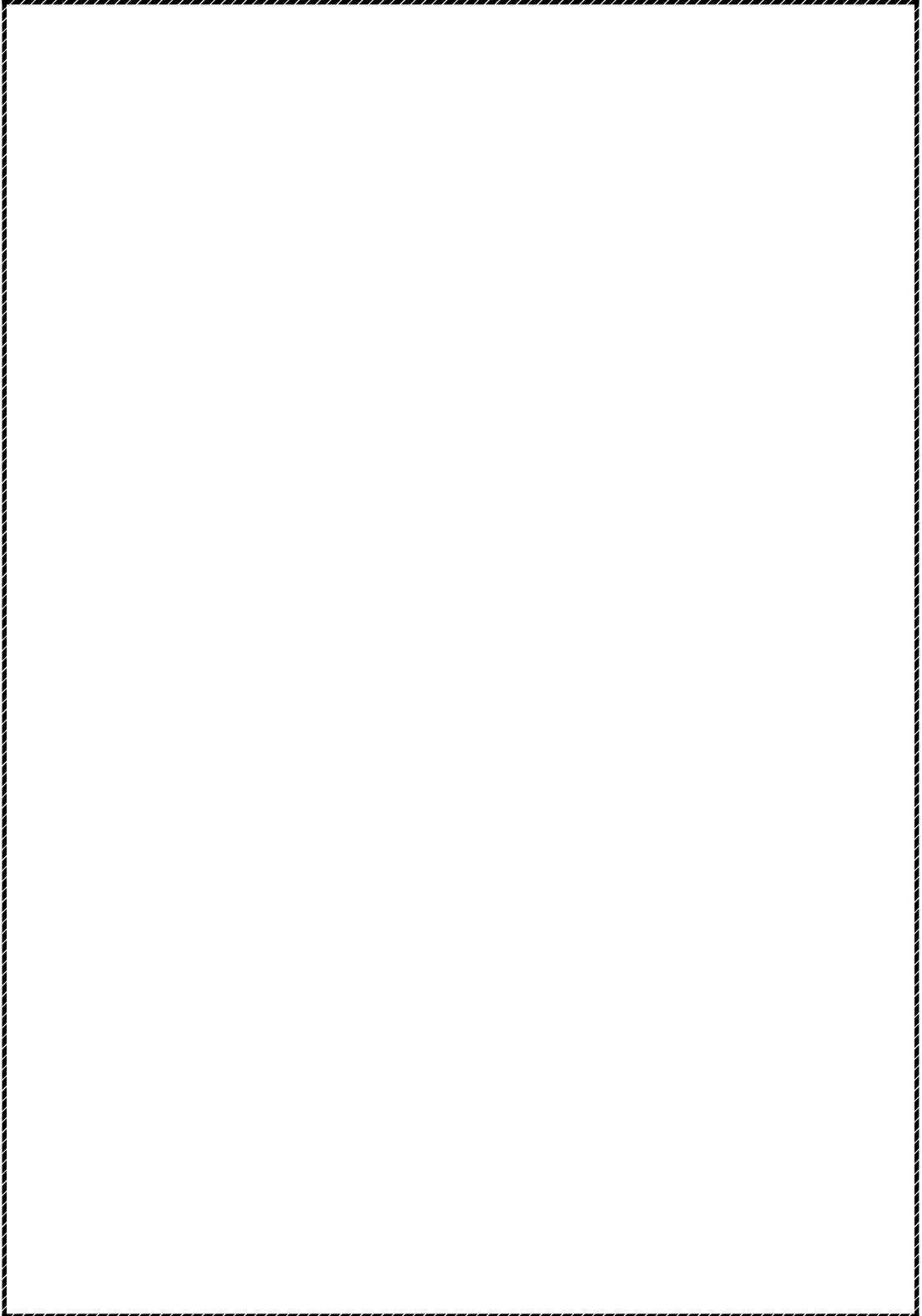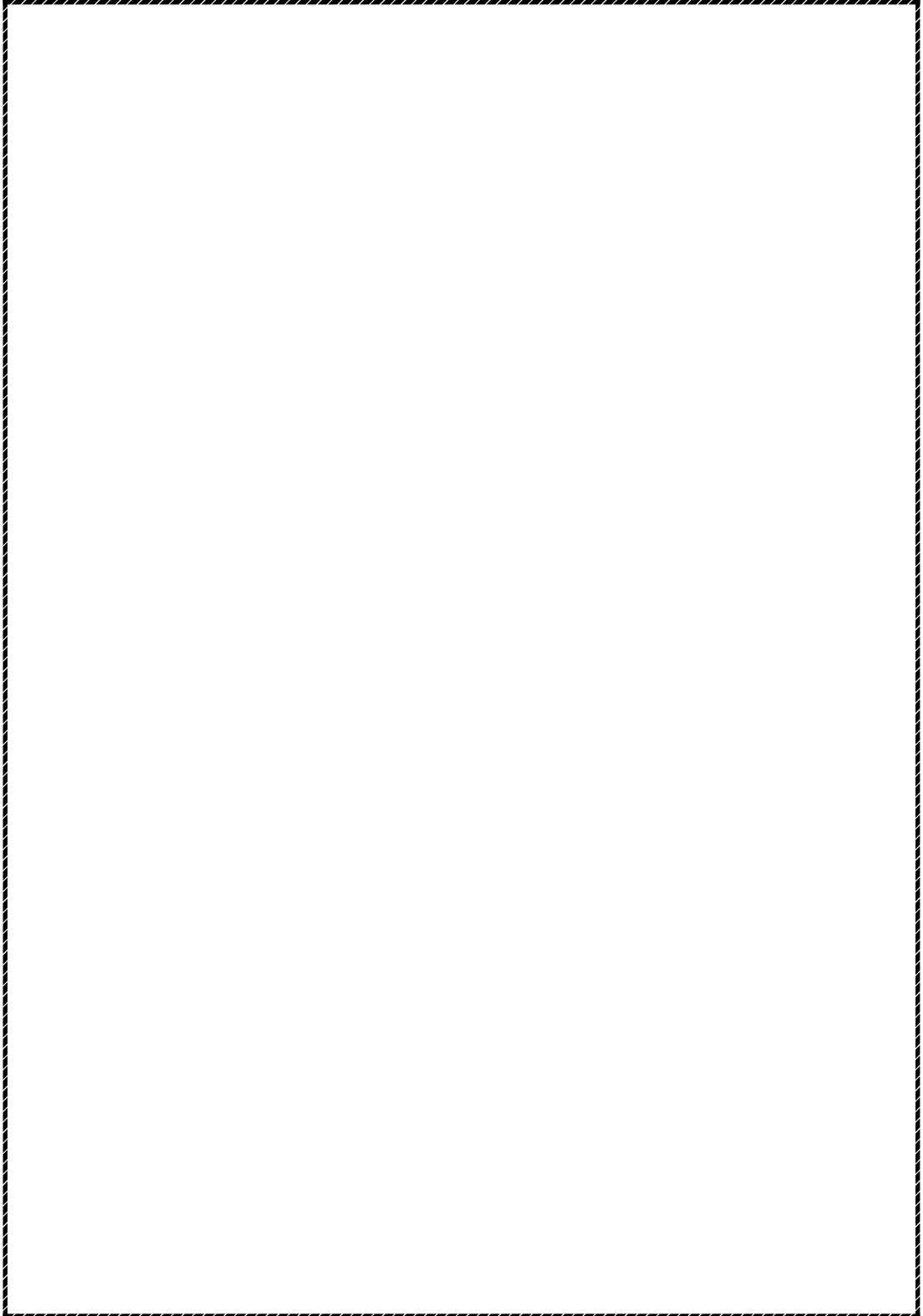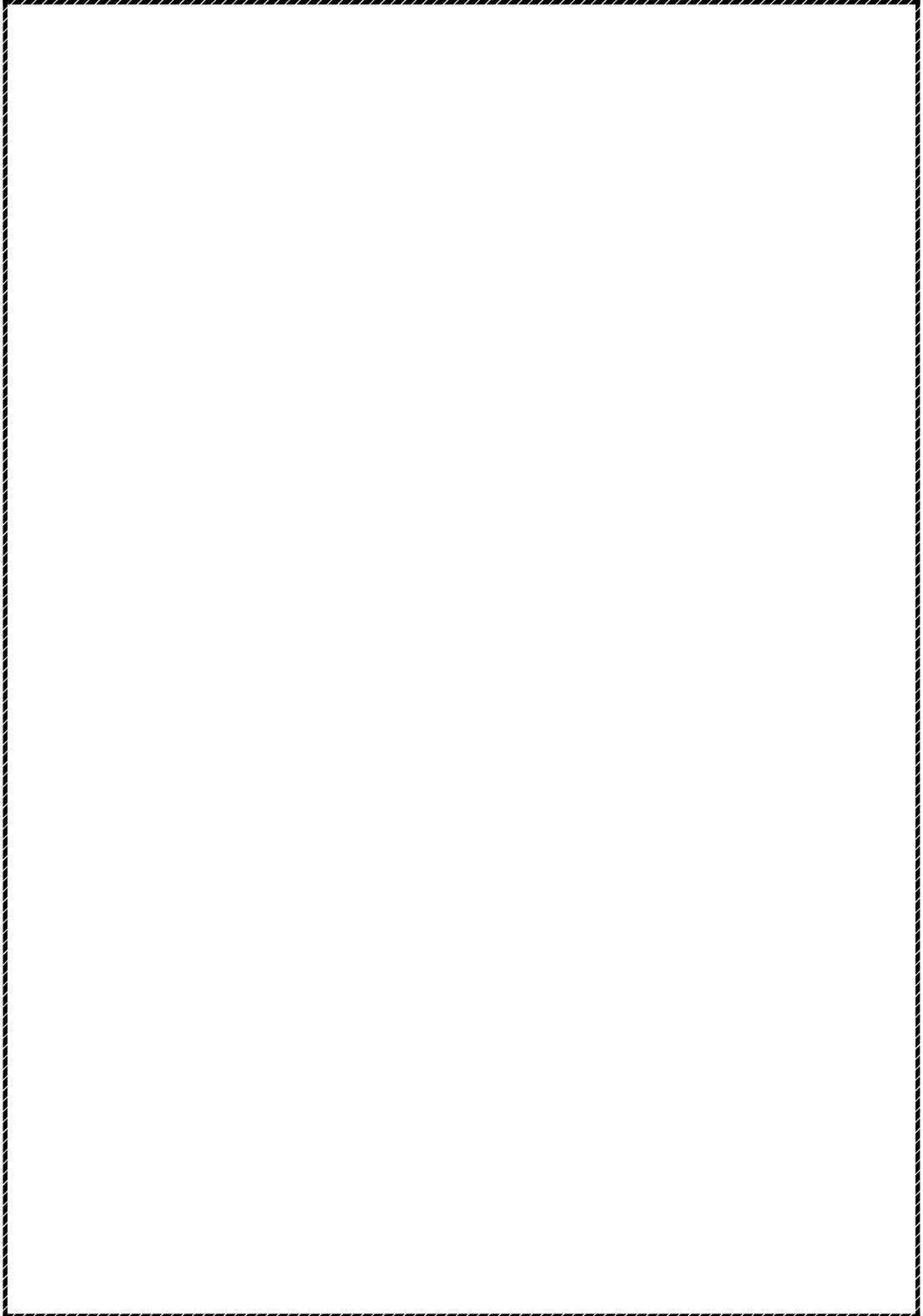
﴿فَصْلٌ﴾
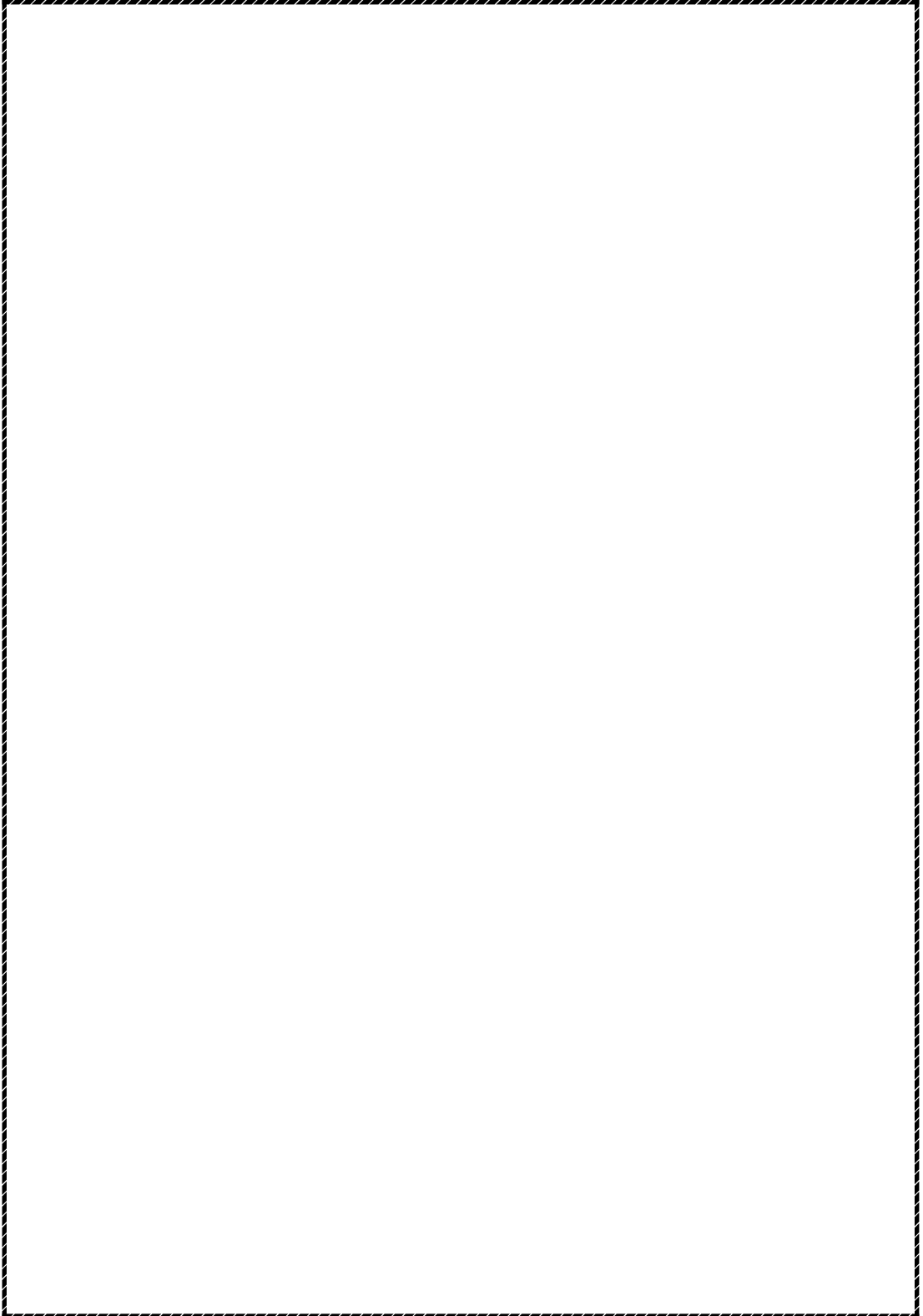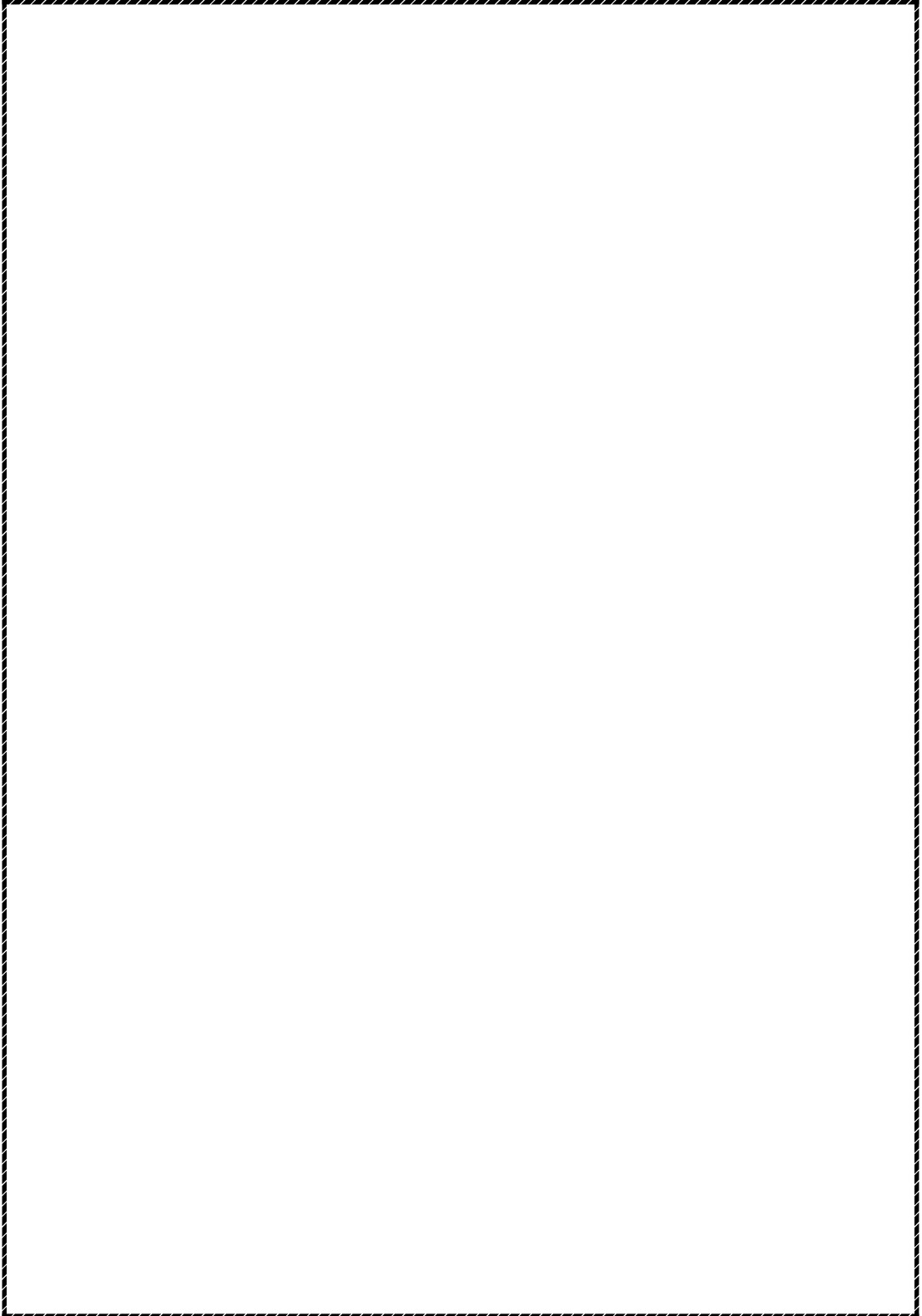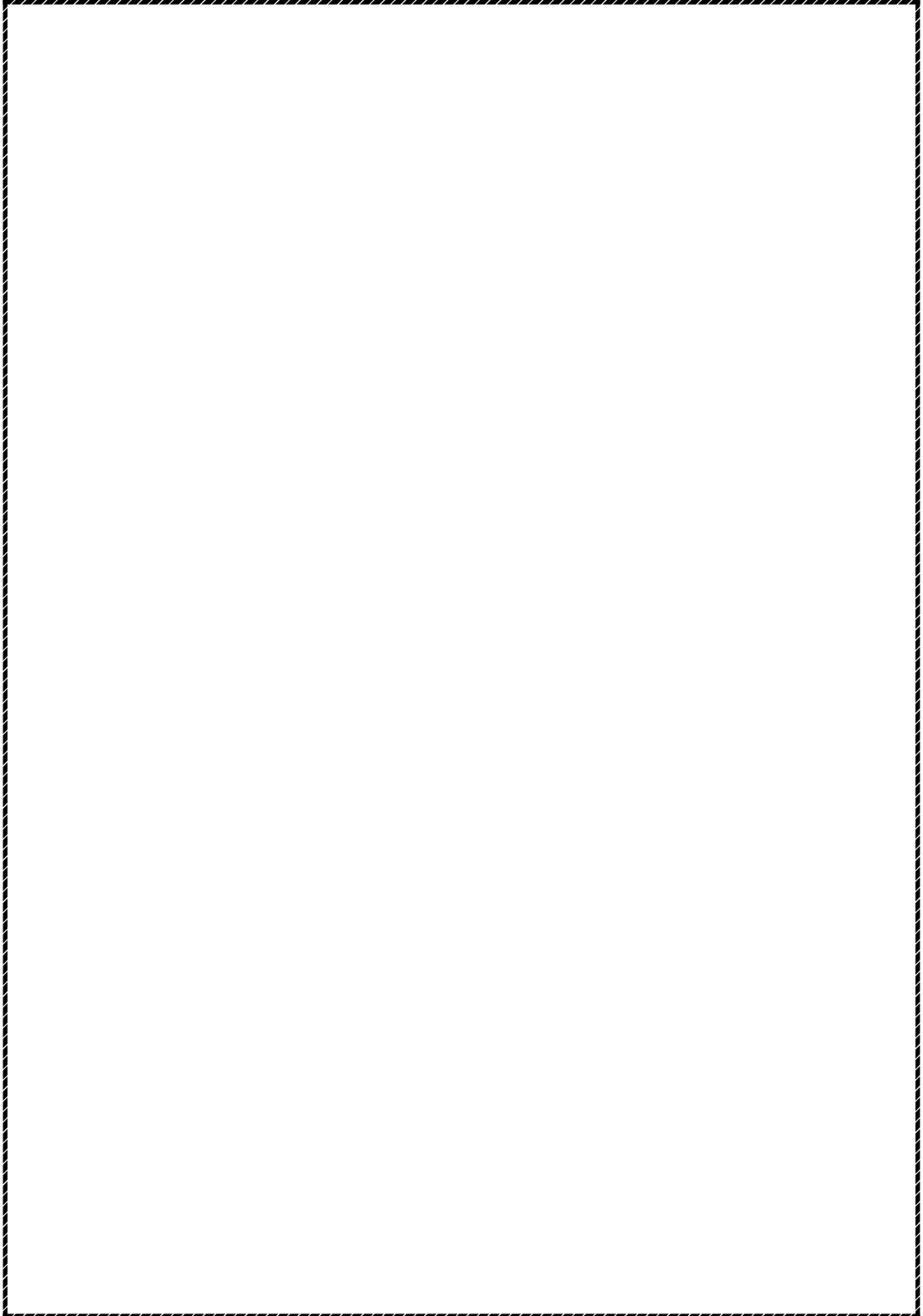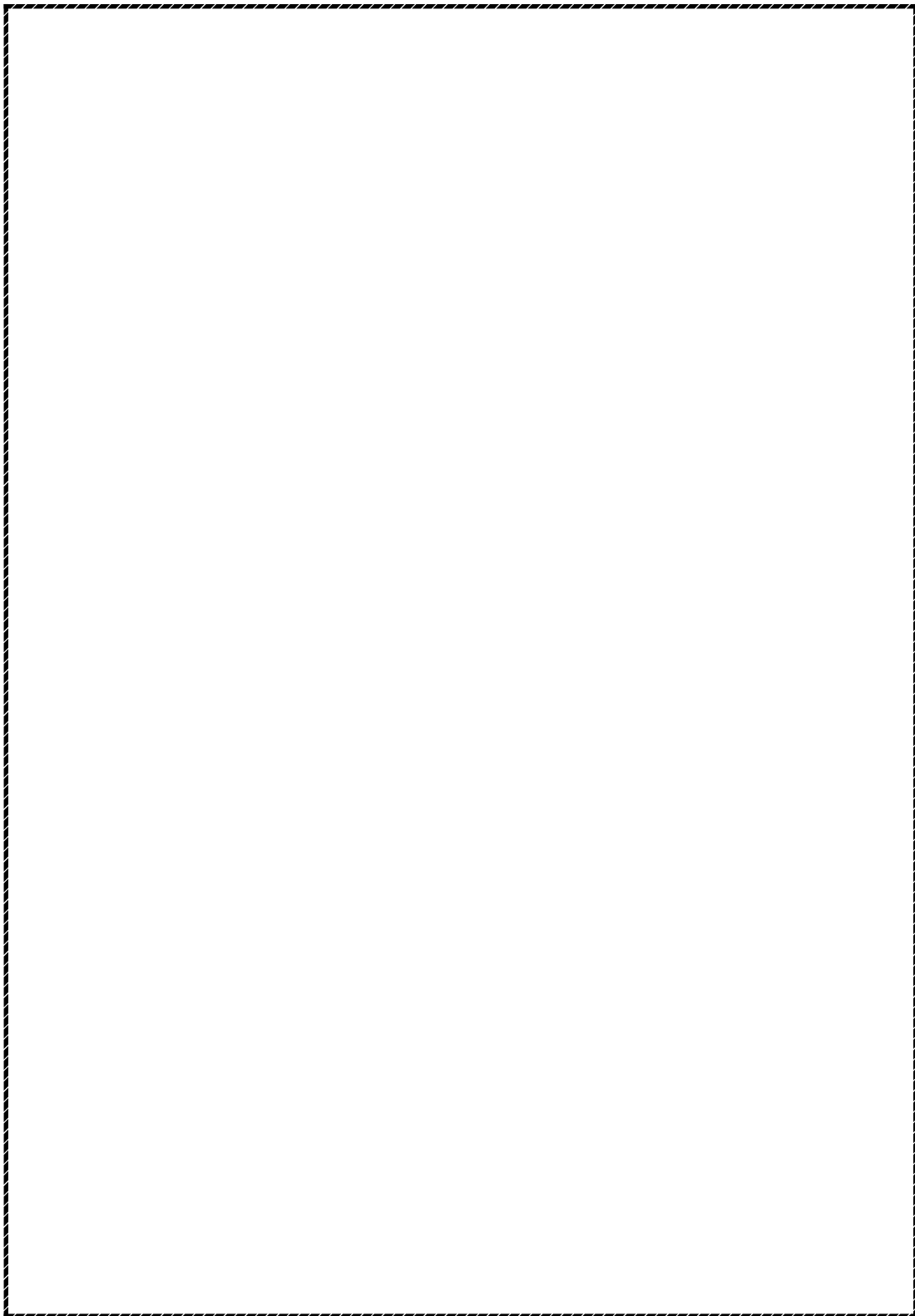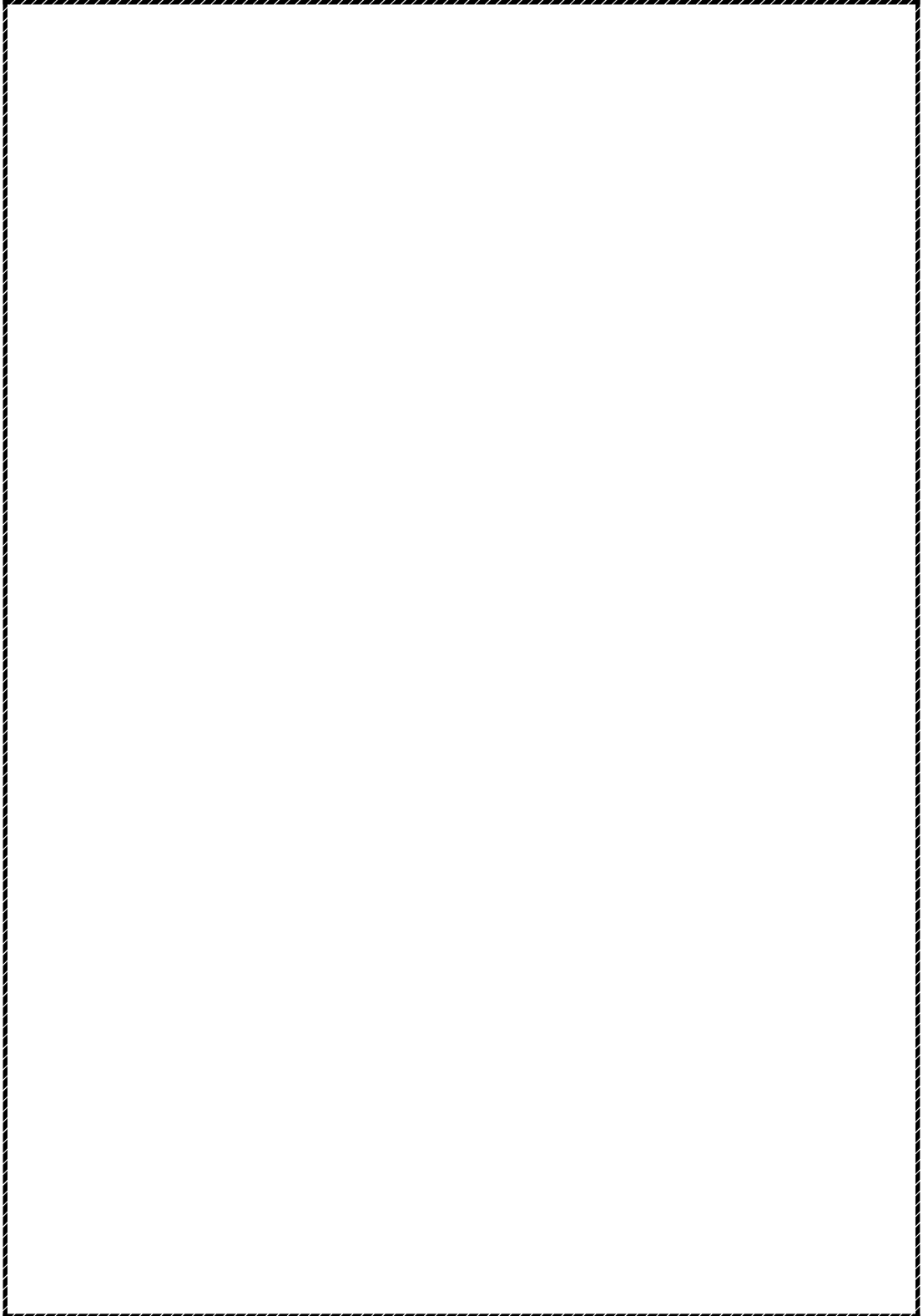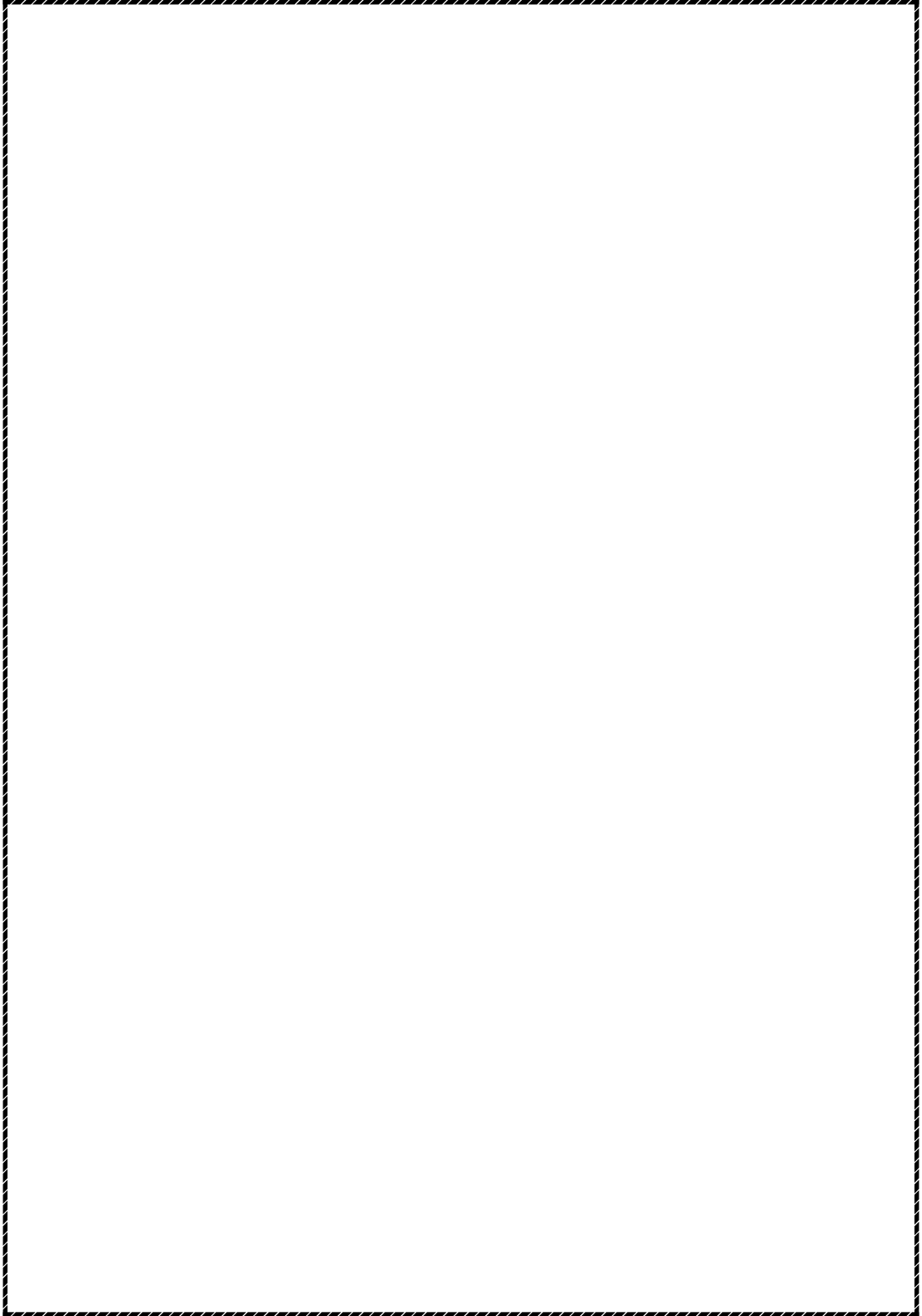
(٧٠)قَالَ: وَإِذَا بَاعَ دَارًا إِلَّا مِقْدَارَ ذِرَاعٍ مِنهَا فِي طُولِ الْحَدِّ الَّذِى يَلِى الشَّفِيعَ فَلا شُفْعَةَ لَهُ ا لِانْقِطَاعِ الْجِوَارِ، وَهَذِهِ حِيلَةٌ، ٢ وَكَذَا إِذَا وَهَبَ مِنْهُ هَذَا الْمِقْدَارَ وَسَلَّمَهُ إِلَيْهِ لِمَا بَيَّنَّا،
(٧١)قَالَ: وَإِذَا ابْتَاعَ مِنهَا سَهْمًا بِثَمَنٍ ثُمَّ ابْتَاعَ بَقِيَّتَهَا فَالشُّفْعَةُ لِلْجَارِ فِي السَّهْمِ الْأَوَّلِ دُونَ

﴿فصل حیلے کا بیان﴾

ترجمہ:(٧٠) گھر بیچے مگر لمبائی کی حد میں اس طرف نہ بیچے جو شفیع کے گھر کے متصل ہو تو شفیع کو حق شفعہ نہیں ہے۔

ترجمہ:ا کیونکہ پڑوسیت منقطع ہوگئی، اور یہ شفعہ کے حق کو ساقط کرنے کا حیلہ ہے۔

تشریح:

زید نے گھر بیچا	یہ حصہ نہیں بیچا	شفیع عمر کا گھر

اوپر کے نقشے کو دیکھیں زید نے گھر بیچا ہے لیکن عمر کی جانب جو حصہ ہے اس کو نہیں بیچا، اور جب وہ زمین نہیں بکی تو پڑوسیت کی وجہ سے اس کو شفعہ کا حق نہیں ملے گا، حق شفعہ ساقط کرنے کے لئے یہ حیلہ ہے۔

ترجمہ: ٢ ایسے ہی اس مقدار کو مشتری کو ہبہ کر دیا اور اس کو سپرد بھی کر دیا [تو شفعہ نہیں ملے گا] اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کیا۔

تشریح:

زید نے گھر بیچا	یہ حصہ مشتری کو ہبہ کردیا	شفیع عمر کا گھر

اوپر کے نقشے کو دیکھیں اس میں زید نے عمر کے پاس کا حصہ بیچا نہیں ہے بلکہ مشتری کو ہبہ کر دیا ہے اس لئے عمر شفیع کو شفعہ کا حق نہیں ملے گا، کیونکہ پڑوس والا حصہ بکا نہیں ہے، بلکہ ہبہ ہوا ہے۔

ترجمہ:(٧١) اگر گھر کے ایک حصے کو ایک قیمت میں خریدی، پھر باقی حصے کو خریدا، پس جو پڑوس والا شفیع ہے اس کو پہلے بیع کے وقت شفعہ کا حق ملے گا دوسری بیع کے وقت نہیں۔

ترجمہ:ا اس لئے کہ یہ شفیع دونوں میں پڑوس ہے اور دوسری مرتبہ خریدنے والا مبیع میں شریک ہوگیا اس لئے اس کا حق

الثَّانِی ۱؎ لِأَنَّ الشَّفِیعَ جَارٌ فِیهِمَا، إِلَّا أَنَّ الْمُشْتَرِي فِي الثَّانِی شَرِیکٌ فَیَتَقَدَّمُ عَلَیْهِ، ۲؎ فَإِنْ أَرَادَ الْحِیلَةَ ابْتَاعَ السَّهْمَ بِالثَّمَنِ إِلَّا دِرْهَمًا مَثَلًا وَالْبَاقِی بِالْبَاقِی، ۳؎ وَإِنْ ابْتَاعَهَا بِثَمَنٍ ثُمَّ دَفَعَ إِلَیْهِ ثَوْبًا عِوَضًا عَنْهُ فَالشُّفْعَةُ بِالثَّمَنِ دُونَ الثَّوْبِ؛ لِأَنَّهُ عَقْدٌ آخَرُ، وَالثَّمَنُ هُوَ الْعِوَضُ عَنْ

مقدم ہو جائے گا۔

تشریح :

اس حصے کو خالد نے زید سے خریدا	زید کا گھر	شفیع عمر کا گھر

خالد نے زید سے گھر کے ایک حصے کو خریدا اس وقت عمر جو شفیع تھا اس نے شفعہ کا دعوی چھوڑ دیا، اب خالد نے دوبارہ زید کے گھر کا باقی حصہ خریدا تو عمر کو اس وقت گھر لینے کا حق نہیں ہوگا۔

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ خالد نے جب گھر کا ایک حصہ خرید لیا تو اب وہ گھر میں شریک ہو گیا، اس لئے شریک فی المبیع کا حق پہلے ہوگا اور عمر چونکہ صرف پڑوسی ہے اس لئے اس کا حق ساقط ہو جائے گا۔

ترجمہ :۲؎ اگر حیلہ کرنا چاہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ صرف ایک حصے کو پوری قیمت میں بیچ دے، صرف ایک درہم چھوڑ کر، پھر باقی حصے کو ایک درہم میں بیچے تو پڑوسی اس حصے کو نہیں لے سکے گا۔

تشریح :حق شفعہ کو ساقط کرنے کے لئے یہ ایک حیلہ بیایا جا رہا ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ مثلا پورے گھر کی قیمت دس ہزار درہم ہے، اس کا دس حصہ بنائے، ان میں سے ایک حصے کو ساڑھے نو ہزار میں بیچے، اب ظاہر بات ہے کہ پڑوسی ایک حصے کو اتنا مہنگا نہیں خریدے گا، جب مشتری نے گھر کا ایک حصہ خرید لیا تو اب وہ شریک بن گیا، اب باقی نو حصوں کو صرف پچاس درہم میں بیچ دے، تو پڑوسی ان حصوں کو نہیں لے سکے گا، کیونکہ شریک کا حق مقدم ہے۔

ترجمہ :۳؎ گھر کو کچھ قیمت کے بدلے میں بیچے، پھر اس کے عوض میں تھوڑا سا کپڑا دے دے، اب شفعہ قیمت کے بدلے میں ہوگا، کپڑے کے بدلے میں نہیں ہوگا، اس لئے کہ وہ دوسرا عقد ہے، اور جو قیمت طے ہوئی تھی وہی گھر کا بدلہ ہے ،مصنف فرماتے ہیں کہ یہ دوسرا حیلہ ہے جو پڑوس کو گھر نہیں لینے دے گا، اور شریک کو بھی نہیں لینے دے گا، اس طرح کئی گنی قیمت میں گھر بیچے اور اس کے بدلے میں اصل قیمت کے برابر کپڑا دے دے۔

تشریح :یہ حیلے کی تیسری صورت ہے۔

مثلا پورے گھر کی قیمت دس ہزار درہم ہے، لیکن گھر کا مالک اس کو چالیس ہزار درہم میں بیچتا، اب اتنے مہنگے میں نہ پڑوس گھر کو لے سکے گا، اور نہ شریک لے سکے گا، دونوں محروم ہو جائیں گے، کیونکہ انکو لینا ہو تو چالیس ہزار میں لے، اب چالیس کے

الدَّارِ قَالَ - رَضِيَ اللَّهُ عَنهُ -: وَهَذِهِ حِيلَةٌ أُخرَى تَعُمُّ الْجِوَارَ وَالشَّرِكَةَ فَيُبَاعُ بِأَضعَافِ قِيمَتِهِ وَيُعطَى بِهَا ثَوبٌ بِقَدرِ قِيمَتِهِ، ۴ إِلَّا أَنَّهُ لَوِ اسْتُحِقَّتِ الْمَشْفُوعَةُ يَبْقَى كُلُّ الثَّمَنِ عَلَى مُشْتَرِي الثَّوْبِ لِقِيَامِ الْبَيْعِ الثَّانِي فَيَتَضَرَّرُ بِهِ، ۵ وَالْأَوْجَهُ أَنْ يُبَاعَ بِالدَّرَاهِمِ الثَّمَنِ دِينَارٌ حَتَّى إِذَا اسْتُحِقَّ الْمَشْفُوعُ يَبْطُلُ الصَّرْفُ فَيَجِبُ رَدُّ الدِّينَارِ لَا غَيْرُ. (۷۲) قَالَ: وَلَا تُكْرَهُ الْحِيلَةُ فِي إِسْقَاطِ الشُّفْعَةِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَتُكْرَهُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ ۱ لِأَنَّ الشُّفْعَةَ انَّمَا وَجَبَتْ لِدَفْعِ

بدلے میں دس ہزار درہم کا کپڑا اس سے لے لے۔

ترجمہ: ۴ مگر اگر شفعہ والا گھر کسی اور کا مستحق نکل گیا کپڑا خریدنے والے پر پورا ثمن (چالیس ہزار درہم) لازم ہوگا کیونکہ دوسری بیع قائم ہے، اس لئے اس صورت میں بائع کو نقصان ہوگا۔

تشریح: اوپر والی صورت کہ [چالیس ہزار میں گھر بیچے اور بدلے میں دس ہزار کا کپڑا لے لے] یہ صورت اچھی لگتی ہے، لیکن اس حیلے میں گھر بیچنے والے کو نقصان ہوگا کہ اگر یہ گھر کسی اور کا مستحق نکل گیا تو گھر والے پر چالیس ہزار لازم ہوگا، کہ وہ گھر خریدنے والے کو ادا کرے، کیونکہ چالیس ہزار میں ہی اصل میں گھر بیچا تھا، اب یہ کتنا بڑا نقصان ہے کہ گھر خریدنے والے سے دس ہزار کا کپڑا لیا ہے، اور اس کو اب چالیس ہزار دینا پڑ رہا ہے۔ اس لئے اس حیلے میں گھر والے کو نقصان ہوگا۔

ترجمہ: ۵ حیلے کی بہتر صورت یہ ہے کہ وہ جو چالیس ہزار درہم تھا اس کو دینار کے بدلے بیچ دے، چنانچہ اگر گھر کسی کا مستحق نکل گیا تو گھر والے پر اتنا ہی دینار واپس کرنا ہوگا جتنا لیا ہے۔

تشریح: یہاں عبارت بہت پیچیدہ ہے۔ اس حیلے کی بہترین صورت یہ ہے کہ گھر کو پہلے چالیس ہزار درہم میں بیچے اب اگر شفیع گھر لینا چاہے گا تو چالیس ہزار میں لے گا۔ پھر اس چالیس ہزار کو اتنے دینار میں بیچے جتنا گھر کی مناسب قیمت ہے، مثلا گھر کی مناسب قیمت دس ہزار درہم ہے تو دس ہزار درہم کا مناسب دینار ایک ہزار دینار ہے، پس ایک ہزار دینار میں چالیس ہزار درہم بیچ دے، اور یہ ایک ہزار دینار مشتری سے لے لے۔

چونکہ درہم اور دینار الگ الگ جنس ہیں اس لئے کمی زیادتی کر کے بیچنا جائز ہے

اب اگر گھر مستحق نکل گیا تو گھر والے پر اتنا ہی دینار واپس دینا لازم ہوگا جتنا اس نے مشتری سے لیا ہے، یعنی ایک ہزار دینار، اس طرح گھر والے کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

ترجمہ: (۷۲) امام ابو یوسفؒ کے نزدیک شفعہ ساقط کرنے کے لئے حیلہ کرنا مکروہ نہیں۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک مکروہ ہے

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ پڑوسیت کے نقصان کو دفع کرنے کے لئے شفعہ واجب قرار دیا گیا ہے، پس اگر حیلہ جائز قرار دے دیں تو پڑوس کے نقصان کو دفع نہیں کر سکے [اس لئے حیلہ کرنا مکروہ ہے]

الضَّرَرِ، وَلَوْ أَبَحْنَا الْحِيلَةَ مَا دَفَعْنَاهُ، ۲؎ وَلِأَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ مَنَعَ عَنْ اثْبَاتِ الْحَقِّ فَلَا يُعَدُّ ضَرَرًا، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الْحِيلَةُ فِي اسْقَاطِ الزَّكَاة.

تشریح :شفعہ ساقط کرنے کے لئے حیلہ کرنا امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔انکی دلیل آگے آرہی ہے۔
امام محمدؒ کے نزدیک حیلہ مکروہ ہے۔

وجہ:اس کی وجہ یہ ہے کہ خطرناک آدمی آنے کی وجہ سے پڑوس کو نقصان ہو اس کے دفع کرنے کے لئے شفعہ کا حق رکھا گیا ہے،اب اگر حیلہ جائز قرار دے دیں تو پڑوس کو نقصان سے نہیں بچا سکوگے،اس لئے حیلہ مکروہ ہے۔

ترجمہ :۲؎ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ ابھی تک پڑوس کا حق ثابت نہیں ہوا ہے اس لئے اس کے حق کو ثابت کرنے کو ہی روکنا ہے،اس لئے اس کو ضرر شمار نہیں کیا جائے گا۔

تشریح :امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے شفعہ کا حق ثابت ہو جاتا اس کے بعد اس سے یہ حق چھینا جاتا تب تو یہ شفیع کا نقصان ہے،لیکن ابھی تک اس کا حق ہی ثابت نہیں ہوا تو اس کو نقصان نہیں سمجھا جائے گا،اس لئے یہ مکروہ نہیں ہوگا۔

ترجمہ:۳؎ اسی اختلاف پر ہے زکوۃ کو ساقط کرنے کے لئے حیلہ کرنا۔

تشریح :زکوۃ کو ساقط کرنے کے لئے حیلہ کرنا بھی اسی طرح اختلاف پر ہے،یعنی امام محمدؒ کے نزدیک مکروہ ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے۔

نوٹ :فتوی اس پر ہے کہ زکوۃ کو ساقط کرنے کے لئے حیلہ مکروہ ہے،اس لئے کہ اس میں غرباء کا نقصان ہے۔

﴿ مَسَائِلُ مُتَفَرِّقَةٌ ﴾

(۷۳)قَالَ: وَإِذَا اشْتَرَى خَمْسَةُ نَفَرٍ دَارًا مِنْ رَجُلٍ فَلِلشَّفِيعِ أَنْ يَأْخُذَ نَصِيبَ أَحَدِهِمْ، وَإِنْ اشْتَرَاهَا رَجُلٌ مِنْ خَمْسَةٍ أَخَذَهَا كُلَّهَا أَوْ تَرَكَهَا ۱؎ وَالْفَرْقُ أَنَّ فِي الْوَجْهِ الثَّانِي بِأَخْذِ الْبَعْضِ تَتَفَرَّقُ الصَّفْقَةُ عَلَى الْمُشْتَرِي فَيَتَضَرَّرُ بِهِ زِيَادَةَ الضَّرَرِ، ۲؎ وَفِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ يَقُومُ الشَّفِيعُ

﴿مسائل متفرقة ﴾

ترجمہ : (۷۳) پانچ آدمیوں نے ایک آدمی سے گھر خریدا تو شفیع کو یہ حق ہے کہ ایک شفعہ کے طور پر ایک آدمی کا حصہ لے لے۔اور اگر آدمی نے پانچ آدمیوں سے خریدا ہے تو ایک حصہ نہیں لے سکتا، یا تو پورا گھر لے یا اس کو چھوڑ دے۔

تشریح زید کا ایک گھر ہے اور اسکو پانچ آدمیوں نے اس سے خریدا ہے، اب عمر ایک آدمی کا حصہ لینا چاہتا ہے تو لے سکتا ہے

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ زید کا گھر پانچ آدمیوں نے خریدا ہے، اب ایک آدمی کا حصہ عمر لے لے تو زید کو کوئی فرق نہیں پڑتا ہے، جس طرح پانچ خریدار سے ٹکڑا ٹکڑا کر کے قیمت وصول کرے گا، اسی طرح عمر سے بھی ٹکڑا ٹکڑا کر کے قیمت وصول کر لے گا

دوسری صورت ۔۔زید نے پانچ آدمیوں سے گھر خریدا ہے اب اگر عمر ایک آدمی کا حصہ لیتا ہے تو زید کو نقصان ہوگا کہ زید کو شرکت کے گھر میں رہنا ہوگا، اور روزانہ لڑائی ہوگی، اس لئے عمر ایک آدمی کا حصہ زید سے شفعہ کے طور پر نہیں لے سکتا۔اگر چاہے تو پورا گھر لے لے اور چاہے تو پورا گھر چھوڑ دے۔آگے شرح میں اسی شرکت کے نقصان کا نام تفریق صفقہ رکھا ہے۔

ترجمہ :۱؎ فرق یہ ہے کہ دوسری صورت میں بعض کے لینے سے خریدنے والے پر تفریق صفقہ ہو جائے گا اور اس کو زیادہ نقصان ہوگا۔

تشریح :دوسری صورت: یہ تھی کہ زید نے پانچ آدمیوں سے ایک گھر خریدا، اب عمر اس میں سے ایک حصہ لے تو زید کو گھر میں شریک ہونا پڑے گا، اور زندگی بھر شرکت کا نقصان سہنا پڑے گا جو زائد ضرر ہے۔اور تفریق صفقہ بھی ہوگا۔یعنی زید نے پانچوں کو ملا کر ایک مجموعہ خریدا ہے، اور عمر کے لینے کی وجہ سے گھر میں حصہ ہو جائے گا، یہی تفریق صفقہ ہے۔

لغت : تتفرق الصفقة :صفقہ کا ترجمہ ہے ایک عقد، اور تفریق صفقہ کا ترجمہ ہے کہ عقد الگ الگ ہو گیا۔دوسرا ہے تفریق الید: ثمن پر قبضے کا الگ الگ ہونا، یعنی تھوڑا تھوڑا کر کے قیمت ادا کرے۔

ترجمہ: ۲؎ اور پہلی شکل میں شفیع ایک آدمی کے قائم مقام ہو جائے گا تو تفریق صفقہ نہیں ہوگا۔

تشریح :پہلی صورت یہ تھی کہ ایک آدمی سے پانچ آدمیوں نے خریدا ہے، اب اس ایک آدمی کا حصہ عمر نے لیا تو عمر ایک آدمی کے قائم مقام ہو گیا، اس صورت میں پہلے سے ٹکڑا ٹکڑا کے خریدا ہے تو اب بھی ٹکڑا ٹکڑا کر کے خریدنا ہوا، اس لئے بائع کا کوئی نقصان نہیں ہوا، اس لئے تفریق صفقہ بھی نہیں ہوا، یعنی اس شفیع کے لینے کی وجہ سے عقد میں ٹکڑا ٹکڑا نہیں ہوا، یہ ٹکڑا ٹکڑا تو

مَقَامَ أَحَدِهِمْ فَلَا تَتَفَرَّقُ الصَّفَقَةُ، ۳؎ وَلَا فَرْقَ فِي هَذَا بَيْنَ مَا إِذَا كَانَ قَبْلَ الْقَبْضِ أَوْ بَعْدَهُ، هُوَ الصَّحِيحُ، ۴؎ إِلَّا أَنَّ قَبْلَ الْقَبْضِ لَا يُمَكِّنُهُ أَخْذُ نَصِيبِ أَحَدِهِمْ إِذَا نَقَدَ مَا عَلَيْهِ مَا لَمْ يَنْقُدُ الْآخَرُ حِصَّتَهُ كَيْ لَا يُؤَدِّيَ إِلَى تَفْرِيقِ الْيَدِ عَلَى الْبَائِعِ ۵؎ بِمَنْزِلَةِ أَحَدِ الْمُشْتَرِيَيْنِ،

پہلے سے ہی تھا، اس لئے شفیع کے لئے ایک حصہ لینا جائز ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اس بات میں کوئی فرق نہیں ہے کہ قبضہ سے پہلے شفیع لے یا قبضے کے بعد صحیح یہی ہے۔

تشریح: ایک آدمی سے پانچ آدمیوں نے خریدا، ابھی ان پانچوں نے گھر پر قبضہ کیا ہے یا نہیں کیا ہے، دونوں صورتوں میں عمر[شفیع] گھر کا ایک حصہ لے سکتا ہے، اس میں کوئی فرق نہیں ہے صحیح بات یہی ہے۔

ترجمہ: ۴؎ مگر قبضہ سے پہلے اپنا حصہ لینا ممکن نہیں ہے اگر اگر اپنا نقد ادا کر دیا، جب تک کہ دوسرا آدمی اپنا حصہ ادا نہ کرے تا کہ بائع کو قیمت ملنے میں ٹکڑا ٹکڑا نہ ہو۔

تشریح: یہاں سے ایک اور بات بتا رہے ہیں۔۔ زید سے پانچ آدمیوں نے گھر خریدا، عمر نے ایک کا حصہ شفعہ کے طور پر لیا، اب چار آدمیوں نے ابھی تک بائع کو قیمت نہیں دی ہے اور نہ اپنے اپنے حصوں پر قبضہ کیا ہے، اب عمر چاہتا ہے کہ اپنے حصے کی رقم دیکر اپنے حصے پر ابھی قبضہ کر لے، تو بائع کو اس کا اختیار ہے کہ ابھی قبضہ دے اور اس کا بھی اختیار ہے کہ باقی چار آدمیوں کی رقم آئے تب جا کر عمر کو اس کے حصے پر قبضہ دے۔ ابھی قبضہ نہ دے۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ بائع نے گھر اس امید پر بیچا ہے کہ گھر کی پوری قیمت آئے تب جا کر سب کو قبضہ دے گا، اگر پہلے ایک کو قبضہ دیتا ہے تو باقی چار کی قیمت آنے میں تاخیر ہوگی اور رقم ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکے گی، جو کسی بڑے مقصد کے لئے کام آئے۔ اسی کو تفریق الید: کہتے ہیں، یعنی قیمت قبضہ کرنے میں ٹکڑا ٹکڑا ہونا۔

لغت: لا یمکنہ اخذ نصیب احدھم: کسی ایک کا حصہ لینا ممکن نہیں ہے، یعنی ایک کے حصے کی قیمت ادا کر کے اس پر ابھی قبضہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ قیمت پر قبضے میں تفریق ہو جائے گی۔ اذا نقد ما علیہ: جتنا شفیع پر آتا ہے اتنی قیمت ادا کر کے، اپنے حصے پر قبضہ کر لے۔ تفریق الید علی البائع: ید کا معنی ہے قبضہ: یہاں مراد ہے کہ بائع کو ٹکڑا ٹکڑا کر کے اپنی قیمت پر قبضہ کرنا ہوگا۔ جو وہ چاہتا نہیں ہے۔

ترجمہ: ۵؎ جیسے کہ دو خریدنے والے ہوں۔

تشریح: یہ ایک مثال ہے۔ ایک بائع سے دو خریدنے والے ہوں، ایک خریدنے والا نا اپنے حصے کی قیمت دیکر اس پر قبضہ کرنا چاہے تو بائع کو اختیار ہے کہ دوسرا مشتری جب تک رقم نہ دے تب تک پہلے مشتری کو قبضہ کرنے نہ دئے، اسی طرح اوپر کے مسئلے میں باقی چار آدمی اپنی اپنی رقم نہ دے بائع شفیع کو مبیع پر قبضہ نہیں دے گا، تا کہ باقی قیمت کے ادا ہونے میں غیر معمولی تاخیر نہ ہو جائے۔

٦ بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الْقَبْضِ؛ لِأَنَّهُ سَقَطَتْ يَدُ الْبَائِعِ، ٧ وَسَوَاءٌ سَمَّى لِكُلِّ بَعْضٍ ثَمَنًا أَوْ كَانَ الثَّمَنُ جُمْلَةً، لِأَنَّ الْعِبْرَةَ فِي هَذَا لِتَفْرِيقِ الصَّفْقَةِ لا لِلثَّمَنِ، وَهَاهُنَا تَفْرِيعَاتٌ ذَكَرْنَاهَا فِي كِفَايَةِ الْمُنْتَهِيْ. (٧٤) قَالَ: وَمَنْ اشْتَرَى نِصْفَ دَارٍ غَيْرَ مَقْسُومٍ فَقَاسَمَهُ الْبَائِعُ أَخَذَ الشَّفِيعُ

ترجمہ: ٦ بخلاف اگر خریدنے والے نے مبیع پر قبضہ کر لیا[تو اب شفیع اپنے حصے پر قبضہ کر سکتا ہے]

تشریح : قیمت لئے بغیر اگر بائع نے کسی ایک آدمی کو مبیع پر قبضہ دے دیا تو اب شفیع بھی اپنے حصے کی قیمت دیکر اس پر قبضہ کر سکتا ہے اس لئے کہ اب بائع کا قبضہ ساقط ہو گیا۔

ترجمہ : ٧ چاہے بائع نے ہر حصے کے لئے الگ الگ قیمت بیان کی ہو یا سب کی قیمت اکٹھی بیان کی ہو، [دونوں صورتوں میں بائع شفیع کو قبضہ نہیں دے گا] اس لئے کہ اس میں تفریق صفقہ کا اعتبار ہے، تفریق ثمن کا اعتبار نہیں ہے۔ اور یہاں بہت سارے تفریعات ہیں جسکو میں نے کفایۃ المنتہی میں ذکر کیا ہے۔

تشریح : بائع نے پانچ آدمیوں کو ایک گھر بیچا لیکن عقد ایک ہی تھا الگ الگ عقد نہیں تھا، اب سب کی قیمت ایک ساتھ بیان کی ہو یا الگ الگ بیان کی ہو دونوں صورتوں میں اس کو حق ہے کہ شفیع کو اس وقت تک اس کے حصے پر قبضہ نہ دے جب تک دوسرے آدمی اپنے حصے کی رقم ادا نہ کر دے۔ کیونکہ صفقہ [عقد] ایک ہی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دو آدمی، مثلا خالد اور عمر کا گھر تھا زید نے دونوں کے حصے کو الگ الگ عقد میں خریدا تو چونکہ یہاں عقد یعنی صفقہ دو ہیں اس لئے شفیع کو حق ہے کہ ایک کے حصے کو لے لے اور اس کی قیمت ادا کر کے اس پر قبضہ بھی کر لے، چاہے زید نے ابھی رقم نہ دی ہو، اس لئے کہ یہاں صفقہ دو ہیں۔

مصنف فرماتے ہیں کہ کفایۃ المنتہی میں اور بھی بہت سی تفریعات بیان کی ہیں۔

ترجمہ :(٧٤) کسی نے بغیر تقسیم کیا ہوا آدھا گھر خریدا پھر بائع سے تقسیم کر کے لے لیا، تو جو حصہ مشتری کا ہوا شفیع اسی حصے کو لے سکتا ہے، اور چاہے تو اس کو چھوڑ دے [شفیع کو دوبارہ تقسیم کروانے کا حق نہیں ہے]

نوٹ :اس عبارت میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بائع اپنی زمین کا حصہ کر کے مشتری کو دیا تو شفیع اس تقسیم کو توڑ وا نہیں سکتا، کیونکہ تقسیم کرنا بھی قبضہ دینے کی طرح ہے، اب زمین کا یہ آدھا حصہ شفیع کی زمین کی طرف ہو تب بھی لے، اور اس کی زمین کی دوسری جانب ہو تب بھی اس کو لے، اور نہ لینا چاہے تو چھوڑ دے۔

بائع کی آدھی زمین جسکو تقسیم کر کے دیا	بائع کی آدھی زمین جو ابھی اس کے پاس ہے	شفیع کی زمین

النِّصفَ الَّذِى صَارَ لِلْمُشْتَرِي أَوْ يَدَعُ ـ ۱؎ لِأَنَّ الْقِسمَةَ مِنْ تَمَامِ الْقَبْضِ لِمَا فِيهِ مِنْ تَكْمِيلِ الِانْتِفَاعِ، وَلِهَذَا يَتِمُّ الْقَبْضُ بِالْقِسمَةِ فِي الْهِبَةِ، وَالشَّفِيعُ لَا يَنْقُضُ الْقَبْضَ وَإِنْ كَانَ لَهُ نَفعٌ فِيهِ

دوسری بات یہ بتانا چاہتے ہیں۔کہ

مثلا زیداور عمر دو آدمی کی زمین تھی۔مشتری[خالد] نے ایک آدمی، مثلا زید کی زمین خریدی ، اور عمر سے حصہ کر کے لے لیا تو شفیع کو یہ حق ہے کہ مشتری کی کروائی ہوئی تقسیم کو توڑوا دے، پھر اپنی مرضی کی تقسیم کروائے۔کیونکہ یہ تقسیم بائع سے نہیں ہے، بلکہ اجنبی سے ہے، اور یہ تقسیم قبضہ لینے کا حصہ نہیں ہے۔آگے اس کی تفصیل دیکھیں

تشریح :مثلا زید کے پاس ایک زمین تھی عمر نے اس میں سے آدھی خریدی، پھر اس زمین کو تقسیم کر کے لے لیا، تو یہ تقسیم کر کے لینا قبضے کا حصہ ہے، اس سے قبضہ مکمل ہوا، جس طرح زمین کو ہبہ کرے تو ابھی ہبہ مکمل نہیں ہے، اس کو تقسیم کر کے قبضہ دیگا تب ہبہ مکمل ہوگا،

قاعدہ یہ ہے کہ مشتری کا قبضہ کرنا، اور قبضے کے لئے جو چیز معاون ہو شفیع اس کو نہیں توڑ وا سکتا، یہاں بائع نے اپنی زمین سے تقسیم کر کے مشتری کو دیا تو اس سے اس کا قبضہ مکمل ہوا اس لئے شفیع چاہے کہ اس تقسیم کو توڑوا کر، اپنی مرضی کے مطابق تقسیم کروائے، اور اپنی زمین کے ساتھ ملا کر حصہ لے، یہ ممکن نہیں ہے، لینا ہو تو تقسیم شدہ زمین کو لے، ورنہ چھوڑ دے۔

اصول :زمین کا تقسیم کرنا قبضے کے لئے معاون ہو تو شفیع ایسی تقسیم کو نہیں توڑ وا سکتا۔

اصول:زمین کا تقسیم کرنا قبضے کے معاون نہ ہو بلکہ اس کے بغیر بھی قبضہ مکمل ہو جاتا ہو تو، ایسی تقسیم کو شفیع توڑ وا سکتا ہے۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ یہاں تقسیم کرنا قبضے کو مکمل کرنے کے لئے ہے، اس لئے کہ اس سے فائدہ مکمل حاصل ہوگا، یہی وجہ ہے کہ ہبہ میں تقسیم کرنے کی وجہ سے قبضہ مکمل ہوتا ہے، اور شفیع قبضے کو نہیں توڑ وا سکتا، اسی طرح اس تقسیم کو نہیں توڑ وا سکتا۔اگر چہ اس میں شفیع کا فائدہ ہے کہ بیع براہ راست بائع سے شمار کی جائیگی۔پس جو تقسیم قبضے کو مکمل کرنے والی ہے اسکو بھی نہیں توڑ وا سکتا

تشریح :یہ اوپر کے مسئلے کی دلیل ہے، فرماتے ہیں کہ یہاں مشتری نے بائع سے تقسیم کر کے لیا تو اس سے مشتری کا قبضہ مکمل ہوا، کیونکہ اب اس زمین سے فائدہ اٹھا سکے گا، اس کی ایک دلیل دیتے ہیں کہ ہبہ میں تقسیم کر کے جب تک نہ دیا ہو تو ہبہ مکمل نہیں ہوتا، اور تقسیم کر کے دے تو ہبہ مکمل ہو جاتا ہے، اسی طرح یہاں تقسیم کرنے سے قبضہ مکمل ہوا، اور قاعدہ یہ ہے کہ مشتری کا تصرف تو شفیع ختم کر سکتا ہے، لیکن قبضہ ختم نہیں کر سکتا ہے، اسی طرح قبضہ کے لوازمات تقسیم کرنا بھی باطل نہیں کر سکتا۔

لغت: و ان كان له نفع فيه يعود العهدة على البائع :عہدہ کا ترجمہ ہے بیع کا مدار، پوری عبارت کا ترجمہ ہے:اگر چہ اس میں شفیع کا فائدہ ہے کہ بیع کا مدار براہ راست بائع پر لوٹ جائے گا۔عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مشتری نے جب تقسیم کر کے لیا تھا تو بیع کا مدار مشتری کی طرف تھا، لیکن جب شفیع قبضہ کو توڑوائے گا تو اب بیع کا مدار خود شفیع کی طرف ہو جائے گا، اور یوں

بِعَوْدِ الْعُهْدَةِ عَلَى الْبَائِعِ، فَكَذَا لَا يُنْقَضُ مَا هُوَ مِنْ تَمَامِهِ، ۲؎ بِخِلَافِ مَا إِذَا بَاعَ أَحَدُ الشَّرِيكَيْنِ نَصِيبَهُ مِنَ الدَّارِ الْمُشْتَرِكَةِ وَقَاسَمَ الْمُشْتَرِيَ الَّذِي لَمْ يَبِعْ حَيْثُ يَكُونُ لِلشَّفِيعِ نَقْضُهُ، لِأَنَّ الْعَقْدَ مَا وَقَعَ مَعَ الَّذِى قَاسَمَ فَلَمْ تَكُنِ الْقِسْمَةُ مِنْ تَمَامِ الْقَبْضِ الَّذِى هُوَ حُكْمُ الْعَقْدِ بَلْ هُوَ تَصَرُّفٌ بِحُكْمِ الْمِلْكِ فَيَنْقُضُهُ الشَّفِيعُ كَمَا يَنْقُضُ بَيْعَهُ وَهِبَتَهُ، ۳؎ ثُمَّ إِطْلَاقُ الْجَوَابِ فِي الْكِتَابِ يَدُلُّ عَلَى أَنَّ الشَّفِيعَ يَأْخُذُ النِّصْفَ الَّذِى صَارَ لِلْمُشْتَرِي فِي أَيِّ جَانِبٍ

سمجھا جائے گا کہ خود شفیع نے بائع سے بیع کی، اور ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ شفیع اپنی مرضی کے مطابق اپنی زمین کے ساتھ متصل کر کے حصہ لیگا، جس سے اس کو زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل ہوگا۔

ترجمہ :۲؎ بخلاف جبکہ دو شریک میں سے ایک نے مشترک گھر میں سے اپنے حصے کو بیچا، اور مشتری نے اس سے حصہ کروایا جس نے بیچا نہیں تھا تو شفیع کو اس کو توڑوانے کا حق ہے، اس لئے کہ جس سے تقسیم کیا اس سے بیع نہیں ہوئی تھی اس لئے تقسیم کرنا قبضے کے پورے ہونے کے لئے نہیں ہے جو عقد کا حکم ہے، بلکہ مشتری کی ملکیت کی وجہ سے، خود مشتری کا تصرف ہے، اس لئے شفیع اس کو توڑوا سکتا ہے، جیسے مشتری کی بیع اور اس کا ہبہ توڑوا سکتا ہے۔

تشریح :اس عبارت میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بائع کے علاوہ کسی اور سے مشتری نے تقسیم کیا تو یہ تقسیم قبضے کو مکمل کرنے کے لئے نہیں ہے، بلکہ مشتری کے مالک ہونے کے بعد اس کا اپنا تصرف ہے، اس لئے شفیع اس تقسیم کو توڑوا سکتا ہے، اور اپنی مرضی سے تقسیم کروا سکتا ہے، اور یہ امید کی جا سکتی ہے کہ یہ حصہ شفیع کی زمین سے متصل مل جائے اور شفیع اس سے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کر سکے۔

زمین کے بائع کے ساتھ دوسرا آدمی شریک تھا مشتری نے بائع کا حصہ خریدا اور بائع کے شریک سے حصہ کر کے لے لیا، تو اس حصے کو شفیع توڑوا سکتا ہے۔

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مشتری نے بائع سے تقسیم نہیں کیا بلکہ بائع کا جو شریک ہے اس سے حصہ کیا ہے اس لئے یہ حصہ قبضے کو مکمل کرنے والا نہیں ہے، بلکہ اپنی ملکیت کو الگ کرنے کے لئے یہ تقسیم کروایا ہے، اور گویا کہ یہ مشتری کا ذاتی تصرف ہے، پس جس طرح مشتری کا ذاتی تصرف اس زمین کو بیچنا، اور ہبہ کرنا توڑوا سکتا ہے اسی طرح یہ تصرف بھی توڑا سکتا ہے

ترجمہ : ۳؎ پھر متن میں جواب مطلق ہے، یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ شفیع اس آدھے حصے کو لیگا جو مشتری کا ہوا چاہے جس جانب ہو، امام ابو یوسفؒ سے یہی روایت ہے، اس لئے کہ مشتری تقسیم کر کے شفیع کے حق کو باطل نہیں کر سکتا۔

تشریح :متن کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ مشتری نے تقسیم کر کے جس جانب زمین لی ہے اسی جانب کو شفیع لے لے گا، چاہے شفیع کی جانب حصہ آئے چاہے دوسری جانب آئے، حضرت امام ابو یوسفؒ سے یہی روایت ہے۔

كَانَ وَهُوَ الْمَرْوِيُّ عَنْ أَبِي يُوسُفَ، لِأَنَّ الْمُشْتَرِيَ لا يَمْلِكُ ابْطَالَ حَقِّهِ بِالْقِسْمَةِ، ۴ وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ انَّمَا يَأْخُذُهُ إِذَا وَقَعَ فِي جَانِبِ الدَّارِ الَّتِي يُشْفَعُ بِهَا؛ لِأَنَّهُ لا يَبْقَى جَارًا فِيمَا يَقَعُ فِي الْجَانِبِ الْآخَرِ. (۷۵)قَالَ: وَمَنْ بَاعَ دَارًا وَلَهُ عَبْدٌ مَأْذُونٌ عَلَيْهِ دَيْنٌ فَلَهُ الشُّفْعَةُ، وَكَذَا إِذَا كَانَ الْعَبْدُ هُوَ الْبَائِعُ فَلِمَوْلَاهُ الشُّفْعَةُ ۱ لِأَنَّ الْأَخْذَ بِالشُّفْعَةِ تَمَلُّكٌ بِالثَّمَنِ، فَيَنْزِلُ مَنْزِلَةَ

اس نقشہ کو دیکھیں

شفیع کی زمین	بائع کی آدھی زمین جو ابھی اس کے پاس ہے	بائع کی آدھی زمین جسکو تقسیم کر کے دیا

اس نقشے میں مشتری نے حصہ کر کے جو زمین لی ہے، وہ شفیع کی زمین کی جانب نہیں ہے، بلکہ دوسری جانب ہے، پھر بھی چونکہ پہلے شفیع پڑوس تھا اس لئے دوسری جانب ہونے کے باوجود اس کو شفعہ کا حق ملے گا۔ مشتری کو یہ حق نہیں ہے کہ دوسری جانب زمین لیکر شفیع کے حق کو ساقط کرے۔

ترجمہ : ۴ حضرت امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ شفیع صرف اسی وقت لے سکتا ہے جبکہ گھر کا حصہ اس جانب واقع ہو جس جانب سے شفعہ کا دعوی کر رہا ہے، اس لئے کہ دوسری جانب واقع ہونے کی وجہ سے یہ پڑوس باقی نہیں رہ سکتا ہے۔

تشریح :امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ مشتری نے جو حصہ تقسیم کر کے لیا ہے اگر وہ شفیع کی زمین کی جانب ہے تب تو پڑوس ہونے کی وجہ سے شفعہ کے طور پر لے سکتا ہے۔ لیکن اگر مشتری کا حصہ شفیع کی جانب نہیں ہے بلکہ دوسری جانب ہے تو اب چونکہ یہ پڑوس نہیں رہا اس لئے اب اس کو شفعہ کا حق نہیں ملے گا۔

اس نقشہ کو دیکھیں

شفیع کی زمین	بائع کی آدھی زمین جسکو تقسیم کر کے دیا	بائع کی آدھی زمین جو ابھی اس کے پاس ہے

اس نقشے میں بائع سے لی ہوئی آدھی زمین شفیع کی جانب ہے اس لئے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک شفعہ کے طور پر لے سکتا ہے، اور دوسری جانب ہوتی تو شفعہ کے طور پر نہیں لے سکتا۔

ترجمہ : (۷۵) کسی آقا نے گھر بیچا اور اس کا غلام ہے جسکو تجارت کی اجازت تھی اور اس پر اتنا قرض تھا جس سے اس کی گردن گھری ہوئی تھی تو اس غلام کو شفعہ کا حق ملے گا، اسی طرح اگر غلام گھر بیچ رہا ہو، تو اس کے آقا کو شفعہ کا حق ہوگا۔

الشِّرَاءِ، وَهذَا؛ لِأَنَّهُ مُفِيدٌ؛ لِأَنَّهُ يَتَصَرَّفُ لِلْغُرَمَاءِ، ٢ بِخِلَافِ مَا إِذَا لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ دَيْنٌ؛ لِأَنَّهُ يَبِيعُهُ لِمَوْلَاهُ، وَلَا شُفْعَةَ لِمَنْ يَبِيعُ لَهُ،(٧٦) قَالَ: وَتَسْلِيمُ الْأَبِ وَالْوَصِيِّ الشُّفْعَةَ عَلَى

اصول : یہاں تین اصول یادرکھیں[١] جس غلام کوتجارت کی اجازت ہو،اس پر اتنا قرض نہیں کہ پورا غلام بیچ دیں تب بھی قرض ادانہ ہوسکے تو اس کی تجارت آقا کے لئے ہوتی ہے،اوراس کا نفع بھی آقا کوملتا ہے۔[٢] دوسری بات یہ ہے کہ اگر غلام پر اتنا قرض ہو کہ اس کو بیچ دیں تب بھی قرض ادانہ ہوسکتا ہو،تو ایسا غلام اب آقا کانہیں رہا،قرض دینے والے کا ہوگیا،اوراس کی تجارت قرض دینے والے کے لئے ہوگئی [٣] تیسری بات یہ یادرکھیں کہ اگر آقا کے لئے تجارت کررہا ہوتو آقا شفعہ کا دعوی کر سکتا ہے اور غلام شفعہ کا دعوی کرسکتا ہے،اوراگر آقا کے لئے تجارت نہیں کررہا ہوتو اب آقا غلام کے گھر میں شفعہ کا دعوی کرے گا ،اورغلام بھی آقا کے گھر میں شفعہ کا دعوی کرے گا،کیونکہ اس وقت غلام اور آقا اجنبی کی طرح ہوگئے۔

تشریح : ایک آدمی کے پاس ایک غلام تھا جسکوتجارت کی اجازت تھی اوراس پر اتنا قرض تھا کہ وہ بک جاتا،اس آدمی نے گھر بیچا تو اس غلام کواس گھر میں شفعہ کا دعوی کرنے کا حق ہوگا،اسی طرح اگر غلام گھر بیچے تو اس کے آقا کوشفعہ کے ماتحت اس گھر لینے کا حق ہوگا۔

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ غلام اب آقا کانہیں رہا،اورنہ اس کی تجارت آقا کے لئے رہی اس لئے دونوں گویا کہ اجنبی ہوگئے اس لئے دونوں شفعہ کا دعوی کرسکتے ہیں۔

ترجمہ : ١ اس لئے کہ شفعہ کے ذریعہ لینا قیمت سے مالک بننا ہے اس لئے خریدنے کے درجے میں اتر گیا،اور یہ لینا مفید ہے اس لئے کہ غلام اپنے قرض خواہوں کے لئے تجارت کررہا ہے [تو غلام اور آقا اجنبی کی طرح ہوگئے]

تشریح :یہاں شفعہ کے ذریعہ گھر لیگا تو گویا کہ یہ گھر کوخریدرہا ہے،اورغلام پر قرض ہے اس لئے غلام کی یہ تجارت آقا کے لئے نہیں ہے بلکہ اپنے قرض مانگنے والوں کے لئے ہے اس لئے غلام اور آقا اجنبی کی طرح ہوگئے اس لئے غلام آقا کے گھر پر اور آقا غلام کے گھر پر شفعہ کا دعوی کرسکتے ہیں۔

لغت:غرماء:غریم کی جمع ہے،قرض مانگنے والے۔

ترجمہ : ٢ بخلاف اگر غلام پر قرض نہ ہوتو وہ اپنے آقا کے لئے بیچ رہا ہے۔اس لئے جسکے لئے بیچ رہا ہوتو وہ شفعہ کا دعوی نہیں کرسکتا۔

تشریح :اگر غلام پر قرض نہیں ہے تو اس وقت یہ تجارت اپنے آقا کے لئے ہوگی،اورقاعدہ ہے کہ جسکے لئے تجارت کرے وہ شفعہ کا حق نہیں رکھتا۔

ترجمہ :(٧٦) چھوٹے بچے کے باپ،اورولی شفعہ کا حق چھوڑ دے توامام ابوحنیفہؒ اورامام ابویوسفؒ کے نزدیک جائز ہے اورامام محمد اورامام زفرؒ نے فرمایا کہ بچہ جب بالغ ہوجائے تو وہ اپنے شفعہ کا حقدار رہوگا۔

الصَّغِيرِ جَائِزٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَزُفَرُ رَحِمَهُمَا اللَّهُ: هُوَ عَلَى شُفْعَتِهِ إِذَا بَلَغَ ۱؎ قَالُوا: وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ إِذَا بَلَغَهُمَا شِرَاءُ دَارٍ بِجِوَارِ دَارِ الصَّبِيِّ فَلَمْ يَطْلُبَا الشُّفْعَةَ، ۲؎ وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ تَسْلِيمُ الْوَكِيلِ بِطَلَبِ الشُّفْعَةِ فِي رِوَايَةِ كِتَابِ الْوَكَالَةِ، وَهُوَ الصَّحِيحُ، ۳؎ لِمُحَمَّدٍ وَزُفَرَ أَنَّهُ حَقٌّ ثَابِتٌ لِلصَّغِيرِ فَلَا يَمْلِكَانِ ابْطَالَهُ كَدِيَتِهِ وَقَوَدِهِ، وَلِأَنَّهُ

تشریح :اس عبارت میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بچے کی ملکیت میں گھر ہواوراس کے پڑوس میں دوسرا گھر بک رہا ہو،اوراس کے باپ نے یااس کے ولی نے شفعہ کا حق چھوڑ دیا تو کیا بچے کے حق میں چھوٹ جائے گا،یااس کے بالغ ہونے کے بعداس کو شفعہ کا حق ملے گا،شیخین فرماتے ہیں کہ حق ختم ہوجائے گا،اورامام محمدؒاورامام زفرؒ فرماتے ہیں کہ حق ختم نہیں ہوگا، بلکہ بالغ ہونے کے بعددوبارہ بچے کوشفعہ کا دعوی کرنے کا حق ملے گا۔

لغت :تسلیم: کا ترجمہ ہے چھوڑ دینا،حق شفعہ کو چھوڑ دینا۔ وصی: بچہ،یابچی یتیم ہواس پرجسکونگراں متعین کرے اس کو,وصی، کہتے ہیں۔

ترجمه :۱؎ علماء نے کہا کہ اسی اختلاف پر ہے اگر باپ اوروصی دونوں کو بچے کے گھر کے پڑوس میں گھر بکنے کی خبر ملی اور انہوں نے شفعہ طلب نہیں کیا۔

تشریح : متن میں یہ شکل تھی کہ شفعہ کا دعوی کر کے اس کو چھوڑ دیا ہو،اور یہاں یہ شکل ہے کہ گھر بکنے کی خبر ملی لیکن شفعہ کا دعوی ہی نہیں کیا،تواس اعراض سے بھی شفعہ کا حق ختم ہوجائے گا۔

ترجمه : ۲؎ اسی اختلاف پر ہے،شفعہ کے طلب کرنے کا وکیل بنایا تھا اسی نے شفعہ چھوڑ دیا،مبسوط کے کتاب الوکالۃ کی روایت میں،اورصحیح یہی ہے۔

تشریح :شفعہ طلب کرنے کا وکیل بنایا،لیکن نے شفعہ لینے کے بجائے ،اس کو چھوٹ دیا،تواس میں اوپر کا اختلاف ہے، یعنی امام ابوحنیفہؒاورامام ابو یوسفؒ کے نزدیک شفعہ کا حق ختم ہوجائے گا،اورامام محمدؒ کے نزدیک حق باقی رہے گا۔

لغت : هوا الصحيح :بعض لوگوں نے فرمایا کہ اس وکالت کی صورت میں امام محمدؒامام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہیں،اس لئے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ اس صورت میں بھی امام محمدؒ کا اختلاف ہے،اور یہاں بھی انکی رائے یہ ہے کہ شفعہ کا حق ختم نہیں ہوگا۔

ترجمه : ۳؎ امام محمدؒاورامام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ بچے کے لئے شفعہ کا حق ثابت ہے اس لئے باپ اوروصی اس کو باطل کرنے مالک نہیں ہوگا، جیسے دیت اور قصاص باطل نہیں کرسکتے۔اوراس لئے بھی کہ یہ دونوں نقصان کو دفع کرنے کے لئے ہیں ،تواس کے شفعہ کے حق کو باطل کرنے سے انکونقصان ہوگا[اور باپ اوروصی نقصان دینے کا مالک نہیں ہیں]

شُـرِعَ لِدَفْعِ الضَّرَرِ فَكَانَ إِبْطَالُهُ إِضْرَارًا بِهِ. ۴ وَلَهُـمَا: أَنَّهُ فِي مَعْنَى التِّجَارَةِ فَيَمْلِكَانِ تَرْكَهُ؛ أَلَا تَـرَى أَنَّ مَـنْ أَوْجَـبَ بَيْـعًا لِلصَّبِيِّ صَحَّ رَدُّهُ مِنْ الْأَبِ وَالْوَصِيِّ، ۵ وَلِأَنَّـهُ دَائِـرٌ بَيْنَ النَّفْعِ وَالـضَّـرَرِ، وَقَـدْ يَـكُـونُ الـنَّـظَرُ فِي تَرْكِهِ لِيَبْقَى الثَّمَنُ عَلَى مِلْكِهِ وَالْوِلَايَةُ نَظَرِيَّةٌ فَيَمْلِكَانِهِ ۶ وَسُـكُـوتُهُمَا كَإِبْطَالِهِمَا لِكَوْنِهِ دَلِيلَ الْإِعْرَاضِ، ۷ وَهَـذَا إِذَا بِيعَتْ بِمِثْلِ قِيمَتِهَا، فَإِنْ بِيعَتْ بِأَكْثَرَ مِنْ قِيمَتِهَا بِمَا لَا يَتَغَابَنُ النَّاسُ فِيهِ قِيلَ: جَازَ التَّسْلِيمُ بِالْإِجْمَاعِ؛ لِأَنَّهُ تَمَحَّضَ نَظَرًا،

تشریح :امام محمدؒ اورامام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ باپ اور وصی بچے کو فائدہ دینے کے لئے مقرر کیا گیا ہے، اور شفعہ کو ساقط کرنے میں بچے کو نقصان ہے، اس لئے یہ شفعہ کو ساقط کرنے کے مالک نہیں ہوں گے۔ اس کے لئے دو مثالیں دی ہیں [۱] باپ اور وصی بچے کی دیت [۲] اور قصاص ساقط نہیں کر سکتے اسی طرح شفعہ بھی ساقط نہیں کر سکتے۔

لغت: دیت: بچے کو کسی نے زخمی کیا اس کے بدلے میں درہم لازم ہو اس کو ,دیت، کہتے ہیں۔ قود: بچے کا کسی نے ہاتھ کاٹ دیا، اس کے بدلے میں کاٹنے والے کا ہاتھ کاٹے اس کو قود، قصاص، کہتے ہیں۔

ترجمہ : ۴ امام ابوحنیفہؒ اورامام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ شفعہ تجارت کے درجے میں ہے اس لئے باپ اور وصی اس کو چھوڑنے کا بھی مالک ہیں۔ کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ کسی نے بچے کیلئے بیع کا ایجاب کیا تو باپ اور وصی اس کو رد کر سکتے ہیں

تشریح :شیخین کی دلیل یہ ہے کہ شفعہ کا حق تجارت کے درجے میں ہے اس لئے یہ دیکھے کہ تجارتی اعتبار سے نقصان ہے تو شفعہ کے حق کو ساقط کر سکتے ہیں۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ کسی نے بچے کے لئے ایجاب کیا کہ میں یہ گھر بچے کے ہاتھ میں بیچتا ہوں تو باپ اور وصی اس کو رد کر سکتے ہیں، اسی طرح شفعہ کو بھی رد کر سکتے ہیں، کیونکہ وہ تجارت کے درجے میں ہے۔

ترجمہ ۵ اور اس لئے کہ شفعہ نفع اور نقصان کے درمیان میں ہے، اور کبھی شفعہ کو چھوڑنے میں مصلحت ہوتی ہے تا کہ قیمت بچے کے پاس باقی رہے، اور یہ ولایت مصلحت کے طور پر ہے اسلئے باپ اور ولی شفعہ کے حق کو ساقط کرنے کے مالک ہونگے

تشریح :واضح ہے۔

ترجمہ : ۶ اور باپ اور ولی کا شفعہ لینے سے چپ رہنا بھی شفعہ باطل کرنے کی طرح ہے اس لئے کہ یہ بھی اعراض کی دلیل ہے۔

تشریح :ایک شکل یہ ہے کہ باضابطہ شفعہ کو چھوڑ دے، دوسری صورت یہ ہے کہ شفعہ کی خبر ملی پھر بھی اس کو لینے سے باپ، یا ولی چپ رہے تو اس سے بھی شفعہ ساقط ہو جائے گا، کیونکہ یہ بھی اعراض کی دلیل ہے۔

ترجمہ : ۷ یہ اختلاف اس وقت ہے کہ جبکہ مثلی قیمت میں گھر بکا ہو، اور اگر اتنی زیادہ قیمت میں بکا ہو جس میں لوگ دھوکہ نہیں کھاتے ہیں تو بالا جماع اس کو چھوڑ دینا جائز ہے، اس لئے کہ یہ حق محض مصلحت کے لئے ہے۔

۸ وَقِيلَ لَا يَصِحُّ بِالِاتِّفَاقِ؛ لِأَنَّهُ لَا يَمْلِكُ الْأَخْذَ فَلَا يَمْلِكُ التَّسْلِيمَ كَالْأَجْنَبِيِّ، ۹ وَإِنْ بِيعَتْ بِأَقَلَّ مِنْ قِيمَتِهَا مُحَابَاةً كَثِيرَةً، فَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ لَا يَصِحُّ التَّسْلِيمُ مِنْهُمَا أَيْضًا وَلَا رِوَايَةَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

تشریح :اوپر میں جو اختلاف تھا یہ اس وقت میں تھا جبکہ گھر مناسب قیمت میں بکا، لیکن اگر اتنی قیمت میں بکا جتنی قیمت میں لوگ عام طور پر نہیں لیتے ہیں، مثلا تین ہزار درہم کا گھر تھا اور بیس ہزار درہم میں بیچا، تو لوگ اتنا خسارہ نہیں اٹھاتے ،تو بالاتفاق یہ ہے کہ باپ اور ولی کے چھوڑنے سے شفعہ ختم ہوجائے گا، بالغ ہونے کے بعد بھی اس کو شفعہ کا حق نہیں ملے گا۔

وجه: یہ ولایت مصلحت کے لئے ہے، اور اتنی زیادہ قیمت گھر بکا ہو تو مصلحت اسی میں ہے کہ شفعہ کا حق چھوڑ دیا جائے۔

لغت : لایتغابن الناس : تغابن : کا ترجمہ ہے کہ لوگ دھوکا کھا تا ہو، اور لایتغابن الناس: کا ترجمہ ہے لوگ اتنی قیمت کا دھوکہ نہیں کھاتا ہو۔ تمحض نظرا: نظر کا ترجمہ ہے مصلحت، تمحض نظرا : کا ترجمہ ہے کہ محض مصلحت کے طور پر ہو ولایت ملی ہو

ترجمه : ۸ بعض لوگوں نے کہا کہ بالاتفاق چھوڑنا صحیح نہیں ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جب لینے کا ہی مالک نہیں ہیں تو اس کو چھوڑنے کا بھی مالک نہیں ہوں گے، جس طرح اجنبی نہ لینے کا مالک ہے اور نہ چھوڑنے کا مالک ہے۔

تشریح :بعض علماء نے فرمایا کہ بہت زیادہ قیمت میں گھر بکا ہو تب بھی باپ اور ولی کو چھوڑنے کا اختیار نہیں ہے، بالغ ہوکر بچے کو شفعہ کے ذریعہ لینے کا حق ہوگا۔

تشریح :اس کی منطقی دلیل یہ ہے کہ اتنی زیادہ قیمت ہونے کی وجہ سے باپ اور ولی کو اس میں ہاتھ ڈالنے ہی کا اختیار نہیں ہوگا، اور چونکہ اس کو لینے کا اختیار نہیں ہے تو اس کو چھوڑنے کا بھی اختیار نہیں ہوگا۔ اس دلیل کا حاصل یہ ہے کہ باپ اور ولی کو اس میں ہاتھ ڈالنے کا ہی اختیار نہیں ہے اور جب ہاتھ ہی نہیں ڈالیں گے تو نہ لینے کا اختیار ہوا اور نہ چھوڑنے کا اختیار ہوا اس لئے معاملہ اپنی اصلیت پر برقرار رہا، یعنی بچے کو بالغ ہونے کے بعد شفعہ کے دعوی کا حق حاصل رہے گا۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جس طرح اجنبی کو ہاتھ ڈالنے کا اختیار نہیں رہتا اسی طرح یہاں باپ اور ولی کو ہاتھ ڈالنے کا اختیار نہیں رہے گا۔

ترجمه : ۹ اور اگر بہت زیادہ رعایت کرتے ہوئے بہت کم قیمت میں بیچا تو امام ابوحنیفہؒ سے روایت ہے کہ دونوں [باپ اور ولی] سے چھوڑنا صحیح نہیں ہے، اور اس بارے میں امام ابو یوسفؒ سے کوئی روایت نہیں ہے۔

تشریح : جو مناسب قیمت تھی مکان کے مالک نے اس سے بہت کم قیمت میں بیچی تو امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ اس صورت میں نہ باپ کو شفعہ کا حق چھوڑنے کا حق ہے اور نہ ولی کو، کیونکہ اس میں تو صراصر بچے کا فائدہ ہی فائدہ ہے، اور اسی قسم کی مصلحت کے لئے باپ اور ولی کو مقرر کیا گیا ہے۔ امام ابو یوسفؒ سے اس بارے میں کوئی روایت نہیں ہے، غالب گمان یہی ہے کہ ان کی رائے بھی یہی ہوگی ،شفعہ کو نہ چھوڑا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

﴿كِتَابُ الْقِسْمَةِ﴾

(٧٧) قَالَ الْقِسْمَةُ فِي الْأَعْيَانِ الْمُشْتَرَكَةِ مَشْرُوعَةٌ ١؎ لِأَنَّ النَّبِيَّ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – بَاشَرَهَا فِي الْمَغَانِمِ وَالْمَوَارِيثِ، وَجَرَى التَّوَارُثُ بِهَا مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ، ٢؎ ثُمَّ هِيَ لَا تَعْرَى عَنْ

﴿ كتاب القسمة ﴾

ترجمه : (٧٧) ایسی عینی چیز جومشترک ہواس کوتقسیم کرنا مشروع ہے۔ اس لئے کہ حضورﷺ نے غنیمت حاصل کرنے کے موقع پر اور وراثت تقسیم کرنے کے موقع پر کئے ہیں، اور بغیر نکیر کے زمانے سے یہ بات آرہی ہے۔

تشریح :کوئی عینی چیز ہو اور مشترک ہو اس کو تقسیم کر کے حصہ داروں کو دینے کا رواج زمانے دراز سے چلا آرہا ہے، اور حضورؐ نے غنیمت تقسیم کرتے وقت اور وراثت تقسیم کرتے وقت ایسا کیا ہے۔

وجه : (١) تقسیم کے جواز کے لئے آیت یہ ہے جسکی طرف صاحب ھدایہ نے اشارہ کیا ہے۔ واذا حضر القسمة اولوا القربى واليتمٰى والمساكين فارزقوهم منه وقولوا لهم قولا معروفا (آیت ٨، سورة النساء ٤) اس آیت میں تقسیم کرنے کا تذکرہ ہے (٢) و نبئهم ان الماء قسمة بينهم كل شرب محتضر ۔(آیت ٢٨، سورت القمر ٥٤) اس آیت میں ہے کہ قوم ثمود میں پانی کی تقسیم تھی۔ (٣) اس کے لئے حدیث یہ ہے۔ حضورؐ نے خیبر کی زمین کو چھتیس ٹکڑوں میں تقسیم فرمایا تھا۔ حدیث یہ ہے۔ ان رسول الله ﷺ لما ظهر على خيبر قسمها على ستة وثلاثين سهما جمع كل سهم مائة سهم فكان لرسول الله ﷺ وللمسليمن النصف من ذلك وعزل النصف الباقى لمن نزل به من الوفود والامور ونوائب الناس ۔(ابوداؤد شریف، باب ما جاء فی حکم ارض خیبر، ص ٤٤١، نمبر ٣٠١٢) اس حدیث میں خیبر کی زمین کی تقسیم کا تذکرہ ہے (٤) دوسری حدیث میں ہے کہ آپؐ نے مال غنیمت تقسیم فرمائی۔ عن عباية بن رفاعة بن رافع بن خديج عن جده قال كنا مع النبى ﷺ بذى الحليفة ... ثم قسم فعدل عشرة من الغنم ببعير (بخاری شریف، باب قسمة الغنم، ص ٤٠٢، نمبر ٢٤٨٨) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشترکہ مال کو تقسیم کرنا جائز ہے۔ (٥) حدثنا آدم ......اقضى فيها بما قضى النبى ﷺ للابنة النصف و لابنة الابن السدس تكملة الثلثين و ما بقى فللاخت ۔(بخاری شریف، باب میراث ابنة ابن مع ابنة، ص ١١٦٣، نمبر ٦٧٣٦، ابوداود شریف، باب ما جاء فی میراث الصلب، ص ٤٢٠، نمبر ٢٨٩٠) اس حدیث میں ہے کہ وراثت کی تقسیم کی جائے۔

لغت :اعیان: جو چیز سامنے موجود ہو اس کو عین چیز کہتے ہیں۔ القسمة: یہ تقسیم سے مشتق ہے، تقسیم کرنا۔

ترجمه : ٢؎ پھر لفظ تقسیم مبادلت کے معنی سے خالی نہیں ہوگا، اس لئے کہ دو شریکوں میں سے ایک کے لئے جو حصہ جمع ہوا ہے اس میں سے بعض خود اس کا ہے اور بعض اپنے شریک کا ہے، تو یہ اپنا حصہ اپنے باقی حصے کے بدلے میں لے رہا ہے جو جو اس

مَعْنَى الْمُبَادَلَةِ، لِأَنَّ مَا يَجْتَمِعُ لِأَحَدِهِمَا بَعْضُهُ كَانَ لَهُ وَبَعْضُهُ كَانَ لِصَاحِبِهِ فَهُوَ يَأْخُذُهُ عِوَضًا عَمَّا بَقِيَ مِنْ حَقِّهِ فِي نَصِيبِ صَاحِبِهِ فَكَانَ مُبَادَلَةً وَإِفْرَازًا، ٣ وَالْإِفْرَازُ هُوَ الظَّاهِرُ فِي الْمَكِيلَاتِ وَالْمَوْزُونَاتِ لِعَدَمِ التَّفَاوُتِ، حَتَّى كَانَ لِأَحَدِهِمَا أَنْ يَأْخُذَ نَصِيبَهُ حَالَ غَيْبَةِ صَاحِبِهِ، ٤ وَلَوْ اشْتَرَيَاهُ فَاقْتَسَمَاهُ يَبِيعُ أَحَدُهُمَا نَصِيبَهُ مُرَابَحَةً بِنِصْفِ الثَّمَنِ،

کے شریک کے حصے میں چلا گیا اس لئے اس میں مبادلت کا معنی پایا گیا، اور افراز یعنی اپنے حصے کو لینا بھی ہے۔

تشریح : یہاں سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہر تقسیم میں مبادلت، اور افراز دونوں ہوتے ہیں۔

[١] مبادلت : مبادلت کا ترجمہ ہے بدلے میں لینا۔ شرکت کے مال کا جو بھی حصہ ہے اس میں سے آدھا ٹکڑا شریک کا ہے اور آدھا ٹکڑا اس کا اپنا ہے، اس اپنے ٹکڑے کو دیگر شریک کے ٹکڑے کو لینے کا نام مبادلت ہے۔

[٢] افراز : افراز کا ترجمہ ہے اپنا حصہ لے لینا۔ چونکہ یہ اپنا حصہ بھی لے رہا ہے اس لئے اس میں افراز بھی ہے، تو گویا کہ ہر تقسیم میں مبادلت اور افراز دونوں ہیں۔

ترجمہ : ٣ کیلی اور وزنی چیز میں افراز کا معنی زیادہ ظاہر ہے اس لئے کہ ان میں تفاوت نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ شریک کے غائب ہونے کی حالت میں اپنا حصہ لے سکتا ہے۔

تشریح : جو چیز کیلی ہے، جیسے گیہوں، چاول، وغیرہ، یا وزنی ہو جیسے چونا وغیرہ تو اس کے تقسیم کرنے میں افراز کا معنی غالب ہے، یعنی یہ معنی لیا جائے گا کہ اس نے اپنا حصہ لیا ہے، بدلہ نہیں کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنا حصہ لیتے وقت شریک موجود نہ ہو تب بھی اپنا حصہ لے کر گھر آسکتا ہے، اگر مبادلت کا معنی غالب ہوتا ہوتا تو اس کے حصے کو لیتے وقت اس کی اجازت کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے شریک کے غائبانے میں نہیں لے سکتا، اور یہاں افراز کا معنی غالب ہے اس لئے شریکلے غائبانے میں بھی حصہ لے سکتا ہے۔

لغت : مکیلات : پچھلے زمانے میں گیہوں، چاول ناپنے کے لئے برتن ہوتا تھا، جسکو کیل، کہتے تھے اس میں ڈال کر ناپتے تھے، جو چیز اس میں ڈال کر ناپتے ہیں اس کو کیلی چیز کہتے ہیں۔ اور جو چیز وزن کر کے ناپتے تھے اس کو وزنی کہتے ہیں۔ جیسے سونا، چاندی، چونا وغیرہ، یہ چیزیں مثلی کہلاتی ہیں، کیونکہ اس کے آپس میں فرق نہیں ہوتا۔ نصیب : حصہ، اس کی جمع ہے انصباء: بہت سے حصے۔

ترجمہ : ٤ اگر دو آدمیوں نے مثلی چیز خریدی پھر تقسیم کیا تو دونوں اپنے اپنے حصے کو آدھی آدھی قیمت پر مرابحہ کر سکتا ہے۔

تشریح : مرابحہ اور تولیہ کے لئے ضروری ہے کہ اس مال کو پہلے خرید چکا ہو تا کہ پہلی قیمت بتا کر اس پر نفع لیکر مرابحہ کر سکے، یا اسی قیمت پر بیچ کر تولیہ کر سکے، پس اگر مبادلہ کیا ہو تو چونکہ پہلے سے کسی قیمت پر بیچا نہیں ہے اس لئے نہ مرابحہ، کر سکتا

۵ وَمَعْنَى الْمُبَادَلَةِ هُوَ الظَّاهِرُ فِي الْحَيَوَانَاتِ وَالْعُرُوضِ لِلتَّفَاوُتِ حَتَّى لَا يَكُونَ لِأَحَدِهِمَا أَخْذُ نَصِيبِهِ عِنْدَ غَيْبَةِ الْآخَرِ. ٦ وَلَوْ اشْتَرَيَاهُ فَاقْتَسَمَاهُ لَا يَبِيعُ أَحَدُهُمَا نَصِيبَهُ مُرَابَحَةً بَعْدَ الْقِسْمَةِ، ٧ إِلَّا أَنَّهَا إِذَا كَانَتْ مِنْ جِنْسٍ وَاحِدٍ أَجْبَرَ الْقَاضِي عَلَى الْقِسْمَةِ عِنْدَ طَلَبِ أَحَدِ

ہے اور نہ تولیہ کرسکتا ہے، یہاں چونکہ [افراز] پنے حصے کو لینے کا معنی غالب ہے اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ اپنے آدھے حصے کو آدھی قیمت میں لیا ہے اس لئے اب اس پر نفع لیکر مرابحہ، اور اسی قیمت میں دیکر تولیہ کرسکتا ہے۔

ترجمہ : ۵ اور حیوان اور سامان میں مبادلت کا معنی غالب ہے اس لئے کہ ان میں تفاوت ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ دونوں میں سے ایک اپنا حصہ دوسرے کی غیر حاضری میں نہیں لے سکتا۔

تشریح : حیوان اور سامان میں مبادلت کا معنی غالب ہے یعنی یہ سمجھا جائے گا کہ اپنا حصہ دیکر شریک کا حصہ لیا، یہی وجہ ہے کہ جب اپنے حصے پر قبضہ کرنا ہو تو اس وقت شریک کا حاضر رہنا ضروری ہے تا کہ یہ سمجھا جائے کہ اس نے اپنے حصے کو لینے کی اجازت دی، اور یہ بھی ہو کہ اس کا حصہ کچھ زیادہ نہ لے لیا ہو۔

لغت : حیوان: جیسے گائے بیل وغیرہ، اس میں بہت تفاوت ہوتا ہے۔ عروض: سامان، جیسے کپڑا وغیرہ، اس میں بہت فرق ہوتا ہے۔

ترجمہ :٦ اور اگر حیوان اور سامان کو دو شریکوں نے خریدا اور پھر تقسیم کی تو تقسیم کے بعد کوئی بھی اپنا حصہ مرابحہ اور تولیہ کے طور پر نہیں بیچ سکتا۔

تشریح : دو آدمیوں نے حیوان، یا سامان کو خریدا، پھر اس کو تقسیم کیا تو ایسا سمجھا جائے گا کہ اپنا حصہ نہیں لیا بلکہ اپنے حصے کے بدلے میں شریک کا حصہ لیا، تو یہاں خریدنا نہیں ہوا بلکہ بدلہ کرنا ہوا اس لئے اپنے حصے کو مرابحہ، یا تولیہ کے طور پر بیچنا چاہے تو نہیں بیچ سکتا، کیونکہ مرابحہ اور تولیہ اسی مبیع میں کرسکتا ہے جس کو خریدا ہو، اور یہاں خریدنا نہیں پایا گیا بلکہ بدلہ کرنا پایا گیا ہے۔

ترجمہ :۷ مگر یہ کہ اگر حیوان ایک جنس کے ہوں تو شریک میں سے ایک کے طلب کرنے سے قاضی تقسیم پر مجبور کرے گا کیونکہ اس میں افراز کا معنی بھی ہے، اور مقصد بھی قریب قریب ہے [یعنی اپنے اپنے حصے سے فائدہ اٹھانا]

تشریح : حیوان اور سامان میں مبادلت کا معنی غالب ہے، لیکن اس میں افراز کا معنی بھی ہے اس لئے شریک میں سے ایک نے بھی قاضی کے پاس تقسیم کی درخواست دی تو دوسرے شریک راضی نہ بھی ہو تب بھی قاضی تقسیم کردے گا۔

وجہ: (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں افراز [اپنے حصے] کو لینے کا معنی بھی پایا جاتا ہے، (۲) پھر سب کا مقصد قریب قریب ایک ہے، یعنی اپنے اپنے حصے سے فائدہ اٹھانا، اور دوسرے کو اپنے حصے سے فائدہ اٹھانے سے روک دینا۔ اس لئے ایک کے درخواست پر قاضی تقسیم کردے گا۔

الشُّـرَكَاءِ؛ لِأَنَّ فِيهِ مَعْنَى الْإِفْرَازِ لِتَقَارُبِ الْمَقَاصِدِ، ۸ وَالْـمُبَادَلَةُ مِمَّا يَجْرِي فِيهِ الْجَبْرُ كَمَا فِيْ قَضَاءِ الدَّيْنِ، ۹ وَهـٰذَا لِأَنَّ أَحَـدَهُـمْ بِـطَـلَبِ الْقِسْمَةِ يَسْأَلُ الْقَاضِيَ أَنْ يَخُصَّهُ بِالِانْتِفَاعِ بِنَصِيبِهِ وَيَمْنَعَ الْغَيْرَ عَنِ الِانْتِفَاعِ بِمِلْكِهِ، فَيَجِبُ عَلَى الْقَاضِي اجَابَتُهُ؛ ۱۰ وَإِنْ كَانَتْ أَجْنَاسًا مُخْتَلِفَةً لَا يُجْبِرُ الْقَاضِي عَلَى قِسْمَتِهَا لِتَعَذُّرِ الْمُعَادَلَةِ بِاعْتِبَارِ فُحْشِ التَّفَاوُتِ فِي الْمَقَاصِدِ،

لغت :جبر: مجبور کرے گا۔

ترجمہ :۸ مبادلہ میں بھی مجبور کیا جاتا ہے، جیسے قرض ادا کرنے میں۔

تشریح : یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کہ مبادلہ ہو تب بھی بعض موقع ایسا ہے کہ قاضی اس کو کرنے پر مجبور کرے گا، جیسے روپیہ قرض لیا تو وہی روپیہ واپس نہیں کرتا، بلکہ اس کو تو خرچ کر دیتا ہے، اس کے بدلے میں اپنے پاس سے دوسرا روپیہ ادا کرتا ہے، لیکن قاضی اس کو ادا کرنے پر مجبور کر سکتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مبادلہ میں بھی مجبور کر سکتا ہے، اسی طرح یہاں ایک کے درخواست دینے پر قاضی سب کو تقسیم کرنے پر مجبور کر سکتا ہے۔

ترجمہ :۹ قاضی یہ تقسیم اس لئے کرے گا کہ ایک آدمی تقسیم طلب کر رہا ہے، اور قاضی سے یہ مانگ رہا ہے کہ اس کے حصے کو نفع کے لئے خاص کیا جائے اور دوسرے کو اس کی ملکیت سے نفع اٹھانے سے روکا جائے، اس لئے قاضی پر اس کا قبول کرنا ضروری ہے۔

تشریح : حیوانات ایک جنس کے ہوں، مثلا سب کے سب بکریاں ہوں تو ایک کی درخواست پر قاضی تقسیم کر دے گا چاہے دوسرے شریک راضی نہ ہوں، اس کی وجہ بتا رہے ہیں کہ یہاں ایک آدمی یہ چاہ رہا ہے کہ اس کے حصے کو اس کے نفع اٹھانے کے لئے خاص کیا جائے اور دوسرے کو اس سے نفع اٹھانے سے روکا جائے، یہ ایک جائز مقصد ہے، اور حیوان کی جنس ایک ہے اس لئے قاضی اسکی درخواست کو قبول کرے گا اور بکریاں تقسیم کر دے گا۔

ترجمہ :۱۰ اگر مختلف جنس کی چیزیں ہوں تو ایک کے درخواست دینے پر قاضی اس کو تقسیم نہیں کرے گا، مقاصد میں بہت فرق ہونے کی وجہ سے انصاف کرنا مشکل ہے، ہاں سب تقسیم پر راضی ہوں تو تو تقسیم کرنا جائز ہے اس لئے کہ انہیں کا حق ہے۔

تشریح :اگر شرکت میں مختلف جنس کی چیزیں ہیں، مثلا بکری بھی ہے اور گائے بھی اور بھینس بھی ہیں تو چونکہ ہر ایک کا مقصد الگ الگ ہے اور ہر ایک میں بہت تفاوت ہے، اس لئے ان کی تقسیم میں انصاف اور برابری کرنا بہت مشکل ہے اس لئے ایک کے درخواست دینے سے قاضی تقسیم نہیں کرے گا، ہاں سب تقسیم پر راضی ہو جائیں تو چونکہ انہیں لوگوں کا حق ہے اس لئے اب قاضی تقسیم کر دے گا۔

لغت:تعذر العادلة: انصاف کرنا مشکل ہے۔ فحش التفاوت: تفاوت بہت زیادہ ہے۔

وَلَوْ تَرَاضَوْا عَلَيْهَا جَازَ لِأَنَّ الْحَقَّ لَهُمْ. (۷۸) قَالَ: وَيَنْبَغِي لِلْقَاضِي أَنْ يَنْصِبَ قَاسِمًا يَرْزُقُهُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ لِيَقْسِمَ بَيْنَ النَّاسِ بِغَيْرِ أَجْرٍ لِأَنَّ الْقِسْمَةَ مِنْ جِنْسِ عَمَلِ الْقَضَاءِ مِنْ حَيْثُ

ترجمه :(۷۸)امام کے لئے مناسب ہے کہ وہ تقسیم کرنے والا مقرر کرے جس کی تنخواہ بیت المال سے ہو۔تا کہ وہ لوگوں کے درمیان بغیر اجرت کے تقسیم کرے۔

تشریح :لوگوں کے اموال اور وراثت کو تقسیم کرنا بھی ایک بہت بڑا کام ہے۔اس لئے قاضی کی طرح قاسم کو بھی امام مقرر کرے۔اور جس طرح قاضی کی تنخواہ بیت المال سے دی جاتی ہے قاسم کی تنخواہ بھی بیت المال سے مقرر کرے تا کہ لوگوں کے اموال کو بلا اجرت تقسیم کر سکے۔

وجه :(۱) اس حدیث میں ہے کہ عوام کے کام کرنے والے کو اجرت دی جائے،سمعت عمر یقول کان النبی ﷺ یعطینی العطاء فاقول اعطه افقر الیه منی حتی اعطانی مرة مالا فقلت أعطه من هوا افقر الیه منی فقال النبی ﷺ خذه فتموله و تصدق به ، فما جائک ن هذا المال . و انت غیر مشرف و لا سائل .فخذه و ما لا فلا تتبعه نفسک. (بخاری شریف باب رزق الحکام والعاملین علیھا ص۱۲۳۳،نمبر۷۱۶۴)اس حدیث میں ہے کہ عوام کے کام کرنے کے لئے اجرت دی۔ (۲)اس قول تابعی میں ہے۔ولم یر ابن سیرین باجر القسام بأسا ،وقال السحت الرشوة فی الحکم و کانوا یعطون علی الخرص . (بخاری شریف،باب ما یعطی فی الرقیۃ علی احیاء العرب بفاتحۃ الکتاب،کتاب الاجارۃ،ص۳۶۳،نمبر۲۲۷۶رمصنف عبد الرزاق،باب الاجر علی تعلیم الغلمان وقسمۃ الاموال،ج ثامن،ص۹۱،نمبر۱۴۶۱۴)اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ اجرت دے کر قاسم متعین کرنا جائز ہے(۳)اوپر ابو داؤد کی حدیث گزری جس میں تھا۔وعزل النصف الباقی لمن نزل به من الوفود والامور ونوائب الناس (ابوداؤد شریف،نمبر۳۰۱۲)اس حدیث میں ہے کہ خیبر کا آدھا حصہ نوائب الناس کے لئے رکھا گیا تھا۔اور اموال تقسیم کرنا ایک بہت بڑا کام ہے اور نوائب الناس میں داخل ہے۔اس لئے اس کے لئے بھی اجرت مقرر کی جاسکتی ہے(۴)قول تابعی میں ہے۔ان عمر بن الخطابؓ رزق شریحا وسلمان بن ربیعة الباهلی علی القضاء.(مصنف عبد الرزاق،باب جعل یؤخذ علی القضاء رزق،ج ثامن،ص۲۳۰،نمبر۱۵۳۶۱)اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ قاضی کو تنخواہ دی جائے تو قاضی کی طرح قاسم کو بھی تنخواہ دی جائے گی،کیونکہ وہ بھی عوام الناس کا کام کرتا ہے۔(۵) قول صحابی میں ہے۔فسیأکل آل ابی بکر من هذا المال واحترف للمسلمین فیه (سنن للبیہقی،باب ما یکرہ للقاضی من الشراء والبیع الخ،ج عاشر،ص۱۸۳،نمبر۲۰۲۸۸) اس قول حابی سے معلوم ہوا کہ جولوگ عوام الناس کا کام کرتے ہیں اس کی تنخواہ بیت المال سے متعین کی جاسکتی ہے۔

ترجمه :۱ اس لئے کہ تقسیم کرنا قضاء کے قسموں میں سے ہے،اس لئے کہ اس سے بھی جھگڑا ختم ہوتا ہے اس لئے قاضی کی

انَّـهُ يَتِـمُّ بِـهِ قَـطْعُ الْمُنَازَعَةِ فَأَشْبَهَ رِزْقَ الْقَاضِى، وَلِأَنَّ مَنْفَعَةَ نَصْبِ الْقَاسِمِ تَعُمُّ الْعَامَّةَ فَتَكُونُ كِـفَـايَتُهُ فِيْ مَالِهِمْ غُرْمًا بِالْغُنْمِ. (٧٩)قَالَ: فَـإِنْ لَـمْ يَفْعَلْ نَصَبَ قَاسِمًا يَقْسِمُ بِالْأَجْرِ ا مَعْنَاهُ بِـأَجْرٍ عَـلَى الْمُتَقَاسِمِينَ، لِأَنَّ النَّفْعَ لَهُمْ عَلَى الْخُصُوصِ، ٢وَبِـقَدْرِ أَجْرِ مِثْلِهِ كَيْ لَا يَتَحَكَّمَ

روزی کی طرح ہو گیا[اس لئے قاسم کی روزی بھی بیت المال کی طرف سے دیا جائے]

تشریح : واضح ہے۔

ترجمه :٢ اور اس لئے بھی کہ قاسم متعین کرنے کا نفع عوام کو پہونچے گا اس لئے اس کی تنخواہ بھی عوام کے مال میں سے ہونا چاہئے، اس طرح منفعت کے مطابق تاوان ہو جائے گا۔

تشریح : قاسم متعین کرنے سے عوام کے تقسیم کرنے کا جھگڑا ختم ہو جائے گا، اس لئے اس کی تنخواہ بھی عوام ہی کے مال میں سے دیا جائے۔ جسکو نفع اٹھانا ہے اسی کو تاوان دینا پڑے گا۔

لغت :غرما بالغنم : یہ ایک محاورہ ہے۔ غرم : کا ترجمہ ہے تاوان۔ اور غنم : کا ترجمہ ہے غنیمت کا مال۔ غرما بالغنم : کا ترجمہ ہے جو مال غنیمت حاصل کرتا ہو اسی کو تاوان بھی دینا چاہئے۔

ترجمه :(٧٩)اور اگر یہ نہ کر سکے تو مقرر کرے تقسیم کرنے والے کو جو اجرت لیکر تقسیم کرے۔

ترجمه :ا اس کا معنی یہ ہے کہ تقسیم کرنے والا خود اجرت دے۔

تشریح : اگر قاضی بیت المال سے اجرت دے کر قاسم مقرر نہ کر سکے تو ایسے قاسم کو مقرر کرے جو تقسیم کرنے والوں سے اجرت لیکر تقسیم کرے۔

وجه :تھوڑا بہت تقسیم کرنا ہو تو مفت تقسیم کر دے گا لیکن کسی کو بار بار یہ کام پیش آئے تو مفت تقسیم نہیں کرے گا۔ اس لئے تقسیم کروانے والوں سے اجرت لے۔ اور بہتر یہ ہے کہ مناسب اجرت لے۔ اجرت لینے کی دلیل یہ قول تابعی ہے۔ و كـان شريح القاضی يأخذ على القضاء اجرا۔ (بخاری شریف باب رزق الحکام والعاملین علیھا، ص ١٢٣٣، نمبر ٧١٦٣) اس عمل تابعی میں ہے کہ وہ قضا پر تنخواہ لیا کرتے تھے (٢) صحابی کے اس عمل میں بھی ہے۔ ان عـمـر بـن الـخـطـابؓ رزق شريحا و سلمان بن ربيعة الباهلی على القضاء. (مصنف عبد الرزاق، باب جعل یؤ خذ علی القضاء رزق، ج ثامن، ص ٢٣٠، نمبر ١٥٣٦١) اس میں ہے کہ فیصلے پر روزی لے سکتا ہے۔ (٣) اس حدیث میں ہے کہ عوام کے کام کرنے والے کو اجرت دی جائے، سـمـعـت عـمـر يـقـول كـان الـنبی ﷺ يعطينی العطاء فاقول اعطه افقر اليه منی حتى اعطـانـی مـرة مـالا فـقلت أعطه من هوا افقر اليه منی فقال النبی ﷺ خذ ه فتموله و تصدق به ، فما جـائک ن هـذا الـمـال . و انت غير مشرف و لا سائل .فخذه و ما لا فلا تتبعه نفسک. (بخاری شریف باب رزق الحکام والعاملین علیھا، ص ١٢٣٣، نمبر ٧١٦٤) اس حدیث میں ہے کہ عوام کے کام کرنے کے لئے اجرت دی۔

بِـالـزِّيَـادَةِ، وَالْأَفْـضَـلُ أَنْ يَـرْزُقَـهُ مِـنْ بَيْـتِ الْـمَـالِ؛ لِأَنَّـهُ أَرْفَقُ بِالنَّاسِ وَأَبْعَدُ عَنْ التُّهْمَةِ.

(٨٠)وَيَجِبُ أَنْ يَكُونَ عَدْلًا مَأْمُونًا عَالِمًا بِالْقِسْمَةِ لِ لِأَنَّهُ مِنْ جِنْسِ عَمَلِ الْقَضَا، وَلِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ الْقُدْرَةِ وَهِيَ بِالْعِلْمِ، وَمِنْ الِاعْتِمَادِ عَلَى قَوْلِهِ وَهُوَ بِالْأَمَانَةِ. (٨١)وَلَا يُجْبِرُ الْقَاضِي النَّاسَ

ترجمہ : ۲ قاضی قاسم کے لئے مناسب روزی متعین کرے تا کہ زیادہ لیکر فیصلہ نہ کرے،اور افضل یہ ہے کہ بیت المال سے تنخواہ دی جائے تا کہ لوگوں کے لئے آسان بھی ہو اور تہمت سے دور بھی ہو۔

تشریح : واضح ہے۔

ترجمہ : (٨٠)اور ضروری ہے کہ قاسم عادل ہو،امین ہو اور تقسیم کو جاننے والا ہو۔

ترجمہ : ۱ اس لئے کہ یہ بھی قضاء کی طرح ہے،اور اس لئے بھی کہ تقسیم کرنے کی قدرت ہو اور وہ تقسیم کے معاملات کو جاننے ہوگا،اور قاسم کی بات پر اعتماد بھی ہو،اور یہ امین ہونے سے ہوگا۔

تشریح : یہاں فرماتے ہیں کہ قاسم میں یہ تین صفتیں پائی جائیں تو بہتر ہیں [۱] نمبر ایک وہ عادل اور انصاف کرنے والا ہو ۔[۲] نمبر دو وہ امین ہو،لوگ اس کی امانت داری سے واقف ہو۔[۳] اور نمبر تین وہ تقسیم کرنے کو جانتا ہو،اس سے انجانا نہ ہو۔

وجہ :(۱)عادل ہو:۔عادل نہیں ہوگا تو تقسیم میں ظلم کرے گا اس لئے تقسیم کرنے والے کا عادل ہونا ضروری ے(۲) آیت میں ہے۔ **فجزاء مثل قتل من النعم يحكم به ذوا عدل منكم** (آیت ۹۵،سورۃ المائدۃ ۵)اس آیت میں ہے کہ عادل آدمی فیصلہ کرے اس لئے تقسیم کرنے والا بھی عادل ہو۔

(۲)امین ہو:۔اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ **ان خير من استأجرت القوى الامين** (آیت ۲۶،سورۃ القصص ۲۸)اس آیت میں اشارہ ہے کہ کسی کو تقسیم کرنے کے لئے اجرت پر لے تو وہ امین ہو۔کیونکہ امین نہیں ہوگا تو تقسیم صحیح نہیں کرے گا۔اور ہوسکتا ہے کہ مال میں خیانت کرے۔

(۳)اور تقسیم کرنے کا علم ہو:۔اس کی ضرورت اس لئے ہے کہ اگر وراثت کا علم نہ ہو یا تقسیم کرنے کا علم نہ ہو تو کیسے تقسیم کرے گا (۲)اس قول تابعی میں ہے۔ **قال عمر بن عبد العزيز لا ينبغى ان يكون قاضيا حتى تكون فيه خمس آيتهن اخطأته كانت فيه خللا يكون عالما بما كان قبله ،مستشيرا لاهل العلم، ملغيا للرثغ يعنى الطمع،حليما عن الخصم، محتملا للائمة** ۔(مصنف عبد الرزاق، باب کیف ینبغی للقاضی ان یکون، ج ثامن، ص ۲۳۱،نمبر ۱۵۳۶۵) اس قول تابعی میں ہے کہ ماقبل کے علوم کو جاننے والا تب قاضی بنایا جائے۔اور اسی پر قیاس کر کے کہا جائے گا کہ تقسیم کا علم ہو تو قاسم بنایا جائے۔

ترجمہ : (۸۱) قاضی لوگوں کو ایک قاسم پر مجبور نہ کرے۔

ترجمہ : ۱ اس کا معنی یہ ہے کہ قاضی لوگوں کو اس بات مجبور نہ کرے کہ ایک ہی قاسم کو اجرت پر لیں،اس لئے کہ یہ عقد ہے

عَلَى قَاسِمٍ وَاحِدٍ لے مَعْنَاهُ لَا يُجْبِرُهُمْ عَلَى أَنْ يَسْتَأْجِرُوهُ؛ لِأَنَّهُ لَا جَبْرَ عَلَى الْعُقُودِ، وَلِأَنَّهُ لَوْ تَعَيَّنَ لَتَحَكَّمَ بِالزِّيَادَةِ عَلَى أَجْرِ مِثْلِهِ. (٨٢)وَلَوْ اصْطَلَحُوا فَاقْتَسَمُوا جَازَ، إِلَّا إِذَا كَانَ فِيهِمْ صَغِيرٌ فَيَحْتَاجُ إِلَى أَمْرِ الْقَاضِي لے لِأَنَّهُ لَا وِلَايَةَ لَهُمْ عَلَيْهِ. (٨٣) وَلَا يُتْرَكُ الْقُسَّامُ يَشْتَرِكُونَ لے كَيْ لَا تَصِيرَ الْأُجْرَةُ غَالِيَةً بِتَوَاكُلِهِمْ، وَعِنْدَ عَدَمِ الشَّرِكَةِ يَتَبَادَرُ كُلٌّ مِنْهُمْ إِلَيْهِ

جس میں ایک پر جبر نہیں ہے، اوراسلئے بھی کہ اگرایک قاسم کو متعین کرے تو ہوسکتا ہے مثلی اجرت سے زیادہ لیکر فیصلہ کرنے لگے

وجه :(ا)اگر کام بہت ہوا اور قاسم ایک ہی ہو تو لوگوں کو ایک قاسم سے خدمت لینے میں دقت ہوگی۔اس لئے ایک قاسم سے تقسیم کرنے پر مجبور نہ کرے(۲)ایک قاسم زیادہ اجرت طلب کرے گا جو عوام کے لئے نقصان دہ چیز ہے اس لئے ایک قاسم پر مجبور نہ کرے(۳)اس قول صحابی میں اس کا اشارہ ہے۔ عن موسی بن طریف عن ابیه قال مر علیؓ برجل یحسب بین قوم باجر فقال له علیؓ انما تأکل سحتا. (مصنف عبدالرزاق، باب الاجر علی تعلیم الغلمان وقسمة الاموال، ج ثامن، ص۹۱، نمبر۱۴۶۱۶)اس قول صحابی میں ہے کہ لوگ اپنے اپنے قاسم سے اجرت دے کر حساب کرواتے اور تقسیم کرواتے تھے۔جس سے معلوم ہوا کہ ایک قاسم متعین کرنا ضروری نہیں ہے۔

لغت:لا جبر علی العقود: عقد یعنی خرید وفروخت میں کسی بات پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے۔

ترجمه :(۸۲)اگر شریک لوگ آپس میں صلح کرلیں اور خود ہی تقسیم کرلیں تب بھی جائز ہے، ہاں اگر ان میں کوئی چھوٹا بچہ ہو تو پھر قاضی کے حکم کا محتاج ہوگا۔

ترجمه : لے اس لئے ان شریکوں کا بچے پر ولایت نہیں ہے۔

تشريح :اگر شریک لوگ خود صلح کرلیں اور قاسم کے بغیر خود ہی تقسیم کرلیں تو بھی جائز ہے، البتہ اگر ان میں کوئی بچہ ہے اور اس کا باپ بھی نہیں ہے اور اس کا وصی بھی نہیں ہے، تو اس صورت میں قاضی کے فیصلے کی ضرورت پڑے گی، کیونکہ بچے پر ان شریکوں کی ولایت نہیں ہے، اور بچہ خود بھی تقسیم نہیں کرسکتا، اسلئے اب بچے کی جانب سے قاضی کے فیصلے کی ضرورت پڑے گی

ترجمه :(۸۳) قاسموں کو شرکت میں کام کرنے کے لئے نہ چھوڑے۔

ترجمه : لے تا کہ ان کے اتفا کرنے کی وجہ سے اجرت مہنگی نہ ہوجائے، اور شرکت نہ ہو تو ہر ایک تقسیم کرنے کے لئے دوڑے گا، تا کہ تقسیم فوت نہ ہوجائے، اس لئے اجرت سستی رہے گی۔

تشريح : چار پانچ قاسم ملکر اپنی کمپنی بنالیں اور شرکت میں کام کریں ایسا نہ کرنے دیں بلکہ ہر قاسم اپنا الگ الگ اجرت پر کام کرے۔

وجه :الگ الگ کام کریں گے تو آگے بڑھ کر کام کرنے اور مزدوری حاصل کرنے کے لئے سستے میں کام کریں گے جس

خِيفَةَ الْفَوْتِ فَيُرَخِّصُ الْأَجْرَ. (٨٤)قَالَ: وَأُجْرَةُ الْقِسْمَةِ عَلَى عَدَدِ الرُّوسِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا عَلَى قَدْرِ الْأَنْصِبَاءِ لِ لِأَنَّهُ مُؤْنَةُ الْمِلْكِ فَيَتَقَدَّرُ بِقَدْرِهِ كَأُجْرَةِ الْكَيَّالِ وَالْوَزَّانِ وَحَفْرِ

سے عوام کو فائدہ ہوگا۔اور کمپنی بنا کر کام کریں گے تو ایک ریٹ ہوگا اور مہنگے داموں میں کام کریں گے۔اس لئے قاضی کو چاہئے کہ کمپنی بنانے نہ دیں اور ملکر شرکت میں کام کرنے نہ دیں۔

اصول : یہ اس اصول پر ہے کہ ہر وہ کام جس سے عوام کو نقصان ہوتا ہو اس کے روکنے کی کوشش کرے۔

لغت :غالیة: مہنگا۔تواکلہم: وکیل سے مشتق ہے، آپس میں اتفاق کر کے۔یتبادر: بادر سے مشتق ہے، دوڑ کر جائے گا۔ خیفة الفوت : یہ خوف ہوگا کہ کہیں اس کو چھوڑ کر دوسرے سے نہ تقسیم کروالیں۔اس خوف سے یہ خود سستی اجرت پر کام کرنے کے لئے بھاگے گا۔

ترجمہ :(٨٤)اور قاسموں کی اجرت حصہ داروں کی تعداد کے اعتبار سے ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور حصے کے حساب سے ہے صاحبینؒ کے نزدیک۔

تشریح :امام صاحب فرماتے ہیں جتنے لوگ حصہ دار ہیں قاسم کی اجرت ہر ایک پر برابر ہوگی چاہے اس کو حصہ کم ملے یا زیادہ۔

وجہ : وہ فرماتے ہیں کہ قاسم کو ہر ایک کا حساب کرنا ہوگا اور ہر ایک کا حصہ دوسرے سے متمیز کرنا ہوگا۔اور اس میں ہر ایک کے لئے برابر محنت کرنی پڑے گی اس لئے تمام حصہ داروں پر برابر اجرت ہوگی۔مثلا زید مرا اور اس کی وراثت ایک بیوی، ایک بیٹا اور ایک بیٹی کے درمیان تقسیم کرنی ہے اور قاسم کی اجرت تیس درہم ہے تو ہر ایک پر دس دس درہم لازم ہوں گے۔چاہے وراثت کسی کو کم ملے گی، کسی کو زیادہ۔

ترجمہ :لِ اس لئے کہ یہ مالک بننے کا بدلہ ہے، جیسے کیل کرنے والے وزن کرنے والے کی اجرت، یا مشترک کنواں کھودنے کی اجرت، یا مشترک مملوک کا نفقہ۔

تشریح :یہ صاحبینؒ کی دلیل ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ تقسیم کرنے میں جس کا حصہ جتنا ہوگا، اسی اعتبار سے اجرت لازم ہوگی، مثلا ایک کا حصہ آدھا ہے اس پر قاسم کی آدھی اجرت لازم ہوگی، دوسرے کا حصہ چوتھائی ہے اس پر چوتھائی اجرت لازم ہوگی، اور تیسرے کا حصہ چھٹا ہے تو اس پر اجرت کا چھٹا حصہ لازم ہوگا۔اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ اجرت مالک بننے کے بدلے میں ہے، اس لئے جس کی جتنی ملکیت ہوگی اتنی ہی اس پر اجرت لازم ہوگی۔اس کے لئے انہوں نے چار مثالیں دی ہیں

[١] کیل کرنے والوں کی اجرت حصے کے اعتبار سے لازم ہوتی ہے۔[٢] وزن کرنے والوں کی اجرت حصے کے اعتبار سے لازم ہوتی ہے۔[٣] تین آدمی مل کر کنواں کھودوا رہا ہے تو کنواں میں جسکا حصہ جتنا ہوگا اسی حصے کے اعتبار سے اس پر اجرت لازم ہوگی۔[٤] مشترک غلام کا نفقہ۔جس آدمی کا جتنا حصہ ہے اسی حساب سے اس کا نفقہ لازم ہوگا۔مثلا غلام میں ایک آدمی کا حصہ

الْبِئْرِ الْمُشْتَرَكَةِ وَنَفَقَةِ الْمَمْلُوكِ الْمُشْتَرَكِ، ٢ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْأَجْرَ مُقَابَلٌ بِالتَّمْيِيزِ، وَأَنَّهُ لَا يَتَفَاوَتُ، وَرُبَمَا يَصْعُبُ الْحِسَابُ بِالنَّظَرِ إِلَى الْقَلِيلِ، وَقَدْ يَنْعَكِسُ الْأَمْرُ فَيَتَعَذَّرُ اعْتِبَارُهُ فَيَتَعَلَّقُ الْحُكْمُ بِأَصْلِ التَّمْيِيزِ، ٣ بِخِلَافِ حَفْرِ الْبِئْرِ لِأَنَّ الْأَجْرَ مُقَابَلٌ بِنَقْلِ التُّرَابِ وَهُوَ يَتَفَاوَتُ، ٤ وَالْكَيْلُ وَالْوَزْنُ إِنْ كَانَ لِلْقِسْمَةِ قِيلَ هُوَ عَلَى الْخِلَافِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ

آدھا ہے تو اس پر غلام کا آدھا نفقہ لازم ہوگا، دوسرے کا چوتھائی حصہ ہے تو اس پر غلام کا چوتھائی نفقہ لازم ہوگا، اور تیسرے کا چھٹا ہے تو اس پر چھٹا حصہ نفقہ لازم ہوگا، اسی طرح قاسم کی اجرت حصے کے اعتبار سے لازم ہوگا، آدمی کے تعداد کے اعتبار سے لازم نہیں ہوگا۔

لغت : حفر: کنواں کھودنا۔ کیال: کیل کر کے ناپنے والا۔

ترجمہ : ٢ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں اجرت الگ الگ کرنے کے بدلے میں ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے، اس لئے کہ کبھی چھوٹا سا حساب نکالنا مشکل ہوتا ہے، اور کبھی اس کا الٹا ہوتا ہے اس لئے حصے کا اعتبار کرنا مشکل ہے اس لئے اجرت کا حکم اصل تمیز کرنے پر متعلق ہوگا۔

تشریح : امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ تقسیم کرنے میں جو اجرت ہے وہ اصل میں ہر حصے کو الگ الگ کرنے کی اجرت ہے، اب حصہ چھوٹا ہو یا بڑا ہر ایک کو الگ الگ کرنا ہی پڑے گا، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ چھوٹے حصے کو نکالنے میں بہت دیر لگتی ہے اور بڑے حصے کو نکالنے میں آسانی ہوتی ہے اس لئے اجرت ہر حصے کو الگ کرنے پر ہے اس لئے تمام شریکوں پر برابر اجرت لازم ہوگی۔

ترجمہ : ٣ بخلاف کنواں کھودنے کے، اس لئے کہ وہاں اجرت مٹی اٹھانے پر ہے، اور مٹی اٹھانے میں فرق ہے اس لئے وہاں اجرت حصے کے مطابق ہوگی۔

تشریح : یہ صاحبینؒ کی دلیل کا جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ کنواں کھودنے میں حصے کے اعتبار سے اجرت لازم ہوتی ہے تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ، کنواں کھودنے میں مٹی منتقل کرنے کی اجرت ہوتی ہے، پس جسکا حصہ جتنا ہوگا اسی حصے کے اعتبار سے مٹی منتقل کرے گا اس لئے اسی حساب سے اجرت لازم ہوگی۔

ترجمہ : ٤ اور کیل کرنا اور وزن کرنا اگر تقسیم کرنے کے لئے ہے تو علماء نے فرمایا کہ اسی اختلاف پر ہے، اور اگر تقسیم کے لئے نہیں ہے تو اجرت کیل کرنے اور وزن کرنے کے مقابلے پر ہوگا ہوگا اور وہ وزن کے اعتبار سے اس کا فرق ہوگا۔

تشریح : یہ صاحبینؒ کو جواب ہے، فرماتے ہیں کہ اگر کیل کرنا اور وزن کرنا تقسیم کرنے کے لئے ہے تو اوپر والا ہی اختلاف ہے [یعنی امام صاحب کے نزدیک تمام شریکوں پر برابر برابر، اور صاحبینؒ کے نزدیک حصے کے اعتبار سے]۔ اور اگر تقسیم کرنے

لِلْقِسْمَةِ فَالْأَجْرُ مُقَابِلٌ بِعَمَلِ الْكَيْلِ وَالْوَزْنِ وَهُوَ يَتَفَاوَتُ ۵ وَهُوَ الْعُذْرُ لَوْ أُطْلِقَ وَلَا يُفَصَّلُ، ۶ وَعَنْهُ أَنَّهُ عَلَى الطَّالِبِ دُونَ الْمُمْتَنِعِ لِنَفْعِهِ وَمَضَرَّةِ الْمُمْتَنِعِ. (۸۵) قَالَ: وَإِذَا حَضَرَ الشُّرَكَاءُ عِنْدَ الْقَاضِي وَفِي أَيْدِيهِمْ دَارٌ أَوْ ضَيْعَةٌ وَادَّعَوْا أَنَّهُمْ وَرِثُوهَا عَنْ فُلَانٍ لَمْ يَقْسِمْهَا الْقَاضِي عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ حَتَّى يُقِيمُوا الْبَيِّنَةَ عَلَى مَوْتِهِ وَعَدَدِ وَرَثَتِهِ، وَقَالَ صَاحِبَاهُ: يَقْسِمُهَا

کے لئے نہیں ہے تو جس کا جتنا حصہ ہوگا اسی حساب سے اجرت لازم ہوگی، یعنی جس کا آدھا ہے اس پر آدھی اجرت لازم ہوگی، اور جس کی چوتھائی ہے اس پر چوتھائی اجرت لازم ہوگی، اس لئے یہ صورت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی امام صاحبینؒ کی طرح ہوگئی۔ اس لئے اس صورت سے استدلال نہیں کیا جا سکتا ہے۔

ترجمہ : ۵ اور اگر مطلق تقسیم کرنے کے لئے کہا اور تفصیل نہیں کی تو نہ معلوم ہونے کا عذر ہے اس لئے جسکا جتنا وزن ہوگا اس پر اتنی اجرت لازم ہوگی۔

تشریح : یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وزن کرنا اور کیل کرنا تقسیم کرنے کے لئے ہے یا صرف مقدار معلوم کرنے کے لئے ہے، تو چونکہ یہاں جہالت ہے اس لئے جہالت کی عذر کی بنا پر ظاہری سبب پر حکم کیا جائے گا، یعنی جس کا جتنا وزن کیا اسی اعتبار سے اس پر اجرت لازم ہوگی۔ اس عذر والے مسئلے سے صاحبینؒ استدلال نہیں کر سکتے، کہ حصے کے اعتبار سے اجرت لازم ہوگی۔

ترجمہ : ۶ امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اجرت تقسیم کے مطالبہ کرنے پر ہے اس کو منع کرنے والے پر نہیں۔ اس لئے کہ اس کو نفع ہوا اور روکنے والے کو نقصان ہوا۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ جو آدمی تقسیم کے لئے درخواست دے گا پوری اجرت اسی پر ہوگی۔ کیونکہ اس کو تقسیم کروانے کا نفع ہوا، اور جسنے تقسیم کروانے کا انکار کیا اس کو نقصان ہوا اس لئے اجرت اس پر نہیں ہوگی۔

ترجمہ : (۸۵) اگر شریک لوگ قاضی کے پاس حاضر ہوں اور ان کے قبضے میں گھر ہو یا زمین ہو اور دعوی کریں کہ ہم ان کے وارث ہیں فلاں سے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قاضی اس کو تقسیم نہیں کرے گا یہاں تک کہ اس کے مرنے پر بینہ قائم کریں اور ورثہ کی تعداد پر۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اس کو تقسیم کر دے ان کے اعتراف کرنے پر،

(۸۶) اور قاضی اپنے رجسٹر میں لکھ دیگا کہ یہ تقسیم ان لوگوں کے اعتراف کرنے سے کی گئی ہے۔

تشریح : کچھ لوگ قاضی کے پاس آکر یوں کہے کہ یہ زمین ہے یا یہ گھر ہے یہ فلاں آدمی کا تھا، اب وہ مر گیا ہے اور ہم لوگ اس کے وارث ہیں۔ اس کو ہمارے درمیان تقسیم کر دیں تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ قاضی کے لئے اس وقت تک تقسیم کرنا صحیح نہیں ہے جب تک کہ فلاں آدمی کے مرنے پر گواہ قائم نہ کریں۔ اور اس بات پر بھی گواہ قائم کریں کہ ہم ہی لوگ وارث ہیں ہمارے علاوہ اور کوئی وارث نہیں۔ ان دونوں باتوں پر گواہ قائم کرے تب ان کے درمیان گھر یا زمین تقسیم کر دے۔

بِاعْتِرَافِهِمْ،(٨٦) وَيَذْكُرُ فِي كِتَابِ الْقِسْمَةِ أَنَّهُ قَسَمَهَا بِقَوْلِهِمْ ا وَإِنْ كَانَ الْمَالُ الْمُشْتَرَكُ

وجــــه :(۱) زمین خود محفوظ ہے، زمانہ دراز کے بعد بھی اس میں کوئی زیادہ خامی نہیں آتی اور یہی حال گھر کا ہے۔اس لئے سال چھ مہینے تاخیر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اس لئے بینہ قائم کروا کر پوری تحقیق کر لینی چاہئے (۲) جب تک مال تقسیم نہیں ہوا ہے تو یہ میت کا مال شمار کیا جاتا ہے اس لئے تقسیم کرنا گویا کہ میت کے خلاف فیصلہ کرنا ہے۔اور کسی کے خلاف فیصلہ کرنے کے لئے گواہ چاہئے۔اس لئے بھی گواہ قائم کرنا ضروری ہے تا کہ یہ بات بھی واضح ہو جائے کہ فلان مر چکا ہے اور یہ بھی کہ ان کے علاوہ وارث نہیں ہے۔ورنہ ابھی تقسیم کر دیں اور بعد میں کوئی وارث ظاہر ہو جائے تو قضا توڑنا پڑے گا اس لئے گواہ قائم کرے۔امام ابوحنیفہؒ کا مسلک احتیاط پر ہے۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں ان لوگوں کے اعتراف کرنے پر تقسیم کر دے اور مورث کے مرنے پر، اور اس بات پر کہ صرف یہی لوگ حصہ دار ہیں اس پر گواہ نہ لے، البتہ یادداشت کے لئے رجسٹر پر یہ لکھ دے کہ ان لوگوں کے کہنے پر تقسیم کی گئی ہے، تا کہ آئندہ کوئی اور وارث نکل گیا تو تقسیم پر نظر ثانی کی جا سکے ۔

وجه:(۱)عن ابن سيرين قال اعترف رجل عند شريح بأمر ثم انكر فقضى عليه باعترافه ، فقال أتقضى على بغير بينة ؟ فقال شهد عليک ابن اخت خالک ۔(مصنف عبد الرزاق، باب الاعتراف عند القاضی، جلد ثامن، ص۲۳۴، نمبر ۱۵۳۸۰) اس عمل تابعی میں ہے کہ صرف اعتراف کرنے کی وجہ سے اس پر فیصلہ کر دیا گیا۔(۲) مسلمان ظاہری طور پر عادل ہیں اس لئے صرف ان لوگوں کے اعتراف پر تقسیم کی جا سکتی ہے ۔(۳) قول صحابی میں ہے۔كتب عمر بن الخطابؓ الى ابى موسى الاشعرى ... المسلمون عدول بعضهم على بعض ۔(دار قطنی ، باب کتاب عمرؓ الی موسی الاشعری، ج رابع، ص۱۳۲، نمبر ۴۴۲۵) مسلمان ظاہری طور پر عادل ہیں اور ان کے خلاف کوئی قرینہ نہیں ہے اس لئے جب وہ کہتے ہیں کہ تقسیم کر دیں تو تقسیم کر سکتے ہیں۔اور بعد میں وارث ظاہر ہوئے تو دوبارہ صحیح تقسیم کر دی جائے گی (۴) جیسے منقولی جائداد کو بغیر بینہ قائم کئے تقسیم کر دیتے ہیں اسی طرح زمین اور مکان بھی بغیر بینہ کے تقسیم کی جا سکتی ہے۔

لغت: یذکر: کا ترجمہ ہے لکھ دیگا، ذکر کر دیگا۔

ترجمه : ا اور اگر مال مشترک زمین کے علاوہ ہو اور وہ دعوی کریں کہ ان کی میراث ہے تو سب کے قول میں یہ ہے کہ اس کو تقسیم کر دے۔

تشريح : مشترک مال ہے اور زمین اور گھر کے علاوہ وہ مال ہے، ورثہ کہتے ہیں کہ وہ مال فلاں مورث سے ہم کو ملا ہے اور ہم لوگ اس کے وارث ہیں تو چاہے مورث کے مرنے پر اور وارث کی تعداد پر گواہ نہ پیش کریں پھر بھی امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ تینوں امام یہ فرماتے ہیں کہ اس کو تقسیم کر دے۔

مَا سِوَى الْعَقَارِ وَادَّعَوْا أَنَّهُ مِيرَاثٌ قَسَمَهُ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا، ٢ وَلَوْ ادَّعَوْا فِي الْعَقَارِ أَنَّهُمْ اشْتَرَوْهُ قَسَمَهُ بَيْنَهُمْ ٣ لَهُمَا: أَنَّ الْيَدَ دَلِيلُ الْمِلْكِ وَالْإِقْرَارَ أَمَارَةُ الصِّدْقِ وَلَا مُنَازِعَ لَهُمْ فَيَقْسِمُهُ بَيْنَهُمْ، كَمَا فِي الْمَنْقُولِ الْمَوْرُوثِ وَالْعَقَارِ الْمُشْتَرَى، ٤ وَهَذَا؛ لِأَنَّهُ لَا مُنْكِرَ وَلَا

وجہ :زمین اور گھر کے علاوہ جو منقولی جائداد ہے وہ جلدی میں خراب ہو سکتی ہے اس لئے اس کو جلدی تقسیم کر دے تا کہ ہر وارث اپنے اپنے حصے کی حفاظت کرتا رہے۔اور بعد میں کوئی وارث ظاہر ہوگا تو دوبارہ صحیح تقسیم کر دی جائے گی۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ منقولی جائداد خراب ہونے کا خطرہ ہے اس لئے حفاظت کے لئے جلدی تقسیم کر دے۔اور زمین اور مکان خراب نہیں ہوتا اس لئے اس کو جلدی تقسیم کرنا ضروری نہیں، گواہ کے آنے تک انتظار کیا جائے گا۔تا کہ خوب کھود کرید کر فیصلہ کیا جائے۔

لغت : العقار : زمین

ترجمہ : ٢ اگر دعوی کرے زمین کے بارے میں کہ انہوں نے خریدی ہے تو اس کے درمیان تقسیم کر دے۔

تشریح : کچھ آدمی قاضی کے سامنے دعوی کرتے ہیں کہ یہ زمین ہے جس کو ہم لوگوں نے خریدی ہے تو بغیر کسی مزید بینہ کے قاضی ان کے درمیان تقسیم کر دے۔

وجہ : یہاں میت کے خلاف فیصلہ نہیں ہے اور نہ مزید کسی وارث کے ظاہر ہونے کا خدشہ ہے۔اور ظاہر یہی ہے کہ ان لوگوں نے خریدی ہے اس لئے ان کے درمیان تقسیم کر دے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کسی دوسرے کے خلاف فیصلہ صادر نہ ہوتا ہو تو مزید گواہ کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ :٣ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ زمین پر قبضہ اس کی ملکیت کی دلیل ہے، اور اقرار کرنا سچے ہونے کی علامت ہے، اور اس کا کوئی مخالف نہیں ہے، اس لئے انکے درمیان تقسیم کر دی جائے، جیسے کہ منقولی چیز وراثت میں ہو تو بغیر بینہ کے تقسیم کر دی جاتی ہے، اور خریدی ہوئی زمین کو بغیر بینہ کے تقسیم کر دی جاتی ہے۔

تشریح : یہاں سے صاحبینؒ کی چھ دلیلیں ہیں۔[١] پہلی دلیل یہ ہے کہ زمین پر ان لوگوں کا قبضہ ہونا اس بات پر دلیل ہے کہ یہ زمین انہیں لوگوں کی ملکیت ہے اس لئے انکے کہنے پر تقسیم کر دی جائے، مزید گواہ کی ضرورت نہیں ہے۔[٢] دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ لوگ اقرار کر رہے ہیں کہ ہماری زمین ہے تو یہ انکے سچے ہونے کی دلیل ہے اس لئے تقسیم کر دی جائے۔[٣] تیسری دلیل یہ ہے گواہ مانگنے کی ضرورت وہاں پڑتی ہے جہاں کوئی جھگڑا کرنے والا ہو اور یہاں کوئی جھگڑا کرنے والا نہیں ہے اس لئے گواہ کی ضرورت بھی نہیں ہے۔[٤] اس کی مثال یہ ہے کہ وہ واثت کی چیز جو منقولی، جیسے روپیہ گیہوں وغیرہ اس کو انکے کہنے پر تقسیم کر دیتے ہیں کوئی گواہی نہیں مانگتے، تو زمین میں بھی کوئی گواہی نہ مانگئے۔[٥] اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ خریدی ہوئی زمین ہو اور خریدار کہے کہ اس کو تقسیم کر دیجئے تو بغیر گواہ کے اس کو تقسیم کر دی جاتی ہے، اسی طرح وراثت کی زمین

بَيِّنَةَ إِلَّا عَلَى الْمُنْكِرِ فَلَا يُفِيدُ، إِلَّا أَنَّهُ يَذْكُرُ فِي كِتَابِ الْقِسْمَةِ أَنَّهُ قَسَمَهَا بِإِقْرَارِهِمْ لِيَقْتَصِرَ عَلَيْهِمْ وَلَا يَتَعَدَّاهُمْ. ۵ وَلَهُ أَنْ يَقْسِمَ قَضَاءً عَلَى الْمَيِّتِ إِذِ التَّرِكَةُ مُبْقَاةٌ عَلَى مِلْكِهِ قَبْلَ الْقِسْمَةِ، حَتَّى لَوْ حَدَثَتِ الزِّيَادَةُ قَبْلَهَا تُنَفَّذُ وَصَايَاهُ فِيهَا وَتُقْضَى دُيُونُهُ مِنْهَا، بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الْقِسْمَةِ، وَإِذَا كَانَتْ قَضَاءً عَلَى الْمَيِّتِ فَالْإِقْرَارُ لَيْسَ بِحُجَّةٍ عَلَيْهِ فَلَا بُدَّ مِنَ الْبَيِّنَةِ ٦ وَهُوَ

بھی بغیر گواہ کے تقسیم کر دی جائے۔

لغت: المنقول المورث: منقولی جائداد جو وراثت میں آئی ہو، جیسے روپیہ، گیہوں وغیرہ۔ العقار المشتری: وہ زمین جو خریدی گئی ہو۔ مشتری اسم مفعول ہے خریدی ہوئی زمین۔

ترجمہ: ۴ اور گواہ نہ لینے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں انکار کرنے والا کوئی نہیں ہے اور منکر نہ ہو تو بینہ نہیں ہے اس لئے بینہ دینے سے کوئی فائدہ نہیں ہے، لیکن قاضی کتاب القسمت میں یہ ذکر کر دے کہ اس زمین کو ان لوگوں کے اقرار پر تقسیم کی ہے، تاکہ یہ تقسیم انہیں لوگوں پر منحصر رہے اس سے آگے نہ بڑھے۔

تشریح: یہ صاحبینؒ کی جانب سے چھٹی دلیل ہے کہ یہاں کوئی منکر نہیں ہے اور منکر کے بغیر بینہ کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ البتہ چونکہ بغیر بینہ کے فیصلہ کیا جا رہا ہے اس لئے قاضی اپنی رجسٹر پر لکھے گا کہ یہ تقسیم ان لوگوں کے اعتراف کی بنا پر کی گئی ہے۔ اس میں گواہی نہیں لی گئی ہے تاکہ کل کوئی اور وارث نکل جائے تو اس پر اس فیصلے کا اطلاق نہ ہو، وہ اپنی وراثت ثابت کر کے وراثت لے سکے۔

لغت: لیقتصر علیھم: فیصلہ انہیں لوگوں تک محدود رہے، یہ فیصلہ ظاہر ہونے والے وارث پر صادر نہ ہو۔

ترجمہ: ۵ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ تقسیم کرنا میت کے خلاف فیصلہ کرنا ہے اس لئے کہ تقسیم سے پہلے ترکہ اس کی ملکیت پر باقی ہے، یہی وجہ ہے کہ ترکہ میں کوئی اضافہ ہو جائے تو اس میں بھی وصیت جاری ہوتی ہے، اور اس سے بھی میت کا قرض ادا کیا جا سکتا ہے، بخلاف تقسیم کے بعد [کہ نہ اس میں وصیت جاری ہوگی، اور نہ قرض ادا کیا جائے گا] اور جب میت پر فیصلہ ہے تو تو اس پر وارث کا اقرار حجت نہیں ہے اس لئے گواہ ضروری ہے۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ تقسیم کے بعد مال وارث کی ملکیت میں چلا جاتا ہے۔ اور تقسیم سے پہلے یہ مال میت کی ملکیت میں باقی رہتا ہے، اس لئے تقسیم کرنا حقیقت میں میت کے خلاف فیصلہ کرنا ہے اس لئے اس کو ثابت کرنے کے لئے گواہ چاہئے۔ اس کی دو مثالیں دے رہے ہیں [۱] ایک یہ کہ اگر تقسیم کے پہلے وراثت میں اضافہ ہو جائے مثلا گائے ہو اور اس میں بچہ پیدا ہو جائے تو اس بچے میں بھی وصیت نافذ ہو جائے گی، لیکن تقسیم کے بعد بچہ پیدا ہو تو اس میں وصیت نافذ نہیں ہوگی، کیونکہ یہ مال اب وارث کا ہو گیا۔ دوسری مثال یہ ہے کہ تقسیم سے پہلے اضافہ ہو جائے تو اس سے میت کا قرض ادا کیا

مُفِيدٌ، لِأَنَّ بَعْضَ الْوَرَثَةِ يَنْتَصِبُ خَصْمًا عَنِ الْمُورِثِ. وَلَا يَمْتَنِعُ ذٰلِكَ بِإِقْرَارِهِ كَمَا فِي الْوَارِثِ أَوِ الْوَصِيِّ الْمُقِرِّ بِالدَّيْنِ فَإِنَّهُ يُقْبَلُ الْبَيِّنَةُ عَلَيْهِ مَعَ إِقْرَارِهِ، ےۓ بِخِلَافِ الْمَنْقُولِ؛ لِأَنَّ فِي الْقِسْمَةِ نَظَرًا لِلْحَاجَةِ إِلَى الْحِفْظِ، أَمَّا الْعَقَارُ فَمُحَصَّنٌ بِنَفْسِهِ، ۸ وَلِأَنَّ الْمَنْقُولَ مَضْمُونٌ

جائے گا، لیکن تقسیم کے بعد اضافہ ہو تو اس سے میت کا قرض ادا نہیں کیا جائے گا، اس سے معلوم ہوا کہ تقسیم حقیقت میں میت کے خلاف فیصلہ کرنا ہے اس لئے گواہ ضروری ہے۔

ترجمہ: ۶ اور یہ گواہ بنانا مفید بھی ہے، اس طرح کہ بعض وارث کو میت کی جانب سے خصم قرار دیا جائے، اور اقرار کے باوجود یہ ممتنع نہیں ہے، جیسا کہ وارث ہو یا وہ وصی ہو جس نے میت کے اوپر قرض ہونے کا اقرار کیا ہو، تو اقرار کے باوجود اس کے خلاف بینہ قبول کیا جاتا ہے۔

تشریح: یہ صاحبینؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ یہاں وارثین کے خلاف کوئی انکار کرنے والا نہیں ہے، اور بینہ منکر کے خلاف ہوتا ہے، اس لئے یہ گواہی کوئی فائدہ مند نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ جو وارث اعتراف کرتے ہیں کہ صرف ہم لوگ ہی وارث ہیں انہیں میں سے بعض کو میت کی جانب سے منکر قرار دیا جائے، اور بعض کی جانب سے گواہ پیش کی جائے تو یہ گواہی مفید ہو جائے گی، کیونکہ منکر کے خلاف گواہی ہوئی، اور اس سے بات مضبوط ہو جائے گی۔

اس کی دو مثالیں پیش کر رہے ہیں [۱] میت کے وارث نے اقرار کیا کہ میرے میت پر ایک ہزار درہم قرض ہے، یا میت کے وصی نے اقرار کیا کہ میرے میت پر ایک ہزار درہم قرض ہے، پھر بھی قرض دینے والا قاضی کے سامنے اس پر گواہی پیش کرنا چاہتا ہے تو اس وارث کو، اور وصی کو خصم بنا کر اس کے خلاف گواہی پیش کر سکتا ہے، حالانکہ دونوں نے میت پر قرض ہونے کا اقرار کیا ہے۔ اسی طرح تمام وارثین نے اقرار کیا ہے کہ ہم لوگوں کے علاوہ کوئی وارث نہیں ہے، پھر بھی ان میں سے ایک کو میت کی جانب سے منکر اور خصم بنایا جائے اور دوسرے وارث کی جانب سے ان پر گواہ لی جائے۔ اس طرح منکر بھی ہوا اور گواہی لینا بھی مفید ہو گیا۔

لغت: ینتصب خصما عن المورث: مورث یعنی میت کی جانب سے خصم یعنی منکر متعین کیا جائے۔

ترجمہ: ےۓ بخلاف منقولی چیز کے اس لئے کہ اس کے تقسیم کرنے میں خود چیز کا فائدہ ہے، کہ وہ لوگ اس کی حفاظت کریں گے، بہر حال زمین تو وہ خود محفوظ ہے۔

تشریح: یہ بھی صاحبین کو جواب ہے، انہوں نے کہا تھا کہ منقولی چیز کو بغیر گواہ کے تقسیم کر دی جاتی ہے تو زمین کو بھی بغیر گواہ لئے تقسیم کر دی جائے تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ منقولی چیز کو بغیر گواہ لئے جلدی تقسیم کر دینے میں یہ فائدہ ہے کہ جس کے قبضے میں جائے گی وہ اس کو حفاظت سے رکھے گا، کیونکہ اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے، اور زمین تو خود محفوظ ہے اس کی

عَلَى مَنْ وَقَعَ فِي يَدِهِ، وَلَا كَذٰلِكَ الْعَقَارُ عِنْدَهُ، ۹ؐ وَبِخِلَافِ الْمُشْتَرَى لِأَنَّ الْمَبِيعَ لَا يَبْقَى عَلَى مِلْكِ الْبَائِعِ وَإِنْ لَمْ يَقْسِمْ فَلَمْ تَكُنْ الْقِسْمَةُ قَضَاءً عَلَى الْغَيْرِ. (۸۷)قَالَ: وَإِنْ ادَّعَوْا الْمِلْكَ وَلَمْ يَذْكُرُوا كَيْفَ انْتَقَلَ إِلَيْهِمْ قَسَمَهُ بَيْنَهُمْ؛ ۱ؐ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي الْقِسْمَةِ قَضَاءٌ عَلَى

حفاظت کی ضرورت نہیں ہے۔

لغت :محصن :حصن سے مشتق ہے، محفوظ ہونا۔

ترجمہ :۸ؐ اور اس لئے کہ منقولی چیز جسکے ہاتھ میں واقع ہوگی وہ اس کا ضامن ہوگا، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زمین کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔

تشریح : یہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے کہ منقولی چیز جس کے پاس جائے گی وہ دوسرے کی نکل گئی، اور وہ اس کے پاس ہلاک ہوگئی تو اس کو ضمان دینا ہوگا، اور زمین کا معاملہ یہ ہے کہ اس کے ہلاک ہونے کا سوال نہیں ہوتا، وہ تو ہر حال میں موجود ہے، اس لئے اس کا ضمان بھی کسی پر لازم نہیں ہوگا، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے زمین غصب کی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ غصب شمار نہیں ہوتی، جب چاہے قاضی کے ذریعہ واپس لے لے۔ اس لئے منقول چیز کو جلدی تقسیم کرے اور زمین کو گواہ کے بغیر تقسیم نہ کرے۔

ترجمہ :۹ؐ بخلاف خریدی ہوئی زمین کے اس لئے کہ مبیع کو تقسیم سے پہلے بھی بائع کی ملکیت میں نہیں رہتی، اس لئے یہاں تقسیم کرنا غیر پر فیصلہ کرنا نہیں ہوا۔

تشریح : یہ بھی صاحبینؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ خریدی ہوئی زمین کو گواہی لئے بغیر تقسیم کی جا سکتی ہے تو وراثت کی زمین بھی گواہی کے بغیر تقسیم کی جا سکتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جیسے ہی بائع نے زمین بیچی تو تقسیم ہونے سے پہلے بھی بائع کی ملکیت سے نکل گئی اس لئے تقسیم کرنا قضاء علی الغیر نہیں ہوا، اس لئے بغیر گواہی کے تقسیم کی جا سکتی ہے، اور وراثت کی زمین میں تقسیم سے پہلے یہ زمین میت کی ہے اس لئے تقسیم کرنا قضاء علی الغیر ہے اس لئے گواہی کی ضرورت ہے۔

ترجمہ :(۸۷)اور اگر ملکیت کا دعوی کریں اور یہ نہ بیان کریں کہ کیسے ان کی طرف منتقل ہوئی تو ان کے درمیان تقسیم کر دے۔

ترجمہ :۱ؐ اس لئے کہ یہاں تقسیم میں قضا علی الغیر نہیں ہے اس لئے کہ دوسرے کی ملکیت کا اقرار نہیں کیا۔

تشریح : کچھ لوگ قاضی کے پاس آ کر یہ کہیں کہ یہ چیز ہماری ملکیت ہے اس کو تقسیم کر دیں، لیکن یہ نہ بتائے کہ ان لوگوں کی ملکیت کیسے ہوئی، خریدنے کی وجہ سے یا وراثت کی وجہ سے۔ پھر بھی قاضی کو اختیار ہے کہ اس چیز کو ان کے درمیان تقسیم کر دے۔

وجہ :(۱) جب ان کے قبضے میں ہے تو ظاہری قرینہ یہی ہے کہ ان کی ہی ملکیت ہے اس لئے تقسیم کر سکتا ہے (۲) اس میں قضا

الْغَيْرِ، فَإِنَّهُمْ مَا أَقَرُّوا بِالْمِلْكِ لِغَيْرِهِمْ ٢ قَالَ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ:- هَذِهِ رِوَايَةُ كِتَابِ الْقِسْمَةِ. وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: أَرْضٌ ادَّعَاهَا رَجُلَانِ وَأَقَامَا الْبَيِّنَةَ أَنَّهَا فِي أَيْدِيهِمَا وَأَرَادَا الْقِسْمَةَ لَمْ يَقْسِمْهَا حَتَّى يُقِيمَا الْبَيِّنَةَ أَنَّهَا لَهُمَا لِاحْتِمَالِ أَنْ يَكُونَ لِغَيْرِهِمَا، ٣ ثُمَّ قِيلَ: هُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَقِيلَ قَوْلُ الْكُلِّ، وَهُوَ الْأَصَحُّ؛ لِأَنَّ قِسْمَةَ الْحِفْظِ فِي الْعَقَارِ غَيْرُ مُحْتَاجٍ إلَيْهِ، وَقِسْمَةُ الْمِلْكِ تَفْتَقِرُ إلَى قِيَامِهِ وَلَا مِلْكَ فَامْتَنَعَ الْجَوَازُ.

علی الغیر نہیں ہے اس لئے گواہی کی اور اس تحقیق کی کہ کس طرح اس کی ملکیت ہوئی ضرورت نہیں ہے۔اسلئے اس کو تقسیم کر دے

ترجمہ :۲ مصنفؒ نے فرمایا کہ اوپر کا مسئلہ مبسوط میں ہے، لیکن جامع صغیر میں ہے کہ دو آدمیوں نے زمین کا دعوی کیا، اور اس بات پر گواہ قائم کیا کہ ہمارے قبضے میں ہے تو اس وقت تک تقسیم نہ کرے جب تک اس بات پر گواہ قائم نہ کرے کہ یہ زمین اس کی ملکیت ہے، [اس لئے کہ اس بات کا احتمال ہے کہ یہ زمین اس کے قبضے میں ہو] لیکن غیر کی زمین ہو۔

تشریح : جامع صغیر میں عبارت اس طرح ہے۔ ارض ادعاها رجلان لم تقض انها فی ید احدهما حتی یقیما البینة انها فی أیدیهما .... و ان اراد القسمةلم تقسم حتی یقیما البینة انها لهما و کل شئی فی ایدهما سوی العقار فانه یقسم۔(جامع صغیر، باب کتاب القضاء باب الدعوی، ص۳۸۳)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ زمین کا قبضہ میں ہونا کافی نہیں ہے بلکہ اس بات پر بھی گواہی پیش کرے کہ یہ زمین اس کی ملکیت ہے تب جا کر قاضی اس کو تقسیم کرے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ یہ زمین اس کے قبضے میں ہو لیکن دوسرے کی ملکیت ہو اس لئے ملکیت کی گواہی کے بغیر اس کو تقسیم نہ کرے۔

ترجمہ :۳ پھر کہا گیا ہے کہ یہ خاص طور پر امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے، اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ سب کا قول ہے، اور صحیح یہی ہے، اس لئے کہ زمین کو حفاظت کے لئے تقسیم کی ضرورت نہیں ہے، اور مالک بنانے کے لئے تقسیم کرنے میں ضروری ہے کہ پہلے ملکیت کو ثابت کرے، اور یہاں ملکیت ثابت نہیں کی اس لئے تقسیم کرنا جائز نہیں ہوگا۔

تشریح : ملکیت ثابت کرے پھر قاضی زمین کو تقسیم کرے، اس بارے میں بعض حضرات نے فرمایا کہ صرف امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ تینوں اماموں کا قول ہے۔

وجہ :اسکی وجہ یہ ہے کہ حفاظت کے لئے زمین کو تقسیم کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ زمین خود محفوظ ہے۔اور مالک بنانے کے لئے اسلئے تقسیم نہیں کر سکتا کہ ابھی تک اپنی ملکیت ثابت نہیں کی ہے، اس لئے مالک بننے کی گواہی سے پہلے تقسیم نہ کرے

لغت : قسمة الملک تفتقر الی قیامه :مالک بنانے کے لئے تقسیم کرنا ملک کو ثابت کرنے کی ضرورت ہے۔و لا ملک فامتنع الجواز: یہاں ابھی تک ملکیت ثابت نہیں کی ہے اس لئے مالک بنانے کے لئے تقسیم کرنا جائز نہیں ہے۔

(۸۸) قَالَ: وَإِذَا حَضَرَ وَارِثَانِ وَأَقَامَا الْبَيِّنَةَ عَلَى الْوَفَاةِ وَعَدَدِ الْوَرَثَةِ وَالدَّارُ فِي أَيْدِيهِمْ وَمَعَهُمْ وَارِثٌ غَائِبٌ قَسَمَهَا الْقَاضِي بِطَلَبِ الْحَاضِرِينَ وَيَنْصِبُ وَكِيلًا يَقْبِضُ نَصِيبَ الْغَائِبِ، وَكَذَا لَوْ كَانَ مَكَانَ الْغَائِبِ صَبِيٌّ يَقْسِمُ وَيُنَصِّبُ وَصِيًّا يَقْبِضُ نَصِيبَهُ ا لِأَنَّ فِيهِ نَظَرًا لِلْغَائِبِ وَالصَّغِيرِ، ٢ وَلَا بُدَّ مِنْ اقَامَةِ الْبَيِّنَةِ فِي هَذِهِ الصُّورَةِ عِنْدَهُ أَيْضًا خِلَافًا لَهُمَا. كَمَا ذَكَرْنَا مِنْ

ترجمه :(۸۸)اور دو وارث قاضی کے پاس حاضر ہوں اور وفات پر بینہ قائم کریں اور ورثہ کی تعداد پر اور مکان ان کے قبضے میں ہو اور ان کے ساتھ غائب وارث ہو پھر بھی قاضی حاضرین کی طلب پر تقسیم کردے۔اور غائب کے لئے ایک وکیل مقرر کردے جو اس کے حصے پر قبضہ کرے۔ایسے ہی اگر غائب کی جگہ بچہ ہو تو بچے کے لئے وصی مقرر کرے جو بچے کے حصے پر قبضہ کرے۔

ترجمه :ا اس لئے کہ اس میں غائب اور بچے کا فائدہ ہے۔

اصول :یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ میت کی جانب سے ایک وارث خصم متعین ہو جائے،اور دوسرا وارث اس پر گواہ پیش کردے تو یہاں غائب پر فیصلہ نہیں ہوا اس لئے زمین تقسیم کی جاسکتی ہے ۔اور اگر غائب کی جانب سے کوئی خصم متعین نہ ہو سکے تو زمین تقسیم نہیں کی جائے گی۔

تشریح :میت مرا،اور تین وارث ہیں،ان میں سے ایک غائب ہے،اب دو وارث قاضی کے پاس آئے،انہوں نے میت کے مرنے پر اور ورثہ کی کل تعداد پر گواہ پیش کئے،اور اس پر بھی گواہ پیش کیا کہ زمین ہم موجود کے قبضے میں ہے،تو قاضی زمین تقسیم کردے گا،اور جو وارث غائب ہے اس کے لئے وکیل متعین کرے گا،اور غائب کا حصہ اس وکیل کے ہاتھ میں حفاظت کے لئے سپرد کردے گا۔

اور غائب کے بجائے وارث میں بچہ ہے تو بچے کے لئے وصی متعین کرے گا۔اور بچے کا حصہ اس وصی کے حوالے کردے گا۔

وجه :(ا)اس میں حاضر وارث کا بھی فائدہ ہے کہ اس کو اس کی زمین مل گئی،اور غائب وارث کا فائدہ ہے کہ اس کا حصہ اس کے وکیل کو مل گیا،بچے کا بھی فائدہ ہے کہ اس کا حصہ اس کے وصی کو مل گیا۔اور قضا علی الغائب بھی پیش نہیں آیا،کیونکہ میت کی جانب سے ایک وارث کو خلیفہ اور خصم بنا دیا گیا،اور دوسرے وارث کی جانب سے اس پر گواہی دلوا دی گئی،اس لئے قضا علی الغائب نہیں ہوا۔

اس تقسیم میں یہ ضروری ہے کہ دو وارث موجود ہوں تا کہ ایک کو میت کی جانب سے خلیفہ اور خصم قرار دیا جائے،اور دوسرے وارث کو اس پر گواہی دینے والا قرار دیا جائے۔اور اگر ایک وارث موجود ہو تو ایک میت کی جانب سے خصم نہیں بن سکے گا اس لئے قاضی تقسیم بھی نہیں کر سکے گا۔

ترجمه :۲ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ دونوں وارث میت کے مرنے پر اور ورثہ کی تعداد پر بینہ پیش کریں

قَبْلُ. ۳؎ وَلَوْ كَانُوا مُشْتَرِيِنَ لَمْ يَقْسِمْ مَعَ غَيْبَةِ أَحَدِهِمْ ۴؎ وَالْفَرْقُ أَنْ مِلْكَ الْوَارِثِ مِلْكُ خِلَافَةٍ حَتَّى يُرَدَّ بِالْعَيْبِ وَيُرَدُّ عَلَيْهِ بِالْعَيْبِ فِيمَا اشْتَرَاهُ الْمُورِثُ أَوْ بَاعَ ۵؎ وَيَصِيرُ مَغْرُورًا

۔خلاف صاحبینؒ کے جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا۔

تشریح : پہلے گزر چکا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ میت کے مرنے پر، اور وارث کی کل تعداد پر بینہ قائم کرے تب ہی قاضی زمین کو تقسیم کرے گا، اسی طرح یہاں بھی میت کے مرنے پر اور وارث کی کل تعداد پر بینہ قائم کرے تب زمین تقسیم کرے گا۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک یہاں بھی گواہ قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے، صرف یہ وارثین اعتراف کر لے کہ میت مرا ہے، اور ہم لوگ اتنے وارث ہیں تو قاضی زمین تقسیم کر دے گا۔

ترجمہ : ۳؎ اور اگر وہ خریدنے والے تھے تو ان میں سے ایک کی غیر حاضری میں تقسیم نہیں کی جائے گی۔

تشریح : مثلا تین آدمیوں نے مل کر ایک گھر خریدا۔ پھر دو آدمی ملکر قاضی کے پاس آئے کہ مجھے تقسیم کر کے دیں۔ اور ایک خریدار غائب ہے تو قاضی گھر تقسیم نہیں کرے گا۔

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں حاضر آدمی بائع کا خلیفہ نہیں ہے، بلکہ انکو نئی ملکیت حاصل ہو رہی ہے اس لئے یہ لوگ غائب کی جانب سے بھی خلیفہ نہیں بنیں گے، اس لئے قضا علی الغائب ہو جائے گا، اس لئے قاضی زمین تقسیم نہیں کرے گا

ترجمہ : ۴؎ فرق یہ ہے کہ وارث کی ملکیت میت کا خلیفہ بن کر ملکیت ہے یہی وجہ ہے کہ میت نے خریدا ہو تو وارث عیب کی وجہ سے واپس کرے گا، اور میت نے بیچا ہو تو وارث پر بھی مشتری عیب کی وجہ سے واپس کریگا۔

تشریح : تین مشتری زمین خریدے ہوں۔ اور ایک مشتری غائب ہو اور قاضی سے تقسیم کروانا چاہتے ہیں تو تقسیم نہیں کریں گے، اور تین وارث ہوں اور ایک غائب ہو اور زمین تقسیم کروانا چاہتے ہوں تو تقسیم کر دیگا، اس میں فرق کیا ہے اس کو تین مثالیں دے کر بتا رہے ہیں۔

[۱] پہلی مثال۔ حتی یرد بالعیب... فیما اشتراہ : میت نے باندی خریدی اور اس میں عیب نکل آیا تو وارث خیار عیب کے ماتحت باندی کو بائع کی طرف واپس کرے گا، جس طرح خود میت زندہ ہوتا تو خیار عیب کے ماتحت واپس کرتا، کیونکہ وارث میت کا خلیفہ ہے۔ [۲] دوسری مثال۔ ویرد علیہ بالعیب... فیما باع: اگر میت نے باندی بیچی اور اس میں عیب نکل آیا تو مشتری وارث کے اوپر اس باندی کو واپس کرے گا، جس طرح اگر میت زندہ ہوتا تو اس پر باندی واپس کر دی جاتی، کیونکہ وارث میت کا خلیفہ ہے۔

لغت : حتی یرد بالعیب : اس کا دوسرا جملہ, فیما اشتراہ، ہے، ترجمہ، میت نے خریدا ہو تو اس کا وارث عیب کے ماتحت بائع پر واپس کر سکتا ہے، کیونکہ وہ خلیفہ ہے۔ یرد علیہ بالعیب : اس کا دوسرا جملہ ہے، او باع : اس کا ترجمہ ہے، وارث پر عیب کے ماتحت واپس کر سکتا ہے، اگر میت نے باندی بیچی ہو، کیونکہ وارث میت کا خلیفہ ہے۔

بِشِرَاءِ الْمُورِثِ ﴿٦﴾ فَانْتَصَبَ أَحَدُهُمَا خَصْمًا عَنْ الْمَيِّتِ فِيمَا فِي يَدِهِ وَالْآخَرُ عَنْ نَفْسِهِ، فَصَارَتْ الْقِسْمَةُ قَضَاءً بِحَضْرَةِ الْمُتَخَاصِمِينَ. ﴿٧﴾ أَمَّا الْمِلْكُ الثَّابِتُ بِالشِّرَاءِ مِلْكٌ مُبْتَدَأٌ،

ترجمه : ۵ تیسری مثال۔ یہ ذرا پیچیدہ ہے :و یصیر مغرورا بشراء المورث : میت نے باندی خریدی، اس کو وارث نے تقسیم کر کے اپنے حصے میں لے لیا، پھر اس سے وطی کر کے ام ولد بنا لیا، اور اس سے بچہ پیدا کر لیا۔ اس کے بعد کسی نے دعوی کیا کہ یہ باندی میری ہے اور اس کو ثابت کر کے باندی لے لی، بچہ آزاد وارث کا ہے اس لئے وہ آزاد ہو جائے گا، لیکن حقیقت میں باندی کی نسل ہے اس لئے وارث بچے کی قیمت کو مستحق آدمی کو دے گا۔ اور حقیقت میں دوسرے کی باندی سے وطی کیا ہے، اس لئے وطی کی قیمت بھی مستحق آدمی کو دے گا، اس کو عربی میں، عقر، کہتے ہیں۔ بعد میں یہ وارث بائع سے باندی کی قیمت اور بچے کی قیمت وصول کرے گا، لیکن عقر کی رقم وصول نہیں کرے گا، کیونکہ یہ مہر کی طرح اپنی لذت اٹھانے کی قیمت ہے اگر میت زندہ ہوتا اور وہ اس باندی کو ام ولد بناتا، اور بعد میں یہ باندی کسی اور کی نکل جاتی تو میت بھی اپنے بائع سے، باندی کی قیمت لے گا، بچے کی قیمت لے گا، اور عقر کی رقم نہیں لے گا، اسی طرح وارث بھی کرے گا، کیونکہ یہ میت کا خلیفہ ہے۔

ان تین دلیلوں سے ثابت ہوا کہ وارث میت کا خلیفہ ہے، اس لئے ایک وارث میت کی جانب سے خصم بن جائے گا، اور دوسرا وارث اس پر گواہ پیش کرے گا، اس طرح غائب پر فیصلہ نہیں ہوگا۔

لغت :مغرور :غر سے مشتق ہے، دھوکا کھانا۔ یہاں بائع نے دوسرے کی باندی بیچی اور میت کو دھوکہ دیا، جسکی وجہ سے اس کے وارث کو باندی کی قیمت اور بچے کی قیمت ادا کرنی پڑی۔

ترجمه : ٦ اس لئے جو کچھ وارث کے قبضے میں ہے اس میں دو وارث میں سے ایک کو میت کی جانب سے خصم قرار دیا جائے گا، یعنی مدعی علیہ قرار دیا جائے، اور دوسرا اپنی جانب سے گواہ پیش کرنے والا قرار دیا جائے گا، اس لئے تقسیم کرنا دو مدعی اور مدعی علیہ کے سامنے ہو جائے گا [قضاء علی الغائب نہیں ہوگا]

تشریح : جب وارث میت کا خلیفہ اور نائب ہوئے تو یوں سمجھا جائے گا کہ ایک وارث میت کی جانب سے خصم یعنی مدعی علیہ قرار دیا جائے گا، اور دوسرا وارث گویا کہ اس پر گواہ پیش کر رہا ہے، اس لئے قاضی جو تقسیم کا فیصلہ کر رہا ہے وہ قضا علی الغائب نہیں ہوا، بلکہ دو متخاصمین کے سامنے فیصلہ ہوا، اور جو وارث غائب ہے اس کی جانب سے وکیل متعین ہو جائے گا۔

لغت :خصما: مد مقابل، یہاں مراد ہے کہ ایک کو مدعی علیہ کی طرح قرار دیا جائے۔

ترجمه : ۷ بہر حال خریدنے سے جو ملک ثابت ہوتی ہے وہ ابتدائی درجے کی ملکیت ہے، یہی وجہ ہے کہ بائع کے بائع پر اس کو عیب کی وجہ سے واپس نہیں کر سکتا، اس لئے غائب آدمی کی جانب سے حاضر آدمی خصم نہیں بن سکتا تو فرق واضح ہو گیا [اس لئے خریدنے کی صورت میں قاضی تقسیم نہیں کر سکتا]

تشریح : خریدنے کی صورت میں مشتری بائع کا خلیفہ نہیں ہے، بلکہ بائع کی جانب سے ابھی ابھی ملکیت حاصل ہو رہی

وَلِهَـذَا لا يُـرَدُّ بِـالْعَيْبِ عَلَى بَائِعِ بَائِعِهِ فَلا يَصْلُحُ الْحَاضِرُ خَصْمًا عَنِ الْغَائِبِ فَوَضَحَ الْفَرْقُ.

(۸۹)وَإِنْ كَـانَ الْـعَـقَـارُ فِـي يَـدِ الْوَارِثِ الْغَائِبِ أَوْ شَيْءٍ مِنْهُ لَمْ يُقْسَمْ، وَكَذَا إِذَا كَانَ فِي يَدِ مُودِعِهِ، وَكَذَا إِذَا كَانَ فِي يَدِ الصَّغِيرِ لِأَنَّ الْقِسْمَةَ قَضَاءٌ عَلَى الْغَائِبِ وَالصَّغِيرِ بِاسْتِحْقَاقِ

ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر باندی میں عیب نکل جائے تو بائع کے بائع پر باندی واپس نہیں کرسکتا، اس لئے جو مشتری حاضر ہے وہ نہ بائع کا خصم بنے گا، اور نہ جو مشتری غائب ہے اس کی جانب سے خصم بنے گا، اس لئے قاضی اگر اس مبیع کو تقسیم کیا تو قضا علی الغائب ہو جائے گا، اس لئے وہ تقسیم نہیں کرسکتا۔

وجہ: اصل وجہ یہ ہے کہ جب آدمی مرتا ہے تو بہت سے وارث غائب ہوتے ہیں، اور قاضی کو شرعی طور پر سب کا حصہ معلوم ہے اس لئے موت پر گواہی ہو جائے اور سب ورثہ کی تعداد پر گواہی ہو جائے تو زمین تقسیم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس تقسیم کرنے میں غائب کا حق نہیں مارا گیا۔ لیکن خریدنے کی صورت میں عام طور پر خریدار حاضر ہی رہتا ہے، پھر قاضی کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ غائب آدمی نے کتنی رقم دی ہے، اور زمین میں اس کا کون سا حصہ ہے، بہت ممکن ہے کہ حاضر آدمی قاضی کو چکما دے کر زیادہ حصہ لے لینا چاہتا ہو اس لئے خریدنے کی صورت میں جلدی تقسیم نہ کرے۔

ترجمہ: (۸۹) اگر زمین غائب وارث کے قبضے میں ہو یا اس کا کچھ حصہ ہو تو تقسیم نہیں کی جائے گی۔ ایسے ہی اگر غائب آدمی کے امانت رکھنے والے کے پاس ہو، ایسے ہی اگر بچے کے پاس زمین ہو تو قاضی اس کو تقسیم نہیں کرے گا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ غائب پر فیصلہ کرنا جائز نہیں۔

اصول: ہاں غائب کا کوئی نائب اور اس کی جانب سے خصم متعین ہو جائے تو قاضی اس کے خلاف، فیصلہ کرسکتا ہے۔

وجہ: (۱) اس اصول کے لئے حدیث یہ ہے۔ عن علیؓ ... فقال ان الله سيهدى قلبك ويثبت لسانك فاذا جلس بين يديك الخصمان فلا تقضين حتى تسمع من الآخر كما سمعت من الاول فانه احرى ان يتبين لك القضاء۔ (ابوداؤد شریف، باب کیف القضاء، ص ۵۱۴، نمبر ۳۵۸۲) رترمذی شریف، باب ماجاء فی القاضی لا یقضی بین الخصمین حتی یسمع کلامھما، ص ۳۲۲، نمبر ۱۳۳۱) اس حدیث میں ہے کہ مدعی علیہ کی بات بھی سنو تب فیصلہ کرو۔ اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب مدعی علیہ حاضر ہو یا اس کا قائم مقام حاضر ہو اور اپنی بات سنا سکے (۳) قول تابعی میں ہے۔ سمعت شريحا يقول لايقضى على غائب. (مصنف عبد الرزاق، باب لایقضی علی غائب، ج ثامن، ص ۲۳۵، نمبر ۱۵۳۸۵) اس قول تابعی میں ہے کہ غائب پر فیصلہ نہ کرے۔

بہت مجبوری ہو تو غائب کے لئے وکیل مقرر کرے پھر اس غائب پر فیصلہ کرے، اس کی دلیل اس حدیث کا اشارۃ النص ہے۔
عن عائشةؓ ان هندا قالت للنبی ﷺ ان ابا سفيان رجل شحيح واحتاج ان آخذ من ماله ،قال ﷺ

يَدِهِمَا مِنْ غَيْرِ خَصْمٍ حَاضِرٍ عَنْهُمَا، ۲؎ وَأَمِينُ الْخَصْمِ لَيْسَ بِخَصْمٍ عَنْهُ فِيمَا يَسْتَحِقُّ عَلَيْهِ،

خذی مایکفیک وولدک بالمعروف. (بخاری شریف، باب القضاء علی الغائب، ص۱۲۳۶، نمبر۷۱۸۰ر مسلم شریف، باب قضیة ہند، ص۷۶۰، نمبر۱۷۱۴ر۴۴۷۷) اس حدیث میں حضرت سفیانؓ حاضر نہیں تھے، لیکن بچے کی مجبوری کی وجہ سے اس کی بیوی کو حضرت سفیان کا وکیل مانا گیا، پھر ان پر فیصلہ کیا گیا کہ اس کے مال میں سے کچھ بچوں کے خرچ کے لئے لے سکتی ہے۔

تشریح : متن کی عبارت میں چار آدمیوں کا ذکر ہے [۱] وارث غائب ہو اس کے قبضے میں پوری زمین ہو۔ [۲] وارث غائب ہو اس کے قبضے میں کچھ زمین ہو۔ [۳] وارث غائب ہو اس کے امانت رکھنے والے [مودع] کے قبضے میں زمین ہو۔ [۴] چھوٹا بچہ حاضر ہے اس کے قبضے میں زمین ہے، اور اس بچے کا کوئی وصی بھی نہیں ہے۔

یہ بات یاد رکھیں [۱] جو غائب آدمی کی امانت رکھنے والا ہے، وہ زمین کی حفاظت کے لئے ہے، وہ غائب آدمی کی جانب سے خصم [مدعی علیہ] نہیں بن سکتا، کیونکہ یہ بات حفاظت کے خلاف ہے۔ [۲] بچے میں عقل نہیں ہے اس لئے اس کے خلاف فیصلہ نہیں کر سکتے، جب تک اسکی جانب سے وصی قرر نہ ہو۔

اب صورت حال یہ ہے کہ غائب آدمی کے قبضے میں پوری زمین ہو، یا تھوڑی زمین قاضی اس وقت تک تقسیم نہ کرے جب تک وہ حاضر نہ ہو جائے، ورنہ قضاء علی الغائب لازم آئے گا جو حدیث کی رو سے ناجائز ہے۔ غائب کا امین [مودع] بھی اس کا خصم نہیں بن سکتا اس لئے اس کے ہوتے ہوئے بھی زمین تقسیم نہیں کی جا سکتی۔ بچے کے قبضے میں زمین ہو تب بھی تقسیم نہیں کی جا سکتی، کیونکہ وہ نا سمجھ ہے اس لئے اس کے خلاف فیصلہ نہیں ہو سکتا۔

ترجمہ : ۱؎ اس لئے کہ تقسیم کرنا غائب اور بچے کے خلاف فیصلہ کرنا ہے اس لئے کہ ان دونوں کا قبضہ ہے اس کی جانب سے کوئی حاضر خصم کو متعین کئے بغیر۔

تشریح : یہ متن کی دلیل ہے۔ جو ذرا پیچیدہ ہے۔ غائب آدمی اور چھوٹا بچہ کا زمین پر قبضہ ہے، اس لئے زمین تقسیم کرنا گویا کہ اس کے خلاف فیصلہ کرنا ہے، حالانکہ اس کی جانب سے کوئی خصم [مدعی علیہ] متعین نہیں کیا، اس لئے غائب کے خلاف فیصلہ جائز نہیں ہے۔

لغت : باستحقاق یدھما: یہاں ،ید، کا ترجمہ ہے قبضہ۔ غائب اور بچے کا قبضہ ہونے کی وجہ سے گویا کہ ان کے خلاف فیصلہ کیا جا رہا ہے۔ من غیر خصم حاضر عنھما: غائب اور چھوٹے بچے کی جانب سے کوئی خصم متعین نہیں کیا جو حاضر ہو۔

ترجمہ : ۲؎ جس بارے میں غائب پر مقدمہ ہے اس میں، غائب خصم کا امین، غائب کی جانب سے خصم نہیں بن سکتا، اور بغیر خصم کے فیصلہ جائز نہیں ہے [اس لئے یہاں زمین تقسیم کرنا جائز نہیں ہوگا۔

تشریح : اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی غائب ہے، اس کی امانت رکھنے والا امانت رکھنے کے لئے ہے خصم اور مدعی علیہ بننے کے لئے نہیں ہے اس لئے وہ مدعی علیہ نہیں بن سکے گا، اور بغیر حاضر خصم کے اس کے خلاف فیصلہ بھی نہیں ہو سکے گا

وَالْقَضَاءُ مِنْ غَيْرِ الْخَصْمِ لا يَجُوزُ. ٣ؚ وَلَا فَرْقَ فِي هَذَا الْفَصْلِ بَيْنَ اقَامَةِ الْبَيِّنَةِ وَعَدَمِهَا هُوَ الصَّحِيحُ كَمَا أُطْلِقَ فِي الْكِتَابِ. (٩٠)قَالَ: وَإِنْ حَضَرَ وَارِثٌ وَاحِدٌ لَمْ يَقْسِمْ وَإِنْ أَقَامَ الْبَيِّنَةَ لِ لِأَنَّهُ لا بُدَّ مِنْ حُضُورِ خَصْمَيْنِ، لِأَنَّ الْوَاحِدَ لا يَصْلُحُ مُخَاصِمًا وَمُخَاصَمًا، وَكَذَا مُقَاسِمًا

،اس لئے غائب کی زمین بھی تقسیم نہیں ہو سکے گی۔

لغت :فیما یستحق علیه: جس بارے میں غائب پر مستحق ہے۔یعنی غائب کی زمین اس کی امانت رکھنے والے کے قبضے میں ہے۔

ترجمہ : ٣ؚ اور اس فصل میں کوئی فرق نہیں ہے کہ بینہ قائم کیا ہو یا نہ کیا ہو صحیح بات یہی ہے، جیسا کہ جامع صغیر کتاب میں مطلق چھوڑا ہے۔

تشریح : زمین بچے کے قبضے میں ہو یا غائب آدمی کے امین کے پاس ہو، یا خود غائب آدمی کے قبضے میں ہو اور دو وارث نے میت کے مرنے پر، اور ورثہ کی تعداد پر بینہ کر دیا ہو یا نہ کیا ہو دونوں صورتوں میں زمین تقسیم نہیں کی جائے گی، کیونکہ قضا علی الغائب لازم آتا ہے۔صحیح بات یہی ہے، کیونکہ جامع صغیر میں تقسیم کرنے سے مطلقا انکار کیا ہے۔

ترجمہ : (۹۰) اگر ایک وارث حاضر ہو تو تقسیم نہیں کی جائے گی۔

ترجمہ : لؚ اس لئے کہ دو خصم کا حاضر ہونا ضروری ہے اس لئے کہ ایک ہی آدمی مدعی اور مدعی علیہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اور ایسے ہی تقسیم کرنے والا، اور جس سے تقسیم کیا گیا ہو دونوں نہیں بن سکتا، بخلاف جبکہ دو آدمی ہوں [تو مدعی اور مدعی علیہ دونوں بن سکتے ہوں اس لئے تقسیم کر دیا جائے گا]

تشریح : مثلا تین وارث تھے ان میں سے صرف ایک حاضر ہوا اور تقسیم کا مطالبہ کیا تو مال تقسیم نہیں کیا جائے گا۔

وجه :(۱) ایک آدمی شہادت کی تعداد پوری نہیں کرتا اس لئے اس کی بات نہیں سنی جائے گی (۲) ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مورث تو ہے نہیں اس لئے قاضی کے یہاں ایک مدعی اور دوسرا مدعی علیہ چاہئے۔اگر دونوں ہوتے تو ایک کو مدعی مانتا اور دوسرے کو مورث کی جانب سے وکیل مان کر حاضر مدعی علیہ مان لیا جاتا اور فیصلہ ہو جاتا تاکہ غائب پر فیصلہ نہ ہو۔اور یہاں ایک ہی مطالبہ کرنے والا ہے اس لئے اس کو زیادہ سے زیادہ مدعی مانیں گے۔لیکن مدعی علیہ حاضر نہیں ہے اس لئے نہ فیصلہ ہوگا اور نہ مال تقسیم ہوگی۔

اصول : اصول گزر چکا ہے کہ سچ بولنے کا قرینہ ہو اور قضا کی کاروائی کے مطابق ہو تو تقسیم ہوگی ورنہ نہیں۔ یہاں ایک ہی مدعی ہے، مدعی علیہ نہیں ہے اس لئے زمین تقسیم نہیں کی جائے گی۔

ترجمہ :(۹۱) اگر حاضر ہوا نابالغ آدمی اور ایک بالغ آدمی تو قاضی نابالغ آدمی کی جانب سے وصی متعین کرے گا، اور زمین تقسیم کر دے گا اگر میت کے مرنے پر اور ورثہ کی تعداد پر بینہ قائم کرے۔

وَمُقَاسَمًا، بِخِلَافِ مَا إذَا كَانَ الْحَاضِرُ اثْنَيْنِ عَلَى مَا بَيَّنَّا (۹۱)وَلَوْ كَانَ الْحَاضِرُ كَبِيرًا وَصَغِيرًا نَصَبَ الْقَاضِي عَنْ الصَّغِيرِ وَصِيًّا وَقَسَمَ إذَا أُقِيمَتْ الْبَيِّنَةُ، (۹۲) وَكَذَا إذَا حَضَرَ وَارِثٌ كَبِيرٌ وَمُوصًى لَهُ بِالثُّلُثِ فِيهَا وَطَلَبَا الْقِسْمَةَ وَأَقَامَا الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمِيرَاثِ وَالْوَصِيَّةِ يَقْسِمُهُ ۱؎ لِاجْتِمَاعِ الْخَصْمَيْنِ الْكَبِيرِ عَنْ الْمَيِّتِ وَالْمُوصَى لَهُ عَنْ نَفْسِهِ، ۲؎ وَكَذَا الْوَصِيُّ عَنْ الصَّبِيِّ كَأَنَّهُ حَضَرَ بِنَفْسِهِ بَعْدَ الْبُلُوغِ لِقِيَامِهِ مَقَامَهُ.

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ بچے کی جگہ پر وصی متعین کر دیا جائے تو گویا کہ وہ خود بالغ ہو کر حاضر ہو گیا۔

تشریح : یہاں دو وارث حاضر ہوئے ہیں لیکن ایک وارث نا بالغ ہے، اس لئے نا بالغ کی جانب سے قاضی وصی متعین کرے گا، اور زمین تقسیم کر دے گا، اور یوں سمجھا جائے گا، کہ بالغ آدمی میت کی جانب سے خصم ہے اور نا بالغ کا جو وصی ہے وہ اس پر بینہ پیش کرنے والا ہے، اس طرح مدعی اور مدعی علیہ حاضر ہو گئے اس لئے زمین تقسیم کر دی جائے گی۔

ترجمہ : (۹۲) اور ایسے ہی اگر ایک بالغ وارث حاضر ہوا اور دوسرا وہ آدمی ہے جسکے لئے ایک تہائی کی وصیت کی ہے اور دونوں نے تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا اور دونوں نے وراثت پر اور وصیت پر بینہ قائم کیا تو زمین تقسیم کر دی جائے گی۔

ترجمہ ۱؎ دو خصم کے جمع ہونے کی وجہ سے، بالغ آدمی میت کی جانب سے، اور جس کے لئے وصیت کی وہ اپنی جانب سے

تشریح : ایک بالغ وارث حاضر ہوا اور دوسرا وہ آدمی حاضر ہوا جس کے لئے میت نے وصیت کی تھی وہ حقیقت میں وارث نہیں تھا، اور بینہ قائم کیا تب بھی قاضی زمین تقسیم کر دے گا۔

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ جو بالغ وارث ہے وہ میت کی جانب سے خصم بنے گا، اور جس کے لئے وصیت کی ہے وہ گویا کہ میت پر بینہ قائم کر رہا ہے اس طرح مدعی اور مدعی علیہ موجود ہو گئے اس لئے زمین تقسیم کر دی جائے گی۔

ترجمہ : ۲؎ اور ایسے ہی بچے کی جانب سے وصی متعین ہو جائے تو گویا کہ بالغ ہونے کے بعد خود بچہ حاضر ہو گیا، اس لئے کہ وصی بچے کے قائم مقام ہے۔

تشریح : قاضی بچے کے لئے وصی متعین کر دیا اور وہ حاضر ہو گیا تو ایسا سمجھا جائے گا بچہ بالغ ہونے کے بعد حاضر ہو گیا اس لئے اب زمین تقسیم کر دی جائے گی۔

﴿فَصْلٌ فِيمَا يُقْسَمُ وَمَا لا يُقْسَمُ﴾

(۹۳)قَالَ: وَإِذَا كَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْ الشُّرَكَاءِ يَنْتَفِعُ بِنَصِيبِهِ قَسَمَ بِطَلَبِ أَحَدِهِمْ ۱ لِأَنَّ الْقِسْمَةَ حَقٌّ لَازِمٌ فِيمَا يَحْتَمِلُهَا عِنْدَ طَلَبِ أَحَدِهِمْ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ مِنْ قَبْلُ. (۹۴) وَإِنْ كَانَ يَنْتَفِعُ أَحَدُهُمْ وَيَسْتَضِرُّ بِهِ الْآخَرُ لِقِلَّةِ نَصِيبِهِ، فَإِنْ طَلَبَ صَاحِبُ الْكَثِيرِ قَسَمَ، وَإِنْ طَلَبَ

﴿فصل فیما یقسم و ما لا یقسم﴾

ترجمہ : (۹۳)اگر شریک میں سے ہر ایک فائدہ اٹھا سکتا ہو اپنے حصے سے تو ان میں سے ایک کے طلب کرنے سے تقسیم کر دی جائے گی۔

ترجمہ : ۱ اس لئے کہ جہاں تقسیم کا احتمال رکھتا ہے وہاں ایک کے مطالبہ کرنے پر تقسیم کرنا لازمی حق ہے، جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔

تشریح : مثلا شرکت میں دو گھوڑے ہیں۔ تقسیم کر کے دونوں کو دینے سے ہر ایک اپنے اپنے گھوڑے سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، ایسی صورت میں ایک شریک بھی تقسیم کا مطالبہ کرے گا تو تقسیم کر دی جائے گی۔

وجہ: تقسیم کرنے سے کسی کو نقصان نہیں ہے اس لئے تقسیم کر دے۔

ترجمہ : (۹۴)اور اگر ایک فائدہ اٹھائے اور دوسر انقصان اپنا حصہ کم ہونے کی وجہ سے، پس اگر زائد حصے والا طلب کرے تو تقسیم کر دی جائے گی۔ اور اگر کم والا طلب کرے تو تقسیم نہیں کی جائے گی۔

تشریح : مثلا دو آدمیوں کے درمیان تین بیل ہیں۔ ایک کا حصہ دو گنا ہے جس کی وجہ سے دو بیل مل جائیں گے اور ہل چلا سکے گا۔ اور دوسرے کا حصہ ایک گنا ہے جس کی وجہ سے اس کو ایک بیل ملے گا اور ایک بیل سے ہل نہیں چلا سکے گا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ تقسیم ہونے کے بعد بڑا حصہ دار اپنے حصے سے فائدہ اٹھا سکے گا اور چھوٹا حصہ دار اپنے حصے سے کما حقہ فائدہ نہیں اٹھا سکے گا۔ ایسی صورت میں بڑا حصہ دار تقسیم کا مطالبہ کرے تو تقسیم کی جائے گی۔ اور چھوٹا حصہ دار تقسیم کا مطالبہ کرے تو تقسیم نہیں کی جائے گی

وجہ : بڑا حصہ دار جب تقسیم کا مطالبہ کر رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تقسیم کر دیں تا کہ میں اپنے حصے سے آزادگی کے ساتھ فائدہ اٹھا سکوں اور جب چاہوں دو بیل سے ہل چلا لوں، چاہے دوسرے کو نقصان ہو جائے۔ کیونکہ میں نے دوسرے کو ہمیشہ فائدہ دینے کی ذمہ داری نہیں لی ہے۔ اس لئے اس کے کہنے پر تقسیم کر دی جائے گی۔

اور کم حصہ دار جب مطالبہ کر رہا ہے کہ تقسیم کر دیں اور بڑا حصہ دار خاموش ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مجھے نقصان ہوتا ہے تو ہونے دو میں اپنے فائدے کے حق میں متعنت اور متشدد ہوں۔ اس لئے اس کے نقصان ملحوظ رکھتے ہوئے قاضی اس

صَاحِبُ الْقَلِيلِ لَمْ يَقْسِم ۱؎ لِأَنَّ الْأَوَّلَ يَنْتَفِعُ بِهِ فَيُعْتَبَرَ طَلَبُهُ، وَالثَّانِي مُتَعَنِّتٌ فِي طَلَبِهِ فَلَمْ يُعْتَبَرْ. ۲؎ وَذَكَرَ الْجَصَّاصُ عَلَى قَلْبِ هَذَا لِأَنَّ صَاحِبَ الْكَثِيرِ يُرِيدُ الْإِضْرَارَ بِغَيْرِهِ وَالْآخَرُ

کے کہنے پر تقسیم نہیں کرے گا۔

وجه : کیونکہ قاضی کو اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ کوئی اپنا نقصان کرنا چاہے تو اس کو نقصان نہ کرنے دے۔البتہ کوئی اور فائدہ ہو مثلا اپنے حصے کو مناسب قیمت میں بیچ کر فائدہ اٹھانا چاہے تو ایسی صورت میں قاضی تقسیم کر دے۔

اصول : یہ مسئلہ دو اصولوں پر متفرع ہے (۱) کوئی آدمی اپنا فائدہ ملحوظ رکھنا چاہے، اس سے دوسرے کو نقصان ہو جائے تو اس کو اجازت ہوگی بشرطیکہ خواہ مخواہ دوسرے کو نقصان دینا مقصود نہ ہو

اصول :(۲) اور دوسرا اصول یہ ہے کہ کوئی اپنا نقصان کرنا چاہے تو قاضی کی ذمہ داری ہے کہ اس کو نقصان سے بچائے، اس کے لئے حدیث یہ ہے۔ **عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ لاضرر ولاضرار** (ابن ماجہ شریف، باب من بنی فی حقہ مایضر بجارہ، ص ۳۳۵، نمبر ۲۳۴۱ / دار قطنی، کتاب البیوع، ج ثالث، ص ۶۴، نمبر ۳۰۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نہ کسی کو نقصان دے اور نہ نقصان اٹھائے۔

لغت یستضر : ضر سے مشتق ہے، نقصان اٹھائے۔

ترجمہ : ۱؎ اس لئے کہ پہلا آدمی اپنے حصے سے فائدہ اٹھانے کی نیت رکھتا ہے اس لئے اس کے مطالبے کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور دوسرا اپنے مطالبے میں بربادی چاہنے والا ہے، اس لئے اس کے مطالبے کا اعتبار نہیں ہے۔

تشریح : جس آدمی کا حصہ زیادہ ہے اور اس سے اس کو پورا فائدہ بھی حاصل ہو جائے گا تو کے مطالبے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے، دوسرے آدمی کو نقصان دینا ملحوظ نہیں ہے اس لئے اس کے مطالبے کی وجہ سے چیز تقسیم کر دی جائے گی۔

اور دوسرے آدمی کے مطالبے کا اعتبار اس لئے نہیں ہے کہ اس کو فائدے بجائے نقصان ہونے والا ہے اس لئے اس کے مطالبے پر چیز تقسیم نہیں کی جائے گی۔

لغت: متعنتہ: عنت سے مشتق ہے ، جو اپنے آپ کو نقصان دیتا ہو۔

ترجمہ : ۲؎ اور جصاصؒ نے ذکر کیا ہے کہ معاملہ اس کے الٹے پر ہے، اس لئے کہ زیادہ حصے والا دوسرے کو نقصان دینا چاہتا ہے، اور دوسرا [یعنی] کم حصے والا اپنے نقصان پر راضی ہے۔

تشریح :حضرت جصاصؒ نے فرمایا کہ جس آدمی کا زیادہ حصہ ہے، اور وہ اپنے حصے سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، اور دوسرے کا حصہ کم ہے وہ اپنے حصے سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا ہے، اس لئے وہ چاہتا ہے کہ تقسیم کروا کر دوسرے کو نقصان دے دوں، تو چونکہ اس کا اصل مقصد دوسرے کو نقصان دینا ہے اس لئے اس کے کہنے پر حصہ نہیں کیا جائے گا۔ اور جس کا حصہ کم ہے اور اپنے حصے

يَرْضَى بِضَرَرِ نَفْسِهِ ٣ وَذَكَرَ الْحَاكِمُ الشَّهِيدُ فِي مُخْتَصَرِهِ أَنَّ أَيَّمَا طَلَبَ الْقِسْمَةَ يَقْسِمُ الْقَاضِي، وَالْوَجْهُ انْدَرَجَ فِيمَا ذَكَرْنَاهُ وَالْأَصَحُّ الْمَذْكُورُ فِي الْكِتَابِ، وَهُوَ الْأَوَّلُ. (٩٥) وَإِنْ كَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَسْتَضِرُّ لِصِغَرِهِ لَمْ يَقْسِمْهَا إِلَّا بِتَرَاضِيهِمَا ١ لِأَنَّ الْجَبْرَ عَلَى الْقِسْمَةِ لِتَكْمِيلِ الْمَنْفَعَةِ، وَفِي هَذَا تَفْوِيتُهَا، وَتَجُوزُ بِتَرَاضِيهِمَا لِأَنَّ الْحَقَّ لَهُمَا وَهُمَا أَعْرَفُ

سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا ہے، تو اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ خود کو نقصان دے دوں اسلئے اس کے کہنے پر چیز تقسیم کر دی جائے گی

ترجمه : ٣ حاکم شہید نے اپنی مختصر میں ذکر کیا ہے کہ جو آدمی بھی حصہ کا مطالبہ کرے تو تقسیم کر دیا جائے گا، اور وجہ وہ ہے جسکو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے، اور صحیح قول وہ جسکو متن میں ذکر کیا ہے، جو پہلا قول ہے۔

تشریح : حاکم شہید نے فرمایا کہ چاہے بڑے حصے والے نے تقسیم کا مطالبہ کیا یا چھوٹے حصے والے نے تقسیم کا مطالبہ کیا قاضی تقسیم کر دے گا۔

وجه : اس کی وجہ یہ ہے ہر آدمی اپنے حصے سے آزاد ہو کر فائدہ اٹھانا چاہتا ہے، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ چھوٹا حصہ والا بیچ کر رقم لینا چاہتا ہے اس لئے کوئی بھی تقسیم کا مطالبہ کرے تقسیم کر دیا جائے گا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ متن میں جو پہلا قول مذکور ہے یعنی جس کا حصہ زیادہ ہے اس کے کہنے پر تقسیم کیا جائے گا یہی قول زیادہ صحیح ہے۔

ترجمه : ٩٥) اور اگر دونوں میں سے ہر ایک کو نقصان ہو تو اس کو تقسیم نہ کرے مگر دونوں کی رضامندی سے۔

ترجمه : ١ اس لئے کہ تقسیم پر مجبور کرنا فائدہ مکمل کرنے کے لئے تھا، اور یہاں تو فائدہ کو فوت کرنا ہے لیکن دونوں کی رضامندی سے جائز ہو جائیگا، اس لئے کہ دونوں کا حق ہے، اور وہ اپنی حالت کو زیادہ جانتے ہیں، اور قاضی ظاہر حالت پر اعتماد کرے گا۔

تشریح : کوئی ایسی چیز ہے جس کو تقسیم کرنے کے بعد دونوں کو نقصان ہوگا تو دونوں راضی ہوں تو تقسیم کر دے۔ اور ایک حصہ دار کہے اور دوسرا نہ کہے تو تقسیم نہ کرے۔ مثلا ایک چکی دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہے۔ اس کو تقسیم کرنے کے بعد کوئی بھی فائدہ نہیں اٹھا سکے گا، دونوں کو نقصان ہوگا۔ اس لئے دونوں اس نقصان پر راضی ہوں تو تقسیم کر دی جائے گی۔

وجه : (١) یہاں دونوں کو نقصان ہے اس لئے دونوں کی رضامندی سے تقسیم کر دیں گے۔ قاعدہ وہی ہے لا ضرر ولا ضرار (٢) حدیث مرسل میں ہے۔ **عن محمد بن ابی بکر یعنی ابن حزم عن ابیه عن النبی ﷺ قال لا تعضیة علی اهل المیراث الا ما حمل القسم ،یقول لا یعض علی الوارث ... قال ابو عبید قوله لا تعضیة فی میراث یعنی ان یموت المیت ویدع شیئا ان قسم بین ورثته اذا اراد بعضهم القسمة کان فی**

بِشَأْنِهِمَا. أَمَّا الْقَاضِي فَيَعْتَمِدُ الظَّاهِرَ. (٩٦)قَالَ: وَيُقَسِّمُ الْعُرُوض إِذَا كَانَتْ مِنْ صِنْفٍ وَاحِدٍ لِأَنَّ عِنْدَ اتِّحَادِ الْجِنْسِ يَتَّحِدُ الْمَقْصُودُ فَيَحْصُلَ التَّعْدِيلُ فِي الْقِسْمَةِ وَالتَّكْمِيلُ فِي الْمَنْفَعَةِ. (٩٧) وَلَا يَقْسِمُ الْجِنْسَيْنِ بَعْضَهُمَا فِي بَعْضٍ لِأَنَّهُ لَا اخْتِلَاطَ بَيْنَ الْجِنْسَيْنِ فَلَا

ذلک ضرر علیه او علی بعضهم یقول فلا یقسم و التعضیة التفریق ۔(سنن للبیہقی ،باب مالا یحتمل القسمۃ ،ج عاشر،ص ۲۲۵،نمبر۲۰۴۴۶ ۲۰۴۴۷/ ۲۰۴۴۷)اس حدیث مرسل میں ہے کہ اگر تقسیم سے نقصان ہوتا ہوتو دونوں کی رضا مندی کے بغیر تقسیم نہ کرے۔

لغت :جبر:مجبور کرنا۔تفویۃ:فوت کرنا۔شانھما:اپنی حالت ،اپنی شان۔

ترجمہ :(۹۶)تقسیم کردے سامان جبکہ ایک ہی قسم کا ہو۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ جنس ایک ہے تو مقصد بھی ایک ہے،اس لئے تقسیم میں برابری کرنے سے مقصد حاصل ہوجائے گا ،اور نفع بھی مکمل ہوجائے گا۔

تشریح : اگر سامان ایک ہی قسم کا ہو مثلا چالیس کیلو گیہوں ہوتو بغیر دونوں کی رضا مندی کے بھی تقسیم کردے۔اور دونوں حصہ داروں کو بیس بیس کیلو گیہوں دیدے۔

وجہ :تمام گیہوں ہی ہیں اور ایک ہی جنس کا سامان ہے،اور گیہوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔اور وزن میں دونوں کو برابر یعنی بیس بیس کیلو دیا گیا ہے اس لئے کسی کو کچھ نقصان نہیں ہوگا۔اس لئے ایک راضی نہ بھی ہوتو قاضی جبرا تقسیم کردے۔

ترجمہ : (۹۷)اور دو جنسوں کو تقسیم نہ کرے بعض کو بعض میں مگر دونوں کی رضا مندی سے۔

تشریح : لیکن اگر دو جنس کے سامان ہوں مثلا دس کپڑے ہیں اور چالیس کیلو گیہوں ہے۔اب بغیر دونوں کی رضا مندی کے ایک حصے دار کو کپڑے دیدے اور دوسرے کو چالیس کیلو گیہوں دے ایسا نہیں کرسکتا۔ بلکہ یوں کرسکتا ہے کہ پانچ کپڑے ایک کو اور پانچ کپڑے دوسرے کو،اسی طرح بیس کیلو گیہوں ایک کو اور بیس کیلو گیہوں دوسرے کو دے۔ہاں اگر دونوں راضی ہوں تو ایسا کرسکتا ہے کہ ایک کو دس کپڑے دے اور دوسرے کو چالیس کیلو گیہوں دے۔

وجہ :ایک حصے دار کو کپڑا دینا اور دوسرے کو گیہوں دینا یہ علیحدہ کرنا اور تمیز کرنا نہیں ہے بلکہ کپڑے کے بدلے گیہوں کو تبدیل کرنا اور گویا کہ بیچنا ہے۔اور تبدیل کرنے اور بیچنے کے لئے دونوں کی رضا مندی چاہئے۔اس لئے یہاں دونوں کی رضا مندی چاہئے۔

اصول :جہاں افراز اور تمیز ہو[یعنی اپنے حصے کو الگ کر لینا ہو]وہاں دونوں کی رضا مندی ضروری نہیں صرف ایک کے مطالبے پر تقسیم کردی جائے گی۔اور جہاں تبدیل ہو وہاں دونوں کی رضا مندی ضروری ہے۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ دو جنسوں کے اندر اختلاط نہیں ہے اس لئے یہاں تقسیم کرنا تمیز کرنا نہیں ہوگا ، بلکہ معاوضہ ہوگا ،اور

تَـقـعُ الْـقِسْمَةُ تَمْيِيزًا بَلْ تَقعُ مُعَاوَضَةً، وَسَبِيلُهَا التَّرَاضِي دُونَ جَبْرِ الْقَاضِي. (٩٨)، وَيَقْسِمُ كُلَّ مَكِيلٍ وَمَوْزُونٍ كَثِيرٍ أَوْ قَلِيلٍ وَالْـمَعْدُودِ الْمُتَقَارِبِ وَتِبْرِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْحَدِيدِ وَالنُّحَاسِ وَالْإِبِلِ بِانْفِرَادِهَا وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ، (٩٩) وَلَا يَقْسِمُ شَاةً وَبَعِيرًا وَبِرْذَوْنًا وَحِمَارًا وَلَا

اس کا راستہ رضامندی ہے، قاضی کا مجبور کرنا نہیں ہے۔

تشریح : دو جنس کی چیز ہے تو ایک جنس دوسرے میں ملی ہوئی نہیں ہے، اس لئے تقسیم کرنے میں اپنا حصہ لینا نہیں ہوا بلکہ دوسرے کے حصے سے تبدیل کرنا ہوا اس لئے قاضی مجبور نہیں کر سکتا، بلکہ دونوں کی رضامندی ہو تب ہی تقسیم کر سکتا ہے۔

لغت :اختلاط: گھلنا ملنا۔ جبر: مجبور کرنا۔ تمییز: اپنا حصہ الگ کرنا۔

ترجمہ :(۹۸) قاضی جبرا تقسیم کردے گا ہر وزنی چیز کو، ہر کیلی چیز کو چاہے زیادہ ہو یا کم ہو ہر عددی چیز کو جو قریب قریب ہو، اور چاندی کی ڈلی کو، اور سونے کی ڈلی کو، اور لوہے اور پیتل کی ڈلی کو، اور تنہا اونٹ ہو تو اس کو، اور تنہا گائے ہو، اور تنہا بکری ہو تو اس کو۔

تشریح : مصنف یہاں دس چیزوں کی تقسیم کو بیان کر رہے ہیں، یہ دس چیزیں ایک قسم کی ہیں اس لئے اس کی تقسیم میں اپنا حصہ لینا [افراز] غالب ہے، بدلہ کرنا غالب نہیں ہے اس لئے قاضی مجبور کر کے بھی تقسیم کر سکتا ہے، چاہے شرکاء راضی نہ ہوں۔

[۱] کوئی وزنی چیز ہو، مثلا چالیس کیلو چونا ہو تو شرکاء کی رضامندی کے بغیر قاضی تقسیم کر سکتا ہے۔

[۲] کوئی کیلی چیز ہو مثلا چالیس کیلو گیہوں ہو تو قاضی جبرا تقسیم کر سکتا ہے۔

[۳] قریب قریب عددی چیز ہو، مثلا پانچ سو اخروٹ ہو تو قاضی جبرا تقسیم کر سکتا ہے۔

[۴] سونے چاندی کی ڈلی ہو تو اس کو وزن کے حساب سے قاضی جبرا تقسیم کر سکتا ہے، لیکن زیور ہو تو اس میں نقش ونگار کی وجہ سے قیمت زیادہ ہو جاتی ہے، چاہے اس کا وزن کم ہو، اس لئے زیور، اور برتن کو شرکاء کی رضامندی کے بغیر تقسیم نہیں کر سکتا۔

[۵] صرف اونٹ ہو، یا صرف بکری ہو تو قاضی جبرا تقسیم کر سکتا ہے، اس لئے کہ اونٹ میں تفاوت ہوتا ہے، لیکن بڑا، چھوٹا سب ملا کر حصہ کرے تو اتنا تفاوت نہیں رہتا، اس لئے جبرا تقسیم کر سکتا ہے۔ لیکن کچھ اونٹ ہو اور کچھ بکری ہو تو اب شرکاء کی رضامندی کے بغیر تقسیم نہیں کر سکتا، کیونکہ اس میں تفاوت فاحش ہوتا ہے۔

لغت :تبرا: ڈلی: تبرا النحاس: پیتل کی ڈلی۔ النحاس: پیتل۔ بانفرادھا: صرف اونٹ ہو، یا صرف بکری ہو۔

ترجمہ :(۹۹) بکری اور اونٹ ہو تو جبرا تقسیم نہ کرے، گھوڑے اور گدھے ہوں تو جبرا تقسیم نہ کرے۔ چاندی اور سونے کے برتن ہوں تو جبرا تقسیم نہ کرے۔

ترجمہ :۱ اس لئے کہ کاریگری کے اختلاف کی وجہ سے مختلف جنس ہو گئے۔

تشریح : بکری اور اونٹ الگ الگ جنس ہیں اس لئے اگر بکری ایک کو دیا اور اونٹ دوسرے کو دیا تو یہاں اپنا حصہ لینا نہیں

يَقْسِمُ الْأَوَانِيَ ا لِأَنَّهَا بِاخْتِلَافِ الصَّنْعَةِ الْتَحَقَتْ بِالْأَجْنَاسِ الْمُخْتَلِفَةِ. (۱۰۰)وَيَقْسِمُ الثِّيَابَ الْهَرَوِيَّةَ لِاتِّحَادِ الصِّنْفِ (۱۰۱) وَلَا يَقْسِمُ ثَوْبًا وَاحِدًا ا لِاشْتِمَالِ الْقِسْمَةِ عَلَى الضَّرَرِ إِذْ هِيَ لَا تَتَحَقَّقُ إِلَّا بِالْقَطْعِ. (۱۰۲) وَلَا ثَوْبَيْنِ إِذَا اخْتَلَفَتْ قِيمَتُهُمَا ا لِمَا بَيَّنَّا، ۲ بِخِلَافِ ثَلَاثَةِ

ہوگا، بلکہ اپنے حصے کے بدلے میں دوسرے کے حصے کو لینا ہوگا جو تبدیل ہے، اور بیع ہے اس لئے دونوں شریکوں کی رضامندی کے بغیر تقسیم نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح گھوڑا اور گدھا ہو تو یہ بھی دو جنس ہیں اس لئے تبدیل اور بیع ہوگی اس لئے دونوں شریکوں کی رضامندی چاہئے، اسی طرح چاندی اور سونے کے برتن ہوں تو اس کی نقش ونگار کی وجہ سے بعض کی قیمت زیادہ ہوجائے گی، اور بعض کی کم اس لئے سونے کے دو برتن دو جنس ہوگئے اس لئے سب شرکاء کی رضامندی کی ضرورت ہوگی۔

ترجمہ: (۱۰۰)اور ہروی کپڑا جبرا تقسیم کردے گا۔

ترجمہ: ا اس لئے کہ ایک ہی قسم کا کپڑے ہیں۔

تشریح: ہرات خراسان کا ایک شہر ہیں جہاں کپڑا بنتا تھا اسی کی طرف نسبت کر کے ہروی کپڑا ہے، مثلا دس تھان ہروی کپڑے ہیں تو سب کی جنس ایک ہیں، اور آپس میں بہت کم تفاوت ہے اس لئے قاضی جبرا تقسیم کرسکتا ہے۔

ترجمہ: (۱۰۱)اور ایک کپڑے کو کاٹ کر جبرا تقسیم نہیں کرے گا۔

ترجمہ: ا اس لئے کہ ٹکڑا کرنے سے نقصان ہوگا، اس لئے کہ بغیر کاٹے ہوئے تقسیم نہیں ہوسکے گا۔

تشریح: مثلا ایک شیروانی ہے، اس کو کاٹ کر تقسیم کرے گا تو کسی کے بھی کام نہیں رہے گی، اس میں دونوں کا نقصان ہے اس لئے ایسے کپڑے کے کاٹنے میں سب شرکاء راضی ہوں تو کاٹ کر تقسیم کردے گا، اور سب راضی نہ ہوں تو کاٹ کر تقسیم نہیں کرے گا، اس کی قیمت لگا کر تقسیم کرے گا۔

ترجمہ: (۱۰۲)اور جبرا تقسیم نہیں کرے گا اگر دو کپڑے ہوں اور اس کی قیمت میں تفاوت ہو۔

ترجمہ: ا اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کی یعنی ایک شریک کو نقصان ہوگا۔

تشریح: مثلا ایک شیروانی ہے اور ایک کرتا ہے، اس لئے دونوں کی قیمت میں بہت تفاوت ہے اس لئے جسکو شیروانی ملے گی وہ نفع میں رہے گا، اور جسکو کرتا ملے گا وہ گھاٹے میں رہے گا اس لئے جبرا تقسیم نہیں کرے گا، دونوں شریک راضی ہوں گے تو تقسیم کردے گا۔

ترجمہ: ۲ بخلاف تین کپڑے کے جبکہ ایک کپڑے کو دو کپڑوں کے بدلے میں کردے۔

تشریح: مثلا ایک شیروانی ہے اور دو کرتے ہیں تو یہاں جبرا تقسیم کیا جاسکتا ہے، اور اس کی شکل یہ ہوگی کہ ایک آدمی کو شیروانی دے دے اور دوسرے کو دو کرتا دے دے، تو اس طرح کسی فریق کو بہت زیادہ نقصان نہیں ہوگا، اس لئے قاضی تقسیم

أَثْوَابٍ إِذَا جُعِلَ ثَوْبٌ بِثَوْبَيْنِ ٣ أَوْ ثَوْبٌ وَرُبُعُ ثَوْبٍ بِثَوْبٍ وَثَلَاثَةِ أَرْبَاعِ ثَوْبٍ؛ لِأَنَّهُ قِسْمَةُ الْبَعْضِ دُونَ الْبَعْضِ وَذَلِكَ جَائِزٌ. (١٠٣)وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ لَا يَقْسِمُ الرَّقِيقَ وَالْجَوَاهِرَ(لِتَفَاوُتِهِمَا) وَقَالَا: يَقْسِمُ الرَّقِيقَ ا لِاتِّحَادِ الْجِنْسِ كَمَا فِي الْإِبِلِ وَالْغَنَمِ وَرَقِيقِ الْمَغْنَمِ.

میں جبر کرسکتا ہے۔

ترجمه : ٣ یا ایک کپڑا اور چوتھائی کپڑا ایک طرف کردے، اور ایک کپڑا اور تین چوتھائی کپڑا دوسری طرف کردے، اس صورت میں کچھ کپڑے کو تقسیم کیا اور کچھ کو نہیں کیا بلکہ شرکت میں رکھا، اور یہ جائز ہے۔

تشریح : مثلا تین کپڑے ہیں دو کرتے ایک شیروانی، ان میں سے ایک کرتا ریشم کا ہے جو قیمتی ہے، اور دوسرا کرتا سوت کا ہے جو کم قیمت کا ہے، اس لئے دونوں کو ایک ایک کرتا دے دیا، اور شیروانی میں دونوں کو شریک رکھا، تاکہ باری باری شیروانی کو استعمال کرے، یا شیروانی کو بیچ کر اپنا اپنا حصہ لے لے۔ جس آدمی کو ریشم کا کرتا دیا اس کو شیروانی میں ایک تہائی حصہ دیا، اور جسکو سوت کا کرتا دیا اس کو شیروانی میں دو تہائی دی، اس طرح سب کو برابر حصہ دے دیا، چونکہ یہاں برابری ہوسکتی ہے اس لئے قاضی جبرا تقسیم کرسکتا ہے۔ عبارت کا مطلب یہی ہے۔

لغت :قسمة البعض دون البعض : اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ بعض چیز کو تقسیم کرکے دے دیا، جیسے اوپر کی مثال میں کرتا تقسیم کرکے دے دیا، اور بعض کو تقسیم کرکے نہیں دیا، بلکہ حصے اعتبار سے دونوں کو شریک رکھا، جیسے اوپر کی مثال میں شیروانی کو مشترک رکھا، دو حصے ایک کا بنایا اور ایک حصہ دوسرے کا بنایا۔

ترجمه : (١٠٣)امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ غلام اور جوہر تقسیم نہ کرے، اور امام ابو یوسفؒ اور محمدؒ نے فرمایا تقسیم کیا جائے گا غلام کو۔

ترجمه : ا جنس کے متحد ہونے کی وجہ سے، جیسے کہ اونٹ اور بکری میں تقسیم کردیتے ہیں، اور مال غنیمت کے غلاموں کو تقسیم کردیتے ہیں۔

تشریح : امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مثلا اگر دو غلام ہوں تو بغیر رضامندی کے دو حصہ داروں کو ایک ایک غلام تقسیم کرکے نہ دے

وجه : وہ فرماتے ہیں کہ غلام ظاہری اعتبار سے ایک جیسے ہوں لیکن باطنی خوبی کے اعتبار سے بہت فرق ہوتا ہے۔ مثلا ایک ہوشیار ہے دوسرا غبی ہے۔ ایک پڑھا لکھا ہے دوسرا جاہل ہے جس کی وجہ سے دونوں کی قیمت میں زمین آسمان کا فرق ہوجاتا ہے۔ اس لئے بغیر دونوں کی رضامندی کے ایک ایک غلام تقسیم نہ کرے۔ البتہ دونوں کی قیمت لگا کر توافق کردے۔ یہی حال جواہر کا ہے۔ اس لئے کہ دو جواہر ظاہری طور پر ایک طرح کے ہوں پھر بھی باطنی خوبی کے اعتبار سے بہت بڑا فرق ہوجاتا ہے۔

۲ وَلَـهُ أَنَّ التَّـفَاوُتَ فِيْ الْآدَمِيِّ فَاحِشٌ لِتَفَاوُتِ الْمَعَانِى الْبَاطِنَةِ فَصَارَ كَالْجِنْسِ الْمُخْتَلِفِ ٣ بِخِلَافِ الْـحَيَـوَانَـاتِ لِأَنَّ التَّفَاوُتَ فِيهَا يَقِلُّ عِنْدَ اتِّحَادِ الْجِنْسِ؛ أَلَا تَرَى أَنَّ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَى

اور دونوں کی قیمت میں بہت تفاوت ہو جاتا ہے۔ اس لئے بغیر حصہ داروں کی رضامندی کے ایک ایک کر کے تقسیم نہ کرے۔ البتہ سب کی قیمت لگا کر توافق کرے۔

اصول: امام اعظمؒ کے نزدیک انسان اور جواہر میں باطنی خوبی کا اعتبار ہے۔

فائدہ : امام صاحبینؒ کے نزدیک یہ ہے کہ غلاموں کو بغیر حصہ داروں کی رضامندی کے بھی تقسیم کر سکتا ہے۔

وجہ : وہ فرماتے ہیں کہ ظاہری طور پر دو غلام ایک طرح ہوں اتنا ہی کافی ہے کہ دونوں کو ایک ایک غلام دے دیا جائے۔ باطنی خوبی کو ملحوظ نہ رکھا جائے، اور اس کی وجہ سے قیمت میں جو تفاوت ہوگا اس کو بھی ملحوظ نہیں رکھا جائے گا۔ جس طرح دو بکریاں ہوں تو دونوں کو ایک ایک بکری دے دی جاتی ہے اور بکری کی باطنی خوبی ملحوظ نہیں رکھی جاتی ہے۔ یا جس طرح غنیمت میں ملا ہوا غلام ہو تو سب کو مجاہدین میں تقیم کر دیا جاتا ہے، اسی طرح یہاں قاضی جبر کر کے غلاموں کو تقسیم کر دیں گے

اصول : صاحبینؒ کے نزدیک یہ اصول یہ ہے کہ ظاہری موافقت کافی ہے باطنی خوبی کو ملحوظ نہ رکھا جائے ورنہ تقسیم کرنا مشکل ہوگا۔

ترجمہ : ۲ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ معانی باطنہ کی وجہ سے آدمی میں تفاوت بہت ہوتا ہے، اس لئے دو غلام مختلف جنس کے طرح ہو گئے۔

تشریح : امام ابو حنیفہؒ دلیل دیتے ہیں کہ دو غلام ایک ہی طرح کے ہوں پھر بھی ایک پڑھا لکھا ہوتا ہے، اور ہوشیار ہوتا ہے اور دوسرا جاہل ہوتا ہے، اور ناسمجھ ہوتا ہے، اس طرح دونوں کی قیمت میں بہت فرق ہو جاتا ہے، اس لئے قاضی دو غلاموں کو جبرا تقسیم نہ کرے، ہاں شرکاء راضی ہوں تو تب تو تقسیم کر دے اس لئے یہ ان کا حق ہے۔ یا پھر دونوں غلاموں کی قیمت لگا کر تقسیم کر دے، تو بہتر ہے۔

لغت: معانی الباطنہ: باطنی خوبی، جیسے تعلیم، ہنر، وغیرہ۔

ترجمہ : ٣ بخلاف حیوان کے اس لئے کہ اتحاد جنس کے وقت اس میں تفاوت کم رہتا ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ انسان میں مذکر اور مؤنث دو جنس ہیں جبکہ حیوان میں ایک ہی جنس مانی جاتی ہے۔

تشریح : یہ صاحبین کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ جیسے بکری ایک جنس کے ہوں تو قاضی جبرا تقسیم کر دیتا ہے اسی طرح غلام کو بھی تقسیم کر دیگا، اس کا جواب یہ ہے کہ غلام انسان ہے اس لئے اس کی معانی باطنہ کا اعتبار کیا جائے گا، یہی وجہ ہے کہ، انسان میں مذکر الگ جنس ہے اور مؤنث الگ جنس ہے، کیونکہ دونوں کے مقصد میں بہت فرق ہے، جبکہ حیوان کے مذکر

مِنْ بَنِي آدَمَ جِنْسَانِ وَمِنْ الْحَيَوَانَاتِ جِنْسٌ وَاحِدٌ، ٤ؙ بِخِلَافِ الْمَغَانِمِ لِأَنَّ حَقَّ الْغَانِمِينَ فِي الْمَالِيَّةِ حَتَّى كَانَ لِلْإِمَامِ بَيْعُهَا وَقِسْمَةُ ثَمَنِهَا وَهُنَا يَتَعَلَّقُ بِالْعَيْنِ وَالْمَالِيَّةِ جَمِيعًا فَافْتَرَقَا ٥ؙ وَأَمَّا الْجَوَاهِرُ فَقَدْ قِيلَ إذَا اخْتَلَفَ الْجِنْسُ لَا يَقْسِمُ كَاللَّآلِئِ وَالْيَوَاقِيتِ، وَقِيلَ لَا يَقْسِمُ

مؤنث کوایک ہی جنس مانی جاتی ہے۔اس لئے بنی آدم کوحیوان پر قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے۔

ترجمه : ٤ؙ بخلاف مال غنیمت کے اس لئے کہ مجاہد کا حق غنیمت کی قیمت میں ہے، یہی وجہ ہے کہ امام کو یہ حق ہے کہ غنیمت کو بیچ دے، اوراس کی قیمت تقسیم کردے، اور یہاں عین غلام کے ساتھ اوراس کی مالیت دونوں کے ساتھ حق متعلق ہے، اس لئے دونوں چیزیں الگ الگ ہوگئیں۔

تشریح : یہ بھی صاحبین کو جواب ہے، انہوں نے استدلال کیا تھا کہ مال غنیمت کے غلاموں کو امام جبرا تقسیم کردیتا ہے اس لئے یہاں بھی قاضی جبرا تقسیم کردے، تواس کا جواب دیا جارہا ہے کہ مال غنیمت میں مجاہد کا حق صرف غلام کی قیمت میں ہے اس کے عین میں نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ غلام کو بیچ کراس کی قیمت مجاہدین پر تقسیم کردے تو ایسا کرسکتا ہے۔اور یہاں شرکاء کا حق غلام کے عین میں بھی ہے اوراس کی قیمت میں بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ قاضی اس غلام کو شرکاء کی رضامندی کے بغیر بیچنا چاہے تو نہیں بیچ سکتا۔مال غنیمت اور یہاں کے غلام میں اسی فرق کی وجہ سے ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

لغت :مالیۃ: غلام کی قیمت۔

ترجمه :٥ؙ بہر حال جواہر تو بعض حضرات نے فرمایا کہ اگر جنس مختلف ہو موتی اور یاقوت تو قاضی جبرا تقسیم نہیں کرے گا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ بڑے بڑے جوہر ہوں تو جبرا تقسیم نہیں کرے گا، کیونکہ ان میں تفاوت بہت ہوتا ہے اور چھوٹے چھوٹے ہوں تو جبرا تقسیم کردے گا۔

تشریح : جواہر کئی قسم کے ہوتے ہیں، موتی الگ قسم کی ہے، جو سمندر سے نکالی جاتی ہے۔ہیرا الگ قسم کا ہوتا ہے جو پہاڑوں سے نکالا جاتا ہے۔پھران میں سے جو بڑا ہوتا ہے اس کی قیمت بہت زیادہ ہوتی ہے اور جو چھوٹا ہوتا ہے اس کی قیمت بہت کم ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ بڑا ہو اوراس میں نقش ونگار ہو تو اس کی قیمت بہت بڑھ جاتی ہے، جبکہ اسی وزن کے دوسرے جوہر میں نقش ونگار نہ ہو تو اس کی قیمت بہت کم ہوجاتی ہے، اس لئے جبرا تقسیم کے بارے میں علماء کے تین اقوال ہوگئے ہیں۔

[١] پہلا قول یہ ہے کہ جنس مختلف ہو مثلا کچھ یاقوت ہو اور کچھ موتی ہو تو قاضی جبرا تقسیم نہ کرے۔

[٢] دوسرا قول یہ ہے کہ بڑے جوہر کو جبرا تقسیم نہیں کرسکتا، البتہ چھوٹے جوہر کو جبرا تقسیم کرسکتا ہے۔اس لئے کہ بڑے بڑے جوہر میں آپس میں بہت تفاوت ہوتا ہے۔ اور چھوٹے چھوٹے جوہر ہوں تو آپس میں تفاوت کم ہوتا ہے۔اس لئے قاضی جبرا

الْـكِبَارَ مِنهَا لِكَثْرَةِ التَّـفَـاوُتِ، وَيَقْسِمُ الصِّغَارَ لِقِلَّةِ التَّفَاوُتِ. ٦ وَقِيلَ يَجْرِي الْجَوَابُ عَلَى اِطْلَاقِـهِ لِأَنَّ جَهَـالَةَ الْـجَـوَاهِـرِ أَفْحَشُ مِنْ جَهَالَةِ الرَّقِيقِ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ تَزَوَّجَ عَلَى لُؤْلُؤَةٍ أَوْ يَـاقُـوتَةٍ أَوْ خَـالَـعَ عَـلَيْهَـا لَا تَـصِحُّ التَّسْمِيَةُ، وَيَصِحُّ ذٰلِكَ عَلَى عَبْدٍ فَأَوْلَى أَنْ لَا يُجْبَرَ عَلَى الْقِسْمَةِ. (۱۰۴)قَالَ: وَلَا يُقْسَـمُ حَـمَّـامٌ وَلَا بِـئْـرٌ، وَلَا رَحًـى إِلَّا بِتَـرَاضِي الشُّرَكَاءِ، وَكَذَا الْحَائِطُ بَيْنَ الدَّارَيْنِ ١ لِأَنَّهَا تَشْتَمِلُ عَلَى الضَّرَرِ فِي الطَّرَفَيْنِ، اِذْ لَا يَبْقَى كُلُّ نَصِيبٍ مُنْتَفِعًا بِهِ

تقسیم کر سکتا ہے۔

ترجمہ :٦ [۳]بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ جواہر چھوٹے ہوں یا بڑے مطلقا جبرا تقسیم نہیں کر سکتا، اس لئے کہ غلام کی جہالت سے زیادہ جواہر میں جہالت ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ موتی یا یاقوت پر نکاح کیا یا خلع کیا تو مہر بنانا صحیح نہیں ہے، اور غلام کو مہر بنایا تو صحیح ہے، اور غلام کی تقسیم میں جبر نہیں کر سکتا تو زیادہ بہتر ہے کہ جواہر کی تقسیم میں بھی جبر نہ کرے۔

تشریح :[۳] یہ تیسرا قول ہے۔ اسکا حاصل یہ ہے کہ جو ہر بڑے ہوں یا چھوٹے ہر حال میں قاضی اسکو جبرا تقسیم نہیں کر سکتا

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ چھوٹے جو ہر میں بھی آپس میں قیمت کا بہت فرق ہوتا ہے اس لئے چھوٹے اور بڑے دونوں جو ہروں کو قاضی جبرا تقسیم نہ کرے۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ غلام کے تفاوت سے زیادہ جواہر میں تفاوت ہوتا ہے، مثلا مطلقا غلام کے مہر پر نکاح کرے، یا مطلقا غلام پر خلع کرے تو مہر درست ہو جائے گا، اور خلع بھی درست ہو جائے گا اور درمیانی غلام لازم ہوگا، لیکن جو ہر پر نکاح کرے، یا جو ہر پر خلع کرے تو نہ مہر درست ہوگا اور نہ خلع درست ہوگا، کیونکہ اس میں جہالت زیادہ ہے، پس جب غلام کو جبرا تقسیم کرنا جائز نہیں تو جو ہر کو بدرجہ اولی تقسیم کرنا جائز نہیں ہوگا۔

ترجمہ :(۱۰۴)اور نہ جبرا تقسیم کرے غسلخانہ اور نہ کنواں اور نہ پن چکی۔ مگر یہ کہ شرکاء راضی ہو جائے، ایسے ہی وہ دیوار جو دو گھروں کے درمیان میں ہو اس کو جبرا تقسیم نہ کرے

ترجمہ :١ اس لئے دونوں فریقوں کو نقصان شامل ہے اس لئے کہ ہر ایک کے حصے سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکے گا، اس لئے قاضی جبرا تقسیم نہ کرے، بخلاف دونوں راضی ہو جائیں تو تقسیم کر دیا جائے، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے پہلے بیان کیا۔

تشریح ایسی چیز جو ایک ہی ہو اور تقسیم کرنے کے بعد کسی کے لئے قابل استفادہ نہ رہے جیسے غسل خانہ، کنواں، پن چکی، ان چیزوں کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیں تو استفادے کے قابل نہیں رہتی ہیں۔ اسلئے شرکاء کی رضامندی کے بغیر تقسیم نہ کرے

لغت :حمام: غسلخانہ۔ بیر: کنواں۔ رحی: پن چکی، اس کو رہٹ بھی کہتے ہیں، اب دنیا میں یہ کم پایا جاتا ہے۔ **الحائط بین الدارین**: دو گھروں کے درمیان کی دیوار، اس کو ٹکڑا کر کے تقسیم کریں تو کسی کے فائدہ کے لئے نہیں رہتا ہے اس لئے بغیر شرکاء کی رضامندی کے اس کو تقسیم نہ کرے۔

انْتِفَاعًا مَقْصُودًا، فَلَا يَقْسِمُ الْقَاضِي بِخِلَافِ التَّرَاضِي لِمَا بَيَّنَّا. (۱۰۵)قَالَ: وَإِذَا كَانَتْ دُورٌ مُشْتَرَكَةٌ فِي مِصْرٍ وَاحِدٍ قَسَمَ كُلَّ دَارٍ عَلَى حِدَتِهَا فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ (۱۰۶)(الف) وَقَالَا:

نوٹ:البتہ ایک شکل ہے کہ اس کی قیمت لگا کر کسی ایک کو دیدے اور اس سے آدھی قیمت وصول کر لے۔

وجه: قیمت لگانے کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن عبد الله بن عمرؓ ان رسول الله ﷺ قال من اعتق شركا له فی عبد فکان له مال یبلغ ثمن العبد قوم العبد علیه قیمة عدل فاعطی شرکائه حصصهم وعتق علیه العبد (بخاری شریف، باب اذا اعتق عبدا بین اثنین اوامة بین الشرکاء،ص ۴۰۷،نمبر ۲۵۲۲رمسلم شریف، باب من اعتق شرکا له فی عبد،ص ۶۵۳،نمبر ۱۵۰۱ر ۳۷۷۰)اس حدیث میں ہے کہ غلام کی قیمت لگائی جائے گی اور پھر حصہ داروں کو قیمت دی جائے گی۔جس سے معلوم ہوا کہ جہاں پوری چیز تقسیم نہیں ہوسکتی ہو وہاں چیز کی قیمت لگا کر حصہ داروں کو دو اور توافق پیدا کر دو۔

اصول: جہاں تقسیم کرنے میں دونوں کو نقصان ہو وہاں دونوں کی رضا مندی کے بغیر تقسیم نہیں کی جائے گی۔

ترجمه:(۱۰۵)اگر ایک ہی شہر میں کئی گھر مشترک ہوں تو ہر ایک کو الگ الگ تقسیم کیا جائے گا امام ابو حنیفہؒ کے قول میں۔

تشریح: مثلا تین گھر ہیں۔ایک کی قیمت پندرہ ہزار درہم جو مسجد کے قریب ہے۔دوسرے کی قیمت دس ہزار درہم جو گاؤں کی مشرقی جانب ہے۔اور تیسرا گھر پانچ ہزار درہم کا ہے جو گاؤں سے تھوڑا دور ہے۔البتہ تینوں مکان کمرے اور ساخت کے اعتبار سے قریب قریب ہیں۔اور تین حصے دار ہیں۔تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مکان علیحدہ علیحدہ تقسیم ہوں گے۔علیحدہ علیحدہ تقسیم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تینوں کو ایک ایک مکان نہیں دیا جائے گا، بلکہ تینوں مکانوں میں تینوں کا حصہ ہوگا، اور تینوں مکانوں کی قیمت لگا کر سب پر برابر تقسیم کیا جائے گا۔مثلا جس کو گاؤں سے دور والا مکان ملے گا جس کی قیمت صرف پانچ ہزار ہے اس کو مکان کے علاوہ پانچ ہزار درہم بھی دلوایا جائے گا۔اور جو آدمی مسجد کے قریب والا مکان لے گا جس کی قیمت پندرہ ہزار ہے وہ پانچ ہزار درہم گاؤں سے دور والے کو دے تاکہ توافق ہو جائے۔ایسا نہیں کیا جائے گا کہ تینوں کو ایک ایک مکان ظاہری برابری کی بنیاد پر تقسیم کر دے۔

وجه: وہ فرماتے ہیں کہ مکان کے محل وقوع کی وجہ سے قیمت میں فرق پڑتا ہے۔مثلا پڑوسی اچھے ہوں۔مسجد قریب ہو تو مکان کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔اور اس کے خلاف ہو تو مکان کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔اس لئے ظاہری برابری کے علاوہ باطنی خوبیوں کو بھی ملحوظ رکھا جائے گا۔اور اس کے اعتبار سے قیمت لگے گی۔

اصول: حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک باطنی خوبیوں کو بھی ملحوظ رکھا جائے گا، ہاں! تینوں حصے دار ایک ایک مکان لینے پر راضی ہو تو اس طرح بھی تقسیم کر دے۔

لغت: قسم کل دار علی حدة :یہ محاورہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر مکان میں تینوں کا حصہ رہے گا، ورتینوں مکان

إِنْ كَانَ الْأَصْلَحُ لَهُمْ قِسْمَةَ بَعْضِهَا فِي بَعْضٍ قَسَمَهَا ۔ ١ وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الْأَقْرِحَةُ الْمُتَفَرِّقَةُ الْمُشْتَرِكَةُ، لَهُمَا: أَنَّهَا جِنْسٌ وَاحِدٌ اسْمًا وَصُورَةً، وَنَظَرًا إِلَى أَصْلِ السُّكْنَى أَجْنَاسٌ مَعْنًى نَظَرًا إِلَى اخْتِلَافِ الْمَقَاصِدِ، وَوُجُوهِ السُّكْنَى، فَيُفَوَّضُ التَّرْجِيحُ إِلَى الْقَاضِي. ٢ وَلَهُ: أَنَّ

کی قیمت لگا کر پھر تینوں شریک پر تقسیم کیا جائے گا، ہر ایک کو ایک ایک مکان نہیں دیا جائے گا۔ اسی کو قسمت فرد، کہتے ہیں۔

قسمة بعضها فی بعض : یہ بھی محاورہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ مکان کی ظاہری حالت دیکھ کر ہر ایک شریک کو ایک ایک مکان دے دو، اس کی قیمت لگا کر تقسیم مت کرو، اسی کو قسمت جمع، کہتے ہیں۔

ترجمہ :(۱۰۶)(الف) اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مناسب ہو ان کے لئے بعض کو بعض میں تقسیم کرنا تو تقسیم کر دی جائے۔

ترجمہ : ١ اور یہی اختلاف اس زمین میں ہے جو الگ الگ جگہوں پر ہیں لیکن مشترک ہیں۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ سب گھر ایک ہی جنس کے ہیں نام کے اعتبار سے بھی اور صورت کے اعتبار سے بھی، نظر کرتے ہوئے اصل رہائش کی طرف، لیکن معنوی اعتبار سے مختلف جنس ہیں نظر کرتے ہوئے اس کے مقصد کی طرف، اور رہائش کی مختلف طریقوں کی طرف اس لئے قاضی کی رائے پر چھوڑ دیا جائے۔

تشریح : صاحبین فرماتے ہیں کہ اس کو قاضی کی رائے پر چھوڑ دے۔ اگر ان کے لئے یہی مناسب ہو کہ تینوں کو ایک ایک مکان دیدے اور اوپر سے کوئی رقم نہ دے تو قاضی کو اس کا بھی اختیار ہے چاہے حصہ دار اس پر راضی نہ ہوں۔ اور اس کا بھی اختیار ہے کہ ہر ہر مکان میں تینوں کا حصہ ڈالے، پھر ہر مکان کی قیمت لگا کر توافق کرے، اور حصہ کر دے۔

وجہ : وہ فرماتے ہیں کہ مکان کی ظاہری حالت کو دیکھو تو سب برابر برابر مربع فٹ میں ہیں، اور سب کو ہی مکان کہتے ہیں، اور سب کا ہی مقصد یہ ہے کہ اس میں قیام کرے اور رہے، اس اعتبار سے سب مکان ایک جنس ہیں، اس لئے ہر شریک کو ایک ایک مکان دے دیا جائے۔

لیکن اندورنی سہولتیں الگ الگ ہیں جس کی وجہ سے ایک مکان کی قیمت پندرہ ہزار درہم ہے، اور دوسرے مکان کی قیمت صرف پانچ ہزار درہم ہے، اس اعتبار سے دیکھو تو ہر مکان الگ الگ جنس کے ہو جاتے ہیں، اس لئے ہر مکان میں ہر شریک کا حصہ ہونا چاہئے، ان دونوں نظریوں کو ملحوظ رکھ کر صاحبین فرماتے ہیں کہ خود قاضی کی رائے پر چھوڑ دو، وہ جون سا طریقہ مناسب سمجھے وہی اختیار کر کے تقسیم کر دے گا۔

اصول : صاحبینؒ کے نزدیک ظاہری برابری کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ اور باطنی خوبیوں کو بھی دیکھا جائے گا، اور قاضی کی رائے پر تقسیم چھوڑ دی جائے گی۔

الاِعْتِبَارَ لِلْمَعْنَى وَهُوَ الْمَقْصُودُ، وَيَخْتَلِفُ ذَلِكَ بِاخْتِلَافِ الْبُلْدَانِ وَالْمَحَالِّ وَالْجِيرَانِ وَالْقُرْبِ إِلَى الْمَسْجِدِ وَالْمَاءِ اخْتِلَافًا فَاحِشًا فَلَا يُمْكِنُ التَّعْدِيلُ فِي الْقِسْمَةِ؛ ٣ وَلِهَذَا لَا يَجُوزُ التَّوْكِيلُ بِشِرَاءِ دَارٍ، ٤ وَكَذَا لَوْ تَزَوَّجَ عَلَى دَارٍ لَا تَصِحُّ التَّسْمِيَةُ ٥ كَمَا هُوَ الْحُكْمُ

لغت :الاقرحة : پلاوٹ، وہ خالی زمین جو مکان، یا دوکان بنانے کے لئے رکھا ہو۔اصل السکنی :اصل میں رہائش کے لئے ہو۔اختلاف المقاصد: مثلا مسجد کے قریب رہنا ہو،اس کے ایک کمرے میں دکان ڈالنا ہو یہ سب بہت سے مقاصد ہوتے ہیں ،جو شہر کے مکان میں ہوسکتا ہے،اور دیہات کے مکان میں نہیں ہوسکتا۔ یہ اختلاف المقاصد ہیں۔

ترجمہ :٢ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ گھر میں اعتبار معانی کا ہے اور معانی ہی مقصود ہیں اور یہ شہر،محل، پڑوس،اور مسجد سے قریب، پانی سے قریب ہونے کی وجہ سے بہت مختلف ہوجاتا ہے اس لئے تقسیم میں برابری نہیں ہوسکتی۔

تشریح :امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے گھر بھلے ہی ایک قسم کے ہوں،لیکن شہر کے اختلاف،مسجد سے قریب ہونے اور تالاب سے قریب ہونے کی وجہ سے، یا وہ دکان بنانے کی اچھی جگہ ہے اس کی وجہ سے اس کی قیمت بہت بڑھ جائے گی،جبکہ اسی جیسے دوسرے مکان کی اتنی قیمت نہیں ہوتی۔اوران خوبیوں کا بڑا اعتبار ہے اس لئے سب مکانوں کی قیمت لگا کر تقسیم کردیں، ہر ایک کو ایک ایک مکان نہ پکڑائیں۔

لغت :المعانی: وہ خوبیاں جو اندر ہوتی ہیں، ظاہری طور پر پتہ نہیں چلتا، جیسے پڑوس کا اچھا ہونا، دکان کے لئے موقع کی زمین ہونا۔ الماء:اس سے مراد ہے پانی کی جگہ،تالاب۔

ترجمہ :٣ اسی لئے دار کے خریدنے کا وکیل بننا درست نہیں۔

تشریح :یہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے۔دار کا لفظ اتنا وسیع ہے کہ مثلا زید نے عمر سے کہا کہ تم ,دار، خریدنے کا میرا وکیل ہو،تو وکیل نہیں بنے گا، کیونکہ پتہ ہی نہیں ہے کہ شہر میں ,دار، خریدنے کا وکیل بنا رہا ہے، یا دیہات میں، پھر چھوٹا ,دار، یا بڑا ,دار، کچھ پتہ نہیں ہے اس لئے اس لفظ سے وکیل نہیں بنے گا، دو دار میں اتنا تفاوت فاحش ہے ،اس لئے قیمت لگا کر تقسیم کرو۔

ترجمہ :٤ ایسے ہی اگر ,دار، پر نکاح کیا تو مہر متعین کرنا صحیح نہیں ہوگا[اس میں مہر مثل لازم ہوگا]

تشریح :امام ابوحنیفہؒ کی یہ دوسری مثال ہے۔دار کا لفظ اتنا وسیع ہے کہ ,دار، پر کسی نے نکاح کیا تو مہر متعین نہیں ہوگا، بلکہ مہر مثل لازم ہوجائے گا۔

ترجمہ :٥ ایسا ہی وکیل بنانے میں اور مہر متعین کرنے میں کپڑے میں حکم ہے۔

تشریح :امام ابوحنیفہؒ کی یہ تیسری مثال ہے۔ایسے ہی ,ثوب، کا لفظ اتنا وسیع ہے کہ مثلا زید نے عمر کو ,ثوب، خریدنے کا وکیل بنایا تو وکیل نہیں بنے گا، کیونکہ پتہ ہی نہیں ہے کہ کون سا کپڑا خریدے گا، ریشم کا یا سوت کا، یا پولسٹر کا۔ یا زید نے نکاح کرتے وقت کہا کہ مہر میں ,ثوب، دوں گا تو مہر متعین نہیں ہوگا، اور مہر مثل لازم ہوجائے گا، کیونکہ پتہ ہی نہیں ہے کہ کون سا کپڑا

فِيهِمَا فِي الثَّوْبِ،٦ بِخِلَافِ الدَّارِ الْوَاحِدَةِ إِذَا اخْتَلَفَتْ بُيُوتُهَا، لِأَنَّ فِي قِسْمَةِ كُلِّ بَيْتٍ عَلَى حِدَةٍ ضَرَرًا فَقُسِمَتْ الدَّارُ قِسْمَةً وَاحِدَةً. ٧ قَالَ – رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ –: تَقْيِيدُ الْوَضْعِ فِي الْكِتَابِ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّ الدَّارَيْنِ إِذَا كَانَتَا فِي مِصْرَيْنِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِي الْقِسْمَةِ عِنْدَهُمَا، وَهُوَ رِوَايَةُ هِلَالٍ عَنْهُمَا، ٨ وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ يُقْسَمُ احْدَاهُمَا فِي الْأُخْرَى ٩ وَالْبُيُوتُ فِي مُحَلَّةٍ أَوْ

دیگاریشم کایا سوت، کا، یا پولسٹر کا۔ جس طرح ثوب کا لفظ وسیع ہے اور گویا کہ مختلف جنس ہیں اسی طرح دار، کا لفظ وسیع ہے، اس لئے ہر دار کی الگ الگ قیمت لگا کر تقسیم کرے۔

ترجمہ :٦ بخلاف ایک دار ہو اور اس میں بہت سے چھوٹے چھوٹے کمرے ہوں، تو ہر کمرے کو الگ الگ تقسیم کرنے میں نقصان ہے اس لئے پورے دار کو ایک تقسیم کیا جائے۔

تشریح :فقسمت الدار قسمة واحدة :مثلا ایک بڑا گھر ہے اس میں تین کمرے ہیں، ایک بہت خوبصورت ہے، اس کی قیمت زیادہ ہے، دوسرا کمرہ درمیانی درجے کا ہے، اور تیسرا کمرہ کم درجے کا ہے، اور تین آدمی اس گھر میں شریک ہیں۔ اب تینوں کمروں میں تینوں کا حصہ ہو اور قیمت لگا کر تقسیم کریں یہ مشکل کام ہے، اس لئے کہ سب کا محل وقوع ایک ہی ہے، اس لئے ایسا کیا جائے گا کہ قرعہ اندازی کر کے تینوں آدمیوں کو ایک ایک کمرہ دے دیا جائے گا، اور قیمت لگا کر حصہ نہیں کیا جائے گا، اسی کو قسمت الدار قسمة واحدة، کہتے ہیں۔

ترجمہ :٧ متن میں جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ ایک شہر میں تینوں مکان ہوں یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر دو مکان دو شہر میں ہوں تو صاحبینؒ کے نزدیک بھی قسمت جمع نہیں کیا جائے گا [یعنی ہر فریق کو ایک ایک مکان نہیں پکڑایا جائے گا۔]، اور صاحبین سے یہی روایت حضرت ہلال سے ہے۔

تشریح : متن میں کہا گیا کہ ایک شہر میں تین مکان ہوں تو ہر فریق کو ایک ایک مکان دے دیا جائے گا۔ تو ایک شہر کی قید لگانا اس بات کی دلیل ہے کہ اگر تین شہر میں تین مکان ہوں تو صاحبینؒ کے نزدیک بھی ایک ایک مکان نہیں دیا جائے گا اور قسمت جمع نہیں کیا جائے گا، بلکہ ہر مکان کی قیمت لگا کر پھر برابر تقسیم کیا جائے، جس کو قسمت فرد، کہتے ہیں وہ کیا جائے گا۔ حضرت ہلالؒ نے صاحبینؒ سے یہی روایت کی ہے۔

ترجمہ :٨ امام محمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ تین شہر میں تین مکان ہوں تب بھی ایک ایک مکان پکڑا دیا جائے گا [جسکو احدهما فی الآخری]، کہتے ہیں۔

تشریح: امام محمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ تین شہروں میں تین مکان ہوں تب بھی اور تین شریک ہوں تو ہر ایک کو ایک ایک مکان دے دو، اور اس کی قیمت لگا کر تقسیم نہ کرو، اسی کو یقسم احدحما فی الاخری، کہتے ہیں۔

مَحَالٍ تُقْسَمُ قِسْمَةً وَاحِدَةً لِأَنَّ التَّفَاوُتَ فِيمَا بَيْنَهَا يَسِيرٌ، ١٠ وَالْمَنَازِلُ الْمُتَلَازِقَةُ كَالْبُيُوتِ وَالْمُتَبَايِنَةُ كَالدُّورِ؛ لِأَنَّهُ بَيْنَ الدَّارِ وَالْبَيْتِ عَلَى مَا مَرَّ مِنْ قَبْلُ فَأَخَذَ شِبْهًا مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ.

(١٠٦)(ب)قَالَ: وَإِنْ كَانَتْ دَارٌ وَضَيعَةٌ أَوْ دَارٌ وَحَانُوتٌ قُسِمَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلَى حِدَةٍ ١١

ترجمه :٩ کئی کمرے ایک ہی محلے میں ہوں، یا کئی محلے میں ہوں تو قسمت واحدہ کیا جائے گا، یعنی ایک ایک کمرے ہر شریک کو پکڑا دیا جائے گا[قیمت لگا کر برابر نہیں کیا جائے گا، کیونکہ دو کمروں میں بہت کم فرق ہوتا ہے۔

ترجمه : ١٠ اور منزل جو قریب قریب ہوں وہ کمروں کی طرح ہے، اور جو منزل دور دور ہوں وہ دار کی طرح ہے، اس لئے کہ منزل دار اور بیت کے درمیان میں ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا، اس لئے دونوں کی مشابہت اختیار کرے گا۔

لغت :دار: بہت بڑا گھر جس میں کئی کمرے ہوں، اس کو ,دار، کہتے ہیں۔ اور ایک چھوٹا سا کمرہ، اس کو ,بیت، کہتے ہیں۔ اور ,منزل، دار اور بیت کے درمیان میں ہوتا ہے یعنی اس میں دو کمرے ہوتے ہیں اور ایک مطبخ ہوتا ہے۔

تشریح: دار اور بیت کے احکام کو ذکر کرنے کے بعد اب منزل کے احکام کو ذکر کر رہے ہیں۔ منزل چونکہ دار اور بیت کے درمیان ہوتا ہے اس لئے اس کا حکم یہ فرماتے ہیں کہ اگر کئی نزل قریب قریب ہوں تب تو اس کا حکم بیت کی طرح ہے، یعنی ایک ایک منزل ایک ایک شریک کو پکڑا دیا جائے گا، اور قیمت لگا کر تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر کئی منزل دور دور واقع ہوں تو اس کا حکم دار کی طرح ہے، یعنی ہر منزل کی قیمت لگا کر تقسیم کرے۔

لغت :تقسم قسمة واحدة: یہ ایک محاورہ ہے۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کو ایک ایک کمرہ پکڑا دیا جائے، اور اس کی قیمت لگا کر تقسیم نہ کرے۔ متلازقہ :لزق: سے مشتق ہے، قریب قریب۔ متباینۃ: بین سے مشتق ہے، دور دور۔

نوٹ :یہ تفصیل مصنف کے زمانے میں تھی، اس زمانے میں دو کمروں میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے، آگے کے کمرے کی قیمت بہت ہوتی ہے، اور پیچھے کے کمرے کی قیمت بہت کم ہوتی ہے، خاص طور پر شہر میں بہت بڑا فرق پڑتا ہے اس لئے اس دور میں ہر کمرے کی قیمت لگا کر تقسیم کرنا بہتر ہے۔ اور دیہات میں ہو اور قاضی کو مناسب لگے کہ ہر ایک کو ایک ایک کمرہ دے دیں، یا ایک ایک دار دے دیں تو وہ بھی کر سکتا ہے۔

ترجمه :(١٠٦)(ب) اگر مکان اور زمین ہوں یا مکان اور دکان ہوں تو ہر ایک کو[قیمت لگا کر] علیحد علیحدہ تقسیم کرے۔

ترجمه :١١ کیونکہ الگ الگ جنس ہیں۔

تشریح: مثلا دو حصے دار ہیں اور مالیت میں ایک مکان اور زمین ہے۔ تو مکان میں بھی دونوں کو حصہ دیں اور زمین میں بھی دونوں کو حصہ دیں۔ ہاں! اگر ایک آدمی صرف مکان لینے پر اور دوسرا آدمی صرف زمین لینے پر راضی ہو جائے تو ٹھیک ہے۔

وجه :(١) مکان الگ جنس ہے اور زمین الگ جنس ہے اور دونوں کی قیمتوں میں بہت فرق ہوتا ہے اس لئے بالاتفاق مکان میں بھی دونوں کا حصہ ہوگا اور زمین میں بھی دونوں کا حصہ ہوگا۔ اور یہ گویا کہ تبدیل اور خرید ہوگی۔ اس لئے دونوں کی قیمت

لِاخْتِلَافِ الْجِنسِ. ۲؎ قَالَ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ -: جَعَلَ الدَّارَ وَالْحَانُوتَ جِنْسَيْنِ، وَكَذَا ذَكَرَ الْخَصَّافُ، وَقَالَ فِي اجَارَاتِ الْأَصْل: انَّ اجَارَةَ مَنَافِعِ الدَّارِ بِالْحَانُوتِ لَا تَجُوزُ، وَهٰذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُمَا جِنْسٌ وَاحِدٌ، فَيُجْعَلَ فِي الْمَسْأَلَةِ رِوَايَتَانِ أَوْ تُبْنَى حُرْمَةُ الرِّبَا هُنَالِكَ عَلَى شُبْهَةِ الْمُجَانَسَةِ .

لگا کر توافق کیا جائے گا۔ مثلا مکان کی قیمت دس ہزار ہے اور زمین کی قیمت پانچ ہزار ہے۔ تو مکان لینے والے پر زمین لینے والے کو ڈھائی ہزار دینا ہوگا۔ یہی حال مکان اور دکان کا ہے کہ دونوں دو جنس ہیں (۲)۔ عن عباية بن رفاعة بن رافع بن خديج عن جده قال كنا مع النبي ﷺ بذى الحليفة ... ثم قسم فعدل عشرة من الغنم ببعير. (بخاری شریف، باب قسمة الغنم، ص۴۰۲، نمبر ۲۴۸۸) اس حدیث میں بکری الگ جنس ہے اور اونٹ الگ جنس ہے اس لئے دس بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر کیا۔ پس کسی کو ایک اونٹ دیا تو اس سے توافق کرنے کے لئے دوسرے کو دس بکریاں دی۔ اسی طرح مکان اور دکان کا حال ہوگا۔

لغت: ضیعۃ: زمین۔ حانوت: دکان۔

ترجمہ: ۲؎ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ یہاں دار اور دکان کو دو جنس قرار دیا، ایسا ہی حضرت خصافؒ نے ذکر کیا ہے، لیکن کتاب الاصل نے اجارہ کے باب میں یہ ذکر کیا ہے کہ دکان کے بدلے میں گھر کے نفع کو اجرت پر لینا جائز نہیں ہے، یہ جزیہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دار اور دکان ایک ہی جنس ہے، اس لئے یا تو یہ کہا جائے کہ اس بارے میں دو روایتیں ہیں، یا یہ کہا جائے کہ مسئلے کی بنیاد ربوا کی حرمت پر ہے اور یہاں مجانست کی وجہ سے سود کا شبہ ہے اس لئے ناجائز قرار دیا۔

تشریح: مصنفؒ فرماتے ہیں کہ یہاں متن میں تو یہی ہے کہ دکان اور دار [بڑا مکان] دو جنس ہیں اور خصاف کی روایت بھی یہی ہے، لیکن مبسوط میں ایک جزیہ ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ دار، اور دکان ایک ہی جنس ہیں۔ جزیہ یہ ہے کہ دکان کرایہ پر لیا، اور اس کی اجرت یہ طے کی کہ گھر میں رہو، اور اس کا منافع دکان کی اجرت ہوگی، تو یہ صحیح نہیں ہے، گویا کہ یہ ربوا اور سود ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دار اور دکان ایک ہی جنس ہیں اس لئے ایک کا منافع دوسرے کے لئے اجرت نہیں بن سکتی۔

اس لئے اس کی تاویل یہ کی جا سکتی ہے کہ امام صاحب سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں [۱] ایک روایت یہ ہے کہ دار اور دکان دو جنس ہیں، جیسا کہ متن میں ہے [۲] دوسری روایت یہ ہے کہ دار اور دکان ایک جنس ہے، جسکی وجہ سے دکان کی اجرت میں مکان کا منافع لینا ناجائز ہوگا، کیونکہ منافع میں کمی بیشی ہو سکتی ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ کرایہ ایک وقت ہی نہیں آتا بلکہ مہینے بھر میں آتا ہے، اس لئے یہ ادھار ہوا اور سود میں جس طرح کمی بیشی حرام ہے اسی طرح ادھار بھی حرام ہوگا، اس لئے اس شبہ کی وجہ سے دکان کے کرائے میں مکان کا نفع لینا حرام ہوگا۔

﴿فَصلٌ فِي كَيفِيَّةِ القِسمَةِ﴾

(۱۰۷)قَالَ: وَيَنبَغِي لِلقَاسِمِ أَنْ يُصَوِّرَ مَا يَقسِمُهُ(لِيُمكِنَهُ حِفظُهُ) وَيَعدِلَهُ ا يَعنِي يُسَوِّيَهُ عَلَى سِهَامِ القِسمَةِ وَيُروَى: يَعزِلَهُ: أَيْ يَقطَعُهُ بِالقِسمَةِ عَنْ غَيرِهِ (۱۰۸)وَيَذرَعَهُ(لِيَعرِفَ قَدرَهُ)

﴿فصل فی کیفیة القسمة﴾

ترجمہ: (۱۰۷)تقسیم کرنے والے کے لئے مناسب ہے کہ جس کو تقسیم کرے اس کا نقشہ بنائے [تا کہ اس کو یاد رکھ سکے]اور برابر کر کے ناپ لے۔

تشریح: مثلا زمین کو تقسیم کرنا ہے تو پوری زمین کو پہلے ناپ لے، اور سب کا حصہ بنا لے۔ اور سب حصوں کو بھی اچھی طرح ناپ لے اور اس کو برابر برابر کر لے، تا کہ ہر ایک حصہ دار کو دینے میں آسانی رہے۔

وجہ: (۱) حدیث میں ہے حضورؐ نے خیبر کی زمین کا چھتیس سو ٹکڑے فرمائے تھے، اور اس کے بعد سب کو مجاہدین پر تقسیم فرمایا تھا۔ حدیث یہ ہے۔ **عن بشیر بن یسار مولی الانصار عن رجال من اصحاب النبی ﷺ ان رسول الله ﷺ لما ظهر علی خیبر قسمها علی ستة وثلاثین سهما جمع کل سهم مائة سهم الخ**۔(ابوداؤد شریف، باب ما جاء فی حکم ارض خیبر، ص ۴۴۱، نمبر ۳۰۱۲)اس حدیث میں ہے کہ خیبر کی زمین کے چھتیس حصے کئے اور ہر حصے کے ساتھ ایک سو حصے تھے جس کا مجموعہ چھتیس سو حصے ہوئے۔ اور ان میں سے آدھے کو پندرہ سو مجاہدین پر تقسیم فرمایا جس میں سے پیدل کو ایک حصہ اور گھوڑے سوار کو دو حصے عنایت فرمایا، مجموعہ اٹھارہ سو حصے ہوئے۔ اس سے اشارہ ملتا ہے کہ کس طرح زمین کے حصے بنائے۔

ترجمہ: ا یعدلہ کا ترجمہ ہے جتنے لوگوں پر تقسیم کرنا ان حصوں کا برابر کر لے، اور ایک روایت ہے ،یعزلہ، کہ اس کو الگ الگ کر لے۔

تشریح: یہاں شارح یہ بتانا چاہتے ہیں کہ متن میں جو ،یعدلہ، ہے اس کے دو ترجمے ہیں ہے[۱] ایک ترجمہ ہے ،یسویہ، یعنی حصے کو برابر کر لے، اور دوسرا ترجمہ ہے ،یعزلہ، یعنی ہر حصے کو الگ الگ کر لے۔

ترجمہ: (۱۰۸)اور اس کو یعنی زمین کو ناپ لے [تا کہ اس کی مقدار معلوم ہو جائے]اور عمارت کی قیمت لگا لے [کیونکہ بعد میں اس کی ضرورت پڑے گی]

تشریح: زمین کے ہر حصے کو ناپ لے، تا کہ تمام حصوں کی مقدار معلوم ہو جائے، اور عمارت وغیرہ ہے تو اس کی قیمت لگا لے کیونکہ بعد میں تقسیم کرتے وقت اس کی ضرورت پڑے گی۔

وجہ: چیز کی قیمت لگائی جائے اس کے لئے یہ حدیث ہے۔ **عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال من اعتق**

وَيُقَوّمَ الْبِنَاءُ لِحَاجَتِهِ إِلَيْهِ فِي الْآخِرَةِ. (۱۰۹) وَيَفْرِزَ كُلَّ نَصِيبٍ عَنْ الْبَاقِي بِطَرِيقِهِ وَشُرْبِهِ حَتَّى لَا يَكُونَ لِنَصِيبِ بَعْضِهِمْ بِنَصِيبِ الْآخَرِ تَعَلُّقٌ فَتَنْقَطِعَ الْمُنَازَعَةُ وَيَتَحَقَّقَ مَعْنَى الْقِسْمَةِ عَلَى التَّمَامِ. (۱۱۰) ثُمَّ يُلَقِّبَ نَصِيبًا بِالْأَوَّلِ، وَالَّذِي يَلِيهِ بِالثَّانِي وَالثَّالِثُ عَلَى هَذَا، ثُمَّ يُخْرِجَ الْقُرْعَةَ، فَمَنْ خَرَجَ اسْمُهُ أَوَّلًا فَلَهُ السَّهْمُ الْأَوَّلُ، وَمَنْ خَرَجَ ثَانِيًا فَلَهُ السَّهْمُ الثَّانِي وَالْأَصْلُ

شقيصا من مملوكه فعليه خلاصه فى ماله ، فان لم يكن له مال قوم المملوک قيمة عدل ثم استسعى غير مشقوق عليه ۔(بخاری شریف، باب تقویم الاشیاء بین الشرکاء بقیمة عدل،ص۴۰۳،نمبر۲۴۹۲)اس حدیث میں ہے کہ چیز کی قیمت لگائی جائے۔

لغت :یذرعہ: ذرع سے مشتق ہے، زمین کو ناپنا۔یقوم البناء: بناء کا ترجمہ ہے عمارت۔یقوم البناء، کا ترجمہ ہے عمارت کی قیمت لگالے۔

ترجمہ :(۱۰۹)اور ہر حصے کو اس کے راستے، اور نالی کے ساتھ الگ۔

ترجمہ :ا تا کہ ایک کے حصے کو دوسرے کے ساتھ تعلق نہ رہے اور جھگڑا ختم ہو جائے، اور پورے طور پر تقسیم کا معنی متحقق ہو جائے۔

تشریح :ہو سکے تو زمین کے ہر حصے کو اس کے راستے، اور نالی کے ساتھ الگ الگ کرے، تا کہ کوئی آدمی کسی دوسرے کے راستے، یا نالی استعمال کرنے کا محتاج نہ ہو اور تقسیم کرنے کا جو مقصد ہے وہ پورا ہو جائے، لیکن یہ ممکن نہ ہو تو اب مجبوری ہے اس لئے راستہ اور پانی پلانے کی نالی مشترک کر دے۔

لغت :یفرز: الگ الگ کرے۔شرب : پانی جانے کی نالی، نصیب : حصہ۔

ترجمہ (۱۱۰)اور ایک حصے کا نام پہلے رکھے اور جو اس سے متصل ہو اس کا دوسرا اور جو اس کے متصل ہے تیسرا اسی طرح لکھتے جاؤ، پھر قرعہ نکالے، پس جسکا نام پہلے نکلے اسکے لئے پہلا حصہ اور جس کا نام دوسرے مرتبہ میں نکلے اسکے لئے دوسرا حصہ

تشریح : جتنے حصے ہوں سب پر نمبر لگائے ایک، دو، تین، چار کر کے۔پھر قرعہ نکالے جس کا نام پہلے نکلے اس کو پہلا حصہ دیدے۔جس کا نام دوسری مرتبہ میں نکلے اس کو دوسرا حصہ دے۔جس کا نام تیسری مرتبہ میں نکلے اس کو تیسرا حصہ دے اسی طرح کرتا چلا جائے۔

وجہ :(۱) اس کے بغیر بھی کام چل سکتا ہے۔لیکن ایسا اس لئے کرے تا کہ حصے دار یہ نہ کہے کہ قاضی نے فلاں کی طرفداری کی ہے (۲) حدیث میں ہے کہ آپؐ بیوی کو سفر میں ساتھ لے جانے کے لئے قرعہ ڈالتے تھے اور جس کا نام نکلتا تھا ان کو ساتھ لے جاتے تھے۔عن عائشةؓ ان النبی ﷺ کان اذا سافر اقرع بین نسائه. (ابن ماجہ شریف، باب القضاء بالقرعة

أَنْ يَنْظُرَ فِيْ ذَلِكَ إِلَى أَقَلِّ الْأَنْصِبَاءِ، حَتَّى إِذَا كَانَ الْأَقَلُّ ثُلُثًا جَعَلَهَا أَثْلَاثًا، وَإِنْ كَانَ سُدُسًا جَعَلَهَا أَسْدَاسًا لِتَمَكُّنِ الْقِسْمَةِ، وَقَدْ شَرَحْنَاهُ مُشَبَّعًا فِيْ كِفَايَةِ الْمُنْتَهَى بِتَوْفِيقِ اللّٰهِ تَعَالَى. ٢ وَقَوْلُهُ فِيْ الْكِتَابِ: وَيَفْرِزَ كُلَّ نَصِيبٍ بِطَرِيقِهِ وَشُرْبِهِ بَيَانُ الْأَفْضَلِ، فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ أَوْ لَمْ يُمْكِنْ

)(۳) دوسری روایت میں ہے کہ غلام کی تقسیم قرعہ سے کی۔ عن عمران بن حصین ان رجلا کان له ستة مملوکین لیس له مال غیرهم فاعتقهم عند موته فجزاهم رسول الله ﷺ فاعتق اثنین وارق اربعة. (ابن ماجہ شریف، باب القضاء بالقرعۃ، ص ۳۳۶، نمبر ۲۳۴۷/۲۳۴۵/بخاری شریف، باب ھل یقرع فی القسمۃ والاستھام فیہ، ص ۴۰۳، نمبر ۲۴۹۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اطمینان قلب کے لئے قرعہ سے نام نکالا جا سکتا ہے۔

لغت: یلقب: لقب سے مشتق ہے، نام لگانا، لقب لگانا۔ السھم: حصہ

ترجمہ: ١ اصل یہ ہے کہ حصے کے بارے میں یہ دیکھے کہ کم سے کم حصہ کیا ہے، یہاں تک کہ اگر کم حصہ تہائی ہو تو تین سے تقسیم کرے، اور کم سے کم حصہ چھٹا ہو تو چھ سے تقسیم کرے، تا کہ تقسیم کرنا آسان ہو، اور اللہ کی توفیق سے کفایۃ المنتہی میں نے پوری بحث کی ہے۔

تشریح: تقسیم کرنے والا کس طرح حصے نکالے اس کی تھوڑی سی تفصیل دے رہے ہیں، فرماتے ہیں کہ حصے کم سے کم بنائے، تا کہ تقسیم کرنا آسان ہو، مثلا دو آدمی لینے والے ہیں، اور دونوں کا حصہ برابر نہیں ہے، بلکہ ایک کا ایک تہائی، اور دوسرے کے دو تہائی ہیں تو ثلث سے تقسیم کرے، ایک تہائی، ثلث والے کو دے دے، اور دو تہائی، دو ثلث والے کو دے دے، اس طرح حساب آسان ہو جائے گا۔ ارا گر ایک کا چھٹا حصہ ہے، اور دوسرے کی ایک تہائی ہے، اور تیسرے کا آدھا ہے، تو حساب چھ ٹکڑوں سے کرے، ان میں چھٹے حصے والے کو ایک حصہ دے اس کو چھٹا مل گیا، اور آدھے حصے والے کو تین چھٹا دے دے، اس کو آدھا مل گیا، اور ایک تہائی والے کو دو چھٹا دے دے اس کو ایک تہائی مل گئی۔

ترجمہ: ٢ اور متن میں جو عبارت ہے کہ یفرز کل نصیب بطریقہ وشربہ، ترجمہ، ہر حصے کو اس کے راستے کے ساتھ اور اس کی نالی کے ساتھ الگ کرے، یہ افضلیت کا بیان ہے، لیکن اگر ایسا نہ کرے، یا ایسا کرنا ممکن نہ ہو تب بھی تقسیم کرنا جائز ہے، اس کو ان شاء اللہ تفصیل کے ساتھ ذکر کریں گے۔

تشریح: متن میں جو یہ ذکر کیا کہ ہر حصے کو راستے کے ساتھ اور پانی پلانے کی نالی کے ساتھ الگ کرے یہ افضل ہے، لیکن اگر ایسا نہیں کیا، یا ایسا کرنا ممکن نہیں تھا مثلا اتنا بڑا راستہ نہیں تھا، یا اتنی بڑی نالی نہیں تھی کہ ہر ایک کو الگ الگ دے سکے اس لئے راستہ اور نالی مشترک کر دیا تب بھی اس طرح تقسیم کرنا جائز ہے۔

لغت: یفرز: الگ الگ کرے۔

جَازَ عَلَى مَا نَذْكُرُهُ بِتَفْصِيلِهِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى. ٣ وَالْقُرْعَةُ لِتَطْيِيبِ الْقُلُوبِ وَإِزَاحَةِ تُهْمَةِ الْمِيلِ، حَتَّى لَوْ عَيَّنَ لِكُلٍّ مِنْهُمْ نَصِيبًا مِنْ غَيْرِ اقْرَاعٍ جَازَ؛ لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْقَضَاءِ فَيَمْلِكُ الْإِلْزَامَ. (١١١) قَالَ: وَلَا يَدْخُلُ فِي الْقِسْمَةِ الدَّرَاهِمُ وَالدَّنَانِيرُ إِلَّا بِتَرَاضِيهِمْ؛ ا لِأَنَّهُ لَا شَرِكَةَ

ترجمہ : ٣ اور قرعہ ڈالنا دل کو اطمینان دلانے کے لئے ہے، اور کسی کی طرف میلان کی تہمت کو دور کرنے کے لئے ہے، چنانچہ ہر ایک کا حصہ بغیر قرعہ کے متعین کر دیا تب بھی جائز ہے اس لئے کہ یہ قضاء کے معنی میں ہے اس لئے قاضی لازم کر دینے کا مالک ہوگا۔

تشریح : متن میں جو ہے کہ قرعہ ڈال کر ہر ایک کا حصہ نکالے یہ دل کو اطمینان دلانے کے لئے ہے، اور اس لئے بھی ہے کہ کوئی یہ نہیں کہے کہ فلاں کو اچھا والا حصہ دے دیا، اس تہمت کو دور کرنے کے لئے قرعہ ڈال کر حصہ دے، لیکن اگر ایسا نہیں کیا، بلکہ بغیر قرعہ کے ہر شریک کو حصہ دے دیا تب بھی جائز ہے، اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ یہ تقسیم کرنے والا قاضی کے حکم میں ہے، اور قاضی کو حق ہوتا ہے کہ اپنا فیصلہ لازم کر دے، اس لئے یہ بھی اپنا حصہ ہر شریک کو بغیر قرعہ کے بھی لازم کر دے گا۔

لغت : زاح: ہٹانا ، دور کرنا۔ اقتراع: قرعۃ سے مشتق ہے، قرعہ ڈالنا۔

ترجمہ : (١١١) اور تقسیم میں داخل نہیں ہوں گے دراہم اور دینار مگر حصہ داروں کی رضامندی سے۔

اصول : شرکت میں مکان یا زمین ہو تو بغیر شریکوں کی رضامندی کے حصے کے بدلے میں کسی شریک کو رقم اور درہم نہیں دلوائی جائے گی، بلکہ سب حصے دار کو زمین ہی دلوائی جائے گی۔ ہاں زمین کو برابر تقسیم کرنے میں مجبوری ہو تو اب کسی شریک کو رقم دلوائی جا سکتی ہے۔

تشریح : مثلا ایک مکان ہے اس میں ایک کو زیادہ حصہ دیا، اور اس کو کہا کہ اس زیادہ کے بدلے میں دو ہزار درہم دے دو، تو ایسا بغیر شریکوں کی رضامندی کے نہیں کر سکتا۔

وجہ : (١) اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں دونوں آدمی مکان میں شریک ہیں، درہم میں شریک نہیں ہیں، اس لئے درہم کو درمیان میں لانا تبدیل، اور بیع ہوگی، اور بیع دونوں کی رضامندی کے بغیر نہیں ہو سکتی، اس لئے دونوں کی رضامندی کے بغیر حصے میں ایک کو درہم نہیں دلوایا جا سکتا ۔ (٢) دوسری وجہ یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ زمین بہت اہم اور موقع کی ہوتی ہے اس لئے جسکو وہ زمین ملے گی وہ بہت خوش ہوگا، اور جسکو درہم ملے گا وہ ناراض ہوگا، کیونکہ درہم چند دنوں میں خرچ ہو جائے گا اس لئے دونوں کی رضامندی کے بغیر حصے کے مقابلے پر رقم نہ دلوائے۔

ہاں مجبوری ہو، مثلا گھر کو برابر تقسیم کرنے کی کوئی صورت نہ ہو تو اس شکل میں زائد کے بدلے میں درہم دلوایا جائے گا۔ (٣) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ **سمعت النعمان بن بشیرؓ عن النبی ﷺ قال مثل القائم علی حدود الله والواقع فیها کمثل قوم استهموا علی سفینة فاصاب بعضهم اعلاها وبعضهم اسفلها** . (بخاری شریف،

فِيْ الدَّرَاهِمِ وَالْقِسْمَةُ مِنْ حُقُوقِ الِاشْتِرَاکِ ،٢ وَلِأَنَّـهُ يَفُوتُ بِهِ التَّعْدِيلُ فِيْ الْقِسْمَةِ؛ لِأَنَّ أَحَدَهُـمَا يَصِلُ إلَى عَيْنِ الْعَقَارِ وَدَرَاهِمُ الْآخَرِ فِيْ ذِمَّتِهِ وَلَعَلَّهَا لَا تُسَلَّمُ لَهُ. (١١٢) وَإِذَا كَانَ أَرْضٌ وَبِنَاءٌ، فَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَقْسِمُ كُلَّ ذَلِکَ عَلَى اعْتِبَارِ الْقِيمَةِ ١ لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ اعْتِبَارُ الْـمُعَادَلَةِ إلَّا بِالتَّقْوِيمِ، ٢ وَعَنْ أَبِيْ حَنِيفَةَ أَنَّهُ يَقْسِمُ الْأَرْضَ بِالْمَسَاحَةِ؛ لِأَنَّهُ هُوَ الْأَصْلُ فِيْ

باب ہل یقرع فی القسمۃ والاستھام فیہ،ص۴۰۳،نمبر۲۴۹۳)اس حدیث میں سب کوکشتی کےاوپر کے حصےنہیں دیئےاور نہ سب کوکشتی کے نیچے کے حصے دیئے، بلکہ کچھ کوصرف اوپر کا حصہ دیا،اور کچھ کوصرف نیچے کا حصہ دیا۔جس سے معلوم ہوا کہ مجبوری کے درجے میں تبدیل کی جاسکتی ہے۔

ترجمه :١ اس لئے کہ یہاں درہم میں شرکت نہیں ہےاور تقسیم کرنا اشتراک کے حقوق میں سے ہیں۔

تشریح :یہ دلیل عقلی ہے،فرماتے ہیں کہ جس چیز میں دونوں آدمی شریک ہوں اسی میں تقسیم کرسکتے ہیں،اور دونوں آدمی زمین میں شریک ہیں،درہم میں شریک نہیں ہیں اس لئے درہم کو بیچ میں نہیں لاسکتے۔

ترجمه :٢ اوراس لئے کہ تقسیم میں برابری فوت ہوجائے گی،اس لئے کہ ایک شریک عین زمین ملے گی اور دوسرے کو درہم ملے گا جو دوسرے کے ذمے ادھار ہوگا،اور ہوسکتا ہے کہ وہ جلدی دے بھی نہیں۔

تشریح :یہ دوسری دلیل عقلی ہے،اگر آدمی کو درہم دیا تو صورت یہ بنے گی کہ ایک شریک کو عین گھر مل گیا جو نقد ہےاور دوسرے کو درہم ملا جو ادھار ہےاور دوسرے کے ذمے ہے،اور ایسا بھی ممکن ہے کہ وہ آدمی ابھی درہم نہ دے بہت بعد میں دے،اب ایک کو نقد ملا اور دوسرے کو ادھار ملا،تو یہ تقسیم میں برابری نہیں ہوئی،اس لئے بغیر رضامندی کے قیمت نہیں دلوائی جائے گی۔

لغت :یصل الی عین العقار :ایک شریک کو عین زمین مل جائے گی۔و دراھم الآخر فی ذمته :اور درہم دوسرے کے ذمے میں ہوگیا،جو ادھار ہے،اس لئے برابری نہیں ہوئی۔لعلھا لا تسلم :یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ذمے والا آدمی ابھی درہم سپرد نہ کرے،اس لئے درہم ادھار ہی باقی رہے ۔لاتسلم کا ترجمہ ہے،سپرد نہ کرے۔

ترجمه:(١١٢)اگر زمین بھی ہواور عمارت بھی ہو،تو امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ تمام کو قیمت کے اعتبار سے تقسیم کرے

ترجمه :١ اس لئے کہ قیمت کے علاوہ برابری کی صورت ممکن نہیں ہے۔

اصول :امام ابو یوسفؒ کا اصول یہ ہے کہ تھوڑی سی پریشانی ہو تو قیمت سے حصے کرو۔

اصول :امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ پہلے زمین کے بدلے میں زمین ہی دیں،لیکن زمین نہیں دے سکیں تب اس کی قیمت دیں۔

الْـمَـمْسُـوحَـاتِ، ثُمَّ يَرُدُّ مَنْ وَقَعَ الْبِنَاءُ فِيْ نَصِيبِهِ أَوْ مَنْ كَانَ نَصِيبُهُ أَجْوَدَ دَرَاهِمَ عَلَى الْآخَرِ حَتَّـى يُسَـاوِيَـهُ فَتَـدْخُـلَ الدَّرَاهِمُ فِيْ الْقِسْمَةِ ضَرُورَةً، ۳؎ كَـالْأَخِ لَا وِلَايَةَ لَـهُ فِـيْ الْمَالِ، ثُمَّ

اصول :امام محمدؒ کا اصول یہ ہے کہ زمین کے بدلے میں زمین ہی دیں، لیکن اس سے کام نہ چلتا ہو تو بہت مجبوری کے درجے میں قیمت دیں۔

تشریح :شرکت میں خالی زمین بھی ہے، اور بنی ہوئی عمارت بھی ہے تو امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ خالی زمین اور بنی ہوئی عمارت سب کی قیمت لگائے، پھر قیمت کے اعتبار سب کو تقسیم کرے، کیونکہ یہاں برابری کی اور شکل نہیں ہے، اور درہم درمیان میں مجبوری کے درجے میں آرہا ہے۔

ترجمہ :۲؎ اور امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ زمین کو ناپ کر تقسیم کردے اس لئے کہ ناپی جانے والی چیز میں وہی اصل ہے، پھر جسکے حصے میں دیوار آئے وہ درہم دے، یا جسکا حصہ زیادہ آچھا ہو وہ دوسرے کو درہم دے تاکہ سب کا حصہ برابر ہو جائے، اور درہم تقسیم میں ضرورت کی بنا پر داخل ہوا ہے۔

تشریح :امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ خالی زمین اور مکان بنا ہوا زمین دونوں کو زمین کی چوڑائی اور لمبائی کے اعتبار تقسیم کردے، پھر جس کے حصے میں بنا ہوا مکان آئے وہ خالی زمین والے کو اتنا پیسہ دے کہ دونوں کا حصہ برابر ہو جائے، یا جسکا حصہ زیادہ اچھا ہے وہ اس کی مناہی میں اتنی رقم دوسرے کو دے کہ دونوں کا حصہ برابر ہو جائے۔ اور یہاں جو بیچ میں درہم دینے کی بات آئی یہ مجبوری کے درجے میں ہے اس لئے جائز ہے۔

لغت: بناء: عمارت، مکان۔ نصیب: حصہ۔ اجود: جود سے مشتق ہے زیادہ اچھا۔

ترجمہ :۳؎ جیسے بھائی کو بہن کے مال میں تصرف کرنے کی ولایت نہیں ہے، پھر نکاح کی ضرورت کی بنا پر مہر متعین کرنے کا مالک ہوتا ہے۔

تشریح: ضرورت کی بنا پر درہم کو بیچ میں لانے کی مجبوری ہو اس کا مسئلہ اور ہے، اس کی ایک مثال دیتے ہیں۔ کہ بھائی کو بہن کے مال میں تصرف کرنے اختیار نہیں ہے، لیکن باپ نہ ہونے کی وجہ سے بہن کو نکاح کروانے کی ولایت مل گئی، اس ولایت کی بنا پر بہن کے مہر متعین کرنے کا حقدار بنے گا، اور اس مہر پر قبضہ کرنے کا بھی حقدار ہوگا، اس طرح بہن کے مال پر تصرف کرنے کا حق مل گیا، اسی طرح اوپر کے مسئلے میں درہم درمیان میں نہیں آنا چاہئے، لیکن مجبوری کے درجے میں درہم سے قیمت دینی پڑی۔

لغت: تسمیۃ الصداق: صداق کا ترجمہ ہے، مہر، تسمیۃ الصداق کا ترجمہ ہے مہر کو متعین کرنے کا حق۔

ترجمہ :۴؎ امام محمدؒ سے روایت یہ ہے کہ دیوار کے بدلے میں اپنے شریک کو اتنی خالی زمین دے دے جو دیوار کی قیمت پوری کردے۔ اور اگر پھر بھی باقی رہ جائے اور برابری ممکن نہ ہو، مثلا خالی زمین دینے سے دیوار کی قیمت پوری نہیں ہو رہی ہے

يَمْلِكُ تَسْمِيَةَ الصَّدَاقِ ضَرُورَةَ التَّزْوِيجِ، ۴؎ وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ يَرُدُّ عَلَى شَرِيكِهِ بِمُقَابَلَةِ الْبِنَاءِ مَا يُسَاوِيهِ مِنْ الْعَرْصَةِ، وَإِذَا بَقِيَ فَضْلٌ وَلَمْ يُمْكِنْ تَحْقِيقُ التَّسْوِيَةِ بِأَنْ كَانَ لَا تَفِي الْعَرْصَةُ بِقِيمَةِ الْبِنَاءِ فَحِينَئِذٍ يُرَدُّ لِلْفَضْلِ دَرَاهِمُ، لِأَنَّ الضَّرُورَةَ فِي هَذَا الْقَدْرِ فَلَا يُتْرَكُ الْأَصْلُ إلَّا بِهَا. ۵؎ وَهَذَا يُوَافِقُ رِوَايَةَ الْأَصْلِ. (۱۱۳) قَالَ: فَإِنْ قَسَمَ بَيْنَهُمْ وَلِأَحَدِهِمْ مَسِيلٌ فِي نَصِيبِ الْآخَرِ أَوْ طَرِيقٌ لَمْ يُشْتَرَطْ فِي الْقِسْمَةِ ،(فَإِنْ أَمْكَنَ صَرْفُ الطَّرِيقِ وَالْمَسِيلِ عَنْهُ لَيْسَ لَهُ أَنْ يَسْتَطْرِقَ فِي نَصِيبِ الْآخَرِ لِأَنَّهُ أَمْكَنَ تَحْقِيقُ مَعْنَى الْقِسْمَةِ مِنْ غَيْرِ ضَرَرٍ،) وَإِنْ لَمْ يُمْكِنْ

،اس وقت درہم سے اس کو پوری کرے، اس لئے کہ ضرورت اسی کی مقدار ہے اس لئے حتی الوسیع اصل کو نہیں چھوڑا جائے گا مگر انتہائی مجبوری کے درجے میں۔

اصول : امام محمدؒ کا اصول یہ ہے کہ جسکے پاس مکان گیا، یا اچھی زمین گئی وہ اس کی مناہی میں زمین ہی دے، لیکن اگر زمین سے بھی پوری نہ ہوتی ہو تب جا کر درہم سے قیمت لگائے۔

تشریح :امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ جس شریک کے پاس مکان گیا ہے وہ اس کا بدلہ درہم سے نہ دے بلکہ اس کے بدلے میں خالی زمین دے دے، تاکہ زمین کے بدلے میں زمین ہی ملے، لیکن اگر زمین دینے سے بھی حصہ برابر نہ ہوتا ہو، مثلا اس جگہ خالی زمین بہت کم ہے
اس کو دینے سے پورا نہیں ہوا تو اب درہم دیکر حصہ برابر کرے۔

وجہ: وہ فرماتے ہیں کہ اصل یہ ہے کہ زمین کے بدلے میں زمین ہی دے، اس سے پورا نہ ہو تب جا کر باقی کا درہم دے۔

لغت : بناء: مکان عمارت۔ عرصہ: خالی زمین، صحن۔ فضل: جو زیادہ حصہ رہ گیا۔

ترجمہ :۵؎ یہ بات [یعنی پہلے زمین ہی دینے کی کوشش کرنا یہ کتاب الاصل لامام محمد کی روایت کے مطابق ہے۔

تشریح : کتاب الاصل میں عبارت اس طرح ہے۔ و اذا کانت الدار بین رجلین اقتسماھا فیما بینھما مذارعة ذرعھا بینھما رجل و رضیا به ثم اقرع بینھما فان ابا حنیفهؒ قال ھذا جائز ۔(کتاب الاصل لمحمدؒ، باب قسمة الدور، ج ثالث، ص۳۷۳) اس عبارت میں ہے کہ زمین ناپ کر حصہ کرے۔

ترجمہ :(۱۱۳) پس اگر مکان تقسیم کر دیا گیا ورثہ کے درمیان اور ان میں سے ایک کی نالی پڑ جائے دوسرے کی ملکیت میں یا راستہ ہو جائے جس کی تقسیم میں شرط نہیں لگائی گئی تھی۔ پس اگر راستہ اور نالی کا اس سے پھیرنا ممکن ہو تو حصہ دار کے لئے جائز نہیں ہے کہ راستہ یا نالی نکالے دوسرے کے حصے میں۔ [اس لئے کہ بغیر نقصان دئے تقسیم کا معنی متحقق ہو سکتا ہے] اور اگر اس سے ہٹانا ممکن نہ ہو تو تقسیم ٹوٹ جائے گی۔

فُسِخَتُ الْقِسْمَةُ ١ لِأَنَّ الْقِسْمَةَ مُخْتَلَّةٌ لِبَقَاءِ الِاخْتِلَاطِ فَتُسْتَأْنَف ٢ بِخِلَافِ الْبَيْعِ حَيْثُ لَا

ترجمہ :١ اختلاط کے باقی رہنے کی وجہ سے تقسیم مختل ہوگئی اس لئے شروع سے تقسیم کرے۔

نوٹ : یہاں تقسیم، بیع، اور اجارہ تینوں میں فرق بیان کیا ہے، اور تینوں میں صراحت کے ساتھ راستہ اور نالی کو دوسرے کی زمین میں داخل کیا ہو تو کیا حکم ہے، اور کنایہ سے دوسرے کی زمین میں داخل کیا ہو تب کیا حکم ہے، چنانچہ چھ صورتیں آگے والی عبارت میں بیان کی ہیں۔

اصول : تقسیم میں اصول یہ ہے کہ جب تک ہو سکے اپنا راستہ اور اپنی نالی اپنی زمین میں نکالے۔ یہاں صراحت کے ساتھ تقسیم کرنے والے نے کہہ دیا کہ راستہ دوسرے کی زمین میں ہے تب ہی راستہ دوسرے کی زمین میں ہوگا، اور صراحت نہیں کی، اور اپنی زمین میں راستہ نہیں بن سکتا ہے تو تقسیم ٹوٹ جائے گی۔

اصول : اگر تقسیم کرنے والے نے کہا کہ حقوق کے ساتھ زمین تقسیم کرتا ہوں، اس کے علاوہ کوئی صراحت نہیں کی تو چونکہ یہ جملہ مبہم ہے اس لئے اس صورت میں بھی اگر اپنی زمین میں راستہ نکال سکتا ہو تو اپنی زمین ہی میں راستہ نکالے۔ اور اگر اپنی زمین میں راستہ نہیں نکال سکتا ہو چونکہ حقوق کے ساتھ تقسیم کی ہے اس لئے راستہ دوسرے کی زمین میں متعین ہوگا۔

اصول : بیع کے اندر عین چیز کا مالک بننا ہے، اس میں افراز اور الگ کرنے کا معنی نہیں ہے اس لئے دوسرے کی زمین میں راستہ ہو جائے تب بھی بیع جائز ہوگی، بیع ٹوٹے گی نہیں۔

اصول : اجارہ، کا معاملہ فوری طور پر نفع اٹھانا ہے اس لئے حقوق کا لفظ نہیں بھی بولے گا تب بھی دوسرے کی زمین میں راستہ اور نالی ملے گا تا کہ فوری طور پر اس سے فائدہ اٹھا سکے۔

تشریح : اگر زمین شریکوں میں تقسیم کی، اور ایک شریک کا راستہ اور نالی دوسرے کی زمین میں دے دی، لیکن تقسیم کرتے وقت باضابطہ شرط نہیں لگائی کہ یہ راستہ دوسرے کی زمین میں ہوگی، صرف بات مبہم رہی، اور صورت ایسی ہے کہ راستہ اور نالی اپنی زمین میں بن سکتا ہے تو راستہ اور نالی اپنی ہی زمین میں نکالنی ہوگی۔ اور اگر اپنی زمین میں راستہ نہیں نکل سکتا تو اب تقسیم ٹوٹ جائے گی، اب دوبارہ تقسیم کرے۔

وجہ : (۱) تقسیم کا معنی ہے الگ کرنا اور تمیز کرنا، یہاں دوسرے کی زمین میں راستہ اور نالی داخل ہونے کی وجہ سے تقسیم مختل ہوگئی، تقسیم کا صحیح معنی باقی نہیں رہا اس لئے تقسیم ٹوٹ جائے گی، ہاں صراحت کے ساتھ تقسیم کرنے والے نے راستہ دوسرے کی زمین میں رکھا تو اور بات ہے صراحت کی وجہ سے تقسیم نہیں ٹوٹے گی، کیونکہ کوئی مجبوری ہوگی جس کی وجہ سے صراحت کے ساتھ راستہ دوسرے کی زمین میں رکھا۔

(۲) بغیر شرط اور بغیر رضامندی کے ایک کا حصہ دوسرے میں چلا جائے اچھی بات نہیں ہے، جھگڑے کا باعث ہے (۳) لاضرر ولا ضرار کے خلاف ہے کیونکہ اس تقسیم سے دوسرے فریق کو ہمیشہ نقصان ہوتا رہے گا (۴) آیت میں ایسی تقسیم کو

يَفُسُدُ فِيُ هٰذِهِ الصُّورَةِ، لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْهُ تَمَلُّكُ الْعَيُنِ، وَأَنَّهُ يُجَامِعُ تَعَذُّرَ الِانْتِفَاعِ فِيُ الْحَالِ، أَمَّا الْقِسْمَةُ لِتَكْمِيلِ الْمَنْفَعَةِ وَلَا يَتِمُّ ذٰلِكَ إِلَّا بِالطَّرِيقِ، ۳؎ وَلَوُ ذَكَرَ الْحُقُوقَ فِيُ الْوَجْهِ الْأَوَّلِ كَذٰلِكَ الْجَوَابُ، لِأَنَّ مَعْنَى الْقِسْمَةِ الْإِفْرَازُ وَالتَّمْيِيزُ، وَتَمَامُ ذٰلِكَ بِأَنُ لَا يَبْقَى لِكُلِّ وَاحِدٍ تَعَلُّقٌ بِنَصِيبِ الْآخَرِ وَقَدُ أَمُكَنَ تَحْقِيقُهُ بِصَرُفِ الطَّرِيقِ وَالْمَسِيلِ إِلَى غَيُرِهِ

برا فیصلہ کہا گیا ہے۔آیت یہ ہے۔وجعلوا لله مما ذرأ من الحرث و الانعام نصيبا فقالوا هذا لله بزعمهم وهذا لشركائنا فما كان لشركائهم فلا يصل الى الله وما كان لله فهو يصل الى شركائهم ساء ما يحكمون ۔(آیت ۱۳۶،سورۃ الانعام ۶)اس آیت میں کفار اللہ کا حصہ بتوں کو دیتے تھے تو اللہ نے فرمایا یہ کیسا برا فیصلہ ہے۔یہاں بھی ایک آدمی کے حصے میں دوسرے کا راستہ نکالا گیا یہ بھی فیصلہ اچھا نہیں ہے اس لئے ایسی تقسیم ٹوٹ جائے گی۔دوبارہ ایسی تقسیم کرے کہ ایک کا راستہ یا نالی دوسرے کی زمین میں نہ ہو۔اور اگر مجبوری کے درجے میں دوسرے کے حصے میں گزرنا ہی پڑے تو حصہ کرنے سے پہلے اس کی شرط لگائی گئی ہو۔

اصول:دوسرے کے حصے کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

لغت: مسیل : سیل سے مشتق ہے، پانی پلانے کی نالی،اسی سے ہے یسیل ، پانی بہے۔

ترجمہ :۲؎ بخلاف بیع کے،اس لئے کہ بیع اس صورت میں فاسد نہیں ہوگی،اس لئے کہ بیع کا مقصد عین چیز کا مالک ہونا ہے اور وہ نفع کے متعذر رہونے کے باوجود جمع ہوسکتا ہے،اور تقسیم نفع کے پورے کرنے کے لئے ہے،اور یہ نفع راستے کے الگ دئے ہوئے پورا نہیں ہوسکتا ہے۔

تشریح : یہاں سے بیع اور تقسیم میں فرق بیان کر رہے ہیں۔بیع کی صورت میں راستہ بائع کی ملکیت میں چلا گیا،اور زمین ایسی ہے کہ خریدنے والے کی زمین میں راستہ بن بھی نہیں سکتا اس کے باوجود بیع فاسد نہیں ہوگی۔

وجہ:اس کی وجہ یہ ہے کہ بیع کا اصل مقصد نفع حاصل کرنا نہیں ہے، بلکہ زمین کا مالک ہونا ہے اس لئے اگر راستہ نہ ہونے کی وجہ سے نفع نہ بھی حاصل کیا جائے تب بھی بیع ہو جائے گی،اس لئے یہاں بیع فاسد نہیں ہوگی۔اور تقسیم کا مقصد یہ ہے کہ ابھی اس سے نفع حاصل کیا جائے،اور راستہ نہ ہونے کی وجہ سے نفع حاصل نہیں کر سکے گا اس لئے یہ تقسیم ٹوٹ جائے گی۔

لغت:يجامع تعذر الانتفاع: نفع اٹھانا مشکل ہو تب بھی بیع جائز ہوگی۔

ترجمہ :۳؎ اور اگر پہلی صورت میں،[یعنی اپنی زمین میں راستہ بنا سکتا ہو]اور اس میں تقسیم کے وقت لفظ حقوق کا ذکر کیا تو ایسی ہی جواب ہے کہ[کہ اپنی ہی زمین میں راستہ بنائے]اس لئے کہ تقسیم کا مطلب ہے کہ راستے کے ساتھ اپنا حصہ الگ کرو،اور اس کی پوری صورت یہی ہے کہ ایک کا حق دوسرے کے ساتھ باقی نہ رہے،اور اس کا تحقق ممکن ہے کہ راستہ اور نالی بغیر

مِنْ غَيْرِ ضَرَرٍ فَيُصَارَ إِلَيْهِ، ۴؎ بِخِلَافِ الْبَيْعِ إِذَا ذُكِرَ فِيهِ الْحُقُوقُ حَيْثُ يَدْخُلُ فِيهِ مَا كَانَ لَهُ مِنَ الطَّرِيقِ وَالْمَسِيلِ، لِأَنَّهُ أَمْكَنَ تَحْقِيقُ مَعْنَى الْبَيْعِ وَهُوَ التَّمْلِيكُ مَعَ بَقَاءِ هَذَا التَّعَلُّقِ بِمِلْكِ غَيْرِهِ، ۵؎ وَفِي الْوَجْهِ الثَّانِي يَدْخُلُ فِيهَا؛ لِأَنَّ الْقِسْمَةَ لِتَكْمِيلِ الْمَنْفَعَةِ وَذَلِكَ بِالطَّرِيقِ وَالْمَسِيلِ فَيَدْخُلُ عِنْدَ التَّنْصِيصِ بِاعْتِبَارِهِ، وَفِيهَا مَعْنَى الْإِفْرَازِ وَذَلِكَ بِانْقِطَاعِ

نقصان دئے اپنی زمین میں بنالے۔

لغت :لفظ حقوق ایک محاورہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین کے جو حقوق ہیں یعنی راستہ وغیرہ وہ شامل ہو۔ افراز اور تمیز کا مطلب یہ ہے راستے کے ساتھ اپنی زمین الگ کرے۔

تشریح :تقسیم کرنے والے نے یوں کہا کہ زمین کے حقوق کے ساتھ اس کو تقسیم کرتا ہوں، اور زمین ایسی تھی کہ اس میں راستہ اور نالی بن سکتا ہے تو اپنی زمین میں راستہ بنالے۔

وجہ :تقسیم میں افراز اور تمیز کا معاملہ ہے، یعنی اپنی زمین کو الگ کرنے کا معاملہ ہے۔ اور اس کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ دوسروں کو نقصان دئے بغیر اپنا راستہ اور نالی اپنی زمین میں بنالے۔

لغت :الوجہ الاول: وجہ اول سے مراد یہ ہے کہ اپنی زمین میں راستہ یا نالی بنا سکتا ہے۔ کذالک الجواب: کا مطلب یہ ہے کہ، تقسیم کرنے والے نے یوں کہا کہ حقوق کے ساتھ زمین تقسیم کرتا ہوں تب بھی ہر شریک کو اپنی زمین میں نالی اور راستہ بنانا ہوگا۔

ترجمہ :۴؎ بخلاف بیع کے اگر اس میں حقوق ذکر کیا ہو تو راستہ اور نالی بیع میں داخل ہو جائے گا اس لئے کہ بیع کا معنی متحقق ہو جائے گا اور وہ یہ کہ غیر کے ساتھ اس تعلق کو باقی رکھتے ہوئے زمین کا مالک بننا۔

تشریح: بیع میں بائع نے یوں کہا، حقوق کے ساتھ اس زمین کو بیچتا ہوں، تو حقوق میں راستہ اور نالی شامل ہوتا ہے اس لئے بائع کی زمین میں راستہ اور نالی رہتے ہوئے بیع درست رہے گی۔

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ بیع میں الگ کرنے اور تمیز اور افراز کا معنی نہیں ہے، بلکہ مالک بننا مقصود ہے اس لئے حقوق کا لفظ بولا تو بائع کی زمین میں راستہ اور نالی رہتے ہوئے زمین کا مالک بن جائے گا، اس لئے بیع نہیں ٹوٹے گی۔

ترجمہ :۵؎ اور دوسری صورت میں [یعنی جبکہ اپنی زمین میں راستہ اور نالی نکالنا ناممکن ہو اور تقسیم کرتے وقت حقوق کا ذکر کیا ہو] تو تقسیم میں راستہ داخل ہو جائے گا، اس لئے کہ تقسیم منفعت کو مکمل کرنے کے لئے ہے، اور یہ نفع راستہ اور نالی سے مکمل ہوگا اس لئے حقوق کی تصریح کے وقت راستہ داخل ہو جائے، جیسے اجارہ میں حقوق کی تصریح کے وقت راستہ داخل ہو جاتا ہے۔ اور تقسیم میں الگ کرنے کا معنی ہے، اور یہ تعلق کو الگ کرنے سے ہوگا، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، اس لئے افراز کے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے بغیر صراحت کئے ہوئے راستہ داخل نہیں ہوگا۔

التَّعَلُّقِ عَلَی مَا ذَکَرْنَا، فَبِاعْتِبَارِہِ لَا یَدْخُلُ مِنْ غَیْرِ تَنْصِیصٍ،٦ بِخِلَافِ الْاِجَارَۃِ حَیْثُ یَدْخُلُ فِیھَا بِدُونِ التَّنْصِیصِ، لِأَنَّ کُلَّ الْمَقْصُودِ الِانْتِفَاعُ، وَذَلِکَ لَا یَحْصُلُ إِلَّا بِإِدْخَالِ الشُّرْبِ وَالطَّرِیقِ فَیَدْخُلُ مِنْ غَیْرِ ذِکْرٍ. (۱۱۴) وَلَوْ اخْتَلَفُوا فِي رَفْعِ الطَّرِیقِ بَیْنَھُمْ فِي الْقِسْمَۃِ، إِنْ کَانَ یَسْتَقِیمُ لِکُلِّ وَاحِدٍ طَرِیقٌ یَفْتَحُہُ فِي نَصِیبِہِ قَسَمَ الْحَاکِمُ مِنْ غَیْرِ طَرِیقٍ یُرْفَعُ لِجَمَاعَتِھِمْ(لِتَحَقُّقِ الْإِفْرَازِ بِالْکُلِّیَّۃِ دُونَہُ.) وَإِنْ کَانَ لَا یَسْتَقِیمُ ذَلِکَ رَفَعَ طَرِیقًا بَیْنَ جَمَاعَتِھِمْ ١ لِیَتَحَقَّقَ تَکْمِیلُ الْمَنْفَعَۃِ فِیمَا وَرَاءَ الطَّرِیقِ.

تشریح : یہاں عبارت پیچیدہ ہے۔کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اپنی زمین میں راستہ نکالنا ناممکن ہواور تقسیم کرتے وقت حقوق کا ذکر کیا ہو,اور یوں کہا ہو,,اس زمین کو حقوق کے ساتھ تقسیم کرتا ہوں،اور اپنی زمین میں راستہ نکالنا ناممکن ہوتو اس صورت میں دوسرے کی زمین میں راستہ ملے گا اور تقسیم نہیں ٹوٹے گی۔

وجہ:اس کی وجہ یہ ہے کہ تقسیم میں نفع حاصل کرنے کا معنی ہے،اور نفع بغیر راستے کے حاصل نہیں ہوسکتا اس لئے دوسرے کی زمین میں راستہ مل جائے گا۔لیکن اس میں افراز کا معنی بھی، ہے جس کا مطلب ہے کہ دوسرے سے اس کا تعلق نہ رہے اس لئے بغیر حقوق کی صراحت کے دوسرے کی زمین میں راستہ نہیں ملے گا۔

ترجمہ :٦ بخلاف اجارہ کے اس لئے کہ اس میں بغیر حقوق کی صراحت کے راستہ اور نالی داخل ہو جائے گا اس لئے کہ اس میں کل مقصود نفع حاصل کرنا ہے اور یہ نالی اور راستہ داخل کئے بغیر نہیں ہوگا،اس لئے بغیر ذکر کئے بھی راستہ اور نالی داخل ہو جائے گا۔

تشریح : یہاں اجارہ اور تقسیم میں فرق بیان کر رہے ہیں۔اجرت پر لینے میں نہ مالک بننا مقصود ہے،اور نہ افراز اور الگ کرنا مقصود ہے، یہاں صرف فائدہ اٹھانا مقصود ہے،اور یہ بغیر راستے اور نالی کے نہیں ہوگا اس لئے صراحت نہ کرے اور نہ حقوق کا لفظ بولے تب بھی دوسرے کی زمین میں راستہ اور نالی اجرت میں داخل ہوں گے۔

لغت :تنصیص: نص سے مشتق ہے،صراحت کرنا۔

ترجمہ :(۱۱۴)اگر شریکوں میں راستہ چھوڑنے میں اختلاف ہو جائے، پس اگر ہر ایک کی زمین میں راستہ نکل سکتا ہوتو ہر ایک اپنے اپنے حصے میں راستہ نکال لے،اور حاکم مجموعی راستہ چھوڑے بغیر تقسیم کرے۔[تا کہ مکمل علیحدگی متحقق ہو جائے]اور اگر سب کا راستہ نہ نکل سکتا ہوتو پوری جماعت کا مشترکہ راستہ نکالے۔

ترجمہ :١ تا کہ راستہ چھوڑ نفع مکمل کر سکے۔

تشریح :شریکوں میں یہ اختلاف ہو گیا کہ راستہ چھوڑا جائے یا نہیں تو اگر ہر شریک اپنی اپنی زمین میں راستہ نکال سکتا ہے تو

(۱۱۵)وَلَوْ اخْتَلَفُوا فِي مِقْدَارِهِ جُعِلَ عَلَى عَرْضِ بَابِ الدَّارِ وَطُولِهِ (لِأَنَّ الْحَاجَةَ تَنْدَفِعُ بِهِ) وَالطَّرِيقُ عَلَى سِهَامِهِمْ كَمَا كَانَ قَبْلَ الْقِسْمَةِ ا لِأَنَّ الْقِسْمَةَ فِيمَا وَرَاءَ الطَّرِيقِ لَا فِيهِ. (۱۱۶) وَلَوْ شَرَطُوا أَنْ يَكُونَ الطَّرِيقُ بَيْنَهُمَا أَثْلَاثًا جَازَ وَإِنْ كَانَ أَصْلُ الدَّارِ نِصْفَيْنِ ا لِأَنَّ الْقِسْمَةَ عَلَى التَّفَاضُلِ جَائِزَةٌ بِالتَّرَاضِي.

حاکم راستہ نکالے بغیر زمین کو تقسیم کردے، اور ہر آدمی سے کہے کہ اپنی اپنی زمین میں راستہ نکال لو تا کہ کسی قسم کی شرکت باقی نہ رہے اور افراز کا معنی متحقق ہو جائے۔لیکن اگر ہر آدمی اپنی اپنی زمین میں راستہ نہیں نکال سکتا ہو تو، حاکم پہلے ایک مشترکہ راستہ چھوڑے، اور راستے کی زمین کو نکالنے کے بعد باقی زمین کو سب میں تقسیم کردے۔تا کہ راستہ نکالنے کے بعد ہر آدمی اپنے اپنے حصے سے مکمل نفع حاصل کر سکے۔

لغت:رفع الطریق:راستہ نکالنا۔وراء الطریق:راستہ کو چھوڑ کر۔

ترجمہ :(۱۱۵)اور اگر راستے کی مقدار میں اختلاف کرے تو گھر کے دروازے کی چوڑائی برابر کر دیا جائے۔

(اس لئے کہ ضرورت اس سے پوری جاتی ہے۔)اور جس شریک کا جتنا حصہ ہے اسی کے مطابق راستے میں زمین لی جائے گی، جس طرح تقسیم سے پہلے راستے میں حصہ تھا۔

تشریح : اگر شرکاء میں اختلاف ہوا کہ کتنا چوڑا راستہ رکھا جائے اور کسی بات پر اتفاق نہیں ہو رہا ہے تو حویلی کا جو دروازہ ہے جس سے گاڑی حویلی کے اندر جاتی ہے اتنا بڑا راستہ رکھا جائے، کیونکہ اس سے ضرورت پوری ہو جائے گی اور گاڑی اندر چلی جائے گی۔اور جس کا جتنا حصہ ہے اسی اعتبار سے ہر ایک کی زمین لی جائے گی۔

ترجمہ : ا اس لئے کہ تقسیم راستے کو چھوڑ کر ہو گی، راستے میں تقسیم نہیں ہو گی۔

تشریح : زمین میں جس آدمی کا جتنا حصہ ہے اسی کی مناسبت سے راستے میں اس سے اتنی ہی زمین لی جائے گی۔مثلا زید کا زمین میں دو تہائی ہے اور بکر کی ایک تہائی ہے، تو راستے میں زید کی دو تہائی زمین لی جائے گی، اور بکر سے ایک تہائی زمین لی جائے گی۔یہ قاعدہ ہے۔ہاں دونوں اس بات پر راضی ہو جائیں کہ آدھی آدھی زمین لی جائے تو یہ بھی جائز ہے، کیونکہ دونوں کی رضامندی سے یہ بات ہو سکتی ہے۔

ترجمہ : (۱۱۶)اگر شرط لگا لے کہ راستہ دو تہائی اور ایک تہائی ہو تو بھی جائز ہے چاہے اصل گھر آدھا آدھا ہی ہو۔

ترجمہ : ا اس لئے کہ رضامندی کے ساتھ کمی بیشی کر کے راستہ جائز ہے۔

تشریح: مثلا زید اور بکر کے درمیان گھر آدھا آدھا تھا لیکن دونوں اس بات پر راضی ہو گئے کہ راستے میں زید کی دو تہائی زمین جائے گی اور بکر کی ایک تہائی زمین جائے گی تب بھی جائز ہے، کیونکہ دونوں کی رضامندی سے ایسا کرنا جائز ہے، کیونکہ

(۱۱۷)قَالَ وَإِذَا كَانَ سِفْلٌ لا عِلْوَ عَلَيْهِ وَعِلْوٌ لا سِفْلَ لَهُ وَسِفْلٌ لَهُ عِلْوٌ قُوِّمَ كُلُّ وَاحِدٍ عَلَى حِدَتِهِ وَقُسِمَ بِالْقِيمَةِ وَلا مُعْتَبَرَ بِغَيْرِ ذَلِكَ ۱ قَالَ – رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ:– هَذَا عِنْدَ مُحَمَّدٍ –

نہیں دونوں کی زمین ہے۔

ترجمہ : (۱۱۷)اور اگر نچلا مکان ہوجس کا بالا خانہ نہ ہو،اور بالا خانہ ہوجس کا نچلا مکان نہ ہو۔اور نچلا مکان ہوجس کا بالا خانہ بھی ہوتو ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ قیمت لگائے اور تقسیم کرے قیمت کے ذریعہ،اور اعتبار نہیں ہوگا اس کے علاوہ کا۔

ترجمہ : ۱ یہ امام محمدؒ کے نزدیک ہے

تشریح : یہاں تین طرح کے مکانات ہیں۔[۱] صرف نچلا مکان ہے،اور اس پر بالا خانہ نہیں ہے۔[۲] دوسرا صرف بالا خانہ ہے،اس میں نچلا مکان نہیں ہے،نچلا مکان کسی اور کی ملکیت ہے۔[۳] تیسرا مکان ہے جس میں نچلا مکان بھی ہے اور اس پر بالا خانہ بھی ہے۔امام محمدؒ کے نزدیک سب مکانوں کی قیمت الگ الگ لگائی جائے گی اور قیمت میں برابر کر کے تقسیم کر دیا جائے گا۔

اس کے لئے اس تصویر کو دیکھیں

اوپر کا کمرہ نہیں ہے×		اوپر کا کمرہ ہے		اوپر کا کمرہ بھی ہے
نچلا کمرہ ہے		نچلا کمرہ کسی اور کا ہے×		نیچے کا کمرہ بھی ہے

وجہ :(۱) بالا خانے کی قیمت نچلے مکان سے کم ہوتی ہے۔کیونکہ نیچے کے مکان میں اصطبل بنا سکتے ہیں،دوکان بنا سکتے ہیں،بغیر سیڑھی کے کمرے میں جا سکتے ہیں۔اور اگر دیوار گر جائے تو پھر بھی زمین باقی رہتی ہے۔جبکہ بالا خانے میں اصطبل نہیں بنا سکتے،دوکان بنانا بھی مشکل ہے،بغیر سیڑھی کے کمرے میں نہیں جا سکتے۔اور اگر دیوار گر جائے تو بالا خانے کی زمین بھی ہاتھ نہیں آئے گی۔اس لئے بالا خانے کی قیمت کم ہے اور نچلے مکان کی قیمت زیادہ ہے۔بغیر حصہ داروں کی رضامندی کے ایک کو بالا خانہ دے دینا اور دوسرے کو اتنا ہی لمبا چوڑا نچلا مکان دے دینا درست نہیں ہے۔بلکہ ہر ایک کی قیمت علیحدہ علیحدہ لگائیں اور اس سے توافق کریں۔(۲) ایسے موقع پر قیمت لگانے کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال من اعتق شقیصا من مملوکه فعلیه خلاصه فی ماله فان لم یکن له مال قوم المملوک قیمة عدل ثم استسعی غیر مشقوق علیه** (بخاری شریف،باب تقویم الاشیاء بین الشرکاء بقیمة عدل،ص۴۰۳،نمبر۲۴۹۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیمت لگا کر بھی فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

اصول:امام محمدؒ کمروں کی باطنی خوبیوں کا اعتبار کرتے ہیں،اس لئے وہ قیمت لگا کر تقسیم کرنے کے قائل ہیں۔

رَحِمَهُ اللَّهُ -: ۲؎ وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ وَأَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ: يُقْسَمُ بِالذَّرْعِ؛ ۳؎ لِمُحَمَّدٍ أَنَّ السِّفْلَ يَصْلُحُ لِمَا لَا يَصْلُحُ لَهُ الْعِلْوُ مِنْ اتِّخَاذِهِ بِئْرَ مَاءٍ أَوْ سِرْدَابًا أَوْ اصْطَبْلًا أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ فَلَا يَتَحَقَّقُ التَّعْدِيلُ إلَّا بِالْقِيمَةِ، ۴؎ وَهُمَا يَقُولَانِ: انَّ الْقِسْمَةَ بِالذَّرْعِ هِيَ الْأَصْلُ، لِأَنَّ الشَّرِكَةَ فِي الْمَذْرُوعِ لَا فِي الْقِيمَةِ فَيُصَارُ إلَيْهِ مَا أَمْكَنَ، وَالْمُرَاعَى التَّسْوِيَةُ فِي السُّكْنَى لَا

لغت: سفل : نیچے کا مکان، علو : دوسری منزل کا مکان، بالا خانہ۔

ترجمہ : ۲؎ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ ہاتھ سے تقسیم کی جائے گی۔

تشریح: شیخینؒ فرماتے ہیں کہ قیمت کو درمیان میں نہ لائی جائے، بلکہ تمام مکانوں کو ہاتھ سے ناپ کر تقسیم کیا جائے۔ کیونکہ کمروں میں شرکت ہے، قیمت میں شرکت نہیں ہے، اس لئے قیمت کے ذریعہ تقسیم نہ کیا جائے، لیکن آج کل فتوی امام محمدؒ کے قول پر ہے کہ قیمت سے تقسیم کی جائے گی۔

ترجمہ :۳؎ امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ نچلا کمرہ ایسی چیز کی صلاحیت رکھتا ہے جو اوپر کا کمرہ نہیں رکھتا، مثلا پانی کا کنواں بنا سکتا ہے، تہ خانہ بنا سکتا ہے، اصطبل بنا سکتا ہے، اور اس کے علاوہ بنا سکتا ہے اس لئے قیمت کے بغیر برابری متحقق نہیں ہوگی۔

تشریح: واضح ہے۔

لغت :بیر ماء: پانی کا کنواں۔ سرداب: تہ خانہ۔ اصطبل: گھوڑے کے رہنے کا گوہال۔

ترجمہ :۴؎ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ہاتھ سے تقسیم کرنا اصل ہے اس لئے کہ شرکت ایسی چیز میں ہے جو ہاتھ سے ناپی جاتی ہے، قیمت میں شرکت نہیں ہے اس لئے جہاں تک ہو سکے اسی کی طرف پھیرا جائے [یعنی مذروع چیز ہی سے تقسیم کرے]، اور جو برابری میں رعایت ہے وہ رہنے میں ہے، دوسرے منافع میں برابری ضروری نہیں ہے۔

تشریح : یہ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ [۱] زمین کو ہاتھ سے ناپ کر تقسیم کرنا اصل ہے قیمت سے تقسیم کرنا اصل نہیں ہے، کیونکہ زمین میں شرکت ہے جو مذروع ہے [یعنی ناپی جاتی ہے] اس کی قیمت میں شرکت نہیں ہے۔ [۲] دوسری دلیل یہ ہے کہ نیچے والے مکان اور اوپر والے مکان دونوں میں قیام کر سکتا ہے، اس لئے صرف قیام اور رہائش کی رعایت کی جائے گی، باقی رہی کنواں کھودنے اور اصطبل وغیرہ بنانے کی سہولتیں، تو اس کی رعایت نہیں کی جائے گی۔

لغت :مذروع: ذرع سے مشتق ہے، جس چیز کو ناپی جاتی ہو۔ المرعی التسویة فی السکنی: سکنی؛ یعنی رہنے اور قیام کرنے میں برابری کی رعایت کی جائے گی۔ مرافق: سہولتیں، نیچے کی زمین میں کنواں کھودنے اور اصطبل بنانے کی جو سہولتیں ہیں اس میں برابری کی رعایت نہیں کی جائے گی۔

ترجمہ : ۵؎ پھر ہاتھ سے ناپ کر تقسیم کرنے کی کیفیت میں دونوں اماموں نے اختلاف کیا، پس ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ

فِي الْمَرَافِقِ، ۵ ثُمَّ اخْتَلَفَا فِيمَا بَيْنَهُمَا فِي كَيْفِيَّةِ الْقِسْمَةِ بِالذَّرْعِ، فَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ – رَحِمَهُ اللَّهُ –: ذِرَاعٌ مِنْ سِفْلٍ بِذِرَاعَيْنِ مِنْ عِلْوٍ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ – رَحِمَهُ اللَّهُ –: ذِرَاعٌ بِذِرَاعٍ، ٦ قِيلَ أَجَابَ كُلٌّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ عَلَى عَادَةِ أَهْلِ عَصْرِهِ أَوْ أَهْلِ بَلَدِهِ فِي تَفْضِيلِ السِفْلِ عَلَى الْعِلْوِ وَاسْتِوَائِهِمَا وَتَفْضِيلِ السِفْلِ مَرَّةً وَالْعِلْوِ أُخْرَى. وَقِيلَ هُوَ اخْتِلَافُ مَعْنًى، ۷ وَوَجْهُ قَوْلِ أَبِي

نیچے کا ایک ہاتھ اوپر کے دو ہاتھ کے برابر ہے، اور ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ نیچے اور اوپر دونوں برابر درجے کے ہیں۔

تشریح: تقسیم تو کیا جائے گا ہاتھ سے ہی لیکن ہاتھ سے ناپنے میں شیخین میں اختلاف ہو گیا۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ نیچے میں سہولت زیادہ ہے اس لئے نیچے کا ایک ہاتھ برابر ہوگا اوپر کے دو ہاتھ کے، مثلا نیچے میں دس ہاتھ دیا تو جسکو اوپر کے کمرے میں حصہ دیں گے اس کو بیس ہاتھ کا کمرہ دینا ہوگا، تب برابری سمجھی جائے گی۔ یعنی نیچے کا حصہ اوپر کا دو گنا سمجھا جائے گا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اوپر اور نیچے دونوں برابر شمار کئے جائیں گے، یعنی اگر کسی کو نیچے کا دس ہاتھ کا کمرہ دیا تو دوسرے کو اوپر دس ہی ہاتھ کا کمرہ دیا جائے گا اسی سے حصے میں برابری سمجھی جائے گی، اس کو دوگنا دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: ٦ بعض حضرات نے فرمایا کہ ہر امام نے اپنے زمانے کی عادت پر فیصلہ کیا ہے۔ یا اپنے ملک کی عادت پر فیصلہ کیا ہے کہ نیچے کو اوپر سے افضل قرار دیا، یا قرار نہیں دیا، یا کبھی نچلی منزل کو افضل قرار دیا اور کبھی اوپر کی منزل کو۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ معنوی اختلاف ہے

تشریح: بعض حضرات نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہر امام نے اپنے شہر کی عادت کے مطابق حکم نافذ کیا ہے، مثلا امام ابو حنیفہؒ نے دیکھا کہ اہل کوفہ نچلی منزل کو اوپر کی منزل پر فضیلت دیتے ہیں تو انہوں نے نچلی منزل کو اوپر کی منزل پر فضیلت دی۔ اور امام ابو یوسفؒ نے دیکھا کہ بغداد کے لوگ نچلی منزل اور اوپر کی منزل کو برابر سمجھتے ہیں تو انہوں نے دونوں کو برابر قرار دیا۔ اور امام محمدؒ نے دیکھا کہ موقع کے اعتبار سے کبھی اوپر کی منزل افضل ہے اور کبھی نیچے کی منزل افضل ہے تو انہوں نے کسی کو افضل قرار نہیں دیا بلکہ سب کی قیمت لگا کر حصہ کرنے کے لئے کہا۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ معنوی اختلاف ہے، اور اس معنوی اختلاف کی دلیل آگے دے رہے ہیں۔

لغت: في تفضيل اسفل على العلو: یہ امام ابو حنیفہؒ کے قول کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ انہوں نے نیچے کی منزل کو اوپر کی منزل سے دوگنا قرار دیا ہے۔ استوائهما: یہ امام ابو یوسفؒ کے قول کی طرف اشارہ کیا ہے، کیونکہ انکے یہاں اوپر کی منزل اور نیچے کی منزل برابر ہے۔ تفضيل السفل مرة و العلو اخرى: یہ امام محمدؒ کے قول کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ انکے یہاں کبھی اوپر کو فضیلت ہے اور کبھی نیچے کو اسی لئے قیمت لگا کر حصہ کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۷ امام ابو حنیفہؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ نچلی منزل کا نفع اوپر کی منزل کے نفع سے دوگنا ہے اس لئے کہ اوپر کی

حَنِيفَةَ - رَحِمَهُ اللَّهُ - أَنَّ مَنْفَعَةَ السِفْلِ تَرْبُو عَلَى مَنْفَعَةِ الْعِلْوِ بِضَعْفِهِ لِأَنَّهَا تَبْقَى بَعْدَ فَوَاتِ الْعِلْوِ، وَمَنْفَعَةُ الْعُلُوِّ لَا تَبْقَى بَعْدَ فِنَاءِ السِفْلِ، وَكَذَا السِفْلُ فِيهِ مَنْفَعَةُ الْبِنَاءِ وَالسُّكْنَى، وَفِي الْعِلْوِ السُّكْنَى لَا غَيْرُ إِذْ لَا يُمْكِنُهُ الْبِنَاءُ عَلَى عِلْوِهِ إِلَّا بِرِضَا صَاحِبِ السُّفْلِ، فَيُعْتَبَرُ ذِرَاعَانِ مِنْهُ بِذِرَاعٍ مِنَ السِفْلِ، ۸ وَلِأَبِي يُوسُفَ أَنَّ الْمَقْصُودَ أَصْلُ السُّكْنَى وَهُمَا يَتَسَاوَيَانِ فِيهِ، وَالْمَنْفَعَتَانِ مُتَمَاثِلَتَانِ لِأَنَّ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَنْ يَفْعَلَ مَا لَا يَضُرُّ بِالْآخَرِ عَلَى أَصْلِهِ، ۹ وَلِمُحَمَّدٍ أَنَّ الْمَنْفَعَةَ تَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْحَرِّ وَالْبَرْدِ بِالْإِضَافَةِ إِلَيْهِمَا، فَلَا يُمْكِنُ التَّعْدِيلُ إِلَّا بِالْقِيمَةِ، وَالْفَتْوَى الْيَوْمَ عَلَى قَوْلِ مُحَمَّدٍ - رَحِمَهُ اللَّهُ - وَقَوْلُهُ لَا يَفْتَقِرُ إِلَى التَّفْسِيرِ،

منزل کے گرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے، اور اوپر منزل کا نفع نیچے کی منزل کے ختم ہونے کے بعد باقی نہیں رہتا، اسی طرح نچلے حصے میں مزید عمارت بنا سکتا ہے، قیام بھی کر سکتا ہے، اور اوپر کی منزل میں صرف رہ سکتا ہے، [عمارت نہیں بنا سکتا]، اس لئے کہ نچلی منزل والے کی اجازت کے بغیر اوپر عمارت نہیں بنا سکتا، اس لئے اوپر کے دو ہاتھ نیچے کے ایک ہاتھ کے برابر ہے۔

تشریح : یہ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل ہے کہ۔ اوپر کی منزل گر جانے کے بعد بھی نیچے کی منزل باقی رہتی ہے، جبکہ نیچے کی منزل ختم ہونے کے بعد اوپر کی منزل باقی نہیں رہتی، اسی طرح نیچے کی منزل میں مزید عمارت تعمیر کر سکتا ہے۔ جبکہ اوپر کی منزل پر نیچے والی کی اجازت کے بغیر عمارت تعمیر نہیں کر سکتا، اس لئے اوپر کا دو ہاتھ نیچے کے ایک ہاتھ کے برابر ہے۔

لغت:تربو : زیادہ ہوتا ہے۔علو:اوپر کی منزل۔السفل : نیچے کی منزل۔

ترجمہ :۸ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ اصل مقصود رہنا ہے، اور وہ اوپر اور نیچے میں برابر ہے، اور دونوں منفعت برابر درجے کے ہیں اس لئے کہ ہر ایک پر لازم ہے کہ ایسا کام کرے جو دوسرے کو نقصان نہ ہو۔

تشریح :امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ اصل منفعت رہائش ہے، اور اس میں اوپر کی منزل اور نیچے کی منزل دونوں برابر ہیں، اور دونوں پر لازم ہے کہ ایسا کام نہ کرے جس سے دوسرے کو نقصان ہو، اور جب دونوں منزل کی منفعت برابر ہیں تو دونوں کو ہاتھ سے برابر برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔

ترجمہ :۹ امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ سردی اور گرمی کی وجہ سے دونوں منزلوں کی منفعت مختلف ہو جاتی ہے، اس لئے قیمت کے بغیر برابری کرنا ممکن نہیں ہے، اور آج کل فتوی امام محمدؒ کے قول پر ہے، ان کے قول کی تفسیر کی ضرورت نہیں ہے۔

تشریح :سردی کے زمانے میں رات میں نیچے کی منزل گرم ہوتی ہے اس لئے اس کی منفعت زیادہ ہے، اور دوپہر کو اوپر کی منزل گرم ہو جاتی ہے اس لئے دوپہر کو اس کی منفعت زیادہ ہے۔ گرمی کے زمانے میں رات میں اوپر کی منزل ٹھنڈی ہوتی ہے اس لئے اس کی منفعت زیادہ ہے، اور دن کو نیچے کی منزل ٹھنڈی ہوتی ہے اس لئے دن کو نیچے کی منزل کی منفعت زیادہ ہے، اس

١٠﴾ وَتَفْسِيرُ قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ – رَحِمَهُ اللَّهُ – فِي مَسْأَلَةِ الْكِتَابِ: أَنْ يُجْعَلَ بِمُقَابَلَةِ مِائَةِ ذِرَاعٍ مِنْ الْعِلْوِ الْمُجَرَّدِ ثَلَاثَةٌ وَثَلَاثُونَ وَثُلُثُ ذِرَاعٍ مِنْ الْبَيْتِ الْكَامِلِ لِأَنَّ الْعِلْوَ مِثْلُ نِصْفِ السُّفْلِ فَثَلَاثَةٌ وَثَلَاثُونَ وَثُلُثٌ مِنْ السُّفْلِ سِتَّةٌ وَسِتُّونَ وَثُلُثَانِ مِنْ الْعُلُوِّ الْمُجَرَّدِ وَمَعَهُ ثَلَاثَةٌ وَثَلَاثُونَ وَثُلُثُ ذِرَاعٍ مِنْ الْعُلُوِّ، فَبَلَغَتْ مِائَةَ ذِرَاعٍ تُسَاوِي مِائَةً مِنْ الْعِلْوِ الْمُجَرَّدِ، ١١﴾ وَيُجْعَلُ بِمُقَابَلَةِ مِائَةِ ذِرَاعٍ مِنْ السُّفْلِ الْمُجَرَّدِ مِنْ الْبَيْتِ الْكَامِلِ سِتَّةٌ وَسِتُّونَ وَثُلُثَا ذِرَاعٍ، لِأَنَّ عِلْوَهُ مِثْلُ نِصْفِ سُفْلِهِ فَبَلَغَتْ مِائَةَ ذِرَاعٍ كَمَا ذَكَرْنَا، وَالسُّفْلُ الْمُجَرَّدُ سِتَّةٌ وَسِتُّونَ وَثُلُثَانِ لِأَنَّهُ ضِعْفُ

طرح موسم کی تبدیلی کی وجہ سے ہر منزل کا فائدہ الگ الگ ہے، اس لئے کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دی جا سکتی اس لئے ہر منزل کو قیمت لگا کر حصہ کریں۔ ان کا قول آسان ہے اس لئے اس کے قول کی تفسیر کی ضرورت نہیں ہے۔

لغت :بالاضافة الیھما :دونوں منزلوں کی طرف نسبت کرتے ہوئے، یعنی سردی اور گرمی دونوں موسم میں دونوں منزلوں کی طرف نسبت کرتے ہوئے الگ الگ نفع ہے۔ **یفتقر**: فقر سے مشتق ہے محتاج ہونا۔

ترجمہ :١٠﴾ کتاب کے متن میں امام ابو حنیفہؒ کے قول کی تفسیر یہ ہے کہ، صرف اوپر کی منزل کا سو ہاتھ، بیت کامل کے تینتیس ہاتھ اور تہائی ہاتھ کے برابر ہوگا۔ اس لئے کہ اوپر کی منزل نچلی منزل کی آدھی ہوتی ہے، اس لئے نیچے کی تینتیس اور تہائی ہاتھ اوپر کی چھیاسٹھ ہاتھ اور دو تہائی ہوئی، اور اس کے ساتھ تینتیس اور ایک تہائی ہاتھ اور ہے تو ایک سو ہاتھ ہو گیا، جو خالص اوپر کے ایک سو ہاتھ کے برابر ہو گیا۔

تشریح : یہاں حساب غور سے دیکھیں۔ اوپر اور نیچے کی منزل کو ملا کر ایک بیت کامل ہوا، اس کی لمبائی چوڑائی تینتیس ہاتھ اور تہائی ہاتھ ہوا [33.33 ہاتھ ہوا] یہ گھر اس گھر کے برابر ہے جس میں صرف اوپر کی منزل کا ایک سو ہاتھ ہے۔

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ نیچے کی 33.33 ہاتھ اوپر کے 66.66 ہاتھ کے برابر ہو جائے گا، اور اس کے ساتھ اوپر کا بھی 33.33 ہاتھ موجود ہے تو مجموعہ 100 ہاتھ ہو گیا۔

لغت :بیت کامل: اوپر کی منزل ہو اور نیچے کے بھی منزل ہو اس کو بیت کامل کہتے ہیں۔ علو مجرد: صرف اوپر کی منزل ہو تو اس کو علو مجرد، کہتے ہیں۔ سفل مجرد: صرف نیچے کی منزل ہو تو اس کو سفل مجرد، کہتے ہیں۔

ترجمہ :١١﴾ صرف نیچے کا ایک سو ہاتھ 100 ہو تو وہ 66.66 ہاتھ بیت کامل کے برابر ہے۔ اس لئے کہ اوپر کا حصہ نیچے کا آدھا ہے اس لئے سو ہاتھ ہو گئے۔

تشریح : یہ دوسری مثال ہے۔ یہاں حساب پیچیدہ ہے غور سے دیکھیں۔ بیت کامل 66.66 ہاتھ ہے اس لئے نیچے کا حصہ 66.66 ہاتھ رہا، اور اوپر کا 66.66 ہاتھ تھا وہ آدھا شمار کیا جائے گا اس لئے وہ 33.33 ہاتھ باقی رہ گیا اس لئے مجموعہ

الْعِلْوِ فَيُجْعَلَ بِمُقَابَلَةِ مِثْلِهِ، ۱۲؎ وَتَفْسِيرُ قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ: أَنْ يُجْعَلَ بِإِزَاءِ خَمْسِينَ ذِرَاعًا مِنْ الْبَيْتِ الْكَامِلِ مِائَةُ ذِرَاعٍ مِنْ السِفْلِ الْمُجَرَّدِ، وَمِائَةُ ذِرَاعٍ مِنْ الْعِلْوِ الْمُجَرَّدِ، لِأَنَّ السُّفْلَ وَالْعِلْوَ عِنْدَهُ سَوَاءٌ، فَخَمْسُونَ ذِرَاعًا مِنْ الْبَيْتِ الْكَامِلِ بِمَنْزِلَةِ مِائَةِ ذِرَاعٍ خَمْسُونَ مِنْهَا سُفْلٌ وَخَمْسُونَ مِنْهَا عِلْوٌ. (۱۱۸)قَالَ: وَإِذَا اخْتَلَفَ الْمُتَقَاسِمُونَ وَشَهِدَ الْقَاسِمَانِ قُبِلَتْ

---

100 ہاتھ ہوگیا، اس لئے یہ گھر اس گھر کے برابر ہوگیا جس میں صرف نیچے کے 100 ہاتھ لمبائی چوڑائی ہے۔

ترجمہ :۱۲؎ اور امام ابو یوسفؒ کے قول کی تفسیر یہ ہے کہ بیت کامل پچاس 50 ہاتھ ہو وہ اس گھر کے برابر ہے جس میں صرف نیچے سو 100 ہاتھ ہے۔ یا صرف اوپر 100 ہاتھ ہو۔ اس لئے کہ سفل اور علو انکے نزدیک برابر ہیں اس لئے بیت کامل کا 50 ہاتھ 100 ہاتھ کے درجے میں ہے، کیونکہ 50 ہاتھ نیچے ہوگا، اور 50 ہاتھ نیچے ہو جائے گا۔ مجموعہ 100 ہاتھ ہو جائے گا۔

تشریح :امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اوپر اور نیچے دونوں منزلوں کا درجہ برابر ہے اس لئے بیت کامل پچاس ہاتھ ہے تو نیچے کی منزل کا 50 ہاتھ ہوا اور اوپر کی منزل کا 50 ہاتھ ہوا اس طرح مجموعہ 100 ہاتھ ہوگیا۔ اس لئے یہ گھر اس گھر کے برابر ہوگا جو صرف نیچے کی منزل میں 100 ہاتھ ہے۔

اسی طرح اگر صرف اوپر کی منزل میں 100 ہاتھ ہے تو وہ برابر ہوگا اس گھر کے جو بیت کامل ہے اور نیچے 50 ہاتھ ہے اور اوپر بھی 50 ہاتھ ہے، اس لئے کہ اس کا مجموعہ 100 ہاتھ ہوگیا۔

ترجمہ :(۱۱۸) اگر اختلاف کیا تقسیم کرانے والوں نے، پس گواہی دی تقسیم کرنے والوں نے تو دونوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔

تشریح :جن لوگوں نے تقسیم کروایا تھا انہوں نے اختلاف کیا کہ ہم نے اپنے حصوں پر قبضہ نہیں کیا ہے، مجھے اور بھی حصہ ملنا چاہئے۔ اور تقسیم کرنے والے دو قاسم نے گواہی دی کہ ان لوگوں نے اپنے اپنے حصوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ تو تقسیم کرنے والوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔

وجہ : یہاں دو نکتے ہیں اس لئے دونوں کی طرف توجہ دینا ضروری ہے۔ ایک نکتہ یہ ہے کہ تقسیم کرنے والے گواہی دے کر دبے زبان اپنا مطلب بھی نکال رہے ہیں کہ ہم نے تقسیم کا کام کیا ہے اس لئے ہم لوگ اجرت کے مستحق ہیں، اور داد کے مستحق ہیں۔ اس اعتبار سے یہ لوگ اپنے لئے گواہی دے رہے ہیں۔ اور اپنے لئے گواہی مقبول نہیں اس لئے قاسم کی گواہی مقبول نہیں ہونی چاہئے۔ اور دوسرا نکتہ یہ ہے کہ تقسیم کرانے والوں کے خلاف گواہی دے رہے ہیں کہ ان لوگوں نے واقعی اپنے اپنے حصوں پر قبضہ کیا ہے اس اعتبار سے دوسرے کے خلاف گواہی ہوئی، اس لئے ان کی گواہی قبول کی جائے۔ کیونکہ اپنے لئے

شَهَادَتُهُمَا ۱؎ قَالَ – رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ:– هَذَا الَّذِی ذَكَرَهُ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ: لا تُقْبَلُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ أَوَّلًا، وَبِهِ قَالَ الشَّافِعِيُّ. ۲؎ وَذَكَرَ الْخَصَّافُ قَوْلَ مُحَمَّدٍ مَعَ قَوْلِهِمَا ۳؎ وَقَاسِمَا الْقَاضِیَ وَغَيْرُهُمَا سَوَاءٌ، ۴؎ لِمُحَمَّدٍ أَنَّهُمَا شَهِدَا عَلَى فِعْلِ أَنْفُسِهِمَا فَلَا تُقْبَلُ، كَمَنْ عَلَّقَ عِتْقَ عَبْدِهِ بِفِعْلِ غَيْرِهِ فَشَهِدَ ذَلِكَ الْغَيْرُ عَلَى فِعْلِهِ،

گواہی نہیں دی۔اور یہی نکتہ راجح ہے اس لئے ان کی گواہی قبول کی جائے گی، کیونکہ گواہی دینے کا اصل مقصد یہی ہے۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اصل مقصد دوسرے کے خلاف گواہی دینی ہو لیکن پس پردہ اپنے لئے بھی گواہی ہو جائے تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔گواہی قبول کر لی جائے گی۔

ترجمہ :۱؎ مصنف فرماتے ہیں کہ یہ جو متن میں ذکر کیا ہے یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ قاسم کی گواہی قبول کی جائے گی، اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ قاسم کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، اور امام ابو یوسفؒ کا پہلا قول یہی ہے۔اور یہی بات امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔

تشریح :واضح ہے۔

ترجمہ :۲؎ حضرت خصافؒ نے امام محمدؒ کا قول امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

تشریح : حضرت خصافؒ نے ذکر کیا ہے کہ امام محمدؒ کا قول شیخین کے ساتھ ہے، یعنی امام محمدؒ کے یہاں بھی تقسیم کرنے والوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔

ترجمہ :۳؎ اور قاضی کی طرف سے تقسیم کرنے والا ہو یا اپنی جانب سے متعین کیا ہو دونوں برابر ہیں۔،

تشریح : یہ بھی ذکر کیا ہے کہ تقسیم کروانے والوں نے خود سے اجرت پر قاسم بلایا ہو، یا قاضی نے قاسم بھیجا ہو دونوں کا حکم برابر ہے، یعنی جنکے یہاں قاسم کی گواہی قبول کی جائے گی ،انکے یہاں چاہے اجرت پر قاسم لایا ہو یا قاضی کی جانب سے قاسم بھیجا ہو دونوں کی گواہی قبول کی جائیگی، اور جنکے یہاں قبول نہیں کی جائے گی، انکے یہاں دونوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی

ترجمہ :۴؎ امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ قاسم نے اپنی ذات کے فعل پر گواہی دی اس لئے اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی ، جیسے کسی نے اپنے غلام کی آزادگی کو کسی غیر کے فعل پر معلق کیا ہو اور اس غیر نے اپنے فعل کرنے پر گواہی دی [تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جاتی ہے، اسی طرح یہاں بھی قبول نہیں کی جائے گی]

تشریح :امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ ان قاسم نے اپنے تقسیم کرنے پر گواہی دی ہے، اور جو آدمی اپنے فعل پر گواہی دے اس کی گواہی قبول نہیں کی جاتی ہے اس لئے اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔اس کی ایک مثال دی ہے، مثلا زید نے کہا کہ اگر بکر چار پارہ قرآن تلاوت کرے تو میرا غلام آزاد ہے، پھر بکر نے گواہی دی کی میں نے چار پارہ قرآن تلاوت کی ہے، تا کہ

۵؎ وَلَهُـمَا: أَنَّهُمَا شَهِدَا عَلَى فِعْلِ غَيْرِهِمَا وَهُوَ الِاسْتِيفَاءُ وَالْقَبْضُ لَا عَلَى فِعْلِ أَنْفُسِهِمَا، لِأَنَّ فِعْلَهُمَا التَّمْيِيزُ وَلَا حَاجَةَ إِلَى الشَّهَادَةِ عَلَيْهِ، ٦؎ أَوْ لِأَنَّهُ لَا يَصْلُحُ مَشْهُودًا بِهِ لِمَا أَنَّهُ غَيْرُ لَازِمٍ، وَإِنَّـمَا يَلْزَمُهُ بِالْقَبْضِ وَالِاسْتِيفَاءِ وَهُوَ فِعْلُ الْغَيْرِ فَتُقْبَلُ الشَّهَادَةُ عَلَيْهِ ٧؎ وَقَالَ الطَّحَاوِيُّ: إِذَا

غلام آزاد ہو جائے ، بکر کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی ، کیونکہ بکر اپنے فعل پر گواہی دے رہا ہے اسی طرح ، یہاں تقسیم کرنے والوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی ، کیونکہ اپنے فعل پر گواہی دے رہا ہے۔

ترجمہ :۵؎ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ دوسرے کے فعل پر گواہی دی ہے، اور وہ ہے وصول کرنا اور قبضہ کرنا، اپنی ذات پر گواہی دینا نہیں ہے، اس لئے کہ دونوں قاسموں کا فعل الگ الگ کرنا ہے، اور اس پر گواہی کی ضرورت نہیں ہے۔

تشریح : قاسم نے اپنے لئے گواہی نہیں دی ، بلکہ تقسیم کروانے والے کے خلاف گواہی دی، اس کی دو دلیل دے رہے ہیں [۱] پہلی دلیل یہ ہے کہ قاسم کا کام حصوں کو الگ الگ کرنا ہے اور وہ اس نے کر دیا، اس کا اقرار تو خود تقسیم کروانے والے کر رہے ہیں اس لئے اپنے فعل پر گواہی نہیں ہوئی ، بلکہ تقسیم کروانے والے کے خلاف گواہی دی کہ انہوں نے اپنے اپنے حصوں پر قبضہ کر لیا، اس لئے اس گواہی کو قبول کیا جائے۔

ترجمہ :٦؎ یا اس لئے کہ قاسم کا فعل [الگ الگ کرنا] مشہود بہ نہیں بن سکتا، اس لئے کہ تمییز لازم نہیں ہے، لازم تو قبضہ کرنا اور وصول کرنا ہے اور وہ غیر کا فعل ہے اس لئے اس پر گواہی قبول کی جائے گی۔

تشریح : [۲] یہ دوسری دلیل ہے، فرماتے ہیں، قاعدہ یہ ہے کہ مشہود بہ وہ ہے جو کسی پر لازم ہو جائے ، اور تقسیم کرنا ایسی چیز ہے کہ حصہ وصول کرنے سے پہلے پہلے تک قاسم کو کنسل کر سکتا ہے، اس کی تقسیم کسی فریق پر لازم نہیں ہے، اس لئے وہ مشہود بہ نہیں بن سکتا، اس لئے اس پر گواہی بھی نہیں ہوئی ، اس لئے یہ گواہی تقسیم کروانے والے کے خلاف ہوئی اس لئے اس کو قبول کی جائے گی۔

لغت :استفاء: وصول کرنا۔ مشہود بہ: جس چیز پر گواہی دی ہو۔ **لا یصلح مشھودا بہ لما انہ غیر لازم**: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ قاسم کو جب چاہے انکار کر دے، اس لئے اس کی تقسیم لازم نہیں ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز لازم نہ ہو اس پر گواہی بھی نہیں دی جا سکتی ہے، اس لئے قاسم کی تقسیم کرنے پر گواہی نہیں ہوئی اس لئے لازمی طور پر تقسیم کرنے والے کے وصول کرنے پر گواہی ہوئی اس لئے قبول کر لی جائے گی۔

ترجمہ :۷؎ امام طحاویؒ نے کہا کہ اگر اجرت پر تقسیم کروانے لائے ہیں تو اس کی گواہی بالاجماع قبول نہیں کی جائے گی۔ اور بعض مشائخ اسی کی طرف مائل ہوئے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دونوں اپنا کام پورا کرنے کا دعوی کر رہے ہیں جس پر اجرت

قَسَمَا بِأَجْرٍ لا تُقْبَلُ الشَّهَادَةُ بِالْإِجْمَاعِ، وَإِلَيْهِ مَالَ بَعْضُ الْمَشَايِخِ؛ لِأَنَّهُمَا يَدَّعِيَانِ ايفَاءَ عَمَلٍ اُسْتُؤْجِرَا عَلَيْهِ فَكَانَتْ شَهَادَةً صُورَةً وَدَعْوَى مَعْنًى فَلا تُقْبَلُ ٨ إِلَّا أَنَّا نَقُولُ: هُمَا لَا يَجُرَّانِ بِهَذِهِ الشَّهَادَةِ إِلَى أَنْفُسِهِمَا مَغْنَمًا لِاتِّفَاقِ الْخُصُومِ عَلَى ايفَائِهِمَا الْعَمَلَ الْمُسْتَأْجَرَ عَلَيْهِ وَهُوَ التَّمْيِيزُ، وَإِنَّمَا الِاخْتِلَافُ فِي الِاسْتِيفَاءِ فَانْتَفَتْ التُّهْمَةُ (١١٩) وَلَوْ شَهِدَ قَاسِمٌ وَاحِدٌ لَا تُقْبَلُ ا لِأَنَّ شَهَادَةَ الْفَرْدِ غَيْرُ مَقْبُولَةٍ عَلَى الْغَيْرِ، ٢ وَلَوْ أَمَرَ الْقَاضِي أَمِينَهُ بِدَفْعِ الْمَالِ إِلَى

ملے گی، اس لئے صورت کے اعتبار سے گواہی ہے، اور معنی کے اعتبار سے اپنی اجرت کا دعوی ہے، اس لئے اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

تشریح :امام طحاویؒ نے فرمایا کہ اگر اجرت پر تقسیم کرنے کے لئے بلایا ہے تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

وجه :اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ اس گواہی کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ ہم نے تقسیم کا کام پورا کر دیا ہے اس لئے ہمیں اجرت دو، اس لئے اندورنی طور پر اجرت لینے کا دعوی ہے، اور اپنے لئے گواہی دینا ہے اس لئے یہ گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ اسی طرف کچھ مشائخ مائل ہوئے ہیں۔

لغت :ایفاء عمل استو جر علیه: جس کام کے لئے اجرت پر بلایا گیا ہے اس کام کو پورا کرنے کا دعوی ہے، یعنی تقسیم پورا کرنے کا دعوی ہے۔

ترجمه :٩ مگر ہم کہتے ہیں کہ قاسم یہ گواہی دیکر اپنی ذات کی طرف غنیمت نہیں کھیچ رہے ہیں اس لئے کہ خصوم [تقسیم کروانے والے] کا اتفاق ہے کہ قاسم نے اپنا عمل پورا کر دیا ہے جس پر اجرت پر بلائے گئے تھے، اور وہ حصوں کو الگ الگ کرنا ، اختلاف تو وصول کرنے میں ہے، اس لئے قاسم سے یہ تہمت ختم ہوگئی۔

تشریح : صاحب ہدایہ نے امام طحاوی پر نکیر کی ہے، فرماتے ہیں کہ تقسیم کروانے والے نے پہلے ہی اس بات پر اتفاق کر لیا ہے کہ قاسم نے حصہ کر دیا ہے، اور انکے اتفاق کرنے کی وجہ سے انکو اجرت تو مل ہی جائے گی، اس لئے اس کی گواہی کا مقصد اجرت لینا نہیں ہے، بلکہ تقسیم کروانے والے نے اپنا اپنا حصہ وصول کیا یا نہیں اس پر گواہی دے رہا ہے۔

لغت:مغنما:غنیمت کی چیز، یہاں اجرت لینا مراد ہے۔

ترجمه :(١١٩) اگر ایک قاسم نے گواہی دی تو اس کی گواہی مقبول نہیں ہوگی۔

ترجمه :ا اس لئے کہ ایک آدمی کی گواہی غیر پر مقبول نہیں ہے۔

تشریح :قاسم میں سے ایک نے گواہی دی کہ تقسیم کروانے والے نے اپنا حصہ وصول کیا ہے تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، کیونکہ ایک آدمی کی گواہی قبول نہیں کی جاتی، بلکہ دو آدمی کی گواہی قبول کی جاتی ہے۔

آخَـرَ يُـقْبَـلُ قَـوْلُ الْأَمِينِ فِيْ دَفْعِ الضَّمَانِ عَنْ نَفْسِهِ وَلَا يُقْبَلُ فِيْ الْزَامِ الْآخَرِ إِذَا كَانَ مُنْكِرًا، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ : ؎۲ قاضی نے اپنے امانت رکھنے والے کو دوسرے کو مال دینے کے لئے کہا ،تو آمین کا قول اپنی ذات سے ضمان دفع کرنے کے لئے قبول کیا جائے گا،لیکن کوئی آدمی انکار کرتا ہوتو اس پر لازم کرنے کے لئے اس کی بات قبول نہیں کی جائے گی

تشریح : قاضی نے اپنے امانت رکھنے والے کو مال دینے کے لئے کہا،اب اس نے مال دے دیا،لیکن مال لینے والا آدمی اس کا انکار کرتا ہے،تو یہاں دو باتیں ہیں،ایک یہ کہ اس کی بات مان لی جائے اور امین پر مال کا ضمان لازم نہ ہو،اس بارے میں اس کی بات مان لی جائے گی، کیونکہ یہ امین ہے اور امین پر ضمان لازم نہیں ہوتا ہے۔اور دوسری بات یہ ہے کہ جس کو مال دیا ہے اس پر مال کا ضمان لازم ہو۔اس بارے میں اس کی گواہی ایک ہی گواہی ہے، پھر اپنے بارے میں گواہی دے رہا ہے اس لئے دوسرے کے بارے میں یہ گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔واللہ اعلم بالصواب۔

﴿بَابُ دَعْوَى الْغَلَطِ فِي الْقِسْمَةِ وَالِاسْتِحْقَاقُ فِيهَا﴾

(١٢٠) قَالَ: وَإِذَا ادَّعَى أَحَدُهُمُ الْغَلَطَ وَزَعَمَ أَنَّ مِمَّا أَصَابَهُ شَيْئًا فِي يَدِ صَاحِبِهِ وَقَدْ أَشْهَدَ عَلَى نَفْسِهِ بِالِاسْتِيفَاءِ لَمْ يُصَدَّقْ عَلَى ذَلِكَ إِلَّا بِبَيِّنَةٍ لِ لِأَنَّهُ يَدَّعِي فَسْخَ الْقِسْمَةِ بَعْدَ وُقُوعِهَا فَلَا يُصَدَّقُ إِلَّا بِحُجَّةٍ. (١٢١) فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ بَيِّنَةٌ اسْتَحْلَفَ الشُّرَكَاءَ فَمَنْ نَكَلَ مِنْهُمْ جُمِعَ بَيْنَ نَصِيبِ النَّاكِلِ وَالْمُدَّعِي فَيُقْسَمُ بَيْنَهُمَا عَلَى قَدْرِ أَنْصِبَائِهِمَا لِ لِأَنَّ النُّكُولَ حُجَّةٌ فِي حَقِّهِ

﴿باب دعوی الغلط فی القسمة و الاستحقاق فیها﴾

نوٹ: اس باب میں اس کا بیان ہے کہ شریک دعوی کرتا ہے کہ تقسیم میں غلطی ہوئی ہے تو اس کا کیا کریں گے

ترجمہ: (١٢٠) حصے دار میں سے ایک نے دعوی کیا غلطی کا اور کہے کہ میرا کچھ حصہ دوسرے کے قبضے میں ہے اور اپنی ذات پر گواہی دی وصول کرنے کی تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی مگر بینہ کے ساتھ۔

ترجمہ: لے اس لئے کہ تقسیم کو مان لینے کے بعد اس کو ٹوٹنے کا دعوی کر رہا ہے اس لئے اس کی بات بینہ کے بغیر نہیں مانی جائے گی۔

تشریح: ایک حصے دار دعوی کرتا ہے کہ قاسم نے تقسیم صحیح نہیں کی اور میرا کچھ حصہ فلاں حصے دار کے قبضے میں چلا گیا، ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ اپنا حصہ وصول کر لیا۔ تو یہاں اس کے باتوں میں تضاد ہے اس لئے تقسیم کرنے کی خامی پر گواہی دلوائے تب اس کی بات مانی جائے گی۔

وجہ: جب یہ کہہ رہا ہے کہ میں نے اپنا حصہ وصول کر لیا تو اس کا مطلب یہ نکلا کہ وصول کرتے وقت سمجھتا تھا کہ قاسم نے صحیح تقسیم کی ہے تب ہی تو حصہ وصول کرتے وقت کچھ نہیں بولا اور تقسیم کے صحیح ہونے کو تسلیم کر لیا۔ اب بعد میں کہتا ہے کہ تقسیم صحیح نہیں ہوئی اور میرا کچھ حصہ دوسرے کے ہاتھ میں چلا گیا تو اس کی باتوں میں تضاد ہے اس لئے تقسیم صحیح نہ ہونے پر دو گواہ پیش کرے گا تب اس کی بات مانی جائے گی اور تقسیم توڑ کر دوبارہ تقسیم کی جائے گی۔ ہاں! حصہ وصول کرنے سے پہلے کہتا کہ یہ تقسیم صحیح نہیں ہوئی تو بغیر بینہ کے بھی اس کی بات مان لی جاتی۔

اصول: مدعی کی بات میں تضاد ہو تو بینہ کے بغیر بات نہیں مانی جاےء گی۔

لغت: استیفاء: وفی سے مشتق ہے، وصول کرنا۔ بعد وقوعھا: اس کا مطلب یہ ہے کہ تقسیم کے ہو جانے کے بعد اور اس کو مان لینے کے بعد اس کو فاسد ہونے کا دعوی کر رہا ہے۔

ترجمہ: (١٢١) اگر گواہ قائم نہیں کیا تو شریکوں سے قسم لی جائے گی، پھر جو ان میں سے قسم کھانے سے انکار کر جائے اس کے حصے کو اور دعوی کرنے والے کے حصے کو جمع کیا جائے گا، اور انکے حصے کے برابر تقسیم کی جائے گی۔

خَاصَّةً فَيُعَامَلَانِ عَلَى زَعْمِهِمَا ۲؎ قَالَ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ -: يَنْبَغِي أَنْ لَا تُقْبَلَ دَعْوَاهُ أَصْلًا لِتَنَاقُضِهِ، وَإِلَيْهِ أَشَارَ مِنْ بَعْد (۱۲۲)وَإِنْ قَالَ قَدْ اسْتَوْفَيْتُ حَقِّي وَأَخَذْتُ بَعْضَهُ فَالْقَوْلُ قَوْلُ

ترجمه :۱؎ اس لئے کہ قسم کھانے سے انکار کرنا خاص اس کے حق میں ہے حجت ہے،اس لئے انکے گمان کے مطابق معاملہ کیا جائے گا۔

تشریح : جس نے یہ دعوی کیا تھا کہ حصہ صحیح نہیں کیا اس سے گواہ لانے کے لئے کہا جائے گا،لیکن اگر وہ گواہ نہیں لا سکے تو شریکوں سے کہا جائے گا کہ تم سب قسم کھاؤ، اب جس نے قسم کھا لیا کہ حصہ صحیح ہوا ہے،اس کے بارے میں یہ سمجھا جائے گا کہ حصہ صحیح ہوا ہے،لیکن جس نے قسم کھانے سے انکار کر دیا،تو اس کے بارے میں سمجھا جائے گا کہ حصہ صحیح نہیں ہوا ہے،اس لئے جس نے دعوی کیا کہ حصہ غلط ہوا ہے اور جس نے قسم کھانے سے انکار کیا دونوں کے حصوں کو ملایا جائے گا،اور صحیح حصوں کے مطابق دوبارہ حصہ کیا جائے گا،تا کہ حصہ بالکل صحیح ہو جائے۔

لغت :قدر انصبائهما :جس شریک کا جتنا حصہ ہے اسی کے مطابق دوبارہ حصہ کیا جائے گا۔النکول:قسم کھانے سے انکار کرنا۔یعاملان علی زعمهما :ان دونوں کے گمان کے مطابق معاملہ کیا جائے گا،یعنی ان دونوں کے گمان میں ہے کہ حصہ صحیح نہیں ہوا ہے اس لئے دوبارہ حصہ کیا جائے گا،تا کہ اس کے گمان کے مطابق دوبارہ حصہ صحیح ہو جائے۔

ترجمه :۲؎ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ مدعی کا دعوی ہی قبول نہ کرے،اس لئے کہ اس کی بات میں تضاد ہے،اور آگے والے متن میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے،کہ مدعی کی بات نہیں مانی گئی۔

تشریح : جب حصہ وصول کر لیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تقسیم صحیح ہے،پھر یہ کہنا کہ تقسیم صحیح نہیں ہوئی ہے بات میں تضاد ہے اس لئے اس کے دعوی کو نہیں ماننا چاہئے۔

ترجمه :(۱۲۲)اور اگر کہے کہ میں نے اپنا حق لے لیا ہے،پھر کہے کہ میں نے اس کا کچھ حصہ لیا ہے تو مد مقابل کے قول کا اعتبار ہوگا اس کی قسم کے ساتھ۔

تشریح : یہاں بھی مدعی کے قول میں تضاد ہے۔پہلے کہتا ہے کہ اپنا حق لے لیا تو اس کا مطلب یہی تھا کہ پورا حق لے لیا۔اور پورا حق لینے کا اقرار کر لے پھر بعد میں کہے کہ بعض حق لیا ہے تو یہ تضاد ہے اس لئے بعض ہی لینے پر بینہ قائم کرنا چاہئے۔اور اس کے پاس صرف بعض ہی لینے پر بینہ قائم نہیں ہے اس لئے مدعی علیہ کی بات قسم کے ساتھ مان لی جائے گی۔

وجہ(۱) حدیث گزر چکی ہے کہ مدعی کے پاس بینہ نہ ہو تو مدعی علیہ کی بات قسم کے ساتھ مان لی جائے گی،حدیث یہ ہے۔ کتب ابن عباس الیّ ان النبی ﷺ قضی بالیمین علی المدعی علیه (بخاری شریف،باب الیمین علی المدعی علیہ فی الاموال والحدود ،ص ۴۳۵،نمبر ۲۶۶۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو مدعی علیہ پر قسم ہے۔(۲) دوسری حدیث میں ہے۔ فجعل مروان یعجب منه ، و قال النبی ﷺ شاهداک او یمینه ۔(بخاری

خَصْمِهِ مَعَ يَمِينِهِا لِأَنَّهُ يَدَّعِي عَلَيْهِ الْغَصْبَ وَهُوَ مُنْكِرٌ (۱۲۳) وَإِنْ قَالَ أَصَابَنِي إِلَى مَوْضِعِ كَذَا فَلَمْ يُسَلِّمْهُ إِلَيَّ وَلَمْ يَشْهَدْ عَلَى نَفْسِهِ بِالِاسْتِيفَاءِ وَكَذَّبَهُ شَرِيكُهُ تَحَالَفَا وَفُسِخَتْ الْقِسْمَةُا لِأَنَّ الِاخْتِلَافَ فِي مِقْدَارِ مَا حَصَلَ لَهُ بِالْقِسْمَةِ ۲ فَصَارَ نَظِيرَ الِاخْتِلَافِ فِي مِقْدَارِ

شریف، باب یحلف المدعی علیہ حیث ما وجبت علیہ الیمین ،ص ۴۳۵ ،نمبر ۲۶۷۳)اس حدیث میں ہے کہ مدعی گواہ پیش کرے اور گواہ پیش نہ کر سکے تو مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی۔

لغت :فالقول قول خصمه مع یمینه : کا مطلب یہ ہے کہ مدعی کے پاس گواہ نہیں ہے تب مدعی علیہ کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔

ترجمہ :۱ اس لئے کہ مدعی مدعی علیہ پر غصب کا دعوی کر رہا ہے اور مدعی علیہ اس کا انکار کر رہا[اور مدعی کے پاس گواہ نہیں ہے اس لئے منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔

تشریح : دعوی کرنے والا جب یہ کہہ رہا ہے کہ میں نے بعض حق لیا تو گویا کہ یہ کہہ رہا ہے کہ میرا بعض حق دوسرے نے غصب کیا ہے اور اس پر گواہ نہیں ہے اس لئے اب منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔

ترجمہ :(۱۲۳)اور اگر کہا کہ مجھ کو فلاں جگہ تک ملنی چاہئے اور اس نے مجھ کو وہاں تک نہیں دیا اور اپنی ذات پر وصول کرنے کی گواہی نہیں دی۔ اور اس کے شریک نے جھٹلایا تو دونوں قسم کھائیں گے تو تقسیم توڑ دی جائے گی۔

ترجمہ :۱ اس لئے کہ تقسیم سے جو مقدار حاصل ہوئی ہے اسی میں اختلاف ہو گیا۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مدعی کی بات میں تضاد نہ ہو اور کسی حرکت سے تقسیم کو تسلیم نہ کیا ہو تو تقسیم توڑی جا سکتی ہے

تشریح :شریک میں سے ایک آدمی کہتا ہے کہ میرا حصہ فلاں جگہ تک ہونا چاہئے ،لیکن وہاں تک نہیں دیا، اور اپنے اس ناقص حصے کو وصول کرنے کا اقرار نہیں کیا، اور دوسرے شریک نے اس کی تکذیب کی تو اب دونوں شریک قسمیں کھائیں، اگر دونوں نے قسم کھالی تو تقسیم توڑ دی جائے گی۔

وجہ :وجہ یہ ہے کہ حصہ وصول کرنے کا اقرار نہیں کیا تو تقسیم کو درست بھی قرار نہیں دیا، ابھی تو تقسیم کی مقدار ہی کے بارے میں اس کو اختلاف ہے، اور اس کے پاس اس کو ثابت کرنے کے لئے گواہ نہیں ہے اس لئے دونوں شریک قسمیں کھائیں، جب دونوں شریک قسم کھالیں گے تو تقسیم توڑ دی جائے گی، اور دوبارہ تقسیم کی جائے گی۔

لغت: اصاب الی موضع : مجھ کو فلاں جگہ تک ملنی چاہئے۔

ترجمہ :۲ اس کی مثال ایسی ہوگئی کہ مبیع کی مقدار میں اختلاف ہو گیا ہو،[وہاں بھی دونوں قسمیں کھاتے ہیں، یہاں بھی دونوں قسمیں کھائیں] جیسا کہ ہم نے قسم کھانے [تحالف] کے بیان میں ذکر کیا۔

تشریح یہاں ایک مثال دے رہے ہیں۔ اگر مبیع پر قبضہ نہیں ہوا اور مبیع کی مقدار میں اختلاف ہو گیا تو وہاں بائع اور مشتری

الْمَبِيعِ عَلَى مَا ذَكَرْنَا مِنْ أَحْكَامِ التَّحَالُفِ فِيمَا تَقَدَّمَ. (۱۲۴)وَلَوْ اخْتَلَفَا فِي التَّقْوِيمِ لَمْ يُلْتَفَتْ إِلَيْهِ ا لِأَنَّهُ دَعْوَى الْغَبْنِ وَلَا مُعْتَبَرَ بِهِ فِي الْبَيْعِ فَكَذَا فِي الْقِسْمَةِ لِوُجُودِ التَّرَاضِي، (۱۲۵) إِلَّا إِذَا كَانَتْ الْقِسْمَةُ بِقَضَاءِ الْقَاضِي وَالْغَبْنُ فَاحِشٌ ا لِأَنَّ تَصَرُّفَهُ مُقَيَّدٌ بِالْعَدْلِ (۱۲۶) وَلَوْ اقْتَسَمَا دَارًا وَأَصَابَ كُلُّ وَاحِدٍ طَائِفَةً فَادَّعَى أَحَدُهُمْ بَيْتًا فِي يَدِ الْآخَرِ أَنَّهُ مِمَّا أَصَابَهُ

دونوں قسمیں کھائیں گے اور بیع توڑ دی جائیگی، اسی طرح یہاں بھی دونوں قسمیں کھائیں گے، اور تقسیم توڑ دی جائے گی

ترجمه :(۱۲۴) اگر قیمت لگانے کے بارے میں اختلاف ہوا تو اس کی بات کی توجہ نہیں کی جائے گی۔

ترجمه :ا اس لئے غبن کا دعوی بیع میں بھی قابل قبول نہیں ہے ایسے ہی تقسیم میں بھی توجہ نہیں دی جائے گی، اس لئے کہ دونوں شریکوں کی رضامندی سے قیمت لگائی گئی ہے۔

تشریح : قیمت لگا کر دونوں شریکوں کی رضامندی سے حصہ تقسیم کیا گیا تھا اب ایک شریک کہہ رہا ہے کہ غلط قیمت لگائی گئی ہے تو اس کی بات کی توجہ نہیں دی جائے گی۔

وجه :اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں شریکوں کی رضامندی سے قاسم طے ہوئے ہیں، پھر دونوں شریکوں کی رضامندی سے قیمت لگائی گئی ہے اس لئے اب یہ دعوی کہ غلط قیمت لگائی ہے اپنی بات کی تکذیب کرنا ہے، اور قاسم پر غبن کا الزام ہے اس لئے اس طرف توجہ نہیں دی جائے گی، جیسے بیع میں یہ دعوی کرے کہ مبیع کی قیمت غلط لگائی ہے تو بات نہیں مانی جاتی ہے، اس لئے کہ بائع اور مشتری کی رضامندی سے قیمت طے ہوتی ہے۔ اسی طرح یہاں بھی مدعی کی بات کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی۔

ترجمه :(۱۲۵) مگر اگر قاضی کے فیصلے سے تقسیم ہوئی ہوا اور غبن فاحش ہو تو [تو اس کی بات مانی جائے گی]

ترجمه :ا اس لئے کہ قاضی کو عدل کے ساتھ فیصلہ کرنا چاہئے۔

تشریح : قاضی شریکوں کے متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا، بلکہ امیر کی جانب سے متعین ہوتا ہے، اس لئے قاضی نے جو قیمت لگائی اس میں شریکوں کی رضامندی نہیں ہے، اس لئے جب ایک شریک کہہ رہا ہے کہ غلط قیمت لگائی تو اپنی بات کی تکذیب نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ قاضی کو عدل کے ساتھ فیصلہ کرنا چاہئے، اور یہاں غبن فاحش قیمت لگا دی تو یہ اس کے منصب کے خلاف ہے اس لئے یہ تقسیم ٹوٹ جائے گی۔

لغت :غبن فاحش: مثلا بکری کی قیمت بیس درہم تھی، لیکن اس کی قیمت کم کر کے پانچ درہم لگا دی، یا زیادہ کر کے ایک سو درہم لگا دی، اس بے پناہ کمی اور بے پناہ زیادتی کو غبن فاحش کہتے ہیں۔

ترجمه :(۱۲۶) اگر دو آدمیوں نے ایک گھر کو تقسیم کیا، اور ہر ایک کو ایک حصہ مل گیا، پھر ایک نے ایک کمرے کو دوسرے کے قبضے میں ہونے کا دعوی کیا، جو تقسیم میں اس کا حصہ بنا تھا، اور دوسرے نے اس کا انکار کیا، تو دعوی کرنے والے پر بینہ قائم

بِالْقِسْمَةِ وَأَنْكَرَ الْآخَرُ فَعَلَيْهِ اقَامَةُ الْبَيِّنَةِ لِمَا قُلْنَا (۱۲۷)وَإِنْ أَقَامَا الْبَيِّنَةَ يُؤْخَذُ بِبَيِّنَةِ الْمُدَّعِي ا لِأَنَّهُ خَارِجٌ، وَبَيِّنَةُ الْخَارِجِ تَتَرَجَّحُ عَلَى بَيِّنَةِ ذِي الْيَدِ. (۱۲۸) وَإِنْ كَانَ قَبْلَ الْإِشْهَادِ عَلَى

کرنا ہوگا، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے کہا [کہ بینہ کے بغیر تقسیم نہیں ٹوٹے گی]

تشریح : دو شریکوں نے ایک بڑے گھر کو تقسیم کیا، اور دونوں نے اپنے اپنے حصے پر قبضہ بھی کر لیا، اس کے بعد کہتا ہے کہ میرا ایک کمرہ دوسرے کے حصے میں چلا گیا جو مجھے ملنا چاہئے تھا تو چونکہ حصے پر قبضہ کر چکا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ تقسیم درست ہے، اب اس کے بعد کہتا ہے کہ تقسیم درست نہیں ہے، تو اس کی بات میں تضاد ہے اس لئے اس تقسیم کو توڑنے کے لئے دو گواہ چاہئے۔

لغت: لما قلنا : اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ، میں نے کہا ہے کہ تقسیم کو درست کہنے کے بعد، اس کو توڑنے کے لئے دو گواہ چاہئے۔ اصاب کل واحب: کا ترجمہ ہے کہ ہر شریک اپنے حصے پر قبضہ کر چکا ہے۔

ترجمہ : (۱۲۷) اور اگر دونوں نے گواہ قائم کر دیا تو مدعی کے بینے کو لیا جائے گا۔

ترجمہ : ا اس لئے کہ وہ خارج ہے، اور قبضے کرنے والے کے اوپر خارج کے بینہ کو ترجیح دی جاتی ہے۔

تشریح : جس کے قبضے میں وہ کمرہ تھا اس نے بھی بینہ قائم کر دیا اور جس نے دعوی کیا تھا اس نے بھی بینہ قائم کر دیا، تو جس کے قبضے میں کمرہ تھا اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، کیونکہ گواہی کا قاعدہ یہ ہے کہ جو مدعی ہے اس کی گواہی قبول کی جاتی ہے ، اور جس کا قبضہ ہے اس کی گواہی قبول نہیں کی جاتی ہے۔

لغت : خارج : جس کا قبضہ نہیں ہے اس کو خارج کہتے ہیں، اسی کو مدعی بھی کہتے ہیں۔ ذی الید : کمرے پر جس کا قبضہ ہے اس کو، ذی الید، کہتے ہیں۔

ترجمہ : (۱۲۸) اور اگر قبضے پر اعتراف سے پہلے دوسرے کے پاس اپنا حصہ ہونے کا دعوی کیا تو دونوں قسمیں کھائیں گے ، اور تقسیم توڑ دی جائے گی۔

تشریح : تقسیم شدہ گھر پر قبضے کا اعتراف نہیں کیا ہے اس سے پہلے ایک شریک نے دعوی کیا کہ میرا کمرہ دوسرے کے قبضے میں ہے، تو اس صورت میں گواہ کی ضرورت نہیں، صرف دونوں قسمیں کھائیں اور تقسیم توڑ دی جائے گی۔ کیونکہ قبضہ نہیں کیا ہے تو مدعی نے اس تقسیم کو درست بھی قرار نہیں دیا اس لئے بینہ کی ضرورت نہیں ہے۔

لغت : تحالفا: دونوں قسمیں کھائیں گے۔ ترادا: دونوں تقسیم توڑ دیں گے۔

ترجمہ : (۱۲۹) ایسے ہی اگر حد کے بارے میں دونوں نے اختلاف کیا، اور دونوں نے بینہ قائم کیا تو ہر ایک کے لئے فیصلہ کیا جائے گا اس جز کا جو دوسرے کے قبضے میں ہو، اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کیا [یعنی جس کا قبضہ نہیں ہے اس کی گواہی قبول کی جائے گی]

الْقَبْضِ تَحَالَفَا وَتَرَادَّا، (۱۲۹) وَكَذَا إِذَا اخْتَلَفَا فِي الْحُدُودِ وَأَقَامَا الْبَيِّنَةَ يُقْضَى لِكُلِّ وَاحِدٍ بِالْجُزْءِ الَّذِي هُوَ فِي يَدِ صَاحِبِهِ لِمَا بَيَّنَّا. (۱۳۰) وَإِنْ قَامَتْ لِأَحَدِهِمَا بَيِّنَةٌ قُضِيَ لَهُ، (۱۳۱) وَإِنْ لَمْ تَقُمْ لِوَاحِدٍ مِنْهُمَا تَحَالَفَا. ل كَمَا فِي الْبَيْعِ.

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس کے قبضے میں زمین نہیں ہے اس کو خارج کہتے ہیں، اس کی گواہی قبول کی جاتی ہے۔

تشریح: یہاں تین مسئلے ہیں جس کو بیان کیا جا رہا ہے۔ [۱] پہلا مسئلہ یہ ہے کہ کمرے کے بارے میں اختلاف نہیں ہے، بلکہ حد کے بارے میں اختلاف ہے مثلا زید کہتا ہے کہ بکر کی حد میری زمین میں ہے، اور اس نے گواہی پیش کی تو چونکہ اس حد پر زید کا قبضہ نہیں ہے اس لئے زید کی گواہی قبول کر کے اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا، کیونکہ جسکا قبضہ نہیں ہوتا اس کو خارج کہتے ہیں، اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

[۲] دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ بکر نے دعوی کیا ہے کہ زید کی جو حد ہے وہ میری زمین میں ہے، اور اس پر گواہی دلوائی تو بکر کے لئے فیصلہ کیا جائے گا، کیونکہ اس کے قبضے میں حد نہیں ہے اس لئے وہ خارج ہوا اور خارج کی گواہی قبول کی جاتی ہے۔

لغت: لما بینا: ہم نے بیان کیا کہ جس کے قبضے میں زمین نہیں ہے اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

ترجمہ: (۱۳۰) اور اگر دونوں میں سے ایک نے گواہی قائم کی تو اس کے لئے فیصلہ کیا جائے گا۔

تشریح: یہ تیسرا مسئلہ ہے۔ دونوں شریکوں نے دعوی کیا کہ اس کی حد میری زمین میں ہے، لیکن ایک ہی نے گواہی پیش کی تو جس نے گواہی پیش کی، اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا، کیونکہ اس نے گواہی کے ذریعہ دعوی کو مبرہن کیا، اور دوسرے نے مبرہن نہیں کیا۔

لغت: حد: دو زمین کے درمیان جو لکیر ہوتی ہے اس کو حد کہتے ہیں۔

ترجمہ: (۱۳۱) اور اگر کسی نے بینہ قائم نہیں کیا تو دونوں کو قسمیں کھلائیں گے [اور تقسیم توڑ دی جائے گی]

ترجمہ: ل جیسا کہ بیع میں ہوتا ہے۔

تشریح: دونوں شریکوں نے دعوی کیا کہ حد میری زمین میں ہے، لیکن کسی نے اپنے دعوی پر گواہ پیش نہیں کیا تو اب دونوں کو قسمیں کھلائیں گے اور تقسیم توڑ دی جائے گی، جیسا کہ بیع میں بائع اور مشتری دونوں اختلاف کرے اور کوئی بینہ قائم نہ کرے تو دونوں کو قسمیں کھلاتے ہیں اور بیع توڑ دی جاتی ہے، ویسے ہی یہاں ہوگا۔

﴿فصل﴾

(۱۳۲)قال: وَإِذَا اسْتُحِقَّ بَعْضَ نَصِيبِ أَحَدِهِمَا بِعَيْنِهِ لَمْ تُفْسَخْ الْقِسْمَةُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَرَجَعَ بِحِصَّةِ ذَلِكَ فِي نَصِيبِ صَاحِبِهِ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: تُفْسَخُ الْقِسْمَةُ ا قَالَ – رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ –: ذَكَرَ الِاخْتِلَافَ فِي اسْتِحْقَاقِ بَعْضٍ بِعَيْنِهِ، وَهَكَذَا ذُكِرَ فِي الْأَسْرَارِ. وَالصَّحِيحُ أَنَّ الِاخْتِلَافَ فِي اسْتِحْقَاقِ بَعْضٍ شَائِعٍ مِنْ نَصِيبِ أَحَدِهِمَا، فَأَمَّا فِي اسْتِحْقَاقِ بَعْضٍ مُعَيَّنٍ لَا

﴿فصل: استحقاق نکل جانے کے بارے میں﴾

ترجمہ :(۱۳۲)اگر دونوں میں سے ایک کا خاص حصہ مستحق نکل جائے تو تقسیم نہیں ٹوٹے گی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور رجوع کرے گا اس حصے کا اپنے شریک کے حصے سے۔اور امام ابویوسفؒ نے فرمایا تقسیم ٹوٹ جائے گی۔

تشریح :مثلا ایک بڑا مکان تھا جس میں چار کمرے تھے،اس میں زید اور خالد حصے دار تھے۔دونوں نے دو دو کمرے تقسیم کئے۔بعد میں زید کے حصے سے ایک خاص کمرے میں عمر کا حصہ نکل گیا اور وہ اس نے لے لیا۔تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس خاص کمرے میں کسی کے حصے نکلنے سے تقسیم نہیں ٹوٹے گی اور دوبارہ تقسیم کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔البتہ زید کو یہ حق ہوگا کہ ایک کمرے میں سے آدھا کمرہ خالد سے وصول کرے۔

وجہ :خاص چیز میں کسی کا حصہ نکلا ہے تو اس خاص چیز کی قیمت لگا کر شریک سے وصول کر سکتا ہے۔اس لئے تقسیم توڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

امام ابویوسفؒ کے نزدیک تقسیم ٹوٹ جائے گی اب دوبارہ تقسیم کرائے۔

وجہ : امام ابویوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ،زید نے تقسیم کے وقت سمجھا تھا کہ یہ حصہ میرا ہے۔اب عمر کے لینے کی وجہ سے وہ حصہ چھوٹا ہو گیا جس کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ اس کو نقصان ہو۔اور خالد سے جو حصہ ملے گا وہ دوسری جگہ سے ملیگا جس پر ممکن ہے کہ گھاٹا ہو اس لئے اس عدم رضا مندی کی وجہ سے تقسیم ٹوٹ جائے گی۔

ترجمہ :ا مصنفؒ نے فرمایا کہ کسی متعین بعض میں مستحق نکلنے سے صاحب قدوری نے اختلاف ذکر کیا ہے،اور کتاب الاسرار میں بھی ایسے ہی ذکر کیا ہے،لیکن صحیح بات یہ ہے کہ کسی ایک کے حق میں شائع استحقاق نکل جائے تو اس میں ائمہ کا اختلاف ہے،لیکن کسی متعین کمرے میں استحقاق نکل جائے تو بالاجماع تقسیم نہیں ٹوٹے گی۔اور اگر کل کے بعض شائع میں مستحق نکل جائے تو بالاتفاق تقسیم ٹوٹ جائے گی،اس لئے یہ تین صورتیں ہیں۔

لغت : متعین حصے :کسی خاص کمرہ،یا خاص جگہ کا مستحق نکل گیا تو اس کو متعین حصے کا مستحق نکلنا کہتے ہیں۔شائع حصہ مستحق نکلنا:مثلا چوتھائی حصہ مستحق نکل گیا تو اس کو شائع مستحق نکلنا کہتے ہیں،کیونکہ اس میں کوئی مخصوص جگہ،یا مخصوص کمرہ مستحق نہیں

تُفسَخُ الْقِسمَةُ بِالْإِجمَاعِ، وَلَوْ اُستُحِقَّ بَعْضٌ شَائِعٌ فِي الْكُلِّ تُفسَخُ بِالاتِّفَاقِ، فَهَذِهِ ثَلاثَةُ أَوْجُهٍ. ٢ وَلَمْ يَذْكُرْ قَوْلَ مُحَمَّدٍ، وَذَكَرَهُ أَبُو سُلَيْمَانَ مَعَ أَبِي يُوسُفَ وَأَبُو حَفْصٍ مَعَ أَبِي حَنِيفَةَ وَهُوَ الْأَصَحُّ. ٣ لِأَبِي يُوسُفَ: أَنَّ بِاسْتِحْقَاقِ بَعْضٍ شَائِعٍ ظَهَرَ شَرِيكٌ ثَالِثٌ لَهُمَا، وَالْقِسمَةُ بِدُونِ رِضَاهُ بَاطِلَةٌ، كَمَا إِذَا اُستُحِقَّ بَعْضٌ شَائِعٌ فِي النَّصِيبَيْنِ، ٤ وَهَذَا لِأَنَّ

نکلا ہے، بلکہ پورے حصے میں حق شائع ہے۔

تشریح: یہاں تین صورتیں ہیں، پہلے ان کو سمجھیں، اوران میں کیا مسلک ہے انکو بھی سمجھیں۔

[١] پہلی صورت یہ ہے کہ ایک شریک کے کسی خاص کمرے میں عمر کا حق نکل گیا تو بالاتفاق تقسیم نہیں ٹوٹے گی۔

[٢] دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں شریکوں کے حصوں میں شائع حق نکلا، مثلا یہ دعوی کیا کہ میرا دونوں کے حصوں میں ایک چوتھائی نکلتا ہے، یہ نہیں کہا کہ فلاں متعین کمرہ نکلتا ہے، تو یہ شائع مستحق نکلنا ہے، اس صورت میں سب کا اتفاق ہے کہ تقسیم ٹوٹ جائے گی۔

[٣] تیسری صورت یہ ہے کہ ایک شریک کے حصے میں شائع مستحق نکلا، مثلا زید کے حصے میں عمر کی چوتھائی حصہ نکل گیا، تو اس صورت میں ائمہ میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تقسیم نہیں ٹوٹے گی اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ تقسیم ٹوٹ جائے گی۔اس کی دلیل آگے آرہی ہے۔

نوٹ: متن میں صاحب قدوری نے یوں کہہ دیا ہے کہ ایک شریک کے متعین حصہ میں حق نکل گیا تب بھی ائمہ کا اختلاف ہے، یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ صحیح یہ ہے کہ ایک شریک کے شائع حصہ میں حق نکلا تب ائمہ کا اختلاف ہے۔امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تقسیم نہیں ٹوٹے گی، اورامام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ تقسیم ٹوٹ جائے گی۔

ترجمہ: ٢ متن میں امام محمدؒ کا قول ذکر نہیں کیا، حضرت ابوسلیمانؒ نے امام محمدؒ کوامام ابو یوسفؒ کے ساتھ بتایا ہے، اور ابوحفصؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ بتایا ہے، اوریہی بات صحیح ہے کہ [امام محمدؒ امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہے کہ تقسیم نہیں ٹوٹے گی]

تشریح: قدوری کے متن میں یہ ذکر نہیں کیا ہے کہ امام محمدؒ کس کے ساتھ ہیں، ابوسلیمانؒ نے فرمایا کہ امام محمدؒ امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہیں، اورابوحفصؒ نے فرمایا کہ امام محمدؒ امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہیں، اور یہی بات صحیح ہے، کہ تقسیم نہیں ٹوٹے گی۔

ترجمہ: ٣ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب بعض شائع کا حق نکلا تو دونوں کے لئے تیسرا شریک نکل گیا، اوراس تیسرے کی رضامندی کے بغیر تقسیم کرنا باطل ہے، جیسا کہ دونوں کے حصوں میں بعض شائع مستحق نکل جاتا [تو تقسیم ٹوٹ جاتی، ایسے ہی یہاں تقسیم ٹوٹ جائے گی]

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی ایک دلیل یہ ہے کہ جب تیسرا آدمی شائع مستحق نکل گیا تو گویا کہ یہ تیسرا شریک نکل گیا، اور

بِـاسْتِـحْـقَـاقِ جُـزْءٍ شَائِعٍ يَنْعَدِمُ مَعْنَى الْقِسْمَةِ وَهُوَ الْإِفْرَازُ؛ لِأَنَّهُ يُوجِبُ الرُّجُوعَ بِحِصَّتِهِ فِي نَـصِيبِ الْآخَرِ شَائِعًا، بِخِلَافِ الْمُعَيَّنِ. ۵ وَلَهُـمَا: أَنَّ مَعْنَى الْإِفْرَازِ لَا يَنْعَدِمُ بِاسْتِحْقَاقِ جُزْءٍ شَـائِـعٍ فِـي نَـصِـيـبِ أَحَـدِهِـمَـا؛ وَلِهَذَا جَازَتْ الْقِسْمَةُ عَلَى هَذَا الْوَجْهِ فِي الِابْتِدَاءِ بِأَنْ كَانَ الـنِّـصْفُ الْمُقَدَّمُ مُشْتَرَكًا بَيْنَهُمَا وَبَيْنَ ثَالِثٍ وَالنِّصْفُ الْمُؤَخَّرُ بَيْنَهُمَا لَا شَرِكَةَ لِغَيْرِهِمَا فِيهِ،

قاعدہ یہ ہے کہ شریک کی رضامندی کے بغیر تقسیم باطل ہے اس لئے یہ تقسیم ہی باطل ہوگئی، اس کی مثال دیتے ہیں کہ اگر دونوں شریکوں کے حصے میں شائع مستحق نکل جاتا تو آپ بھی تقسیم باطل قرار دیتے ہیں، پس اس پر قیاس کر کے ایک کے حصے میں شائع مستحق نکل گیا تو اس کو بھی باطل قرار دیں۔

لغت :في النصيبين: دونوں حصوں میں، دونوں شریکوں کے جو حصے ہیں وہ مراد ہیں۔

ترجمه : ۴ اور اس تقسیم کے ٹوٹنے کی وجہ یہ ہے کہ شائع جز کے مستحق ہونے سے تقسیم کا معنی جو افراز اور علیحدگی ہے وہ ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ اپنا حصہ دوسرے کے شائع حصے میں رجوع کرے گا بخلاف معین کے۔

تشریح :امام ابو یوسفؒ کے یہاں تقسیم ٹوٹنے کی وجہ یہ بتا رہے ہیں کہ جب اس کے حصے میں شائع طور پر دوسرے کا حصہ نکل گیا تو تقسیم میں جو افراز اور الگ الگ کرنے کا معنی ہے وہ باقی نہیں رہا، کیونکہ یہ آدمی دوسرے کے حصے میں اپنا آدھا وصول کرے گا، اس لئے تقسیم ٹوٹ جانی چاہئے۔ ہاں معین کمرہ حصہ نکلتا تو اس کی صورت یہ ہوتی کہ اس کی قیمت دے دیتا تو پھر تقسیم نہیں ٹوٹتی۔

ترجمه : ۵ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ کسی ایک کے حصے میں جز و شائع کے مستحق نکلنے سے افراز اور الگ کرنے کا معنی منعدم نہیں ہوتا، اس لئے کہ شروع میں بھی اس طرح تقسیم کرے تو جائز ہے اس طرح کہ اگلا آدھا حصہ تین آدمیوں کے درمیان مشترک ہو جائے، اور پچھلا آدھا حصہ دو آدمیوں کے درمیان مشترک تھا، ان دونوں کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا، پھر دونوں نے اس طرح تقسیم کیا، کہ تین میں سے ایک نے اگلے حصے کا دونوں میں سے ایک کو دے دیا، اور موخر کی چوتھائی دی تو جائز ہے، اسی طرح انتہاء میں تقسیم کیا تو جائز ہے، اور ایسا ہو گیا کہ معین حصے میں مستحق نکل گیا۔

تشریح: مصنف نے بہت پیچیدہ حساب استعمال کیا ہے جو مجھ سے بھی حل نہیں ہوتا۔

حاصل یہ ہے کہ تیسرے آدمی کا ایک حصہ دار میں شائع حصہ نکلا تب بھی تقسیم توڑنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ افراز کا معنی باقی رہتا ہے

اس کی ایک مثال دی ہے کہ ایک بڑے گھر میں سے اگلے حصے میں زید، عمر اور خالد ساجد شریک تھے، اور اس کے پچھلے حصے میں صرف دو آدمی زید اور عمر شریک تھے۔ اب خالد نے اپنا حصہ زید کو دے دیا، تا کہ گھر کے پچھلے حصے میں زید کو کم ملے تو اس طرح

فَاقْتَسَمَا عَلَى أَنَّ لِأَحَدِهِمَا مَا لَهُمَا مِنَ الْمُقَدَّمِ وَرُبُعِ الْمُؤَخَّرِ يَجُوزُ فَكَذَا فِي الِانْتِهَاءِ وَصَارَ كَاسْتِحْقَاقِ شَيْءٍ مُعَيَّنٍ، ٦ بِخِلَافِ الشَّائِعِ فِي النَّصِيبَيْنِ؛ لِأَنَّهُ لَوْ بَقِيَتْ الْقِسْمَةُ لَتَضَرَّرَ الثَّالِثُ بِتَفَرُّقِ نَصِيبِهِ فِي النَّصِيبَيْنِ، أَمَّا هَاهُنَا لَا ضَرَرَ بِالْمُسْتَحِقِّ فَافْتَرَقَا، ٧ وَصُورَةُ الْمَسْأَلَةِ: إِذَا أَخَذَ أَحَدُهُمَا الثُّلُثَ الْمُقَدَّمَ مِنَ الدَّارِ وَالْآخَرُ الثُّلُثَيْنِ مِنَ الْمُؤَخَّرِ وَقِيمَتُهُمَا

تقسیم کرنا جائز ہے، اسی طرح بعد میں ایسا ہو جائے تب بھی جائز رہنا چاہئے۔

ترجمہ : ٦ بخلاف دونوں کے حصوں میں شائع مستحق نکل جائے تو تقسیم توڑ دی جائے گی اس لئے کہ اگر تقسیم باقی رہے تو تیسرے آدمی کو نقصان ہوگا کہ اس لئے کہ اس کا حصہ دو آدمیوں کے حصوں میں منقسم ہوگا، بہر حال اس یہاں کی صورت [جبکہ ایک ہی کے حصے میں مستحق نکلا] تو کوئی ضرر نہیں ہے، اس لئے دونوں صورتیں الگ الگ ہوگئیں۔

تشریح: زید اور عمر دونوں کے حصوں میں بکر کا شائع حصہ نکلا تو اس صورت میں بکر کو ضرر ہوگا، کیونکہ اس کا حصہ دو آدمیوں کے حصوں میں منقسم ہو گیا، اب یہ اس میں گھر اٹھانا چاہے تو نہیں اٹھا سکتا ہے، کیونکہ دو جگہ تھوڑی تھوڑی زمین ہوگئی، لیکن اگر بکر کا حصہ صرف زید کے حصے میں نکلتا تو چونکہ ایک ہی آدمی کے حصے میں اس کا حصہ نکلا ہے اس لئے اپنے حصے سے فائدہ اٹھانے میں کوئی ضرر نہیں ہے۔

ترجمہ : ٧ مسئلے کی صورت یہ ہے کہ دو شریکوں میں سے ایک نے اگلے حصے کی تہائی لی، اور دوسرے نے موخر حصے کی دو تہائی لی، دونوں حصوں کی قیمت برابر تھی، پھر مقدم کا آدھا مستحق نکل گیا تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک چاہے تو تقسیم توڑ دے ٹکڑا ہونے کی عیب کی وجہ سے، اور چاہے تو اپنے شریک پر موخر کی چوتھائی واپس لے، اس لئے کہ مقدم کا پورا مستحق نکل جاتا تو اس کا آدھا موخر والے سے لیتا، پس جب آدھا مستحق نکلا تو آدھے کا آدھا واپس لے گا، اور یہ چوتھائی ہوگی، جز کو کل پر قیاس کرتے ہوئے۔

تشریح: یہاں بھی پیچیدہ حساب استعمال کیا ہے۔ ایک بڑا مکان تھا جس میں تین کمرے تھے، ایک کمرہ آگے میں تھا جسکی قیمت زیادہ تھی، اور دو کمرے پیچھے تھے جسکی قیمت کم تھی، اب زید کو آگے کا ایک کمرہ دیا، اور عمر کو پیچھے کے دو کمرے دئے۔ جسکی قیمت اگلے کمرے کے برابر تھی۔ اب زید کے اگلے کمرے میں بکر کا حق نکل گیا تو طرفین کے نزدیک اختیار ہے کہ تقسیم کو توڑ دے اور یہ بھی اختیار ہے کہ تقسیم برقرار رکھے، اور آدھے کمرے کا آدھا جو ہوتا ہے اس کی قیمت عمر سے وصول کرلے۔ اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ اگر پورا کمرہ کسی کا حق نکل جاتا تو اس کا آدھا عمر سے وصول کرتا اسی طرح اس کا آدھا نکلا تو آدھے کا آدھا، یعنی چوتھائی عمر سے وصول کرے گا۔

لغت: تشقیص: قص سے مشتق ہے، ٹکڑا ٹکڑا ہونا۔ عیب التشقیص: ٹکڑا ٹکڑا ہونے کا عیب۔ اعتبارا للجزء بالکل

سَوَاءٌ ثُمَّ اسْتُحِقَّ نِصْفُ الْمُقَدَّمِ، فَعِنْدَهُمَا إِنْ شَاءَ نَقَضَ الْقِسْمَةَ دَفْعًا لِعَيْبِ التَّشْقِيصِ، وَإِنْ شَاءَ رَجَعَ عَلَى صَاحِبِهِ بِرُبُعِ مَا فِي يَدِهِ مِنَ الْمُؤَخَّرِ، لِأَنَّهُ لَوِ اسْتُحِقَّ كُلُّ الْمُقَدَّمِ رَجَعَ بِنِصْفِ مَا فِي يَدِهِ، فَإِذَا اسْتُحِقَّ النِّصْفُ رَجَعَ بِنِصْفِ النِّصْفِ وَهُوَ الرُّبُعُ اعْتِبَارًا لِلْجُزْءِ بِالْكُلِّ، ٨ وَلَوْ بَاعَ صَاحِبُ الْمُقَدَّمِ نِصْفَهُ ثُمَّ اسْتُحِقَّ النِّصْفُ الْبَاقِي شَائِعًا رَجَعَ بِرُبُعِ مَا فِي يَدِ الْآخَرِ عِنْدَهُمَا لِمَا ذَكَرْنَا وَسَقَطَ خِيَارُهُ بِبَيْعِ الْبَعْضِ ٩ وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ: مَا فِي يَدِ صَاحِبِهِ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ وَيَضْمَنُ قِيمَةَ نِصْفِ مَا بَاعَ لِصَاحِبِهِ لِأَنَّ الْقِسْمَةَ تَنْقَلِبُ فَاسِدَةً عِنْدَهُ، وَالْمَقْبُوضُ بِالْعَقْدِ الْفَاسِدِ مَمْلُوكٌ فَنَفَذَ الْبَيْعُ فِيهِ وَهُوَ مَضْمُونٌ بِالْقِيمَةِ فَيَضْمَنُ نِصْفَ نَصِيبِ صَاحِبِهِ.

:جز کوکل پر قیاس کرتے ہوئے۔

ترجمه :٨ اور اگر مقدم والے نے اپنا حصہ بیچ دیا پھر باقی آدھا دوسرے کا حق نکل گیا طرفین کے نزدیک آدھے کا آدھا دوسرے شریک سے وصول کرے گا، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ابھی ذکر کیا، اور بعض کے بیچنے کی وجہ سے تقسیم کے توڑنے کا حق ساقط ہو گیا۔

تشریح: زید نے آدھا کمرہ بیچ دیا اس کے بعد جو آدھا کمرہ تھا اس میں بکر کا حق نکل گیا تو چونکہ آدھا بیچ چکا ہے اس لئے اس تقسیم کو توڑنے کا حق طرفین کے نزدیک ختم ہو گیا، اب ایک ہی صورت یہ ہے کہ آدھے کا آدھا یعنی چوتھائی حصہ عمر سے وصول کرلے۔

ترجمه :٩ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جو کچھ شریک کے ہاتھ میں وہ آدھا آدھا ہو جائے گا اور جو کچھ بیچا ہے اس کی قیمت کا ضامن ساتھی کے لئے بنے گا، اس لئے کہ انکے نزدیک تقسیم تو ٹوٹ جائے گی، اور جو کچھ عقد فاسد سے لیا ہے وہ مملوک ہوگا، اس لئے اس میں بیع نافذ ہوگی، البتہ اس کی قیمت ساتھ کی طرف ادا کرنی ہوگی، اس لئے شریک کے لئے آدھی قیمت کا ضامن ہوگا۔

تشریح :امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تین باتیں ہوں گی [۱] ایک تو یہ ہے زید نے جو آدھا کمرہ بیچا ہے، وہ بیع نافذ ہوگی، کیونکہ عقد فاسد میں مبیع پر قبضہ ہو جائے تو بیع نافذ ہو جاتی ہے، اسی طرح یہاں اگرچہ تقسیم فاسد ہے، لیکن مبیع پر قبضہ ہو گیا تو بیع نافذ ہو جائے گی۔ [۲] دوسری بات یہ ہے کہ مستحق نکلنے کی وجہ سے تقسیم فاسد ہوگی۔ [۳] اور تیسری بات یہ ہے کہ زید نے جس قیمت پر قبضہ کیا ہے اس کا آدھا عمر شریک کو دے، اور دوبارہ آدھا آدھا تقسیم کرے۔

ترجمه :(۱۳۳۳) اگر تقسیم کر لیا پھر معلوم ہوا کہ ترکہ میں اتنا قرض ہے کہ پورے ترکے کو گھیر لیگا تو تقسیم توڑ دی جائے گی۔

ترجمه :١ اس لئے کہ قرض وارث کی ملک کو روکتا ہے۔

(١٣٣) قَالَ: وَلَوْ وَقَعَتُ الْقِسْمَةُ ثُمَّ ظَهَرَ فِي التَّرِكَةِ دَيْنٌ مُحِيطٌ رُدَّتُ الْقِسْمَةُ ١ لِأَنَّهُ يَمْنَعُ وُقُوعَ الْمِلْكِ لِلْوَارِثِ، ٢ وَكَذَا إِذَا كَانَ غَيْرَ مُحِيطٍ لِتَعَلُّقِ حَقِّ الْغُرَمَاءِ بِالتَّرِكَةِ، ٣ إِلَّا إِذَا بَقِيَ مِنَ التَّرِكَةِ مَا يَفِي بِالدَّيْنِ وَرَاءَ مَا قَسَمَ؛ لِأَنَّهُ لَا حَاجَةَ إِلَى نَقْضِ الْقِسْمَةِ فِي ايفَاءِ حَقِّهِمْ، (١٣٤) وَلَوْ أَبْرَأَهُ الْغُرَمَاءُ بَعْدَ الْقِسْمَةِ أَوْ أَدَّاهُ الْوَرَثَةُ مِنْ مَالِهِمْ وَالدَّيْنُ مُحِيطٌ أَوْ غَيْرُ

تشریح: پہلے قرض ادا کیا جاتا ہے، اس کے بعد جو باقی بچے اس کو تقسیم کرتے ہیں، یہاں پہلے تقسیم کر لیا بعد میں معلوم ہوا کہ اتنا قرض ہے کہ میت کا چھوڑا ہوا سب مال اس میں چلا جائے گا، اس لئے یہ تقسیم ٹوٹ جائے گی، اب ورثہ مال واپس کریں، جس سے قرض ادا کیا جائے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ پہلے قرض ادا کیا جائے بعد میں وراثت تقسیم ہو۔

ترجمہ: ٢ ایسے ہی تقسیم ٹوٹ جائے گی اگر قرض نے پورا ترکہ گھیرا نہ ہو، اس لئے کہ قرض دینے والوں کا حق ترکہ کے ساتھ متعلق ہے۔

تشریح: مثلا پانچ ہزار درہم ترکہ چھوڑا تھا، وارث نے اس کو تقسیم کر لیا، بعد میں معلوم ہوا کہ دو ہزار درہم قرض دینے والوں کا ہے تو اس صورت میں بھی تقسیم توڑ دی جائے گی، کیونکہ پہلا حق قرض دینے والوں کا ہے، قرض ادا کرنے کے بعد جو باقی بچے گا اس کو دوبارہ وارث پر اس کے حصے کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔

لغت: محیط: گھیرا ہوا، غیر محیط: پورا گھیرا ہوا نہیں۔ ترکہ: میت کے چھوڑے ہوئے مال کو ترکہ، کہتے ہیں۔

ترجمہ: ٣ مگر ترکہ میں سے اتنا باقی رہ گیا ہو جو قرض کو پورا ادا کر دے تقسیم کے علاوہ، تو تقسیم توڑنے کی ضرورت نہیں ہے قرض والوں کے حق کو پورا ہو جانے کی وجہ سے۔

تشریح یہ تیسری صورت ہے، وارثین نے کچھ مال تقسیم کیا تھا اور کچھ مال ابھی تک تقسیم نہیں کیا، اور معلوم ہوا کہ میت پر قرض ہے، اور قرض اتنا ہے کہ جو مال ابھی تک تقسیم نہیں کیا ہے اس سے قرض ادا ہو جائیگا، تو اب تقسیم توڑنے کی ضرورت نہیں ہے

وجہ: کیونکہ جب باقی مال سے قرض ادا ہو جائے گا تو اب تقسیم توڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ باقی مال ہی سے قرض ادا کر دے۔

لغت: ایفاء حقھم: ایفاء کا ترجمہ ہے پورا ادا کرنا۔ قرض والوں کے حق کو پورا کرنے کے لئے۔

ترجمہ: (١٣٤) اگر تقسیم کے بعد قرض دینے والوں نے قرض سے بری کر دیا، یا خود وارث نے اپنے مال سے قرض ادا کر دیا، تو چاہے قرض گھیرے ہوا ہو یا گھیرے ہوا نہیں ہو تقسیم جائز ہے۔

ترجمہ: ١ اس لئے کہ مانع زائل ہو گیا۔

مُحِيطٍ جَازَتْ الْقِسْمَةُ ؛لِأَنَّ الْمَانِعَ قَدْ زَالَ. (١٣٥)وَلَوْ ادَّعَى أَحَدُ الْمُتَقَاسِمِيْنَ دَيْنًا فِي التَّرِكَةِ صَحَّ دَعْوَاهُ لِأَنَّهُ لَا تَنَاقُضَ ؛ إِذْ الدَّيْنُ يَتَعَلَّقُ بِالْمَعْنَى وَالْقِسْمَةُ تُصَادِفُ الصُّورَةَ،(١٣٦) وَلَوْ ادَّعَى عَيْنًا بِأَيِّ سَبَبٍ كَانَ لَمْ يُسْمَعْ لِلتَّنَاقُضِ؛ اذْ الْإِقْدَامُ عَلَى الْقِسْمَةِ اعْتِرَافٌ بِكَوْنِ الْمَقْسُومِ مُشْتَرَكًا.

تشریح :ترکہ تقسیم کرلیا،اس کے بعد معلوم ہوا کہ قرض ہے،لیکن اس قرض کو قرض دینے والے نے معاف کردیا،یاوارث نے اپنے مال سے ادا کردیا تو قرض چاہے تمام ترکہ کو گھیرے ہوا ہو یا گھیرے ہوا نہیں ہو دونوں صورتوں میں تقسیم توڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ تقسیم توڑنے کی وجہ یہ تھی کہ قرض ادا کیا جائے ،لیکن وارث نے ادا کردیا، یا معاف کردیا تو اب قرض ہی نہیں رہا اس لئے تقسیم توڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ :(١٣٥)اگر دو تقسیم کرنے والے میں سے ایک نے ترکے میں اپنا قرض ہونے کا دعوی کیا تو اس کا دعوی صحیح ہے۔

ترجمہ :اس لئے کہ اس کی بات میں تناقض نہیں ہے،اس لئے کہ قرض تعلق معنی سے ہے اور تقسیم کا تعلق صورت کے ساتھ ہے۔

تشریح : دو وارث ترکہ تقسیم کر رہے تھے کہ ایک نے میت پر اپنا قرض ہونے کا دعوی کیا تو اس کا دعوی کرنا صحیح ہے،اس کی بات میں تناقض نہیں ہے۔

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ ترکے کو تقسیم جو کرتے ہیں وہ میت ظاہری مال ہے اس کو تقسیم کرتے ہیں،اور قرض کا جو دعوی ہے وہ میت کے ذمے ہے، جو معنوی ذمہ داری ہے اسلئے دونوں میں تناقض نہیں ہے اس لئے گواہ کے ذریعہ اپنا قرض ثابت کرسکتا ہے

لغت : تصادف: پانا،لگنا،صادف الصورۃ:صورت کو لگنا۔

ترجمہ :(١٣٦)اور اگر تقسیم کرنے والے میں کسی ایک نے عین چیز کا دعوی کیا، چاہے کسی بھی سبب سے تو تناقض کی وجہ سے اس کی بات نہیں سنی جائے گی۔

ترجمہ :اس لئے کہ تقسیم پر اقدام کرنا یہ اعتراف کرنا ہے کہ جس ترکہ کو تقسیم کر رہا ہے وہ مشترکہ ہے۔

تشریح :میت کا ترکہ تقسیم کر رہا تھا کہ انہیں تقسیم کرنے والوں میں سے ایک نے یہ دعوی کیا کہ یہ گھوڑا میرا ہے،میت کے پاس یہ گھوڑا امانت کے طور پر تھا، یا اس نے غصب کر کے لیا تھا، یا میں نے اس کو اجرت پر دیا تھا،تو اس کی یہ بات نہیں مانی جائے گی۔

وجہ :جب اس گھوڑے کو تقسیم کر رہا تھا تو اس بات کی دلیل تھی کہ یہ گھوڑا مشترک ہے،اور اب یہ دعوی کر رہا ہے کہ یہ گھوڑا خاص میرا ہے،تو بات میں تناقض ہو گیا اس لئے اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔

﴿فَصْلٌ فِيْ الْمُهَايَأَةِ﴾

(۱۳۷)اَلْمُهَايَأَةُ جَائِزَةٌ اِسْتِحْسَانًا ۱؎ لِلْحَاجَةِ إِلَيْهِ، اِذْ قَدْ يَتَعَذَّرُ الاِجْتِمَاعُ عَلَى الاِنْتِفَاعِ فَأَشْبَهَ الْقِسْمَةَ. وَلِهَذَا يَجْرِى فِيهِ جَبْرُ الْقَاضِى كَمَا يَجْرِى فِيْ الْقِسْمَةِ، إِلَّا أَنَّ الْقِسْمَةَ أَقْوَى مِنْهُ فِيْ اسْتِكْمَالِ الْمَنْفَعَةِ لِأَنَّهُ جَمْعُ الْمَنَافِعِ فِيْ زَمَانٍ وَاحِدٍ، وَالتَّهَايُؤُ جَمْعٌ عَلَى التَّعَاقُبِ، ۲؎ وَلِهَذَا

نوٹ :قرضہ کی شکل میں کوئی عین چیز کا دعوی نہیں ہوتا بلکہ یہ معنوی ذمہ داری ہے جومیت کے ذمے ہے، اور یہاں خاص گھوڑا ہے جس کو تقسیم بھی کررہا ہے، اور دعوی بھی کررہا ہے کہ یہ گھوڑا میرا ہے، اس لئے ایک ہی چیز میں تناقض کی وجہ سے بات نہیں مانی جائے گی۔

﴿فصل فی المهایاة﴾

ضروری نوٹ :ھایاہ ،مھایاۃ :بدل بدل کرنفع اٹھانا۔اس فصل میں مکان یا زمین تقسیم نہیں کرتے ، بلکہ اس کا نفع تقسیم کرتے ہیں ،مثلا ایک ماہ یہ گھر میں رہے ، اور دوسرے مہینے دوسرا شریک گھر میں رہے یا مکان کے اس حصے میں یہ رہے اور دوسرے حصے میں دوسرا رہے، اس طرح نفع کے تقسیم کو مہایات ، کہتے ہیں۔ تقسیم میں عین چیز کی تقسیم ہوتی ہے، اور مہایات میں نفع تقسیم ہوتا ہے اس لئے تقسیم اقوی ہے۔

وجه:اس آیت میں مہایات کا ثبوت ہے۔قال هذه ناقة لها شرب و لكم شرب يوم معلوم ۔(آیت ۱۵۵،سورۃ الشعراء ۲۶)اس آیت میں ہے کہ ایک دن اونٹنی پانی پئے اور دوسرے دن قوم پانی پئے ،یہی مہایات ہے۔

ترجمه :(۱۳۷)مہایات استحسانا جائز ہے۔

تشریح :مثلا زید گھر سے نفع اٹھا رہا ہے تو اپنے حصے سے بھی نفع اٹھا رہا ہے اور شریک کے حصے سے بھی نفع اٹھا رہا ہے، اور جب عمر دوسرے مہینے گھر سے نفع اٹھا رہا ہے تو اپنے حصے سے نفع اٹھا رہا ہے اور زید کے حصے سے بھی نفع اٹھا رہا ہے، اور یہ نفع اپنے پہلے نفع کے بدلے میں ہے، اس لئے نفع کے بدلے میں نفع ہوا، اور دونوں کا جنس ایک ہے اس لئے سود کا شبہ ہے، اس لئے یہ مہایات جائز نہیں ہونی چاہئے ،لیکن اس کی سخت ضرورت ہے اور آیت میں بھی اس کا ثبوت ہے اس لئے استحسان کے طور پر اس کو جائز قرار دیا ہے۔

ترجمه :۱؎ اس کی ضرورت کی وجہ سے، اس لئے کہ بعض مرتبہ نفع پر جمع ہونا متعذر رہتا ہے، اس لئے وہ تقسیم کے مشابہ ہوگیا، اسی لئے اس میں قاضی کا مجبور کرنا جاری ہوتا ہے، جیسے تقسیم میں قاضی کا مجبور کرنا جاری ہوتا ہے، یہ اور بات ہے کہ نفع سے فائدہ اٹھانے سے تقسیم کرنا اقوی ہے، اس لئے کہ تقسیم ایک ہی زمانے میں نفع جمع ہے اور مہایات میں ترتیب سے نفع جمع ہوتا ہے۔

لَوْ طَلَبَ أَحَدُ الشَّرِيكَيْنِ الْقِسْمَةَ وَالْآخَرُ الْمُهَايَأَةَ يَقْسِمُ الْقَاضِي؛ لِأَنَّهُ أَبْلَغُ فِي التَّكْمِيلِ. ٣ وَلَوْ وَقَعَتْ فِيمَا يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ ثُمَّ طَلَبَ أَحَدُهُمَا الْقِسْمَةَ يَقْسِمُ وَتَبْطُلُ الْمُهَايَأَةُ لِأَنَّهُ أَبْلَغُ، ٤ وَلَا يَبْطُلُ التَّهَايُؤُ بِمَوْتِ أَحَدِهِمَا وَلَا بِمَوْتِهِمَا لِأَنَّهُ لَوْ انْتَقَضَ لَاسْتَأْنَفَهُ الْحَاكِمُ فَلَا فَائِدَةَ فِي النَّقْضِ ثُمَّ الِاسْتِئْنَافِ. (١٣٨)وَلَوْ تَهَايَئَا فِي دَارٍ وَاحِدَةٍ عَلَى أَنْ يَسْكُنَ هَذَا طَائِفَةً

تشریح : یہ مہایات کے جواز کی دلیل ہے،[١] ایک دلیل یہ ہے کہ بعض مرتبہ دونوں شریک ایک ساتھ نفع نہیں اٹھا سکتے، اس لئے ایکے بعد دیگرے نفع اٹھانے کی ضرورت پڑتی ہے، اس لئے یہ تقسیم کے مشابہ ہو گیا، اور جب تقسیم جائز ہے تو یہ بھی جائز ہونی چاہئے، چونکہ مہایات جائز ہے اس لئے قاضی مہایات کرنے کے لئے مجبور کر سکتا ہے، جس طرح تقسیم کرنے کے لئے مجبور کر سکتا ہے، البتہ تقسیم مہایات سے زیادہ قوی ہے، اس لئے کہ تقسیم میں عین چیز بھی تقسیم ہوتی ہے اور نفع بھی تقسیم ہوتا ہے، اور مہایات میں صرف نفع تقسیم ہوتا ہے [٢] دوسری بات یہ ہے کہ تقسیم میں دونوں فریق بیک وقت نفع اٹھاتے ہیں، اور مہایات میں ایک وقت میں ایک ہی فریق نفع اٹھاتے ہیں، اس لئے تقسیم زیادہ قوی ہے۔

لغت : التهايؤ جمع على التعاقب : اور مہایات میں باری باری نفع اٹھاتے ہیں۔

ترجمہ : ٢ یہی وجہ ہے کہ اگر ایک شریک تقسیم مانگتا ہو اور دوسرا مہایات کرنا چاہتا ہو تو قاضی تقسیم کرے گا، اس لئے کہ وہ فائدہ اٹھانے میں زیادہ بلیغ ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ : ٣ جس میں تقسیم کرنا ممکن ہو اس میں مہایات ہو گئی، پھر ایک شریک نے تقسیم کا مطالبہ کیا تو تقسیم کر دی جائے گی اور مہایات باطل ہو جائے گی۔، اس لئے کہ تقسیم زیادہ بلیغ ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ : ٤ ایک شریک کے مرنے سے یا دونوں شریک کے مرنے سے مہایات باطل نہیں ہوگی، اس لئے کہ اگر مہایات توڑ دیں، تو حاکم پھر دوبارہ مہایات کرے گا، اس لئے توڑنے میں پھر دوبارہ اسی کو کرنے میں فائدہ نہیں ہے۔

تشریح : شریک میں سے ایک کے مرنے سے، دونوں کے مرنے سے مہایات باطل نہیں ہوگی، کیونکہ اگر باطل قرار دیں تو دوبارہ حاکم مہایات ہی کرے گا، اب اس کو توڑا اور دوبارہ اسی مہایات کو کیا تو توڑنے اور دوبارہ اسی کو کرنے میں فائدہ نہیں ہے، اس لئے کسی فریق کے مرنے سے مہایات باطل نہیں ہوگی۔

ترجمہ : (١٣٨) اگر ایک گھر میں مہایات کیا، اس طرح کہ یہ ایک ٹکڑے میں قیام کرے گا اور یہ دوسرے ٹکڑے میں، یا یہ اوپر کی منزل میں اور یہ نیچے کی منزل میں تو جائز ہے۔

وَهٰذَا طَائِفَةً أَوْ هٰذَا عِلْوَهَا وَهٰذَا سِفْلَهَا جَازَ ا لِأَنَّ الْقِسْمَةَ عَلَى هَذَا الْوَجْهِ جَائِزَةٌ فَكَذَا الْمُهَايَأَةُ، ٢ وَالتَّهَايُؤُ فِي هَذَا الْوَجْهِ افْرَازٌ لِجَمِيعِ الْأَنْصِبَاءِ لَا مُبَادَلَةٌ وَلِهَذِهِ لَا يُشْتَرَطُ فِيهِ التَّأْقِيتُ. (۱۳۹) وَلِكُلِّ وَاحِدٍ أَنْ يَسْتَغِلَّ مَا أَصَابَهُ بِالْمُهَايَأَةِ شُرِطَ ذٰلِكَ فِي الْعَقْدِ أَوْ لَمْ يُشْتَرَطْ ا لِحُدُوثِ الْمَنَافِعِ عَلَى مِلْكِه (۱۴۰) وَلَوْ تَهَايَئَا فِي عَبْدٍ وَاحِدٍ عَلَى أَنْ يَخْدِمَ هَذَا يَوْمًا

ترجمه :ا اس لئے کہ اس طرح تقسیم کرے تو جائز ہے اسی طرح مہایات کرے تو بھی جائز ہے۔

تشریح: گھر کے ایک کمرے میں ایک شریک رہے اور دوسرے کمرے میں دوسرا شریک رہے، یا دوسری صورت یہ ہے کہ گھر کے اوپر کی منزل میں ایک شریک رہے، اور نیچے کی منزل میں دوسرا شریک رہے اس طرح نفع کی تقسیم جائز ہے۔

وجه : اس طرح اگر گھر کو تقسیم کرے تو جائز ہے، اسی پر قیاس کر کے اس طرح نفع کی تقسیم کرے تب بھی جائز ہے۔

ترجمه :۲ اس طریقے کی مہایات تمام حصے کو افراز ہے مبادلہ نہیں ہے، اسی لئے اس میں وقت متعین کی شرط نہیں ہے۔

تشریح: مہایات دو قسم کی ہیں [۱] زمانے کے اعتبار سے مہایات۔ [۲] مکان کے اعتبار سے مہایات۔

[۱] زمانے کے اعتبار سے مہایات یہ ہے کہ اس گھر میں ایک ماہ تک فلاں شریک قیام کرے، پھر دوسرے مہینے میں دوسرا شریک قیام کرے، یہ زمانے کے اعتبار سے مہایات ہوئی، اس میں وقت کا تعین ضروری ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ پہلے نے دوسرے کے مکان سے نفع اٹھایا اور دوسرے نے پہلے والے کے مکان سے نفع اٹھایا، اسلئے نفع کا بدلہ نفع سے ہوا، اس کو مبادلہ کہتے ہیں

[۲] مکان کے اعتبار سے مہایات یہ ہے کہ مکان کا ایک کمرہ ایک کو دے دے، اور دوسرا کمرہ دوسرے شریک کو دے دے، اس صورت میں دونوں شریک ایک ہی وقت میں نفع اٹھا سکتا ہے، کیونکہ ہر ایک کے نفع کی جگہ الگ الگ ہے، اس صورت کو افراز، یعنی ہر نفع کو الگ الگ کرنا کہتے ہیں، اس میں مبادلہ کی شکل نہیں ہے، متن میں یہی صورت بیان کی ہے، یہ صورت بہتر ہے۔

ترجمه :(۱۳۹) جس کو مہایات کے ذریعہ ملا ہے اس کے لئے جائز ہے کہ اس کو کرایہ پر ڈال دے، عقد کے وقت اس کی شرط لگائی گئی ہو یا لگائی نہ ہو۔

ترجمه : ا اس لئے کہ اس کی ملکیت پر منافع پیدا ہو رہے ہیں۔

مثلا زید کو مکان کے اوپر کی منزل مہایات میں ملی تو وہ اس کو کرایہ پر ڈال سکتا ہے، عقد میں یہ شرط ہو یا نہ ہو، کیونکہ اب اوپر کی منزل اس کی ہو گئی، اور اس کا نفع اس کی ملکیت میں پیدا ہو رہا ہے اس لئے اس کو دوسرے کے ہاتھ اجرت پر رکھ سکتا ہے۔

لغت :یستغل :غل سے مشتق ہے، کرایہ پر ڈالنا۔

ترجمه :(۱۴۰) اور اگر ایک غلام میں مہایات کیا اس طرح کہ ایک دن اس آقا کی خدمت کرے گا اور دوسرے دن دوسرے آقا کی تو جائز ہے، ایسا ہی چھوٹے مکان میں کر سکتا ہے۔

وَهَذَا يَوْمًا جَازَ وَكَذَا هَذَا فِي الْبَيْتِ الصَّغِيرِ لِ لِأَنَّ الْمُهَايَأَةَ قَدْ تَكُونُ فِي الزَّمَانِ، وَقَدْ تَكُونُ مِنْ حَيْثُ الْمَكَانِ لِ وَالْأَوَّلُ مُتَعَيِّنٌ هَاهُنَا. (۱۴۱)وَلَوْ اخْتَلَفَا فِي التَّهَايُؤِ مِنْ حَيْثُ الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ فِي مَحَلٍّ يَحْتَمِلُهُمَا يَأْمُرُهُمَا الْقَاضِي بِأَنْ يَتَّفِقَا لِ لِأَنَّ التَّهَايُؤَ فِي الْمَكَانِ أَعْدَلُ وَفِي الزَّمَانِ أَكْمَلُ، فَلَمَّا اخْتَلَفَتْ الْجِهَةُ لَا بُدَّ مِنَ الِاتِّفَاقِ. (۱۴۲)فَإِنْ اخْتَارَاهُ مِنْ حَيْثُ الزَّمَانِ

ترجمہ: لِ اس لئے کہ مہایات کبھی زمانے میں ہوتی ہے، اور کبھی مکان میں ہوتی ہے، لیکن یہاں پہلی صورت [زمانے کے اعتبار سے مہایات] متعین ہے۔

تشریح: ایک ہی غلام دو آقا کا ہے تو ایک وقت میں دونوں آقا کام نہیں لے سکتے، یا ایک چھوٹا گھر ہے تو دونوں مالک بیک وقت نہیں رہ سکتے، اس لئے زمانے کے اعتبار سے مہایات کرنا ہوگا یعنی ایک دن یہ غلام سے کام لے اور دوسرا دن دوسرا کام لے، یا ایک ماہ یہ گھر میں رہے اور دوسرے ماہ میں دوسرا گھر میں رہے، یہ زمانے کے اعتبار سے مہایات ہوئی۔

ترجمہ: (۱۴۱) زمانے کے اعتبار سے مہایات ہوئی یا مکان کے اعتبار سے اس بارے میں شریک کا اختلاف ہو گیا، ایسی جگہ میں جہاں دونوں کا احتمال رکھتا ہے تو قاضی دونوں کو حکم دے گا کہ دونوں ایک بات پر اتفاق کرلیں۔

ترجمہ: لِ اس لئے کہ مکان کے اعتبار سے مہایات زیادہ انصاف کی چیز ہے، اور زمانے کے اعتبار سے زیادہ کامل ہے، پس جب جہت مختلف ہوگئی تو اتفاق کرنا ضروری ہے۔

تشریح: مکان کے اعتبار سے نفع تقسیم کیا ہو تو ایک ہی وقت میں دونوں کو فائدہ اٹھانے کا موقع ملے گا، اس اعتبار سے یہ زیادہ انصاف کی چیز ہے، اور زمانے کے اعتبار سے نفع اٹھانے دیا تو پورے مکان کا نفع اٹھا رہا ہے اس اعتبار سے یہ کامل نفع ہوا، کہ پورے مکان کا نفع حاصل کیا، اس لئے دونوں جہتیں اپنے اپنے اعتبار سے افضل ہیں اس لئے جب اختلاف ہوا، ایک شریک کہہ رہا ہے کہ زمانے کے اعتبار سے مہایات ہوئی ہے، اور دوسرا کہتا ہے کہ مکان کے اعتبار سے مہایات ہوئی ہے، تو قاضی کسی ایک کو ترجیح نہیں دے سکے گا، کیونکہ دونوں مہایات برابر درجے کی ہیں، بلکہ دونوں شریک کو کسی ایک بات اتفاق کرنے کے لئے کہے گا۔

ترجمہ: (۱۴۲) اگر زمانے کے اعتبار سے مہایات کو اختیار کیا تو کون نفع اٹھانا شروع کرے اس کے لئے قرع ڈالے، تاکہ تہمت ختم ہو جائے۔

تشریح: اگر اس بات پر شریکوں نے اتفاق کیا کہ زمانے کے اعتبار سے نفع اٹھانا طے ہوا ہے تو اب پہلے اس گھر سے نفع کون اٹھائے، اس کے لئے قرع ڈالے تاکہ یہ تہمت نہ ہو کہ قاضی نے اس کو پہلے نفع اٹھانے کیوں دیا۔

ترجمہ: (۱۴۳) اگر دو غلاموں کو مہایات پر تقسیم کیا کہ یہ غلام اس آقا کی خدمت کرے گا، اور دوسرا دوسرے آقا کی

يُقْرَعُ فِي الْبِدَايَةِ نَفْيًا لِلتُّهْمَةِ (۱۴۳) وَلَوْ تَهَايَئَا فِي الْعَبْدَيْنِ عَلَى أَنْ يَخْدِمَ هَذَا هَذَا الْعَبْدُ وَالْآخَرُ الْآخَرَ جَازَ عِنْدَهُمَا لِ لِأَنَّ الْقِسْمَةَ عَلَى هَذَا الْوَجْهِ جَائِزَةٌ عِنْدَهُمَا جَبْرًا مِنَ الْقَاضِي وَبِالتَّرَاضِي فَكَذَا الْمُهَايَأَةُ. ۲ وَقِيلَ: عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ لَا يَقْسِمُ الْقَاضِي. وَهَكَذَا رُوِيَ عَنْهُ لِأَنَّهُ

خدمت کرے گا تو جائز ہے صاحبینؒ کے نزدیک۔

ترجمہ : لِ اس لئے کہ انکے نزدیک اس طرح کی تقسیم جائز ہے قاضی کے جبر سے، اور رضامندی سے بھی، تو ایسے ہی مہایات بھی جائز ہوگا۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک معنوی خوبیوں کا اعتبار ہے۔

اصول: صاحبینؒ کے نزدیک معنوی خوبیوں کا اعتبار نہیں ہے، ظاہری طور پر ایک جیسے ہوں تو ایک ایک غلام کو تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

تشریح : یہاں ایک قاعدہ سمجھ لیں۔ دو غلام جسمانی اعتبار سے ایک ہوں تب بھی ایک بہت سمجھ دار ہے اور پڑھا لکھا ہے، اس لئے اس کی قیمت بہت زیادہ ہوتی ہے اس لئے اس کی جنس دوسری ہو جائے گی،، اور دوسرا بیوقوف ہے، جاہل ہے، اس کی قیمت بہت کم ہوتی ہے یہ دوسری جنس ہو جائے گی، چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک شریک کو ایک غلام اور دوسرے کو دوسرا غلام نہیں دے سکتے، بلکہ دونوں کی قیمت لگا کر تقسیم کرنا ہوگا۔

اور صاحبینؒ کے نزدیک اس معنوی خوبیوں کا اعتبار نہیں ہے اس لئے جسمانی طور پر دونوں ایک جیسے ہوں تو قیمت لگانے کی ضرورت نہیں ہے، ایک شریک کو ایک غلام اور دوسرے شریک کو دوسرا غلام دیکر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

اب جب عین غلام کو تقسیم کر سکتا ہے تو اس کی خدمت میں کم تفاوت ہوتا ہے اس لئے ایک غلام کی خدمت ایک کے لئے اور دوسرے غلام کی خدمت دوسرے کے لئے اس طرح تقسیم کر سکتا ہے، شریک اس پر راضی ہو تب بھی اور راضی نہ ہو تب بھی قاضی اس تقسیم پر جبر کر سکتا ہے۔

ترجمہ : ۲ کہا گیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قاضی غلام کی خدمت تقسیم نہیں کرے گا، ان سے یہی روایت ہے اس لئے اس میں قاضی کا جبر جاری نہیں ہوتا ہے۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے قاضی غلام کی خدمت تقسیم نہ کرے۔

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ غلام کی معنوی خوبیوں کی وجہ سے خود غلام کو ایک ایک کر کے تقسیم نہیں کر سکتا ہے، اسی پر قیاس کر کے اس کی خدمت کو بھی تقسیم نہیں کر سکتا۔

ترجمہ : ۳ صحیح بات یہ ہے کہ قاضی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی غلام کی خدمت تقسیم کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ خدمت

لَا یَجْرِی فِیهِ الْجَبْرُ عِنْدَهُ. ۳؎ وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ یَقْسِمُ الْقَاضِی عِنْدَهُ أَیْضًا، لِأَنَّ الْمَنَافِعَ مِنْ حَیْثُ الْخِدْمَةِ قَلَّمَا تَتَفَاوَتُ، بِخِلَافِ أَعْیَانِ الرَّقِیقِ لِأَنَّهَا تَتَفَاوَتُ تَفَاوُتًا فَاحِشًا عَلَى مَا تَقَدَّمَ. (۱۴۴) وَلَوْ تَهَایَئَا فِیهِمَا عَلَى أَنَّ نَفَقَةَ كُلِّ عَبْدٍ عَلَى مَنْ یَأْخُذُهُ جَازَ اسْتِحْسَانًا ۱؎ لِلْمُسَامَحَةِ فِي اطْعَامِ الْمَمَالِیكِ بِخِلَافِ شَرْطِ الْكِسْوَةِ لِأَنَّهُ لَا یُسَامَحُ فِیهَا (۱۴۵) وَلَوْ تَهَایَئَا فِي دَارَیْنِ عَلَى أَنْ یَسْكُنَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا دَارًا جَازَ وَیُجْبِرُ الْقَاضِی عَلَیْهِ ۱؎ اما ا عِنْدَهُمَا

والے منافع میں کم تفاوت ہوتا ہے، بخلاف عین غلام کے اس لئے کہ تفاوت بہت زیادہ ہوتا ہے، جیسا کہ پہلے گزر گیا۔

تشریح : صحیح بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک غلام کی خدمت ایک آقا کے لئے اور دوسرے غلام کی خدمت دوسرے آقا کے لئے کرسکتا ہے۔

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں کی غلاموں کی خدمت میں بہت کم فرق ہوتا ہے، اس لئے ایک غلام کی خدمت ایک آقا کے لئے اور دوسرے غلام کی خدمت دوسرے آقا کے لئے کرسکتا ہے، اس کے برخلاف دو غلام کی ذات میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے اس لئے ایک غلام ایک کو اور دوسرا غلام دوسرے کو نہیں دے سکتا۔ اس کی قیمت لگا کر دینا ہوگا۔

ترجمہ : (۱۴۴) اگر مہایات اس طرح کیا کہ جو غلام جسکے پاس اس کا نفقہ اسی پر ہوگا تو استحسانا جائز ہے۔

ترجمہ : ۱؎ اس لئے کہ غلاموں کے کھلانے میں چشم پوشی کرتے ہیں، بخلاف کپڑا پہنانے کے اس لئے کہ اس میں چشم پوشی نہیں کرتے۔

تشریح : غلام کے کھانے کا خرچ اس طرح تقسیم کیا کہ جو غلام جسکے پاس، اس کا خرچ اسی پر ہو تو یہ استحسانا جائز ہے۔ لیکن اس طرح کپڑے دینے میں تقسیم کیا تو جائز نہیں ہے۔

تشریح : یوں تقسیم کیا کہ جس کے پاس جو غلام ہے اس کے کھانے کا خرچ وہی دے، یہ جائز ہے، کیونکہ لوگ کھانے کے معاملے میں سخی واقع ہوئے ہیں، اور تھوڑا بہت فرق ہوگا تو اس میں جھگڑا نہیں ہوتا۔ البتہ قاعدے کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں کا غلام ہے تو دونوں آدھا آدھا خرچ اٹھائے لیکن اس میں لوگ چشم پوشی کرتے ہیں اس لئے یہ جائز ہے۔

، اگر کپڑے کے بارے میں کہا کہ جسکے پاس جو غلام ہے وہی اس کے کپڑے کا خرچ اٹھائے تو یہ جائز نہیں، کیونکہ کپڑا قیمتی ہوتا ہے، اس بارے میں لوگ چشم پوشی نہیں کرتے اس لئے کپڑے میں دونوں کو آدھا آدھا دینا ہوگا۔

لغت : مسامحۃ : سامح سے مشتق ہے، چشم پوشی کرنا، کسوۃ : کپڑا۔

ترجمہ : (۱۴۵) اگر دو گھر میں مہایات کیا، اس طرح کہ ہر آدمی ایک ایک گھر میں رہے تو جائز ہے، اور قاضی اس پر جبر کرسکتا ہے۔

ظَاهِرٌ، لِأَنَّ الدَّارَيْنِ عِنْدَهُمَا كَدَارٍ وَاحِدَةٍ. ۲؎ وَقَدْ قِيلَ لَا يُجْبِرُ عِنْدَهُ اعْتِبَارًا بِالْقِسْمَةِ. ۳؎ وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ: أَنَّهُ لَا يَجُوزُ التَّهَايُؤُ فِيهِمَا أَصْلًا بِالْجَبْرِ لِمَا قُلْنَا، وَبِالتَّرَاضِي لِأَنَّهُ بَيْعُ السُّكْنَى بِالسُّكْنَى، ۴؎ بِخِلَافِ قِسْمَةِ رَقَبَتِهِمَا لِأَنَّ بَيْعَ بَعْضِ أَحَدِهِمَا بِبَعْضِ الْآخَرِ جَائِزٌ. ۵؎

تشریح :دو گھر ہیں اور دو شریکوں کی ملکیت ہیں، اس کا نفع اس طرح تقسیم کیا کہ ایک شریک ایک گھر میں قیام کرے اور دوسرا آدمی دوسرے گھر میں قیام کرے تو یہ سب کے نزدیک جائز ہے، اور قاضی بھی ایسی تقسیم پر جبر کر سکتا ہے۔

وجہ :امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک گھر کی معنوی خوبیوں کا اعتبار کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ قیمت سے گھر کو تقسیم کرنا ہوگا، ایسا نہیں کر سکتے کہ ایک گھر کو ایک شریک کو دے دیا، اور دوسرا گھر دوسرے شریک کو دے دیا، لیکن اس کی رہائش میں کوئی زیادہ تفاوت نہیں ہے، اس لئے ایک گھر کی رہائش ایک کو اور دوسرے گھر کی رہائش دوسرے کو دے دے تو یہ جائز ہے اور اس پر قاضی جبر بھی کر سکتا ہے۔

ترجمہ : ۱؎ بہر حال صاحبینؒ کے نزدیک تو اس لئے کہ دونوں گھر انکے نزدیک ایک جیسے ہی ہیں۔

تشریح :صاحبینؒ کے نزدیک گھر کے معنوی خوبیوں کا اعتبار نہیں ہے، ظاہری طور پر دونوں گھر ایک جیسے ہوں تو کافی ہے، ایک ایک گھر دونوں کو تقسیم کر سکتا ہے، اسی پر قیاس کر کے دونوں گھروں کی رہائش کو تقسیم کر دیا تو یہ بھی جائز ہے۔ کیونکہ رہائش تو قریب قریب ہوتی ہے۔

ترجمہ : ۳؎ امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ دونوں صورتوں میں مہایات جائز نہیں، نہ جبر کر کے، جیسا کہ ہم نے کہا، اور نہ رضامندی سے اس لئے کہ رہائش کو رہائش سے بیچنا ہے جو جائز نہیں۔

تشریح :امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ ایک گھر کی رہائش ایک کو اور دوسرے گھر کی رہائش دوسرے کو نہ جبرا دے سکتے ہیں اور نہ رضامندی سے۔

وجہ :جبرا اس لئے نہیں دے سکتے کہ دو گھر کے معنی کا اعتبار ہے اس لئے ایک گھر ایک کو اور دوسرا گھر دوسرے کو نہیں دے سکتے، اسی پر قیاس کر کے ایک کی رہائش ایک کو اور دوسرے کی رہائش دوسرے کو جبرا نہیں دے سکتے۔ اور دونوں شریک اس پر راضی ہو جائے تب بھی نہیں دے سکتے، اس لئے کہ یہاں رہائش کے بدلے رہائش کو بیچنا ہے، اور دونوں ایک جنس ہیں اس لئے کمی بیشی سے سود ہونے کا خطرہ ہے اس لئے ہر ایک کو ایک ایک گھر کی رہائش بھی نہیں دے سکتے۔

ترجمہ : ۴؎ بخلاف عین گھر کو تقسیم کرنے کا اس لئے کہ ان میں سے ایک کے بعض کو دوسرے کے بعض سے بیچنا جائز ہے

تشریح :دو گھر میں سے ہر ایک کو ایک ایک گھر دے دے یہ جائز ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ گویا کہ ایک کے بعض حصے کو دوسرے گھر کے بعض حصے سے بیچنا ہوا یہ جائز ہے۔

ترجمہ : ۵؎ ظاہر مذہب کی وجہ یہ ہے کہ منافع میں تفاوت کم ہوتا ہے اس لئے رضامندی سے جائز ہے اور اس میں قاضی

وَجهُ الظَّاهِرِ أَنَّ التَّفَاوُتَ يَقِلُّ فِي الْمَنَافِعِ فَيَجُوزُ بِالتَّرَاضِي وَيَجرِي فِيهِ جَبرُ الْقَاضِي وَيُعتَبَرُ إِفرَازًا، أَمَّا يَكثُرُ التَّفَاوُتُ فِي أَعيَانِهِمَا فَاعتُبِرَ مُبَادَلَةً. (۱۴۶)وَفِي الدَّابَّتَينِ لَا يَجُوزُ التَّهَايُؤُ عَلَى الرُّكُوبِ عِندَ أَبِي حَنِيفَةَ وَعِندَهُمَا يَجُوزُ ۱ اعتِبَارًا بِقِسمَةِ الْأَعيَانِ. ۲ وَلَهُ: أَنَّ

کا جبر کرنا بھی جاری ہوسکتا ہے، اور اس میں افراز کا اعتبار کیا جائے گا، اور عین گھر میں تفاوت زیادہ ہوتا ہے اس لئے مبادلے کا اعتبار کیا جائے گا۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کی ظاہر روایت میں ہے کہ دو گھر کے نفع کو تقسیم کرنا بھی جائز ہے۔

وجہ: اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ منافع اور رہائش میں کم تفاوت ہوتا ہے، اس لئے دونوں شریک راضی ہوجائے تب بھی جائز ہے، اور راضی نہ ہوں تب بھی قاضی جبر کر کے منافع تقسیم کرسکتا ہے۔ اور اس میں مبادلہ کے بجائے افراز کا معنی دیا جائے گا۔ اور عین گھر کو تقسیم کرنے میں مبادلہ کا معنی دیا جائے گا، یعنی اپنا آدھا گھر دیا اور شریک کا آدھا گھر اس کے بدلے میں لیا، اس طرح گھر کی تقسیم اور اس کے منافع کی تقسیم دونوں جائز ہوجائیں گے۔

ترجمہ: (۱۴۶) دو جانوروں پر سوار ہونے میں مہایات کرے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہے

ترجمہ: ۱ عین گھوڑے کو تقسیم پر قیاس کرتے ہوئے۔

تشریح: زید اور عمر کے درمیان دو گھوڑے ہیں، دونوں نے مہایات کیا کہ ایک گھوڑے پر زید سوار ہو اور دوسرے گھوڑے پر عمر سوار ہو اس طرح کرنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں، اور صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہے۔

وجہ: صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ ایک ایک گھوڑا تقسیم کیا جاسکتا ہے، تو اس کی خدمت بھی ایک ایک کر کے تقسیم کی جاسکتی ہے امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ دو سوار میں بہت فرق ہوتا ہے، ایک سوار ماہر ہے تو وہ گھوڑے پر آسانی کرے گا، اور دوسرا ماہر نہیں ہے اس لئے وہ گھوڑے پر آسانی نہیں کرے گا، اس لئے سوار ہونے میں تفاوت ہوگیا، اس لئے اس طرح کی تقسیم صحیح نہیں ہے۔

لغت: اعتبارا بقسمة الاعيان: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ عین گھوڑے کو صاحبینؒ کے یہاں تقسیم کرسکتا ہے، اس لئے اس کی سواری بھی ایک ایک کر کے تقسیم کرسکتا ہے۔

ترجمہ: ۲ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ دو سواروں کے فرق ہونے کی وجہ سے استعمال میں فرق ہوجاتا ہے، اس لئے کہ کچھ ماہر ہوتے ہیں اور کچھ اناڑی ہوتے ہیں۔

تشریح: واضح ہے۔

الِاسْتِعْمَالَ يَتَفَاوَتُ بِتَفَاوُتِ الرَّاكِبِينَ فَإِنَّهُمْ بَيْنَ حَاذِقٍ وَأَخْرَقَ. ۳؎ وَالتَّهَايُؤُ فِي الرُّكُوبِ فِي دَابَّةٍ وَاحِدَةٍ عَلَى هَذَا الْخِلَافِ لِمَا قُلْنَا، ۴؎ بِخِلَافِ الْعَبْدِ لِأَنَّهُ يَخْدِمُ بِاخْتِيَارِهِ فَلَا يَتَحَمَّلُ زِيَادَةً عَلَى طَاقَتِهِ وَالدَّابَّةُ تُحَمِّلُهَا. ۵؎ وَأَمَّا التَّهَايُؤُ فِي الِاسْتِغْلَالِ يَجُوزُ فِي الدَّارِ الْوَاحِدَةِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ، وَفِي الْعَبْدِ الْوَاحِدِ وَالدَّابَّةِ الْوَاحِدَةِ لَا يَجُوزُ. وَوَجْهُ الْفَرْقِ هُوَ أَنَّ النَّصِيبَيْنِ يَتَعَاقَبَانِ فِي الِاسْتِيفَاءِ، وَالِاعْتِدَالُ ثَابِتٌ فِي الْحَالِ. وَالظَّاهِرُ بَقَاؤُهُ فِي الْعَقَارِ وَتَغَيُّرُهُ فِي

ترجمہ :۳؎ اور ایک گھوڑے میں مہایات کرنا اسی اختلاف پر ہے، اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے کہا، کہ کچھ ماہر ہوتے ہیں اور کچھ اناڑی ہوتے ہیں

تشریح :ایک گھوڑا دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو، اب اس طرح اس کا نفع تقسیم کرے کہ مثلا زید ایک ہفتہ تک گھوڑے پر سوار ہوگا، پھر عمر دوسرے ہفتہ میں سوار ہوگا تو اس بارے میں بھی اختلاف ہے، صاحبینؒ کے یہاں یہ مہایات جائز ہے، اور اامام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے، کیونکہ کچھ ماہر ہوتے ہیں، اور کچھ اناڑی ہوتے ہیں اس لئے سواری سواری میں تفاوت ہوتا جا ہے اس لئے جائز نہیں ہوگا۔

ترجمہ :۴؎ بخلاف غلام کے [اس کی خدمت کو تقسیم کرنا جائز ہے] اس لئے وہ اپنے اختیار سے خدمت کرتا ہے، اس لیے اپنی طاقت سے زیادہ برداشت نہیں کرے گا، اور جانور برداشت کر لیتا ہے۔

تشریح :ایک غلام کی خدمت ایک ہفتہ ایک مالک لے اور دوسرا ہفتہ دوسرا مالک لے ایسا کرنا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ غلام اپنے اختیار سے خدمت کرتا ہے اس لئے گنجائش سے زیادہ خدمت نہیں کرے گا، اور جانور بے زبان ہوتا ہے اس لئے زیادہ بوجھ بھی اٹھا لیتا ہے اس لئے اس کی خدمت میں بہت تفاوت ہوگا اس لئے جانور کی خدمت میں تقسیم ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

ترجمہ :۵؎ کرایہ رکھنے میں مہایات کرنا ایک گھر میں جائز ہے ظاہر روایت میں، اور ایک غلام اور ایک جانور میں جائز نہیں ہے، فرق کی وجہ یہ ہے کہ نفع وصول کرنے میں دونوں حصے ترتیب سے آئیں گے اور اس وقت اعتدال ثابت ہے تو ظاہر یہ ہے کہ گھر یہ اعتدال باقی رہے گا، اور جانور میں تبدیلی ہوگی، کیونکہ اس پر تغیر کے اسباب آتے ہیں، تو انصاف فوت ہو جائے گا۔

تشریح :ایک گھر کو کرایہ پر رکھے اور مہایات کرے تو جائز ہے، مثلا ایک گھر ہے، زید ایک ماہ تک اس کو کرایہ پر دے، اور دوسرے مہینے میں عمر کرایہ پر دے تو جائز ہے۔

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ آج جو حالت گھر کی ہے امید یہ ہے کہ اگلے ماہ میں بھی وہی حالت رہے گی اس لئے دونوں شریک برابر طور پر نفع حاصل کر سکیں گے اس لئے ایک گھر کو باری باری کرایہ پر رکھنا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔

الْحَيَوَانِ لِتَوَالِي أَسْبَابِ التَّغَيُّرِ عَلَيْهِ فَتَفُوتُ الْمُعَادَلَةُ.٦ وَلَوْ زَادَتْ الْغَلَّةُ فِي نَوْبَةِ أَحَدِهِمَا عَلَيْهَا فِي نَوْبَةِ الْآخَرِ فَيَشْتَرِكَانِ فِي الزِّيَادَةِ لِيَتَحَقَّقَ التَّعْدِيلُ، بِخِلَافِ مَا إذَا كَانَ التَّهَايُؤُ عَلَى الْمَنَافِعِ فَاسْتَغَلَّ أَحَدُهُمَا فِي نَوْبَتِهِ زِيَادَةً، لِأَنَّ التَّعْدِيلَ فِيمَا وَقَعَ عَلَيْهِ التَّهَايُؤُ حَاصِلٌ وَهُوَ الْمَنَافِعُ فَلَا تَضُرُّهُ زِيَادَةُ الِاسْتِغْلَالِ مِنْ بَعْدُ ے وَالتَّهَايُؤُ عَلَى الِاسْتِغْلَالِ فِي الدَّارَيْنِ جَائِزٌ

اورایک غلام ہو، یاایک گھوڑا ہوتواس کو باری باری کرایہ پر رکھناامام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ اگلے ماہ میں گھوڑے، یاغلام کی حالت یہی ہوگی یہ گرانٹی نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ بیمار ہوجائے، یا طبیعت ڈھیلی ہوجائے اور کرایہ کے قابل نہ رہے اس لئے دونوں شریکوں کے کرایہ وصول کرنے میں فرق ہوجائے گا اس لئے غلام اور جانور کو باری باری کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے۔

لغت: لتوالی اسباب التغیر علیھا: جانور پر تغیر کے اسباب پیدر پے آتے ہیں، کبھی اچھا رہتا ہے اور کبھی بیمار ہوجاتا ہے۔

ترجمہ: ٦ کرایہ میں مہایات ہوئی، پھر ایک کی باری میں کرایہ زیادہ آ گیا دوسرے کی باری سے تو زیادہ کرایہ میں دونوں شریک ہوجائیں گے، تاکہ برابری متحقق ہوجائے، بخلاف اگر مہایات منافع پر ہوا ہے اور ایک نے اپنی باری میں زیادہ کرایہ وصول کرلیا، اس لئے کہ جس میں مہایات واقع ہوا ہے اس میں برابری ہوئی ہے، یعنی منافع میں برابری ہوگئی ہے، اس لئے بعد میں زیادہ کرایہ وصول کرنے سے کوئی نقصان نہیں ہے۔

اصول: کرایہ تقسیم کیا، پھر کرایہ میں کسی نے زیادہ وصول کیا تو اس زیادہ میں دونوں شریک ہوں گے۔

اصول نفع تقسیم کیا، پھر گھر کو کرایہ پر رکھ دیا اور کسی نے زیادہ کرایہ وصول کیا تو اس زیادہ کرایہ میں دونوں شریک نہیں ہونگے

تشریح: یہاں دو باتوں میں فرق بیان کر رہے ہیں، غور سے سمجھیں۔

[۱] ایک گھر ہے اس کا مالک زید اور عمر ہے، دونوں کرایہ پر رکھنے کو تقسیم کیا، مثلا اس ماہ میں زید گھر کو کرایہ پر رکھے گا، اور اگلے ماہ میں عمر کرایہ پر رکھے گا، اب زید نے اس گھر کا کرایہ ایک سو وصول کیا، اور عمر نے ایک سو پچاس وصول کیا، تو اس پچاس میں دونوں شریک ہوں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں کرایہ تقسیم ہوا ہے اس لئے اس میں دونوں کو برابر کرایہ ملنا چاہئے، اس لئے پچاس جو عمر نے زیادہ وصول کیا ہے اس میں زید کو بھی پچیس ملے گا۔

[۲] دوسری صورت یہ ہے کہ منافع تقسیم ہوا، اس طرح کہ ایک ماہ زید گھر میں رہے اور دوسرا ماہ عمر رہے، لیکن گھر میں رہنے کے بجائے زید نے گھر کو کرایہ پر رکھ دیا، اور ایک سو وصول کیا، اور عمر نے بھی اگلے ماہ کرایہ پر رکھا اور ایک سو پچاس وصول کیا تو یہاں اس پچاس میں زید شریک نہیں ہوگا۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں کرایہ تقسیم نہیں کیا ہے، بلکہ ایک ایک ماہ کا نفع تقسیم کیا ہے، اور دونوں نے ایک ایک ماہ نفع اٹھایا

أَيُضًا فِيُ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ لِمَا بَيَّنَّا، ۸؎ وَلَوُ فَضَلَ غَلَّةُ أَحَدِهِمَا لَا يَشُتَرِكَانِ فِيهِ بِخِلَافِ الدَّارِ الُوَاحِدَةِ. وَالُفَرُقُ أَنَّ فِيُ الدَّارَيُنِ مَعُنَى التَّمُيِيزِ، وَالِافُرَازُ رَاجِحٌ لِاتِّحَادِ زَمَانِ الِاسُتِيفَاءِ، وَفِيُ الدَّارِ الُوَاحِدَةِ يَتَعَاقَبُ الُوُصُولُ فَاعُتُبِرَ قَرُضًا وَجُعِلَ كُلُّ وَاحِدٍ فِيُ نَوُبَتِهِ كَالُوَكِيلِ عَنُ صَاحِبِهِ فَلِهَذَا يَرُدُّ عَلَيُهِ حِصَّتَهُ مِنُ الُفَضُلِ، ۹؎ وَكَذَا يَجُوزُ فِيُ الُعَبُدَيُنِ عِنُدَهُمَا اعُتِبَارًا

ہے جو برابر ہے، اس لئے عمر نے زیادہ کرایہ وصول کیا ہے تو اس میں زید شریک نہیں ہوگا۔

لغت: استغلال: غل سے مشتق ہے، کرایہ پر مکان رکھنا۔ نوبۃ: باری۔

ترجمہ: ۷؎ دو گھروں میں کرایہ تقسیم کرنا بھی جائز ہے ظاہر روایت میں اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کیا [گھر میں تبدیلی نہیں ہوتی اس لئے کرایہ پر دینا جائز ہے]

تشریح: زید اور عمر کے دو گھر ہیں، دونوں نے اس طرح تقسیم کیا کہ زید ایک گھر کو کرایہ پر دیگا، اور عمر دوسرے گھر کو کرایہ پر دیگا تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ ابھی جو اچھی حالت گھر کی ہے امید ہے کہ اگلے مہینے میں ایسے ہی رہے گی اس لئے برابری ہو جائے گی، اس لئے کرایہ پر رکھنے کو تقسیم کرنا جائز ہے۔

ترجمہ: ۸؎ اگر دونوں میں سے ایک کا کرایہ زیادہ ہو گیا تو اس میں دونوں شریک نہیں ہوں گے، بخلاف ایک ہی گھر ہو [تو دونوں شریک ہوں گے]، اور فرق یہ ہے کہ دو گھر میں تمیز اور افراز کا معنی راجح ہے، کیونکہ کرایہ وصول کرنے کا زمانہ ایک ہے، اور ایک گھر میں یکے بعد دیگرے کرایہ وصول کرتے ہیں، اس لئے ایسا سمجھا جائے گا کہ قرض لیا اور ہر ایک کو اپنی باری میں ساتھی کا وکیل سمجھا گیا، اس لئے جو کرایہ زیادہ ہوگا اس میں سے ساتھی کا حصہ اس پر واپس کیا جائے گا۔

تشریح: زید اور عمر کے دو گھر تھے دونوں کو ایک ایک گھر کرایہ پر رکھنے کے لئے دیا، زید نے ایک سو کرایہ وصول کیا اور عمر نے ایک سو پچاس تو زید اس پچاس میں شریک نہیں ہوگا۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں کو گھر مل گیا اور اس میں برابری ہو گئی، اس لئے اس میں افراز اور الگ کرنے کے معنی ہے، اس زیادہ والے کرایہ میں زید شریک نہیں ہوگا۔

ایک گھر ہو اور ایک ایک ماہ کرایہ پر رکھنے کے لئے دیا اور ایک نے پچاس درہم زیادہ وصول کیا تو وہاں زید کرایہ میں اس لئے شریک ہوتا ہے کہ ایک ہی گھر میں یکے بعد دیگرے کرایہ وصول کرتا ہے، اس لئے اپنی باری میں گویا کہ شریک کا بھی کرایہ وصول کرنے کا وکیل ہوا ہے، اور جب وکیل نے شریک کا بھی کرایہ وصول کیا تو جو زیادہ ہوگا اس میں سے آدھا شریک کو دینا ہوگا۔

ترجمہ: ۹؎ ایسے ہی دو غلاموں کو کرایہ پر رکھنے کے لئے تقسیم کرے صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہے قیاس کرتے ہوئے منافع میں تقسیم کے۔

بِـالتَّهَايُؤِ فِيْ الْمَنَافِعِ، ١٠ وَلَا يَـجُـوزُ عِـنْـدَهُ لِأَنَّ التَّفَاوُتَ فِيْ أَعْيَانِ الرَّقِيقِ أَكْثَرُ مِنْهُ مِنْ حَيْثُ الـزَّمَـانِ فِي الْعَبْدِ الْوَاحِدِ فَأَوْلَى أَنْ يَمْتَنِعَ الْجَوَازُ، ١١ وَالتَّهَـايُؤُ فِيْ الْخِدْمَةِ جُوِّزَ ضَرُورَةً، وَلَا ضَـرُورَـةَ فِي الْـغَـلَّةِ لِإِمْكَـانِ قِسْـمَتِهَـا لِكَوْنِهَا عَيْنًا، وَلِأَنَّ الظَّاهِرَ هُوَ التَّسَامُحُ فِيْ الْخِدْمَةِ

تشریح: زیداور عمر کے دوغلام ہیں، ایک غلام زید کودے دیا کہ آپ اس کو کرایہ پر رکھیں، اور دوسرا غلام عمر کو دے دیا کہ یہ اس کو کرایہ پر رکھیں تو صاحبینؒ کے نزدیک یہ جائز ہے۔

وجہ : پہلے گزر چکا ہے کہ ایک غلام کو زید کی خدمت کرنے کے لئے اور دوسرا غلام عمر کی خدمت کرنے کے لئے دے تو جائز ہے، اسی پر قیاس کرتے ہوئے ایک غلام کو زید کو کرایہ پر رکھنے کے لئے اور دوسرے غلام کو عمر کو کرایہ پر رکھنے کے لئے دے تو جائز ہوگا۔

ترجمہ :١٠ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے اس لئے کہ عین غلام میں تفاوت بہت زیادہ ہوتا، ایک غلام میں زمانے کے اعتبار سے جتنا ہوتا ہے اس سے زیادہ اس لئے جائز نہیں ہونا چاہئے۔

تشریح: دوغلام میں سے ایک کو زید کو اور دوسرا عمر کو کرایہ پر رکھنے کے لئے دے یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

وجہ :(۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ دوغلام کی ذہانت میں بہت بڑا فرق ہوگا، جو ہوشیار ہوگا وہ زیادہ کرایہ لائے گا، اور جو بیوقوف ہوگا وہ کم کرایہ لائے گا، اس لئے برابری نہیں ہوئی اس لئے جائز نہیں۔ (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ ایک غلام ہو اور ایک ماہ زید کے لئے کرایہ کرے اور دوسرے ماہ میں عمر کے لئے کرایہ کرے تو یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں تھا، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ پہلے مہینے میں غلام تندرست رہا اس لئے زیادہ کرایہ لائے اور دوسرے مہینے میں وہ تھوڑا بیمار رہا اس لئے کم کرایہ لائے اس لئے برابری نہیں رہی اس لئے یہ جائز نہیں رہا، اسی طرح یہاں دوغلاموں کے کرایہ میں تفاوت ہوگا اس لئے جائز نہیں ہوگا۔

اصول :امام ابوحنیفہؒ کرایہ میں بہت احتیاط سے کام لیتے ہیں کہ تھوڑا سا بھی فرق ہو تو ناجائز قرار دے دیتے ہیں۔

اصول: صاحبین عام مروج حالات کو دیکھ کر فیصلہ کرتے ہیں، چاہے تھوڑا بہت فرق ہو جائے ۔

ترجمہ : ١١ اور خدمت میں تقسیم ضرورت کی بنا پر جائز قرار دیا اور کرایہ میں اس کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ خود کرایہ کو تقسیم کرنا ممکن ہے، اور ظاہر بات یہ ہے کہ خدمت کی کمی بیشی میں چشم پوشی کرتے ہیں اور کرایہ لینے میں پورا حساب کرتے ہیں ،اس لئے ایک دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

تشریح :لیکن دوغلام دو مالکوں کی خدمت کرے اس کو جائز قرار کیوں دیا اس کا جواب دیا جارہا ہے کہ خدمت میں ضرورت ہے، اور کرایہ میں ضرورت نہیں ہے، کیونکہ دونوں شریک دونوں غلاموں کو ایک ساتھ کرایہ پر رکھ دے، پھر دونوں آدھا آدھا کرایہ تقسیم کرلے یہ ممکن ہے اس لئے ایک غلام کو ایک مالک کو اور دوسرے غلام کو دوسرے مالک کو دینے کی ضرورت

وَالِاسْتِقْصَاءُ فِي الِاسْتِغْلَالِ فَلَا يَنْقَسِمَان ۱۲ وَلَا يَجُوزُ فِي الدَّابَّتَيْنِ عِنْدَهُ خِلَافًا لَهُمَا وَالْوَجْهُ مَا بَيَّنَّاهُ فِي الرُّكُوب ۱۳ وَلَوْ كَانَ نَخْلٌ أَوْ شَجَرٌ أَوْ غَنَمٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ فَتَهَايَئَا عَلَى أَنْ يَأْخُذَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا طَائِفَةً يَسْتَثْمِرُهَا أَوْ يَرْعَاهَا وَيَشْرَبُ أَلْبَانَهَا لَا يَجُوزُ لِأَنَّ الْمُهَايَأَةَ فِي الْمَنَافِعِ ضَرُورَةً أَنَّهَا لَا تَبْقَى فَيَتَعَذَّرُ قِسْمَتُهَا، وَهَذِهِ أَعْيَانٌ بَاقِيَةٌ تَرِدُ عَلَيْهَا الْقِسْمَةُ عِنْدَ حُصُولِهَا.

نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کسی کی خدمت زیادہ کردیا کسی کی کم کی اس میں ہر شریک چشم پوشی کرتے ہیں، لیکن نقد رقم ہے اس کے لینے میں ہر آدمی پورا پورا حساب کرتا ہے، اسلئے دو غلام کے کرایہ میں تفاوت کی وجہ سے اس کو جائز قرار نہ دیا جائے۔

لغت: التسامح: چشم پوشی کرنا۔ استقصاء: قص سے مشتق ہے، پورا پورا حساب کرنا سختی کرنا۔

ترجمہ: ۱۲ دو جانور کو کرایہ پر رکھنا جائز نہیں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خلاف صاحبینؒ کے، اور وجہ بیان کر دیا ہے سواری کے مسئلے میں۔

تشریح: زید اور عمر کے درمیان دو گھوڑے ہیں، ایک ایک گھوڑا دے دیا کہ اس کو کرایہ پر رکھیں تو یہ صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

تشریح: صاحبینؒ کے نزدیک معنوی خوبیوں کا اعتبار نہیں ہے اس لئے ایک جیسے دو گھوڑے ہوں تو دونوں شریکوں کو ایک ایک گھوڑا تقسیم کیا جا سکتا ہے، اور جب عین گھوڑا تقسیم کیا جا سکتا ہے تو کرایہ کے لئے بھی ایک ایک گھوڑا دیا جا سکتا ہے۔

اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک گھوڑا مضبوط ہے تو اس سے زیادہ کرایہ وصول کیا جائے گا اور دوسرا کمزور ہے تو اس سے کم اس لئے دونوں کے کرایے میں برابری نہیں ہوگی اس لئے اس طرح دو گھوڑوں کو کرایہ کے لئے تقسیم کرنا بھی جائز نہیں ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ دونوں گھوڑوں کو مشترکہ طور پر کرایہ پر رکھ دے اور جو کرایہ آئے گا اس کو دونوں تقسیم کر لیں۔

ترجمہ: ۱۳ اور اگر کھجور کا درخت ہو، یا کوئی اور درخت ہو، یا بکری ہو دو آدمیوں کے درمیان، اور اس طرح تقسیم کیا کہ ہر ایک حصہ لے لے اور اس سے پھل پیدا کرے، اور بکری کو چرائے اور اس سے دودھ پیئے تو پی جائز نہیں ہے، اس لئے منافع میں مہایات ضرورت کی بنا پر تھا کہ وہ باقی نہیں رہتا ہے اس لئے اس کا تقسیم کرنا متعذر ہے، اور یہ چیزیں عین ہیں جو باقی رہنے والی ہیں اور کو حاصل کرنے کے بعد تقسیم کر سکتے ہیں [اس لئے مشترکہ طور پر حاصل کرنے کے بعد اس کو تقسیم کر لے۔

تشریح: مثلا دو درخت ہیں جو زید اور عمر کی ملکیت ہیں، ایک درخت زید کو دے اور ایک درخت عمر کو دے دے کہ دونوں درخت کو پانی پلائے اور اس سے جو پھل حاصل ہو اس کو وہ خود کھائے، یا دو بکریاں ہیں ایک ایک دے دے کہ اس کو چراؤ اور اس کا دودھ پیؤ تو یہ جائز نہیں ہے۔

وجہ: گھر کی رہائش تقسیم کرنا اس لئے جائز تھا کہ وہ باقی نہیں رہتی اور کوئی عین چیز نہیں ہے وہ معنوی چیز ہے اس لئے اس کے

۱۴؎ وَالْحِيلَةُ أَنْ يَبِيعَ حِصَّتَهُ مِنَ الْآخَرِ ثُمَّ يَشْتَرِيَ كُلَّهَا بَعْدَ مُضِيِّ نَوْبَتِهِ ۱۵؎ أَوْ يَنْتَفِعَ بِاللَّبَنِ بِمِقْدَارٍ مَعْلُومٍ اسْتِقْرَاضًا لِنَصِيبِ صَاحِبِهِ، اذْ قَرْضُ الْمُشَاعِ جَائِزٌ. و الله اعلم بالصواب

لئے گھر ہی کو دے دیا، اور یہاں جو پھل ہے اور دودھ ہے وہ عین چیز ہے اسکو تقسیم کر سکتے ہیں۔ اس لئے اس کو اس طرح تقسیم کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ مشترکہ طور پر درخت کو پانی پلائے اور جو پھل ہو اس کو تقسیم کر لے، یا مشترکہ طور پر بکری کو چرائے اور جو دودھ آئے اس کو تقسیم کر لے یہی بہتر ہے۔

لغت: یستثمر: ثمر سے مشتق ہے، پھل حاصل کرے۔ یرعی: چرائے۔

ترجمہ: ۱۴؎ اس کا حیلہ یہ ہے کہ اپنا حصہ دوسرے شریک کو بیچ دے، پھر اس کی باری گزرنے کے بعد پورا حصہ خود خرید لے۔

تشریح: یہ ایک حیلہ بتا رہے ہیں، مثلا زید اپنے درخت کا پھل ایک ہفتے کے لئے عمر کو بیچ دے، اور جب ایک ہفتہ ختم ہو جائے تو عمر اپنا پھل ایک ہفتے کے لئے زید کے ہاتھ میں بیچ دے اس طرح جائز ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۱۵؎ یا عمر اپنی باری میں اپنے شریک کا دودھ قرض لیکر فائدہ اٹھائے، اس لئے کہ مشاع کا قرض جائز ہے۔

تشریح: دودھ کی شکل یہ ہوگی کہ عمر کی باری آئے تو زید کا دودھ بھی قرض لیکر فائدہ اٹھائے، اور جب زید کی باری آئے تو اپنی بکری سے بھی دودھ حاصل کرے اور جو عمر کو قرض دیا ہے اس کو بھی اس سے وصول کرے۔ اس صورت میں ایک ہفتے میں زید دونوں بکریوں کے دودھ سے فائدہ اٹھائے گا، اور عمر اپنی باری میں دونوں بکریوں کے دودھ سے فائدہ اٹھائے گا، اور چونکہ مشاع کے طور پر قرض لینا جائز ہے اس لئے یہ قرض لینا بھی جائز ہو جائے گا، یہ دودھ کے بارے میں دوسرا حیلہ ہوا۔

﴿كِتَابُ الْمُزَارَعَةِ﴾

(١٤٧) قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ – رَحِمَهُ اللَّهُ –: الْمُزَارَعَةُ بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ بَاطِلَةٌ ١ اعْلَمْ أَنَّ الْمُزَارَعَةَ

﴿ كتاب المزارعة ﴾

ضروری نوٹ : مزارعة، زراعت سے مشتق ہے، کھیتی کرنا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی کی جانب سے زمین ہو اور دوسرے کی جانب سے بیل یا بیج ہو۔ اور جو پیداوار ہو وہ دونوں میں آدھا آدھا یا ایک تہائی اور دو تہائی ہو تو اس کو مزارعت یا مخابرہ کہتے ہیں۔ مخابرہ خیبر سے مشتق ہے۔ اہل خیبر کو آپؐ نے زمین بٹائی پر دی ہے اس لئے اسی سے مشتق ہو کر بٹائی کو مخابرہ کہتے ہیں۔

مزارعت اور مساقات میں فرق یہ ہے کہ کھیتی کی زمین کو بٹائی پر دے تو اس کو ،مزارعت، کہتے ہیں، اور پھل کا درخت بٹائی پر دے اس کو مساقات، کہتے ہیں اس لئے کہ اس میں ہل چلا کر کھیتی کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ صرف پانی کی سینچائی کر کے پھل حاصل کرتے ہیں اس لئے اس کو ،مساقات، کہتے ہیں

وجہ : حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن ابن عمر اخبره ان النبی ﷺ عامل خیبر بشطر ما یخرج منها من ثمر او زرع . (بخاری شریف، باب المزارعة بالشطر ونحوه، ص ۳۷۴ نمبر ۲۳۲۸ / مسلم شریف، باب المساقات والمعاملة بجزاء من الثمر والزرع، ص ۶۷۸ نمبر ۱۵۵۱ / ۳۹۶۲ / ابوداؤد شریف، باب فی المساقاة، ص ۴۹۴، نمبر ۳۴۰۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بٹائی پر زمین دینا جائز ہے۔

ترجمہ : (١٤٧) امام ابوحنیفہ نے فرمایا تہائی یا چوتھائی پر کھیتی کرنا باطل ہے۔

تشریح : کھیت کو تہائی غلہ یا چوتھائی غلہ پر بٹائی پر دے کہ جو کچھ غلہ نکلے گا اس میں سے دو تہائی تمہارے لئے اور ایک تہائی میرے لئے یا تین چوتھائی تمہارے لئے اور ایک چوتھائی میرے لئے، اس طرح بٹائی پر دینا امام ابوحنیفہ کے نزدیک باطل ہے

وجہ : (١) ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ زعم ثابت ان رسول الله نهی عن المزارعة وامر بالمواجرة وقال لا بأس بها (مسلم شریف، باب المزارعة والمواجرة، ص ۶۷۷، نمبر ۱۵۴۹ / ۳۹۵۶) (٢) اور ابوداؤد میں اس طرح ہے۔ عن زید بن ثابت قال نهی رسول الله ﷺ عن المخابرة قلت وما المخابرة قال ان تأخذ الارض بنصف او ثلث او ربع (ابوداؤد شریف، باب فی المخابرة، ص ۴۹۴، نمبر ۳۴۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا حضورؐ نے تہائی یا چوتھائی وغیرہ پر بٹائی دینے سے منع فرمایا ہے (٣) ابوداؤد میں اس طرح وعید ہے. عن جابر بن عبد الله سمعت رسول الله ﷺ یقول من لم یذر المخابرة فلیوذن بحرب من الله و رسوله. (ابوداؤد شریف، باب المخابرة، ص ۴۹۴، نمبر ۳۴۰۶) اس حدیث میں ہے مخابرہ نہ چھوڑے تو اللہ اور رسول کی جانب سے اعلان جنگ کر دو۔ اور مخابرہ کے معنی بٹائی ہے،

لُغَةً: مُفَاعَلَةٌ مِنْ الزَّرْعِ. وَفِي الشَّرِيعَةِ: هِيَ عَقْدٌ عَلَى الزَّرْعِ بِبَعْضِ الْخَارِجِ. وَهِيَ فَاسِدَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، ٢ وَقَالَا: هِيَ جَائِزَةٌ لِمَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – عَامَلَ أَهْلَ

ان ممانعت کی احادیث کی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ بٹائی پر دینا جائز نہیں ہے، لیکن کوئی دے ہی دے تو ایسا کرنا جائز ہوگا، کیونکہ دوسری حدیث میں جواز کی دلیل ہے۔

نوٹ: شریعت کا مزاج یہ ہے کہ زمین اللہ کی ہے اس لئے اس کو مفت کرنے دو، یا اجرت پر دو اس کی ترغیب دی ہے، اس کے لئے حدیث یہ ہے۔ عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ قال لان یمنح الرجل أخاہ أرضہ خیر لہ من ان یأخذ علیہا خرجا معلوما۔ (مسلم شریف، باب الارض تمنح۔ ص ۶۷۷، نمبر ۱۵۵۰/۳۹۵۷) اس حدیث میں ہے کہ زمین کو مفت کرنے دے ئی بہتر ہے۔، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ہل والے نے بہت محنت کی لیکن بارش نہ ہونے کی وجہ سے زراعت نہیں ہوئی تو اس کی محنت بیکار جائے گی اس لئے اس بات کی ترغیب دی کہ ہل والے کی مزدوری، کھیت کی پیداوار سے مت دو بلکہ اپنی جیب سے دو تا کہ اس کی محنت ضائع نہ ہو۔

ترجمہ: ۱ مزارعۃ کا لفظ زرع سے مشتق ہے، اور باب مفاعلت سے ہے [کھیتی کرنا] اور شریعت میں کھیتی کے عقد کو کرنا ہے اسی سے جو پیدا ہو اس کے بدلے میں، اور یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فاسد ہے۔

تشریح: مزارعۃ: کا لفظ زرع سے مشتق ہے، اور باب مفاعلت سے آتا ہے، جس کا ترجمہ ہے کھیتی کرنا، اور شریعت میں یہ ہے کہ زمین کو بٹائی پر دے، اور بدلے میں اسی کی پیداوار کو دے دے، یہ مزارعت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فاسد ہے۔ اس کی دلیل اوپر گزر چکی ہے۔

ترجمہ: ۲ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ بٹائی جائز ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ سے روایت ہے کہ جتنا کاشت نکلے اس کے آدھے پر اہل خیبر سے معاملہ کیا تھا۔

تشریح: صاحبین فرماتے ہیں کہ تہائی، چوتھائی وغیرہ پر بٹائی پر دینا جائز ہے۔

وجہ: (۱) ان کی دلیل ایک تو اوپر کی حدیث ہے جس کو صاحب ہدایہ نے ذکر کی ہے۔ عن ابن عمر اخبرہ ان النبی ﷺ عامل خیبر بشطر ما یخرج منہا من ثمر او زرع. (بخاری شریف، باب المزارعۃ بالشطر ونحوہ، ص ۳۷۴، نمبر ۲۳۲۸/ مسلم شریف، باب المساقات والمعاملۃ بجزء من الثمر والزرع، ص ۶۷۸ نمبر ۱۵۵۱/۳۹۶۲/ ابوداؤد شریف، باب فی المساقاۃ، ص ۴۹۴، نمبر ۳۴۰۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بٹائی پر زمین دینا جائز ہے۔ (۲) اور دوسرا قول صحابی ہے۔ عن ابی جعفر قال ما بالمدینۃ اہل بیت ہجرۃ الا یزرعون علی الثلث والربع الخ (بخاری شریف، باب المزارعۃ بالشطر ونحوہ، ص ۳۷۴، نمبر ۲۳۲۸) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ اہل مدینہ بٹائی کرتے تھے جس سے بٹائی کا جواز معلوم ہوا۔

ترجمہ: ۳ اس لئے کہ یہ مال اور کام کے درمیان عقد شرکت ہے اس لئے جائز ہوگا، جس طرح عقد مضاربت جائز ہے۔

خَيْبَرَ عَلَى نِصْفِ مَا يَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٍ أَوْ زَرْعٍ ۳ وَلِأَنَّهُ عَقْدُ شَرِكَةٍ بَيْنَ الْمَالِ وَالْعَمَلِ فَيَجُوزُ اعْتِبَارًا بِالْمُضَارَبَةِ، ۴ وَالْجَامِعُ دَفْعُ الْحَاجَةِ، فَإِنَّ ذَا الْمَالِ قَدْ لَا يَهْتَدِي إِلَى الْعَمَلِ وَالْقَوِيُّ عَلَيْهِ لَا يَجِدُ الْمَالَ، فَمَسَّتِ الْحَاجَةُ إِلَى انْعِقَادِ هَذَا الْعَقْدِ بَيْنَهُمَا ۵ بِخِلَافِ دَفْعِ الْغَنَمِ وَالدَّجَاجِ وَدُودِ الْقَزِّ مُعَامَلَةً بِنِصْفِ الزَّوَائِدِ لِأَنَّهُ لَا أَثَرَ هُنَاكَ لِلْعَمَلِ فِي تَحْصِيلِهَا فَلَمْ

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ یہاں ایک طرف ہل والے کا کام ہے اور دوسری طرف زمین ہے اور دونوں کے درمیان عقد ہو رہا ہے اس لئے جائز ہوگا، اس کی مثال یہ ہے کہ مضاربت میں ایک طرف سے کام ہوتا ہے اور دوسری طرف سے روپیہ ہوتا ہے تو جائز ہوتا اسی طرح یہاں بھی جائز ہونا چاہئے۔

نوٹ: کتاب الآثار امام محمد اور موطا امام محمد میں ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک تہائی اور چوتھائی پر کھیت کو بٹائی پر دینا مکروہ ہے، باطل نہیں ہے۔ محمد قال اخبرنا ابو حنيفة عن حماد انه سأل طاؤسا وسالم بن عند الله عن الزراعة بالثلث او الربع فقال لا بأس به فذكرت ذلک لابراهيم فكرهه ... كان ابو حنيفة يأخذ بقول ابراهيم ونحن نأخذ بقول سالم وطاؤس لا نرى بذلک بأسا (کتاب الآثار لامام محمد، باب المزارعة بالثلث والربع ص ۱۷۲، نمبر ۷۷۴) اور موطا امام محمد میں ہے۔ وكان ابو حنيفة يكره ذلک (موطا امام محمد، باب المعاملة والمزارعة فی النخل والارض، ص ۳۵۷) اس سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اوپر کی احادیث کی بنا پر بٹائی مکروہ ہے۔ عموم بلوی کی وجہ سے فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔

ترجمہ : ۴ اور اصل بنیاد ضرورت کو دفع کرنا ہے، اس لئے کہ مال والے کو کبھی کام کرنے نہیں آتا، اور جو کام کر سکتا ہے اس کے پاس مال نہیں ہے اسلئے اس عقد کے منعقد کرنے کی ضرورت پڑی۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ : ۵ بخلاف بکری، اور مرغی، اور ریشم کا کیڑا معاملے کے طور پر دے۔ اور جو اس میں پیدا ہو وہ آدھا آدھا ہو [یہ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ کام کرنے والے کو اس کی پیداوار میں کوئی اثر نہیں ہے، اس لئے شرکت متحقق نہیں ہوگا۔

تشریح : زید نے عمر کو بکری دی کہ اس کو چراؤ اور جو اس سے بچہ پیدا ہوگا، اس میں آدھا آدھا ہوگا تو یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ بچے کے پیدا کرنے میں چرانے والے کو دخل نہیں ہے وہ تو بکری کا اپنا عمل ہے اس لئے یہ شرکت جائز نہیں ہوگی۔ اسی طرح مرغی دی کہ اس سے جو بچہ پیدا ہوگا، اس میں آدھا آدھا ہو، یا ریشم کا کیڑا دیا کہ اس سے جو ریشم پیدا ہوگا، اس میں آدھا آدھا ہو تو یہ شرکت جائز نہیں ہے کیونکہ کام کرنے والے کا اثر بچہ پیدا کرنے میں نہیں ہے اس لئے یہ شرکت جائز نہیں ہوگی، اور کھیتی کرنے میں تو کام کرنے والے کا اثر براہ راست کاشت پر پڑتی ہے اس لئے اس میں شرکت جائز ہوگی۔

تَتَحَقَّقُ شَرِكَةٌ. ٦ وَلَهُ مَا رُوِيَ أَنَّهُ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – نَهَى عَنْ الْمُخَابَرَةِ وَهِيَ الْمُزَارَعَةُ؛ ٧ وَلِأَنَّهُ اسْتِئْجَارٌ بِبَعْضِ مَا يَخْرُجُ مِنْ عَمَلِهِ فَيَكُونُ فِي مَعْنَى قَفِيزِ الطَّحَّانِ، ٨ وَلِأَنَّ الْأَجْرَ مَجْهُولٌ أَوْ مَعْدُومٌ وَكُلُّ ذَلِكَ مُفْسِدٌ، ٩ وَمُعَامَلَةُ النَّبِيِّ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – أَهْلَ خَيْبَرَ كَانَ خَرَاجَ مُقَاسَمَةٍ بِطَرِيقِ الْمَنِّ وَالصُّلْحِ وَهُوَ جَائِزٌ. ١٠ وَإِذَا فَسَدَتْ عِنْدَهُ فَإِنْ

ترجمه :٦ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل حضو ﷺ کی روایت ہے کہ مخابرہ سے منع فرمایا، اور مخابرہ وہ مزارعت ہے۔

تشریح : امام ابو حنیفہؒ نے مزارعت سے منع فرمایا انکی دلیل یہ حدیث ہے جسکو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا۔ عن زید بن ثابت قال نهى رسول الله ﷺ عن المخابرة قلت وما المخابرة قال ان تأخذ الارض بنصف او ثلث او ربع (ابوداؤد شریف، باب فی المخابرۃ، ص ۴۹۴، نمبر ۳۴۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے تہائی یا چوتھائی وغیرہ پر بٹائی دینے سے منع فرمایا ہے۔

ترجمه :۷ اور اس لئے کہ اس کے کام کی وجہ سے جو نکلے گا اسی کے بعض کو اجرت پر دینا ہے، تو یہ قفیز الطحان کے معنی میں ہو گیا۔

لغت :قفیز الطحان: قفیز: ناپنے کا پیمانہ ہے، اور طحان کا ترجمہ ہے پیسنا۔ ایک آدمی مشین والے کو گیہوں پیسنے دے، اور اس سے جو آٹا نکلے اس میں دسواں حصہ، یا آٹھواں حصہ مزدوری دے اس کو قفیز الطحان، کہتے ہیں، یہ ناجائز اس لئے ہے کہ ابھی تک مزدوری کی مقدار مجہول ہے۔

تشریح: یہ امام ابو حنیفہؒ کی جانب سے دوسری دلیل عقلی ہے۔ کہ کاشت کی زمین سے جو کچھ نکلے گا اسی میں کام کرنے والے کو مزدوری دی جائے گی تو یہ قفیز الطحان کی طرح مجہول ہو گیا اس لئے یہ ناجائز ہونی چاہئے۔

ترجمه :۸ اور اس لئے کہ اجرت مجہول ہے، یا اجرت ابھی معدوم ہے، اور دونوں فاسد کرنے والی چیز ہے۔

تشریح : یہ تیسری دلیل ہے، فرماتے ہیں کہ ابھی معلوم نہیں ہے کہ زمین سے کتنا گیہوں نکلے گا اور ہل چلانے والے کو کتنی مزدوری ملے گی، اس لئے مزدوری کے مجہول ہونے کی وجہ سے بٹائی ناجائز ہوگی، دوسری بات یہ ہے کہ ابھی مزدوری معدوم ہے، جب کاشت نکلے گی تب جا کر مزدوری وجود میں آئے گی، اس لئے اس جہالت کی وجہ سے بٹائی فاسد ہوگی۔

لغت :اجر مجہول: ابھی یہ معلوم نہیں کہ کاشت کتنی ہوگی اور اس مناسبت سے مزدوری کتنی ہوگی۔ اجر معدوم: ابھی مزدوری موجود نہیں ہے کاشت ہونے کے بعد مزدوری وجود میں آئے گی۔

ترجمه:۹ اور اہل خیبر کے ساتھ حضو ﷺ کا معاملہ خراج مقاسمت کے طور پر تھا، احسان اور صلح کے طور پر اور وہ جائز ہے

تشریح: حدیث میں جو آیا کہ حضور نے اہل خیبر کے ساتھ بٹائی کی ہے تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ آپنے بٹائی کے طور پر

سَقَى الْأَرْضَ وَكَرَبَهَا وَلَمْ يَخْرُجْ شَيْءٌ مِنْهُ فَلَهُ أَجْرُ مِثْلِهِ لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى اجَارَةٍ فَاسِدَةٍ، وَهَذَا إِذَا كَانَ الْبَذْرُ مِنْ قِبَلِ صَاحِبِ الْأَرْضِ. وَإِذَا كَانَ الْبَذْرُ مِنْ قِبَلِهِ فَعَلَيْهِ أَجْرُ مِثْلِ الْأَرْضِ وَالْخَارِجُ فِي الْوَجْهَيْنِ لِصَاحِبِ الْبَذْرِ؛ لِأَنَّهُ نَمَاءُ مِلْكِهِ وَلِلْآخَرِ الْأَجْرُ كَمَا فَصَّلْنَا،

نہیں دیا، بلکہ خیبر والوں سے زمین کا خراج لیا، اور خراج کی صورت یہ تھی کی جتنی کاشت ہوگی اس کی چوتھائی، یا تہائی خراج دے دو، اور یہ صلح کے طور پر اور احسان کے طور پر تھا اس لئے یہ خراج جائز ہوا، یہ بٹائی تھی ہی نہیں۔

لغت: خراج مقاسمة: زمین سے جتنی کاشت ہو اس کی چوتھائی، یا تہائی غلہ خراج کے طور پر لے اس کو خراج مقاسمة، کہتے ہیں۔ من: احسان کے طور پر۔

ترجمہ: ۱۰؎ جب امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بٹائی فاسد ہوگئی، پس اگر زمین کو سیراب کیا اور اس کو جوتا اور کچھ پیدا نہیں ہوا تو کام کرنے والے کو مثلی اجرت ملے گی، اس لئے کہ یہ اجرت فاسدہ کے معنی میں ہوا، یہ جب ہے کہ بیج زمین والے کی جانب سے ہو، اور اگر بیج کام کرنے والے کی جانب سے ہو، تو اس پر زمین کی مثلی اجرت لازم ہوگی، اور جو پیدا ہوا وہ دونوں صورتوں میں بیج والے کی ہے، اس لئے کہ پیداوار بیج والے کی ملکیت ہے، اور دوسرا مزدوری کرنے والا ہے، جیسا کہ ہم نے تفصیل سے بیان کیا۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس کی بیج ہوگی اجرت فاسدہ میں کاشت اسی کی ہوگی۔

وجه: (۱) بیج والی کی پیداوار ہونے کے لئے یہ حدیث دلیل ہے۔ حدثنی رافع بن الخدیج انه زرع ارضا فمر به النبی ﷺ و هو یسقیها فسأله لمن الزرع و لمن الارض ؟ فقال زرعی ببذری و عملی لی الشطر و لبنی فلان الشطر فقال : أربیتما فرد الارض علی اهلها و خذ نفقتک ۔(ابوداود شریف، باب فی التشدید فی ذالک [فی امزارعۃ] ص۴۹۴، نمبر ۳۴۰۲) اس حدیث میں زرعی ببذری، ہے جس سے معلوم ہوا کہ جس کی بیج ہوگی پیداوار اسی کی ہوگی۔ (۲) اس حدیث میں بھی ہے کہ کاشت بیج والے کو دیا۔ عن مجاهد قال اشترک اربعة نفر علی عهد رسول الله ﷺ فقال واحد من عندی البذر وقال الآخر من عندی العمل وقال الآخر من عندی الفدان وقال الآخر من عندی الارض قال فالغی رسول الله صاحب الارض وجعل لصاحب الفدان اجرا مسمی وجعل لصاحب العمل درهما لکل یوم والحق الزرع کله لصاحب البذر (کتاب الآثار لامام محمد، باب المزارعۃ بالثلث والربع، ص۱۷۲، نمبر ۷۷۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غلہ دانے والے کا ہوگا۔

تشریح: کسی وجہ سے مزارعت فاسد ہوگئی، اور کھیتی میں کچھ پیداوار نہیں ہوا تو جسکی بیج ہے پیداوار اس کی شمار کی جائے گی، اور اس پر لازم ہوگا کہ دوسرے کو بازار میں جو مزدوری ہو سکتی ہے وہ دینا ہوگا، اگر زمین والے کی بیج ہے تو کام کرنے والے کو

۱۱؎ إلَّا أَنَّ الْـفَتْـوَى عَلَى قَوْلِهِمَا لِحَاجَةِ النَّاسِ إلَيْهَا وَلِظُهُورِ تَعَامُلِ الْأُمَّةِ بِهَا. وَالْقِيَاسُ يُتْرَكُ بِالتَّعَامُلِ كَمَا فِي الِاسْتِصْنَاعِ ۱۲؎ ثُمَّ الْمُزَارَعَةُ لِصِحَّتِهَا عَلَى قَوْلِ مَنْ يُجِيزُهَا شُرُوطٌ: أَحَدُهَا كَوْنُ الْأَرْضِ صَالِحَةً لِلزِّرَاعَةِ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ لَا يَحْصُلُ بِدُونِهِ ۱۳؎ وَالثَّانِي أَنْ يَكُونَ رَبُّ الْأَرْضِ وَالْمُزَارِعُ مِنْ أَهْلِ الْعَقْدِ وَهُوَ لَا يَخْتَصُّ بِهِ لِأَنَّ عَقْدًا مَا لَا يَصِحُّ إلَّا مِنْ الْأَهْلِ

مزدوری دے، اور کام کرنے والی کی بیج ہے تو زمین والے کو مزدوری دے۔

لغت : اجر مثلہ: بازار میں جو اس کی اجرت ہوسکتی ہے اس کی اجر مثلی کہتے ہیں۔ کرب: زمین جوتنا۔ بذر: بیج۔ آجر: مزدوری کرنے والا۔

ترجمہ :۱۱؎ مگر یہ کہ فتوی صاحبینؒ کے قول پر ہے، اس لئے کہ لوگوں کو اس کی ضرورت ہے اور اس پر امت کا تعامل ظاہر ہے، اور تعامل سے قیاس چھوڑ دیا جاتا ہے، جیسے کہ بیٹھ بنوانے میں۔

تشریح؛ اس دور میں صاحبین کے قول پر فتوی ہے، اس کی دو وجہ ہیں [۱] لوگوں کو اس کی ضرورت ہے، لوگوں کا اس پر تعامل ہو گیا ہے، اب عام طور پر یہ کرنے لگے ہیں، اور قاعدہ یہ ہے کہ عام طور پر لوگ کرنے لگیں تو قیاس چھوڑ دیا جاتا ہے، جیسے قیاس کے اعتبار سے استصناع، بیٹھ بنوانا جائز نہیں ہے، لیکن لوگوں کا تعامل ہو گیا ہے اس لئے یہ جائز ہو گیا اسی طرح بٹائی بھی جائز ہوگئی۔

لغت :استصناع: صنع سے مشتق ہے، مثلا جوتا کا ناپ دے اور کہے کہ میرے پیر کا جوتا بنا دو، تو اس میں ابھی جوتا معدوم ہے اس لئے اس کی بیع نہیں ہونی چاہئے، لیکن لوگوں کا تعامل ہو گیا ہے کہ لوگ جوتے کا ناپ دیکر بنواتے ہیں اس لئے یہ اب جائز ہو گیا، اسی کو استصناع، کہتے ہیں۔

ترجمہ :۱۲؎ پھر جن حضرات کے یہاں مزارعت جائز ہے انکے یہاں اس کے صحیح ہونے کے لئے آٹھ شرطیں ہیں۔

[۱] پہلی شرط یہ ہے کہ زمین کھیتی کے قابل ہو اس لئے کہ مقصود اس کے بغیر حاصل نہیں ہوگا۔

تشریح: جن حضرات کے یہاں مزارعت جائز ہے انکے یہاں مزارعت صحیح ہونے کے لئے آٹھ شرطیں ہیں، ان میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ جس زمین کو بٹائی پر دے رہا ہے وہ زمین کاشت کے قابل ہو، کیونکہ زمین کاشت کے قابل نہ ہو تو بٹائی پر دینے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

ترجمہ :۱۳؎ [۲] دوسری شرط یہ ہے کہ زمین والا اور کھیتی کرنے والا عقد والے میں سے ہوں، اور عقد والے میں سے ہونا اسی عقد کے ساتھ خاص نہیں ہے، اس لئے کہ ہر عقد اس کے اہل ہی سے صحیح ہوتا ہے۔

لغت :اہل عقد: آدمی عاقل ہو، بالغ ہو، آزاد ہو وہ عقد کرنے کا اہل ہوتا ہے، مجنون، بچہ، غلام کوئی بھی عقد نہیں کرسکتا،

۱۴؎ وَالثَّالِثُ بَيَانُ الْمُدَّةِ لِأَنَّهُ عَقْدٌ عَلَى مَنَافِعِ الْأَرْضِ أَوْ مَنَافِعِ الْعَامِلِ وَالْمُدَّةُ هِيَ الْمِعْيَارُ لَهَا لِيَعْلَمَ بِهَا ۱۵؎ وَالرَّابِعُ بَيَانُ مَنْ عَلَيْهِ الْبَذْرُ قَطْعًا لِلْمُنَازَعَةِ وَإِعْلَامًا لِلْمَعْقُودِ عَلَيْهِ وَهُوَ مَنَافِعُ الْأَرْضِ أَوْ مَنَافِعُ الْعَامِلِ. ۱۶؎ وَالْخَامِسُ بَيَانُ نَصِيبِ مَنْ لَا بَذْرَ مِنْ قِبَلِهِ لِأَنَّهُ يَسْتَحِقُّهُ عِوَضًا

مزارعت کرنے کے لئے بھی اس کا اہل ہونا چاہئے۔

تشریح: دوسری شرط یہ ہے کہ مزارعت کے لئے اس کا اہل ہو، یعنی زمین والا اور کھیتی کرنے والا عاقل، بالغ، اور آزاد ہو، اور یہ ہر عقد کے لئے ضروری ہے۔

ترجمہ: ۱۴؎ [۳] اور تیسری شرط یہ ہے کہ مدت کا بیان ہو اس لئے کہ زمین کے منافع پر عقد ہے، یا کام کرنے والے کے منافع پر عقد ہے اور مدت اس کو جاننے کا معیار ہے۔

تشریح: تیسری شرط یہ ہے کہ کتنی مدت کے لئے زمین مزارعت پر لے رہا ہے اس کا بھی تعین ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ زمین کے منافع پر عقد ہو رہا ہے، یا ہل چلانے والے کے منافع پر عقد ہو رہا ہے، اور دونوں منافع کو متعین کرنے والی چیز مدت ہے اس لئے مدت کا تعین ضروری ہے کہ کتنی مدت کے لئے زمین مزارعت پر لے رہا ہے۔

لغت: المدة هي المعيار لها لتعلم بها: مدت منافع کو متعین کرنے کا معیار ہے، یعنی مدت سے ہی معلوم ہوگا منافع کتنا ہے۔ اس لئے مدت متعین کرے۔

ترجمہ: ۱۵؎ [۴] اور چوتھی شرط یہ ہے کہ کس پر بیج ہو تا کہ بیج ڈالنے کا جھگڑا ختم ہو جائے، اور معقود علیہ کو بتانے کے لئے، کہ زمین کا نفع حاصل کرنا ہے، یا کام کرنے والے کا نفع حاصل کرنا ہے۔

تشریح: [۴] بیج کس پر ہو یہ بھی متعین کرے، تا کہ بیج ڈالنے کا جھگڑا ختم ہو جائے، دوسری بات یہ ہے کہ اگر بیج زمین والے کا ہے تو پیداوار اس کی ہوگی، اور ہل چلانے والے کو گویا کہ اجرت پر لی، اور اگر بیج ہل چلانے والے کی ہے تو پیداوار ہل چلانے والے کی ہوگی، اور گویا کہ زمین کو اجرت پر لی، بیج کس پر ہے اس کے متعین ہونے سے یہ معلوم ہوگا کہ پیداوار کس کی ہوگی اور مزدور کون ہوگا۔

لغت: اعلاما للمعقود عليه: ترجمہ: کس پر عقد ہوا ہے اس کا پتہ لگانے کے لئے۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ بیج کس پر ہو یہ متعین ہو جائے، تو اس سے یہ بھی پتہ چل جائے گا، کہ زمین اجرت پر لی گئی ہے یا ہل والے کو اجرت پر لی گئی ہے، کیونکہ جس کی بیج ہوگی اس کی پیداوار ہوگی، اور دوسرے کو اجرت پر لینا شمار کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۱۶؎ [۵] اور پانچویں شرط یہ ہے کہ جس کی بیج نہیں ہے اس کو کتنا حصہ ملے گا، اس لئے کہ وہ شرط کی وجہ سے عوض کا مستحق بنے گا اس لئے اس کی مزدوری معلوم ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ جس چیز کا علم نہ ہو عقد میں شرط بن کر مستحق نہیں ہوگا۔

تشریح: جس کی بیج نہیں ہے تو اس کو مزدوری ملے گی، اب اس کی مزدوری کتنی ہو اس کا پہلے سے طے ہونا ضروری ہے،

بِـالشَّـرْطِ فَلا بُـدَّ أَنْ يَـكُـونَ مَعْلُومًا، وَمَا لا يُعْلَمُ لا يَسْتَحِقُّ شَرْطًا بِالْعَقْدِ. ۱۷ وَالسَّادِسُ أَنْ يُخَلِّيَ رَبُّ الْأَرْضِ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْعَامِلِ، حَتَّى لَوْ شَرَطَ عَمَلَ رَبِّ الْأَرْضِ يُفْسِدُ الْعَقْدَ لِفَوَاتِ التَّخْلِيَةِ ۱۸ وَالسَّـابِـعُ الشَّـرِكَةُ فِـي الْـخَارِجِ بَعْدَ حُصُولِهِ لِأَنَّهُ يَنْعَقِدُ شَرِكَةً فِي الِانْتِهَاءِ، فَمَا يَـقْـطَعُ هَذِهِ الشَّرِكَةَ كَانَ مُفْسِدًا لِلْعَقْدِ ۱۹ وَالثَّـامِـنُ بَيَانُ جِنْسِ الْبَذْرِ لِيَصِيرَ الْأَجْرُ مَعْلُومًا.

(۱۴۸)قَـالَ وَهِـيَ عِـنْدَهُمَا عَلَى أَرْبَعَةِ أَوْجُهٍ: إنْ كَانَتْ الْأَرْضُ وَالْبَذْرُ لِوَاحِدٍ وَالْبَقَرُ وَالْعَمَلُ

مثلا زمین والے کی بیج ہے تو سب پیداوار زمین والے کی ہوگی، اب ہل والے کو کتنی مزدوری ملے گی، چوتھائی، یا تہائی اس کا پہلے سے متعین ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ اجرت کی شرط کی وجہ سے ہی اس کو اجرت ملے گی۔

لغت:ما لا یعلم لا یستحق شرطا بالعقد :اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر پہلے سے اجرت متعین نہیں ہے تو عقد کی وجہ سے اس کو کچھ نہیں ملے گا، کیونکہ اس کی مزدوری متعین نہیں ہے۔

ترجمہ :۱۷ [٦] چھٹی شرط یہ ہے کہ زمین والا ہل چلانے والے کو زمین سپرد کر دے، یہی وجہ ہے کہ زمین والا خود ہی کام کرنے کی شرط لگائے تو عقد فاسد ہو جائے گا، اس لئے کہ زمین سپرد نہیں کی۔

تشریح : چھٹی شرط یہ ہے کہ زمین والا زمین ہل چلانے والے کو حوالہ کر دے، اگر اس نے خود کاشت کرنے کی شرط لگا دی تو مزارعت فاسد ہو جائے گی۔

ترجمہ :۱۸ [۷] ساتویں شرط یہ ہے کہ بٹائی کرنے کے بعد جو پیداوار ہو اس میں دونوں کی شرکت ہو، اس لئے کہ آخیر میں یہ عقد شرکت ہی ہوتی ہے، پس جو شرط اس شرکت کو ختم کر دے وہ عقد کو فاسد کرنے والی ہے۔

تشریح : ساتویں شرط یہ ہے کہ جو پیداوار ہو اس میں دونوں کی شرکت ہو، چنانچہ جو شرط شرکت کو ختم کر دے وہ شرط مفسد عقد ہے۔

ترجمہ :۱۹ آٹھویں شرط یہ ہے کہ کس چیز کی بیج ڈالے گا یہ بھی بیان کرے تا کہ اجرت معلوم ہو جائے۔

تشریح : آٹھویں شرط یہ ہے کہ کیا چیز بوئے گا، گیہون، یا چاول یہ بھی بیان کر دے، اس سے یہ ہوگا کہ کام کرنے والے کو پہلے سے معلوم ہو جائے گا کہ اس کو کیا چیز اجرت میں ملے گی، گیہوں، یا چاول، یا چنا، کیونکہ پہلے سے اجرت کی جنس معلوم ہونا ضروری ہے۔

جو حضرات عقد مزارعت جائز قرار دیتے ہیں انکے یہاں یہ ضروری ہے کہ یہ آٹھ شرطیں پہلے سے طے ہوں تب جا کر مزارعت درست ہوگی۔

ترجمہ :(۱۴۸)اور مزارعت صاحبین کے نزدیک چار طریقے پر ہیں[۱] جب زمین اور بیج ایک کے ہوں اور کام اور بیل

لِوَاحِدٍ جَازَتْ الْمُزَارَعَةُ ۱؎ لِأَنَّ الْبَقَرَ آلَةُ الْعَمَلِ فَصَارَ كَمَا إِذَا اسْتَأْجَرَ خَيَّاطًا لِيَخِيطَ بِإِبْرَةِ

دوسرے کے ہوں تو مزارعت جائز ہے۔

تشریح: یہ پہلی صورت ہے۔اس میں زمین اور بیج ایک فریق کے ہوں اور کام اور بیل دوسرے فریق کے ہوں تو فرماتے ہیں کہ یہ صورت جائز ہے۔

وجہ :(۱)اس باب میں دوقسم کے نظریئے ہیں۔ایک تو یہ ہے کہ جس کا بیج ہو پورا غلہ اسی کا ہوگا اور دوسرے فریق کی چیز گویا کہ اجرت پر لی۔مثال مذکور میں زمین اور بیج ایک کا ہے اس لئے اسی کا پورا غلہ ہوگا اور اس نے گویا کہ کام کرنے والے کو اور بیل دینے والے کو اجرت پر لیا۔اور چونکہ کام کرنے والے کو اور بیل دینے والے کو اجرت پر لے سکتا ہے اس لئے بٹائی جائز ہو گئی (۲) بیج والے کا پورا غلہ ہوگا اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔**فاخبره رافع ان رسول الله ﷺ اتى بنى حارثة فراى زرعا فى ارض ظهير فقال ما احسن زرع ظهير قالوا ليس لظهير قال اليس ارض ظهير؟ قالوا بلى و لكنه زرع فلان قال فخذوا زرعكم وردوا عليه النفقة قال رافع فاخذنا زرعنا ورددنا اليه النفقة** (ابوداؤد شریف، باب فی التشدید فی ذلک ای فی المزارعۃ،ص ۴۹۳،نمبر ۳۳۹۹)اس حدیث میں حضرت ظہیر کی زمین تھی اور حضرت رافع کا بیج تھا تو پورا غلہ حضرت رافع کو دلوایا اور زمین والے کو اس کی اجرت دلوادی جس سے معلوم ہوا کہ بیج والے کا سارا غلہ ہوگا اور زمین والے کو اس کی اجرت ملے گی (۳)اس بارے میں کتاب الآثار لامام محمد میں ایک حدیث بھی ہے۔**عن مجاهد قال اشترک اربعة نفر على عهد رسول الله ﷺ فقال واحد من عندى البذر وقال الآخر من عندى العمل وقال الآخر من عندى الفدان وقال الآخر من عندى الارض قال فالغى رسول الله صاحب الارض وجعل لصاحب الفدان اجرا مسمى وجعل لصاحب العمل درهما لكل يوم والحق الزرع كله لصاحب البذر** .(کتاب الآثار لامام محمد، باب المزارعۃ بالثلث والربع،ص ۱۷۲،نمبر ۷۷۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غلہ دانے والے کا ہوگا۔

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ پورا غلہ زمین والے کا ہوگا اور دوسرے لوگوں کو اس کے کام یا بیل، بیج کی اجرت دے دی جائے گی۔

وجہ: ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن رافع بن خديج قال قال رسول الله من زرع فى ارض قوم بغير اذنهم فليس له من الزرع شىء وله نفقته** (ابوداؤد شریف، باب فی زرع الارض بغیر اذن صاحبھا،ص ۴۹۴،نمبر ۳۴۰۳)اس حدیث میں زمین والے کو پورا غلہ دیا گیا اور کام کرنے والے کو اس کی اجرت دی گئی۔جس سے معلوم ہوا کہ غلہ زمین والے کا ہوگا اور دوسرے کو اس کی اجرت ملے گی۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ بیل کام کرنے کا آلہ ہے، تو ایسا ہو گیا کہ درزی کو اجرت پر لیا تا کہ درزی اپنی سوئی سے کپڑا سی دے

تشریح :یہ صورت جائز ہونے کی دلیل ہے،جس طرح درزی سے کہے کہ اپنی سوئی سے کپڑا سی دے تو اس میں کپڑا مالک

الْخَيَّاطِ، (١٤٩)وَإِنْ كَانَ الْأَرْضُ لِوَاحِدٍ وَالْعَمَلُ وَالْبَقَرُ وَالْبَذْرُ لِوَاحِدٍ جَازَتْ لِ لِأَنَّهُ اسْتِئْجَارُ الْأَرْضِ بِبَعْضٍ مَعْلُومٍ مِنْ الْخَارِجِ فَيَجُوزُ كَمَا إِذَا اسْتَأْجَرَهَا بِدَرَاهِمَ مَعْلُومَةٍ (١٥٠)وَإِنْ كَانَتْ الْأَرْضُ وَالْبَذْرُ وَالْبَقَرُ لِوَاحِدٍ وَالْعَمَلُ مِنْ آخَرَ جَازَتْ لِ لِأَنَّهُ اسْتَأْجَرَهُ لِلْعَمَلِ بِآلَةِ الْمُسْتَأْجِرِ فَصَارَ كَمَا إِذَا اسْتَأْجَرَ خَيَّاطًا لِيَخِيطَ ثَوْبَهُ بِإِبْرَتِهِ أَوْ طَيَّانًا لِيُطَيِّنَ بِمَرِّهِ (١٥١)وَإِنْ كَانَتْ الْأَرْضُ وَالْبَقَرُ لِوَاحِدٍ وَالْبَذْرُ وَالْعَمَلُ لِآخَرَ فَهِيَ بَاطِلَةٌ لِ وَهَذَا الَّذِي ذَكَرَهُ ظَاهِرُ

کا ہوتا ہے،اور کام اور سوئی درزی کی ہوتی ہے اور جائز ہو جاتا ہے،اسی طرح بٹائی والی شکل بھی جائز ہو جائے گی۔

ترجمہ :(۱۴۹)[۲]دوسری صورت۔اور اگر زمین ایک کی ہو اور کام،بیل اور بیج دوسرے کے ہوں تو مزارعت جائز ہے

ترجمہ :لِ اس لئے کہ زمین کو زمین ہی کی بعض پیداوار سے اجرت پر لی تو جائز ہو جائے گا،جس طرح زمین کو متعین درہم سے اجرت پر لیتا۔

وجہ :اس صورت میں کام،بیل اور بیج والا گویا کہ زمین کو غلے کے بدلے اجرت پر لیا ہے۔اس لئے یہ مزارعت بھی جائز ہو جائے گی۔جس طرح زمین کو درہم کے بدلے اجرت پر لیتا تو جائز ہوتا اسی طرح غلے کے بدلے میں اجرت پر لیا تو جائز ہو جائے گی۔

ترجمہ :(۱۵۰)[۳]اور اگر زمین اور بیج اور بیل ایک کے ہوں اور کام دوسرے کا ہو تو بھی جائز ہے۔

ترجمہ :لِ اس لئے کہ اجرت پر لینے والے کے آلے سے کام کرنے کے لئے اجرت پر لیا،جیسے درزی کو اجرت پر لیا کہ مالک کے کپڑے کو مالک ہی کی سوئی سے سئے،یا پلاستر کرنے والے کو اجرت پر لیا تا کہ مالک کی کرنی سے پلاستر کرے۔

تشریح :یہ تیسری صورت ہے،اس میں زمین،بیج،اور بیل ایک کا ہے اور کام دوسرے کا ہے تب بھی جائز ہے۔اور یوں سمجھا جائے گا کہ کام کرنے والا زمین والے کے بیل سے ہل جوتے،اور گویا کہ کام کرنے والے کو اجرت پر لیا ،جس طرح کپڑا سینے والا کپڑے والے کی سوئی،اور سلائی مشین سے کپڑا سی سکتا ہے،یا پلاستر کرنے والا گھر والے کی کرنی سے پلاستر کر سکتا ہے اسی طرح کام کرنے والا زمین والے کے بیل سے ہل چلا سکتا ہے،جائز ہے۔

لغت :خیاط:کپڑا سینے والا،درزی۔ابرة:سوئی۔طیان:طین سے مشتق ہے،گارا لیپنا۔مرة:کرنی،جس سی گارا لیپتے ہیں۔

ترجمہ :(۱۵۱)[۴]اور اگر زمین اور بیل ایک کے ہوں اور بیج اور کام دوسرے کے ہوں تو باطل ہے۔

ترجمہ :لِ یہ ظاہری روایت ہے

تشریح : امام ابو یوسفؒ کی یہ ظاہر روایت ہے جس میں ہے کہ یہ صورت جائز نہیں ہے۔

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین کی اپنی صلاحیت ہے جس سے پیداوار ہوتی ہے،اور بیل کی صلاحیت یہ ہے کہ اس سے ہل

الرِّوَايَةِ. ۲؎ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَجُوزُ أَيْضًا، لِأَنَّهُ لَوْ شُرِطَ الْبَذْرُ وَالْبَقَرُ عَلَيْهِ يَجُوزُ فَكَذَا إِذَا شُرِطَ وَحْدَهُ وَصَارَ كَجَانِبِ الْعَامِلِ. ۳؎ وَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّ مَنْفَعَةَ الْبَقَرِ لَيْسَتْ مِنْ جِنْسِ مَنْفَعَةِ الْأَرْضِ. لِأَنَّ مَنْفَعَةَ الْأَرْضِ قُوَّةٌ فِي طَبْعِهَا يَحْصُلُ بِهَا النَّمَاءُ، وَمَنْفَعَةُ الْبَقَرِ صَلَاحِيَةٌ يُقَامُ بِهَا الْعَمَلُ كُلُّ ذَلِكَ بِخَلْقِ اللَّهِ تَعَالَى فَلَمْ يَتَجَانَسَا، فَتَعَذَّرَ أَنْ تُجْعَلَ تَابِعَةً لَهَا، ۴؎ بِخِلَافِ

چلانے کا کام لیا جاتا ہے۔اس لئے بیل کی منفعت زمین کے منفعت کے جنس میں سے نہیں ہے،اس لئے بیل کی منفعت زمین کے تابع نہیں ہوگی ،اور بیل کی منفعت کو پیداوار سے اجرت پر لینے کا رواج نہیں ہے،اس لئے بیل کی منفعت بغیر اجرت کے رہی اس لئے یہ بٹائی فاسد ہوگی۔

ترجمہ :۲؎ امام ابو یوسفؒ کی دوسری روایت یہ ہے کہ یہ بٹائی بھی جائز ہے،اس لئے کہ اگر بیج اور بیل کی شرط زمین والے پر لگائی جائے تو بٹائی جائز ہوتی ہے،تو صرف بیل کی شرط لگا دی جائے تب بھی جائز ہوگی ،اور ایسا ہو گیا کہ کام کرنے والے کی جانب بیل ہو۔

تشریح : امام ابو یوسفؒ کی دوسری روایت یہ ہے کہ بیل اور زمین ایک طرف ہوتو بٹائی جائز ہو جائے گی،اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ اگر بیل اور بیج زمین والے کی طرف ہوتو بٹائی جائز ہوتی ہے،پس صرف بیل زمین والے کی طرف ہوتب بھی بٹائی جائز ہو جائے گی۔اور اس کی مثال دیتے ہیں کہ بیل کام کرنے والے کی جانب ہوتو بٹائی جائز ہو جاتی ہے،اسی طرح بیل زمین والے کی طرف ہوتو بھی بٹائی جائز ہو جائے گی۔

لغت :صار کجانب العامل :ایسا ہو گیا کہ بیل کام کرنے والے کی جانب ہوتو بٹائی جائز ہو جائے گی۔

ترجمہ :۳؎ ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے کہ بیل کی منفعت زمین کی منفعت کی جنس سے نہیں ہے، اس لئے کہ زمین کی منفعت اس کی ایک طبعی قوت ہے جس سے پیداوار ہوتی ہے،اور بیل کی قوت اس کی ایک صلاحیت ہے جس سے ہل چلانے کا کام چلتا ہے،اور یہ دونوں اللہ کی تخلیق سے الگ الگ چیزیں ہیں،اس لئے دونوں ایک جنس کی نہیں ہوئی اس لئے بیل کی منفعت زمین کے تابع نہیں ہوئی [اب بیل بغیر اجرت کے رہ گیا اس لئے یہ بٹائی فاسد ہوگی]

تشریح؛ اس لمبی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ بیل کو پیداوار سے اجرت پر لینے کا رواج نہیں ہے،اور نہ اس کے بارے میں حدیث وارد ہے،اور اس کو زمین کے تابع بھی نہیں کر سکتے ،اس لئے کہ زمین میں پیدا کرنے کی صلاحیت ہے،اور بیل میں ہل چلانے کی صلاحیت ہے،اسلئے دونوں دو جنس ہوئے ،اس لئے بیل کی منفعت بغیر اجرت کے باقی رہی اس لئے بٹائی فاسد ہوگی

لغت :یقام بھا العمل :بیل کے ذریعہ کام کیا جاتا ہے،یعنی ہل چلایا جاتا ہے۔

ترجمہ :۴؎ بخلاف بیل کام کرنے والے کی جانب ہوتو دونوں کی جنس ایک ہے اس لئے بیل کو کام کرنے والے کی منفعت

جَانِبِ الْعَامِلِ لِأَنَّهُ تَجَانَسَتْ الْمَنْفَعَتَانِ فَجُعِلَتْ تَابِعَةً لِمَنْفَعَةِ الْعَامِلِ. ۵ وَهَاهُنَا وَجْهَانِ آخَرَانِ لَمْ يَذْكُرْهُمَا: أَحَدُهُمَا أَنْ يَكُونَ الْبَذْرُ لِأَحَدِهِمَا وَالْأَرْضُ وَالْبَقَرُ وَالْعَمَلُ لِآخَرَ فَإِنَّهُ لَا يَجُوزُ لِأَنَّهُ يَتِمُّ شَرِكَةً بَيْنَ الْبَذْرِ وَالْعَمَلِ وَلَمْ يَرِدْ بِهِ الشَّرْعُ. ۶ وَالثَّانِي أَنْ يُجْمَعَ بَيْنَ الْبَذْرِ وَالْبَقَرِ. وَأَنَّهُ لَا يَجُوزُ أَيْضًا لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ عِنْدَ الِانْفِرَادِ فَكَذَا عِنْدَ الِاجْتِمَاعِ، ۷ وَالْخَارِجُ فِي الْوَجْهَيْنِ لِصَاحِبِ الْبَذْرِ فِي رِوَايَةٍ اعْتِبَارًا بِسَائِرِ الْمُزَارَعَاتِ الْفَاسِدَةِ، ۸ وَفِي رِوَايَةٍ

کے تابع کر دیا جائے گا۔

تشریح : بیل کی منفعت کام کرنا ہے اور عامل کی منفعت بھی کام کرنا ہے اس لئے دونوں کی جنس ایک ہوگئی اس لئے بیل کی منفعت کام کرنے والے کے تابع ہو جائیگی، اور کام کرنے والے کو اجرت پر لینا جائز ہے اس لئے یہ بٹائی جائز ہو جائے گی۔

ترجمہ :۵ یہاں اور دو طریقے ہیں جس کو صاحب قدوری نے ذکر نہیں کیا۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ بیج ایک کی ہو اور زمین بیل، اور کام دوسرے کی ہو، یہ جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ بیج اور کام میں شرکت نہیں ہوئی، اور شریعت اس بارے میں وارد نہیں ہوئی ہے۔

تشریح : یہاں جس کی بیج ہے غلہ اس کا ہوگا، لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ زمین بیج والے کو تخلیہ کر دے، لیکن چونکہ کام کی شرط زمین والے پر ہے اس لئے زمین بیج والے کو حوالہ نہیں کرے گا، اس لئے شرکت نہیں ہو پائے گی اس لئے یہ بٹائی بھی جائز نہیں ہوگی ۔

لغت :لم یرد بہ الشرع: اس کا مطلب یہ ہے مشروع ہونے کی کوئی دلیل نہیں ملی۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جائز ہونے کے لئے کوئی حدیث وارد نہیں ہوئی۔

ترجمہ :۶ دوسری صورت یہ ہے کہ بیج اور بیل ایک کا ہو [اور زمین اور کام دوسرے کا] یہ بھی جائز نہیں ہے اس لئے کہ اکیلے بیج ہو یا اکیلے بیل ایک کا ہو اور باقی دوسرے کا تو جائز نہیں ہے، تو بیل اور بیج ایک کا ہو تو بھی جائز نہیں ہوگا۔

تشریح : غلہ بیج والے کا ہوتا ہے، لیکن یہاں کام زمین والے کا ہے اس لئے وہ زمین بیج والے اور بیل والے کو حوالہ نہیں کرے گا، اس لئے غلہ بیج والے کو نہیں ملے گا، اور بٹائی بھی صحیح نہیں ہوگی۔

لغت :لا یجوز عند الانفراد فکذا عند الاجتماع: صرف بیل ایک کا ہو اور بیج، زمین، اور کام دوسرے کا ہو تو بٹائی جائز نہیں، اسی طرح بیج ایک کا ہو اور زمین بیل اور کام دوسرے کا ہو تو بٹائی جائز نہیں، پس بیل اور بیج ایک کا ہو تب بھی بٹائی جائز نہیں ہوگا۔

ترجمہ :۷ اور پیداوار دونوں صورتوں میں بیج والے کا ہوگا، ایک روایت میں تمام مزارعت فاسدہ پر قیاس کرتے ہوئے

لِصَاحِبِ الْأَرْضِ وَيَصِيرُ مُسْتَقْرِضًا لِلْبَذْرِ قَابِضًا لَهُ لِاتِّصَالِهِ بِأَرْضِهِ. (١٥٢) قَالَ: وَلَا تَصِحُّ الْمُزَارَعَةُ إِلَّا عَلَى مُدَّةٍ مَعْلُومَةٍ لِمَا بَيَّنَّا (١٥٣) وَأَنْ يَكُونَ الْخَارِجُ شَائِعًا بَيْنَهُمَا تَحْقِيقًا

تشریح : اوپر کی تین صورتوں میں جہاں بٹائی فاسد ہوگئی وہاں جسکی بیج ہوگی پیداوار اسی کو ملے گی، کیونکہ مزارعت فاسدہ میں یہی ہوتا ہے کہ غلہ بیج والے کو ملتا ہے۔

ترجمہ :٨ دوسری روایت میں یہ ہے کہ پیداوار زمین والے کو ملے گی، اور گویا کہ زمین والے نے بیج قرض پر لیا اور زمین میں بیج چلی گئی تو گویا کہ اس پر قبضہ کرنے والا ہو گیا۔

تشریح : دوسری روایت یہ ہے کہ جہاں بٹائی فاسد ہوئی وہاں پیداوار زمین والے کو ملے گی، اور اس کی تاویل یہ ہوگی کہ زمین والے نے بیج والے سے بیج کو قرض پر لیا، اور جیسے ہی بیج بوئی گئی تو زمین میں ڈلنے کی وجہ سے زمین والے کا اس پر قبضہ ہو گیا، اور جب بیج زمین والے کا ہوا تو غلہ بھی اسی کا ہوگا۔

ترجمہ :(١٥٢)اور نہیں صحیح ہے مزارعت مگر مدت معلوم ہو۔

ترجمہ :١ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کیا مدت ہی منافع کا تعین کرے گی۔

تشریح : بٹائی پر کھیت لیا لیکن یہ واضح نہیں کیا کہ کتنے مہینوں کے لئے لیا ہے تو مزارعت فاسد ہوگی۔

وجہ :(١) کھیت والا چاہے گا کہ جلدی چھوڑ دو اور بٹائی والا چاہے گا کہ دیر کروں جس سے جھگڑا ہوگا۔ اس لئے مدت کا متعین ہونا ضروری ہے (٢) اس کے لئے واضح حدیث گزر چکی ہے۔ **عن ابن عباس قال قدم النبی ﷺ المدینة وهم یسلفون فی الثمار السنة والسنتین فقال من سلف فی تمر فلیسلف فی کیل معلوم ووزن معلوم الی اجل معلوم** . (مسلم شریف، باب السلم، ص ٧٠٢، نمبر ٤١١٨/١٦٠٤) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدت معلوم ہونی چاہئے۔

ترجمہ :(١٥٣) اور یہ کہ پیداوار دونوں کے درمیان مشترک ہو۔

تشریح : جو کچھ غلہ پیدا ہو وہ زمین والے اور بٹائی والے کے درمیان مشترک ہو۔ ایسا نہ ہو کہ جو غلہ پیدا ہوا اس میں سے مثلا زمین والے کے لئے پہلے سو کیلو مخصوص کر لیا جائے باقی جو بچے اس میں سے دونوں حصہ کرے۔

وجہ :(١) کیونکہ مان لیا جائے کہ زمین سے ایک سو کیلو ہی پیدا ہوا تو وہ زمین والے کو مل جائے گا اور بٹائی والے کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔ اس کا کام مفت گیا اس لئے کسی ایک کے لئے مخصوص پیداوار نہ ہو بلکہ پورا غلہ مشترک ہو۔ چاہے چوتھائی پر ہو یا تہائی پر ہو (٢) حدیث میں بھی اس سے منع فرمایا ہے۔ **سمع رافع بن خدیج قال کنا اکثر اهل المدینة مزدرعا کنا نکری الارض بالناحیة منها مسمی لسید الارض قال فمما یصاب ذلک وتسلم الارض ومما یصاب الارض ویسلم ذلک فنهینا فاما الذهب والورق فلم یکن یومئذ.** (بخاری شریف، باب ٧، کتاب الحرث

لِمَعْنَى الشَّرِكَةِ(١٥٤) فَإِنْ شَرَطَا لِأَحَدِهِمَا قُفْزَانًا مُسَمَّاةً فَهِيَ بَاطِلَةٌ لِ لِأَنَّ بِهِ تَنْقَطِعُ الشَّرِكَةُ لِأَنَّ الْأَرْضَ عَسَاهَا لَا تُخْرِجُ إِلَّا هَذَا الْقَدْرَ، ٢ فَصَارَ كَاشْتِرَاطِ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ لِأَحَدِهِمَا فِي الْمُضَارَبَةِ، (١٥٥) وَكَذَا إِذَا شَرَطَا أَنْ يَرْفَعَ صَاحِبُ الْبَذْرِ بَذْرَهُ وَيَكُونَ الْبَاقِي بَيْنَهُمَا

والمزارعة ،ص ۳۷۳ نمبر ۲۳۲۷ رمسلم شریف، باب کراء الارض بالذھب والورق ،ص ٦٧٦ ،نمبر ۱۵۴۸ /٣٩٥٢) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی مخصوص کیلو یا مخصوص جگہ کو متعین کرنا جائز نہیں ہے۔اس سے مزارعت فاسد ہو جائے گی۔(۳) عن رافع .... کان احدنا یکری ارضہ فیقول ھذہ القطعة لی و ھذہ لک فربما اخرجت ذہ و لم تخرج ذہ فنھاھم النبی ﷺ ۔(بخاری شریف، باب ما یکرہ من الشروط فی المزارعۃ ،ص ۳۷۴ ،نمبر ۲۳۳۲) اس حدیث میں بھی کسی مخصوص ٹکڑے کو اپنے لئے خاص کرنے سے منع فرمایا ہے۔

ترجمہ :(۱۵۴) پس اگر شرط کی دونوں نے ایک کے لئے متعین قفیز تو وہ باطل ہے۔

ترجمہ :ا اس لئے کہ اس سے شرکت منقطع ہو جائے گی ،اور اس لئے کہ زمین میں اتنا ہی نکلا [تو سرے کو کچھ نہیں ملے گا]

تشریح :جتنا غلہ نکلے اس میں سے مثلا سو کیلو زمین والے کے لئے ہوگا پھر باقی غلہ تقسیم ہوگا تو یہ جائز نہیں ہے۔کیونکہ یہ ممکن ہے کہ صرف سو کیلو ہی غلہ ہوا تو کام کرنے والے کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔اور دوسری بات یہ ہے کہ اتنی مقدار میں شرکت نہیں ہوئی ،حالانکہ معاملہ شرکت پر طے ہوا تھا اس لئے یہ بٹائی باطل ہوگی۔

لغت:قفزان : قفیز کی جمع ہے، مسماة : متعین۔

ترجمہ :۲ اور ایسا ہو گیا کہ مضاربت میں کسی ایک کے لئے متعین درہم کی شرط ہو۔

تشریح : عقد مضاربت میں کسی ایک کے لئے متعین درہم خاص کر دیں جائے ،اور اس کے بعد جو بچے وہ تقسیم ہو تو اس سے مضاربت فاسد ہو جاتی ہے اسی طرح بٹائی میں کسی کے لئے متعین درہم خاص کر لے تو بٹائی فاسد ہو جائے گی۔

لغت : دراہم معدودة: متعین درہم۔مضاربت :ایک آدمی کی رقم ہو اور دوسرے آدمی کا کام ہو اور نفع میں دونوں شریک ہو تو اس کو عقد مضاربت، کہتے ہیں ،اس کی بحث پہلے گزر چکی ہے۔

ترجمہ :(۱۵۵) ایسے ہی جائز نہیں ہوگا اگر شرط لگائی کہ بیج والا اپنی بیج نکال لے گا اور باقی غلہ دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوگا۔

تشریح :یہاں ایک نکتہ یاد رکھیں کہ ،اگر متعین کیلو ایک فریق کے لئے الگ کیا جائے تو بٹائی جائز نہیں ہوگی ،مثلا ایک سو کیلو ایک آدمی کے لئے خاص کر دیا جائے تو بٹائی جائز نہیں ہوگی ۔ لیکن اگر مشاع ،یعنی مشترک کیلو ایک فریق کے لئے الگ کرے تو بٹائی جائز ہے ،مثلا یوں کہے کہ غلے کا دسواں حصہ پہلے بیج والے کو دیا جائے ، پھر باقی کو دونوں میں تقسیم کرے تو یہ جائز ہے، کیونکہ دسواں حصہ یہ مشاع ہے جو پہلے الگ کیا گیا ،لیکن اگر یوں کہے کہ سو کیلو گیہوں پہلے بیج والے کے لئے الگ کرو، پھر باقی

نِصۡفَيۡنِ. ١ لِأَنَّهُ يُؤَدِّي إِلَى قَطۡعِ الشَّرِكَةِ فِي بَعۡضٍ مُعَيَّنٍ أَوۡ فِي جَمِيعِهِ بِأَنۡ لَمۡ يُخۡرِجۡ إِلَّا قَدۡرَ الۡبَذۡرِ ٢ فَصَارَ كَمَا إِذَا شَرَطَا رَفۡعَ الۡخَرَاجِ، وَالۡأَرۡضُ خَرَاجِيَّةٌ وَأَنۡ يَكُونَ الۡبَاقِي بَيۡنَهُمَا لِأَنَّهُ مُعَيَّنٌ، ٣ بِخِلَافِ مَا إِذَا شَرَطَ صَاحِبُ الۡبَذۡرِ عُشۡرَ الۡخَارِجِ لِنَفۡسِهِ أَوۡ لِلۡآخَرِ وَالۡبَاقِي بَيۡنَهُمَا لِأَنَّهُ مُعَيَّنٌ مُشَاعٌ فَلَا يُؤَدِّي إِلَى قَطۡعِ الشَّرِكَةِ، ٤ كَمَا إِذَا شَرَطَا رَفۡعَ الۡعُشۡرِ، وَقِسۡمَةُ الۡبَاقِي

کو دونوں میں تقسیم کرو تو یہ جائز نہیں ہے۔

وجہ: اگر غلہ ڈیڑھ سو کیلوں پیدا ہوا تو ایک سو کیلوں میں شرکت نہیں ہوئی، حالانکہ بٹائی میں ہر کیلو میں شرکت ہونی چاہئے، اور اگر ایک سو کیلوں ہی غلہ پیدا ہوا تو کسی گیہوں میں شرکت نہیں ہوئی، حالانکہ ہر کیلوں میں شرکت ہونی چاہئے اس لئے یہ بٹائی فاسد ہوگی۔

ترجمہ: ١ اس لئے کہ یہ بعض معین کیلو میں شرکت نہیں ہوگی، یا تمام میں ہی نہیں ہوگی، اس طرح کہ بیج کی مقدار ہی پیدا ہوا

تشریح: بات یہ طے ہوئی کہ سو کیلو بیج الگ کر لیا جائے پھر باقی غلہ دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا، اور غلہ ڈیڑھ سو کیلو پیدا ہوا تو، پچاس کیلوں میں شرکت ہوئی اور ایک سو کیلو میں شرکت نہیں ہوئی، تو بعض معین میں شرکت نہیں ہوئی، اور اگر ایک سو کیلو غلہ پیدا ہوا تو یہ سب بیج والے کا ہو گیا، اس لئے کسی میں شرکت نہیں ہوئی، حالانکہ ہر ہر جز میں شرکت پر بٹائی طے ہوئی تھی اس لئے یہ بٹائی فاسد ہوگی۔

ترجمہ: ٢ اور ایسا ہو گیا کہ پہلے خراج کو الگ کر دیا اور زمین خراجی ہو، پھر باقی دونوں کے درمیان تقسیم ہو۔

تشریح: یہ دوسری مثال ہے، خراجی زمین میں خراج متعین کیلو ہوتا ہے، وہ مشاع اور مشترک نہیں ہوتا، اب یہ شرط لگائی کہ پہلے خراج نکال لیا جائے پھر باقی غلہ تقسیم ہو تو بٹائی جائز نہیں ہوگی، کیونکہ متعین کیلو الگ کیا۔

ترجمہ: ٣ بخلاف اگر بیج والا غلے کا دسواں حصہ الگ کرنے کی شرط لگائے اپنے لئے یا دوسرے کے لئے، اور باقی غلہ دونوں کے درمیان ہو تو بٹائی جائز ہے، اس لئے کہ یہ دسواں حصہ مشترک ہے اس لئے شرکت منقطع نہیں ہوگی۔

تشریح: یوں شرط کی کہ بیج دینے والا پہلے غلے کا دسواں حصہ لے لیگا، پھر باقی غلہ دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا، تو یہ بٹائی جائز ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں متعین غلے ایک کو نہیں مل رہا ہے، بلکہ مشترک غلہ ایک کو اور باقی غلے میں شرکت رہی اس لئے بٹائی جائز ہوگی۔

ترجمہ: ٤ جیسا کہ عشر الگ کرنے کی شرط ہو اور باقی غلہ دونوں کے درمیان ہو، اور زمین عشری ہو تو بٹائی جائز ہوگی۔

تشریح: عشری زمین تھی اور یوں شرط لگائی کہ پہلے عشر الگ کر دیا جائے پھر غلہ تقسیم ہو تو یہ جائز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عشر پورے غلے میں مشترک ہے، اس لئے بٹائی جائز ہوگی۔

بَيۡنَهُمَا وَالۡأَرۡضُ عُشۡرِيَّةٌ. (۱۵۶) قَالَ: وَكَذَا إِذَا شَرَطَا مَا عَلَى الۡمَاذِيَانَاتِ وَالسَّوَّاقِي ۱؎ مَعۡنَاهُ لِأَحَدِهِمَا، لِأَنَّهُ إِذَا شَرَطَ لِأَحَدِهِمَا زَرۡعَ مَوۡضِعٍ مُعَيَّنٍ أَفۡضَى ذَلِكَ إِلَى قَطۡعِ الشَّرِكَةِ، لِأَنَّهُ لَعَلَّهُ لَا يَخۡرُجُ إِلَّا مِنۡ ذَلِكَ الۡمَوۡضِعِ، ۲؎ وَعَلَى هَذَا إِذَا شَرَطَ لِأَحَدِهِمَا مَا يَخۡرُجُ مِنۡ نَاحِيَةٍ مُعَيَّنَةٍ وَلِآخَرَ مَا يَخۡرُجُ مِنۡ نَاحِيَةٍ أُخۡرَى (۱۵۷) وَكَذَا إِذَا شَرَطَ لِأَحَدِهِمَا التِّبۡنَ وَلِلۡآخَرِ

ترجمہ : (۱۵۶) ایسے ہی اگر شرط لگائی جو پیدا ہو بڑی ندی پر اور چھوٹی نالیوں پر۔

ترجمہ : ۱؎ اس کا معنی یہ ہے کہ ایک کے لئے ندی کے کنارے کا غلہ ہو، اس لئے کہ جب متعین جگہ کی پیداوار کی شرط ایک آدمی کے لئے لگائی جائے تو یہ شرکت کے منقطع کی طرف پہنچائے گا، اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ صرف اسی جگہ پیداوار ہو۔

تشریح : یوں شرط لگائی کہ نہر کے کنارے کنارے جو غلہ پیدا ہوگا وہ زمین والے کا اور باقی غلوں میں دونوں شریک ہوں گے۔ یا چھوٹی نالیوں کے کنارے کنارے جو غلہ پیدا ہوگا وہ زمین والے کا اور باقی غلوں میں دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا تو یہ جائز نہیں ہے۔

وجہ : (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ صرف ندی کے کنارے ہی پیدا ہو، تو وہ غلہ ایک آدمی کے لئے ہو جائے گا، اور دوسرے آدمی کو کچھ نہیں ملے گا، تو یہ شرکت نہیں ہوئی اس لئے یہ بٹائی فاسد ہوگی (۲) حدیث میں اس کی ممانعت ہے۔ قال سألت رافع بن خديج عن كراء الارض بالذهب والورق ؟ فقال لا بأس به انما كان الناس يواجرون على عهد رسول الله ﷺ على الماذيانات واقبال الجداول واشياء من الزرع فيهلك هذا ويسلم هذا ويسلم هذا ويهلك هذا فلم يكن للناس كراء الا هذا فلذلک زجر عنه فاما شيء معلوم مضمون فلا بأس به ۔ (مسلم شریف، باب كراء الارض بالذهب والورق، ص ۶۷۶، نمبر ۳۹۵۲/۱۵۴۸) اس حدیث میں صراحت ہے کہ بڑی نہر کے کنارے کنارے کے غلے کو کسی ایک کے لئے خاص کرنا جائز نہیں ہے۔ تمام غلے مشترک ہونے چاہئے

لغت: ماذیانات : ماذیان کی جمع ہے، بڑی ندی۔ سواقی: ساقیۃ کی جمع ہے، چھوٹی نالی، پانی پلانے کا راستہ۔

ترجمہ : ۲؎ اسی طرح جائز نہیں ہے اگر شرط لگائی جائے کہ ایک شریک کے لئے ایک متعین کنارے کا غلہ ہوگا اور دوسرے کے لئے دوسرے کنارے کا غلہ ہوگا۔

تشریح : یوں شرط کی کہ ایک شریک کو اس متعین جگہ کی پیداوار ملے گی، اور دوسرے کو دوسری متعین جگہ کی پیداوار ملے گی تو یہ بٹائی فاسد ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اسی جگہ پیداوار ہو اور دوسری جگہ نہ ہو تو دوسرے شریک کو کچھ نہیں ملے گا، اس لئے یہ بٹائی فاسد ہوگی۔

ترجمہ : (۱۵۷) ایسے ہی ایک کے لئے بھوسہ کی اور دوسرے کے لئے غلے کی شرط ہو تو بٹائی فاسد ہوگی۔

الْحَبَّ ا لِأَنَّهُ عَسَى أَنْ يُصِيبَهُ آفَةٌ فَلا يَنْعَقِدُ الْحَبُّ وَلا يَخْرُجُ إِلَّا التِّبْنُ (۱۵۸)وَكَذَا إِذَا شَرَطَا التِّبْنَ نِصْفَيْنِ وَالْحَبَّ لِأَحَدِهِمَا بِعَيْنِهِ ا لِأَنَّهُ يُؤَدِّى إِلَى قَطْعِ الشَّرِكَةِ فِيمَا هُوَ الْمَقْصُودُ وَهُوَ الْحَبُّ (۱۵۹)وَلَوْ شَرَطَ الْحَبَّ نِصْفَيْنِ وَلَمْ يَتَعَرَّضَا لِلتِّبْنِ صَحَّتْ ا لِاشْتِرَاطِهِمَا الشَّرِكَةَ فِيمَا هُوَ الْمَقْصُودُ، (۱۶۰)ثُمَّ التِّبْنُ يَكُونُ لِصَاحِبِ الْبَذْرِ ا لِأَنَّهُ نَمَاءُ بَذْرِهِ وَفِي حَقِّهِ لَا يَحْتَاجُ إِلَى الشَّرْطِ. وَالْمُفْسِدُ هُوَ الشَّرْطُ، وَهَذَا سُكُوتٌ عَنْهُ. ۲ وَقَالَ مَشَايِخُ بَلْخ –

ترجمه : ا اس لئے کہ ممکن ہو کہ اس کو کوئی آفت لگ جائے اور غلہ نہ اگے اور بھوسے کے علاوہ کچھ نہ نکلے تو[غلے والے کو کچھ نہیں ملے گا]اس لئے یہ بٹائی جائز نہیں ہوگی۔

تشریح :واضح ہے۔تبن : بھوسہ۔

ترجمه : (۱۵۸)ایسے ہی جائز نہیں ہے اگر بھوسے میں آدھے آدھے کی شرط ہو اور غلہ دونوں میں سے ایک متعین آدمی کے لئے ہو۔

ترجمه :ا اس لئے کہ جو مقصود ہے یعنی غلہ اس میں شرکت کو منقطع کرتا ہے۔

اصول :یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مقصود میں شرکت ہونی ضروری ہے تب جا کر بٹائی درست ہوگی، ورنہ نہیں۔

تشریح : بھوسہ جو مقصود نہیں ہے اس میں آدھا آدھا ہو اور غلہ جو مقصود ہے وہ کسی ایک آدمی کی شرط ہو تو بھی بٹائی جائز نہیں ہوگی، اس لئے کہ مقصود میں شرکت نہیں ہے۔

ترجمه :(۱۵۹) اور اگر غلہ میں آدھا آدھا ہو اور بھوسے کے بارے میں کوئی بات ہی نہیں کی تو بٹائی درست ہے

ترجمه :ا اس لئے کہ جو مقصود ہے اس میں شرکت ہے۔

تشریح : واضح ہے۔

ترجمه : (۱۶۰) پھر بھوسہ بیج والے کے لئے ہوگا۔

ترجمه : ا اس لئے کہ اس کی ملک کی پیداوار ہے۔،اس لئے اس کے حقدار ہونے کے لئے شرط کی ضرورت نہیں ہے، شرط لگانا فاسد ہونے کی چیز ہے اور یہاں اس سے سکوت ہے۔

تشریح : بھوسہ کس کا ہو اس بارے میں کوئی ذکر ہی نہیں آیا تو جسکی بیج ہے اس کا بھوسہ ہوگا، کیونکہ اس کی ملکیت کی پیداوار ہے، ہاں اگر باضابطہ شرط لگا تا کہ بھوسہ بیج والے کا ہو تو ممکن ہے کہ اس سے بٹائی فاسد ہوتی، یہاں تو اس سے سکوت ہے اس لئے بٹائی فاسد نہیں ہوگی، بلکہ شرط بھی لگا تا کہ بھوسہ بیج والے کا ہوگا تب بھی فاسد نہیں ہوگی، کیونکہ یہ غیر مقصود چیز ہے اس لئے یہ کسی کے لئے خاص ہو تو اس سے بٹائی فاسد نہیں ہوگی۔

رَحِمَهُمُ اللّٰهُ -: التِّبْنُ بَيْنَهُمَا أَيْضًا اعْتِبَارًا لِلْعُرْفِ فِيمَا لَمْ يَنُصَّ عَلَيْهِ الْمُتَعَاقِدَانِ، وَلِأَنَّهُ تَبَعٌ لِلْحَبِّ وَالتَّبَعُ يَقُومُ بِشَرْطِ الْأَصْلِ. (۱۶۱)وَلَوْ شَرَطَا الْحَبَّ نِصْفَيْنِ وَالتِّبْنَ لِصَاحِبِ الْبَذْرِ صَحَّتْ لِأَنَّهُ حُكْمُ الْعَقْدِ (۱۶۲)وَإِنْ شَرَطَا التِّبْنَ لِلْآخَرِ فَسَدَتْ لِأَنَّهُ شَرْطٌ يُؤَدِّي إِلَى قَطْعِ

ترجمہ : ۲ اور بلخ کے مشائخ نے فرمایا کہ بھوسہ دونوں کے لئے آدھا آدھا ہوگا، جس چیز میں عقد کرنے والے کی صراحت نہیں ہے اس میں عرف کا اعتبار کرتے ہوئے، اور اس لئے کہ بھوسہ غلے کے تابع ہے اور تابع اصل کی شرط کے مطابق قائم ہوتا ہے۔

تشریح :بلخ کے مشائخ نے فرمایا کہ اس صورت میں بھوسہ بھی اڈھا آدھا ہوگا۔

وجہ :(۱)اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں یہ صراحت نہیں ہے کہ بھوسہ کس کا ہوگا، تو اس میں عرف دیکھا جائے گا، اور عرف میں بھوسہ دونوں کا ہوتا ہے اس لئے یہاں بھی بھوسہ دونوں کا ہوگا (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ بھوسہ غلے کے تابع ہے، اور غلے کی شرط یہ ہے کہ دونوں کو آدھا آدھا ملے تو اس کے تابع ہو کر بھوسہ بھی دونوں کو آدھا آدھا مل جائے گا۔

ترجمہ : (۱۶۱)اور اگر شرط لگائی غلے کو آدھے آدھے کرنے کی اور بھوسہ بیج والے کا تو بھی صحیح ہے۔

ترجمہ : ۱ اس لئے کہ یہ عقد کا حکم ہے۔

تشریح :شرط لگائی کہ غلہ آدھا آدھا ہو اور بھوسہ بیج والے کا ہو تو بٹائی درست رہے گی، کیونکہ اگر بھوسے کے بارے میں چپ رہتا تب بھی یہی حکم تھا، پس اس کی وضاحت کر دی کہ یہ بیج والے کا ہے تو خاموشی کے مطابق ہو گیا اس لئے بٹائی جائز رہے گی۔

لغت :لانہ حکم العقد: چپ رہنے پر بھوسہ بیج والے کا تھا اور شرط لگانے پر بھی اسی کا رہا تو شرط اصل حکم کے مطابق ہو گئی اس لئے جائز ہو گیا۔

ترجمہ : (۱۶۲)اور اگر دونوں شریکوں نے شرط لگائی کہ بھوسہ کسی دوسرے کا ہوگا، تو بٹائی فاسد ہو جائے گی۔

ترجمہ : ۱ اس لئے کہ اس شرط سے شرکت منقطع ہو جائے گی، مثلا صرف بھوسہ ہی ہوا [تو شریک کو کچھ بھی نہیں ملے گا]

تشریح :یہ شرط لگائی کہ بھوسہ شریک کے علاوہ کے لئے ہوگا، تو اس صورت بٹائی فاسد ہو جائے گی۔

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ غلہ نہ نکلے صرف بھوسہ ہی نکلے تو یہ تیسرے کو مل جائے گا، شریک کو کچھ بھی نہیں ملے گا، اب دونوں شریک بغیر شرکت کے رہ جائیں گے، اس لئے یہ بٹائی فاسد ہوگی۔

ترجمہ : ۲ اور بیج والے کے علاوہ کا مستحق ہونا شرط کی بنا پر ہے [اور یہ شرط مقتضی عقد کے خلاف ہے، اس لئے بٹائی فاسد ہو جائے گی]

الشِّركَةِ بِأَنْ لا يَخْرُجَ إِلَّا التِّبْنِ ٢ وَاسْتِحْقَاقُ غَيْرِ صَاحِبِ الْبُذْرِ بِالشَّرْطِ. (١٦٣)قَالَ: وَإِذَا صَحَّتْ الْمُزَارَعَةُ فَالْخَارِجُ عَلَى الشَّرْطِ ا لِصِحَّةِ الِالْتِزَامِ (١٦٤) وَإِنْ لَمْ تُخْرِجِ الْأَرْضُ شَيْئًا فَلا شَيْءَ لِلْعَامِلِ ا لِأَنَّهُ يَسْتَحِقُّهُ شِركَةً، وَلا شِركَةَ فِي غَيْرِ الْخَارِجِ، ٢ وَإِنْ كَانَتْ اجَارَةً

تشریح :بیج والے کے لئے بھوسے کی شرط لگائے تو یہ عقد کے مناسب ہے، کیونکہ اس کی ملکیت کی پیداوار ہے، لیکن شریک کے علاوہ کے لئے شرط لگائے تو یہ عقد کے مقتضی کے خلاف ہے، اس لئے اس شرط سے بٹائی فاسد ہو جائے گی۔

ترجمہ :(١٦٣)اور جب مزارعت صحیح ہو جائے تو پیداوار دونوں کے درمیان شرط کے مطابق ہوگی۔

ترجمہ :ا جو کچھ لازم کیا اس کے صحیح ہونے کی وجہ سے۔

تشریح :اوپر کے تمام شرائط پائے جائیں اور مزارعت صحیح ہو جائے تو اب جن شرطوں پر مزارعت ہوئی تھی مثلا زمین والے کا ایک تہائی غلہ ہوگا اور بٹائی والے کا دو تہائی غلہ ہوگا تو انہیں شرائط کے مطابق دونوں میں غلہ تقسیم کیا جائے گا۔

وجہ : حضورؐ نے فرمایا قال النبی ﷺ المسلمون عند شروطھم (بخاری شریف، باب اجر السمسرۃ، ص ٣٦٣ نمبر ٢٢٧٤)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو شرط کی رعایت کرنی چاہئے۔

ترجمہ :(١٦٤)اور اگر زمین کوئی چیز پیدا نہ کرے تو کام کرنے والے کے لئے کچھ نہ ہوگا۔

ترجمہ :ا اس لئے کہ شرکت کی بنا پر مستحق تھا، اور پیداوار کے علاوہ میں یہ شریک ہی نہیں ہے اس لئے پیداوار کے علاوہ میں سے نہیں ملے گا۔

تشریح :بٹائی میں شرط طے ہوئی تھی کہ جو غلہ پیدا ہوگا اس میں سے کام کرنے والے کو چوتھائی یا تہائی ملے گی۔ اور یہاں زمین سے کوئی پیداوار نہیں ہوئی اس لئے عامل کو کہاں سے دیں گے؟ اور جیب سے دینے کی شرط نہیں تھی۔ تو جس طرح زمین والے کو کچھ نہیں ملا اسی طرح کام کرنے والے کو بھی کچھ نہیں ملے گا۔

ترجمہ :٢ اور اگر اس کو اجرت قرار دیں تو اجرت میں تہائی، یا چوتھائی متعین تھی اس لئے تہائی، یا چوتھائی کے علاوہ نہیں ملے گی۔

تشریح :یہ ایک اشکال کا جواب ہے۔ اشکال یہ ہے کہ۔ یہ بٹائی ایک قسم کی اجرت تھی تو اس کو الگ سے اجرت کیوں نہیں دی جائے؟، تو اس کا جواب دیا کہ، اجرت الگ سے طے نہیں تھی، یہاں اجرت بھی غلے سے ہی طے تھی، اور غلہ ہوا نہیں اس لئے اس کو الگ سے کچھ نہیں ملے گا۔ اگر بٹائی فاسد ہوتی تو الگ سے اجرت دی جاتی، یہاں تو بٹائی جائز رہی ہے اس لئے غلے سے ہی اجرت ملے گی۔ اور غلہ ہوا نہیں اس لئے کچھ بھی نہیں ملے گا۔

لغت : مسمی: یہاں مسمی سے مراد ہے غلے کی تہائی، یا چوتھائی اجرت جو طے تھی۔

ترجمہ :٣ بخلاف اگر اجارہ فاسد ہو جاتی اس لئے کہ اس صورت میں ذمے میں اجرت مثل لازم ہوتی ہے، اور پیداوار

فَالْأَجْرُ مُسَمًّى فَلا يَسْتَحِقُّ غَيْرَهُ، ٣ بِخِلَافِ مَا إِذَا فَسَدَتْ لِأَنَّ أَجْرَ الْمِثْلِ فِي الذِّمَّةِ وَلَا تَفُوتُ الذِّمَّةُ بِعَدَمِ الْخَارِجِ (١٦٥)قَالَ: وَإِذَا فَسَدَتْ فَالْخَارِجُ لِصَاحِبِ الْبَذْرِ ١ لِأَنَّهُ نَمَاءُ مِلْكِهِ، ٢ وَاسْتِحْقَاقُ الْأَجْرِ بِالتَّسْمِيَةِ وَقَدْ فَسَدَتْ فَبَقِيَ النَّمَاءُ كُلُّهُ لِصَاحِبِ الْبَذْرِ. (١٦٦) قَالَ: وَلَوْ كَانَ الْبَذْرُ مِنْ قِبَلِ رَبِّ الْأَرْضِ فَلِلْعَامِلِ أَجْرُ مِثْلِهِ لَا يُزَادُ عَلَى مِقْدَارِ مَا شَرَطَ لَهُ مِنْ

نہ ہونے کے باوجود بھی ذمہ فوت نہیں ہوگا۔

تشریح: اگر بٹائی کسی وجہ سے فاسد ہوگئی تو اس صورت میں یہ انتہا کے طور پر اجرت بن جاتی ہے، اور اس کی اجرت ذمے میں لازم ہوتی ہے، اس صورت میں غلہ نہ بھی ہو تو جیب سے مثلی اجرت لازم ہوتی ہے، یہاں بٹائی فاسد نہیں ہوئی ہے، بلکہ جاری رہی ہے، صرف پیداوار نہ ہونے کی وجہ سے غلہ نہیں مل سکا۔

ترجمہ: (۱۶۵) اور اگر مزارعت فاسد ہو جائے تو پیداوار بیج والے کی ہوگی۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ اس کی ملک کی بڑھوتری ہے۔

وجہ: (۱) پہلے حدیث گزر چکی ہے جس سے معلوم ہوا کہ پیداوار اصل میں بیج والے کی ہوتی ہے۔ اور دوسرے لوگ گویا کہ کام کی اجرت لیتے ہیں۔ عن رافع بن خدیج ... قالوا بلی ولکنه زرع فلان قال فخذوا زرعکم وردوا علیه النفقة قال رافع فاخذنا زرعنا ورددنا الیه النفقة ۔(ابوداؤد شریف، باب فی التشدید فی ذلک ای فی المزارعۃ، ص ۴۹۳ نمبر ۳۳۹۹) اس حدیث میں بیج حضرت رافع کا تھا اس لئے غلہ حضرت رافع کو دلوایا اور زمین والے کو اس کی اجرت دی۔ (۲) اور قول تابعی میں ہے۔ عن مجاهد قال اشترک اربعة نفر ... والحق الزرع کله بصاحب البذر (کتاب الآثار لامام محمد، باب المزارعۃ بالثلث والربع، ص ۱۷۲، نمبر ۷۷۵) اس قول تابعی میں ہے کہ غلہ تمام کا تمام بیج والے کا ہوگا۔ اس لئے جب مزارعت فاسد ہو تو غلہ بیج والے کا ہوگا (۳) یوں بھی غلہ کی بڑھوتری بیج سے ہے اس لئے بھی غلہ بیج والے کو دیا جائے گا۔

لغت: الخارج : نکلنے والی چیز، پیداوار۔

ترجمہ: ۲ اور دوسرا آدمی اجرت کا مستحق ہوتا ہے متعین کرنے کی وجہ سے اور بٹائی فاسد ہوگئی ہے اس لئے سب بڑھوتری بیج والے کی ہوگی۔

تشریح: دوسرا آدمی اس وجہ سے غلے کا مستحق تھا کہ بٹائی متعین تھی، اب وہ فاسد ہوگئی، اس لئے یہ غلے کا مستحق نہیں رہا اس لئے سب غلہ بیج والے کو ملے گا، اور اس قسم کے کام کا جو مثلی اجرت ہوتی ہے وہ اجرت بیج والے سے لیگا۔

ترجمہ: (۱۶۶) پس اگر بیج زمین والے کی جانب سے ہو تو کام کرنے والے کے لئے اجرت مثل ہوگی جو نہیں زیادہ ہو

الْخَارِجِ ۱؎ لِأَنَّهُ رَضِيَ بِسُقُوطِ الزِّيَادَةِ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ ۲؎ وَقَالَ مُحَمَّدٌ: لَهُ أَجْرُ مِثْلِهِ بَالِغًا مَا بَلَغَ، لِأَنَّهُ اسْتَوْفَى مَنَافِعَهُ بِعَقْدٍ فَاسِدٍ فَتَجِبُ عَلَيْهِ قِيمَتُهَا اذْ

اس تعداد سے جو شرط کی گئی ہو پیداوار سے۔

ترجمہ :۱؎ کیونکہ خود ہی زیادہ کو ساقط کرنے پر راضی ہو گیا۔ یہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کی رائے ہے۔

تشریح :پس اگر بیج زمین والے کی طرف سے ہو اور مزارعت فاسد ہو گئی ہو تو پورا غلہ زمین والے کا ہو گا اور کام والے کو اس کی وہ اجرت ملے گی جو اس جیسے کام کی اجرت بازار میں مل سکتی ہے۔ البتہ اگر بازار کی اجرت مثل زیادہ ہو اور پیداوار میں جو حصہ مل سکتا تھا وہ کم ہو تو پیداوار کے حصے سے زیادہ نہیں دیا جائے گا۔

وجہ:(۱) کام کرنے والے کو اجرت ملے گی اس کے لئے اوپر والی حدیث ہے، اس میں ہے **عن رافع بن خديج ... قالوا بلى ولكنه زرع فلان قال فخذوا زرعكم وردوا عليه النفقة قال رافع فاخذنا زرعنا ورددنا اليه النفقة** ۔(ابوداؤد شریف، باب فی التشدید فی ذلک ای فی المزارعۃ، ص۴۹۳ نمبر ۳۳۹۹) اس حدیث میں رددنا الیہ النفقۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ کام کرنے والے کو اس کی اجرت ملے گی۔(۲) اس قول تابعی میں بھی ہے **عن مجاهد قال اشترك اربعة نفر على عهد رسول الله ﷺ فقال واحد من عندى البذر وقال الآخر من عندى العمل وقال الآخر من عندى الفدان وقال الآخر من عندى الارض قال فالغى رسول الله صاحب الارض وجعل لصاحب الفدان اجرا مسمى وجعل لصاحب العمل درهما لكل يوم والحق الزرع كله لصاحب البذر** (کتاب الآثار لامام محمد، باب المزارعۃ بالثلث والربع، ص۱۷۲، نمبر ۷۷۵) اس حدیث میں ہے، **وجعل لصاحب الفدان اجرا مسمى وجعل لصاحب العمل درهما لكل يوم** سے معلوم ہوا کہ کام کرنے والے کو مثلی اجرت ملے گی اور زمین کی پیداوار جتنی ملتی ہو مثلی اجرت اس سے زیادہ ہو تو پھر زمین کی پیداوار کے مطابق ہی اجرت ملے گی، کیونکہ اپنی زیادہ اجرت کو ساقط کرنے پر خود راضی ہو گیا۔

ترجمہ :۲؎ اور امام محمد نے فرمایا اس کے لئے اجرت مثل ہو گی جتنی پہنچ جائے۔ اس لئے کہ اس کے منافع کو عقد فاسد سے حاصل کیا ہے، اس لئے اس منافع کی قیمت لازم ہو گی، اس لئے کہ منافع کی مثل نہیں ہے۔ اور یہ بحث، کتاب الاجارات، میں گزر گیا۔

تشریح : یہاں بٹائی فاسد ہو گئی ہے، اس لئے بیج والے نے عقد فاسد کے ذریعہ دوسرے کے منافع حاصل کئے ہیں، اور منافع کی مثل نہیں ہوتی اس لئے اب اس کی قیمت لازم ہو گی، اور وہ قیمت جتنی پہنچ جائے اتنی لازم ہو گی، پیداوار کا غلہ جتنا ہو چاہے اس سے زیادہ بھی ہو جائے تو وہ زیادہ لازم ہو گی۔

ترجمہ :(۱۶۷) اور اگر بیج کام کرنے والے کی جانب سے ہو تو زمین والے لئے اجرت مثل ہو گی۔

لَا مِثْلَ لَهَا وَقَدْ مَرَّ فِي الْإِجَارَاتِ (١٦٧)وَإِنْ كَانَ الْبَذْرُ مِنْ قِبَلِ الْعَامِلِ فَلِصَاحِبِ الْأَرْضِ أَجْرُ مِثْلِ أَرْضِهِ ١ لِأَنَّهُ اسْتَوْفَى مَنَافِعَ الْأَرْضِ بِعَقْدٍ فَاسِدٍ فَيَجِبُ رَدُّهَا وَقَدْ تَعَذَّرَ. وَلَا مِثْلَ لَهَا فَيَجِبُ رَدُّ قِيمَتِهَا. ٢ وَهَلْ يُزَادُ عَلَى مَا شَرَطَ لَهُ مِنَ الْخَارِجِ؟ فَهُوَ عَلَى الْخِلَافِ الَّذِي ذَكَرْنَاهُ (١٦٨)وَلَوْ جَمَعَ بَيْنَ الْأَرْضِ وَالْبَقَرِ حَتَّى فَسَدَتْ الْمُزَارَعَةُ فَعَلَى الْعَامِلِ أَجْرُ مِثْلِ الْأَرْضِ وَالْبَقَرِ ١ هُوَ الصَّحِيحُ، لِأَنَّ لَهُ مَدْخَلًا فِي الْإِجَارَةِ وَهِيَ اجَارَةٌ مَعْنًى.

تشریح :اگر بیج کام کرنے والے کی جانب سے ہوتو پورا غلہ کام کرنے والے کا ہوگا اور زمین والے کو زمین کی اجرت مثل مل جائے گی۔

ترجمہ :۱ اس لئے کہ عقد فاسد کے ذریعہ زمین کے منافع کو حاصل کیا اس لئے اس منافع کو واپس کرنا ضروری تھا،اور منافع واپس نہیں کرسکتا اس لئے کہ اس کی مثل نہیں ہے اس لئے اب اس کی قیمت واپس کرنا لازم ہے

تشریح :یہاں عقد فاسد کے ذریعہ زمین کے منافع کو حاصل کیا ہے،اس لئے منافع کو ہی واپس کرنا چاہئے ،لیکن منافع کی مثل نہیں ہوتی اس لئے اس کی قیمت واپس کرنا ضروری ہے،اور وہ ہے زمین کی مثلی اجرت۔

ترجمہ :۲ اور پیداوار میں جتنے کی شرط تھی اس سے زیادہ اجرت دی جاسکے گی؟ تو یہ بات اسی اختلاف پر ہے جو ہم نے ابھی اوپر بیان کیا۔

تشریح :جتنی پیداوار ہوئی وہ دی جائے تو مثلا سو کیلو گیہوں ہوتا ہے،اور بازار کی مثلی اجرت سوا سو کیلو ہوتا ہے،تو کیا یہ پچیس کیلو زیادہ دیا جائے یا نہیں،تو اس بارے میں اوپر کا اختلاف ہے،امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اجرت سو کیلو سے زیادہ نہ دی جائے،کیونکہ خود زمین والے نے اپنا حق ساقط کیا ہے۔اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ ایک سو پچیس کیلو اجرت بنتی ہے تو ایک سو پچیس کیلو دیا جائے۔

ترجمہ :(۱۶۸)اور اگر ایک کی زمین اور بیل ہو اور مزارعت فاسد ہو جائے تو کام کرنے والے پر [جو بیج والا بھی ہے] زمین اور بیل کی مثلی اجرت لازم ہوگی،

ترجمہ :۱ صحیح مسلک یہی ہے،اس لئے کہ بیل کو بھی اجرت پر دیا جاتا ہے،اور بٹائی معنوی طور پر اجارہ ہے۔

تشریح :پہلے یہ مسئلہ گزر چکا ہے کہ بیل اور زمین ایک کا ہو اور کام اور بیج دوسرے کا ہو تو اس صورت میں بٹائی فاسد ہوگی، اب یہاں زمین اور بیل ایک کا ہے اس لئے بٹائی فاسد ہوئی،اس لئے بیج والے کو پیداوار مل جائے گی،اور یوں سمجھا جائے گا کہ زمین اور بیل اجرت پر لیا،کیونکہ بیل بھی اجرت پر لیا جاتا ہے،،اور زمین بھی اجرت پر لی جاتی ہے،اس لئے اب زمین اور بیل دونوں کی اجرت بیج والے پر لازم ہوگی۔

(١٦٩) وَإِذَا اسْتَحَقَّ رَبُّ الْأَرْضِ الْخَارِجَ لِبَذْرِهِ فِي الْمُزَارَعَةِ الْفَاسِدَةِ طَابَ لَهُ جَمِيعُهُ لِأَنَّ النَّمَاءَ حَصَلَ فِي أَرْضٍ مَمْلُوكَةٍ له (١٧٠) وَإِنْ اسْتَحَقَّهُ الْعَامِلُ أَخَذَ قَدْرَ بَذْرِهِ وَقَدْرَ أَجْرِ الْأَرْضِ وَتَصَدَّقَ بِالْفَضْلِ لِأَنَّ النَّمَاءَ يَحْصُلُ مِنْ الْبَذْرِ وَيَخْرُجُ مِنْ الْأَرْضِ، وَفَسَادُ الْمِلْكِ فِي مَنَافِعِ الْأَرْضِ أَوْجَبَ خُبْثًا فِيهِ. فَمَا سُلِّمَ لَهُ بِعِوَضٍ طَابَ لَهُ وَمَا لَا عِوَضَ لَهُ تَصَدَّقَ بِهِ. (١٧١) قَالَ: وَإِذَا عُقِدَتْ الْمُزَارَعَةُ فَامْتَنَعَ صَاحِبُ الْبَذْرِ مِنْ الْعَمَلِ لَمْ يُجْبَرْ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُهُ الْمُضِيُّ فِي الْعَقْدِ إلَّا بِضَرَرٍ يَلْزَمُهُ. فَصَارَ كَمَا إذَا اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا لِيَهْدِمَ

ترجمه(١٦٩) زمین والا اپنی بیج کی وجہ سے پیداوار کا مستحق ہوا مزارعت فاسدہ میں تو اس کے لئے سب پیداوار حلال ہے

ترجمه :ا اس لئے کہ بڑھوتری اس کی زمین حاصل ہوئی ہے جو اس کی ملکیت ہے۔

تشریح : مزارعت کسی وجہ سے فاسد ہوئی، اور زمین اور بیج اس کی تھی اس لئے پوری پیداوار اس کی ہوئی تو اس کے لئے یہ سب پیداوار حلال ہے۔

وجه : اس کی وجہ یہ ہے کہ فصل دو چیزوں سے پیدا ہوتی ہے [۱] ایک بیج سے اور [۲] دوسری زمین کی قوت سے اور یہ دونوں چیزیں اس کی ہیں اس لئے پوری پیداوار حلال ہے، اس کو اس میں سے صدقہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمه :(١٧٠) اور اگر کام کرنے والا اپنی بیج کی وجہ سے فصل کا حقدار ہوا، تو اپنی بیج کی مقدار اور زمین کی اجرت کی مقدار لے اور باقی کو صدقہ کر دے۔

ترجمه :ا اس لئے کہ فصل حاصل ہوئی اس کی بیج سے، لیکن نکلی ہے زمین سے، اور زمین کے منافع میں ملک کا فساد خباثت کو واجب کرتا ہے، پس جو کچھ بدلے میں آیا وہ تو اس کے لئے حلال ہے اور جس کا بدلہ نہیں ہے اس کو صدقہ کر دے

تشریح : زمین دوسرے کی تھی، اب کام کرنے والے نے بیج دی جسکی وجہ سے ساری فصل اس کی ہوئی، اور مزارعت فاسدہ تھی اس لئے مثلاً زمین والے کو ایک سو کیلو زمین کی اجرت دی اور پچاس کیلو بیج میں لگا تھا، یہ مل کر ایک سو پچاس کیلو ہوا، اور زمین کی پیداوار دو سو کیلو ہوئی، تو فرماتے ہیں کہ ایک سو پچاس کیلو اس لئے حلال ہے، اور باقی پچاس کیلو کو صدقہ کر دے۔

وجه :اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مزارعت فاسدہ ہے، اس لئے جو بیج دیا ہے وہ حلال ہے، اور جو زمین کی اجرت ایک سو کیلو دی وہ حلال ہے، اور جو اس کے علاوہ پچاس کیلو آیا وہ مزارعت فاسدہ کی زمین سے آیا ہے اس لئے اس میں خباثت آ گئی اس لئے اس کو صدقہ کر دینا چاہئے۔ ہاں صحیح مزارعت سے آتا تو یہ بھی حلال ہوتا۔

ترجمه :(١٧١) اگر مزارعت کا عقد کیا اور بیج والا کام سے رک گیا تو کام کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

ترجمه :ا اس لئے مزارعت کے عقد میں گزرنے کے لئے اس کو بیج کا نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے۔

دَارَهُ(۱۷۲) وَإِنْ امْتَنَعَ الَّذِي لَيْسَ مِنْ قِبَلِهِ الْبَذْرُ أَجْبَرَهُ الْحَاكِمُ عَلَى الْعَمَلِ ا لِأَنَّهُ لا يَلْحَقُهُ بِالْوَفَاءِ بِالْعَقْدِ ضَرَرٌ وَالْعَقْدُ لازِمٌ بِمَنْزِلَةِ الْإِجَارَةِ، ٢ إِلَّا إِذَا كَانَ عُذْرٌ يَفْسَخُ بِهِ الْإِجَارَةَ فَيَفْسُخُ بِهِ الْمُزَارَعَةُ. قَالَ: (۱۷۳)وَلَوْ امْتَنَعَ رَبُّ الْأَرْضِ وَالْبَذْرُ مِنْ قِبَلِهِ وَقَدْ كَرَبَ الْمُزَارِعُ الْأَرْضَ فَلا شَيْءَ لَهُ فِي عَمَلِ الْكِرَابِ، ا قِيلَ هَذَا فِي الْحُكْمِ، فَأَمَّا فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ

تشریح :عقد مزارعت کیا تھا لیکن کچھ سوچ کر بیج والے نے بیج نہیں ڈالا اور بیج ڈالنے اور کام کرنے سے رک گیا تو اس کو بیج ڈالنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

وجہ :کام کرنے کی دو شکلیں ہیں۔[۱] ایک ایسا کام ہے جس میں پیسے کا کچھ نقصان بھی ہو جیسے بیج ڈالنا کہ اس میں بیج کا نقصان ہے۔[۲] اور دوسرا کام ایسا ہے جس میں کوئی نقصان نہ ہو جیسے ہل چلانا کہ ہل چلانے میں پیسے کا نقصان نہیں ہے۔پس قاعدہ یہ ہے کہ جس میں پیسے کا نقصان ہو اس کام کے کرنے پر حاکم مجبور نہیں کر سکتا۔کیونکہ اس اجبار میں کام کرنے والے کا نقصان بھی ہے۔اس لئے بیج نہ ڈالے تو حاکم اس کے ڈالنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔اگر چہ کوئی عذر نہ ہو تو وعدہ کے مطابق ڈالنا چاہئے۔

لغت :مضٰی فی العقد :عقد میں گزرنا،عقد کے مطابق کام کرتے جانا۔

ترجمہ :۲ تو ایسا ہو گیا کہ اپنے گھر کو گرانے کے لئے اجرت پر رکھا۔

ترجمہ :۳ اپنے گھر کو گرانے کے لئے کسی کو اجرت پر رکھا بعد میں سمجھ میں آیا کہ یہ گھر گرانا اچھا نہیں ہے تو یہ اجرت توڑ دی جائے گی،اور اجرت والے سے کام نہیں لیا جائے گا،کیونکہ اس کے گھر گرانے میں نقصان ہے،اسی طرح بیج والے کو بعد میں سمجھ میں آیا کہ بیج کا نقصان کرنا اچھا نہیں ہے اس لئے بیج مٹی میں ملانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

ترجمہ :(۱۷۲)اور اگر کام کرنے سے رک گیا وہ آدمی جن کی جانب سے بیج نہ ہو تو حاکم اس کو کام پر مجبور کرے گا۔

ترجمہ :ا اس لئے کہ عقد کو پورا کرنے میں اس کو نقصان نہیں ہے،اور عقد لازم ہے اجارہ کے درجے میں۔

وجہ :چونکہ اس کے کام کرنے میں پیسے کا نقصان نہیں ہے اس لئے اس کو کام کرنے پر حاکم مجبور کرے گا۔اور جس طرح اجرت لازم ہوتی ہے اسی طرح بٹائی بھی لازم ہے۔

ترجمہ :۲ ہاں ایسا عذر ہو کہ اس سے جس اجرت توڑی جا سکتی ہو تو اس سے مزارعت توڑ دی جائے گی۔

تشریح :ایسا بڑا عذر پیش آ گیا،جس سے اجارہ بھی توڑا جا سکتا ہو،مثلا سخت بیمار ہو گیا تو اس سے مزارعت توڑ دی جائے گی

ترجمہ :(۱۷۳)اگر زمین اور بیج والا اپنی جانب سے زمین اور بیج روک دے اور ہل چلانے والے نے زمین جوت دیا ہے تو اس کو کچھ نہیں ملے گا،

اللّٰهِ تَعَالَى يَلْزَمُهُ اسْتِرْضَاءُ الْعَامِلِ لِأَنَّهُ غَرَّهُ فِيْ ذٰلِكَ. (١٧٤) قَالَ: وَإِذَا مَاتَ أَحَدُ الْمُتَعَاقِدَيْنِ بَطَلَتِ الْمُزَارَعَةُ ۱؎ اعْتِبَارًا بِالْإِجَارَةِ، وَقَدْ مَرَّ الْوَجْهُ فِي الْإِجَارَاتِ، (١٧٥) فَلَوْ كَانَ دَفَعَهَا فِيْ ثَلَاثِ سِنِيْنَ فَلَمَّا نَبَتَ الزَّرْعُ فِي السَّنَةِ الْأُوْلَى وَلَمْ يَسْتَحْصِدْ حَتَّى مَاتَ رَبُّ الْأَرْضِ تَرَكَ الْأَرْضَ فِيْ يَدِ الْمُزَارِعِ حَتَّى يَسْتَحْصِدَ الزَّرْعَ وَيُقْسَمَ عَلَى الشَّرْطِ، وَتَنْتَقِضُ

ترجمه : ۱؎ یہ قضا کا فیصلہ ہے، لیکن فیما بینہ وبین اللہ، کام کرنے والے کو اجرت دیکر راضی کرنا ضروری ہے، اس لئے کہ اس بارے میں دھوکہ دیا ہے۔

تشریح : ایک آدمی کی زمین بھی تھی اور بیج بھی، اور دوسرے آدمی کا ہل چلاتا تھا، اب زمین والا بیج نہیں ڈال رہا ہے، جسکی وجہ سے اس کو مجبور بھی نہیں کر سکتے اور غلہ نہیں ہوا ہے اس لئے اجرت پر کچھ دے بھی نہیں سکتے، اس صورت میں قضا کے طور پر تو یہی ہے کہ ہل چلانے والے کو کچھ نہیں ملے گا، لیکن فیما بینہ وبین اللہ ہل چلانے والے کو اتنی مزدوری دے دینی چاہئے جس سے وہ راضی ہو جائے، کیونکہ اس نے کام کیا ہے۔

ترجمه : (١٧٤) اور اگر متعاقدین میں سے کوئی ایک مرجائے تو مزارعت باطل ہو جائے گی۔

ترجمه : ۱؎ اجرت پر قیاس کرتے ہوئے، اور یہ باتیں کتاب الاجارات میں گزر گئیں

وجه : (۱) پہلے کئی مرتبہ گزر چکا ہے کہ عقود جتنے بھی ہیں وہ عاقدین کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں۔ وہ ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوتے۔ اس لئے عاقدین میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے تو وہ عقد باطل ہو جاتا ہے۔ اور ورثہ اس کو بحال نہیں رکھ سکتے (۲) حدیث گزر چکی ہے۔ **عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلاثة اشياء** (ابوداود شریف، باب ماجاء فی الصدقة عن المیت، ص ۴۱۹، نمبر ۲۸۸۰) اس حدیث میں ہے کہ انسان مرجائے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین کے۔ اس لئے زمین والے یا بٹائی والے میں سے کسی ایک کے مرنے سے مزارعت کا عقد باطل ہو جائے گا۔

ترجمه : (١٧٥) اگر زمین کو تین سال کے لئے دیا، اب پہلے سال میں کھیتی اگی اور ابھی کاٹا نہیں تھا کہ زمین والے کا انتقال ہو گیا تو زمین کو کھیتی کرنے والے کے قبضے میں چھوڑ دی جائے گی، تا کہ وہ کھیتی کاٹ لے، پھر شرط کے مطابق غلہ تقسیم کر لیا جائے، اور اگلے دو سال کے لئے مزارعت ختم کر دی جائے گی۔

ترجمه : ۱؎ اس لئے کہ پہلے سال میں عقد باقی رکھنے میں دونوں کے حق کی رعایت ہے، بخلاف دوسرے اور تیسرے سال کے اس میں کام کرنے والے کو نقصان نہیں ہے۔

تشریح : تین سال کے لئے زمین مزارعت پر دی، پہلے سال میں کھیتی پکنے کے قریب ہوئی کہ زمین والے کا انتقال ہو گیا،

الْـمُـزَارَعَةُ فِيمَا بَقِيَ مِنْ السَّنَتَيْنِ لِ لِأَنَّ فِـي ابْـقَـاءِ الْعَقْدِ فِي السَّنَةِ الْأُولَى مُرَاعَاةً لِلْحَقَّيْنِ، بِخِلَافِ السَّنَةِ الثَّانِيَةِ وَالثَّالِثَةِ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِيهِ ضَرَرٌ بِالْعَامِلِ فَيُحَافِظُ فِيهِمَا عَلَى الْقِيَاسِ. (۱۷۶) وَلَـوْ مَـاتَ رَبُّ الْأَرْضِ قَبْلَ الزِّرَاعَةِ بَعْدَ مَا كَرَبَ الْأَرْضَ وَحَفَرَ الْأَنْهَارَ انْتَقَضَتْ الْمُزَارَعَةُ(لِأَنَّهُ لَيْسَ فِيهِ ابْطَالُ مَالٍ عَلَى الْمُزَارِعِ) وَلَا شَيْءَ لِلْعَامِلِ بِمُقَابَلَةِ مَا عَمِلَ لِ كما نُبَيِّنُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى. (۱۷۷) وَإِذَا فُسِخَتْ الْمُزَارَعَةُ بِدَيْنٍ فَادِحٍ لَحِقَ صَاحِبَ الْأَرْضِ فَاحْتَاجَ إِلَى بَيْعِهَا جَازَ (كَمَا فِي الْإِجَارَةِ) وَلَيْسَ لِلْعَامِلِ أَنْ يُطَالِبَهُ بِمَا كَرَبَ الْأَرْضَ وَحَفَرَ الْأَنْهَارَ بِشَيْءٍ لِ لِأَنَّ الْمَنَافِعَ انَّمَا تَتَقَوَّمُ بِالْعَقْدِ وَهُوَ انَّمَا قُوِّمَ بِالْخَارِجِ فَإِذَا انْعَدَمَ الْخَارِجُ لَمْ يَجِبْ

اس لئے مزارعت ختم ہو جانی چاہئے ،لیکن اس میں دونوں کا نقصان ہے،اس لئے کھیتی کٹنے تک مزارعت باقی رہے گی ،اور جو شرط پہلے طے ہوئی تھی ،تہائی، یا چوتھائی اسی شرط کے مطابق غلہ تقسیم کر دیا جائے گا۔اس کے بعد اگلے دو سال کے لئے مزارعت ختم ہو جائے گی ،کیونکہ مزارعت کرنے والے کا انتقال ہو چکا ہے۔

ترجمہ :(۱۷۶) زمین جوتنے ،اور نالی کھودنے کے بعد اگر کاشت کرنے سے پہلے زمین والا مر گیا،تو مزارعت ختم ہو جائے گی۔[اس لئے اس میں کاشت کرنے والے کے مال کو ضائع کرنا نہیں ہے۔]اور جو کچھ کام کیا اس کے مقابلے پر کام کرنے والے کو کچھ نہیں ملے گا۔

ترجمہ :لہ اس کو بعد میں بیان کروں گا ان شاء اللہ۔

تشریح :زمین جوت چکا تھا اور اس میں چھوٹی چھوٹی نالی بنا چکا تھا،لیکن ابھی تک بیج نہیں ڈالا تھا کہ زمین والے کا انتقال ہو گیا تو ابھی ہی مزارعت ٹوٹ جائے گی۔اور کاشت کرنے والے کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔

وجہ :ابھی مزارعت اس لئے ٹوٹ جائے گی کہ زمین والے کا انتقال ہو چکا ہے،اور ہل چلانے والے نے چونکہ زمین میں بیج نہیں ڈالا ہے اس لئے ہل چلانے والے کا کوئی مالی نقصان نہیں ہوا ہے،اور اس کو کچھ نہیں ملے گا اس لئے کاشت ہوئی نہیں ہے،اور الگ سے کوئی اجرت طے نہیں ہوئی ہے۔

لغت :کرب :زمین جوتنا۔حفر الانہار :چھوٹی چھوٹی نالی بنانا ،نالی کھودنا۔

ترجمہ :(۱۷۷)زمین والے پر بھاری قرض ہوا جسکی وجہ سے زمین بیچنا پڑا،اور اس کی وجہ سے مزارعت ٹوٹ گئی تو جائز ہے جیسے کہ اجرت میں ہوتا ہے اور کام کرنے والے کو ہل چلانے اور نالی کھودنے کا معاوضہ طلب کرنے کا حق نہیں ہے۔

ترجمہ :لہ اس لئے کہ منافع عقد سے ملتا ہے اور وہ یہاں پیداوار ہے،اور پیدا نہیں ہوا تو کچھ لازم نہیں ہوگا۔

تشریح : مزارعت طے تھی ،کام کرنے والے نے ہل چلایا تھا،اور نالی بھی کھودا تھا کہ زمین والے پر بھاری قرض آ گیا،

شَيْءٌ. (١٧٨) وَلَوْ نَبَتَ الزَّرْعُ وَلَمْ يُسْتَحْصَدْ لَمْ تُبَعِ الْأَرْضُ فِي الدَّيْنِ حَتَّى يُسْتَحْصَدَ الزَّرْعُ لِ لِأَنَّ فِي الْبَيْعِ ابْطَالَ حَقِّ الْمُزَارِعِ، وَالتَّأْخِيرُ أَهْوَنُ مِنَ الْإِبْطَالِ. (١٧٩) وَيُخْرِجُهُ الْقَاضِي مِنَ الْحَبْسِ إِنْ كَانَ حَبَسَهُ بِالدَّيْنِ لِ لِأَنَّهُ لَمَّا امْتَنَعَ بَيْعُ الْأَرْضِ لَمْ يَكُنْ هُوَ ظَالِمًا وَالْحَبْسُ جَزَاءُ الظُّلْمِ. (١٨٠) قَالَ: وَإِذَا انْقَضَتْ مُدَّةُ الْمُزَارَعَةِ وَالزَّرْعُ لَمْ يُدْرِكْ كَانَ عَلَى الْمُزَارِعِ أَجْرُ مِثْلِ نَصِيبِهِ مِنَ الْأَرْضِ إِلَى أَنْ يُسْتَحْصَدَ (١٨١) وَالنَّفَقَةُ عَلَى الزَّرْعِ

ایسا قرض جس سے اجرت توڑی جا سکتی ہے، اس کی وجہ سے کھیتی پکنے سے پہلے پہلے زمین بیچ دیا اور مزارعت ٹوٹ گئی، تو کام کرنے والے کو کام کا معاوضہ طلب کرنے کا حق نہیں ہے۔

وجہ: طے یہ ہوا تھا کہ پیداوار میں سے تہائی یا چوتھائی دیگا، اور وہ ہوا نہیں، اور الگ سے کوئی اجرت طے ہوئی نہیں ہے اس لئے وہ بھی نہیں ملے گی، اس لئے کام کرنے والے کو کچھ نہیں ملے گا۔

اصول: بہت مجبوری آگئی ہو تو اجرت ساقط ہو جاتی ہے۔

ترجمہ: (١٧٨) اور اگر کھیتی اگ چکی ہو لیکن ابھی کاٹی نہیں گئی ہو تو کاٹنے تک قرض میں زمین نہیں بیچی جائے گی۔

ترجمہ: لِ اس لئے کہ بیچنے میں کھیتی کرنے والے کا حق باطل ہوگا، اس لئے باطل کرنے سے تاخیر کرنا آسان ہے۔

تشریح: کھیتی اگ چکی ہو لیکن ابھی تک کاٹنے کے قابل نہیں ہوئی ہو تو کاٹنے تک قرض میں زمین نہیں بیچی جائے گی، کیونکہ زمین بیچنے سے کھیتی کرنے والے کو نقصان ہوگا، اس لئے تاخیر کرنا بہتر ہے۔

لغت: نبت: کھیتی اگنا۔ یستحصد: حصد سے مشتق ہے۔ کھیتی کاٹنا۔

ترجمہ: (١٧٩) اور قاضی زمین والے کو قید سے نکال دیگا، اگر اس کو قرض کی وجہ سے قید کیا ہو۔

ترجمہ: لِ اس لئے کہ جب زمین کے بیچنے سے رک گیا تو وہ ظالم نہیں رہا، اور قید ظلم کی سزا ہے۔

تشریح: اگر قرض کو ادا کرنے میں ٹال مٹول کر رہا تھا اس لئے قاضی نے زمین والے کو قید میں ڈال رکھا تھا، لیکن کھیتی اگنے کی وجہ سے زمین بیچ بھی نہیں سکتا اس لئے قاضی اس آدمی کو قید سے نکال دے، کیونکہ اب کھیتی کی وجہ سے قرض ادا کرنے میں تاخیر ہو رہی ہے، اب زمین والے کی کوئی غلطی نہیں ہے۔۔۔ حبس: قید کرنا، جیل میں روکنا۔

ترجمہ: (١٨٠) اگر مزارعت کی مدت ختم ہو جائے اور کھیتی ابھی پکی نہ ہو تو کھیتی کرنے والے پر زمین کے اپنے حصے کی اجرت مثل لازم ہوگی کھیتی کٹنے تک۔ اور کھیتی پر جو خرچ ہوگا وہ دونوں پر ہوگا اس کے حقوق کے مطابق۔

تشریح: مثلا تین ماہ کے لئے کھیت زراعت پر لیا تھا۔ اس میں چاول بویا لیکن تین ماہ میں چاول پکا نہیں۔ ابھی اس کے پکنے میں ایک ماہ باقی ہے۔ اس لئے تین ماہ پورے ہونے پر مزارعت کی مدت ختم ہوگئی اور عقد گویا ختم ہو گیا۔ لیکن کچی کھیتی

عَلَيْهِمَا عَلَى مِقْدَارِ حُقُوقِهِمَا ۱؎ مَعْنَاهُ حَتَّى يُسْتَحْصَدَ، لِأَنَّ فِي تَبْقِيَةِ الزَّرْعِ بِأَجْرِ الْمِثْلِ تَعْدِيلَ النَّظَرِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ فَيُصَارُ إِلَيْهِ، ۲؎ وَإِنَّمَا كَانَ الْعَمَلُ عَلَيْهِمَا لِأَنَّ الْعَقْدَ قَدْ انْتَهَى

کاٹنے میں دونوں کا نقصان ہے اس لئے چاول ابھی ایک ماہ تک کھیت میں رکھا جائے گا۔ اور بٹائی والے کا جتنا حصہ ہے اس کے حصے کے مطابق ایک ماہ کی اجرت مثل اس پر لازم ہوگی۔ مثلا مزارعت آدھے آدھے پر طے ہوئی تھی تو بٹائی والے پر ایک ماہ کی اجرت مثل کی آدھی لازم ہوگی۔

وجہ: (۱) اس صورت میں زمین والے کا بھی فائدہ ہے کہ ایک ماہ زمین زیادہ استعمال کی تو ایک ماہ کی اجرت مل گئی اور بٹائی والے کا بھی فائدہ ہے کہ اس کو آدھا غلہ مل گیا (۲) کھیتی کٹنے کی مدت تقریبا معلوم ہے کہ زمانہ قریب میں یعنی ایک دو ماہ میں کھیتی کٹ جائے گی اس لئے اس کو مزید مہلت دی جائے گی اور اس صورت میں صفقۃ فی صفقۃ کے قاعدے سے اجرت فاسد نہیں کریں گے۔

لغت: لم یدرک : کھیتی نہیں پکی، درک : پانا، یستحصد : حصد سے مشق ہے، کھیتی کٹنا۔

ترجمہ : (۱۸۱) اور کھیتی پر خرچ دونوں پر ہوگا ان دونوں کے حقوق کی مقدار۔

تشریح : مزارعت کی مدت ختم ہوگئی اس لئے عقد ختم ہوگیا اس لئے بٹائی والے پر کام کرنا لازم نہیں رہا اب جو کچھ خرچ ہوگا وہ زمین والے اور بٹائی والے دونوں پر ہوگا۔ اب اگر دونوں کا آدھا آدھا تھا تو دونوں پر آدھا آدھا خرچ لازم ہوگا۔ اور اگر تہائی اور دو تہائی حصہ تھا تو جس کا تہائی تھا اس پر ایک تہائی خرچ لازم ہوگا اور جس کا دو تہائی حصہ تھا اس پر دو تہائی خرچ لازم ہوگا

ترجمہ : ۱؎ متن کی عبارت کا معنی ہے کہ، یہاں تک کہ کھیتی کاٹ دی جائے ، اس لئے کہ کھیتی کو اجرت مثل کے بدلے باقی رکھنے میں دونوں جانب کا انصاف ہے اس لئے اسی طرف چلنا چاہئے۔

تشریح : متن میں یہ لفظ تھا، الی ان یستحصد ، اس کا معنی بیان کر رہے ہیں کہ کاٹنے تک ہی زمین اجرت پر رکھی جائے گی، اور کاٹنے تک ہی دونوں پر خرچ لازم ہوگا، آگے کاٹنے تک زمین کو اجرت پر رکھنے کی وجہ بیان کر رہے ہیں کہ اس میں پکی ہوئی کھیتی بھی محفوظ رہی، اور زمین والے کو اجرت بھی مل گئی، اور کھیتی کرنے والے کو غلہ بھی مل گیا، اور سب کے ساتھ انصاف ہوگیا اس لئے یہی طریقہ اختیار کیا جائے گا۔

ترجمہ : ۲؎ کام دونوں پر اس لئے ہے کہ مدت کے ختم ہونے کی وجہ سے عقد ختم ہوگیا، اب مشترک میں کام کرنا ہے [اس لئے دونوں پر خرچ لازم ہوگا]

تشریح : دونوں پر اس لئے خرچ لازم ہوگا کہ مدت ختم ہونے کی وجہ سے بٹائی کا عقد ختم ہوگیا، اور یہ جو مال ہے وہ مشترک ہے، اس لئے خرچ بھی دونوں پر مشترک لازم ہوگا۔

ترجمہ : ۳؎ یہ بخلاف اگر زمین والا مر گیا اور کھیتی ابھی کھڑی ہے تو کام اس صورت میں کاشت کرنے والے پر ہے اس

بِانْتِهَاءِ الْمُدَّةِ وَهَذَا عَمَلٌ فِي الْمَالِ الْمُشْتَرَكِ، ۳؎ وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا مَاتَ رَبُّ الْأَرْضِ وَالزَّرْعُ بَقْلٌ حَيْثُ يَكُونُ الْعَمَلُ فِيهِ عَلَى الْعَامِلِ، لِأَنَّ هُنَاكَ أَبْقَيْنَا الْعَقْدَ فِي مُدَّتِهِ وَالْعَقْدُ يَسْتَدْعِي الْعَمَلَ عَلَى الْعَامِلِ، أَمَّا هَاهُنَا الْعَقْدُ قَدْ انْتَهَى، فَلَمْ يَكُنْ هَذَا ابْقَاءَ ذَلِكَ الْعَقْدِ فَلَمْ يَخْتَصَّ الْعَامِلُ بِوُجُوبِ الْعَمَلِ عَلَيْهِ (۱۸۲) فَإِنْ أَنْفَقَ أَحَدُهُمَا بِغَيْرِ اذْنِ صَاحِبِهِ وَأَمْرِ الْقَاضِي فَهُوَ مُتَطَوِّعٌ ا؎ لِأَنَّهُ لا وِلَايَةَ لَهُ عَلَيْهِ (۱۸۳) وَلَوْ أَرَادَ رَبُّ الْأَرْضِ أَنْ يَأْخُذَ الزَّرْعَ بَقْلًا لَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ ا؎ لِأَنَّ فِيهِ اضْرَارًا بِالْمُزَارِعِ، (۱۸۴) وَلَوْ أَرَادَ الْمُزَارِعُ أَنْ يَأْخُذَهُ بَقْلًا قِيلَ لِصَاحِبِ

لئے کہ وہاں عقد کو مدت تک باقی رکھا، اور عقد چاہتا کہ کام کرنے والے پر کام ہو، اور یہاں عقد ختم ہو چکا ہے۔اس لئے جب وہ عقد باقی نہیں رہا تو کام کرنے والے پر کام کرنا واجب نہیں رہا۔

تشریح : زمین والا مر جائے جسکی وجہ سے بٹائی ختم ہوتی ہو، اور مدت ختم ہونے کی وجہ سے بٹائی ختم ہوتی ہو دونوں میں کیا فرق ہے اس کو بیان کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ مدت ختم ہو جائے تو شرط کے مطابق بٹائی کا عقد بھی ختم ہو گیا، اس لئے اب صرف کام کرنے والا کام نہیں کرے گا، بلکہ دونوں پر خرچ لازم ہوگا، اور زمین والا مر گیا تو عقد ختم کرنا تھا لیکن مصلحت کی وجہ سے عقد ختم نہیں ہوا بلکہ اس کو کاٹنے تک لمبا کیا گیا اس لئے شرط کے مطابق کام کرنے والے پر کام لازم رہے گا۔

لغت: بقل: نیا پودا نکلنا، یہاں مراد ہے کہ کھیتی لگی ہے لیکن ابھی کاٹنے کے قابل نہیں ہوئی ہے۔

ترجمہ : (۱۸۲) اگر دونوں میں کسی ایک نے بغیر شریک کی اجازت کے اور بغیر قاضی کے حکم کے خرچ کیا تو یہ تبرع ہوگا۔

ترجمہ : ا؎ کوئی شریک بغیر ساتھی کی رضا مندی کے، یا قاضی کے حکم کے بغیر زمین پر خرچ کیا تو قضا کے طور پر واپس نہیں لے سکے گا، البتہ فیما بینہ وبین اللہ وہ دے دے تو بہتر ہے، کیونکہ یہاں دوسرے پر ولایت بھی نہیں ہے، اور اجازت بھی نہیں لی، اور قاضی نے خرچ کرنے کا حکم بھی نہیں دیا ہے، اس لئے نہیں لے سکے گا۔

ترجمہ : (۱۸۳) اور اگر زمین والا کچی کھیتی کو لینا چاہے تو اس کے لئے یہ گنجائش نہیں ہوگی۔

ترجمہ : ا؎ اس لئے کہ اس میں کاشتکاری کرنے والے کو نقصان ہے۔

تشریح : مدت ختم ہونے کی وجہ مزارعت ختم ہو چکی تھی، اب زمین والا چاہتا ہے کہ کچی کھیتی ہی تقسیم کر لیں تو اس کی گنجائش نہیں ہوگی، کیونکہ اس میں کھیتی کرنے والے کو نقصان ہے۔

ترجمہ : (۱۸۴) لیکن کھیتی کرنے والا چاہتا ہے کہ کچی کھیتی لے لیں تو زمین والے سے کہا جائے گا کہ فصل اکھاڑ لو اور دونوں تقسیم کر لو، یا کاشتکار کے حصے کی قیمت دے دے، یا زمین والا کھیتی پر خرچ کرے اور کاشتکار والے سے اس کے حصے کا خرچ واپس لے۔

الْأَرْضِ: اقْلَعِ الزَّرْعَ فَيَكُونُ بَيْنَكُمَا أَوْ أَعْطِهِ قِيمَةَ نَصِيبِهِ أَوْ أَنْفِقْ أَنْتَ عَلَى الزَّرْعِ وَارْجِعْ بِمَا تُنْفِقُهُ فِي حِصَّتِهِ ،ل لِأَنَّ الْمُزَارِعَ لَمَّا امْتَنَعَ مِنَ الْعَمَلِ لَا يُجْبَرُ عَلَيْهِ، لِأَنَّ إِبْقَاءَ الْعَقْدِ بَعْدَ وُجُودِ الْمَنْهِيِّ نَظَرٌ لَهُ وَقَدْ تَرَكَ النَّظَرَ لِنَفْسِهِ. وَرَبُّ الْأَرْضِ مُخَيَّرٌ بَيْنَ هَذِهِ الْخِيَارَاتِ لِأَنَّ بِكُلِّ ذَلِكَ يُسْتَدْفَعُ الضَّرَرُ (۱۸۵)وَلَوْ مَاتَ الْمُزَارِعُ بَعْدَ نَبَاتِ الزَّرْعِ فَقَالَتْ وَرَثَتُهُ: نَحْنُ نَعْمَلُ إِلَى أَنْ يُسْتَحْصَدَ الزَّرْعُ وَأَبَى رَبُّ الْأَرْضِ فَلَهُمْ ذَلِكَ،ل لِأَنَّهُ لَا ضَرَرَ عَلَى رَبِّ

ترجمه :ل اس لئے کہ کھیتی کرنے والا جب کام سے رک گیا تو اس کو کام کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ عقد کے ختم ہونے کے بعد اس کو باقی رکھنا، کاشتکار کے فائدے کے لئے تھا، اور اس نے اپنا فائدہ چھوڑ دیا، اور زمین والے کو یہ تینوں اختیار ہوں گے، اس لئے کہ ان تینوں سے ضرر دفع ہوتا ہے۔

تشریح : مدت ختم ہونے کی وجہ سے مزارعت ختم ہوگئی تھی، اور کھیتی ابھی کچی تھی، اب کام کرنے والا چاہتا ہے کہ آگے کام نہ کریں اور کچی کھیتی کاٹ کر تقسیم کر لیں، تو اس بارے میں زمین والے کو تین اختیار ہیں [۱] پہلا اختیار یہ ہے کہ کچی کھیتی کاٹ کر تقسیم کر لیں۔ [۲] دوسرا اختیار یہ ہے کہ کچی کھیتی کی جو قیمت ہوتی ہے اس کی آدھی یا تہائی [جو کاشتکار کا حصہ ہوتا ہے، وہ کھیتی کرنے والے کو دے دیں اور پوری فصل پکنے تک کھیت میں چھوڑ دیں۔ [۳] تیسرا اختیار یہ ہے کہ زمین والا کھیتی پکنے تک کھیت پر خرچ کرتا رہے، اور جتنا خرچ کاشتکار کے حصے میں آتا ہے اس کو غلہ سے وصول کر لے، اور کھیتی پکنے کے بعد جو غلہ کاشتکار کے حصے میں آتا ہے وہ اس کو دے دے۔

وجه : مدت ختم ہونے کے بعد مزارعت جو باقی رکھتے تھے وہ کاشتکار کے فائدے کے لئے رکھتے تھے، اب وہ خود ہی اپنا فائدہ نہیں لینا چاہتا ہے، اس لئے عقد تو ختم ہو جائے گا، اور زمین والے کو اس کے فائدے کے لئے تین اختیار ہوں گے، جو اوپر گزرے۔

لغت : ابقاء العقد بعد وجود المنهیٰ نظر له : یہاں منہی کا ترجمہ ہے مدت جو ختم ہوگئی، یعنی مدت ختم ہونے کے بعد جو عقد باقی رکھتے ہیں وہ کاشتکار کے فائدے کے لئے تھا۔ نظر لہ: اس کی مصلحت کے لئے۔

ترجمه : (۱۸۵) کھیتی کے اگنے کے بعد کاشتکاری کرنے والا مر گیا، پس اس کے ورثہ نے کہا کہ ہم کھیتی کٹنے تک کام کریں گے، اور زمین والا انکار کرتا ہے تو ورثہ کو کام کا حق ہوگا۔

ترجمه :ل اس لئے کہ زمین والے کو کوئی نقصان نہیں ہے۔

تشریح : کھیتی اگ چکی ہے اس کے بعد کاشتکار کا انتقال ہو گیا، اب زمین والا کہہ رہا ہے کہ بٹائی ختم کر دو، اور کاشتکار کا ورثہ کہہ رہا ہے کہ ہم کھیتی کٹنے تک کام کریں گے تو ورثہ کو اس کا حق ہوگا، کیونکہ زمین والے کو اس سے نقصان نہیں ہے، اور کھیتی

الْأَرْضِ (١٨٦) وَلَا أَجْرَ لَهُمْ بِمَا عَمِلُوا ۔ لِأَنَّا أَبْقَيْنَا الْعَقْدَ نَظَرًا لَهُمْ، ٢ فَإِنْ أَرَادُوا قَلْعَ الزَّرْعِ لَمْ يُجْبَرُوا عَلَى الْعَمَلِ لِمَا بَيَّنَّا، وَالْمَالِكُ عَلَى الْخِيَارَاتِ الثَّلَاثِ لِمَا بَيَّنَّا. (١٨٧) قَالَ: وَكَذَلِكَ أُجْرَةُ الْحَصَادِ وَالرِّفَاعِ وَالدِّيَاسِ وَالتَّذْرِيَةِ عَلَيْهِمَا بِالْحِصَصِ. فَإِنْ شَرَطَاهُ فِي

پکے گی تو دونوں کو فائدہ ہوگا۔

ترجمہ:(۱۸۶) اور ورثہ کے کام کرنے کا کوئی الگ سے اجرت نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۱ اس لئے کہ عقد کو اسی کی مصلحت کے لئے باقی رکھا ہے۔

تشریح: ورثہ نے باپ کی جگہ پر جو کام کیا ہے اس کی اجرت الگ سے نہیں ملے گی، بلکہ غلے میں جو حصہ ملے گا وہی حصہ اس کی اجرت سمجھی جائے گی، کیونکہ کاشتکار مرنے کے بعد یہ عقد ختم ہو جانا چاہئے، یہ جو عقد باقی رکھا ہے وہ انہیں ورثہ کے فائدے کے لئے رکھا ہے اس لئے الگ سے کوئی اجرت نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۲ پس اگر ورثہ کچی کھیتی اکھاڑ لینا چاہتا ہے تو انکو کام کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کیا، اور زمین والے کو وہی تین اختیار رہوں گے جو ہم نے اوپر بیان کیا۔

تشریح: کاشتکار کے ورثہ چاہتے ہیں کہ کچی کھیتی کاٹ کر تقسیم کر لیں، اور آگے کام نہ کریں تو اس کو اس کا اختیار ہے، کیونکہ انہیں کی مصلحت کی وجہ سے بٹائی بحال رکھا تھا، اب وہی ختم کرنا چاہتے ہیں تو اس کی مرضی ہے۔ اس صورت میں زمین والے کو اوپر کے تین اختیار ہیں [۱] کچی کھیتی کاٹ کر تقسیم کر لیں [۲] کھیتی رہنے دیں اور ورثہ کو کچی کھیتی میں جو حصہ ملتا ہے وہ دے دیں [۳] زمین والا کھیتی پر خرچ کریں اور غلے میں سے یہ خرچ لے لیں اور جو باقی بچے وہ ورثہ کو دے دیں۔

ترجمہ(۱۸۷) اور اگر کھیتی کاٹنے اور گاہنے اور اکھاڑنے اور غلہ صاف کرنے کی اجرت دونوں پر ہے حصے کے مطابق پس اگر شرط لگائی مزارعت میں کام کرنے والے پر تو مزارعت فاسد ہو جائے گی۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کھیتی پکنے کے بعد عقد مزارعت ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے باقی کاموں کی ذمہ داری دونوں پر ہے۔ اور اگر ان کام کرنے کی شرط عامل پر لگائی تو مزارعت فاسد ہو جائے گی۔

تشریح: اصل قاعدہ یہ ہے کہ کھیتی پکنے تک تو مزارعت برقرار ہے۔ اس لئے عامل پر اور بٹائی والے پر کام کرنا لازم ہوگا۔ اور کھیتی پک جانے کے بعد مزارعت ختم ہو جائے گی۔ اس لئے اب دونوں کے حصے ہیں۔ اس لئے اپنے اپنے حصے کے مطابق دونوں پر اجرت لازم ہوگی۔ مثلا کھیتی کاٹنا، کاشتکاری کو گاہنا، کاشتکاری کو اکھٹا کرنا، غلہ صاف کرنا یہ سب کام کھیتی پکنے کے بعد ہوں گے۔ اس لئے دونوں کو یہ کام کرنا چاہئے یا دونوں کو اجرت ادا کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ دونوں کے حصے ہیں۔

وجہ: کھیتی پکنے کے بعد مزارعت ختم ہو گئی۔ اب جو کام ہیں وہ عامل کے ذمے نہیں ہے۔ اس لئے عامل پر شرط لگانے سے

الْمُزَارَعَةِ عَلَى الْعَامِلِ فَسَدَتْ ١ وَهٰذَا الْحُكْمُ لَيْسَ بِمُخْتَصٍّ بِمَا ذُكِرَ مِنَ الصُّورَةِ وَهُوَ انْقِضَاءُ الْمُدَّةِ وَالزَّرْعُ لَمْ يُدْرِكْ بَلْ هُوَ عَامٌّ فِي جَمِيعِ الْمُزَارَعَاتِ. وَوَجْهُ ذٰلِكَ: أَنَّ الْعَقْدَ يَتَنَاهَى بِتَنَاهِي الزَّرْعِ لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ فَيَبْقَى مَالٌ مُشْتَرَكٌ بَيْنَهُمَا وَلَا عَقْدَ فَيَجِبُ مُؤْنَتُهُ عَلَيْهِمَا. ٢ وَإِذَا شَرَطَ فِي الْعَقْدِ ذٰلِكَ وَلَا يَقْتَضِيهِ وَفِيهِ مَنْفَعَةٌ لِأَحَدِهِمَا يَفْسُدُ الْعَقْدُ كَشَرْطِ

مزارعت فاسد ہو جائے گی۔اس لئے کہ صفقۃ فی صفقۃ ہو جائے گا۔یعنی مزاعت کے ساتھ اجرت کا معاملہ بھی داخل کرنا ہوا۔اس لئے مزارعت فاسد ہو جائے گی۔

لغت :حصاد: حصد سے مشتق ہے،کھیتی کاٹنا۔رفاع:فصل کو اٹھا کر کھلیان میں لانا۔الدیاس: گاہنا:التذریۃ:ذروۃ سے مشتق ہے،بھوسہ نکالنے کے لئے غلے کو ہوا میں اڑانا۔

ترجمہ :١ یہ حکم اوپر والی صورتوں کے ساتھ خاص نہیں ہے،وہ یہ کہ مدت ختم ہو چکی ہو اور کھیتی ابھی تک نہ پکی ہو تو [تو دونوں پر خرچ لازم ہوگا] بلکہ یہ تمام مزارعت میں عام ہے،اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کھیتی کے پکنے سے عقد ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ مقصود حاصل ہو گیا،اس لئے اب مال مشترک باقی رہے گا،اور اب کوئی عقد باقی نہیں رہا تو دونوں پر خرچ لازم ہوگا۔

تشریح : عقد ختم ہو جانے کے بعد دونوں کا مشترک مال باقی رہتا ہے اس لئے جو خرچ ہوگا وہ دونوں پر لازم ہوگا،یہ حکم سب صورتوں کے لئے ہے۔

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کھیتی پک گئی تو مقصود حاصل ہو گیا اس لئے بٹائی کا عقد ختم ہو گیا،اس لئے اب کاشت کرنے والے پر کام لازم نہیں رہا،اب جو کام ہوگا،اس کی ذمی داری زمین والے،اور کام کرنے والے دونوں پر ہوگی،اور اس کا خرچ دونوں پر ہوگا۔۔۔تناھی الزرع:کھیتی پک گئی،کھیتی آخری تک پہنچ گئی۔مؤنۃ:خرچ۔

ترجمہ :٢ اگر عقد میں گاہنے وغیرہ کی شرط لگائی حالانکہ عقد کا وہ تقاضہ نہیں ہے،اور اس میں کسی ایک فریق کا نفع ہے تو بٹائی فاسد ہو جائے گی جیسے کام کرنے والے پر کھیتی اٹھانے کی شرط لگائے،اور اس کو پیسنے کی شرط لگائے۔

اصول :یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کھیتی پک جانے کے بعد بٹائی ختم ہو گئی،اب دونوں کا مشترکہ مال ہے اس لئے دونوں ہی کام کریں۔

تشریح : ایسی شرط لگائے جو عقد کے تقاضے کے علاوہ ہو،اور اس میں فریق میں سے کسی ایک کا نفع ہو تو اس سے عقد فاسد ہو جائے گی،مثلا کھیتی پکنے کے بعد بٹائی پوری ہو جاتی ہے،اب مزید یہ شرط لگائے کہ غلہ زمین والے کے گھر پر پہونچائے،اور اس کو پیس کر لائے تو اس شرط میں زمین والے کا نفع ہے،اور بٹائی کا عقد اس کا تقاضہ نہیں کرتا اس لئے بٹائی فاسد ہو جائے گی۔

ترجمہ :٣ امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت ہے اگر کام کرنے ولے پر اس کی شرط لگا دے تو جائز ہے تعامل کے اعتبار

الْحَمْلِ أَوُ الضِّمْنِ عَلَى الْعَامِلِ. ٣ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ: أَنَّهُ يَجُوزُ إِذَا شَرَطَ ذَلِكَ عَلَى الْعَامِلِ لِلتَّعَامُلِ اعْتِبَارًا بِالِاسْتِصْنَاعِ وَهُوَ اخْتِيَارُ مَشَايِخِ بَلْخ. قَالَ شَمْسُ الْأَئِمَّةِ السَّرَخْسِيُّ: هَذَا هُوَ الْأَصَحُّ فِي دِيَارِنَا. ٤ فَالْحَاصِلُ: أَنَّ مَا كَانَ مِنْ عَمَلٍ قَبْلَ الْإِدْرَاكِ كَالسَّقْيِ وَالْحِفْظِ فَهُوَ عَلَى الْعَامِلِ، وَمَا كَانَ مِنْهُ بَعْدَ الْإِدْرَاكِ قَبْلَ الْقِسْمَةِ فَهُوَ عَلَيْهِمَا فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ كَالْحَصَادِ وَالدِّيَاسِ وَأَشْبَاهِهِمَا عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ، وَمَا كَانَ بَعْدَ الْقِسْمَةِ فَهُوَ عَلَيْهِمَا. ٥ وَالْمُعَامَلَةُ عَلَى قِيَاس هَذَا مَا كَانَ قَبْلَ ادْرَاكِ الثَّمَرِ مِنَ السَّقْيِ وَالتَّلْقِيحِ وَالْحِفْظِ فَهُوَ عَلَى

سے، بیٹھ بنوانے پر قیاس کرتے ہوئے، اور بلخ کے مشائخ نے اسی کو اختیار کیا، اور شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا کہ ہمارے دیار میں یہ صحیح ہے۔

اصول: ان کے یہاں یہ ہے کہ عرف میں جو جو کام کرتے ہیں ان کا اعتبار کیا جائے گا۔ اوران کی ذمہ داری عامل پر ہوگی۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ عرف میں یہ ہے کہ کاٹنا گاہنا، غلہ اڑا کر بھوسہ صاف کرنا عرف میں عامل کے ذمے ہوتا ہے اس لئے کام کرنے والے پر اس کی شرط لگائی تو جائز ہے، بٹائی فاسد نہیں ہوگی۔ مشائخ بلخ نے اس کو لیا، اور شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا کہ ہمارے دیار میں یہی صحیح ہے۔ اور ہمارے جھارکھنڈ میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے، کہ کھلیان میں غلہ تقسیم ہونے سے پہلے پہلے تک سارا کام عامل کے ذمے ہوتا ہے۔ اس کی ایک مثال دی کہ جوتے کا بیٹھ بنوانا قیاس کے اعتبار سے ناجائز ہے، لیکن عرف میں اس کا رواج ہے اس لئے جائز ہو گیا، اسی طرح عرف میں کٹائی، اڑائی، یہ سب عامل کے ذمے ہوتی ہے اس لئے یہ جائز ہو جائے گی۔

ترجمہ: ٤ حاصل یہ ہے کہ کھیتی پکنے سے پہلے جو کام ہو جیسے سیراب کرنا، اور حفاظت کرنا یہ عامل پر ہیں، اور جو کھیتی پکنے کے بعد تقسیم سے پہلے پہلے تو وہ دونوں پر ہیں، ظاہر روایت میں، جیسے کاٹنا، گاہنا، اور اس طرح کے اور کام، جیسا کہ ہم نے بیان کیا، اور جو کام تقسیم کے بعد ہیں وہ دونوں پر ہیں۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ٥ اور پھل سیراب کرنے کا حکم بھی اسی قیاس پر ہے، کہ جو کام پھل پکنے سے پہلے ہو جیسے سیراب کرنا، کھجور کو گابھ دینا، درختوں کی حفاظت کرنا یہ عامل پر ہیں۔ اور جو پکنے کے بعد ہوں، جیسے پھل توڑنا، اس کی حفاظت کرنا تو یہ زمین والے اور عامل دونوں پر ہیں۔

تشریح: یہاں پھل کو سیراب کرنے کا حکم بیان کر رہے ہیں، فرماتے ہیں کہ پھل سیراب کرنے کا حکم بھی کھیت بٹائی جیسا ہے، جو کام پھل پکنے سے پہلے ہیں وہ عامل پر ہیں، جو پھل پکنے کے بعد ہیں وہ عامل اور درخت والا دونوں پر ہیں۔

الْعَامِلِ، وَمَا كَانَ بَعْدَ الْإِدْرَاكِ كَالْجَدَادِ وَالْحِفْظِ فَهُوَ عَلَيْهِمَا؛ ۶ وَلَوْ شَرَطَ الْجَدَادَ عَلَى الْعَامِلِ لَا يَجُوزُ بِالِاتِّفَاقِ؛ لِأَنَّهُ لَا عُرْفَ فِيهِ، ۷ وَمَا كَانَ بَعْدَ الْقِسْمَةِ فَهُوَ عَلَيْهِمَا؛ لِأَنَّهُ مَالٌ مُشْتَرَكٌ وَلَا عَقْدَ، ۸ وَلَوْ شَرَطَ الْحَصَادَ فِي الزَّرْعِ عَلَى رَبِّ الْأَرْضِ لَا يَجُوزُ بِالْإِجْمَاعِ لِعَدَمِ الْعُرْفِ فِيهِ، ۹ وَلَوْ أَرَادَا فَصْلَ الْقَصِيلِ أَوْ جَدَّ التَّمْرِ بُسْرًا أَوْ الْتِقَاطَ الرُّطَبِ فَذَلِكَ عَلَيْهِمَا؛ لِأَنَّهُمَا أَنْهَيَا الْعَقْدَ لَمَّا عَزَمَا عَلَى الْفَصْلِ وَالْجَدَادِ بُسْرًا فَصَارَ كَمَا بَعْدَ الْإِدْرَاكِ،

لغت: سقی: پھل سیراب کرنا، پانی پلانا۔ تلقیح: لقح سے مشتق ہے، مذکر کھجور کی بیج مؤنث کھجور میں ڈالتے ہیں جس سے دانہ بڑا بڑا ہوتا ہے اس کو ،تلقیح، کہتے ہیں ۔جداد: پھل توڑنا۔

ترجمہ: ۶ اور اگر پھل توڑنے کی شرط عامل پر لگا دیا تو بالاتفاق جائز نہیں ہے اس لئے کہ اس میں عرف نہیں ہے۔

تشریح: عرف میں پھل توڑنے کا کام عامل کا نہیں ہے اس لئے عامل پر پھل توڑنے کی شرط لگائی جائے تو بٹائی فاسد ہوگی

ترجمہ: ۷ اور جو کام تقسیم کے بعد ہو وہ دونوں پر ہوگا، اس لئے کہ اب یہ مشترک مال ہے، اور عقد کم ہو گیا ہے۔

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: ۸ اگر زمین والے پر کٹائی کی شرط لگائی تو یہ بالا جماع جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں عرف نہیں ہے۔

تشریح: عرف میں کھیتی کا ٹنا زمین والے پر نہیں ہے، اس لئے کھیتی کاٹنے کی شرط زمین والے پر لگائی تو اس سے بٹائی فاسد ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۹ اگر ارادہ کر لیا کہ کچی کھیتی کو کاٹ لے، یا گدر کھجور کو توڑ لے، یا تر کھجور کو توڑ لے تو یہ کام دونوں پر لازم ہوں گے ،اس لئے کہ جب دونوں نے کھیتی کاٹنے اور پھل توڑنے کا ارادہ کیا تو عقد ختم ہو گیا، اس لئے ایسا ہو گیا کہ پکنے کے بعد کاٹنے کا ارادہ کرتے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کھیتی پکنے سے پہلے ہی کاٹنے کا ارادہ کر لیا تو یوں سمجھا جائے گا کہ پکنے کے بعد کاٹنے کا ارادہ کیا اس لئے ارادہ کرتے ہی عقد ختم ہو جائیگا اس لئے اب دونوں پر کٹائی لازم ہوگی، اور دونوں پر پھل کی توڑائی لازم ہوگی

تشریح: کھیتی ابھی کچی تھی اور دونوں نے اس کو کاٹنے کا ارادہ کر لیا، یا پھل کچا تھا اور دونوں نے اس کو توڑنے کا ارادہ کر لیا تو، اب یوں سمجھا جائے گا کہ پک گیا، اور بٹائی کا عقد ختم ہو جائے گا، اور ظاہر روایت کے مطابق کاٹنے اور توڑنے کا کام دونوں پر لازم ہوں گے، یا خود کرے یا اس کی مزدوری دے۔

لغت: قصل: کاٹنا۔ القصیل: کچی کھیتی۔ جد: پھل توڑنا۔ بسرا: گدر کھجور۔ ادھ پکا کھجور۔ التقاط: لقطۃ سے مشتق ہے، چننا، کھجور کو توڑنا۔ رطب: پکی کھجور۔

﴿كِتَابُ الْمُسَاقَاةِ﴾

(۱۸۸)قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ: الْمُسَاقَاةُ بِجُزْءٍ مِنَ الثَّمَرِ بَاطِلَةٌ، وَقَالَا: جَائِزَةٌ، إِذَا ذَكَرَ مُدَّةً مَعْلُومَةً، وَسَمَّى جُزْءًا مِنَ الثَّمَرِ مُشَاعًا ۔ وَالْمُسَاقَاةُ: هِيَ الْمُعَامَلَةُ وَالْكَلَامُ فِيهَا كَالْكَلَامِ فِي

﴿ كتاب المساقاة ﴾

ضروری نوٹ : مساقاۃ کے معنی ہیں پانی سے سیراب کرنا۔ یہاں مطلب یہ ہے کہ پھل درخت پر لگے ہوئے ہوں ان کو پانی سے سیراب کرے اور دو تین ماہ میں جو پھل نکلے وہ درخت والے اور سیراب کرنے والے اور اس کے لئے کام کرنے والے حصے کے اعتبار سے تقسیم کرلیں اس کو ،مساقات، کہتے ہیں۔ اس سے قبل کے باب میں کھیتی اور کاشتکاری میں شرکت کے مسئلے تھے ،جسکو مزارعت، کہتے ہیں، اور اس باب میں پھل کے شرکت کے مسئلے ہیں اس کے جائز اور ناجائز ہونے کے سلسلے میں۔ امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے درمیان وہی اختلاف ہے جو کتاب المزارعت میں گزرا اور دونوں کے دلائل بھی وہی ہیں جو اس باب میں گزرے۔

ترجمہ :(۱۸۸)امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا مساقات کچھ پھل دے کر باطل ہے۔ اور صاحبین فرماتے ہیں جائز ہے جبکہ مدت معلوم ذکر کرے اور دونوں پھل کا کچھ حصہ متعین کرے مشترک طور پر۔

تشریح :ایک شکل یہ ہے کہ سیراب کرنے والا سیراب کرے اور اس کو اجرت کا درہم یا دینار دے دے یا کچھ ٹوٹا ہوا پھل دے دے یہ تو جائز ہے۔ اور دوسری شکل یہ ہے کہ سیراب کرنے کی وجہ سے درخت میں جو پھل آئے گا اس میں تہائی یا چوتھائی دے دے تو یہ صورت امام ابو حنیفہ کے نزدیک مزارعت کی طرح باطل ہے (پہلے گزرا کہ مکروہ ہے) اور صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہے۔

وجہ : (۱)حدیث پہلے گزری۔ **زعم ثابت ان رسول الله نهى عن المزارعة وامر بالمواجرة وقال لا بأس بها** ۔ (مسلم شریف، باب فی المزارعۃ والمواجرۃ،ص ۶۷۷،نمبر ۱۵۴۹/۳۹۵۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مزارعت اور مساقات سے حضورؐ نے منع فرمایا۔ (۲)اور ابو داؤد کی حدیث میں ہے۔ **عن جابر بن عبد الله قال سمعت رسول الله يقول من لم يذر المخابرة فليوذن بحرب من الله ورسوله.** (ابو داؤد شریف، باب فی المخابرۃ،ص ۴۹۴،نمبر ۳۴۰۶)(۳)اور اسی کے آگے والی حدیث میں ہے۔ **عن زيد بن ثابت قال نهى رسول الله ﷺ عن المخابرة قلت وما المخابرة ؟ قال ان تأخذ الارض بنصف او ثلث او ربع** ۔ (ابو داؤد شریف، باب المخابرۃ،ص ۴۹۴،نمبر ۳۴۰۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مخابرہ سے آپؐ نے شدت کے ساتھ منع فرمایا۔ اور مخابرہ کا مطلب ہے آدھے، تہائی اور چوتھائی کاشت پر زمین کو لینا، چاہے کاشتکاری کے لئے چاہے مساقات کے لئے لے۔

الْمُزَارَعَةِ. ٢ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ – رَحِمَهُ اللَّهُ –: الْمُعَامَلَةُ جَائِزَةٌ، وَلَا تَجُوزُ الْمُزَارَعَةُ إلَّا تَبَعًا لِلْمُعَامَلَةِ لِأَنَّ الْأَصْلَ فِي هَذَا الْمُضَارَبَةُ، وَالْمُعَامَلَةُ أَشْبَهُ بِهَا لِأَنَّ فِيهِ شِرْكَةً فِي الزِّيَادَةِ دُونَ الْأَصْلِ. وَفِي الْمُزَارَعَةِ لَوْ شَرَطَا الشِّرْكَةَ فِي الرِّبْحِ دُونَ الْبَذْرِ بِأَنْ شَرَطَا رَفْعَهُ مِنْ رَأْسِ الْخَارِجِ تَفْسُدُ، فَجَعَلْنَا الْمُعَامَلَةَ أَصْلًا، وَجَوَّزْنَا الْمُزَارَعَةَ تَبَعًا لَهَا كَالشُّرْبِ فِي بَيْعِ الْأَرْضِ

ترجمہ : ١ اور مساقات میں ایسے ہی اختلاف ہے جیسے مزارعت میں تھا۔

تشریح :صاحبین فرماتے ہیں کہ دوشرطوں کے ساتھ مساقات جائز ہے۔ایک تو یہ کہ مساقات کی مدت متعین ہو کہ کتنے مہینے کے لئے درخت مساقات پر لے رہا ہے۔اور دوسری یہ کہ جو پھل پیدا ہو اس میں دونوں مشترک طور پر حصہ کریں۔کوئی ایک کی خاص مقدار مخصوص نہ ہو۔

وجہ :(۱) دونوں شرطوں کے دلائل کتاب المزارعت میں گزر چکے ہیں۔جائز ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ان عبد الله بن عمر اخبره ان النبی علیہ السلام عامل خیبر بشطر ما یخرج منها من ثمر او زرع۔(بخاری شریف، باب المزارعة بالشطر ونحوه، ص۳۷۴، نمبر ۲۳۲۸ / مسلم شریف، باب المساقاة والمعاملة بجزء من الثمر والزرع، ص۶۷۸، نمبر ۱۵۵۱/۳۹۶۲ / ابوداؤد شریف، باب فی المساقاة، ص۴۹۴ نمبر ۳۴۰۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مساقاۃ جائز ہے۔

لغت :معاملة :عمل سے مشتق ہے، مساقات۔

ترجمہ :٢ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ معاملہ [مساقات] جائز ہے اور مزارعت جائز نہیں ہے مگر مساقات کے تابع ہو کر،اس لئے کہ اس بارے میں اصل مضاربت ہے،اور مساقات مضاربت کے زیادہ مشابہ ہے،اس لئے کہ مساقات میں پھل میں شرکت ہوتی ہے،لیکن اصل درخت میں شرکت نہیں ہوتی۔

تشریح :امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مساقات جائز ہے،اور مزارعت جائز نہیں ہے،ہاں مساقات کے تابع ہو کر مزارعت جائز ہوگی،مثلا ایک کھیت میں دو جانب درخت ہیں اور درمیان میں کھیت خالی ہے،پس درخت کو مساقات کے لئے دے اور اس کے تابع کر کے کھیت کو مزارعت کے لئے دے تو جائز،ورنہ تنہا کھیت کو مزارعت کے لئے دینا جائز نہیں ہے۔

وجہ :اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ اس کی اصل بنیاد مضاربت ہے جو سب کے یہاں جائز ہے،اور مساقات مضاربت کے زیادہ مشابہ ہے مزارعت مضاربت کے زیادہ مشابہ نہیں ہے،اس لئے مساقات جائز ہوئی،اور اس کے تابع کر کے مزارعت جائز ہوگا،

مساقات مضاربت کے زیادہ مشابہت اس لئے کہ مضاربت میں ایک آدمی کا مال ہوتا ہے اور دوسرے آدمی کی محنت ہوتی ہے، اور مال میں دونوں کی شرکت نہیں ہوتی،چنانچہ نفع میں سے پہلے مال نکالا جائے گا،اس کے بعد نفع تقسیم کیا جائے گا،اور

وَالْمَنْقُولِ فِيْ وَقْفِ الْعَقَارِ، ۳؎ وَشَرْطُ الْمُدَّةِ قِيَاسٌ فِيهَا لِأَنَّهَا اجَارَةٌ مَعْنًى كَمَا فِي الْمُزَارَعَةُ. وَفِيْ الِاسْتِحْسَانِ: إذَا لَمْ يُبَيِّنُ الْمُدَّةَ يَجُوزُ وَيَقَعُ عَلَى أَوَّلِ ثَمَرٍ يَخْرُجُ، لِأَنَّ الثَّمَرَ لِإِدْرَاكِهَا

مساقات میں بھی یہی ہے کہ درخت میں شرکت نہیں ہوتی، وہ ایک آدمی کا ہوتا ہے، صرف پھل جو بڑھوتری ہے اس میں شرکت ہوتی ہے۔ اور مزارعت میں بیج میں بھی شرکت ہوتی ہے چنانچہ بیج کو الگ سے نہیں نکال سکتے، مثلا بیس کیلو بیج لگی ہے تو غلے سے بیس کیلو بیج نکال کر بیج والے کو پہلے دے دو، اس کے بعد غلہ دونوں میں تقسیم کروایسا نہیں کر سکتے، ایسا کرے گا تو مزارعت ہی فاسد ہوجائے گی، اس لئے مزارعت، مضاربت کے زیادہ مشابہ نہیں ہے، اس لئے وہ جائز نہیں ہونا چاہئے۔

ہاں مساقات کے تابع کر کے جائز ہوگی، کیونکہ بعض چیز اصل کے اعتبار سے جائز نہیں ہوتی ہے، لیکن تابع کے اعتبار سے جائز ہوجاتی ہے، جیسے پانی کی نالی الگ سے بیچنے جائے تو اس کا بیچنا جائز نہیں ہے، لیکن زمین کے تابع کر کے بیچے تو جائز ہوجاتا ہے، اسی طرح لوٹے وغیرہ منقولی چیز کا وقف جائز نہیں، لیکن حمام کو وقف کرے تو اس کے تابع ہوکر لوٹے کا وقف جائز ہوجائے گا، اسی پر قیاس کر کے مزارعت کرنا جائز نہیں، لیکن مساقات کے تابع کر کے مزارعت جائز ہوگی۔

لغت: بان شرط رفعہ من راس الخارج یفسد: یہ شرط لگائی جائے کہ جو کچھ غلہ نکلے اس میں سے بیج الگ کر لی جائے تو مزارعت فاسد ہوجاتی ہے۔ شرب: پانی جانی کی نالی۔ المنقول: منتقل ہونے والی چیز، جیسے لوٹا، وغیرہ۔

ترجمہ: ۳؎ اور مساقات میں مدت متعین کرنے کی شرط قیاس کا تقاضہ ہے، اس لئے کہ یہ معنوی طور پر اجارہ ہے، جیسے مزارعت میں مدت معین کی جاتی ہے، لیکن استحسان کا تقاضہ یہ ہے کہ مدت متعین نہیں کی تب بھی جائز ہے، اور واقع ہوگا اول پھل پر جو نکلے، اس لئے کہ پھل کے پکنے کا وقت متعین ہے، اور اس میں کم فرق ہوتا ہے، البتہ یقینی والا وقت متعین ہوگا۔

اصول: یہاں مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اگر تقریبی مدت معلوم ہو تو مدت متعین کئے بغیر بھی مساقات جائز ہے، اور اگر تقریبی مدت معلوم نہ ہو تو مدت متعین کی تو مساقات جائز ہے، اور مدت متعین نہیں کی تو مساقات فاسد ہوگا۔

تشریح: قیاس کا تقاضہ یہ ہے مساقات میں بھی وقت متعین کرنا ضروری ہو، جیسے مزارعت میں وقت متعین کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ مساقات بھی اندرونی طور پر اجرت ہے، اس لئے جس طرح اجرت میں وقت متعین کرنا ضروری ہوتا ہے اسی طرح یہاں بھی ضروری ہو، لیکن استحسان کے طور پر یہ ہے کہ وقت متعین نہیں بھی کیا تب بھی مساقات جائز ہوجائے گا۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ پھل پکنے کا وقت تقریبا متعین ہے، اس میں کوئی زیادہ تفاوت نہیں ہوتا، کہ تین ماہ میں پھل پک جاتا ہے۔ البتہ کم سے کم مدت جس میں پھل پک جاتا ہے وہ مدت مراد ہوگی۔

ترجمہ: ۴؎ اور ترکاری کی جڑوں میں پھل کا پکنا اس بارے میں درخت پر پھل پکنے کے درجے میں ہے، اس لئے کہ اس کی انتہاء بھی معلوم ہے، اس لئے مدت کے بیان کی شرط نہیں ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مدت قریب قریب معلوم ہو تو، پھر اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے، مساقات جائز ہوگا

وَقْتٌ مَعْلُومٌ وَقَلَّمَا يَتفَاوَتُ وَيَدْخُلُ فِيمَا مَا هُوَ الْمُتَيَقَّنُ، ۴؎ وَإِدْرَاكُ الْبَذْرِ فِي أُصُولِ الرَّطْبَةِ فِي هَذَا بِمَنْزِلَةِ ادْرَاكِ الثِّمَارِ، لِأَنَّ لَهُ نِهَايَةً مَعْلُومَةً فَلا يُشْتَرَطُ بَيَانُ الْمُدَّةِ، ۵؎ بِخِلَافِ الزَّرْعِ لِأَنَّ ابْتِدَاءَهُ يَخْتَلِفُ كَثِيرًا خَرِيفًا وَصَيْفًا وَرَبِيعًا، وَالِانْتِهَاءُ بِنَاءٌ عَلَيْهِ فَتَدْخُلُهُ الْجَهَالَةُ، ۶؎ وَبِخِلَافِ مَا إذَا دَفَعَ إلَيْهِ غَرْسًا قَدْ عُلِّقَ وَلَمْ يَبْلُغْ الثَّمَرُ مُعَامَلَةً حَيْثُ لَا يَجُوزُ إلَّا بِبَيَانِ الْمُدَّةِ

تشریح : رطبہ کا ترجمہ ہے ترچیز، یہاں بیگن، بھنڈی، کدو کی بیل، کھیرے، اور ککڑی وغیرکے بیل مراد ہیں، جن میں یہ ہوتا ہے کہ، آہستہ آہستہ پھل، دیر تک آتا رہتا ہے، اور تقریبا ایک ماہ تک آتا رہتا ہے، لوگ پہلا پھل توڑ لیتے ہیں اور آخری پھل بہت بعد میں نکلتا ہے، اس میں شبہ تھا کہ پھل دیر تک نکلتا رہتا ہے تو اس میں اس کا حکم کیا ہوگا، تو اس کی وضاحت فرمائی کہ، مثلا پہلا پھل آنے کے قریب ہوا اس وقت بھنڈی عامل کو دیا تو آخری پھل آنے تک ایک ماہ لگے گا اس لئے جائز ہوگا، جیسے کھجور کے خوشے آنے کے قریب ہوئے اس وقت درخت عامل کو دیا تو اس کے پکنے میں تین ماہ لگتے ہیں اور جائز ہوتا ہے اسی طرح ترکاریوں میں بھی جائز ہوگا۔

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ جب پہلا پھل آیا تو آخری پھل آنے میں تقریبا ایک ہی ماہ کی مدت رہتی ہے اس لئے اس کی انتہاء معلوم ہے اس لئے بغیر مدت بیان کئے ہی اس میں مساقات جائز ہے۔

لغت : ادراک البذر: دانے کا پکنا، مراد ہے پھل کا توڑنے کے قابل ہونا۔ اصول: جڑ، درخت۔ الرطبۃ: ترچیز، مراد ہے بیگن، بھنڈی، کدو، ککڑی، وغیرہ۔

ترجمہ : ۵؎ بخلاف کھیتی کے اس لئے کہ اس کی ابتداء مختلف ہوتی ہے، موسم خزاں۔ موسم گرما، اور موسم بہار کے اعتبار سے۔ اور اسی پر انتہاء کی بھی دارمدار ہے، اس لئے اس میں جہالت آگئی [اس لئے اس میں مدت بیان کئے مزارعت نہیں ہوگی]

لغت : خریف: موسم خزاں۔ صیف: موسم گرما۔ ربیع: موسم بہار۔

تشریح : کھیتی کو بٹائی پر دیا تو اس میں مدت متعین کرنا ضروری ہے۔

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض کھیتی ڈھائی مہینے میں پکتی ہے، بعض کھیتی تین مہینے میں پکتی ہے، گنا ایک سال میں پکتا ہے، ارہر چار مہینہ لیتا ہے، اس لئے کھیتی کے لئے وقت متعین نہیں ہے اس لئے اس کے لئے مدت متعین کرنا ضروری ہے، ورنہ مزارعت فاسد ہو جائے گی۔

ترجمہ : ۶؎ بخلاف جبکہ چھوٹا پودا مساقات پر دیا جو ابھی پھل کے قابل نہیں ہے، تو مدت کے بیان کئے بغیر جائز نہیں ہے، اس لئے کہ زمین کی قوت اور اس کے کمزور ہونے سے بہت فرق پڑتا ہے۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ تقریبی مدت بھی معلوم نہیں ہے اس لئے مدت متعین کرنا ضروری ہے۔

لِأَنَّهُ يَتفَاوَتُ بِقُوَّةِ الْأَرَاضِي وَضَعْفِهَا تفَاوُتًا فَاحِشًا، ۷؎ وَبِخِلَافِ مَا إِذَا دَفَعَ نَخِيلًا أَوْ أُصُولَ رُطَبَةٍ عَلَى أَنْ يَقُومَ عَلَيْهَا أَوْ أَطْلَقَ فِي الرُّطَبَةِ تفْسُدُ الْمُعَامَلَةُ، لِأَنَّهُ لَيْسَ لِذَلِكَ نِهَايَةٌ مَعْلُومَةٌ، لِأَنَّهَا تَنْمُو مَا تُرِكَتْ فِي الْأَرْضِ فَجُهِلَتْ الْمُدَّةُ ۸؎ وَيُشْتَرَطُ تَسْمِيَةُ الْجُزْءِ مُشَاعًا

تشریح :درخت ابھی چھوٹا چھوٹا پودا ہے، اس میں پھل آنے میں کافی دیر ہے، اس کو عامل کو دیا تو اس کی مدت متعین کرنا ضروری ہے۔

وجہ :زمین قوت والی ہوگی تو جلدی پھل دے گا، اور زمین کمزور ہے تو پھل آنے میں کئی سال لگا دیگا، چونکہ اس کی انتہاء غیر معلوم ہے اس لئے اس میں مدت متعین کرنا ضروری ہے۔

لغت :غرسا: چھوٹا پودا ۔علق :پودا اُگ چکا ہے، لیکن ابھی پھل دینے کے قابل نہیں ہوا ہے۔

ترجمہ : ۷؎ بخلاف جبکہ کھجور کا درخت، اور ترکاری کا درخت دیا ہو کہ اس کی سیرابی کرتے رہو، اور ترکاری میں مطلقا بولا تو مساقات فاسد ہو جائے گی۔ اس لئے کہ اس کی کوئی معلوم انتہاء نہیں ہے، اس لئے کہ جب تک زمین میں چھوڑے رہو گے بڑھتا رہے گا، اس لئے مدت میں جہالت ہوگئی۔

تشریح :کھجور کے درخت کو یوں دیا کہ جب تک یہ درخت سوکھ نہ جائے اس کو سیراب کرتے رہو، اور مدت متعین نہیں کی تو مساقات فاسد ہے، کیونکہ جب تک اس کو پانی دیتا رہے گا پتہ نہیں کتنے سالوں تک زندہ رہے گا اس لئے جہالت فاحشہ ہوگئی اس لئے اس صورت میں مساقات فاسد ہوگی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بیگن کا درخت دیا کہ جب تک یہ سوکھ نہ جائے اس کو سیراب کرتے رہو تو اس سے بھی مساقات فاسد ہو جائے گی۔

وجہ: کیونکہ ترکاری اور بیگن کا طریقہ یہ ہے کہ جب تک اس میں پانی ڈالتا رہے گا، بوڑھا ہونے کے باوجود چھوٹی چھوٹی کونپل آتی رہے گی، اور پتہ نہیں کتنے مہینوں تک زندہ رہے گا اس لئے اس میں جہالت آگئی اس لئے یہ مساقات فاسد ہوگی۔

لغت :علی ان یقوم بھا: اس بات پر درخت دیا کہ اس کی نگرانی کرتا رہے، اس کو سیراب کرتا رہے۔ تنمو :نم سے مشتق ہے، بڑھتا رہتا ہے۔

ترجمہ :۸؎ اور شیوع کے طور پر ایک جز کو متعین کرنا شرط ہے، اس دلیل کی بنا پر جو میں مزارعت میں بیان کیا، اس لئے کہ کسی کے لئے متعین جز کی شرط لگانا شرکت کو ختم کرتی ہے۔

تشریح :مزارعت کی طرح مساقات میں بھی یہ ضروری ہے کہ جو پھل نکلے اس میں دونوں کا حصہ مشترک طریقے پر ہو، چاہے آدھا آدھا ہو یا ایک تہائی اور دو تہائی ہو، اور کسی ایک کے لئے متعین کیلو نکالے تو مساقات فاسد ہو جائے گا۔ مثلا یوں شرط کرے کہ زید کے لئے ایک سو کیلو پھل ہوگا، اس کے بعد جو بچے گا اس میں دونوں کو ملے گا تو اس سے مساقات فاسد

لِـمَـا بَيَّنَّا فِيْ الْمُزَارَعَةِ اذْ شَرْطُ جُزْءٍ مُعَيَّنٍ يَقْطَعُ الشِّرْكَةَ (١٨٩) فَـإِنْ سَمَّيَا فِيْ الْمُعَامَلَةِ وَقْتًا يَعْلَمُ أَنَّهُ لا يَخْرُجُ الثَّمَرُ فِيهَا فَسَدَتْ الْمُعَامَلَةُ لِ لِفَوَاتِ الْمَقْصُودِ وَهُوَ الشِّرْكَةُ فِيْ الْخَارِجِ (١٩٠)وَلَوْ سَمَّيَا مُدَّةً قَدْ يَبْلُغُ الثَّمَرُ فِيهَا وَقَدْ يَتَأَخَّرُ عَنْهَا جَازَتْ لِ لِأَنَّا لا نَتَيَقَّنُ بِفَوَاتِ الْمَقْصُودِ، (١٩١) ثُمَّ لَوْ خَرَجَ فِيْ الْوَقْتِ الْمُسَمَّى فَهُوَ عَلَى الشِّرْكَةِ لِصِحَّةِ الْعَقْدِ، (١٩٢)وَإِنْ تَأَخَّرَ فَلِلْعَامِلِ أَجْرُ الْمِثْلِ لِ لِفَسَادِ الْعَقْدِ لِأَنَّهُ تَبَيَّنَ الْخَطَأُ فِيْ الْمُدَّةِ الْمُسَمَّاةِ فَصَارَ كَمَا إِذَا

ہو جائے گا، کیونکہ اس ایک سو کیلو میں دونوں کی شرکت نہیں ہوئی۔

ترجمہ :(۱۸۹)اور اگر مساقات ایسی مدت متعین کی جس میں جس میں پھل نکل نہیں سکتا تو مساقات فاسد ہو جائے گا۔

ترجمہ :لِ کیونکہ پھل میں جو شرکت مقصود تھا وہ فوت ہو گیا۔

تشریح :مثلا مساقات میں دو مہینے کی مدت متعین کی، جس میں یقین ہے کہ پھل نہیں پکے گا تو مساقات فاسد ہو جائے گی

وجہ : کیونکہ یہاں شرکت کا مقصد پھل تھا اور یقینی طور پر پہلے سے معلوم ہے کہ پھل نہیں پکے گا اور نہ اس میں شرکت ہو سکے گی اس لئے یہ مساقات فاسد ہو جائیگی۔

ترجمہ :(۱۹۰) اور اگر ایسی مدت متعین کی جس میں پھل پک بھی سکتا ہو اور نہیں بھی پک سکتا ہو تو مساقات جائز ہے۔

ترجمہ :لِ اس لئے کہ مقصد فوت ہونے کا ہم کو یقین نہیں ہے۔

تشریح : مساقات کے لئے اتنا وقت متعین کیا کہ اس میں پھل پک بھی سکتا ہے اور نہیں بھی پک سکتا ہے، تو یہی امید رکھتے ہیں کہ پھل پک جائے گا اس لئے مساقات صحیح ہو جائے گا، ہم نفی کی طرف نہیں جائیں گے۔

ترجمہ :(۱۹۱) پھر اگر متعین مدت میں پھل نکل آیا تو تو پھل شرکت پر رہے گا،

ترجمہ :لِ کیونکہ شرکت صحیح ہے۔

تشریح :متعین مدت میں پھل پک گیا تو مساقات صحیح ہوگی اور پھل کو شرط کے مطابق تقسیم کر دیا جائے گا۔

ترجمہ :(۱۹۲) اور اگر پھل پکنے میں مؤخر ہو گیا [تو عقد فاسد ہو جائے گا] اور کام کرنے والے کو مثلی اجرت ملے گی

ترجمہ :لِ عقد کے فاسد ہونے کی وجہ سے، اس لئے کہ متعین مدت میں غلطی ظاہر ہو گئی، تو ایسا ہو گیا گویا کہ اس کو شروع ہی میں جان لیا۔

تشریح :مثلا مساقات کے لئے تین مہینے کی مدت متعین کی تھی اور اس میں پھل نہیں پکا تو ایسا سمجھا جائے گا کہ پہلے سے ہی معلوم تھا کہ پھل نہیں پکے گا، اس لئے مساقات فاسد ہو جائے گا، اور عامل کو اجرت مثل ملے گی۔

ترجمہ :٢ بخلاف اگر آفت کی وجہ سے کچھ بھی نہیں نکلا تو مدت کی فساد ظاہر نہیں ہوا، اس لئے عقد صحیح باقی رہا، اور کسی پر کچھ

عَلِمَ ذَلِکَ فِيْ الِابْتِدَاءِ، ٢؎ بِخِلَافِ مَا إِذَا لَمْ يَخْرُجْ أَصْلًا لِأَنَّ الذَّهَابَ بِآفَةٍ فَلا يَتَبَيَّنُ فَسَادُ الْمُدَّةِ فَيَبْقَى الْعَقْدُ صَحِيحًا، وَلَا شَيْءَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلَى صَاحِبِهِ. (١٩٣) قَالَ وَتَجُوزُ الْمُسَاقَاةُ فِيْ النَّخْلِ وَالشَّجَرِ وَالْكَرْمِ وَالرِّطَابِ وَأُصُولِ الْبَاذِنْجَانِ ١؎ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ فِيْ

لازم نہیں رہے گا۔

تشریح :اگر آفت کی وجہ سے کچھ پھل ہوا ہی نہیں تو اس صورت میں عقد صحیح رہے گا، اور سمجھا جائے گا کہ وقت کی قلت کی وجہ سے عقد فاسد نہیں ہوا ہے، بلکہ عقد صحیح رہا ہے، اور چونکہ کچھ بھی پھل نہیں ہوا ہے، اس لئے نہ درخت والے کو کچھ ملے گا اور نہ عامل کو کچھ ملے گا، نہ پھل نہ اجرت۔

ترجمہ :(١٩٣) مساقات جائز ہے کھجور کے درخت میں، درخت میں، انگور میں اور ترکاریوں میں اور بیگنوں میں۔

تشریح :جو جو درخت بھی پھل یا ترکاری دیتے ہوں ان تمام میں مساقات جائز ہے۔

وجہ :(١)ان عبد الله بن عمر اخبره ان النبی ﷺ عامل خیبر بشطر ما یخرج منها من ثمر او زرع۔ (بخاری شریف، باب المزارعة بالشطر ونحوه، ص٣٧٤، نمبر ٢٣٢٨ / مسلم شریف، باب المساقاة والمعاملة بجزء من الثمر والزرع، ص ٦٧٨، نمبر ١٥٥١/٣٩٦٢ / ابوداؤد شریف، باب فی المساقاة، ص٤٩٤ نمبر ٣٤٠٨) اس حدیث من ثمر او زرع ہے جس سے معلوم ہوا کہ کھیتی، اور پھل اور ترکاریوں میں بھی مساقات جائز ہے (٢) ایک اور حدیث ہے عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ اعطی خیبر الیهود علی ان یعملوها ویزرعوها ولهم شطر ما یخرج منها۔ (بخاری شریف، باب المزارعة مع الیهود ص٣٧٤، نمبر ٢٣٣١ / مسلم شریف، باب المساقات والمعاملة بجزء من الثمر والزرع، ص ٦٧٨، نمبر ١٥٥١/٣٩٦٢) اس حدیث میں ہے کہ جو کچھ یہود کاشت کرے اس میں حضور کو آدھا دیتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ کھجور کا درخت، عام درخت، انگور کے درخت، ترکاری اور بیگنوں سب میں مساقات جائز ہیں (٣) یوں بھی تمام چیزوں میں مساقات کی ضرورت ہے اس لئے تمام درختوں میں مساقات جائز ہوگی۔

لغت: الکرم: انگور کا درخت، الرطاب: رطبة کی جمع ہے، ترکاری، باذنجان: بیگن، اور اصول باذنجان کا معنی، بیگن کا درخت

ترجمہ :١؎ امام شافعیؒ نے قول جدید میں فرمایا کہ صرف انگور اور کھجور میں مساقات جائز ہے، اس لئے کہ مساقات کا جواز حدیث کی بنا پر ہے، اور حدیث میں صرف انہیں دونوں پھلوں کا تذکرہ ہے، اور وہ خیبر والی حدیث ہے۔

تشریح :امام شافعیؒ نے قول جدید میں فرمایا کہ صرف انگور اور کھجور میں مساقات جائز ہے، اور اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ خیبر والی حدیث میں صرف انگور اور کھجور کا ذکر ہے اس لئے صرف انہیں دونوں میں مساقات جائز ہوگی۔

وجہ :کھجور والی حدیث یہ ہے۔ ان النبی ﷺ دفع الی یهود خیبر نخل خیبر و أرضها علی ان یعتملوها

الْجَدِيد: لَا تَجُوزُ إِلَّا فِي الْكَرْمِ وَالنَّخلِ، لِأَنَّ جَوَازَهَا بِالْأَثَرِ وَقَدْ خَصَّهُمَا وَهُوَ حَدِيثُ خَيْبَرَ. ۲؎ وَلَنَا أَنَّ الْجَوَازَ لِلْحَاجَةِ وَقَدْ عَمَّتْ، ۳؎ وَأَثَرُ خَيْبَرَ لَا يَخُصُّهُمَا لِأَنَّ أَهْلَهَا كَانُوا يَعْمَلُونَ فِي الْأَشْجَارِ وَالرِّطَابِ أَيْضًا، ۴؎ وَلَوْ كَانَ كَمَا زَعَمَ فَالْأَصْلُ فِي النُّصُوصِ أَنْ تَكُونَ مَعْلُولَةً سِيَّمَا عَلَى أَصْلِهِ (۱۹۴) وَلَيْسَ لِصَاحِبِ الْكَرْمِ أَنْ يُخْرِجَ الْعَامِلَ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ ا؎ لِأَنَّهُ

من اموالهم و ان لرسول الله ﷺ شطر ثمرها۔(ابوداود شریف، باب فی المساقات،ص ۴۹۵،نمبر ۳۴۰۹)اس حدیث میں کھجور کے درخت دینے کا ذکر ہے۔

ترجمه: ۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ مساقات جائز ہونا ضرورت کی بنا پر ہے،اور ضرورت عام ہے۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ مساقات ضرورت کی بنا پر جائز قرار دیا ہے،اور ضرورت جہاں کھجور میں ہے وہیں ترکاریوں اور دوسرے پھلوں میں بھی ہے اس لئے دوسرے پھلوں میں بھی مساقات جائز ہوگا۔

ترجمه: ۳؎ اور خیبر کی حدیث کی وجہ سے یہی دو خاص نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ خیبر کے لوگ اور درختوں اور ترکاریوں میں بھی مساقات کا کام کرتے تھے۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے کہ جس حدیث میں کھجور کا تذکرہ ہے اس سے صرف کھجور ہی خاص نہیں ہوگا، کیونکہ اہل خیبر دوسرے پھلوں اور ترکاریوں میں بھی مساقات کرتے تھے۔

ترجمه: ۴؎ اور اگر مان لیا جائے کہ اہل خیبر صرف کھجور اور انگور ہی میں مساقات کرتے تھے،تو حدیث میں اصل علت ہے، اور خاص چور پر امام شافعیؒ کے قاعدے پر۔

تشریح: اگر مان لیا جائے کہ اہل خیبر صرف کھجور اور انگور میں ہی مساقات کرتے تھے تو یہ دیکھا جائے کہ اس مساقات کرنے کی علت کیا ہے،تو واضح یہ ہے کہ ضرورت اس کی علت ہے،یعنی ضرورت کی بنا پر کرتے تھے،اور یہ ضرورت دوسرے پھلوں میں ہے اس لئے دوسرے پھلوں میں بھی مساقات جائز ہوگا۔

لغت:سیما علی اصله : ترجمہ: خاص طور پر امام شافعیؒ کے اصول پر۔یعنی امام شافعیؒ کا اصول ہی یہ ہے کہ ہر حدیث میں علت دیکھی جاتی ہے کہ کس بنیاد پر اس حدیث میں اس کا جواز ہے۔

ترجمه: (۱۹۴)انگور والے کے لئے جائز نہیں ہے کہ عامل کو بغیر عذر کے نکال دے۔

ترجمه: ا؎ اس لئے کہ عقد کو پورا کرنے میں درخت والے پر کوئی نقصان نہیں ہے۔

تشریح: یہاں انگور سے مراد درخت والا ہے،یعنی درخت والا کسی عذر کے بغیر عامل کا کام سے نہیں نکال سکتا، کیونکہ مزید کام کرنے سے درخت والے کا کوئی نقصان نہیں ہے، یہاں نقصان سے مراد ہے جیسے بیج وغیرہ زمین میں ڈالنے سے بیج کا

لَا ضَرَرَ عَلَيْهِ فِي الْوَفَاءِ بِالْعَقْدِ (۱۹۵)وَكَذَا لَيْسَ لِلْعَامِلِ أَنْ يَتْرُكَ الْعَمَلَ بِغَيْرِ عُذْرٍ ا بِخِلَافِ الْمُزَارَعَةِ بِالْإِضَافَةِ إِلَى صَاحِبِ الْبَذْرِ عَلَى مَا قَدَّمْنَاهُ. (۱۹۶) قَالَ فَإِنْ دَفَعَ نَخْلًا فِيهِ تَمَرٌ مُسَاقَاةً وَالتَّمَرُ يَزِيدُ بِالْعَمَلِ جَازَ وَإِنْ كَانَتْ قَدِ انْتَهَتْ لَمْ يَجُزْ ا وَكَذَا عَلَى هَذَا إِذَا دَفَعَ الزَّرْعَ وَهُوَ بَقْلٌ جَازَ، وَلَوِ اسْتَحْصَدَ وَأَدْرَكَ لَمْ يَجُزْ، لِأَنَّ الْعَامِلَ إِنَّمَا يَسْتَحِقُّ بِالْعَمَلِ، وَلَا أَثَرَ لِلْعَمَلِ بَعْدَ التَّنَاهِي وَالْإِدْرَاكِ، فَلَوْ جَوَّزْنَاهُ لَكَانَ اسْتِحْقَاقًا بِغَيْرِ عَمَلٍ وَلَمْ يَرِدْ بِهِ

نقصان ہے ہوتا ہے ایسا نقصان نہیں ہے۔

ترجمہ :(۱۹۵) ایسے ہی عامل کے لئے گنجائش نہیں ہے کہ بغیر عذر کے کام چھوڑ دے۔

ترجمہ :ا بخلاف مزارعت کے بیج کے بارے میں جیسا کہ پہلے بیان کیا۔

تشریح : پہلے گزر چکا ہے کہ۔ مزارعت میں بیج ڈالنے سے رک جائے تو اس کو مجبور نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ زمین میں بیج ڈالنا ،اس کا ظاہری نقصان ہے، ہوسکتا ہے کہ بیج کا پودا نہ نکلے، اس لئے ڈالنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، اس طرح کا نقصان عامل کا نہیں ہے اس لئے وہ کام چھوڑے تو قضاء کام کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

ترجمہ :(۱۹۶) اگر کھجور کا پھل دار درخت دیا مساقات کے طور پر اور پھل بڑھ سکتا ہو عمل سے تو جائز ہے۔ اور اگر بڑھنا پورا ہو چکا ہو تو جائز نہیں ہے۔

ترجمہ :ا ایسے ہی اگر کھیتی دی جبکہ وہ کچی ہے تو جائز ہے، اور اگر وہ پک گئی ہے اور کاٹنے کے قریب ہے تو جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ عامل کام کی وجہ سے حصے کا مستحق ہوتا ہے اور پکنے کے بعد کام کا اثر نہیں ہے، پس اگر حصے کو جائز قرار دیں تو بغیر عمل کے عامل مستحق بنے گا، اور شریعت اس کو جائز قرار نہیں دیتی، بخلاف پکنے سے پہلے کہ اس میں کام کرنے کی ضرورت ہے۔

تشریح :درخت میں پھل آچکا تھا لیکن اس اندازے میں تھا کہ اس کو سیراب کیا جائے اور اس کی نگہبانی کی جائے تو ابھی پھل مزید بڑھ سکتا ہے۔ تب تو مساقات پر دینا جائز ہے۔ اور اگر پھل کا بڑھنا اب پورا ہو چکا تھا۔ سیراب کرنے سے اب مزید نہیں بڑھ سکتا ایسی حالت میں مساقات پر درخت دینا جائز نہیں ہے۔ اب جو کچھ بھی عامل کرے گا وہ اجرت پر شمار ہوگا۔
یہی حال کھیتی کا ہے کہ اگر مثلا گیہوں ایسی حالت میں ہے کہ سیراب کرنے سے گیہوں بڑھے گا تب تو بٹائی پر دینا جائز ہوگا، اور اگر ایسی حالت میں ہے کہ سیراب کرنے سے اب نہیں بڑھے گا تو اب اس کو بٹائی پر دینا جائز نہیں ہے، جو کچھ دیگا وہ مزدوری پر کام کروانا شمار کیا جائے گا۔

وجہ : مساقات میں سیراب کرنے سے عامل پھل کا حقدار ہوتا ہے۔ اور سیراب کرنا اس وقت شمار کیا جائے گا جب کہ اس سے پھل بڑھے۔ اور جب سیراب کرنے سے پھل ہی نہ بڑھے تو وہ مساقات نہیں ہے اجرت ہے۔ اس لئے سیراب کرنے

الشَّرْعُ، بِخِلَافِ مَا قَبْلَ ذَلِكَ لِتَحَقُّقِ الْحَاجَةِ إِلَى الْعَمَلِ. (۱۹۷)قَالَ وَإِذَا فَسَدَتْ الْمُسَاقَاةُ فَلِلْعَامِلِ أَجْرُ مِثْلِهِ ا لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْإِجَارَةِ الْفَاسِدَةِ، وَصَارَ كَالْمُزَارَعَةِ إِذَا فَسَدَتْ.

سے پھل بڑھے تو مساقات ہوگی اور پھل نہ بڑھے تو اجرت ہو جائے گی۔ اور پھل میں سے کچھ حصہ نہیں ملے گا۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مساقات کے معنی سیراب کرنا ہے۔ پس سیراب کرنے سے پھل بڑھتا ہو تب بھی مساقات ہوگا، اور اگر بڑھتا نہیں ہو تو مساقات نہیں ہوگا۔

لغت :انتھت : پورا ہو گیا ہو، اسی سے ہے تناھی: کھیتی پک گئی۔ بقل: کچی کھیتی۔ استحصد :حصد سے مشتق ہے، کھیتی کاٹنا ۔ادرک: پانا، یہاں مراد ہے کھیتی کا پک جانا۔

ترجمہ :(۱۹۷)اگر مساقات فاسد ہو جائے تو عامل کے لئے اجرت مثل ہوگی۔

تشریح :کسی وجہ سے مساقات کا معاملہ فاسد ہو جائے تو پورا پھل درخت والے کا ہوگا اور کام کرنے والے کو اجرت مثل ملے گی۔

وجہ : (۱)جس طرح مزارعت میں فاسد ہوتے وقت پورا غلہ بیج والے کا ہوتا تھا اسی طرح مساقات میں فاسد ہوتے وقت درخت والے کا ہوگا (۲) پھل پیدا ہونے کی بنیاد درخت ہے جس طرح غلہ پیدا ہونے کی بنیاد بیج ہے۔ اس لئے درخت والے کا پھل ہوگا۔ اور جب درخت والے کا پھل ہو گیا تو کام کرنے والا مفت کام نہیں کرے گا بلکہ اس کو وہ اجرت ملے گی جو بازار میں مل سکتی تھی۔ جس کو اجرت مثل کہتے ہیں۔ (۳) حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔ عن رافع بن خديج ... قالوا بلى ولكنه زرع فلان قال فخذوا زرعكم وردوا عليه النفقة قال رافع فاخذنا زرعنا ورددنا اليه النفقة ۔(ابو داؤد شریف، باب فی التشدید فی ذلک ای فی المزارعۃ، ص۴۹۳ نمبر ۳۳۹۹) اس حدیث میں رددنا الیہ النفقۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ کام کرنے والے کو اس کی اجرت ملے گی۔ (۴) اس قول تابعی میں بھی ہے عن مجاهد قال اشترك اربعة نفر على عهد رسول الله ﷺ فقال واحد من عندى البذر وقال الآخر من عندى العمل وقال الآخر من عندى الفدان وقال الآخر من عندى الارض قال فالغى رسول الله صاحب الارض وجعل لصاحب الفدان اجرا مسمى وجعل لصاحب العمل درهما لكل يوم والحق الزرع كله لصاحب البذر (کتاب الآثار لامام محمد، باب المزارعۃ بالثلث والربع، ص۱۷۲، نمبر ۷۷۵) اس حدیث میں ہے, وجعل لصاحب الفدان اجرا مسمى وجعل لصاحب العمل درهما لكل يوم ، سے معلوم ہوا کہ کام کرنے والے کو مثلی اجرت ملے گی۔

ترجمہ :ا اس لئے کہ اجرت فاسدہ کے درجے میں ہو گیا، اور مزارعت کی طرح ہو گیا جب وہ فاسد ہو جائے۔

تشریح : اجارہ جب فاسد ہو جائے تو عامل کو مثلی اجرت ملتی ہے، اسی طرح یہاں بھی مساقات فاسد ہو گیا تو کام کرنے والے کو مثلی اجرت ملے گی۔ یا مزارعت فاسد ہو جائے تو غلہ زمین اور بیج والے کا ہوتا ہے۔ اور کام کرنے والے کو مثلی اجرت ملتی

(۱۹۸)قَالَ وَتَبْطُلُ الْمُسَاقَاةُ بِالْمَوْتِ ا؎ لِأَنَّهَا فِي مَعْنَى الْإِجَارَةِ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ فِيهَا، (۱۹۹) فَإِنْ مَاتَ رَبُّ الْأَرْضِ وَالْخَارِجُ بُسْرٌ فَلِلْعَامِلِ أَنْ يَقُومَ عَلَيْهِ كَمَا كَانَ يَقُومُ قَبْلَ ذَلِكَ إِلَى أَنْ يُدْرِكَ الثَّمَرُ ، ا؎ وَإِنْ كَرِهَ ذَلِكَ وَرَثَةُ رَبِّ الْأَرْضِ اسْتِحْسَانًا فَيَبْقَى الْعَقْدُ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهُ، وَلَا ضَرَرَ فِيهِ عَلَى الْآخَرِ (۲۰۰) وَلَوْ الْتَزَمَ الْعَامِلُ الضَّرَرَ يَتَخَيَّرُ وَرَثَةُ الْآخَرِ بَيْنَ أَنْ يَقْسِمُوا الْبُسْرَ عَلَى الشَّرْطِ وَبَيْنَ أَنْ يُعْطُوهُ قِيمَةَ نَصِيبِهِ مِنَ الْبُسْرِ وَبَيْنَ أَنْ يُنْفِقُوا عَلَى الْبُسْرِ حَتَّى

ہے،اسی طرح یہاں کام کرنے والے کو مثلی اجرت ملے گی۔

ترجمہ :(۱۹۸)مساقات موت سے باطل ہوجائے گی۔

ترجمہ :ا؎ اس لئے کہ مساقات اجارہ کی طرح ہے،اور اس کو ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

تشریح :جس طرح اور عقود متعاقدین میں سے ایک کے مرنے سے باطل ہوجاتے ہیں اسی طرح مساقات بھی درخت والے یا کام کرنے والے کے مرنے سے باطل ہوجائے گی اور ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوگی۔

وجہ : عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا مات الانسان انقطع عنہ عملہ الا من ثلاثۃ اشیاء (ابو داود شریف، باب ما جاء فی الصدقۃ عن المیت،ص ۴۱۹،نمبر ۲۸۸۰)اس حدیث میں ہے کہ انسان مرجائے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین کے۔اس لئے زمین والے یا بٹائی والے میں سے کسی ایک کے مرنے سے مزارعت کا عقد باطل ہوجائے گا

ترجمہ :(۱۹۹) پس اگر زمین والا مرگیا،اور پھل ابھی ادھ پکا ہے تو کام کرنے والا پھل پکنے تک اس کی نگرانی کرتا رہے جیسا کہ پہلے کرتا تھا۔

ترجمہ :ا؎ چاہے زمین والے کے ورثہ اس کو ناپسند کرے استحسانا،اس لئے کہ اس سے نقصان کو دفع کرنے کے لے عقد باقی رکھا،اور اس میں دوسرے پر کوئی نقصان نہیں ہے۔

تشریح :زمین والا مرگیا تو قاعدے کے اعتبار سے عقد فاسد ہوجانا چاہئے،لیکن کھجور ابھی ادھ پکا ہے اس لئے استحسانا پھل پکنے تک عقد باقی رکھا جائے گا اور عامل سے کہا جائے گا کہ پہلے جیسے کام کرتے تھے اسی طرح کام کرتے رہو،تا کہ عامل کو نقصان نہ ہو،اور زمین والے کا تو اس میں کوئی نقصان نہیں ہے۔

ترجمہ :(۲۰۰)اور اگر عامل زمین والے کے ورثہ کو نقصان ہی دینا چاہتا ہے تو ورثہ کو تین اختیار رہوں گے [۱] ادھ پکے کھجور کو شرط کے مطابق تقسیم کرلیں۔[۲] عامل کے حصے میں جو ادھ پکے کھجور آتا ہے اس کی قیمت دے دے۔[۳] ادھ پکے کھجور پر پکنے تک خرچ کرتا رہے،اور عامل کے حصے میں جو خرچ آتا ہے وہ عامل کے کھجور سے وصول کرلے۔

ترجمہ :ا؎ اس لئے کہ عامل کو دوسرے کو نقصان دینے کا حق نہیں ہے،اور اس کی نظیر میں نے مزارعت میں بیان کردی ہے

يَبْلُغَ فَيَرْجِعُوا بِذَلِكَ فِي حِصَّةِ الْعَامِلِ مِنَ الثَّمَرِ ۔ ا لِأَنَّهُ لَيْسَ لَهُ إِلْحَاقُ الضَّرَرِ بِهِمْ ا ، وَقَدْ بَيَّنَّا نَظِيرَهُ فِي الْمُزَارَعَة (۲۰۱) وَلَوْ مَاتَ الْعَامِلُ فَلِوَرَثَتِهِ أَنْ يَقُومُوا عَلَيْهِ وَإِنْ كَرِهَ رَبُّ الْأَرْضِ ا لِأَنَّ فِيهِ النَّظَرَ مِنَ الْجَانِبَيْنِ (۲۰۲) فَإِنْ أَرَادُوا أَنْ يَصْرِمُوهُ بُسْرًا كَانَ صَاحِبُ الْأَرْضِ بَيْنَ الْخِيَارَاتِ الثَّلَاثَةِ ا الَّتِي بَيَّنَّاهَا. (۲۰۳) وَإِنْ مَاتَا جَمِيعًا فَالْخِيَارُ لِوَرَثَةِ الْعَامِلِ ا لِقِيَامِهِمْ مَقَامَهُ، ۲ وَهَذَا خِلَافَةٌ فِي حَقٍّ مَالِيٍّ وَهُوَ تَرْكُ الثِّمَارِ عَلَى الْأَشْجَارِ إِلَى وَقْتِ الْإِدْرَاكِ لَا

تشریح :عامل چاہتا ہے کہ زمین والے کے مرنے کی وجہ سے عقد ختم ہو گیا اس لئے آگے کام نہ کریں، اور گدر کھجور تقسیم کرلیں تو زمین والے کے ورثہ کے لئے تین اختیار ہیں [۱] مناسب سمجھیں تو گدر کھجور ہی تقسیم کرلیں [۲] دوسرا اختیار یہ ہے کہ عامل کے حصے میں جو گدر کھجور آتا ہے اس کی قیمت دے دے اور پورا کھجور رکھ لے۔ [۳] تیسرا اختیار یہ ہے کہ، کھجور پر خرچ کرتا رہے، اور جتنا خرچ عامل کے حصے میں آئے وہ اس کے کھجور میں سے کاٹ لے۔ ان تینوں اختیار کی تفصیل کتاب المزارعت میں بیان کی ہے۔

ترجمه :(۲۰۱) اگر عامل مر گیا تو اس کے ورثہ کے لئے جائز ہے کہ اس پر کام کرتا رہے، چاہے زمین والا ناپسند کرے۔

ترجمه :ا اس لئے کہ اس میں دونوں کا فائدہ ہے۔

تشریح :واضح ہے۔

ترجمه :(۲۰۲) اگر عامل کے ورثہ یہ چاہتے ہیں کہ ادھ پکا کھجور ہی کاٹ لیں تو زمین والوں کو تین اختیار ہوں گے۔

تشریح : عامل کے ورثہ یہ چاہتے ہیں کہ گدر کھجور ہی کاٹ لیں تو زمین والے کے لئے تین اختیارات ہوں گے، جو اوپر گزر گئے۔

لغت :یصرموا: صرم سے مشتق ہے، کاٹنا۔

ترجمه :(۲۰۳) اگر عامل اور زمین والا دونوں مر گئے تو عامل کے ورثہ کو کام کرنے کا اختیار ہوگا۔

ترجمه :ا اس لئے کہ وہ عامل کے قائم مقام ہے۔

عامل اور زمین والا دونوں مر گئے تو عامل کے ورثہ کو کام کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہوگا، کیونکہ یہی عامل کے قائم مقام ہے۔

ترجمه : ۲ یہ مالی حق میں خلافت ہے، اور وہ یہ ہے کہ پھل کو پکنے تک درخت پر چھوڑ دیا جائے، خیار کو وراثت کے طور پر نہیں ملا ہے۔

تشریح :یہ جملہ ایک اشکال کا جواب ہے، اشکال یہ ہے کہ بار بار یہ کہا گیا ہے کہ اختیار میں وراثت نہیں چلتی تو یہاں عامل کے وارث کو اور زمین والے کے وارث کو کیسے وراثت میں اختیار مل گیا؟۔ اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ خیار وراثت میں نہیں ملا

أَنْ يَكُونَ وِرَارَثَةً فِي الْخِيَارِ (٢٠٤)فَإِنْ أَبَى وَرَثَةُ الْعَامِلِ أَنْ يَقُومُوا عَلَيْهِ كَانَ الْخِيَارُ فِي ذَلِكَ لِوَرَثَةِ رَبِّ الْأَرْضِ ا عَلَى مَا وَصَفْنَا. (٢٠٥) قَالَ وَإِذَا انْقَضَتْ مُدَّةُ الْمُعَامَلَةِ وَالْخَارِجُ بُسْرٌ أَخْضَرُ فَهَذَا وَالْأَوَّلُ سَوَاءٌ، وَلِلْعَامِلِ أَنْ يَقُومَ عَلَيْهَا إِلَى أَنْ يُدْرِكَ لَكِنْ بِغَيْرِ أَجْرٍ ا لِأَنَّ الشَّجَرَ لَا يَجُوزُ اسْتِئْجَارُهُ، بِخِلَافِ الْمُزَارَعَةِ فِي هَذَا لِأَنَّ الْأَرْضَ يَجُوزُ اسْتِئْجَارُهَا، ٢

ہے، بلکہ پھل ضائع نہ ہو اس لئے اس کی حفاظت کے لئے درخت پر رکھنے کا حق ملا ہے۔

ترجمہ : (٢٠٤) پس اگر عامل کے ورثہ نے کام کرنے سے انکار کر دیا، تو زمین کے ورثہ کو تین اختیار ہوں گے۔

ترجمہ : ا جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا۔

تشریح : عامل اور زمین والا دونوں کا انتقال ہو گیا، اب عامل کے ورثہ کو کام کرنے اور نہ کرنے کا اختیار تھا، لیکن انہوں نے کام کرنے سے انکار کر دیا تو زمین والے کے ورثہ کو اوپر کے تین اختیار ہیں۔[ا] گدر کھجور کاٹ لیں اور تقسیم کر لیں [٢] یا عامل کے ورثہ کو اس کے گدر کھجور کی قیمت دے دیں [٣] کھجور پر کام کروائیں اور جب کھجور پک جائے تو اپنا خرچ عامل کے حصے سے وصول کر لیں۔

ترجمہ : (٢٠٥) اگر مساقات میں مدت ختم ہو جائے، اور پھل ابھی ادھ پکا ہے سبز ہے تو یہ معاملہ اور مرنے کی وجہ سے جو مساقات ختم ہوتا ہے دونوں کا حکم ایک ہے، اور عامل کے لئے یہ ہے کہ پھل پکنے تک اس کی نگرانی کرتا رہے، لیکن بغیر اجرت کے کرے گا [البتہ پکنے کے بعد پھل میں حصہ دار بنے گا]

ترجمہ: ا اس لئے کہ درخت کو اجرت پر لینا جائز نہیں ہے، بخلاف مزارعت میں اس لئے کہ زمین کو اجرت پر لینا جائز ہے

تشریح : پہلے گزرا کہ زمین والا کے مرنے کی وجہ سے مساقات ختم ہو گئی تو عامل پھل کے پکنے تک اس پر کام کرتا رہے گا، یہاں یہ ہے کہ مدت ختم ہو گئی جس کی وجہ سے مساقات ختم ہو گئی تب بھی حکم یہی ہے کہ پھل کے پکنے تک اس پر کام کرتا رہے گا۔ البتہ یہاں اور مزارعت میں ایک فرق ہے، وہ یہ ہے مزارعت میں مدت ختم ہو جائے اور کھیتی ابھی پکی نہ ہو تو کھیتی پکنے تک دونوں پر خرچ لازم ہوتا ہے، کیونکہ زمین اجرت پر لی جا سکتی ہے، اس لئے گویا کہ عامل نے اپنے حصے کے لئے زمین اجرت پر لی، اور درخت کو اجرت پر نہیں لیا جاتا اس لئے دونوں پر خرچ لازم نہیں ہوگا، اور صرف عامل پر کام لازم ہوگا، البتہ جب پھل پک جائے گا تو اس میں اس کو شرط کے مطابق حصہ مل جائے گا۔

ترجمہ : ٢ ایسے ہی یہاں کام پورا عامل پر ہوگا، اور مزارعت میں ایسی صورت میں دونوں پر ہوگا، اس لئے کہ مدت ختم ہونے کے بعد جب عامل پر زمین کی اجرت مثل لازم ہوئی تو اس پر کام کرنا لازم نہیں رہا، اور یہاں [مساقات] میں درخت کو اجرت پر نہیں لے سکتا تو اس پر کام واجب ہوگا جیسے کہ مدت ختم ہونے سے پہلے واجب تھا۔

وَكَذَلِكَ الْعَمَلُ كُلُّهُ عَلَى الْعَامِلِ هَاهُنَا وَفِي الْمُزَارَعَةِ فِي هَذَا عَلَيْهِمَا، لِأَنَّهُ لَمَّا وَجَبَ أَجْرُ مِثْلِ الْأَرْضِ بَعْدَ انْتِهَاءِ الْمُدَّةِ عَلَى الْعَامِلِ لَا يَسْتَحِقُّ عَلَيْهِ الْعَمَلُ وَهَاهُنَا لَا أَجْرَ فَجَازَ أَنْ يَسْتَحِقَّ الْعَمَلَ كَمَا يَسْتَحِقُّ قَبْلَ انْتِهَائِهَا. (٢٠٦) قَالَ وَتُفْسَخُ بِالْأَعْذَارِ ١ لِمَا بَيَّنَّا فِي الْإِجَارَاتِ، وَقَدْ بَيَّنَّا وُجُوهَ الْعُذْرِ فِيهَا. وَمِنْ جُمْلَتِهَا أَنْ يَكُونَ الْعَامِلُ سَارِقًا يُخَافُ عَلَيْهِ سَرِقَةُ السَّعَفِ وَالثَّمَرِ قَبْلَ الْإِدْرَاكِ لِأَنَّهُ يُلْزِمُ صَاحِبَ الْأَرْضِ ضَرَرًا لَمْ يَلْتَزِمْهُ فَتُفْسَخُ بِهِ. ٢ وَمِنْهَا مَرَضُ الْعَامِلِ إِذَا كَانَ يُضْعِفُهُ عَنِ الْعَمَلِ، لِأَنَّ فِي إِلْزَامِهِ اسْتِئْجَارَ الْأُجَرَاءِ زِيَادَةَ ضَرَرٍ

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ، جہاں عامل پر اجرت لازم ہوتی ہے وہاں اس پر کام لازم نہیں رہتا، وہاں کام دونوں پر ہوجاتا ہے، اور جہاں عامل پر اجرت نہیں ہے وہاں کام عامل پر ہی لازم رہتا ہے۔

تشریح : مزارعت میں مدت ختم ہوجاتی ہے تو دونوں پر کام واجب ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین کو اجرت پر لی جاتی ہے، پس جب عامل نے زمین کو اجرت پر لی تو اس پر کام واجب نہیں رہا، اس لئے دونوں پر کام لازم ہوا۔ اور مساقات میں درخت کو اجرت پر لینا جائز نہیں ہے، اس لئے اس پر کام لازم رہے گا، جیسا کہ مدت ختم نہ ہوتی تو اس پر پھل پکنے تک کام کرنا لازم رہتا۔

ترجمہ : (۲۰۶) مساقات عذر سے ختم ہوجاتا ہے۔

ترجمہ : ١ جیسا کہ ہم نے کتاب الاجارہ میں بیان کیا ہے، اور وہاں عذر کی قسمیں بیان کی، ان میں سے یہ بھی ہے کہ عامل چور ہو ڈر ہو کہ لکڑیاں اور پھل پکنے سے پہلے اٹھالے جائے، اس لئے کہ زمین والے کو ایسا نقصان ہوگا جو اس نے لازم نہیں کیا، اس لئے اس سے مزارعت اور مساقات فسخ کر دیا جائے گا۔

تشریح : شدید عذر ہو تو مزارعت اور مساقات فسخ کیا جا سکتا ہے، جیسے شدید عذر ہو تو اجارہ فسخ کیا جا سکتا ہے، ان عذر میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عامل چور ہے، ڈر ہے کہ باغ کی لکڑیاں چرالے جائے، یا پھل پکنے سے پہلے توڑ کر گھر لے جائے تو ایسی صورت میں مساقات، اور مزارعت توڑی جاسکتی ہے۔

لغت : سعف : کھجور کی شاخ۔

ترجمہ : ٢ ان عذروں میں سے عامل کا بیمار ہونا ہے، کہ کام کرنے سے کمزور ہوتا ہو اس لئے کہ دوسرے آدمی کو اجرت پر لینے کو لازم کرنے میں زیادہ ضرر ہے، جسکو اس نے لازم نہیں کیا ہے اس لئے اس کو عذر قرار دیا جائے۔

تشریح : عامل اتنا بیمار ہے کہ مساقات کا کام نہیں کرسکتا تو اس سے مساقات اور مزارعت توڑ دیا جائے گا۔ اور یہ شبہ کہ کسی دوسرے آدمی کو اجرت پر لیکر کام کروائے اس لئے درست نہیں ہے کہ اس نے خود کام کرنے کی شرط کی تھی، اجرت پر لینے سے

عَلَيْهِ وَلَمْ يَلْتَزِمْهُ فَيُجْعَلُ ذَلِكَ عُذْرًا، ۳؎ وَلَوْ أَرَادَ الْعَامِلُ تَرْكَ ذَلِكَ الْعَمَلِ هَلْ يَكُونُ عُذْرًا؟ فِيهِ رِوَايَتَانِ. وَتَأْوِيلُ احْدَاهُمَا أَنْ يَشْتَرِطَ الْعَمَلَ بِيَدِهِ فَيَكُونُ عُذْرًا مِنْ جِهَتِهِ (۲۰۷) وَمَنْ دَفَعَ أَرْضًا بَيْضَاءَ إِلَى رَجُلٍ سِنِينَ مَعْلُومَةً يَغْرِسُ فِيهَا شَجَرًا عَلَى أَنْ تَكُونَ الْأَرْضُ وَالشَّجَرُ بَيْنَ رَبِّ الْأَرْضِ وَالْغَارِسِ نِصْفَيْنِ لَمْ يَجُزْ ذَلِكَ ا؎ لِاشْتِرَاطِ الشَّرِكَةِ فِيمَا كَانَ حَاصِلًا قَبْلَ الشَّرِكَةِ لَا بِعَمَلِهِ (۲۰۸) وَجَمِيعُ الثَّمَرِ وَالْغَرْسِ لِرَبِّ الْأَرْضِ وَلِلْغَارِسِ قِيمَةُ

اس کو زیادہ ضرر ہوگا، جسکو اس نے اپنے اوپر لازم نہیں کیا تھا۔

ترجمہ : ۳؎ اور اگر عامل اس پیشے کو چھوڑنے کا ہی ارادہ کر لے تو یہ عذر ہے یا نہیں تو اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔ان میں سے ایک کی تاویل یہ ہے کہ اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی شرط ہو تو یہ عذر ہوگا۔

تشریح :عامل یہ چاہتا ہے کہ اس پیشے کو ہی چھوڑ دے تو کیا یہ عذر ہے یا نہیں، تو ایک روایت یہ ہے کہ یہ عذر ہے، اور دوسری روایت یہ ہے کہ یہ عذر نہیں ہے۔ ہاں اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی شرط ہو تو یہ عذر ہے، اور یہ شرط نہیں ہو تو یہ عذر نہیں ہے، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ دوسرے کو اجرت پر رکھ کر کام کروالے، اس لئے چاہے وہ اس پیشے کو چھوڑنا چاہ رہا ہے، لیکن دوسرے سے کام کرواسکتا ہے اس لئے یہ عذر نہیں ہے۔

ترجمہ : (۲۰۷) کسے نے چند سالوں کے لئے خالی زمین دیا تا کہ اس میں درخت لگائے، اور زمین اور درخت زمین والے اور درخت لگانے والے کے درمیان آدھا آدھا ہو تو یہ جائز نہیں ہے۔

ترجمہ : ا؎ اس لئے کہ جو چیز پہلے سے حاصل تھی [یعنی زمین] اس میں شرکت کی شرط لگائی۔

تشریح : زمین والے نے ایک آدمی کو کئی سال کے لئے اپنی زمین دی کہ اس میں درخت لگاؤ، اور جب درخت لگ جائے گا تو درخت اور زمین آدھا آدھا تقسیم کریں گے، تو یہ عقد فاسد ہے۔

وجہ:اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین پہلے سے موجود ہے، عامل کے کام کی وجہ سے زمین میں زیادتی ہونے والی نہیں ہے، اور جو چیز پہلے سے موجود ہو اس میں کسی کی شرکت صحیح نہیں ہے۔اس لئے یہ عقد فاسد رہے گا۔

لغت :ارض بیضاء: سفید زمین، مراد خالی زمین۔ یغرس: درخت لگانا، اسی سے ہے غارس: اس فاعل، درخت لگانے والا۔

ترجمہ :(۲۰۸) اور تمام پھل اور پودا زمین والے کے لئے ہوگا، اور پودا لگانے والے کو پودے کی قیمت اور جو کام کیا اس کی اجرت ملے گی۔

تشریح :عقد فاسد ہونے کی وجہ سے زمین اور اس میں لگایا ہوا پودا زمین والے کا ہوگا، اور جس نے پودا لگایا اس کو پودے کی قیمت ملے گی، اور کام کی اجرت مثلی ملے گی۔

غَرُسِهِ وَأَجُرُ مِثْلِهِ فِيمَا عَمِلَ ا لِأَنَّهُ فِيُ مَعُنَى قَفِيزِ الطَّحَّان: اِذُ هُوَ اسُتِئُجَارٌ بِبَعُضِ مَا يَخُرُجُ مِنُ عَمَلِهِ وَهُوَ نِصُفُ الْبُسُتَانِ فَيَفُسُدُ ٢ وَتَعَذَّرَ رَدُّ الْغِرَاسِ لِاتِّصَالِهَا بِالْأَرُضِ فَيَجِبُ قِيمَتُهَا وَأَجُرُ مِثُلِهِ لِأَنَّهُ لَا يَدُخُلُ فِيُ قِيمَةِ الْغِرَاسِ لِتَقَوُّمِهَا بِنَفُسِهَا ٣ وَفِيُ تَخُرِيجِهَا طَرِيقٌ آخَرُ بَيَّنَّاهُ فِيُ كِفَايَةِ الْمُنُتَهِى، وَهَذَا أَصَحُّهُمَا، وَاللّٰهُ أَعُلَمُ.

ترجمه : ا اس لئے کہ یہ قفیز الطحان کے معنی میں ہے، اس لئے کہ اس کے کام کی وجہ سے جو نکلے گا اس میں بعض کو اجرت پر لینا ہے، اور وہ ہے آدھا باغ، اس لئے عقد فاسد ہوگا۔

لغت :قفیز الطحان: قفیز ناپنے کا آلہ، اور طحان کا ترجمہ ہے آٹا پیسنا، اس کی صورت یہ کہ، گیہوں پینے سے جو آٹا نکلے اس میں سے پینے کی اجرت دے، اس کو قفیز الطحان، کہتے ہیں، مزدور کا پیسا ہوا آٹا ہی اجرت میں دے رہا ہے اس لئے فقہاء نے اس اجرت کو فاسد کہا ہے،

تشریح : اوپر کے مسئلے میں بھی اجیر کی محنت سے پودا اگ رہا ہے اور اسی پودے کو اجرت میں دے رہا ہے تو یہ قفیز الطحان کی طرح ہو گیا اس لئے یہ اجرت بھی فاسد ہوگی۔

ترجمه : ٢ اور پودے کا واپس کرنا متعذر ہے اس لئے کہ وہ زمین کے ساتھ متصل ہو گیا ہے، اس لئے اس کی قیمت لازم ہوگی، اور مثلی اجرت بھی لازم ہوگی، اس لئے کہ پودے کی قیمت میں وہ داخل نہیں ہوگی، اس لئے کہ پودا خود بخود کھڑا ہے۔

تشریح :اب پودا لگانے والے کو دو چیزیں ملے گی [ا] ایک پودے کی قیمت [٢] اور دوسرا جو کام کیا ہے اس کی مثلی اجرت

وجه :اجیر نے یہاں دو کام کئے ہیں، ایک یہ کہ پودے کو خرید کر لایا ہے، اور اب اس کو نکال بھی نہیں سکتا، کیونکہ وہ زمین کے ساتھ متصل ہو گیا ہے، اس لئے پودے کی قیمت ملے گی۔ [٢] دوسرا کام یہ کیا ہے کہ اس کو لگایا ہے، اس میں پانی دیا ہے اس لئے اس کی اجرت الگ سے ملے گی۔ کام کی اجرت پودے میں اس لئے شامل نہیں ہوگی کہ پودا خارج میں قائم ہے، اس لئے وہ جوہر ہے، اور کام خارج میں نظر نہیں آتا، عقد کرنے سے اجرت ہوگی اس لئے وہ عرض ہے، تو گویا کہ ایک جوہر ہوا اور دوسرا عرض ہوا اس لئے ایک دوسرے کے تابع نہیں ہوگا، اس لئے دونوں الگ الگ شمار ہوں گے، اس لئے پودے کی قیمت بھی ملے گی، اور کام کرنے اجرت مثل بھی ملے گی۔

لغت :غراس: لگا ہوا پودا۔ لتقومها بنفسها: پودا خود بخود قائم ہے، اس لئے وہ جوہر ہے۔

ترجمه : ٣ اور اس مسئلے کی تخریج میں اور بھی طریقے ہیں جنکو میں نے کفایۃ المنتہی میں ذکر کیا ہے، لیکن یہ طریقہ جو ابھی ذکر کیا یہ سب سے زیادہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

تشریح :اس مسئلے کو کفایۃ المنتہی میں دوسرے طریقے سے بیان کئے ہیں۔ لیکن جو طریقہ یہاں بیان کیا ہے وہ زیادہ صحیح ہے

﴿کِتَابُ الذَّبَائِحِ﴾

(۲۰۹)قَالَ الذَّکَاۃُ شَرْطُ حِلِّ الذَّبِیحَۃِ ۱؎ لِقَوْلِہِ تَعَالَی ﴿اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ﴾ [المائدۃ: ۳] وَلِأَنَّ بِھَا

﴿ باب الذبائح ﴾

ضروری نوٹ :ذبح میں حلال ہونے کے لئے پانچ باتیں ضروری ہیں[۱] ایک تو یہ کہ جانور پر بسم اللہ پڑھا ہو۔[۲]اور دوسری بات یہ کہ اس سے خون نکلا ہو، اگر اختیار میں ہو تو چاروں رگیں کاٹ کر پورا خون نکلا ہو، اور اضطراری شکل ہو تو تیر وغیرہ سے جانور کا کچھ نہ کچھ خون نکلا ہو تب جانور حلال ہوگا، تفصیل آگے آرہی ہے [۳] تیسری شرط یہ ہے کہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو، یا یہودی، یا نصرانی ہو۔[۴] اور چوتھی بات یہ ہے کہ جانور ایسا ہو جو ذبح کرنے سے حلال ہو جاتا ہو، سور، کتا، شیر، بھالو نہ ہو[۵] پانچویں شرط یہ ہے کہ شکار ذبح کرنا ہو تو آدمی محرم نہ ہو، اور حرم کی حدود میں نہ ہو۔ ہاں پالتو جانور کو محرم ذبح کر سکتا ہے اور حرم کی حدود میں ذبح کر سکتا ہے۔

وجہ :بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے اس کے لئے یہ آیتیں ہیں(۱) **یسئلونک ماذا أحل لھم قل أحل لکم الطیبات و ما علمتم من الجوارح مکلبین تعلمونھن مما علمکم اللہ فکلوا مما أمسکن علیکم واذکروا اسم اللہ علیہ** (آیت۴، سورۃ المائدۃ۵)(۲) **فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ ان کنتم بأیاتہ مؤمنین ، و ما لکم ألا تأکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ ، و قد فصل لکم ما حرم علیکم الا ماضطررتم الیہ** (آیت ۱۱۸، ۱۱۹، سورۃ الانعام ۶)(۳) اس آیت میں ہے کہ بسم اللہ نہ پڑھا ہو تو مت کھاؤ۔ **ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ وانہ لفسق.** (آیت ۱۲۱، سورۃ الانعام ۶)(۴) شکار کے سلسلے میں یہ حدیث ہے۔ **سمعت عدی بن حاتم ... قال لا تاکل فانک انما سمیت علی کلبک ولم تسم علی الآخر** ۔(بخاری شریف، باب صید المعراض، ص ۹۷۵، نمبر ۵۴۷۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ پڑھا ہو تو کھائے اور نہ پڑھا ہو تو نہ کھائے۔

اور ذبح کر کے خون نکالنے کے لئے یہ آیت ہے۔ **حرمت علیکم المیتۃ و الدم و لحم الخنزیر و ما احل لغیر اللہ بہ ، و المنخنقۃ و الموقوذۃ و المتردیۃ و النطیحۃ و ما أکل السبع الا ما ذکیتم و ما ذبح علی النصب و ان تستقسموا بالازلام ذالکم فسق** ۔(آیت ۳، سورۃ المائدۃ ۵)اس آیت میں الا ما ذکیتم ہے، یعنی ذبح کر کے خون نکلا ہو۔ باقی شرطوں کے دلائل آگے آرہے ہیں۔

ترجمہ : (۲۰۹) جانور حلال ہونے کے لئے ذبح کرنا شرط ہے۔

ترجمہ : ۱؎ اللہ تعالی **الا ما زکیتم** ،آیت کی وجہ سے، اس لئے بھی کہ ذبح کرنے سے پاک گوشت ناپاک خون سے الگ ہو جاتا ہے۔

يَتَمَيَّزُ الدَّمُ النَّجِسُ مِنَ اللَّحْمِ الطَّاهِرِ. ۲؎ وَكَمَا يَثْبُتُ بِهِ الْحِلُّ يَثْبُتُ بِهِ الطَّهَارَةُ فِي الْمَأْكُولِ وَغَيْرِهِ، فَإِنَّهَا تُنْبِىءُ عَنْهَا. وَمِنْه قَوْلُهُ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – ذَكَاةُ الْأَرْضِ يُبْسُهَا ۳؎ وَهِيَ اخْتِيَارِيَّةٌ كَالْجُرْحِ فِيمَا بَيْنَ اللَّبَّةِ وَاللَّحْيَيْنِ، وَاضْطِرَارِيَّةٌ وَهِيَ الْجُرْحُ فِي أَيِّ مَوْضِعٍ كَانَ مِنَ الْبَدَنِ. وَالثَّانِي كَالْبَدَلِ عَنِ الْأَوَّلِ لِأَنَّهُ لَا يُصَارُ إلَيْهِ إلَّا عِنْدَ الْعَجْزِ عَنِ الْأَوَّلِ. وَهَذَا آيَةُ الْبَدَلِيَّةِ، وَهَذَا لِأَنَّ الْأَوَّلَ أَعْمَلُ فِي اخْرَاجِ الدَّمِ وَالثَّانِي أَقْصَرُ فِيهِ، فَاكْتَفَى بِهِ عِنْدَ الْعَجْزِ عَنْ

تشریح :جانور کے حلال ہونے کے لئے ذبح کرنا ضروری ہے۔

وجه :(ا) آیت میں ہے کہ جب تک کہ ذبح نہ کروحلال نہیں ہے، آیت یہ ہے۔ **حرمت عليكم الميتة و الدم و لحم الخنزير و ما احل لغير الله به ، و المنخنقة و الموقوذة و المتردية و النطيحة و ما أكل السبع الا ما ذكيتم و ما ذبح على النصب و ان تستقسموا بالازلام ذالكم فسق** ۔(آیت۳،سورۃ المائدۃ۵)اس آیت میں الاما ذکیتم ہے، یعنی ذبح کر کے خون نکالا ہو۔(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ جسم میں ناپاک خون رہتا ہے، ذبح کر کے خون نکالے گا تو پاک گوشت ناپاک خون سے الگ ہو جائے گا، اس لئے ذبح کئے بغیر جانور حلال نہیں ہوگا۔

ترجمه : ۲؎ اور ذبح کرنے سے جس طرح حلال ہونا ثابت ہوگا، اس سے پاکی بھی ثابت ہو جائے گی، چاہے ایسا جانور ہوجسکو کھایا جاتا ہو، یا ایسا جانور ہوجسکو کھایا نہیں جاتا ہو، اس لئے کہ زکوۃ کا معنی ہی ہے پاک کرنا چنانچہ قول صحابی میں مذکور ہے۔ زکوۃ الارض یبسھا ، یعنی سوکھ جانے سے زمین پاک ہو جاتی ہے۔

تشریح : یہاں سے یہ فرمارہے ہیں کہ ذبح کرنے سے جانور جہاں حلال ہوتا ہے وہیں وہ اس کا گوشت پاک بھی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جو جانور کھانے کے لئے حلال نہیں جیسے شیر، وغیرا گراس کو ذبح کر دیا جائے تو اس کا گوشت پاک ہو جائے گا ،اوراس کو جیب میں رکھ کر نماز پڑھنا جائز ہوگا

وجه :اس کے استدلال میں صاحب ھدایہ فرماتے ہیں کہ زکوۃ کا معنی ہی ہے پاک ہونا، چنانچہ ایک قول صحابی میں ہے زکوۃ الارض یبسھا، ترجمہ: زمین سوکھنے سے وہ پاک ہو جاتی ہے، قول صحابی یہ ہے۔ **عن ابی جعفر قال زکوة الارض يبسها** ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ باب فی الرجل یطأ الموضع القذر یطأ بعدہ ماھو انظف ،جلد ا،ص ۵۹ ،نمبر ۶۲۴)اس قول صحابی میں ہے کہ زمین کا سوکھنا اس کی پاکی ہے۔

ترجمه ۳؎ ذبح کی دوقسمیں ہے [ا] ایک اختیاری ہے اور وہ کاٹنا ہے سینہ اور جبڑوں کے درمیان، [۲] اور دوسرا اضطراری ہے، اور وہ بدن کے کسی بھی جگہ زخم کرنا ہے، اور دوسرا پہلے کا نائب ہے، اس لئے کہ پہلے سے عاجزی کے وقت ہی اس کی طرف جایا جاتا ہے، اور یہ بدل ہونے کی نشانی ہے، اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ پہلے میں خون زیادہ نکلتا ہے، اور دوسری

الْأَوَّلِ، اذْ التَّكْلِيفُ بِحَسْبِ الْوُسْعِ. ۴؎ وَمِنْ شَرْطِهِ أَنْ يَكُونَ الذَّابِحُ صَاحِبَ مِلَّةِ التَّوْحِيدِ امَّا اعْتِقَادًا كَالْمُسْلِمِ أَوْ دَعْوَى كَالْكِتَابِيِّ، وَأَنْ يَكُونَ حَلاَلًا خَارِجَ الْحَرَمِ عَلَى مَا نُبَيِّنُهُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالَى. (۲۱۰) قَالَ وَذَبِيحَةُ الْمُسْلِمِ وَالْكِتَابِيِّ حَلاَلٌ ١؎ لِمَا تَلَوْنَا. وَلِقَوْلِهِ تَعَالَى

صورت میں بہت کم نکلتا ہے، اس لئے پہلے سے عاجزی کے وقت میں ہے دوسری صورت اختیار کی جاتی ہے، اس لئے کہ تکلیف گنجائش کے مطابق دی جاتی ہے۔

تشریح : یہاں بتاتے ہیں کہ ذبح کی دو قسمیں [۱] ایک اختیاری ذبح، اسمیں جانور کے سینے اور جبڑوں کے درمیان کاٹ کر خون نکالا جاتا ہے۔ یہ اصل ذبح ہے، کیونکہ اس صورت میں جسم کا پورا خون نکل جاتا ہے۔ [۲] دوسری صورت اضطراری اور مجبوری کی ہے، جیسے شکار کے جسم سے کہیں بھی خون نکال دے تو وہ جانور حلال ہو جاتا ہے، اس میں جسم کا خون بہت کم نکلتا ہے، یہ پہلے ذبح کا بدل ہے، چنانچہ جب تک اصل پر قادر ہو بدل کرنے کی گنجائش نہیں ہے، اس سے حلال نہیں ہوگا، ہاں ذبح نہ کر سکتا ہو تب ہی مجبوری کے درجے میں بدل کی گنجائش ہوگی۔

لغت : جرح : زخمی کرنا۔ اللبۃ سینہ۔ اللحیین: لحیۃ کی تثنیہ ہے دو داڑھی، مراد ہے دونوں جبڑوں سے نیچے کا حصہ۔ اقصر: بہت کم ہے۔ ناقص ہے۔

ترجمہ : ذبح کی شرط میں سے یہ ہے کہ ذبح کرنے والا توحید کا اقرار کرنے والا ہو، پورے اعتقاد سے توحید اقرار کرتا ہو جیسے مسلمان، یا توحید کا دعوی کرتا ہو جیسے اہل کتاب۔

تشریح : تیسری شرط یہ ہے کہ ذبح کرنے والا اہل توحید ہو، یعنی حقیقتا توحید ہو جیسے مسلمان حقیقتا توحید والا ہے، اور نصرانی اور یہودی حقیقتا توحید والا نہیں ہے، لیکن اس کا دعوی ہے کہ ہم توحید والے ہیں، حاصل یہ ہے کہ کافر کا ذبح کیا درست نہیں ہے، مسلمان، نصرانی، اور یہودی ذبح کرنے والا ہو تب جانور حلال ہوگا، اگر کافر یا مجوسی نے ذبح کیا تو جانور حلال نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ۵؎ اور شکار کو ذبح کرنے کے لئے یہ شرط بھی ہے کہ وہ حلال ہو اور حرم سے باہر ہو۔

تشریح : شکار کو ذبح کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی احرام میں نہ ہو، اور حرم میں بھی نہ ہو، کیونکہ محرم شکار ذبح کرے گا تو حلال نہیں ہوگا، اسی طرح حرم میں حلال آدمی بھی شکار ذبح کرے گا تو جانور حلال نہیں ہوگا۔

ترجمہ : (۲۱۰) مسلمان اور کتابی کا ذبیحہ حلال ہے۔

ترجمہ : ١؎ اس آیت کی وجہ سے جو ہم نے تلاوت کی اللہ تعالی کا قول۔ وطعام الذين اوتو الكتاب حل لكم.

تشریح : مسلمان بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے تو جانور حلال ہے اسی طرح اہل کتاب یعنی یہودی اور نصرانی بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے تو ذبیحہ حلال ہے۔

وجه : (۱) آیت میں ہے جسکو صاحب ہدایہ نے پیش کی۔ اليوم احل لكم الطيبات وطعام الذين اوتو الكتاب

﴿وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ﴾ [المائدة:۵] ۲ وَيَحِلُّ إِذَا كَانَ يَعْقِلُ التَّسْمِيَةَ وَالذَّبِحَةَ وَيَضْبِطُ وَإِنْ كَانَ صَبِيًّا أَوْ مَجْنُونًا أَوْ امْرَأَةً، أَمَّا إِذَا كَانَ لَا يَضْبِطُ وَلَا يَعْقِلُ التَّسْمِيَةَ فَالذَّبِيحَةُ لَا تَحِلُّ لِأَنَّ التَّسْمِيَةَ عَلَى الذَّبِيحَةِ شَرْطٌ بِالنَّصِّ وَذَلِكَ بِالْقَصْدِ. وَصِحَّةُ الْقَصْدِ

حل لكم وطعامكم حل لهم ۔(آیت ۵، سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں ہے کہ جن لوگوں کو کتاب دی گئی یعنی یہود اور نصاری ان کا کھانا جس سے مراد ذبیحہ ہے تمہارے لئے حلال ہے (۲) عن ابن عباس قال طعامهم ذبائحهم ۔(بخاری شریف، باب ذبائح اہل الکتاب وشحومہا من اہل العرب وغیرھم، ص ۹۸۱، نمبر ۵۵۰۸ رسنن للبیہقی، باب ماجاء فی طعام اہل الکتاب، ج تاسع، ص ۴۷۷، نمبر ۱۹۱۵۲) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ آیت میں اہل کتاب کے طعام سے مراد ان کا ذبیحہ ہے

نوٹ : یورپ کے عیسائی عموما دہریے ہوتے ہیں وہ نام کے عیسائی ہوتے ہیں اور بسم اللہ پڑھ کر بھی ذبح نہیں کرتے جو مسلمان کے لئے بھی ضروری ہے اس لئے ان کے ذبیحے سے احتیاط ضروری ہے۔

وجه : (۱) قول تابعی میں ہے۔ وقال الزهری لا بأس بذبيحة نصارى العرب وان سمعته يسمى لغير الله فلا تأكل. (بخاری شریف، باب ذبائح اہل الکتاب وشحومہا من اہل الحرب وغیرھم، ص ۹۸۱، نمبر ۵۵۰۸) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ اللہ کے علاوہ کا نام لے تو نہ کھائے اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بسم اللہ نہ پڑھے تو حلال نہیں ہے، اور یورپ کے عیسائی بسم اللہ پڑھتے ہی نہیں ہیں اس لئے ان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں ہے (۲) قول صحابی میں ہے۔ ان عمر بن الخطاب قال ما نصارى العرب باهل الكتاب وما تحل لنا ذبائحهم وما انا بتاركهم حتى يسلموا او اضرب اعناقهم (سنن للبیہقی، باب ذبائح نصاری العرب، ج تاسع، ص ۴۷۸، نمبر ۱۹۱۶۹) جب عرب کے نصاری صحابہ کے زمانہ میں اہل کتاب نہیں تھے تو اس زمانے میں یورپ کے عیسائی کیسے مسلمان ہو گئے ۔(۳) اور دوسری روایت میں ہے۔ عن علی انه قال لا تاكلوا ذبائح نصارى بنى تغلب فانهم لم يستمسكوا من دينهم الا بشرب الخمر ۔(سنن للبیقی، باب ذبائح نصاری العرب ج تاسع ص ۴۷۸ نمبر ۱۹۱۷۰) اس قول صحابی میں بھی ہے کہ عرب کے عیسائیوں کا دین صرف شراب پینا ہے۔ اس لئے ان کا ذبیحہ مکروہ ہے بلکہ ناجائز ہے۔

ترجمه : ۲ جانور حلال ہوگا جبکہ بسم اللہ کو سمجھتا ہو، ذبح کرنا جانتا ہو اور رگوں کو کاٹنا جانتا ہو، چاہے ذبح کرنے والا بچہ ہو، یا مجنون ہو، یا عورت ہو، اور رگوں کو کاٹنا نہ جانتا ہو اور نہ بسم اللہ سمجھتا ہو، تو ذبح کیا ہو جانور حلال نہیں ہوگا، اس لئے آیت کی وجہ سے ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنا شرط ہے، اور ارادہ کر کے پڑھے تب ہوگا، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔

تشریح : یہاں تین باتوں پر زور دے رہے ہیں [۱] ایک تو یہ کہ بسم اللہ کو جانتا ہو، اور اس کو پڑھے بھی، اگر نہیں پڑھا تو جانور حلال نہیں ہوگا، کیونکہ آیت کی وجہ سے بسم اللہ پڑھنا شرط ہے۔ [۲] دوسری بات یہ ہے ذبح کرنا جانتا ہو۔ [۳] اور تیسری بات یہ کہ جن چار رگوں کو کاٹنا ہے انکو جانتا ہو، اور اس کو اچھی طریقے سے کاٹے تب حلال ہوگا، ان تینوں باتوں کو کرنے کے

بِمَا ذَكَرْنَا. ۳؎ وَالْأَقْلَفُ وَالْمَخْتُونُ سَوَاءٌ لِمَا ذَكَرْنَا، ۴؎ وَاِطْلَاقُ الْكِتَابِيِّ يَنْتَظِمُ الْكِتَابِيَّ الذِّمِّيَّ وَالْحَرْبِيَّ وَالْعَرَبِيَّ وَالتَّغْلِبِيَّ، لِأَنَّ الشَّرْطَ قِيَامُ الْمِلَّةِ عَلَى مَا مَرَّ. (۲۱۱) قَالَ وَلَا تُؤْكَلُ

بعد پھر چاہے ذبح کرنے والا بچہ ہو، یا عورت ہو، یا مجنون ہو ذبح کرنے سے جانور حلال ہو جائے گا۔ بچہ اور مجنون کوئی عقد کرے تو ولی کی اجازت کے بغیر کافی نہیں ہے، لیکن اس کا ذبح کیا ہوا حلال ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر ایسا نادان بچہ، اور مجنون ہو کہ ذبح کرنے کے جو رگیں ہیں ان سے واقف نہ ہوں، یا بسم اللہ نہ سمجھتا ہو، یا ذبح کرنا نہ جانتا ہو، اور ذبح کر دیا تو اس سے جانور حلال نہیں ہوگا۔

وجہ :(۱) عن ابن كعب بن مالك عن ابيه أن امرأة ذبحت شاة بحجر فسئل النبى ﷺ عن ذالك فأمر بأكلها ۔ (بخاری شریف، باب ذبیحۃ الامرأۃ والامۃ، ص۹۸۰، نمبر۵۵۰۴) اس اس حدیث میں ہے کہ باندی عورت نے بکری ذبح کی تو حضور ﷺ نے اس کو کھانے کا حکم دیا۔ (۲) قال قتادة ان ذبحت المرأة لم تحض فلا بأس بذبيحتها ۔ (مصنف عبد الرزاق، باب ذبیحۃ الاقلف، والسبی والاخرس، والزنجی، ج رابع ص۳۷۰، نمبر۸۵۹۴) اس قول تابعی میں ہے کہ بچی نے ذبح کیا ہو تو بھی جائز ہے۔ بسم اللہ کرنا جانتا ہو اور ذبح کرنا جانتا تب حلال ہوگا اس کے لئے یہ قول تابعی ہے۔ عن معمر عن الزهرى قال كان لا يرى بأسا بذبيحة الصبى اذا عقل الذبيحة و سمى ۔ (مصنف عبد الرزاق، باب ذبیحۃ المرأۃ والصبی والاعرابی، ج رابع، ص۳۶۹، نمبر۸۵۸۷) اس قول تابعی میں ہے کہ بچہ ذبح کو سمجھتا ہو اور بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا ہو تو حلال ہوگا۔

نوٹ :اس جزئیہ سے یہ معلوم ہوا کہ ٹیپ رکارڈ پر بسم پڑھا جا رہا ہو، اور مشین سے جانور ذبح ہو رہا ہو تو وہ حلال نہیں ہوگا، کیونکہ مشین بسم اللہ کو نہیں سمجھتا۔

لغت :الذبحۃ: ذبح کس طرح کیا جاتا ہے اس سے واقف ہو۔ یضبط: ضبط سے مشتق ہے، اس کا مطلب ہے کہ ذبح کرنے کے جو چار رگ ہیں، ان سے واقف بھی ہو اور اس کو کاٹے۔

ترجمہ :۳؎ بغیر ختنہ کیا ہوا اور ختنہ کیا ہوا دونوں ذبح کرنے میں برابر ہیں اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کی [کہ کتابی یا مسلمان ہو]

تشریح : ذبح کرنے والا ختنہ کیا ہو یا ختنہ کیا ہوا نہ دونوں کا ذبح کیا ہوا حلال ہے، کیونکہ وہ مسلمان، یا اہل کتاب ہے اتنا ہی کافی ہے۔

وجہ :قال الحسن و ابراهيم : لا بأس بذبيحة الاقلف ۔ (بخاری شریف، باب ذبائح اہل الکتاب وشحومہا من اہل الحرب وغیرھم، ص۹۸۱، نمبر۵۵۰۸) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ غیر مختون کا ذبیحہ حلال ہے۔

لغت :اقلف: جس کا ختنہ کیا ہوا نہ اس کو، اقلف، کہتے ہیں۔ مختون: ختنہ کیا ہوا۔ لما ذکرنا: سے مراد ہے ہم نے ذکر کیا کہ

ذَبِیحَةُ الْمَجُوسِیِّ لِقَوْلِهِ - عَلَیْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - سُنُّوا بِهِمْ سُنَّةَ أَهْلِ الْكِتَابِ غَیْرَ

آدمی مسلمان یا اہل کتاب ہوتو ذبح جائز ہے۔

ترجمہ : ۴ے اور متن میں اہل کتاب کو مطلق رکھا،، اس میں ذمی کتابی، حربی کتابی، عربی کتابی، اور قوم تغلبی کے کتابی سب شامل ہیں۔اس لئے کہ شرط یہ ہے کہ توحید کا قائل ہو۔

لغت : الکتابی الذمی: جو یہودا اور نصرانی دارالاسلام میں ٹیکس دے کر رہتا ہو، وہ ذمی کتابی ہے۔حربی: جو یہودا اور نصرانی دارالحرب میں رہتا ہو، وہ حربی کتابی ہے۔عربی: جو یہودا اور نصرانی عرب میں رہتا ہو، وہ عربی کتابی ہے۔تغلبی: عرب میں تغلب ایک مشرک قوم تھی۔حضرت عمرؓ نے ان سے جزیہ دینے کہا تو اس نے کہا کہ ہم دوگنا صدقہ دیں گے لیکن اس کا نام صدقہ رکھو تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم تو اس کو جزیہ ہی کہیں گے تم چاہو تو اس کا نام صدقہ رکھ لو، پس کوئی یہود، یا نصاری تغلب قوم میں رہتا ہو تو وہ اہل کتاب سمجھا جائے گا اور اس کا ذبیحہ حلال ہوگا۔

تشریح : کوئی بھی اہل کتاب، چاہے وہ ذمی اہل کتاب ہو، یا حربی ہو،، یا عربی ہو، یا تغلبی ہو سب کا ذبیحہ حلال ہوگا، کیونکہ یہ توحید کا دعوی کرتے ہیں اور آیت میں جو اہل کتاب کا ذبیحہ حلال قرار دیا ہے اس میں یہ داخل ہیں۔

ترجمہ :(۲۱۱) اور مجوسی کا ذبح کیا ہوا نہیں کھایا جائے گا۔

ترجمہ : ۱ے حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے انکے ساتھ اہل کتاب کا معاملہ کیا جائے، لیکن اس کی عورتوں سے نکاح نہ کیا جائے، اور اس کا ذبح کیا ہوا نہ کھایا جائے۔

تشریح : یہ لوگ نہ مسلمان ہیں اور نہ اہل کتاب ہیں بلکہ کافر ہیں اس لئے ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

وجہ :(۱) یہ لوگ نہ بسم اللہ پر اعتماد رکھتے ہیں اور نہ ان کے بسم اللہ کا اعتبار ہے اور بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے اس لئے حلال نہیں ہوگا (۲) حدیث مرسل میں ہے جس کو صاحب ھدایہ نے ذکر کیا ہے البتہ صاحب ہدایہ کی حدیث دو حدیثوں کا مجموعہ ہے، حدیث کا پہلا ٹکڑا یہ ہے۔(۲) ۔قال عبد الرحمن بن عوف سمعت رسول اللہ ﷺ یقول سنو بھم سنة اھل الکتاب ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ما قالوا فی المجوس تکون علیھم جزیۃ، ج سادس، ص۴۳۲، نمبر ۳۲۶۳۵ / مصنف عبد الرزاق، باب ھل اہل الشرک حتی یومنوا من غیر اہل الکتاب؟، ج تاسع، ص۵۵۲، نمبر ۱۹۳۷۳) اس حدیث میں ہے کہ مجوس کے ساتھ اہل کتاب کا سا معاملہ کیا جائے۔(۳) اور حدیث کا دوسرا ٹکڑا یہ ہے۔عن الحسن بن محمد بن علی قال کتب رسول اللہ الی مجوس ھجر یعرض علیھم الاسلام فمن اسلم قبل منه ومن ابی ضربت علھم الجزیة علی ان لا تو کل ذبیحة ولا تنکح لھم امرأة. (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ما قالوا فی المجوس تکون علیھم جزیۃ، ج سادس، ص۴۳۲، نمبر ۳۲۶۳۵ / مصنف عبد الرزاق، باب ھل یقاتل اہل الشرک حتی یومنوا من غیر اہل الکتاب؟، ج تاسع، ص۵۵۳، نمبر ۱۹۳۷۶ / دار قطنی، کتاب الاشربۃ، ج رابع، ص ۱۹۷ نمبر ۴۷۵۵) اس حدیث سے

نَاكِحِي نِسَائِهِمْ وَلَا آكِلِي ذَبَائِحِهِمْ ٢ وَلِأَنَّهُ لَا يَدَّعِي التَّوْحِيدَ فَانْعَدَمَتْ الْمِلَّةُ اعْتِقَادًا وَدَعْوَى. (۲۱۲)قَالَ وَالْمُرْتَدِّ ١ لِأَنَّهُ لَا مِلَّةَ لَهُ. فَإِنَّهُ لَا يَقِرُّ عَلَى مَا انْتَقَلَ إلَيْهِ، بِخِلَافِ الْكِتَابِيِّ إذَا تَحَوَّلَ إلَى غَيْرِ دِينِهِ لِأَنَّهُ يَقِرُّ عَلَيْهِ عِنْدَنَا فَيُعْتَبَرُ مَا هُوَ عَلَيْهِ عِنْدَ الذَّبْحِ لَا مَا قَبْلَهُ. (۲۱۳(الف) قَالَ وَالْوَثَنِيِّ ١ لِأَنَّهُ لَا يَعْتَقِدُ الْمِلَّةَ. (۲۱۳(ب) قَالَ وَالْمُحْرِمَ (يَعْنِي مِنْ

معلوم ہوا کہ مجوسی کا ذبیحہ جائز نہیں ہے، اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح حلال ہے۔(۴)عن ابن طاؤس عن ابیہ قال ......و ان المجوس لو ذکر اسم الله علی ذبیحته لم تؤکل ۔(مصنف عبدالرزاق، باب التسمیۃ عندالذبح، ج رابع ص ۳٦٦، نمبر ۸۵۷۰)اس قول تابعی میں ہے کہ مجوسی ذبیحہ پر بسم اللہ بھی پڑھے تب بھی نہ کھاؤ۔

ترجمہ : ٢ اس لئے کہ یہ توحید کا دعوی بھی نہیں کرتے اس لئے توحید اعتقاد کے اعتبار سے بھی نہیں ہے اور دعوی کے اعتبار سے بھی نہیں ہے۔

تشریح مجوس مشرک ہیں اسلئے کہ توحید کا دعوی بھی نہیں کرتے، اور نہ توحید کا اعتقاد ہے اس لئے اس کا ذبیحہ حلال نہیں ہے

ترجمہ :(۲۱۲)اور نہ مرتد کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

ترجمہ : ١ اور اس لئے کہ مرتد جس کی طرف منتقل ہوا ہے اس پر برقرار نہیں رکھا جائے گا

تشریح : مرتد نے ابھی جو مذہب اختیار کیا ہے اس پر برقرار نہیں رکھا جائے گا، بلکہ اس کو توبہ کرنا ہوگا، یا پھر قتل کر دیا جائے گا اس لئے وہ کافر کے درجے میں ہے اس لئے اس کا ذبح کیا ہوا حلال نہیں ہے۔

ترجمہ : ٢ بخلاف اہل کتاب کے اگر وہ اپنے مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہو جائے تو ہمارے یہاں اس پر برقرار رکھا جائے گا، تو ذبح کے وقت ابھی جس پر ہے اس کا اعتبار کیا جائے گا، پہلے جس پر تھا اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

تشریح : مثلا یہودی تھا اس نے مذہب بدل کر نصرانی بن گیا تو اس کا ذبح کیا ہوا حلال ہوگا، کیونکہ نصرانی کا ذبیحہ بھی حلال ہے، اور ہمارے یہاں یہ ہے کہ مسلمان کے علاوہ دوسرا کوئی مذہب والا اپنا مذہب بدل لے تو اس پر برقرار رکھا جاتا ہے، اس کو قتل نہیں کیا جاتا، اور نہ اس کو پہلے مذہب کی طرف لوٹنے پر مجبور کیا جاتا ہے، اوپر کی مثال میں، یہودی نصرانی بن گیا تو، اس کو یہودی کی طرف واپس لوٹنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، اور نہ اس کو قتل کیا جائے گا۔

ترجمہ : (۲۱۳)(الف)اور بت پوجا کرنے والے کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

ترجمہ : ١ اس لئے کہ وہ توحید کا اعتقاد نہیں رکھتا۔

تشریح : بت کا پوجا کرنے والا مشرک ہوتا ہے وہ ہزاروں خدا کو پوجتا ہے، اس کے اعتقاد میں ایک خدا نہیں ہے اور نہ ایک خدا کا دعوی ہے، بلکہ اس کا دعوی ہی ہے کہ بہت سے خدا ہیں، اس لئے ایک خدا کا نام[یعنی بسم اللہ پڑھ کر] بھی ذبح

الصَّيْدِ) وَكَذَا لَا يُؤْكَلُ مَا ذُبِحَ فِي الْحَرَمِ مِنَ الصَّيْدِ ١ وَالْإِطْلَاقُ فِي الْمُحَرَّمِ يَنْتَظِمُ الْحِلَّ

کرے گا تب بھی حلال نہیں ہوگا۔

وجه: (۱) آیت میں ہے۔**ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم الله علیه وانه لفسق.** (آیت ۱۲۱، سورۃ الانعام ۶) اس آیت میں ہے کہ ایک خدا کا نام لیکر ذبح کرو، اور بت پوجا کرنے والا ایک خدا کا یقین نہیں رکھتا اس لئے اس کے پڑھنے سے جانور حلال نہیں ہوگا۔ (۲) اس قول تابعی میں ہے کہ مجوسی کا ذبیحہ حلال نہیں اس لئے کہ وہ مشرک ہی، اسی طرح بت پرست کا بھی ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔**عن ابن طاؤس عن ابیه قال ......و ان المجوس لو ذکر اسم الله علی ذبیحته لم تؤکل**۔ (مصنف عبد الرزاق، باب التسمیۃ عند الذبح، ج رابع ص ۳۶۶، نمبر ۸۵۷۰) اس قول تابعی میں ہے کہ مجوسی ذبیحہ پر بسم اللہ بھی پڑھے تب بھی نہ کھاؤ، اسی پر قیاس کرتے ہوئے بت پرست کا ذبیحہ بھی حلال نہیں ہے۔

لغت: الملة: ملت کا معنی ہے مذہب، یہاں مراد ہے توحید کا اعتقاد۔

ترجمہ: (۲۱۳) (ب) اور محرم، (یعنی شکار کو ذبح نہ کرے)، اور ایسے ہی جو شکار حرم میں ذبح کیا گیا ہو اسکو نہ کھائے۔

تشریح: یہاں دو مسئلے بیان کئے گئے ہیں [۱] ایک یہ کہ محرم آدمی نہ حل کے شکار کو ذبح کر سکتا ہے، حرم کے شکار کو ذبح کر سکتا ہے، اگر کرے گا تو وہ حلال نہیں ہوگا۔ [۲] دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے ارد گرد جو حرم کی جگہ ہے اس میں کسی شکار کو نہ محرم ذبح کر سکتا ہے، اور نہ حلال آدمی ذبح کر سکتا ہے، اگر ذبح کرے گا تو حلال نہیں ہوگا، اور نہ اس کا کھانا حلال ہوگا۔

وجه: (ا(آیت میں ہے۔**حرم علیکم صید البر ما دمتم حرما** (آیت ۹۶، سورۃ المائدۃ ۵) (۲) اور دوسری آیت میں ہے۔**یا ایها الذین آمنوا لا تقتلوا الصید وانتم حرم.** (آیت ۹۵، سورۃ المائدۃ ۵) ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ محرم کو شکار نہیں کرنا چاہئے کیونکہ شکار کرنا اس پر حرام ہے۔ اور نہ شکار کو ذبح کرنا چاہئے۔ (۳) شکار کرنے والے کی مدد بھی نہیں کرنی چاہئے۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔**عن عبد الله بن ابی قتادة ... واستعنت بهم فابوا ان یعینونی** . (بخاری شریف، باب اذا اصاد الحلال فاهدی للمحرم الصید اکله، ص ۲۹۳، نمبر ۱۸۲۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شکار کرنے والے کی محرم مدد بھی نہ کرے۔ ا(۴) ورمحرم کا شکار کیا ہوا حلال نہیں ہے اس کی دلیل یہ قول تابعی ہے۔**سألت الثوری عن المحرم یذبح صیدا هل یحل اکله لغیره ؟ فقال اخبرنی لیث عن عطاء انه قال لا یحل اکله لاحد**۔ (مصنف عبد الرزاق، باب الصید وذبیحہ والتربص بہ، ج رابع، ص ۳۳۶، نمبر ۸۳۹۲) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ محرم کا ذبح کیا ہوا شکار کسی کے لئے حلال نہیں ہے۔

اور حرم میں کسی شکار کا ذبح کرنا نہ محرم کے لئے حلال ہے اور نہ حلال آدمی کے لئے حلال ہے، (۱) اس کے لئے یہ حدیث ہے۔**عن ابن عباس ؓ ان النبی ﷺ قال ان الله حرم مکة فلم تحل لاحد قبلی .....لا یختلی خلاها، و لا یعضد شجرها، و لا ینفر صیدها**۔ (بخاری شریف، باب لا ینفر صید الحرم، ص ۲۹۶، نمبر ۱۸۳۳/ باب تحریم مکۃ وتحریم

وَالْحَرَمَ، ٢ وَالذَّبْحُ فِي الْحَرَمِ يَسْتَوِي فِيهِ الْحَلَالُ وَالْمُحْرِمُ، وَهَذَا لِأَنَّ الذَّكَاةَ فِعْلٌ مَشْرُوعٌ وَهَذَا الصَّنِيعُ مُحَرَّمٌ فَلَمْ تَكُنْ ذَكَاةً، ٣ بِخِلَافِ مَا إذَا ذَبَحَ الْمُحْرِمُ غَيْرَ الصَّيْدِ أَوْ ذَبَحَ فِي الْحَرَمِ غَيْرَ الصَّيْدِ صَحَّ لِأَنَّهُ فِعْلٌ مَشْرُوعٌ، اذْ الْحَرَمُ لا يُؤْمِنُ الشَّاةَ، وَكَذَا لا يَحْرُمُ ذَبْحُهُ

صیدھا وخلاھا الخ ،ص ۵۷۰، نمبر ۳۳۰۲/۱۳۵۳) اس حدیث میں ہے کہ حرم کے شکار کو بھگایا نہ جائے ،اس لئے اسکو ذبح کرنا نہ محرم کے لئے حلال ہے،اور نہ حلال آدمی کے لئے حلال ہے۔(۲) اس قول تابعی میں ہے کہ حرم کے شکار کو نہیں کھایا جائے گا، قول تابعی یہ ہے۔ان ابن عباس کان ینھی عن اکل الصید اذا ادخل الحرم حیا۔(مصنف عبد الرزاق ، باب الصید یدخل الحرم، ج رابع ،ص ۳۲۳، نمبر ۸۳۳۶) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ حرم کا شکار کسی کے لئے حلال نہیں ہے۔(۳) اس آیت کے اشارۃ النص سے استدلال کیا جا سکتا ہے کہ حرم کے شکار کا ذبح کرنا حلال نہیں ہوگا۔اولم نمکن لھم حرما آمنا یجبی الیہ ثمرات کل شئی۔(آیت ۵۷،سورۃ القصص ،۲۸) اس آیت میں حرما امنا، کہا جس کا مطلب یہ ہے کہ شکار کو امن ہے۔اس لئے اس کو ذبح کرنا حلال نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ١ اور محرم کو مطلق رکھا یہ حل اور حرم دونوں کو۔

تشریح : متن میں ہے کہ محرم شکار کو ذبح نہیں کر سکتا ،اور یہ لفظ مطلق ہے،اس کا مطلب یہ ہے کہ محرم نہ حرم کے شکار کو ذبح کر سکتا ہے،اور نہ حل کے شکار کو ذبح کر سکتا ،اس کے لئے دونوں شکار ممنوع ہیں۔

ترجمہ : ٢ اور شکار کو ذبح کرنا حرم میں اس میں حلال آدمی اور محرم آدمی دونوں شامل ہیں،اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ذبح کرنا مشروع فعل ہے،اور یہ ذبح حرام ہے،اس لئے یہ ذبح نہیں ہوگا۔

تشریح : حرم میں حلال آدمی اور محرم آدمی دونوں شکار کو ذبح کرے گا تو حلال نہیں ہوگا، کیونکہ حرم میں شکار کو ذبح کرنا حرام ہے،اس لئے اس ذبح سے حلال نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ٣ بخلاف محرم ے شکار کے علاوہ پالتو جانور کو ذبح کیا، یا حرم میں ہی شکار کے علاوہ پالتو جانور کو ذبح کیا تو ذبح صحیح ہے،اس لئے کہ یہ مشروع فعل ہے،اس لئے کہ حرم بکری کو پناہ نہیں دیتا،اسی طرح محرم پر پالتو جانور کا ذبح کرنا حرام نہیں ہے

تشریح : محرم شکار کے علاوہ پالتو جاور کو ذبح کیا تو جانور حلال ہو جائے گا،اسی طرح حرم میں پالتو جانور ذبح کیا تو جانور حلال ہوگا۔

وجہ :(۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ حرم پالتو جانور کو پناہ دیتا۔(۲) حدیث میں ہے۔**عن انس.....فلما دخل مکۃ أمرھم ان یحلوا و نحر النبی ﷺ بیدہ سبع بدن قیاما** ۔(بخاری شریف ،باب نحر البدن قائما،ص ۲۷۷، نمبر ۱۷۱۴) اس حدیث میں ہے کہ حضور نے احرام کی حالت میں حرم کے حدود میں اونٹ ذبح کیا۔

ترجمہ :(۲۱۴) اگر ذبح کرنے والے نے جان بوجھ کر بسم اللہ چھوڑ دیا تو ذبیحہ مردہ ہے نہیں کھایا جائے گا اور اگر اس کو بھول کر

عَلَى الْمُحْرِمُ. (۲۱۴)قَالَ وَإِنْ تَرَكَ الذَّابِحُ التَّسْمِيَةَ عَمَدًا فَالذَّبِيحَةُ مَيْتَةٌ لا تُؤْكَلُ وَإِنْ تَرَكَهَا نَاسِيًا أُكِلَ ۱ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: أُكِلَ فِي الْوَجْهَيْنِ. ۲ وَقَالَ مَالِكٌ: لا يُؤْكَلُ فِي

چھوڑ دیا تو کھایا جائیگا۔

وجه :(۱) آیت میں ہے کہ بسم اللہ نہ پڑھا ہو تو مت کھاؤ۔ولا تاكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه وانه لفسق. (آیت ۱۲۱،سورۃ الانعام ۶) (۲)يسئلونک ماذا أحل لهم قل أحل لكم الطيبات و ما علمتم من الجوارح مكلبين تعلمونهن مما علمكم الله فكلوا مما أمسكن عليكم واذكروا اسم الله عليه (آیت ۴،سورۃ المائدۃ ۵)(۳)فكلوا مما ذكر اسم الله عليه ان كنتم بأياته مؤمنين ، و ما لكم ألا تأكلوا مما ذكر اسم الله عليه ، و قد فصل لكم ما حرم عليكم الا ماضطررتم اليه (آیت ۱۱۸، ۱۱۹،سورۃ الانعام ۶)(۴)شکار کے سلسلے میں یہ حدیث گزری۔سمعت عدی بن حاتم ... قال لا تاكل فانک انما سميت على كلبک ولم تسم على الآخر. (بخاری شریف، باب صید امعراض،ص ۹۷۵،نمبر ۵۴۷۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ پڑھا ہو تو کھائے اور نہ پڑھا ہو تو نہ کھائے۔

اور بھول کر بسم اللہ چھوٹ گیا ہو تو کھائے (۱)اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابن عباسؓ ان النبی ﷺ قال المسلم يكفيه اسمه فان نسی ان يسمی حين يذبح فليسم وليذكر اسم الله ثم لياكل. (دار قطنی، کتاب الاشربۃ، ج رابع،ص ۱۹۸،نمبر ۴۷۶۲)(۲)اس قسم کا مفہوم بخاری میں عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے۔وقال ابن عباس من نسی فلا بأس. (بخاری شریف، باب التسمیۃ علی الذبیحۃ ومن ترک متعمدا،ص ۹۷۹،نمبر ۵۴۹۸/سنن للبیہقی، باب من ترک التسمیۃ وھو ممن تحل ذبیحتہ، ج تاسع،ص ۴۰۱،نمبر ۱۸۸۹۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بھول کر بسم اللہ چھوٹ جائے تو حلال ہے کھا سکتا ہے(۳)حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے۔عن عائشةؓ قال ان قوما قالوا للنبی ﷺ ان قوما یاتوننا بلحم لا ندری اذكر اسم الله عليه ام لا؟ فقال سموا عليه انتم و كلوه ۔(بخاری شریف، باب ذبیحۃ الاعراب ونحوھم،ص ۹۸۱،نمبر ۵۵۰۷)اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ بسم اللہ پڑھا یا نہیں پڑھا معلوم نہیں ہے تب بھی حلال ہے۔

نوٹ :مشین سے جانور ذبح کرے اور ٹیپ رکارڈ پر بسم اللہ رکھ دے تو جانور حلال نہیں ہوگا، کیونکہ کسی آدمی نے بسم اللہ نہیں پڑھا۔مشین کا بسم اللہ پڑھنا آدمی کا بسم اللہ پڑھنا نہیں ہے۔

ترجمه :۱ امام شافعیؒ نے فرمایا دونوں صورتوں [بھول کر چھوڑا ہو، یا جان کر چھوڑا ہو] دونوں صورتوں میں کھایا جائے گا۔

تشریح :امام شافعی فرماتے ہیں کہ بھول کر چھوڑ دے یا جان کر چھوڑ دے بشرطیکہ مسلمان یا اہل کتاب ہو دونوں صورتوں میں کھایا جائے گا۔

وجه :(۱)ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابن عباس قال اذا ذبح المسلم فلم يذكر اسم الله فليأكل فان

الْوَجْهَيْنِ ۳؎ **وَالْمُسْلِمُ وَالْكِتَابِيُّ فِي تَرْكِ التَّسْمِيَةِ سَوَاءٌ،** ۴؎ **وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ إِذَا تَرَكَ**

المسلم فيه اسما من اسماء الله ۔(دار قطنی، کتاب الاشربۃ وغیرھا، ج رابع ،ص ۱۹۸، نمبر ۴۷۶۰ر سنن للبیہقی ، باب من ترک التسمیۃ وھو ممن تحل ذبیحتہ، ج تاسع ،ص ۴۰۱ نمبر ۱۸۸۹۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان جان کر بھی بسم اللہ چھوڑ دے تو ذبیحہ حلال ہے کیونکہ اس کے دل میں اللہ کا نام ہے۔(۲) سألت عبد الرحمن بن ابی لیلی عن ذبیحة المسلم ینسی ان یذکر اسم الله ؟ قال تؤکل انما الذبح علی الملة الا تری ان مجوسیا لو ذکر اسم الله علی ذبیحته لم تؤکل ۔(مصنف عبد الرزاق، باب التسمیۃ عند الذبح، ج رابع ،ص ۳۶۷، نمبر ۸۵۷۶) اس قول تابعی میں ہے کہ اگر ذبح کرنے والا مسلمان ہو تو بسم اللہ بھول بھی جائے تو اس کا ذبیحہ حلال ہے۔

نوٹ : امام شافعیؒ کی کتاب، کتاب الام میں یہ مسئلہ تو ہے کہ بھول کر بسم اللہ چھوٹ جائے تو جانور حلال ہے، لیکن جان کر چھوڑے تب بھی حلال ہے یہ نہیں ملا۔

ترجمہ :۲؎ امام مالکؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں نہیں کھایا جائے گا۔

تشریح :امام مالکؒ نے فرمایا کہ بھول کر بسم اللہ چھوڑ دے یا جان کر چھوڑ دے دونوں صورتوں میں کھانا حلال نہیں ہوگا۔

وجہ :وہ فرماتے ہیں آیت لا تاکلوا مما یذکر اسم الله علیه عام ہے کہ کسی حال میں بغیر بسم اللہ کے نہ کھایا جائے چاہے بھول کر چھوٹ جائے چاہے جان کر چھوڑ دے۔

نوٹ :امام مالکؒ نے مؤطاء امام مالک میں یہ حدیث نقل کی ہے۔ عن هشام بن عروة عن ابیه انه قال سئل رسول الله ﷺ فقیل له یا رسول الله ﷺ ان ناسا من اهل البادیة یأتونا بلحمان و لا ندری هل سموا الله علیها ام لا فقال رسول الله سموا الله علیها ثم کلوها ۔(مؤطاء امام مالک، باب کتاب الذکاۃ، باب التسمیۃ علی الذبیحۃ ،ص ۴۸۹) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے یہاں بھی بھول کر بسم اللہ چھوڑ دے تو کھانا حلال ہے۔

ترجمہ : ۳؎ مسلمان اور اہل کتاب بسم اللہ چھوڑنے کے بارے میں برابر ہیں۔

تشریح : مسلمان بسم اللہ چھوڑ دے تو حلال نہیں، اسی طرح اہل کتاب، یعنی یہودی اور نصرانی ذبح کرتے وقت بسم اللہ چھوڑ دے تب بھی حلال نہیں ہے۔

ترجمہ ۴؎ اور اسی اختلاف پر ہے جب کہ باز اور کتا چھوڑتے وقت بسم اللہ چھوڑ دے، یا تیر پھینکتے وقت بسم اللہ چھوڑ دے

تشریح : شکار پر باز چھوڑتے وقت بسم اللہ چھوڑ دے، یا کتا چھوڑتے وقت بسم اللہ چھوڑ دے، یا شکار پر تیر پھینکتے وقت بسم اللہ چھوڑ دے تو اس میں بھی یہی اختلاف ہے کہ حنفیہ کے نزدیک اگر بھول کر بسم اللہ چھوڑا تو حلال ہے اور جان کر چھوڑا تو حلال نہیں، اور امام مالک کے نزدیک دونوں صورتوں میں حلال نہیں ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں حلال ہے

ترجمہ :۵؎ امام شافعیؒ کا یہ قول اجماع کے خلاف ہے اس لئے کہ صحابہ کے زمانے میں اس بات پر اتفاق تھا کہ جان کر

التَّسْمِيَةَ عِنْدَ ارْسَالِ الْبَازِي وَالْكَلْبِ، وَعِنْدَ الرَّمْيِ، ۵ وَهٰذَا الْقَوْلُ مِنَ الشَّافِعِيِّ مُخَالِفٌ لِلْاِجْمَاعِ فَاِنَّهُ لَا خِلَافَ فِيمَنْ كَانَ قَبْلَهُ فِي حُرْمَةِ مَتْرُوكِ التَّسْمِيَةِ عَامِدًا، وَاِنَّمَا الْخِلَافُ بَيْنَهُمْ فِي مَتْرُوكِ التَّسْمِيَةِ نَاسِيًا. فَمِنْ مَذْهَبِ ابْنِ عُمَرَ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا - أَنَّهُ يَحْرُمُ، وَمِنْ مَذْهَبِ عَلِيٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ - أَنَّهُ يَحِلُّ بِخِلَافِ مَتْرُوكِ التَّسْمِيَةِ عَامِدًا، ٦ وَلِهٰذَا قَالَ أَبُو يُوسُفَ وَالْمَشَايِخُ - رَحِمَهُمُ اللّٰهُ -: إِنَّ مَتْرُوكَ التَّسْمِيَةِ عَامِدًا لَا يَسَعُ فِيهِ الِاجْتِهَادُ، وَلَوْ قَضَى الْقَاضِي بِجَوَازِ بَيْعِهِ لَا يَنْفُذُ لِكَوْنِهِ مُخَالِفًا لِلْاِجْمَاعِ، ۷ لَهُ قَوْلُهُ

بسم اللہ چھوڑ دے تو ذبیحہ حرام ہے، صرف اس بارے میں اختلاف تھا کہ بسم اللہ بھول کر چھوڑ دے تو حلال ہوگا یا نہیں، پس حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس بات کی طرف گئے کہ بھول کر چھوڑنے سے بھی حرام ہے، اور عبداللہ ابن عباسؓ اس طرف گئے کہ حلال ہے، بخلاف جان کر بسم اللہ چھوڑنے پر تو سب کے نزدیک ذبیحہ حرام ہے۔

تشریح: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ کا یہ مسلک کہ جان کر بسم اللہ چھوڑے تب بھی ذبیحہ حلال ہے یہ صحابہ کے اجماع کے خلاف ہے، ان حضرات کا اجماع تھا کہ جان کر بسم اللہ چھوڑے تو ذبیحہ حرام ہے، البتہ اس بارے میں اختلاف تھا کہ بھول کر بسم اللہ چھوڑے تو ذبیحہ حلال ہوگا، یا حرام، عبداللہ ابن عمر کی رائے تھی کہ حرام ہے اور عبداللہ ابن عباس کی رائے تھی کہ ذبیحہ حلال ہے۔

وجہ: عبداللہ ابن عمر کا قول امام رازی نے احکام القرآن میں ذکر کیا ہے کہ ایک قصائی نے بھول کر بسم اللہ چھوڑ دیا تو اپنے ایک بچے کو وہاں کھڑا کر دیا کہ لوگ اس کے گوشت کو نہ لیں، کیونکہ یہ حرام ہے۔

عبداللہ بن عباسؓ کا قول یہ ہے۔ عن ابن عباس قال ان فی المسلم اسم اللہ فان ذبح و نسی اسم اللہ فلیأکل ۔ (مصنف عبدالرزاق، باب التسمیۃ عند الذبح، ج رابع، ص ۳۶۸، نمبر ۸۵۷۹) اس قول تابعی میں ہے کہ بھول کر بھی بسم اللہ چھوڑ دے تو ذبیحہ حلال ہے۔

ترجمہ: ٦ اسی لئے امام ابو یوسفؒ نے اور مشائخ نے فرمایا کہ جان کر بسم اللہ چھوڑے تو اس بارے میں اجتہاد کی بھی گنجائش نہیں ہے، اور اگر کوئی قاضی اس کے حلال ہونے کا فتوی دے تو بھی نافذ نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ اجماع کے خلاف ہے

تشریح: امام ابو یوسفؒ اور مشائخ نے فرمایا کہ کوئی اس بارے میں اجتہاد کرنا چاہے تو اس کو اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے، اور کوئی قاضی اس بات کا فتوی دے کہ جان کر بسم اللہ چھوڑنے کے باوجود ذبیحہ حلال ہے تو اس کا یہ فتوی نافذ نہیں کیا جائے گا، کیونکہ یہ صحابہ کے اجماع کے خلاف ہے۔

ترجمہ: ۷ امام شافعیؒ کی دلیل حضور ﷺ کا یہ قول ہے مسلمان اللہ کے نام پر ذبح کرتا ہے، بسم اللہ پڑھا ہو یا نہ پڑھا ہو

– عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – الْمُسْلِمُ يَذْبَحُ عَلَى اسْمِ اللّٰهِ تَعَالَى سَمَّى أَوْ لَمْ يُسَمِّ ۸ وَلِأَنَّ التَّسْمِيَةَ لَوْ كَانَتْ شَرْطًا لِلْحِلِّ لَمَا سَقَطَتْ بِعُذْرِ النِّسْيَانِ كَالطَّهَارَةِ فِي بَابِ الصَّلَاةِ، ۹ وَلَوْ كَانَتْ شَرْطًا فَالْمِلَّةُ أُقِيمَتْ مَقَامَهَا كَمَا فِي النَّاسِي، ۱۰ وَلَنَا الْكِتَابُ وَهُوَ قَوْلُ تَعَالَى ﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ [الأنعام: ۱۲۱] الْآيَةَ، نَهْيٌ وَهُوَ لِلتَّحْرِيمِ. وَالْإِجْمَاعُ

تشریح : یہ امام شافعیؒ کی جانب سے دلیل ہے، یہ حدیث تو نہیں ملی لیکن اس کے قریب کا مفہوم اس حدیث میں ہے ۔عن ابن عباس ان النبی ﷺ قال المسلم یکفیه اسمه فان نسی ان یسمی حین یذبح فیسم و لیذکر اسم الله ثم لیأکل (دار قطنی ، کتاب الاشربة وغیرھا، ج رابع ،ص ۱۹۸، نمبر ۴۷۶۲ رسنن للبیہقی ، باب من ترک التسمیة وھو ممن تحل ذبیحته، ج تاسع ،ص ۴۰۱ نمبر ۱۸۸۹۰) یہ قول صحابی حضرت امام شافعیؒ کی دلیل بن سکتی ہے۔ عن ابن عباس قال اذا ذبح المسلم فلم یذکر اسم الله فلیأکل فان المسلم فیه اسما من اسماء الله ۔(دار قطنی ، کتاب الاشربة وغیرھا، ج رابع ،ص ۱۹۸، نمبر ۴۷۶۰ رسنن للبیہقی ، باب من ترک التسمیة وھو ممن تحل ذبیحته، ج تاسع ،ص ۴۰۱ نمبر ۱۸۸۹۱)، اس قول صحابی میں ہے کہ بسم اللہ چھوڑ دے، اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ جان کر چھوڑے، یا بھول کر چھوڑے اس لئے یہ قول صحابی امام شافعیؒ کی دلیل بن سکتی ہے۔

ترجمہ : ۸ اور اس لئے کہ اگر بسم اللہ حلال ہونے کے لئے شرط ہو تو بھول کے عذر کی وجہ سے بھی ساقط نہ ہو، جیسے بھول کے عذر سے نماز میں وضو ساقط نہیں ہوتا۔

تشریح : یہ امام شافعیؒ کی جانب سے دلیل عقلی ہے۔بسم اللہ پڑھنا شرط ہو تو پھر بھول کر چھوڑ دے تب بھی ذبیحہ حلال نہیں ہونا چاہئے، جیسے بھول کر وضو چھوڑ دے تو نماز درست نہیں ہوتی۔

ترجمہ : ۹ اگر بسم اللہ پڑھنا شرط ہی ہو تو ذبح کرنے والا مسلمان ہو تو یہ مذہب بسم اللہ کے قائم مقام ہو جائے گا، جیسے کہ بھولنے کے وقت اسلام ہونا بسم اللہ کے قائم مقام ہو جاتا ہے

تشریح : یہ امام شافعیؒ کی جانب سے دوسری دلیل ہے کہ بسم اللہ پڑھنا شرط ہو تو مسلمان ہونا ہی اس شرط کے قائم مقام ہو جائے گا، جیسے بھول کر چھوڑ دے تو اسلام ہونا بسم اللہ کی قائم مقام ہو جاتا ہے۔

وجہ:اس قول تابعی میں ہے کہ مذہب ہی بسم اللہ کے قائم مقام ہو جائے گا۔ سألت عبد الرحمن بن ابی لیلی عن ذبیحة المسلم ینسی ان یذکر اسم الله ؟ قال تؤکل انما الذبح علی الملة الا تری ان مجوسیا لو ذکر اسم الله علی ذبیحته لم تؤکل ۔(مصنف عبد الرزاق، باب التسمیة عند الذبح، ج رابع ،ص ۳۶۷، نمبر ۸۵۷۶)

ترجمہ : ۱۰ اور ہماری دلیل اللہ تعالی کا قول ہے۔ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم الله علیه وانه لفسق.(آیت

وَهُوَ مَا بَيَّنَّا. وَالسُّنَّةُ وَهُوَ حَدِيثُ عَدِيّ بْنِ حَاتِمٍ الطَّائِيِّ – رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ – فَإِنَّهُ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – قَالَ فِي آخِرِهِ فَإِنَّكَ إِنَّمَا سَمَّيْتَ عَلَى كَلْبِكَ وَلَمْ تُسَمِّ عَلَى كَلْبِ غَيْرِكَ عَلَّلَ الْحُرْمَةَ بِتَرْكِ التَّسْمِيَةِ. ١١ وَمَالِكٌ يَحْتَجُّ بِظَاهِرِ مَا ذَكَرْنَا، اذْ لَا فَصْلَ فِيهِ ١٢ وَلَكِنَّا نَقُولُ: فِي اعْتِبَارِ ذَلِكَ مِنَ الْحَرَجِ مَا لَا يَخْفَى، لِأَنَّ الْإِنْسَانَ كَثِيرُ النِّسْيَانِ وَالْحَرَجُ

١٢١، سورة الانعام ٦) اس آیت میں نہی ہے جو تحریم کے لئے آتا ہے، اور اجماع صحابہ بھی ہے، جسکو ہم نے پہلے بیان کیا، اور حضرت عدی بن حاتم کی حدیث ہے جس میں حضورؐ نے آخیر میں فرمایا کہ تم نے اپنے کتے پر بسم اللہ پڑھا ہے دوسرے کے کتے پر بسم اللہ نہیں پڑھا، حرام ہونے کی علت بسم اللہ چھوڑنے کو فرمائی۔

تشریح: حنفیہ کے یہاں جان کر بسم اللہ چھوڑنے سے جانور حرام ہوگا اس کی تین دلیلیں بیان فرما رہے ہیں۔[١] ایک تو اوپر کی آیت، اس میں لا تأ کلوا، نہی کا صیغہ فرمایا جو حرام ہونے کے لئے آتا ہے۔[٢] دوسرا یہ صحابہ کا اجماع ہے کہ جان کر بسم اللہ چھوڑے گا تو جانور حرام ہوگا، اس کو اوپر بیان کر چکے ہیں۔[٣] حضرت عدی بن حاتم کی حدیث میں ہے کہ اپنے کتے پر بسم اللہ پڑھے ہو دوسرے کے کتے پر نہیں، اس لئے دوسرے کے کتے نے شکار کیا تو اس کو مت کھاؤ، اس لئے اس کو چھوڑتے وقت بسم اللہ نہیں پڑھا گیا ہے۔

وجه: حدیث یہ ہے سمعت عدی بن حاتم ... قال لا تاکل فانک انما سمیت علی کلبک ولم تسم علی الآخر. (بخاری شریف، باب صید المعراض، ص٩٧٥، نمبر ٥٤٧٦) ان سب دلیلوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جان کر بسم اللہ چھوڑنے سے جانور حرام ہوگا۔

ترجمه: ١١ امام مالکؒ آیت کے ظاہری سے حجت پکڑتے ہیں جسکو ہم نے ذکر کیا، اس لئے کہ اس آیت میں بھول کی تفصیل نہیں ہے۔

تشریح: امام مالکؒ کی دلیل یہ ہے کہ آیت مطلق ہے اسمیں یہ تفصیل نہیں ہے کہ بھول کر چھوڑ دے تو حلال ہوگا، اس میں مطلقا یہ ہے کہ جس پر بسم نہیں پڑھا گیا ہو اس کو مت کھاؤ اس لئے بھول سے بھی بسم اللہ چھوڑ دے تو جانور حلال نہیں ہوگا۔

ترجمه: ١٢ لیکن ہم کہتے ہیں کہ اس کے اعتبار کرنے میں اتنا حرج ہے جو پوشیدہ نہیں ہے، اس لئے کہ انسان بہت بھولتا ہے، اور شریعت میں حرج مدفوع ہے۔

تشریح: امام مالک کو ہمارا جواب یہ ہے کہ آیت کو مطلق رکھا جائے تو اس میں بہت حرج ہے، کیونکہ انسان بہت بھولتا ہے ، اور شریعت میں حرج دفع کیا گیا ہے، اس لئے یہ کہا جائے گا کہ بھول سے بسم اللہ چھوڑ دے تب بھی جانور حلال ہوگا۔

ترجمه: ١٣ اور آیت اپنی ظاہری پر جاری نہیں ہے اس لئے کہ اگر ظاہری مراد لی جائے تو صحابہ کے زمانے میں اس پر

مَدْفُوعٌ ۱۳؎ وَالسَّمْعُ غَيْرُ مُجْرًى عَلَى ظَاهِرِهِ، اِذْ لَوْ اُرِيدَ بِهِ لَجَرَتْ الْمُحَاجَّةُ وَظَهَرَ الِانْقِيَادُ وَارْتَفَعَ الْخِلَافُ فِي الصَّدْرِ الْأَوَّلِ. ۱۴؎ وَالْإِقَامَةُ فِي حَقِّ النَّاسِي وَهُوَ مَعْذُورٌ لَا يَدُلُّ عَلَيْهَا فِي حَقِّ الْعَامِدِ وَلَا عُذْرَ، وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى حَالَةِ النِّسْيَانِ ۱۵؎ ثُمَّ التَّسْمِيَةُ فِي ذَكَاةِ الِاخْتِيَارِ تُشْتَرَطُ عِنْدَ الذَّبْحِ وَهِيَ عَلَى الْمَذْبُوحِ. وَفِي الصَّيْدِ تُشْتَرَطُ عِنْدَ الْإِرْسَالِ وَالرَّمْيِ وَهِيَ عَلَى الْآلَةِ، لِأَنَّ الْمَقْدُورَ لَهُ فِي الْأَوَّلِ الذَّبْحُ وَفِي الثَّانِي الرَّمْيُ وَالْإِرْسَالُ دُونَ الْإِصَابَةِ

حجت پکڑی جاتی، اورسب اس کے فرمابردار ہوجاتے، اورشروع زمانے ہی میں اختلاف ختم ہوجاتا۔

تشریح : یہ امام مالک کودوسرا جواب ہے کہ اگر آیت اپنی ظاہری پر ہوتی تو صحابہ اس سے حجت پکڑتے، اورسب اس بات پر متفق ہوجاتے کہ بھول کر چھوڑنے سے بھی جانور حلال نہیں ہوگا، حالانکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ اس کے خلاف حدیث موجود ہے کہ بھول کر بسم اللہ چھوٹ جائے تو حلال ہے۔

لغت:السمع: سمع سے مراداوپر کی آیت ہے۔

ترجمہ : ۱۴؎ مسلمان ہونا بھولنے والے کے حق میں ہے، لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ جان کر چھوڑنے کے حق میں بھی ہو، اور حدیث جو بیان کی وہ بھولنے کی حالت پر محمول کی جائیگی

تشریح : یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، مسلمان ہونا بھول کے وقت میں بسم اللہ کے قائم مقام ہے کیونکہ وہ مجبور ہے، لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ جان کر چھوڑنے کے وقت بھی قائم مقام ہو کیونکہ وہ مجبور نہیں ہے۔ اور امام شافعیؒ نے جو حدیث پیش کی ہے وہ بھول کر چھوڑنے پر محمول ہے۔

ترجمہ : ۱۵؎ اور اختیاری ذبح میں بسم اللہ پڑھنا ذبح کے وقت شرط ہے، اور جانور پر بسم اللہ پڑھے، اور شکار میں شکار ی کتے کو بھیجتے اور تیر پھینکتے کے وقت شرط ہے، اور بسم اللہ آلے پر پڑھا جائے گا، اس لئے کہ پہلے میں ذبح کی قدرت ہے، اور دوسرے میں پھینکنے اور بھیجنے کی قدرت ہے شکار کو پکڑنے کی قدرت نہیں ہے، اس لئے جس فعل کی قدرت ہو اس میں بسم اللہ پڑھنا شرط ہے۔

تشریح : جس وقت اختیار ذبح کر رہا ہو تو ذبح کرتے وقت جانور پر بسم اللہ پڑھے، کیونکہ اس کو اسی وقت قدرت ہے، اور شکار کرنے کی شکل میں کتے کو شکار پر بھیجتے وقت اور تیر پھینکتے وقت بسم اللہ پڑھے اور گویا کہ شکار کے آلے پر بسم اللہ پڑھے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو شکار کو زندہ پکڑنے کی قدرت نہیں ہے، صرف تیر پھینکنے کی قدرت ہے اس لئے تیر پھینکتے وقت ہی بسم اللہ پڑھے۔۔۔اصابۃ: پکڑنا، پہنچنا۔

ترجمہ ۱۶؎ یہاں تک کہ اگر بکری کو لٹایا اور اس پر بسم اللہ پڑھا پھر اسی بسم اللہ سے دوسری بکری ذبح کر دی تو حلال نہیں ہوگی

فَتُشْتَرَطُ عِنْدَ فِعْلٍ يَقْدِرُ عَلَيْهِ، ۱۶؎ حَتّٰى إِذَا أَضْجَعَ شَاةً وَسَمَّى فَذَبَحَ غَيْرَهَا بِتِلْكَ التَّسْمِيَةِ لَا يَجُوزُ. ۱۷؎ وَلَوْ رَمٰى إِلٰى صَيْدٍ وَسَمَّى وَأَصَابَ غَيْرَهُ حَلَّ، وَكَذَا فِي الْإِرْسَالِ، ۱۸؎ وَلَوْ أَضْجَعَ شَاةً وَسَمَّى ثُمَّ رَمٰى بِالشَّفْرَةِ وَذَبَحَ بِالْأُخْرَى أُكِلَ، ۱۹؎ وَلَوْ سَمّٰى عَلٰى سَهْمٍ ثُمَّ رَمٰى بِغَيْرِهِ صَيْدًا لَا يُؤْكَلُ. (۲۱۵)قَالَ وَيُكْرَهُ أَنْ يَذْكُرَ مَعَ اسْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى شَيْئًا غَيْرَهُ. وَأَنْ يَقُولَ

تشریح : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اختیاری ذبح کرتے وقت اس جانور کا اعتبار ہوگا جس پر بسم اللہ پڑھا۔ بکری کو لٹا کر اس پر بسم اللہ پڑھا، پھر اس کو چھوڑ کر دوسری بکری کو بغیر بسم الل پڑھے ذبح کر دی تو وہ حلال نہیں ہوگی، کیونکہ اس بکری پر بسم اللہ نہیں پڑھا ہے۔۔۔۔اضجع : لٹانا۔

ترجمہ : ۱۷؎ اگر شکار پر تیر پھینکا اور اس پر بسم اللہ، لیکن وہ تیر دوسرے کو لگ گیا تو وہ شکار حلال ہے، یہی حال ہے کتا چھوڑنے کا۔

تشریح : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جس تیر یا کتے پر بسم اللہ پڑھا وہ اصل ہے، وہ جسکو لگ جائے وہی جانور حلال ہوگا۔ تیر پر بسم اللہ پڑھ کر اس کو ایک شکار پر پھینکا، یا کتے پر بسم اللہ پڑھ کر اس کو ایک شکار پر چھوڑا، لیکن وہ تیر دوسرے جانور کو لگ گیا، یا کتے نے دوسرے جانور کو پکڑ لیا تو جس جانور کو پکڑا وہ حلال ہوگا، کیونکہ اس تیر، یا اس کتے پر بسم اللہ پڑھا ہے۔

ترجمہ :۱۸؎ اگر بکری کو لٹایا اور بسم اللہ پڑھا، پھر اس چھری کو پھینک دی اور دوسرے سے ذبح کیا تو کھایا جائے گا۔

تشریح : یہ مسئلہ بھی اس اصول پر ہے کہ اختیاری ذبح میں بکری مذبوح کا اعتبار ہے چھری کا اعتبار نہیں۔ بکری لٹا کر اس پر بسم اللہ پڑھا، اور اس وقت جو چھری ہاتھ میں تھی اس کو پھینک دی او دوسری چھری سے اسی بکری کو ذبح کیا تو بکری حلال ہے، کیونکہ اس بکری پر بسم اللہ پڑھ چکا ہے، چاہے چھری بدل گئی ہو۔۔۔ شفرۃ : لمبی چھری۔

ترجمہ : ۱۹؎ اگر ایک تیر پر بسم اللہ پڑھا، پھر دوسرے تیر کو شکار پر پھینکا تو حلال نہیں ہے۔

تشریح : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اضطراری ذبح میں تیر کا اعتبار ہے، جس شکار پر پھینکا گیا اس کا نہیں۔ ایک تیر پر بسم اللہ پڑھا، پھر اس تیر کو چھوڑ کر دوسرے تیر کو شکار پر پھینکا جس پر بسم اللہ نہیں پڑھا تو یہ شکار حلال نہیں ہوگا، کیونکہ بسم اللہ والے تیر سے حلال نہیں ہوا ہے، چاہے شکار وہی ہو۔

ترجمہ: (۲۱۵) مکروہ ہے کہ اللہ کے نام کے ساتھ کسی دوسرے کا نام لے، مثلا ذبح کرنے والا کہے اللھم تقبل من فلان

اصول : یہاں اصول یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی اور کے نام پر ذبح کرنے کا شائبہ ہوتو ایسے جملے کے استعمال کرنے سے جانور حرام ہو جائے گا۔

تشریح :ذبح کرتے وقت صرف اللہ کا نام لینا چاہئے کسی اور کے نام پر ذبح کرنے سے جانور حرام ہو جائے گا۔

عِنْدَ الذَّبْحِ: اللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ فُلَانٍ ا وَهٰذِهِ ثَلَاثُ مَسَائِلَ: احْدَاهَا أَنْ يَذْكُرَ مَوْصُولًا لَا مَعْطُوفًا فَيُكْرَهُ وَلَا تَحْرُمُ الذَّبِيحَةُ. وَهُوَ الْمُرَادُ بِمَا قَالَ. وَنَظِيرُهُ أَنْ يَقُولَ: بِاسْمِ اللّٰهِ مُحَمَّد رَسُول اللّٰهِ. لِأَنَّ الشِّرْكَةَ لَمْ تُوجَدْ فَلَمْ يَكُنِ الذَّبْحُ وَاقِعًا لَهُ. إِلَّا أَنَّهُ يُكْرَهُ لِوُجُودِ الْقِرَانِ صُورَةً فَيُتَصَوَّرُ بِصُورَةِ الْمُحَرَّمِ. ٢ وَالثَّانِيَةُ أَنْ يَذْكُرَ مَوْصُولًا عَلَى وَجْهِ الْعَطْفِ وَالشِّرْكَةِ بِأَنْ

وجه : (۱) آیت میں ہے۔ حرمت عليكم الميتة و الدم و لحم الخنزير و ما احل لغير الله به ، و المنخنقة و الموقوذة و المتردية و النطيحة و ما أكل السبع الا ما ذكيتم و ما ذبح على النصب و ان تستقسموا بالازلام ذالكم فسق ۔ (آیت ۳، سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں ہے, و ما احل لغير الله به، کہ جس پر اللہ کے علاوہ کا نام لیا گیا ہو وہ حرام ہے (۲) اور اس آیت میں ہے کہ اللہ کا نام لیا گیا ہو اسی جانور کو کھاؤ ۔ فكلوا مما ذكر اسم الله عليه ان كنتم بأياته مؤمنين ، و ما لكم ألا تأكلوا مما ذكر اسم الله عليه ، و قد فصل لكم ما حرم عليكم الا ماضطررتم اليه (آیت ۱۱۸، ۱۱۹، سورۃ الانعام ۶) باقی تفصیل آگے آرہی ہے۔

ترجمہ : ١ یہاں تین مسئلے ہیں [۱] ایک یہ کہ دوسری باتیں متصلا ذکر کی گئیں ہوں لیکن عطف کے ساتھ نہ ہو، تو یہ مکروہ ہے، ذبیحہ حرام نہیں ہے، اور متن میں جو کہا اس سے یہی صورت مراد ہے، مثلا کہے، بسم اللہ محمد رسول اللہ، اس لئے کہ اللہ کے ساتھ شرکت نہیں پائی گئی، اس لئے ذبح دوسرے کے لئے واقع نہیں ہوا، مگر یہ صورت مکروہ ہے اس لئے کہ صورت میں اتصال پایا گیا اس لئے مکروہ تحریمی کی صورت اختیار کر گئی۔

تشریح : اللہ کے نام کے ساتھ دوسرے نام کو ذکر کرنے کی تین صورتیں ہیں [۱] پہلی صورت یہ ہے کہ اللہ کے نام کے ساتھ متصل کر کے کسی کا نام ذکر کیا ہو، لیکن حرف عطف کے ساتھ نہ ہو، مثلا یوں کہے، باسم اللہ محمد رسول اللہ، اس عبارت میں محمد رسول اللہ کو اللہ پر عطف نہیں کیا ہے، اس لئے اس کے نام پر ذبح کرنے کی شرکت نہیں پائی گئی ۔ لیکن اللہ کے ساتھ متصل ضرور ہے، اس لئے شرکت کا وہم ہے اس لئے جملہ استعمال کرنا مکروہ ہے۔

ترجمہ : ٢ دوسری صورت یہ ہے کہ دوسرے کا نام متصلا ذکر کرے حرف عطف، اور شرکت کے ساتھ، مثلا، بسم الله و اسمِ فلان ۔۔۔ یا کہے، بسم الله و فلانِ ۔۔۔ یا کہے، بسم الله و محمدِ رسول الله ۔۔۔ محمد کے دال کے کسرے کے ساتھ، تو ان صورتوں میں ذبیحہ حرام ہوگا، اس لئے کہ اللہ کے علاوہ کا نام پکارا گیا ہے۔

تشریح : دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ کے نام کے ساتھ دوسرے کا نام متصلا ذکر کرے، اور حرف عطف کے ساتھ شرکت بھی کرے تو اس صورت میں ذبیحہ حرام ہوگا ، کیونکہ اللہ کے نام کے ساتھ دوسرے کا نام بھی پکارا ہے، مصنف نے اس کی تین مثالیں ذکر کی ہیں۔ بسم الله و اسمِ فلان ۔۔۔ یا کہے، بسم الله و فلانِ ۔۔۔ یا کہے، بسم الله و محمدِ رسول

يَقُولَ: بِاسْمِ اللّٰهِ وَاسْمِ فُلَانٍ، أَوْ يَقُولَ: بِاسْمِ اللّٰهِ وَفُلَانٍ. أَوْ بِاسْمِ اللّٰهِ وَمُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ بِكَسْرِ الدَّالِ فَتَحْرُمُ الذَّبِيحَةُ لِأَنَّهُ أَهَلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ. ۳؎ وَالثَّالِثَةُ أَنْ يَقُولَ مَفْصُولًا عَنْهُ صُورَةً وَمَعْنًى بِأَنْ يَقُولَ قَبْلَ التَّسْمِيَةِ وَقَبْلَ أَنْ يُضْجِعَ الذَّبِيحَةَ أَوْ بَعْدَهُ، وَهَذَا لَا بَأْسَ بِهِ لِمَا رُوِيَ عَنْ النَّبِيِّ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَنَّهُ قَالَ بَعْدَ الذَّبْحِ اللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ هَذِهِ عَنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ مِمَّنْ

الله،۔۔محمد کے دال کے کسرے کے ساتھ،توان صورتوں میں ذبیحہ حرام ہوگا،اس لئے کہ اللہ کے علاوہ کا نام پکارا گیا ہے۔

لغت:اُھل: کا ترجمہ ہے کسی کے نام کا شور مچانا،کسی کے نام پر ذبح کرنا۔

ترجمہ : ۳؎ تیسری صورت یہ ہے کہ بسم اللہ سے بالکل الگ ہوصورت کے اعتبار سے اور معنی کے اعتبار سے بھی،مثلا بسم اللہ سے پہلے کہہ لے، یا جانور کولٹانے سے پہلے کہہ لے، یالٹانے کے بعد کہے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے، کیونکہ حضورؐ سے روایت ہے آپ نے ذبح کے بعد کہا، اللھم تقبل هذه عن امة محمد ممن شهد لک بالوحدانية لی بالبلاغ۔

تشریح : تیسری صورت یہ ہے کہ صورت کے اعتبار سے اور معنی کے اعتبار سے یہ جملہ بسم اللہ سے الگ ہو،اور یہ محسوس نہیں ہوتا ہو کہ اس کے نام پر ذبح کر رہا ہے تو جائز ہے،حضورؐ نے بسم اللہ سے پہلے اور بسم اللہ کے بعد دعائیہ جملہ استعمال کیا ہے

وجه :(۱)صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن عبد الرحمن بن جابر بن عبد الله عن ابيه ان النبی ﷺ اتی بكبشين املحين اقرنين عظمين موجوئين فاضجع احدهما فقال بسم الله و الله اكبر اللهم هذا عن محمد ثم اضجع الآخر فقال بسم الله و الله اكبر اللهم هذا عن محمد و امته ممن شهد لک بالتوحيد و شهد لی بالبلاغ فذبحه۔(سنن بیہقی، باب الرجل یضحی عن نفسہ وعن اھل بیتہ، ج تاسع ص۴۴۸،نمبر ۱۹۰۴۸)،اس دعا میں فصل کر کے اللھم کہا ہے، دوسری عبارت میں بھی فصل کر کے اللھم کہا ہے اس لئے یہ جائز ہے، دوسری بات یہ یہ قبولیت کے لئے اللہ سے دعا کر رہا ہے،اس میں کسی اور کے نام پر ذبح کرنا نہیں ہے اس لئے اس قسم کی دعا جائز ہے۔(۲)اس کی تائید میں مسلم شریف کی حدیث یہ ہے، جو بسم اللہ کے بعد دعا ہے ۔عن عائشة ان رسول الله أمر بكبش اقرن ....و أخذ الكبش فأضجعه ثم ذبحه ثم قال باسم الله اللهم تقبل من محمد و آل محمد و من امة محمد ثم ضحى به ۔(مسلم شریف، باب استحباب استحسان الضحیۃ ،الخ ص۸۷۸،نمبر ۱۹۶۷/۵۰۹۱/ابوداود شریف، باب مایستحب من الضحایا،ص ۴۰۷،نمبر ۲۷۹۲)اس میں حضورؐ نے بسم اللہ کے بعد فصل کر کے امت کے لیءدعا کی ہے۔(۳)بسم اللہ سے پہلے دعا کی حدیث یہ ہے۔عن جابر بن عبد الله قال ذبح النبی ﷺ يوم الذبح كبشين أقرنين أملحين مؤجئين فلما وجههما قال انی وجهت وجهی للذی فطر السموات و الارض علی ملة ابراهيم حنيفا و

شَهِدَ لَکَ بِالْوَحْدَانِیَّةِ وَلِی بِالْبَلَاغِ ؏ وَالشَّرْطُ هُوَ الذِّکْرُ الْخَالِصُ الْمُجَرَّدُ عَلَى مَا قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ – رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ – جَرِّدُوا التَّسْمِیَةَ حَتَّى لَوْ قَالَ عِنْدَ الذَّبْحِ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِی لَا یَحِلُّ لِأَنَّهُ دُعَاءٌ وَسُؤَالٌ، ؎ وَلَوْ قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ أَوْ سُبْحَانَ اللّٰهِ یُرِیدُ التَّسْمِیَةَ حَلَّ، ؐ وَلَوْ عَطَسَ عِنْدَ الذَّبْحِ فَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ لَا یَحِلُّ فِی أَصَحِّ الرِّوَایَتَیْنِ. لِأَنَّهُ یُرِیدُ بِهِ الْحَمْدَ لِلّٰهِ عَلَى نِعَمِهِ دُونَ التَّسْمِیَةِ. ؏ وَمَا تَدَاوَلَتْهُ الْأَلْسُنُ عِنْدَ الذَّبْحِ وَهُوَ قَوْلُهُ بِاسْمِ اللّٰهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ مَنْقُولٌ عَنْ ابْنُ عَبَّاسٍ – رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا – فِی قَوْله تَعَالَى ﴿فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهَا صَوَافَّ﴾ [الحج:

ما انا من المشرکین ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی لله رب العالمین لا شریک له و بذالک أمرت و انا من المسلمین اللهم منک و لک عن محمد و أمته بسم الله و الله اکبر ثم ذبح ۔(ابوداود شریف، باب مایستحب من الضحایا،ص ۴۰۷،نمبر ۲۷۹۵)اس حدیث میں بسم اللہ سے پہلے دعا پڑھی ہے۔

ترجمه :؏ اور شرط یہ ہے کہ خالص اللہ کا ذکر ہو،جیسا کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود نے کہا کہ خالص بسم اللہ پڑھو، یہی وجہ ہے کہ ذبح کرتے وقت اللھم اغفر لی کہا تو تو جانور حلال نہیں ہوگا اس لئے کہ یہ ذکر نہیں ہے بلکہ دعا اور سوال ہے۔

تشریح :ذبح کرتے وقت اللہ کا نام اور اس کا ذکر ہونا چاہئے ،اللہ سے سوال اور دعا نہیں ہونی چاہئے ،اگر سوال اور دعا ہوئی تو اس سے جانور حلال نہیں ہوگا۔ چنانچہ اللھم اغفر لی کہا تو اس سے جانور حلال نہیں ہوگا۔

نوٹ :صاحب ہدایہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود کا جو قول ذکر کیا ہے، وہ قرآن کے بارے میں ہے بسم اللہ کے بارے میں نہیں ہے،قول یہ ہے۔ جردو القرآن, یقول لا تلبسو به ما لیس منه۔(مصنف عبد الرزاق، باب ما یکره ان یصنع فی المصاحف، ج رابع ،ص ۲۵۰،نمبر ۷۹۴۴)اس صحابی کے قول میں ہے کہ قرآن کو اس کے علاوہ سے خالی رکھو۔

ترجمه :؎ اور اگر کہا, الحمد لله ، یا سبحان الله، اور اس سے بسم اللہ مراد لیا ہو تو جانور حلال ہو جائے گا۔

تشریح :الحمد لله ،یا سبحان الله یہ خالص ذکر ہے، دعا اور سوال نہیں ہے اس لئے اس سے جانور حلال ہو جائے گا

ترجمه : ؐ اور اگر ذبح کے وقت چھینکا اور الحمد للہ، کہا تو صحیح روایت میں حلال نہیں ہوگا کیونکہ یہ چھینک کی نعمت پر شکر یہ ادا کر رہا ہے،بسم اللہ نہیں پڑھ رہا ہے۔

تشریح :واضح ہے۔

ترجمه : ؏ اور یہ جو لوگوں کی زبان پر ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر ہے یہ عبد اللہ بن عباسؓ فاذکروا اسم اللہ علیھا صواف کی تفسیر میں منقول ہے۔

تشریح : ذبح کرتے وقت عام طور پر لوگ بسم اللہ اللہ اکبر، کہتے ہیں، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی آیت

٣٦] (٢١٦)قَالَ وَالذَّبْحُ بَيْنَ الْحَلْقِ وَاللَّبَّةِ١ وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِير: لَا بَأْسَ بِالذَّبْحِ فِي الْحَلْقِ كُلِّهِ ووَسْطِهِ وَأَعْلَاهُ وَأَسْفَلِهِ، ٢وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – الذَّكَاةُ مَا بَيْنَ اللَّبَّةِ وَاللَّحْيَيْنِ ، وَلِأَنَّهُ مَجْمَعُ الْمَجْرَى وَالْعُرُوقِ فَيَحْصُلُ بِالْفِعْلِ فِيهِ انْهَارُ الدَّمِ عَلَى أَبْلَغِ

کی تفسیر میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے یوں فرمایا ہے، کہ ذبح کے وقت اللہ کے ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ بسم اللہ اللہ اکبر، کہہ کر ذبح کرو۔

وجه :(۱) عبداللہ ابن عباس کی تفسیر یہ۔عن ابن عباس ؓ قال قلت له قوله عز و جل ،﴿ و البدن جعلنا ها لكم من شعائر الله لكم فيها خير فاذكروا اسم الله عليها صواف﴾ ۔(آیت ۳۶،سورۃ الحج ۲۲)قال اذا اردت ان تنحر البدنة فاقمها ثم قل الله اكبر ، الله اكبر منک و لک ثم سم ثم انحرها قال قلت و اقول ذالک فی الضحية ؟ قال و الاضحية . (مستدرک للحاکم، باب تفسیر سورۃ الحج، ج ثانی، ص ۴۲۲، نمبر ۳۴۶۶)اس حدیث میں سورت حج کی تفسیر میں فرمایا کہ بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرے۔(۲) بسم اللہ اللہ اکبر کا ذکر اس حدیث میں بھی ہے۔عن جابر بن عبد الله قال ذبح النبی ﷺ يوم الذبح..... بسم الله و الله اكبر ثم ذبح۔(ابوداود شریف، باب مایستحب من الضحایا، ص ۴۰۷، نمبر ۲۷۹۵)اس حدیث میں بسم اللہ اللہ اکبر، کہہ کر جانور ذبح کیا

ترجمه : (۲۱۶) ذبح حلق اور سینہ کی ہڈی کی درمیان ہوتا ہے۔

تشريح :ذبح کا طریقہ یہ ہے کہ حلق اور سینہ کی ہڈی جو ہوتی ہے اس کے درمیان میں چھری سے ذبح کرتے ہیں۔

وجه : صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے ۔عن ابی هريرة قال بعث رسول الله بديل بن ورقاء الخزاعی علی جمل اورق يصبح فی فجاج منی الا ان الذكاة فی الحلق و اللبة ۔(سنن دارقطنی، ج رابع، ص ۱۸۸، نمبر ۴۷۰۹ ربخاری شریف، باب النحر والذبح ص ۲۲۸ نمبر ۵۵۱۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حلق اور لبہ یعنی سینے کی ہڈی کے درمیان ذبح کرے۔۔۔۔ لبۃ : سینہ کے اوپر کی ہڈی۔

ترجمه :١ جامع صغیر میں یہ ہے کہ پورے حلق پر ذبح کرنے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے، چاہے اوپر ہو، چاہے اوسط ہو، یا نیچے کے حصے میں ہو۔

تشريح :حلق اور سینے کی ہڈی کے درمیان کہیں بھی ذبح کرے گا تو جانور حلال ہو جائے گا۔جامع صغیر کی عبارت یہ ہے ۔لا بأس بالذبح فی الحلق کله وسطه، أعلاه، وأسفله۔(جامع صغیر، باب کتاب الذبح، ص ۴۷۱)اس عبارت میں ہے کہ حلق پر اوپر، درمیان اور نیچے کہیں بھی ذبح کرے تو جانور حلال ہو جائے گا

ترجمه :٢ اور اصل اس میں حضور کا قول ہے کہ ذبح کرنا سینے کی ہڈی اور جبڑے کے درمیان ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ

الْوُجُوهِ فَكَانَ حُكْمُ الْكُلِّ سَوَاءً. (۲۱۷)قَالَ وَالْعُرُوقُ الَّتِي تُقْطَعُ فِي الذَّكَاةِ أَرْبَعَةٌ: الْحُلْقُومُ، وَالْمَرِيءُ، وَالْوَدجَانِ‌ا لِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – أَفْرِ الْأَوْدَاجَ بِمَا شِئْتَ .

یہاں تمام رگیں جمع ہوتی ہیں اس لئے یہاں ذبح کرنے سے پورا خون نکل جائے گا، اس لئے یہاں ہر جگہ کا حکم برابر ہوگا۔

وجہ :(۱) صاحب ہدایہ کی پیش کردہ حدیث یہ ہے، جس میں ہے کہ حلق اور سینے کی ہڈی کے درمیان ذبح کرے۔ **عن ابی هريرة قال بعث رسول الله بديل بن ورقاء الخزاعی علی جمل اورق يصبح فی فجاج منی، الا ان الذكاة فی الحلق و اللبة** ۔(سنن دار قطنی، ج رابع، ص ۱۸۸، نمبر ۴۷۰۹ /بخاری شریف، باب النحر والذبح ص ۲۲۸ نمبر ۵۵۱۰)(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ اس مقام پر تمام رگیں جمع ہوتی ہیں اور کھانے کی نالی بھی ہے، اور سانس کی نالی بھی ہے اس لئے یہاں کاٹنے سے سب نالیاں کٹ جائیں گی، اور سارا خون نکل جائے گا، اور جانور کا گوشت خون سے الگ ہو جائے گا۔

لغت : مجری: جاری سے مشتق ہے، کھانا اور سانس کے جاری ہونے کی جگہ۔

ترجمہ :(۲۱۷) وہ رگیں جو ذبح میں کاٹی جاتی ہیں وہ چار ہیں حلقوم، مری اور دوشہ رگیں۔

ترجمہ :ا حضورؐ کے قول کی وجہ سے رگوں کو کاٹ دو جس چیز سے چاہو۔

تشریح :اصل تو یہ ہے کہ جسم سے پورا خون نکل جائے۔ اور پورا خون ان رگوں کے کاٹنے سے نکلتا ہے۔ اس لئے حلقوم، مری اور دوشہ رگیں کاٹنے سے ذبح ہوگا۔

وجہ :(۱) تینوں رگ کاٹنے کی دلیل یہ حدیث ہے، جسکو صاحب ہدایہ نے ذکر کی ہے۔ **عن رافع بن خديج قال سالت رسول الله ﷺ عن الذبيحة بالليط فقال كل ما فری الاوداج الا سن او ظفر** ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۲ من قال اذا انھر الدم فکل ما خلا سنا او عظما، ج رابع، ص ۲۵۹ نمبر ۱۹۸۰۳) اس حدیث میں ہے کہ اوداج، کو کاٹو اور اوداج جمع کا صیغہ ہے اس لئے اس میں تین رگ کاٹنے کا حکم ہوا، سانس کی نالی، اور دوشہ رگ۔(۲) اور حلقوم کاٹنے کی دلیل اس حدیث میں۔ **عن ابی هريرة قال بعث رسول الله بديل بن ورقاء الخزاعی علی جمل اورق يصبح فی فجاج منی، الا ان الذكاة فی الحلق و اللبة** ۔(سنن دار قطنی، ج رابع، ص ۱۸۸، نمبر ۴۷۰۹ /بخاری شریف، باب النحر والذبح ص ۲۲۸ نمبر ۵۵۱۰) اس حدیث میں ہے کہ حلق کو کاٹو اور اسی جگہ حلقوم ہوتا ہے اس لئے اس حدیث سے حلقوم کاٹنے کا ثبوت ہوا۔(۳) اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان چار رگوں کو کاٹنے سے خون پورا بہ جاتا ہے، چنانچہ حدیث میں پورا خون بہانے کا حکم ہے، حدیث یہ ہے۔ **عن رافع بن خديج قال قال النبی ﷺ كل يعنی ما انهر الدم الا السن والظفر** (بخاری شریف، باب لا یذکی بالسن والعظم والظفر، ص ۹۸۱ نمبر ۵۵۰۶ /ابوداؤد شریف، باب الذبیحۃ بالمروۃ، ص ۴۱۱، نمبر ۲۸۲۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر وہ طریقہ جس سے خون خوب نکل جائے اس سے ذبیحہ حلال ہوتا ہے۔

لغت : حلقوم: کھانے کی نالی۔ المری: سانس کی نالی۔ ودجان: شہ رگ، یہ گلے میں دونوں جانب دو رگیں ہوتی ہیں

٢ وَهِيَ اسْمُ جَمْعٍ وَأَقَلُّهُ الثَّلاثُ فَيَتَنَاوَلُ الْمَرِيءَ وَالْوَدَجَيْنِ، ٣ وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ فِي الِاكْتِفَاءِ بِالْحُلْقُومِ وَالْمَرِيءِ، ٤ إلَّا أَنَّهُ لا يُمْكِنُ قَطْعُ هَذِهِ الثَّلَاثَةِ إلَّا بِقَطْعِ الْحُلْقُومِ

جس سے دل کا خون دماغ تک جاتا ہے اسی کو کاٹنے سے پورا خون نکلتا ہے۔ فری: خون بہانا۔

نوٹ: جانور کو بجلی کا کرنٹ دیا اور ذبح کرنے سے پہلے وہ جانور مر گیا تو وہ مردہ ہے حلال نہیں، اور اگر ذبح کرتے وقت جانور زندہ تھا وہ حلال ہے، کیونکہ زندہ رہتے ہوئے اس کو ذبح کیا ہے۔

ترجمہ: ٢ اوداج اسم جمع ہے، اس کا کم سے اطلاق تین پر آتا ہے، اس لئے سانس کی نالی اور دونوں شہ رگیں شامل ہوں گی

تشریح: اوپر حدیث بیان کی کہ اوداج کاٹو، تو اوداج جمع کا صیغہ ہے کم سے کم تین پر اس کا اطلاق آتا ہے، اس لئے دو شہ رگیں اور ایک سانس کی نالی اس میں ضرور شامل ہوں گی، یعنی ان تین رگوں کو کاٹنا ضروری ہوگا تب جانور حلال ہوگا۔ اور حلقوم ان رگوں کے اوپر ہوتا ہے، پہلے حلقوم کٹے گا پھر یہ رگیں کٹے گی اس لئے جب ان رگوں کو کاٹنے کا حکم ہوا تو اقتضاء حلقوم کو بھی کاٹنے کا حکم ہوا اس لئے اس حدیث میں حلقوم بھی شامل ہو گیا۔

یہاں سے رگ کاٹنے کے بارے میں پانچ مذہب بیان کر رہے ہیں۔

[١] امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ حلقوم اور سانس کی نالی کاٹ دے تو جانور حلال ہو جائیگا، اور چاروں رگ کاٹے تو بہتر ہے

[٢] امام مالکؒ کے یہاں چاروں رگوں کو کاٹنا ضروری ہے۔

[٣] امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کسی بھی تین کو کاٹنے سے حلال ہو جائے گا، یوں چاروں کاٹے تو بہتر ہے۔

[٤] امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حلقوم، سانس کی نالی اور دو شہ رگ میں سے ایک کو کاٹے تو حلال ہوگا۔

[٥] امام محمدؒ کے نزدیک چاروں رگوں کے اکثر کو کاٹے تو حلال ہوگا۔

ترجمہ: ٣ یہ جملہ امام شافعیؒ پر حجت ہے کیونکہ وہ صرف حلقوم اور مری پر اکتفاء کرنا کافی سمجھتے ہیں۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حلقوم اور مری کاٹ دو تو کافی ہے، لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ حدیث میں تین کو کاٹنے کا کہا ہے اور امام شافعیؒ صرف دو کو کاٹنے کے لئے کہا ہے اس لئے یہ حدیث امام شافعیؒ پر حجت ہے۔

ترجمہ: ٤ مگر یہ کہ ان تینوں کا کاٹنا حلق کو کاٹے بغیر ممکن نہیں ہے اس لئے اقتضاء حلق کو بھی کاٹنا شامل ہو گیا۔

تشریح: ذبح کرنے میں حلق پہلے کٹتا ہے اور مری اور شہ رگیں اس کے نیچے ہوتی ہیں اسلئے یہ بعد میں کٹتی ہیں، اور جب شہ رگ کو کاٹنے کے لئے کہا تو اقتضاء یہ بھی کہا کہ حلقوم کو بھی کاٹو، اس لئے حدیث سے چار چیزوں کے کاٹنے کا ثبوت ہو گیا، حلقوم سانس کی نالی، اور دو شہ رگیں۔

ترجمہ: ٥ جو حدیث ذکر کی گئی اس کے ظاہر سے امام مالکؒ نے حجت پکڑی کہ [چاروں رگوں کا کاٹنا ضروری ہیں] اور اکثر کا کاٹنا کافی نہیں، بلکہ تمام کا کاٹنا شرط ہے۔

فَيَثْبُتُ قَطْعُ الْحُلْقُومِ بِاقْتِضَائِهِ، ۵ وَبِظَاهِرِ مَا ذَكَرْنَا يَحْتَجُّ مَالِكٌ وَلَا يُجَوِّزُ الْأَكْثَرَ مِنْهَا بَلْ يَشْتَرِطُ قَطْعَ جَمِيعِهَا ٦ وَعِنْدَنَا إِنْ قَطَعَهَا حَلَّ الْأَكْلُ، وَإِنْ قَطَعَ أَكْثَرَهَا فَكَذَلِكَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ٧ وَقَالَا: لَا بُدَّ مِنْ قَطْعِ الْحُلْقُومِ وَالْمَرِيءِ وَأَحَدِ الْوَدَجَيْنِ. ٨ قَالَ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ:- هَكَذَا ذَكَرَ الْقُدُورِيُّ الِاخْتِلَافَ فِي مُخْتَصَرِهِ. وَالْمَشْهُورُ فِي كُتُبِ مَشَايِخِنَا -

---

تشریح :اوپر جو حدیث بیان کی گئی اس سے امام مالکؒ نے استدلال کیا اور فرمایا کہ چاروں رگوں کو کاٹنا ضروری ہے ایک کو بھی چھوڑ نا جائز نہیں ہے۔

ترجمہ :٦ اور ہمارے نزدیک اگر سب کو کاٹ دے تو بھی جانور حلال ہو جائے گا، اور اگر اکثر رگوں کو کاٹ دے تو بھی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایسا ہی ہے، یعنی جانور حلال ہو جائے گا۔

تشریح :امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک چاروں رگوں کو کاٹ دے تب بھی حلال ہوگا، اور اکثر رگ کو کاٹے یعنی تین رگیں کاٹے تب بھی حلال ہو جائے گا۔

ترجمہ :۷ صاحبینؒ نے فرمایا کہ حلقوم، اور سانس کی نالی، اور دو شہ رگ میں سے ایک کا کاٹنا ضروری ہے۔

تشریح :صاحبین نے فرمایا کہ چار میں سے اکثر، یعنی تین کو کاٹو تو حلال ہوگا۔ لیکن یہ شرط لگا دی کہ حلقوم کٹنا چاہئے، سانس کی نالی کٹنی چاہئے اور دو شہ رگ میں سے ایک کٹنا چاہئے، کوئی بھی تین کا کٹنا کافی نہیں ہے۔

ترجمہ :۸ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ قدوری میں ایسا ہی ذکر ہی [یعنی صاحبین میں سے دونوں کا اختلاف لکھا ہے]، لیکن ہمارے مشائخ کی کتابوں میں مشہور یہ ہے کہ یہ قول صرف امام ابو یوسفؒ کا ہے۔

تشریح :قدوری کے متن میں تو امام ابو یوسف، اور امام محمدؒ دونوں کا اختلاف ذکر کیا ہے، لیکن ہمارے مشائخ کی کتابوں میں یہ ہے کہ یہ قول صرف امام ابو یوسفؒ کا ہے دونوں کا قول نہیں ہے۔

ترجمہ :۹ جامع صغیر میں یہ ہے کہ اگر حلقوم کا آدھا کاٹ دیا، اور شہ رگ کا آدھا کاٹ دیا تو نہیں کھایا جائے گا، اور اگر مرنے سے پہلے شہ رگ کا اکثر اور حلقوم کا اکثر کاٹا تو کھایا جائے گا، اور وہاں کوئی اختلاف ذکر نہیں کیا، حالانکہ اس بارے میں کافی اختلاف ہے۔

تشریح :جامع صغیر میں ہے کہ حلقوم کا آدھا کاٹا اور شہ رگ کا آدھا کاٹا تو نہیں کھایا جائے گا، لیکن اگر مرنے سے پہلے پہلے حلقوم کا اکثر کاٹ دیا اور شہ رگ کا اکثر کاٹ دیا تو کھایا جائے گا، اور جامع صغیر میں کسی کا اختلاف ذکر نہیں کیا ہے، حالانکہ اس بارے میں کافی اختلاف ہے جسکو مصنف آگے ذکر کر رہے ہیں۔ جامع صغیر کی عبارت یہ ہے۔ شاة ذبحت فقطع منها نصف الحلقوم و نصف الاوداج لم تؤكل و ان قطع اكثر من النصف من الاوداج و الحلقوم قبل ان

رَحِـمَهُمُ اللّٰهُ – أَنَّ هَذَا قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ وَحْدَهُ. ۹ وَقَـالَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِير: إنْ قَطَعَ نِصْفَ الْحُلْقُـومِ وَنِصْفَ الْأَوْدَاجِ لَمْ يُؤْكَلْ. وَإِنْ قَطَعَ أَكْثَرَ مِنَ الْأَوْدَاجِ وَالْحُلْقُومِ قَبْلَ أَنْ يَمُوتَ أُكِـلَ. وَلَـمْ يَـحْكِ خِلَافًا فَاخْتَلَفَتْ الرِّوَايَةُ فِيهِ. ۱۰ وَالْـحَاصِلُ أَنَّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ إِذَا قَطَعَ الثَّلَاثَ: أَيَّ ثَلَاثٍ كَـانَ يَـحِلُّ، وَبِهِ كَانَ يَقُولُ أَبُو يُوسُفَ أَوَّلًا ثُمَّ رَجَعَ إِلَى مَا ذَكَرْنَا. ۱۱ وَعَنْ مُـحَـمَّـدٍ أَنَّهُ يَعْتَبِرُ أَكْثَرَ كُلِّ فَرْدٍ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ – رَحِمَهُ اللّٰهُ –، لِأَنَّ كُلَّ فَرْدٍ مِنْهَا أَصْـلٌ بِـنَـفْسِـهِ لِانْـفِصَالِهِ عَنْ غَيْرِهِ وَلِوُرُودِ الْأَمْرِ بِفَرْيِهِ فَيُعْتَبَرُ أَكْثَرُ كُلِّ فَرْدٍ مِنْهَا. ۱۲ وَلِأَبِي يُـوسُفَ أَنَّ الْـمَـقْصُودَ مِنْ قَطْعِ الْوَدَجَيْنِ انْهَارُ الدَّمِ فَيَنُوبُ أَحَدُهُمَا عَنْ الْآخَرِ، اذْ كُلُّ وَاحِدٌ

يموت اكلت و ان ماتت قبل ذالک لم تؤ كل۔(جامع صغیر، کتاب الذبائح،ص۴۷۲)

ترجمہ : ۱۰ حاصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تین رگیں کاٹ دی جائیں چاہے جورگ بھی ہوں تو جانور حلال ہوجائے گا، امام ابو یوسفؒ کی پہلی رائے بھی یہی تھی، پھر رجوع کر کے اس طرف گئے جو ہم نے ابھی ذکر کیا،[یعنی حلقوم کاٹے، سانس کی نالی کاٹے، اور شہ رگ میں سے ایک کاٹے، تب حلال ہوگا]

تشریح :امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کوئی بھی تین رگ کاٹ دے تو حلال ہوجائے گا، اور امام ابو یوسفؒ کی پہلی روایت یہی تھی ، بعد میں اس سے رجوع کرلیا اور یہ فرمایا کہ حلقوم کاٹے، سانس کی نالی کاٹے، اور شہ رگ میں سے ایک کاٹے، تب حلال ہوگا

ترجمہ : ۱۱ امام محمدؒ سے روایت یہ ہے کہ ہر رگ کا اکثر کاٹے تب جانور حلال ہوگا، اور یہی ایک روایت امام ابوحنیفہؒ کی ہے، اس لئے کہ ہر رگ اپنی ذات میں اصل ہے، کیونکہ یہ دوسرے سے جدا ہے، اور ہر ایک کو کاٹنے کی حدیث وارد ہوئی ہے، اس لئے ہر رگ کے اکثر کا اعتبار کیا جائے گا۔

تشریح :امام محمدؒ نے فرمایا کہ ہر رگ کے اکثر کو کاٹے، اور یہی ایک روایت امام ابوحنیفہؒ کی ہے۔

وجہ :(۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر رگ مستقل بذاتہ ہے، اور حدیث میں ہر رگ کو کاٹنے کا حکم ہے اس لئے ہر رگ کے اکثر کو کاٹنا ضروری ہوگا۔

ترجمہ : ۱۲ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ دونوں شہ رگ کو کاٹنے کا مقصد خون بہانا ہے اس لئے ایک دوسرے کے قائم مقام ہوجائے گی، اس لئے کہ دونوں ہی سے خون بہتا ہے، اور حلقوم سانس کی نالی سے الگ ہے، اس لئے کہ حلقوم کھانا اور پانی جانے کا راستہ ہے، اور مری سانس جانے کا راستہ ہے اس لئے ان دونوں کو کاٹنا ضروری ہے

تشریح :یہ امام ابو یوسفؒ کی دلیل ہے، کہ دونوں شہ رگ سے خون جاتا ہے اس لئے ان میں سے ایک کو کاٹنے سے بھی پورا خون بہ جائے گا، اور حلقوم سے کھانا اور پانی جاتا ہے اس لئے اس کو بھی کاٹنا پڑے گا، اور مری سے سانس جاتی ہے اس لئے اس

مِنهُمَا مَجرَى الدَّمِ. أَمَّا الحُلقُومُ فَيُخَالِفُ المَرِيءَ فَإِنَّهُ مَجرَى العَلَفِ وَالمَاءِ، وَالمَرِيءُ مَجرَى النَّفَسِ فَلا بُدَّ مِن قَطعِهِمَا. ۱۳ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الأَكثَرَ يَقُومُ مَقَامَ الكُلِّ فِي كَثِيرٍ مِنَ الأَحكَامِ، وَأَيَّ ثَلاثٍ قَطَعَهَا فَقَد قَطَعَ الأَكثَرَ مِنهَا وَمَا هُوَ المَقصُودُ يَحصُلُ بِهَا. وَهُوَ انهَارُ الدَّمِ المَسفُوحِ وَالتَّوجِيهُ فِي اخرَاجِ الرُّوحِ، لِأَنَّهُ لا يَحيَا بَعدَ قَطعِ مَجرَى النَّفَسِ وَالطَّعَامِ، وَيَخرُجُ الدَّمُ بِقَطعِ أَحَدِ الوَدَجَينِ فَيُكتَفَى بِهِ تَحَرُّزًا عَن زِيَادَةِ التَّعذِيبِ، ۱۴ بِخِلافِ مَا إِذَا قَطَعَ النِّصفَ لِأَنَّ الأَكثَرَ بَاقٍ فَكَأَنَّهُ لَم يَقطَع شَيئًا احتِيَاطًا لِجَانِبِ الحُرمَةِ. (۲۱۸)قَالَ وَيَجُوزُ الذَّبحُ بِالظُّفرِ وَالسِّنِّ وَالقَرنِ إِذَا كَانَ مَنزُوعًا حَتَّى لا يَكُونَ بِأَكلِهِ بَأسٌ، إِلَّا أَنَّهُ يُكرَهُ هَذَا

کوبھی کاٹنا پڑے گا۔

ترجمہ : ۱۳ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ بہت سارے احکام میں اکثر کل کے قائم مقام ہوتا ہے، اس لئے کسی تین کو بھی کاٹ دے تو اکثر کاٹ دیا، اور اس سے مقصد حاصل ہوجائے گا، اور وہ ہے بہتا ہوا خون کو نکالنا، اور روح کو نکالنے میں جلدی کرنا، اس لئے کہ سانس کی نالی اور کھانے کی نالی کے کٹنے کے بعد جانور زندہ نہیں رہتا، اور دوشہ رگ میں سے ایک کو کاٹنے سے خون نکل جائے گا اس لئے زیادہ تکلیف سے بچتے ہوئے ایک پر اکتفی کیا جائے گا۔

تشریح : یہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے [۱] بہت سارے احکام میں اکثر کل کے درجے میں ہے، جیسے سر کے مسح میں چوتھائی کل کے درجے میں ہے، ستر عورت چوتھائی کھل جائے تو کل کے درجے میں ہے اور نماز فاسد ہوجاتی ہے، اسی طرح یہاں اکثر رگ کاٹ دے تو گویا کہ تمام رگوں کو کاٹ دیا۔ (۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ اکثر کاٹ دیا تو خون کا بہانا جو اصل مقصد ہے وہ پورا ہوگیا، اور روح نکلنا بھی آسان ہوگیا، کیونکہ کھانے کی نالی [حلقوم] اور سانس کی نالی [مری] کٹنے سے جانور زندہ نہیں رہے گا، اور شہ رگ میں سے ایک کے کٹنے سے پورا خون نکل جائے گا اس لئے اس سے زیادہ تکلیف دینا اچھا نہیں ہے، اس لئے کوئی بھی تین کو کاٹ دے تو جانور حلال ہوجائے گا۔

ترجمہ : ۱۴ بخلاف اگر آدھا کاٹا تو جانور حلال نہیں ہوگا، اس لئے کہ اکثر باقی ہے اس لئے حرمت کی جانب ترجیح دیتے ہوئے گویا کہ کچھ نہیں کاٹا۔

تشریح : اگر آدھا رگ کاٹا مثلا دو کو کاٹا تو حلال نہیں ہوگا، کیونکہ آدھے میں حرمت کی جانب ترجیح دی جائے گی اور یوں کہا جائے گا کہ گویا کہ اکثر نہیں کاٹا۔

لغت: انہار الدم: خون کا تیزی سے بہنا۔ الدم المسفوح: بہتا ہوا خون التوجیہ: وجہ سے مشتق ہے، تیزی سے روح کو نکالنا۔

ترجمہ : (۲۱۸) ناخن اور دانت اور سینگ اگر جسم سے جدا ہوں تو اس سے ذبح کرنا جائز ہے، یہاں تک کہ اس کے

الذَّبْحُ ا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: الْمَذْبُوحُ مَيْتَةٌ لِقَوْلِهِ - عَلَيْهِ الصَّلاةُ وَالسَّلامُ - كُلُّ مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَأَفْرَى الْأَوْدَاجَ مَا خَلا الظُّفُرِ وَالسِّنِّ فَإِنَّهُمَا مُدَى الْحَبْشَةِ وَلِأَنَّهُ فِعْلٌ غَيْرُ مَشْرُوعٍ فَلا يَكُونُ

کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے مگر یہ مکروہ ہے۔

تشریح : ناخن، دانت، سینگ اگر جسم سے جدا ہیں اور دھاردار ہیں اور اس سے ایسا ذبح کیا کہ چاروں رگیں کٹ گئیں تو جاور حلال ہو جائے گا، لیکن یہ اتنا دھاردار نہیں ہوتے اس لئے اس سے ذبح کرنے سے جانور کو تکلیف ہوگی اس لئے اس سے ذبح کرنا مکروہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حدیث میں بھی ناخن اور دانت سے ذبح کرنے سے منع فرمایا، اس حدیث کو اگر چہ ہم جسم میں لگے ہوئے ناخن پر محمول کرتے ہیں، تاہم ٹوٹے ہوئے ناخن سے بھی ذبح کرنے پر محمول کیا جا سکتا ہے۔

وجہ :(۱) کسی بھی دھاردار سے ذبح کرنے سے ذبح ہو جائے گا، اس کے لئے یہ حدیث ہے۔ عن عدی بن حاتم قلت یا رسول الله أرأیت ان احدنا اصاب صیدا و لیس معه سکین أیذبح بالمروة و شقة العصا؟ قال امرر الدم بما شئت و اذکر اسم الله۔ (ابوداؤد شریف، باب الذبیحۃ بالمروۃ، ص ۴۱۱، نمبر ۲۸۲۴ / ابن ماجۃ شریف باب ما یذکی بہ، ص ۴۶۲، نمبر ۳۱۷۷) اس حدیث میں ہے امرر الدم بما شئت۔ کہ جس سے چاہو خون نکال دو تو حلال ہو جائے گا۔ (۲) دوسری حدیث یہ ہے۔ عن جعفر ابن میمون قال کل ماأفری اللحم و قطع الاوداج الا انهم کانوا یکرهون السن و الظفر و یقولون انهما مدی الحبشة۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۲ من قال اذا انہر الدم فکل ما خلا سنا او عظما، ج رابع، ص ۲۵۸، نمبر ۱۹۷۹۸) اس حدیث میں ہے کہ، کل ماأفری اللحم و قطع الاوداج، کہ جو چیز رگوں کو کاٹ دے اس سے کاٹ کر حلال کرلو۔ البتہ ٹوٹے ہوئے ناخن اور نکلے ہوئے دانت سے ذبح کرنا مکروہ ہے۔

ترجمہ: ا امام شافعیؒ نے فرمایا ناخن وغیرہ سے ذبح کیا ہوا مردار ہے حضورؐ کے قول کی وجہ سے ہر وہ چیز جو خون کو بہا دے، اور رگوں کو کاٹ دے اس کو کھاؤ سوائے ناخن اور دانت کے، اس لئے کہ وہ اہل حبش کی چھری ہے، اور اس لئے کہ یہ غیر مشروع فعل ہے اس لئے اس سے ذبح نہیں ہوگا، جیسے کہ جدا نہ ہو تو ذبح نہیں ہوتا ہے۔

تشریح :امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ٹوٹے ہوئے ناخن اور دانت سے ذبح کیا تو وہ جانور مردار سمجھا جائے گا۔ اور اس کا کھانا حلال نہیں ہوگا۔

وجہ :(۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں اس سے ذبح کرنے سے منع فرمایا ہے۔ صاحب ہدایہ کی حدیث دو حدیثوں کا مجموعہ ہے، پہلی حدیث یہ ہے۔ عن رافع بن خدیج قال اتیت رسول الله ﷺ فقلت یا رسول الله ! انا نلقی العدو غدا و لیس معنا مدی افنذبح بالمروة و شقة العصا ؟ فقال رسول الله ﷺ ارن او اعجل ما انهر الدم و ذکر اسم الله علیه فکلوا مالم یکن سن و ظفر و ساحدثکم عن ذلک اما السن فعظم و اما الظفر فمدی الحبشة ۔ (ابوداؤد شریف، باب الذبیحۃ بالمروۃ، ص ۴۱۱، نمبر ۲۸۲۱ / بخاری شریف، باب ما انہر الدم من القصب

ذَكَاةً كَمَا إِذَا ذَبَحَ بِغَيْرِ الْمَنْزُوعِ، ٢ وَلَنَا قَوْلُهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - أَنْهِرِ الدَّمَ بِمَا شِئْتَ وَيُرْوَى أَفْرِ الْأَوْدَاجَ بِمَا شِئْتَ ٣ وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى غَيْرِ الْمَنْزُوعِ فَإِنَّ الْحَبَشَةَ كَانُوا يَفْعَلُونَ ذَلِكَ، ٤ وَلِأَنَّهُ آلَةٌ جَارِحَةٌ فَيَحْصُلُ بِهِ مَا هُوَ الْمَقْصُودُ وَهُوَ اخْرَاجُ الدَّمِ

والمروة والحدید،ص۹۸۰،نمبر۵۵۰۳)(۲)اوردوسری حدیث یہ ہے۔عن رافع بن خدیج قال سالت رسول الله ﷺ عن الذبیحة باللیط فقال کل ما فری الاوداج الا سن او ظفر ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ۳۲من قال اذاانہر الدم فکل ماخلاسنااوعظما،ج رابع،ص۲۵۹نمبر۱۹۸۰۳)

ترجمہ: ۲ ہماری دلیل حضورؐ کا قول ہے کہ جس چیز سے چاہو خون بہادو،اورروایت ہے کہ جس چیز سے چاہو رگوں کو کاٹ دو۔

تشریح : ہماری دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جس چیز سے چاہوں خون بہادوتو حلال ہوجائے گا،اس لئے ٹوٹے ہوئے ناخن اورٹوٹے ہوئے دانت سے خون بہادیاتو حلال ہوجائے گا۔

وجہ :(۱)صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن عدی بن حاتم قلت یا رسول الله أرأیت ان احدنا اصاب صیدا و لیس معه سکین أیذبح بالمروة و شقة العصا؟ قال امرر الدم بما شئت و اذکر اسم الله ۔ (ابو داؤدشریف،باب الذبیحۃ بالمروۃ،ص۴۱۱،نمبر۲۸۲۴/ابن ماجۃ شریف باب مایذکی بہ،ص۴۶۲،نمبر۳۱۷۷)اس حدیث میں ہے امرر الدم بما شئت۔کہ جس سے چاہو خون نکال دوتو حلال ہوجائے گا۔(۲)دوسری حدیث یہ ہے۔عن جعفر ابن میمون قال کل ماأفری اللحم و قطع الاوداج الا انهم کانوا یکرهون السن و الظفر و یقولون انهما مدی الحبشة ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ۳۲من قال اذاانہر الدم فکل ماخلاسنااوعظما،ج رابع،ص۲۵۸نمبر۱۹۷۹۸) اس حدیث میں ہے کہ،کل ماأفری اللحم و قطع الاوداج،کہ جو چیز رگوں کو کاٹ دے اس سے کاٹ کرحلال کرلو۔

ترجمہ : ۳ اورامام شافعیؒ نے جوروایت پیش کی ہے،وہ اس ناخن پر ہے جوجسم سے نکالا نہ ہو،اس لئے کہ حبش کے لوگ لگے ہوئے ناخن سے ذبح کرتے تھے۔

تشریح :واضح ہے۔

ترجمہ : ۴ اوراس لئے کہ ناخن زخم کرنے والا آلہ ہے اس لئے اس سے مقصود حاصل ہوجائے گا،یعنی خون کا نکالنا،اس لئے یہ ناخن پتھر اورلوہے کی طرح ہوگیا۔

تشریح :یہ امام شافعیؒ کوجواب ہے،کہ یہ ناخن اورٹوٹے ہوئے دانت زخم کا آلہ ہے،اس سے خون نکالا جاتا ہے اس لئے ذبح کا مقصد ہے خون نکالناوہ حاصل ہوجائے گا،اوراس کاحکم پتھر اورلوہے کی طرح ہوگا۔

وَصَارَ كَالْحَجَرِ وَالْحَدِيدِ،۵ بِخِلَافِ غَيْرِ الْمَنْزُوعِ لِأَنَّهُ يَقْتُلُ بِالثِّقْلِ فَيَكُونُ فِي مَعْنَى الْمُنْخَنِقَةِ،٦ وَإِنَّمَا يُكْرَهُ لِأَنَّ فِيهِ اسْتِعْمَالَ جُزْءِ الْآدَمِيِّ وَلِأَنَّ فِيهِ إِعْسَارًا عَلَى الْحَيَوَانِ وَقَدْ أُمِرْنَا فِيهِ بِالْإِحْسَانِ. (۲۱۹) قَالَ وَيَجُوزُ الذَّبْحُ بِاللِّيطَةِ وَالْمَرْوَةِ وَكُلِّ شَيْءٍ أَنْهَرَ الدَّمَ إِلَّا السِّنَّ الْقَائِمَ وَالظُّفُرَ الْقَائِمَ ا فَإِنَّ الْمَذْبُوحَ بِهِمَا مَيْتَةٌ لِمَا بَيَّنَّا،٢ وَنَصَّ مُحَمَّدٌ فِي الْجَامِعِ

ترجمہ : ۵ بخلاف جو جسم سے جدا نہ ہو تو ذبح کرنے والا بوجھ دیکر قتل کرے گا، تو وہ گلا گھونٹ کر ذبح کرنے کے معنی میں ہوگا۔

تشریح : یہ شافعیؒ کو دوسرا جواب ہے، اگر ناخن اور دانت جسم سے جدا نہ ہوں بلکہ اس کے ساتھ لگا ہوا ہو تو اس ناخن سے دھار سے ذبح کرنا نہیں ہوگا، بلکہ اس کو بوجھ دیکر گلا گھونٹ کر ذبح کرنے کی ذبح کرے گا، اس لئے یہ مخنقہ [گلا گھونٹنے] کی طرح ہو جائے گا اور آیت میں مخنقہ سے ذبح کرنا ممنوع ہے اس لئے یہ نا جائز ہوگا

وجہ: مخنقہ ممنوع ہے اس کی دلیل اس آیت میں ہے۔ حرمت علیکم المیتة و الدم و لحم الخنزیر و ما احل لغیر الله به ، و المنخنقة و الموقوذة و المتردیة و النطیحة و ما أكل السبع الا ما ذكیتم و ما ذبح علی النصب و ان تستقسموا بالازلام ذالکم فسق (آیت ۳، سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں و المنخنقة ، کو حرام کیا

لغت : منزوع: نزع سے مشتق ہے، نکالا ہوا۔ مخنقہ: خنق سے مشتق ہے، گلا گھونٹنا۔

ترجمہ : ٦ اور ناخن سے ذبح کرنا مکروہ اس لئے ہے کہ اس میں آدمی کا جز استعمال کیا جا رہا ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں حیوان پر سختی ہے، حالانکہ ہم کو احسان کرنے کا حکم دیا گیا ہے

تشریح : ٹوٹے ہوئے ناخن اور ٹوٹے ہوئے دانت سے ذبح کرنا مکروہ دو وجہ سے، ایک تو اس لئے کہ اس میں انسانی جز استعمال ہو رہا ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں جانور کو ذبح ہونے میں تنگی ہوگی اور زیادہ تکلیف ہوگی، حالانکہ اس پر احسان کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

لغت : اعسار: عسر سے مشتق ہے، سختی کرنا، یہاں مراد ہے کہ مشکل سے ذبح کرنا۔ احسان: اس طرح ذبح کرے کہ آسانی سے خون نکل جائے۔

ترجمہ : (۲۱۹) اور جائز ہے ذبح کرنا بانس کی بتی سے اور تیز پتھر سے اور ہر اس چیز سے جو خون بہا دے سوائے دانت اور ناخن سے جو لگے ہوئے ہوں۔

ترجمہ : ا اس لئے کہ ان دونوں سے ذبح کرنے سے جانور مردہ شمار کیا جاتا ہے، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کیا [یعنی یہ مخنقہ کے درجے میں ہوتا ہے]

الصَّغِيرِ عَلَى أَنَّهَا مَيْتَةٌ لِأَنَّهُ وَجَدَ فِيهِ نَصًّا. وَمَا لَمْ يَجِدُ فِيهِ نَصًّا يُحْتَاطُ فِي ذَلِكَ، فَيَقُولُ فِي

تشریح :بانس کا ٹکڑا جو پتلا اور دھار دار ہو یا تیز پتھر ہو یا ہر وہ چیز جو دھار دار ہو جس سے رگیں کٹ کر خون بہنے لگے۔ البتہ تالو میں لگے دانت اور انگلی میں لگے ہوئے ناخن سے ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔

وجه :(۱) بانس کے ٹکڑے اور دھار دار پتھر سے ذبح کرنا جائز ہے اس لئے کہ حدیث میں ہے۔ **عن رافع بن خديج قال اتيت رسول الله ﷺ فقلت يا رسول الله ! انا نلقى العدو غدا وليس معنا مدى افنذبح بالمروة وشقة العصا ؟ فقال رسول الله ﷺ ارن اواعجل ما انهر الدم وذكر اسم الله عليه فكلوا مالم يكن سن وظفر وساحدثكم عن ذلك اما السن فعظم واما الظفر فمدى الحبشة** ۔(ابوداؤد شریف، باب الذبیحۃ بالمروۃ، ص ۴۱۱، نمبر ۲۸۲۱ ر بخاری شریف، باب ما انہر الدم من القصب والمروۃ والحدید، ص ۹۸۰، نمبر ۵۵۰۳ ر نسائی شریف، اباحۃ الذبح بالقود ص ۶۱۱، نمبر ۴۴۰۶) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی بھی دھار دار چیز جو خون جاری کردے اس سے ذبح کرنا جائز ہے۔ کیونکہ **كل ما انهر الدم** سے کوئی بھی چیز جو خون جاری کردے مراد ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بانس کی پتی اور دھار دار پتھر سے ذبح کرنا جائز ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ لگا ہوا دانت اور لگا ہوا ناخن سے ذبح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ لگے ہوئے ہونے کی وجہ سے منخنقہ یعنی گلا دبا کر مارنے کی شکل ہو جائے گی۔ کیونکہ لگے ہوئے ہونے کی وجہ سے دانت سے دبائے گا اور ناخن سے بھی دبائے گا جس کی وجہ سے موت واقع ہوگی۔ اس لئے جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر ناخن اور دانت جسم سے الگ ہو چکے ہوں اور دھار دار ہوں تو ان سے حلال ہو جائے گا۔ اس صورت میں حدیث میں السن اور ظفر سے مراد السن القائم اور الظفر القائم ہوگا اور حدیث کا انداز بھی یہی بتا رہا ہے۔

لغت :لیطۃ : بانس کی پتی، بانس کا دھار دار چھلکا۔ المروۃ : دھار دار پتھر۔ انہر : خون بہادے۔ السن القائم : لگا ہوا دانت۔ الظفر : ناخن۔

ترجمه : ۲؎ امام محمدؒ نے جامع صغیر میں تصریح کی ہے کہ لگے ہوئے دانت سے ذبح کرنے سے جانور مردہ ہو جاتا ہے، اس لئے کہ اس بارے میں انہوں نے کوئی نص پایا ہوگا، کیونکہ جب تک وہ نص نہیں پاتے ہیں تو اس بارے میں وہ احتیاط کرتے ہیں، اور حلال کے بارے میں کہتے ہیں، لا بأس بہ۔ اور حرام کے بارے میں کہتے ہیں یکرہ، یالم یؤکل۔

تشریح :جامع صغیر میں امام محمدؒ نے فرمایا کہ لگے ہوئے دانت اور لگے ہوئے ناخن سے جانور کو ذبح کرے تو وہ حلال نہیں ہے مردہ کے حکم میں ہے، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مردہ کہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ امام محمدؒ کو مردہ ہونے کی کوئی حدیث ملی ہوگی، ورنہ وہ یہ سخت جملہ نہیں فرماتے، کیونکہ حضرت امام محمدؒ کی عادت یہ ہے کہ اگر نص نہ ملے تو حلال چیز کے بارے میں ,لا بأس ,فرماتے ہیں اور حرام چیز کے بارے میں یکرہ فرماتے ہیں، یالم یؤکل ,فرماتے ہیں۔

نوٹ :حرام ہونے کی حدیث اوپر گزر چکی کہ لگے ہوئے دانت اور لگے ہوئے ناخن سے ذبح نہ کرے کیونکہ یہ اہل حبش کی

الْحِلِّ لَا بَأْسَ بِهِ وَفِي الْحُرْمَةِ يَقُولُ يُكْرَهُ أَوْ لَمْ يُؤْكَلْ. (۲۲۰)قَالَ وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يُحِدَّ الذَّابِحُ شَفْرَتَهُ ‌۱؎ لِقَوْلِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - اِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ، فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ، وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذِّبْحَةَ، وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ وَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ ۲؎ وَيُكْرَهُ أَنْ يُضْجِعَهَا ثُمَّ يُحِدَّ الشَّفْرَةَ لِمَا رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - أَنَّهُ رَأَى

چھری ہے۔اس لئے اس سے ذبح کرے گا تو امام محمدؒ کے نزدیک وہ مردہ شمار کیا جائے گا۔

وجه :جامع صغیر کی عبارت یہ ہے۔ظفر منزوع او قرن اوعظم او سن منزوع ذبح به فانهر الدم و افرى الاوداج لم يكن بأكله بأس ، و اكره هذا الذبح و ان ذبح بظفراو بسن غير منزوع فهى ميتة ۔(جامع صغیر، باب کتاب الذبائح ،ص۴۷۲)اس عبارت میں ہے کہ اگر جسم کے ساتھ لگے ہوئے ناخن اور دانت سے ذبح کیا تو وہ جانور مردار شمار کیا جائے گا۔

ترجمه : (۲۲۰)اور مستحب ہے کہ ذبح کرنے والا اپنی چھری تیز کرلے۔

ترجمه :۱؎ حضورؐ کے قول کی وجہ سے اللہ نے ہر چیز پر احسان فرض کیا ہے پس جب قتل کرو قتل کرنے میں احسان برتو،اور جب ذبح کرو تو ذبح کرنے میں احسان برتو ،اور اپنی چھری کو تیز کرلو،اور اپنی ذبیحہ کو راحت پہنچائے۔

تشريح :ذبح کرتے وقت چھری تیز کر لینی چاہئے تا کہ جانور کو ذبح ہونے میں تکلیف نہ ہو۔

وجه : تا کہ جانور کو بلا وجہ تکلیف نہ ہو(۲) حدیث میں اس کی تاکید ہے۔عن شداد بن اوس قال ثنتان حفظتهما عن رسول الله ﷺ قال ان الله كتب الاحسان على كل شىء فاذا قتلتم فاحسنوا القتلة واذا ذبحتم فاحسنوا الذبح وليحد احدكم شفرته فليرح ذبيحته . (مسلم شریف،باب الامر باحسان الذبح والقتل وتحدید الشفرۃ،ص۸۷۳،نمبر۱۹۵۵/۵۰۵۵/ابوداؤد شریف، باب فی النھی ان تصبر البھائم والرفق بالذبیحۃ،ص۴۱۰،نمبر۲۸۱۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چھری اچھی طرح تیز کرنا مستحب ہے۔

لغت: یحد: تیز کرنا۔ شفرۃ : لمبی چھری۔

ترجمه : ۲؎ اور مکروہ ہے کہ جانور کو لٹائے پھر چھری تیز کرے،اس لئے کہ حضور ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ کہ اس نے بکری کو لٹایا اور چھری تیز کرنے لگا تو آپ نے فرمایا کہ تو اس کو دو مرتبہ مارنا چاہتے ہو لٹانے سے پہلے چھری تیز کیوں نہ کرلیا

تشريح : لٹانے کے بعد چھری تیز کرنا مکروہ ہے۔

وجه:صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن ابن عباس ان رجلا اضجع شاة يريد ان يذبحها و هو يحد شفرته فقال النبى ﷺ أتريد ان تميتها موتات هل حددت شفرته قبل ان تضجعها ۔(مستدرک للحاکم،کتاب

رَجُلًا أَضْجَعَ شَاةً وَهُوَ يُحِدُّ شَفْرَتَهُ فَقَالَ: لَقَدْ أَرَدْت أَنْ تُمِيتَهَا مَوْتَاتٍ، هَلَّا حَدَدْتهَا قَبْلَ أَنْ تُضْجِعَهَا (۲۲۱) قَالَ وَمَنْ بَلَغَ بِالسِّكِّينِ النُّخَاعَ أَوْ قَطَعَ الرَّأْسَ كُرِهَ لَهُ ذَلِكَ وَتُؤْكَلُ ذَبِيحَتُهُ ۱؎ وَفِي بَعْضِ النُّسَخِ: قَطَعَ مَكَانَ بَلَغَ. ۲؎ وَالنُّخَاعُ عِرْقٌ أَبْيَضُ فِي عَظْمِ الرَّقَبَةِ، ۳؎ أَمَّا

الذبح، ج رابع ،ص ۲۶۰ ،نمبر ۸۵۷۰ / مصنف عبدالرزاق، باب سنۃ الذبح، ج رابع ،ص ۳۷۷ ،نمبر ۸۶۲۱)

ترجمہ :(۲۲۱) کسی نے چھری حرام مغز تک پہنچادی یا سر کاٹ دیا تو اس کے لئے یہ مکروہ ہے اور اس کا ذبیحہ کھایا جائے گا۔

تشریح :گلے میں جو ہڈی ہوتی ہے اس کے درمیان میں موٹی رگیں ہوتی ہیں جن کو حرام مغز کہتے ہیں۔ ذبح میں ہڈی تک چھری پہنچانا چاہئے اسی سے ذبح مکمل ہو جاتا ہے اس سے زیادہ تکلیف نہیں دینی چاہئے لیکن کسی نے ہڈی کے اندر تک یعنی حرام مغز تک چھری چبھودی یا پوری گردن کاٹ دی تو ایسا کرنا مکروہ ہے۔ البتہ ایسا کرنے سے حلقوم، مری اور ودجان سب کٹ گئے اس لئے ذبیحہ حلال ہو گیا۔

وجہ :(۱) اخبرنی نافع ان ابن عمر نهى عن النخع يقول يقطع مادون العظم ثم يدع حتى يموت. (بخاری شریف، باب النحر والذبح ،ص ۹۸۱ ،نمبر ۵۵۱۰)(۲) عن ابن عباس نهى رسول الله ﷺ عن الذبيحة ان تفرس قبل ان تموت (سنن للبیہقی، باب کراہیۃ النخع والفرس ج تاسع ،ص ۴۷۰ ،نمبر ۱۹۱۳۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حرام مغز کو توڑنا یا وہاں تک چھری لے جانا مکروہ ہے۔ (۳) لیکن ایسا کر لیا تو ذبیحہ حلال ہے۔ اس قول صحابی میں ہے۔ وقال ابن عمر وابن عباس وانس اذا قطع الرأس فلا بأس (بخاری شریف، باب النحر والذبح، ۹۸۱ ،نمبر ۵۵۱۰)(۴) عن مجاهد قال فى الشاة اذا نخعت قال هو مكروه ، و لا بأس بأكلها ۔(مصنف عبدالرزاق، باب سنۃ الذبح ج رابع ،ص ۴۷۷ ۳ ،نمبر ۸۶۲۱) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ سر کٹ جائے یا نخاع تک چھری چلی جائے تو ذبیحہ حلال ہے کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

لغت :النخاع : حرام مغز جو گردن کی ہڈی کے درمیان ہوتا ہے۔ سکین : چھری۔

ترجمہ :۱؎ قدوری کے بعض نسخے میں بلغ کے بجائے قطع ہے۔

تشریح :بلغ النخاع کا ترجمہ ہے حرام مغز تک چھری پہنچادی، اور قطع النخاع ترجمہ ہے کہ حرام مغز کو کاٹ دیا، اس لئے دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے۔

ترجمہ :۲؎ نخاع گردن کی ہڈی میں سفید رگ ہے، جسکو حرام مغز کہتے ہیں۔

تشریح :گردن اور سر کے درمان جو ہڈی ہے اس کے درمیان میں سفید رگ ہوتا ہے اس کو نخاع کہتے ہیں، اردو میں اس کو حرام مغز کہتے ہیں۔

الْكَرَاهَةُ فَلِمَا رُوِيَ عَنْ النَّبِيِّ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – أَنَّهُ نَهَى أَنْ تُنْخَعَ الشَّاةُ إذَا ذُبِحَتْ وَتَفْسِيرُهُ مَا ذَكَرْنَاهُ، ؈ وَقِيلَ مَعْنَاهُ: أَنْ يَمُدَّ رَأْسَهُ حَتَّى يَظْهَرَ مَذْبَحُهُ، وَقِيلَ أَنْ يَكْسِرَ عُنُقَهُ قَبْلَ أَنْ يَسْكُنَ مِنْ الِاضْطِرَابِ، وَكُلُّ ذَلِكَ مَكْرُوهٌ، وَهَذَا لِأَنَّ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ وَفِي قَطْعِ الرَّأْسِ زِيَادَةَ تَعْذِيبِ الْحَيَوَانِ بِلَا فَائِدَةٍ وَهُوَ مَنْهِيٌّ عَنْهُ. ۵ وَالْحَاصِلُ أَنَّ مَا فِيهِ زِيَادَةَ ايلَامٍ لَا

ترجمہ :۳ بہرحال حرام مغز تک لے جانا مکروہ ہے تو حضور ؐ سے روایت ہے کہ بکری کو حرام مغز تک لیجانے سے منع فرمایا ہے، اوراس کی تفسیر وہ جو ہم نے بیان کیا۔

تشریح : چھری کو حرام مغز تک لیجانا مکروہ ہے حضور ؐ نے اس سے منع فرمایا ہے، حدیث یہ ہے۔ اخبرنی نافع ان ابن عمر نهى عن النخع يقول يقطع مادون العظم ثم يدع حتى يموت. (بخاری شریف، باب النحر والذبح، ص ۹۸۱، نمبر ۵۵۱۰)

نوٹ: ذبح کے وقت یہ پانچ چیزیں کرنا مکروہ ہیں۔

[۱] ذبح کے وقت حرام مغز تک کاٹنا

[۲] جانور کے سر کو اس طرح مڑورے کہ ذبح کی جگہ ظاہر ہو جائے

[۳] ٹھنڈا ہونے سے پہلے گردن الگ کرنا

[۴] پاؤں پکڑ کر مذبح تک لیجانا

[۵] ٹھنڈا ہونے سے پہلے کھال اتارنا

ترجمہ :۴ بعض حضرات نے فرمایا کہ نخع کا معنی یہ ہے کہ جانور کے سر کو اس طرح مڑورے کہ ذبح کرنے کی جگہ ظاہر ہو جائے، حرکت سے ٹھنڈا ہونے سے پہلے گردن کو مڑور دے، اور یہ سب مکروہ ہیں، اوراس کی وجہ یہ ہے کہ ان تمام میں اور سر کو کاٹنے میں جانور کو بغیر فائدے کے زیادہ تکلیف دینا ہے، اور حدیث میں اس کی ممانعت ہے۔

تشریح : پہلی تفسیر ابھی اوپر گزری۔ کہ چھری کو حرام مغز تک لیجانا۔ یہ نخع کی دوسری اور تیسری تفسیر ہے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ جانور کی گردن کو اس طرح مڑورے کہ اس کے ذبح کرنے کی جگہ ظاہر ہو جائے، اور تیسری تفسیر یہ ہے کہ جانور ابھی ٹھنڈا نہیں ہوا ہے، وہ ابھی حرکت کرر رہا ہے اوراس کی گردن کو توڑ دے۔ نخع کے یہ تینوں طریقے مکروہ ہیں۔

وجه :اس کی وجہ یہ ہے کہ اوپر کے چاروں صورتوں میں جانور کو زیادہ تکلیف دینا ہے جس سے حدیث میں منع فرمایا ہے۔

ترجمہ :۵ ذبح میں جس چیز کی ضرورت نہیں ہے اوراس میں جانور کو زیادہ تکلیف دینا ہے وہ مکروہ ہے۔

تشریح :واضح ہے۔

يُحْتَاجُ إِلَيْهِ فِي الذَّكَاةِ مَكْرُوهٌ. ٦ وَيُكْرَهُ أَنْ يَجُرَّ مَا يُرِيدُ ذَبْحَهُ بِرِجْلِهِ إِلَى الْمَذْبَحِ، وَأَنْ تُنْخَعَ الشَّاةُ قَبْلَ أَنْ تَبْرُدَ: يَعْنِي تَسْكُنَ مِنْ الِاضْطِرَابِ، وَبَعْدَهُ لَا أَلَمَ فَلَا يُكْرَهُ النَّخْعُ وَالسَّلْخُ، ٧ إلَّا أَنَّ الْكَرَاهَةَ لِمَعْنًى زَائِدٍ وَهُوَ زِيَادَةُ الْأَلَمِ قَبْلَ الذَّبْحِ أَوْ بَعْدَهُ فَلَا يُوجِبُ التَّحْرِيمَ فَلِهَذَا قَالَ: تُؤْكَلُ ذَبِيحَتُهُ. (٢٢٢) قَالَ فَإِنْ ذَبَحَ الشَّاةَ مِنْ قَفَاهَا فَبَقِيَتْ حَيَّةً حَتَّى قَطَعَ الْعُرُوقَ حَلَّ لِتَحَقُّقِ الْمَوْتِ بِمَا هُوَ ذَكَاةٌ، وَيُكْرَهُ ١ لِأَنَّ فِيهِ زِيَادَةَ الْأَلَمِ مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ فَصَارَ كَمَا إذَا جَرَحَهَا ثُمَّ قَطَعَ الْأَوْدَاجَ وَإِنْ مَاتَتْ قَبْلَ قَطْعِ الْعُرُوقِ لَمْ تُؤْكَلْ لِوُجُودِ الْمَوْتِ

ترجمه :٦ اور مکروہ ہے کہ جانور کو مذبح تک پاؤں پکڑ کر کھینچے۔ٹھنڈا ہونے سے پہلے بکری کو حرام مغز تک کاٹے یعنی تڑپنا ختم ہو جائے اس سے پہلے، اور ٹھنڈا ہونے بعد تکلیف نہیں ہے اس لئے نخع بھی مکروہ نہیں اور چمڑا چھیلنا بھی مکروہ نہیں ہے۔

تشریح :واضح ہے۔

ترجمه :٧ یہاں زائد معنی کی وجہ سے کراہیت ہے، اور وہ ہے ذبح سے پہلے یا اس کے بعد تکلیف دینا، اس لئے حرام نہیں ہوگا، اسی لئے کہا کہ ایسے ذبیحہ کو کھا سکتا ہے۔

تشریح :واضح ہے۔

ترجمه :(٢٢٢) اگر بکری کو گدی کی طرف سے ذبح کی پس اگر زندہ ہی تھی کہ رگوں کا کاٹ دیا تو جائز ہے اور مکروہ ہے۔

ترجمه :١ اس لئے کہ اس میں بغیر ضرورت کے زیادہ تکلیف ہے، تو ایسا ہوا کہ جانور کو زخمی کیا پھر رگوں کو کاٹا اور اگر رگوں کو کاٹنے سے پہلے مرگئی تو نہیں کھائی جائے گی۔ اس لئے کہ ذبح ہونے سے پہلے موت ہوگئی

تشریح :بکری کو گلے کی جانب سے چھری پھیر کر ذبح کرنا چاہئے تھا لیکن گدی کی جانب سے چھری پھیری اور گلے کی ہڈی کٹی اور حرام مغز کٹا، پس اگر بکری کے مرنے سے پہلے باقی چار رگیں حلقوم، مری اور ودجان بھی کٹ گئیں تو بکری حلال ہے۔ اور اگر رگوں کے کٹنے سے پہلے بکری مرگئی تو چونکہ ذبح اختیاری نہیں ہوا اس لئے جانور حرام ہوگا۔ لیکن ایسا کرنا بھی مکروہ ہے۔ اس لئے کہ بلا وجہ جانور کو زیادہ تکلیف دی۔

وجه :(١) عن الشعبی انه سئل عن دیک ذبح من قبل قفاة فقال ان شئت فکل. (مصنف عبد الرزاق، باب سنۃ الذبح، ج رابع، ص ٣٧٥، نمبر ٨٦٢٣) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ گدی کی جانب سے ذبح کرے اور تمام رگیں کٹ جائیں تو کھایا جائے گا۔ (٢) اور باقی رگیں کٹنے سے پہلے مرگیا تو حلال نہیں اس کے لئے اس قول تابعی میں اشارہ ہے۔ عن ابی نجیح قال من ذبح بعیرا من خلفه متعمدا لم یو کل وان ذبح شاة من فصها متعمدا یعنی القفص متعمدا لم تو کل۔ (مصنف عبد الرزاق، باب سنۃ الذبح، ج رابع، ص ٣٧٥، نمبر ٨٦٢٩) اس اثر کو اس صورت پر

بِـمَا لَيۡسَ بِذَكَاةٍ فِيهَا. (۲۲۳) قَالَ وَمَـا اسۡتَـأۡنَـسَ مِنَ الصَّيۡدِ فَذَكَاتُهُ الذَّبۡحُ، وَمَا تَوَحَّشَ مِنَ النَّـعَمِ فَذَكَاتُهُ الۡعَقۡرُ وَالۡجُرۡحُ لِـ لِأَنَّ ذَكَـاةَ الِاضۡـطِـرَارِ انَّمَا يُصَارُ إِلَيۡهِ عِنۡدَ الۡعَجۡزِ عَنۡ ذَكَاةِ

محمول کیا جائے گا جب باقی رگیں کٹنے سے پہلے جانور مر گیا ہو۔

ترجمہ :(۲۲۳) شکار جو مانوس ہو جائے اس کی ذکاۃ ذبح ہے اور جو پالتو جانور وحشی ہو جائے اس کی ذکوۃ نیزہ مارنا اور زخمی کرنا ہے۔

ترجمہ :لے اس لئے اختیاری ذبح کرنے سے عاجز ہو تب اضطراری ذبح کرنا جائز ہوتا ہے، اور دوسری صورت میں عجز متحقق ہے، پہلی صورت میں عجز متحقق نہیں ہے۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ مجبوری کے موقع پر ذبح اضطراری کافی ہے۔ اور اختیار ہو تو ذبح اختیاری ہی کرنا ہوگا۔

تشریح :فطری طور پر جانور شکار تھا مثلا ہرن وغیرہ لیکن وہ گھر میں پالتو جانور کی طرح رہنے لگا ہے تو اب اس میں ذبح اضطراری یعنی تیر پھینک کر مارے اور کہیں بھی لگے تو حلال ہو جائے یہ صورت صحیح نہیں ہے بلکہ پالتو جانور کی طرح حلقوم پر چھری پھیر کر چاروں رگوں کو کاٹے اور ذبح کرے تب حلال ہوگا۔ اس کے برخلاف پالتو جانور بدک گیا اور پکڑنے نہیں دے رہا ہے اور پکڑ کر ذبح اختیاری کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے یا جانور کنویں میں گر گیا ہے اب وہ زندہ باہر نہیں آسکے گا تو اس پر نیزہ مار کر زخمی کرے یا تیر مار کر زخمی کرے۔ اور جسم کے کسی بھی حصے میں لگے تو وہ حلال ہو جائے گا۔ اب شکار کی طرح ہو گیا اور ذبح اضطراری کافی ہے۔

وجہ :(۱) شکار زندہ ہاتھ میں آجائے تب بھی ذبح اختیاری کرنا ضروری ہے اس لئے پالتو کی طرح بن گیا تو یہاں شکار پالتو بن گیا ہے اس لئے بدرجہ اولی ذبح اختیاری کرنا ہوگا (۲) حدیث میں گزر چکا ہے۔ عن عدی بن حاتم قال قال لی رسول الله ﷺ اذا ارسلت کلبک فاذکر اسم الله فان امسک علیک فادرکته حیا فاذبحه۔ (مسلم شریف، باب الصید بالکلاب المعلمة والرمی، ص ۸۶۲، نمبر ۱۹۲۹/۴۹۸۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شکار زندہ ہاتھ میں آیا تو اس کو ذبح اختیاری کرنا ہوگا۔

اور پالتو جانور بدک جائے تو تیر سے زخمی کر دے تب بھی حلال ہے۔

وجہ :(۱) حدیث میں ہے کہ جنگ میں اونٹ بدک گیا تو ایک صحابی نے نیزے سے مار کر ہلاک کر دیا تو آپؐ نے فرمایا جب بھی بدک جائے تو ایسے ہی کرو جس سے حلال ہو جائے گا۔ حدیث یہ ہے۔ عن رافع بن خدیجؓ قال کنا مع النبی ﷺ فی سفر فند بعیر من الابل قال فرماہ رجل بسهم فحبسه قال ثم قال ان لها اوابد کاوابد الوحش فما غلبکم منها فاصنعوا به هکذا. (بخاری شریف، باب اذا ند بعیر لقوم فرماہ بعضهم بسهم فقتله فاراد صلاحهم فهو جائز ص ۹۸۵، نمبر ۵۵۴۴/ابوداؤد شریف، باب الذبیحة بالمروة ص ۴۱۱، نمبر ۲۸۲۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پالتو جانور بدک

الاخْتِيَارِ عَلَى مَا مَرَّ، وَالْعَجْزُ مُتَحَقِّقٌ فِي الْوَجْهِ الثَّانِي دُونَ الْأَوَّلِ (۲۲۴)وَكَذَا مَا تَرَدَّى مِنَ النَّعَمِ فِي بِئْرٍ وَوَقَعَ الْعَجْزُ عَنْ ذَكَاةِ الاخْتِيَارِ ا لِمَا بَيَّنَّا. ٢ وَقَالَ مَالِكٌ: لا يَحِلُّ بِذَكَاةِ الاضْطِرَارِ فِي الْوَجْهَيْنِ لِأَنَّ ذَلِكَ نَادِرٌ. ٣ وَنَحْنُ نَقُولُ: الْمُعْتَبَرُ حَقِيقَةُ الْعَجْزِ وَقَدْ تَحَقَّقَ فَيُصَارُ إلَى الْبَدَلِ، كَيْفَ وَإِنَّا لا نُسَلِّمُ النُّدْرَةَ بَلْ هُوَ غَالِبٌ. ٤ وَفِي الْكِتَابِ أَطْلَقَ فِيمَا

جائے تو بسم اللہ کر کے تیر مارے اور جسم کے کسی حصے سے خون نکال دے تو حلال ہو جائیگا۔

لغت:استانس: مانوس ہو گیا۔ العقر : زخمی کرنا۔الجرح: زخمی کرنا۔

ترجمہ :(۲۲۴)اور ایسے ہی اونٹ کویں میں گر جائے تو اختیاری ذبح کرنے سے عاجز ہو گیا[اس لئے اضطراری ذبح سے عاجز ہو گیا

ترجمہ :۱ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کیا۔

تشریح :اونٹ پالتو جانور ہے لیکن وہ کنویں میں گر گیا اس لئے اب اسکو اختیاری ذبح کرنا مشکل ہو گیا تو اس کو اضطراری ذبح کرنے سے حلال ہو جائے گا، یعنی کسی بھی جگہ پر نیزہ مار کر زخمی کر دیں اور خون نکل جائے تو حلال ہو جائے گا، اس کی دلیل اوپر حدیث گزر گئی۔

وجہ :عن ابی الضحی ان قالحا تردی فی بئر فقال مسروق ذکوہ من قبل خاصرتہ۔(مصنف عبد الرزاق، باب ذبیحۃ العبث و مالم یقدر علی ذبحہ، ج رابع، ص ۳۵۸، نمبر ۸۵۲۰)اس قول تابعی میں ہے کہ اونٹ کنویں میں گر جائے تو اس کو کہیں بھی زخمی کرنے سے حلال ہو جائے گا۔

ترجمہ :۲ امام مالکؒ نے فرمایا کہ اضطراری ذبح کرنا حلال نہیں ہے دونوں صورتوں میں، اس لئے کہ ایسا ہونا نادر ہے۔

تشریح :دونوں صورتوں سے مراد ہے[۱] پالتو جانور متوحش ہو جائے،[۲] اور دوسری صورت ہے پالتو جانور کنویں میں گر جائے تو ان دو صورتوں میں اضطراری ذبح کافی نہیں ہے، اختیاری ذبح ہی کرنا ہوگا، کیونکہ یہ صورت نادر ہے، اور نادر کا اعتبار نہیں ہے۔

ترجمہ :۳ ہم کہتے ہیں کہ اصل اعتبار حقیقت عجز کا ہے اور وہ متحقق ہے، اس لئے بدل کی طرف پھیرا جائے گا۔

تشریح :ہم کہتے ہیں کہ یہ دیکھنا ہے کہ اصل میں یہ واقعہ پیش آتا ہے یا نہیں، اگر یہ واقعہ پیش آتا ہے تو حقیقت عجز ثابت ہو گیا، اس لئے اس کوئی حکم نکالنا ہوگا، اور وہ ہے بدل یعنی اضطراری ذبح کی طرف جانا ہوگا۔

ترجمہ :۴ متن میں مطلقا جانور کے متوحش ہونے کی بات کہی ہے، حالانکہ امام محمدؒ سے روایت ہے کہ بکری اگر صحراء میں بدک جائے تو اس کی ذبح کرنا زخمی کرنا ہے، اور اگر شہر میں بدک جائے تو زخمی کرنے سے حلال نہیں ہوگی، اس لئے کہ وہ اپنا

تَوَحَّشَ مِنَ النَّعَمِ. وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّ الشَّاةَ إِذَا نَدَّتْ فِي الصَّحْرَاءِ فَذَكَاتُهَا الْعَقْرُ، وَإِنْ نَدَّتْ فِي الْمِصْرِ لَا تَحِلُّ بِالْعَقْرِ لِأَنَّهَا لَا تَدْفَعُ عَنْ نَفْسِهَا فَيُمْكِنُ أَخْذُهَا فِي الْمِصْرِ فَلَا عَجْزَ، ۵ وَالْمِصْرُ وَغَيْرُهُ سَوَاءٌ فِي الْبَقَرِ وَالْبَعِيرِ لِأَنَّهُمَا يَدْفَعَانِ عَنْ أَنْفُسِهِمَا فَلَا يَقْدِرُ عَلَى أَخْذِهِمَا، وَإِنْ نَدَّا فِي الْمِصْرِ فَيَتَحَقَّقُ الْعَجْزُ، ۶ وَالصِّيَالُ كَالنَّدِّ إِذَا كَانَ لَا يَقْدِرُ عَلَى أَخْذِهِ، حَتَّى لَوْ قَتَلَهُ الْمَصُولُ عَلَيْهِ وَهُوَ يُرِيدُ الذَّكَاةَ حَلَّ أَكْلُهُ. (۲۲۵) قَالَ وَالْمُسْتَحَبُّ فِي الْإِبِلِ النَّحْرُ،

دفعیہ نہیں کر سکتی تو اس کو شہر میں پکڑ لینا ممکن ہے اس لئے عاجزی نہیں ہوئی۔

تشریح :متن میں یہ بات مطلقا کہی ہے کہ کوئی بھی جانور متوحش ہو جائے تو اس کو اضطراری ذبح کر دو، لیکن امام محمدؒ سے روایت یہ ہے کہ اگر بکری جنگل میں متوحش ہو جائے تو اس کو اضطراری ذبح کرو، لیکن اگر شہر میں متوحش ہو جائے تو اضطراری ذبح کافی نہیں ہے، کیونکہ شہر میں اس کو پکڑنا ممکن ہے اس لئے یہاں عجز متحقق نہیں ہوگا۔

لغت :ندت: بدک جانا۔

ترجمہ :۵ اور گائے اور اونٹ کے سلسلے میں شہر اور صحراء برابر ہیں اس لئے کہ اپنا دفعیہ کرتے ہیں۔ اس لئے اس کو شہر میں پکڑنے کی قدرت نہیں ہے۔ اس لئے اگر وہ شہر میں بدک گیا تو عجز متحقق ہے۔

تشریح : اونٹ اور گائے اپنی جانب سے دفعیہ کر سکتے ہیں، اور شہر میں بھی اس کو پکڑنا مشکل ہوتا ہے اس لئے شہر میں بھی بدک گیا تو ذبح اضطراری جائز ہوگا۔

ترجمہ :۶ اور حملہ کرنے والا اونٹ بدکنے والے کی طرح ہے جبکہ اس کو پکڑنے پر قدرت نہ ہو، چنانچہ جس پر حملہ کیا اس نے اس کو قتل کر دیا اور اس سے ذبح کرنے کی نیت تھی تو اس اونٹ کا کھانا حلال ہو جائے گا۔

تشریح :اونٹ اور گائے نے حملہ کر دیا تو وہ بھی بدک جانے کی طرح ہوگا، اب جس پر حملہ کیا اس نے ذبح کرنے کی نیت سے جانور کو مارا اور کہیں بھی زخمی کر دیا تو حلال ہو جائے گا، کیونکہ اس میں بھی عجز متحقق ہے

لغت :صال: حملہ کرنا، اسی سے ہے مصول علیہ: جس پر حملہ کیا ہو۔

ترجمہ :(۲۲۵) اونٹ میں مستحب ہے نحر کرنا ہے، اور اگر اس کو ذبح کر دیا تو جائز ہے اور مکروہ ہے۔ گائے اور بکری میں مستحب ذبح کرنا ہے۔ پس اگر ان دونوں کو نحر کیا تو جائز ہے لیکن مکروہ ہے۔

لغت : نحر کی شکل یہ ہے کہ اونٹ کے سینے کی ہڈی سے اوپر نیزہ مار کر گلا پھاڑ دے اس کو نحر کہتے ہیں، اس میں نیزہ اوپر سے نیچے کی طرف لیجاتے ہیں۔، اونٹ میں نحر کرنے کی جو جگہ ہے وہاں تمام رگیں جمع ہوتے ہیں۔ اور ذبح میں گائے اور بکری کے جبڑے کے پاس گلا کاٹتے ہیں۔ اس میں ذبح کرنے کی جو جگہ ہے وہاں تمام رگیں اور حلقوم جمع ہوتے ہیں۔

فَاِنْ ذَبَحَهَا جَازَ وَيُكْرَهُ. وَالْمُسْتَحَبُّ فِي الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ الذَّبْحُ فَاِنْ نَحَرَهُمَا جَازَ وَيُكْرَهُ اَمَّا

تشریح :اونٹ میں نحر کرنا مستحب ہے، لیکن اگر اس کو ذبح کر دیا تب بھی جائز اور حلال ہے، البتہ سنت متواترہ کی مخالفت کی وجہ سے ایسا کرنا مکروہ ہے، اور گائے اور بکری میں ذبح کرنا مستحب ہے، لیکن اگر اس کو نحر کر دیا تو بھی حلال ہے، البتہ سنت متوارہ کی مخالفت کی وجہ سے ایسا کرنا مکروہ ہے۔

وجہ :(۱) آیت میں اونٹ میں نحر کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ فصل لربک وانحر ۔(آیت۲، سورۃ الکوثر ۱۰۸) اس آیت میں نحر کرنے کی طرف اشارہ ہے (۲) حجۃ الوداع میں آپ ؐ نے تریسٹھ اونٹ نحر فرمائے۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ ثم انصرف الی المنحر فنحر ثلاثا وستین بیده. (مسلم شریف، باب حجۃ النبی ﷺ، ص ۵۱۶، نمبر ۱۲۱۸/ ۲۹۵۰/ ابو داؤد شریف، باب صفۃ حجۃ النبی ﷺ، ص ۲۷۹، نمبر ۱۹۰۵/ بخاری شریف، باب من نحر ھدیہ بیدہ، ص ۲۷۶، نمبر ۱۷۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اونٹ کو نحر کرنا افضل ہے۔ (۳) اور اونٹ کو ذبح کرنا بھی جائز ہے اس لئے یہ قول تابعی ہے۔ عن الزهری وقتادة قالا الابل والبقر ان شئت ذبحت وان شئت نحرت. (مصنف عبد الرزاق، باب الذبح افضل ام النحر، ج رابع، ص ۳۷۳، نمبر ۸۶۱۳) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ اونٹ اور گائے کو چاہے نحر کرے چاہے ذبح کرے دونوں سے حلال ہو جائیں گے۔

اور گائے اور بکری کو ذبح کرنا افضل ہے (۱) اس کی دلیل اس آیت کا اشارہ ہے۔ فذبحوها وما کادوا یفعلون. (آیت ۷۱، سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں گائے کے بارے میں ہے کہ اس کو ذبح کیا جس سے معلوم ہوا کہ گائے وغیرہ میں ذبح کرنا مستحب ہے (۲) حدیث میں ہے۔ عن جابر بن عبد الله ؓ قال کنا نتمتع فی عهد رسول الله ﷺ نذبح البقرة عن سبعة نشترک فیها . (ابو داؤد شریف، باب البقر والجزور عن کم یجزی، ص ۴۰۹، نمبر ۲۸۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گائے ذبح کرے۔ (۳) اور بکری ذبح کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن جابر بن عبد الله قال شهدت مع رسول الله الاضحی فی المصلی فلما قضی خطبته نزل من منبره واتی بکبش فذبحه رسول الله بیده۔ (ابو داؤد شریف، باب فی الشاۃ یضحی بھا عن جماعۃ، ص ۴۰۹، نمبر ۲۸۱۰/ نسائی شریف، ذبح الرجل اضحیتہ بیدہ، ص ۶۱۳، نمبر ۴۴۲۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بکری کو ذبح کرے۔ (۴) اور نحر کر لیا تو جائز ہوگا اس کی دلیل اوپر کا اثر ہے۔ ان شئت ذبحت وان شئت نحرت. (مصنف عبد الرزاق، نمبر ۸۶۱۳) (۵) ایک حدیث میں ہے۔ سمعت عائشة ؓ تقول ... قالت فدخل علینا یوم النحر بلحم بقر فقلت ماهذا؟ قال نحر رسول الله ﷺ عن ازواجه۔ (بخاری شریف، باب ذبح الرجل البقر عن نساءہ من غیر امرھن، ص ۲۷۶، نمبر ۱۷۰۹) اس حدیث میں گائے کو نحر کرنے کا تذکرہ ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ گائے کو نحر کر دے تو بھی حلال ہوگی۔

ترجمہ :(۱) بہر حال اس میں مستحب ہونا تو متوار احادیث کی وجہ سے ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ اونٹ میں نحر کی جگہ تمام رگیں

الاِسْتِحْبَابُ فِيهِ لِمُوَافَقَةِ السُّنَّةِ الْمُتَوَارَثَةِ وَلِاجْتِمَاعِ الْعُرُوقِ فِيهَا فِي الْمَنْحَرِ وَفِيهِمَا فِي الْمَذْبَحِ، ٢ وَالْكَرَاهَةُ لِمُخَالَفَةِ السُّنَّةِ وَهِيَ لِمَعْنًى فِي غَيْرِهِ فَلَا تَمْنَعُ الْجَوَازَ وَالْحِلَّ ٣ خِلَافًا لِمَا يَقُولُهُ مَالِكٌ أَنَّهُ لَا يَحِلُّ. (٢٢٦) قَالَ وَمَنْ نَحَرَ نَاقَةً أَوْ ذَبَحَ بَقَرَةً فَوَجَدَ فِي بَطْنِهَا جَنِينًا مَيِّتًا لَمْ يُؤْكَلْ أَشْعَرَ أَوْ لَمْ يُشْعِرْ ا وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ. وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ وَالْحَسَنِ بْنِ

جمع ہیں، اور گائے اور بکری میں ذبح کرنے کی جگہ تمام رگیں جمع ہیں۔

تشریح: اونٹ میں نحر کرنا اور گائے اور بکری میں ذبح کرنا حدیث کی وجہ سے ہے جو اوپر گزری، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جہاں نحر کی جگہ ہے اونٹ میں اسی مقام پر تمام رگیں جمع ہوتی ہیں اس لئے اس جگہ کو پھاڑ دینے سے تمام رگ کٹ جائیں گی، اور خون نکلنے میں آسانی ہوگی۔ اور جہاں ذبح کیا جاتا ہے اومقام پر گائے اور بکری میں تمام رگیں جمع ہیں اس لئے اس مقام پر ذبح کرنے سے تمام رگیں کٹ جائیں گی، اور خون نکلنے میں آسانی ہوگی۔

ترجمہ: ٢ اور کراہیت جو ہے وہ سنت کی مخالفت کی وجہ سے ہے اور وہ معنی لغیرہ کی وجہ سے ہے، اس لئے جواز اور حلال ہونے کو نہیں روکے گا،

لغت: معنی لغیرہ: یہ ایک منطقی محاورہ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ذاتی اعتبار سے اس میں حرمت نہیں ہے بلکہ باہر کی کسی حرکت کی وجہ سے اس میں کراہیت آئی ہے اس لئے یہ مکروہ تو ہوگا، لیکن حلال رہے گا۔

تشریح: یعنی اونٹ میں ذبح کرنا اور بکری اور گائے کو نحر کرنا حدیث کی مخالفت کی وجہ سے یہ فعل مکروہ ہوگا، لیکن چونکہ ذاتی اعتبار سے اس میں خون بہانا ہے اس لئے اس کا گوشت حلال ہے۔

ترجمہ: ٣ یہ بات حضرت امام مالکؒ کے قول کے خلاف ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حلال ہی نہیں ہوگا۔

تشریح: امام مالکؒ اس کے خلاف ہیں وہ فرماتے ہیں کہ زونٹ کو ذبح کرنے اور گائے کو نحر کرنے سے گوشت حلال نہیں ہوگا، کیونکہ حدیث متواترہ کے خلاف کیا۔

ترجمہ: (٢٢٦) کسی نے اونٹنی نحر کی یا گائے یا بکری ذبح کی اور ان کے پیٹ میں مردہ بچہ پایا تو نہیں کھایا جائے گا بال آ گئے ہوں یا نہ آئے ہوں۔

ترجمہ: ا یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور یہی قول امام زفر اور امام حسن بن زیادؒ کا ہے

تشریح: اونٹنی نحر کی اور اس کے پیٹ سے مردہ بچہ نکلا یا گائے ذبح کی یا بکری ذبح کی اور ان کے پیٹ سے مردہ بچہ نکلا تو چاہے بچہ اتنا بڑا ہو گیا ہو کہ اس کے جسم پر بال اگ آئے ہوں تب بھی اس بچے کو نہیں کھایا جائے گا۔

وجہ: (ا) اس لئے کہ بچہ اگر چہ ماں کے ساتھ متصل ہے لیکن اس کا جسم بالکل الگ ہے، اس لئے ماں کو جب ذبح کرے گا

زِيَادٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ. ۲ؑ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ: إِذَا تَمَّ خَلْقَتُهُ أُكِلَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – ذَكَاةُ الْجَنِينِ ذَكَاةُ أُمِّهِ ۳ؑ وَلِأَنَّهُ جُزْءٌ مِنَ الْأُمِّ حَقِيقَةً لِأَنَّهُ مُتَّصِلٌ بِهَا حَتَّى يُفْصَلَ بِالْمِقْرَاضِ وَيَتَغَذَّى بِغِذَائِهَا وَيَتَنَفَّسَ بِتَنَفُّسِهَا، ۴ؑ وَكَذَا

اوراس کا خون نکلے گا تو اس سے بچے کے جسم سے خون نہیں نکلے گا، اس لئے بچہ جو مرا ہے وہ اندر سانس گھٹنے کی وجہ سے مرا ہے، ذبح کرنے کی وجہ سے نہیں مرا ہے اس لئے یہ بچہ حلال نہیں ہوگا۔ (۲) قول تابعی میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن ابراھیم قال لاتکون زکوۃ نفس زکوۃ نفسین یعنی ان الجنین اذا ذبحت امه لم یوکل حتی یدرک زکاته** ۔(کتاب الآثار لامام محمد، باب زکوۃ الجنین والعقیقۃ، ص ۱۷۸، نمبر ۸۰۸، سنن بیہقی، باب ذکاۃ ما فی بطن الذبیحۃ، ج تاسع، ص ۵۶۵، نمبر ۱۹۵۰۲) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ ماں کے ذبح کرنے سے بچہ ذبح نہیں ہوگا چاہے بال اگ آئے ہوں یا نہ اگے ہوں

لغت: جنین: ماں کے پیٹ کا بچہ۔ وبر: اونٹ کا بال۔

ترجمه: ۲ؑ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر بچے کی خلقت مکمل ہو جائے تو کھایا جائے گا، اور یہی قول امام شافعیؒ کا ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ماں کے ذبح کرنے سے اندر کا بچہ بھی ذبح ہو جائے گا۔

تشریح: صاحبینؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر بچے کو بال نکل گیا ہو اور ایسا معلوم ہوتا ہو کہ اس کی خلقت اور بڑھوتری پوری ہوگئی ہے تو ماں کی ذبح کرنے سے بچے کا ذبح شمار کیا جائے گا اور بچہ بھی حلال شمار ہوگا۔

وجه: (۱) حدیث میں ہے جسکو صاحب ہدایہ نے ذکر کی ہے۔ **عن جابر بن عبد الله عن رسول الله ﷺ قال ذکوۃ الجنین ذکوۃ امه.** (ابو داؤد شریف، باب ما جاء فی ذکوۃ الجنین، ص ۴۱۲، نمبر ۲۸۲۸؍ ترمذی شریف، باب ما جاء فی ذکوۃ الجنین، ص ۳۵۹، نمبر ۱۴۷۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں کے ذبح کرنے سے بچہ بھی ذبح ہو جائے گا اور حلال ہو جائے گا۔ (۲) اور بال اگے تب حلال ہوگا اس کی دلیل۔ **عن الزھری قال فی الجنین اذا اشعر او وبر فذکوته ذکوۃ امه.** (مصنف عبد الرزاق، باب الجنین، ج رابع، ص ۳۸۲، نمبر ۸۶۷۱؍ موطا امام مالک، باب زکوۃ ما فی بطن الذبیحۃ، ص ۴۹۰) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ بال اگے ہوں تو کھایا جائے گا ورنہ نہیں۔

ترجمه: ۳ؑ اور اس لئے کہ بچہ حقیقت میں ماں کا جز ہے اس لئے کہ ماں کے ساتھ متصل ہے اور قینچی سے کاٹ کر جدا کیا جاتا ہے، اور ماں کی غذا سے بچہ غذا حاصل کرتا ہے، اور مان کی سانس سے بچہ سانس لیتا ہے۔

تشریح: یہ امام صاحبین کی دلیل عقلی ہے کہ بچہ ماں کے ساتھ متصل ہے، پیدائش کے وقت قینچی سے کاٹ کر جدا کیا جاتا ہے، اور ماں کی غذا بچے کی غذا ہے، اور ماں کی سانس لینے سے بچے کا سانس لینا ہوتا ہے، پس جب ماں کا جز ہوا تو ماں کے ذبح کرنے سے بچے کا ذبح ہو جائے گا۔

حُكْمًا حَتَّى يَدْخُلَ فِيْ الْبَيْعِ الْوَارِدِ عَلَى الْأُمِّ وَيُعْتَقَ بِإِعْتَاقِهَا. وَإِذَا كَانَ جُزْئًا مِنْهَا فَالْجُرْحُ فِيْ الْأُمِّ ذَكَاةٌ لَهُ عِنْدَ الْعجزِ عَنْ ذَكَاتِهِ كَمَا فِيْ الصَّيْدِ. ۵ وَلَهُ أَنَّهُ أَصْلٌ فِيْ الْحَيَاةِ حَتَّى تُتَصَوَّرَ حَيَاتُهُ بَعْدَ مَوْتِهَا وَعِنْدَ ذٰلِكَ يُفْرَدُ بِالذَّكَاةِ، وَلِهٰذَا يُفْرَدُ بِإِيجَابِ الْغُرَّةِ وَيُعْتَقُ بِإِعْتَاقٍ مُضَافٍ

ترجمہ : ۴ اور ایسے ہی حکما بچہ ماں کے حکم میں داخل ہے، کہ ماں کی بیع میں بچہ داخل ہے، ماں کے آزاد ہونے سے بچہ آزاد ہوتا ہے، اور جب بچہ ماں کا جز ہوا تو عاجزی کے وقت ماں کے زخم کرنے سے بچے کی ذکاۃ ہو جائے گی، جیسے کہ شکار میں ہوتا ہے۔

تشریح : یہ شافعیؒ کی دوسری دلیل ہے۔ ماں کو بیچے تو بچے کی بھی بیع ہو جاتی ہے۔ ماں کو آزاد کرے تو بچہ بھی آزاد ہو جاتا ہے اس لئے حکما بھی بچہ ماں کا جزء ہے اس لئے ماں کے ذبح کرنے سے بچے کا ذبح ہو جائے گا۔ اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ شکار کو ذبح اختیاری کرنے سے عاجز تو کہیں بھی تیر سے زخمی کر دے تو حلال ہو جاتا ہے، یہاں بھی پیٹ کے اندر بچے کو ذبح کرنا ناممکن ہے اس لئے ماں کو ذبح کرنے سے بچے کو ذبح کرنا شمار کیا جائے گا۔

ترجمہ : ۵ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ بچہ زندہ ہونے میں ماں سے الگ اور مستقل ہے، چنانچہ ماں کے مرنے کے بعد بچہ کا زندہ رہنا ممکن ہے اس لئے الگ سے اس کو ذبح بھی کیا جائے گا، یہی وجہ ہے کہ غرہ الگ سے واجب کرتے ہیں، بچے کو آزاد کرنے سے تنہا بچہ آزاد ہو جائے گا، بچے کے لئے وصیت کرنا صحیح ہے، اور یہ بچہ کسی کے لئے وصیت کرے تو وہ بھی صحیح ہے

تشریح : بچہ بہت سارے احکام میں ماں سے الگ اور مستقل ہے، اس کے لئے پانچ دلیل دے رہے ہیں [۱] ماں کے پیٹ میں بچے کی زندگی بالکل مستقل ہے چنانچہ ماں مر جائے تو بچہ پیٹ میں زندہ رہ سکتا ہے [۲] کسی حامل عورت کے پیٹ پر لات ماری اور بچہ مر گیا تو اس کے عوض میں ایک باندی دینا ہوگا۔ [۳] باندی آزاد نہ کرے، لیکن اس کے پیٹ کے بچے کو آزاد کرے تو وہ بچہ آزاد ہو جائے گا [۴] صرف بچے کے لئے وصیت کرے تو اس کے لئے وصیت ہوگی۔ [۵] کوئی وصیت کرتا ہے کہ گھوڑی کا بچہ فلاں کے لئے، لیکن گھوڑی اس کے لئے نہیں ہے تو یہ بچی وصیت میں چلی جائے گی۔ پس یہ پانچ دلیل اس بات کا ثبوت ہے کہ بچہ مستقل ہے، یہ ماں کے تابع نہیں ہے، اس لئے ذبح کرنے میں بھی ماں کے تابع نہ ہو، اور ماں کے ذبح کرنے سے بچہ حلال نہیں ہوگا۔

لغت : یفرد بایجاب الغرۃ: غرۃ کا ترجمہ ہے باندی، عبارت کا مطلب ہے کہ پیٹ میں صرف بچہ مرنے سے اس کے بدلے میں باندی واجب ہوتی ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ بچہ ماں سے علیحدہ چیز ہے۔ تصح الوصیۃ لہ: بچے کے لئے وصیت جائز ہے، اور بہ کا اصل عبارت ہے الوصیۃ بہ: مثلا گھوڑی کے بچے کے لئے وصیت کرے کہ یہ فلاں کے لئے وصیت کرتا ہوں تو یہ وصیت جائز ہوگی، جس سے معلوم ہوا کہ بچہ علیحدہ چیز ہے۔

ترجمہ : ٦ پھر یہ کہ یہ خون والا جانور ہے اور ذبح کرنے کا مقصد خون کو گوشت سے الگ کرنا ہے، اور ماں کو ذبح کرنے

إِلَيْهِ، وَتَصِحُّ الْوَصِيَّةُ لَهُ وَبِهِ،٦ وَهُوَ حَيَوَانٌ دَمَوِيٌّ، وَمَا هُوَ الْمَقْصُودُ مِنَ الذَّكَاةِ وَهُوَ الْمَيْزُ بَيْنَ الدَّمِ وَاللَّحْمِ لا يَتَحَصَّلُ بِجُرْحِ الْأُمِّ، اذْ هُوَ لَيْسَ بِسَبَبٍ لِخُرُوجِ الدَّمِ عَنْهُ فَلا يُجْعَلُ تبْعًا فِي حَقِّهِ،٧ بِخِلَافِ الْجُرْحِ فِي الصَّيْدِ لِأَنَّهُ سَبَبٌ لِخُرُوجِهِ نَاقِصًا فَيُقَامُ مَقَامَ الْكَامِلِ فِيهِ عِنْدَ التَّعَذُّرِ.٨ وَإِنَّمَا يَدْخُلُ فِي الْبَيْعِ تَحَرِّيًا لِجَوَازِهِ كَيْ لا يَفْسُدَ بِاسْتِثْنَائِهِ،٩ وَيُعْتَقُ بِإِعْتَاقِهَا كَيْ لَا يَنْفَصِلَ مِنَ الْحُرَّةِ وَلَدٌ رَقِيقٌ.

سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوگا، اس لئے کہ ماں کو زخمی کرنے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوگا اس لئے کہ ماں زخمی کرنا بچے سے خون نکل جانے کا سبب نہیں ہے، اس لئے ذبح کرنے کے حق میں بچے کو ماں کے تابع قرار نہ دیا جائے

تشریح : یہ چھٹی دلیل ہے کہ ذبح کا مقصد خون اور گوشت کو الگ کرنا ہے، اور یہ جانور خون والا ہے، اور ماں کے زخم کرنے سے بچے کے جسم سے خون نہیں نکلے گا، اس لئے اس کو حلال نہیں ہونا چاہئے۔

ترجمہ : ٧ بخلاف شکار کو زخمی کرنے میں [کہ وہاں حلال ہو جاتا ہے] اس لئے کہ ناقص طور پر خون نکلنے کا سبب ہے اس لئے وہ متعذر ہوتے وقت کامل کے قائم مقام کر دیا جائے گا۔

تشریح : یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے ان کا استدلال تھا کہ شکار کو زخمی کرنے میں تھوڑا بہت خون نکلتا ہے اس لئے مجبوری کے وقت پورا خون نکلنے کے قائم مقام کر دیا جائے گا، اسی طرح یہاں بھی ماں کے ذبح کو مجبوری کے وقت بچے کا ذبح قرار دیا جائے۔ اس کا جواب دیا جا رہا کہ شکار کا خون کچھ نہ کچھ نکلتا ہے، اس لئے ناقص خون کو مجبوری کی وجہ سے کامل خون نکلنے کے قائم مقام کر دیا گیا، اور یہاں بچے کا خون کچھ بھی نہیں نکلتا اس لئے اس کو کامل خون نکلنے کے درجے میں نہیں رکھا جا سکتا۔

ترجمہ : ٨ یہ بھی امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں کہا تھا کہ ماں کی بیع میں بچہ داخل ہوتا ہے، اسی طرح ماں کے ذبح میں بچہ بھی داخل ہوگا، اس کا جواب دیا جا رہا ہے یہ ماں کے جزء ہونے کی بنا پر داخل نہیں کیا ہے بلکہ اس بنا پر کیا ہے کہ اگر بچے کو بیع میں داخل نہ کریں تو استثناء کی وجہ سے بیع فاسد ہو جائے گی، تو بیع کو فساد سے بچانے کی وجہ سے ماں کی بیع میں بچے کو داخل کیا، جزئیت کی وجہ سے نہیں۔

ترجمہ : ٩ اور ماں کے آزاد ہونے سے بچہ آزاد ہوتا اس لئے کہ آزاد سے غلام بچہ پیدا نہ ہو۔

تشریح : یہ بھی امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے استدلال کیا تھا کہ ماں کے آزاد کرنے سے بچہ بھی آزاد ہوتا ہے اس لئے ماں کے ذبح کرنے سے بچہ بھی ذبح ہو جائے، تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ آزاد کا بچہ آزاد ہوتا ہے، اس لئے آزاد کے پیٹ سے غلام پیدا نہ ہو، اس لئے اس بچے کو آزاد شمار کیا جاتا ہے، جزئیت کی وجہ سے نہیں۔

﴿فصل فِيما يَحِلُّ أَكُلُه وَمَا لاَ يَحِلُّ﴾

(٢٢٧)قَالَ وَلَا يَجُوزُ أَكُلُ ذِى نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَلَا ذِى مِخْلَبٍ مِنَ الطُّيُورِ ۱ لِأَنَّ النَّبِىَّ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – نَهَى عَنْ أَكْلِ كُلِّ ذِى مِخْلَبٍ مِنَ الطُّيُورِ وَكُلِّ ذِى نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ ۲ وَقَوْلُهُ مِنَ السِّبَاعِ ذُكِرَ عَقِيبَ النَّوْعَيْنِ فَيَنْصَرِفُ إِلَيْهِمَا فَيَتَنَاوَلُ سِبَاعَ الطُّيُورِ وَالْبَهَائِمِ.

﴿فصل فيما يحل اكله و ما لا يحل﴾

ترجمه : (٢٢٧)اور نہیں جائز ہے کچلیوں والے درندوں کو کھانا اور نہ پنجوں والے پرندوں کو کھانا۔

ترجمه : ۱ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے پنجے والے پرندے اور کچلی والے پھاڑ کھانے والے جانور کے کھانے سے منع فرمایا۔

تشریح : پھاڑ کھانے والے جانوروں کے منہ میں دودھار والے لمبے دانت ہوتے ہیں جن سے وہ جانور کو پھاڑتا ہے اس کو ذی ناب جانور کہتے ہیں اس کو کھانا حلال نہیں ہے۔ اور جو پرندہ تیز ناخن اور تیز چونچ سے پکڑتا ہے اور پرندوں کو پھاڑتا ہے اس کو ذی مخلب پرندہ کہتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ پھاڑ کھانے والے جانور اور پھاڑ کھانے والے پرندوں کو کھانا حلال نہیں ہے۔

وجه :(۱) یہ جانور پھاڑ کھاتا ہے اس لئے اگر اس کو انسان کھانے لگ جائے تو اس میں بھی پھاڑنے کی عادت آسکتی ہے اس لئے اس کو کھانا حرام قرار دیا (۲) حدیث میں ہے جسکو صاحب ہدایہ نے ذکر یا ہے۔ **عن ابن عباس قال نهى رسول الله ﷺ عن كل ذى ناب من السباع وعن كل ذى مخلب من الطير** (مسلم شریف، باب تحریم اکل کل ذی ناب من السباع وکل ذی مخلب من الطیر ،ص۸۶۴،نمبر۱۹۳۴/۴۹۹۴/ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی اکل السباع،ص۵۴۲،نمبر۳۸۰۳/ بخاری شریف، باب اکل ذی ناب من السباع،ص۹۸۴،نمبر۵۵۳۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پھاڑ کھانے والے کچلی دار جانور اور پنجے سے پکڑ کر پھاڑنے والے پرندے کو کھانا جائز نہیں ہے۔

اصول: جو چوپایا، یا پرندہ پھاڑ کھاتا ہے اس کو کھانا حلال نہیں ہے۔

لغت :ناب :کچلی کے دانت، اگلے دو دانت جو بہت نوک دار ہوتے ہیں۔ السباع : پھاڑ کھانے والے جانور۔ مخلب : پنجہ، پنجے سے پکڑ کر کھانے والے جانور۔

ترجمه : ۲ حدیث میں یہ قول من السباع کو دونوں قسموں کے بعد لایا اس لئے دونوں کی طرف پھیرا جائے گا اور پرندے اور چوپائے کو بھی سباع شامل ہوگا، نہ کہ ہر چنگل والے کو اور ناب والے کو۔

تشریح : اوپر کی حدیث میں لفظ سباع، پہلے ہے لیکن صاحب ہدایہ نے سباع کا لفظ بعد میں لایا ہے، اور یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ہر کچلی دانت والا چوپایہ حرام نہیں ہے، بلکہ وہ کچلی دانت والا حرام ہے جو پھاڑ کھاتا ہو، اسی طرح ہر پنجے والا

لا كُلَّ مَا لَهُ مِخْلَبٌ أَوْ نَابٌ. ۳ وَالسَّبُعُ كُلُّ مُخْتَطِفٍ مُنْتَهِبٍ جَارِحٍ قَاتِلٍ عَادٍ عَادَةً. ۴ وَمَعْنَى التَّحْرِيمِ (وَاللّٰهُ أَعْلَمُ) كَرَامَةُ بَنِي آدَمَ كَيْ لَا يَعْدُوَ شَيْءٌ مِنْ هٰذِهِ الْأَوْصَافِ الذَّمِيمَةِ إِلَيْهِمْ بِالْأَكْلِ، ۵ وَيَدْخُلُ فِيهِ الضَّبُعُ وَالثَّعْلَبُ، ۶ فَيَكُونُ الْحَدِيثُ حُجَّةً عَلَى الشَّافِعِيِّ –

پرندہ حرام نہیں ہے ، بلکہ جو پرندہ پھاڑ کھاتا ہو وہ پنجے والا پرندہ حرام ہے۔

ترجمہ : ۳ سبع: پھاڑ کھانے والا ہر وہ حیوان ہے جو جوا چکنے والا ہو، لوٹ مار کرنے والا ہو زخمی کرنے والا ہو قتل کرنے والا ہو حملہ کرنے والا ہو عادت کے اعتبار سے

تشریح : سبع کسکو کہتے ہیں اس کی چار تعریف کر رہے ہیں، کہ ہر وہ حیوان ہے جو فطری اور عادت کے اعتبار سے اچکنے والا ہو، لوٹ مار کرنے والا ہو، زخمی کرنے والا ہو، قتل کرنے والا ہو، حملہ کرنے والا ہو اس کو سبع، کہتے ہیں، اب کبوتر کو پنجہ ہے لیکن وہ پھاڑ کھانے والا نہیں ہے اس لئے وہ سبع نہیں ہے اس کا کھانا حلال ہے۔ اور چیل اور کوا پھاڑ کھانے والا پرندہ ہے اس لئے اس کا کھانا حرام ہے۔

لغت :مختطف: خطف سے مشتق ہے اچک کر بھاگ جانے والا۔ منتهب: نهب سے مشتق ہے لوٹ مار کرنا۔ جارح : جرح سے مشتق ہے، زخمی کرنے والا۔ عاد: حملہ کرنے والا۔ عادة: فطرت اور عادت کے اعتبار سے۔

ترجمہ : ۴ حرام ہونے کی وجہ واللہ اعلم بنی آدم احترام ہے تاکہ کھانے کی وجہ سے ان بری اوصاف میں سے کوئی چیز بنی آدم میں نہ منتقل ہو جائے۔

تشریح : ان پھاڑ کھانے والے جانور کو حرام کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کو کھانے کی وجہ سے اس میں جو پھاڑ کھانے کی عادت ہے وہ انسان میں نہ منتقل ہو جائے اس لئے ان جانوروں کو حرام کیا۔

لغت :یعدو: عود سے مشتق ہے، منتقل ہونا۔ الذميمة : بری عادت۔

ترجمہ : ۵ اور اس منع کرنے میں بجو، اور لومڑی داخل ہیں۔

تشریح : اوپر حدیث میں بیان کیا کہ کچلی دانت والا جانور حرام ہے، اور بجو کو اور لومڑی کو کچلی دانت [ذی ناب] ہوتا ہے، اس لئے اوپر کی حدیث کی رو سے یہ دونوں جانور بھی حرام ہوں گے

ترجمہ :۶ اس لئے امام شافعیؒ پر حجت ہوگی ان دونوں کے مباح کرنے میں

تشریح : امام شافعیؒ کے نزدیک بجو اور لومڑی حلال ہیں، اس لئے یہ اوپر کی حدیث ان پر حجت ہے۔ کتاب الام میں عبارت یہ ہے۔ **قال الشافعیؒ و لحوم الضبع تباع عند نا مكة بين الصفا و المروة لا أحفظ عن احد من اصحابنا خلافا فى احلالها** ۔ (کتاب الام موسوعة امام شافعی، باب أكل الضبع ، ج ۵ ،ص ۵۶۱ ،نمبر ۲۳۸۱۷) اس عبارت میں ہے کہ بجو حلال ہے، اور لومڑی کے بارے میں یہ عبارت ہے۔ **قلت الضبع و الثعلب و ما أشبهه ، قال فلا معنى**

رَحِمَهُ اللّٰهُ – فِيْ إبَاحَتِهِمَا، ۷؎ وَالْفِيلُ ذُو نَابٍ فَيُكْرَهُ، ۸؎ وَالْيَرْبُوعُ وَابْنُ عِرْسٍ مِنْ السِّبَاعِ

لــه مــا وصفــت ؟ (کتاب الام موسوعۃ امام شافعی، باب الخلاف والموافقۃ فی اکل کل ذی ناب من السباع وتفسیرہ، ج ۵، ص ۵۶۰، نمبر ۴۷۳۷) اس عبارت کے اشارے سے معلوم لومڑی حلال ہے۔

وجه : (۱) بجو کے بارے میں انکی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن جابر بن عبد الله قال سالت رسول الله ﷺ عن الضبع فقال هو صيد ويجعل فيه كبش اذا صاده المحرم. (ابو داؤد شریف، باب فی اکل الضبع ، ص ۵۴۲، نمبر ۳۸۰۱) (۲) ترمذی شریف میں اس طرح ہے۔ قلت لجابر الضبع صيد هي؟ قال نعم قال قلت أكلها؟ قال نعم قال قلت اقاله رسول الله ﷺ؟ قال نعم. (ترمذی شریف، باب ما جاء فی اکل الضبع ج ثانی ص ۴۲۴، نمبر ۱۷۹۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بجو کو کھانا حلال ہے۔ (۳) اور لومڑی کے بارے یہ قول تابعی ہے۔ عن ابن طاؤساو غیرہ عن طاؤس كان لا يرى بأكل الثعلب بأسا ۔ (مصنف عبد الرزاق، باب الثعلب والقرد۔ ج رابع، ص ۴۰۴، نمبر ۸۷۷۳) اس قول تابعی میں ہے کہ لومڑی کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۱) بجو کے بارے میں ہماری دلیل یہ قول تابعی ہے۔ سألت ابن المسيب عن اكل الضبع ؟ فقال اكلها لا يصلح فقال شيخ عنده ان شئت حدثتک ما سمعت من ابی الدرداء قال انه قال سمعته يقول : نهى رسول الله عن كل ذی نهبة .....و عن كل اكل كل ذی ناب من السباع ، قال سعيد صدقت (مصنف عبد الرزاق، باب الضبع ، ج رابع، ص ۳۹۲، نمبر ۸۷۱۹) اس قول تابعی میں ہے کہ بجو درندہ ہے اس لئے وہ نہ کھایا جائے۔ (۲) اور لومڑی کے بارے میں ہماری دلیل یہ قول تابعی ہے۔ عن الزهری قال الثعلب سبع ، لايؤكل (مصنف عبد الرزاق، باب الثعلب والقرد، ج رابع، ص ۴۰۴، نمبر ۸۷۷۲) اس قول تابعی میں ہے کہ لومڑی حلال نہیں ہے۔ (۳) انبأ عبد اللہ بن جعفر .....فقلت یا نبی اللہ ما تقول فی الچعلب ؟ قال او یاکل ذالک احد۔ (سنن بیہقی، باب ما جاء فی الضبع والثعلب ، ج تاسع، ص ۵۳۶، نمبر ۱۹۳۸۷) اس میں ہے کہ کیا کوئی لومڑی کھا سکتا ہے، جس سے پتہ چلا کہ وہ حرام ہے۔

ترجمه : ۷؎ اور ہاتھی کچلی دانت والا ہے، اس لئے اس کا کھانا مکروہ ہے۔

تشريح : ہاتھی پھاڑ کھانے والا نہیں ہے، لیکن اس کے آگے کے دو دانت لمبے ہوتے ہیں جسکو ناب کہتے ہیں۔ اس لئے یہ حرام بھی نہیں اور حلال بھی نہیں ہے اس کا کھانا مکروہ ہے۔

وجه : (۱) اس قول تابعی میں ہے۔ سمع الحسن يقول الفيل خنزير لا يؤكل لحمه ، ولا يشرب لبنه (مصنف عبد الرزاق، باب الفیل واکل لحم الفیل، ج رابع، ص ۴۰۹، نمبر ۸۸۰۱) اس قول تابعی میں ہے کہ ہاتھی کا گوشت حرام ہے۔ (۲) اور دوسرے تابعی کا قول یہ ہے، سألت الشعبی عن لحم الفيل ؟ فتلا ﴿ قل لا اجد فيما اوحى الى محرما (آیت ۱۴۵، سورۃ الانعام ۶) (مصنف عبد الرزاق، باب الفیل واکل لحم الفیل، ج رابع، ص ۴۰۹، نمبر ۸۸۰۱) اس

الْهَوَامِّ ۹ وَكَرِهُوا أَكْلَ الرَّخمِ وَالْبُغَاثِ لِأَنَّهُمَا يَأْكُلانِ الْجِيَفَ (۲۲۸)قَالَ وَلا بَأْسَ بِغُرَابِ الزَّرْعِ ۱ لِأَنَّهُ يَأْكُلُ الْحَبَّ وَلا يَأْكُلُ الْجِيفَ وَلَيْسَ مِنْ سِبَاعِ الطَّيْرِ.

آیت کے اشارے سے معلوم ہوا کہ ہاتھی حرام نہیں ہے، کیونکہ اس آیت میں ہاتھی کے حرام ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ان دونوں قولوں کو ملا کر یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہاتھی کا گوشت مکروہ ہے۔

ترجمہ :۸ جنگلی چوہا اور نیولا زمین پر رینگنے والا درندہ ہے۔اس لئے اس کو نہیں کھایا جا سکتا۔

وجہ :(۱) جنگلی چوہے کے بارے میں یہ قول تابعی ہے۔ سئل رسول الله عن اكل اليربوع ؟ فلم ير به بأسا ۔(مصنف عبد الرزاق، باب اليربوع ، ج رابع ،ص ۳۹۳، نمبر ۸۷۲۰) اس حدیث میں ہے کہ جنگلی چوہا کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔(۲) سألت الحكم و حماد عن اكل اليربوع فكرهاه ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ما قالوفی الیربوع ،ج رابع ،ص ۲۶۵، نمبر ۱۹۸۸۳ /مصنف عبد الرزاق، باب الیربوع، ج رابع ،ص ۳۹۳، نمبر ۸۷۲۱) اس قول تابعی میں ہے کہ میں جنگلی چوہے کو ناپسند کرتا ہوں۔(۳)عن عائشةؓ ان رسول الله ﷺ قال خمس من الدواب كلهن فاسق يقتلن فی الحرم الغراب والحداة والكلب والعقور والعقرب والفارة . (مسلم شریف، باب ما یندب للمحرم قتلہ من الدواب فی الاحل والحرم، ص ۳۸۱ نمبر ۱۱۹۸ /۲۸۶۷)اس حدیث میں چوہے کو فاسق کہا اور حرم میں بھی قتل کرنا جائز قرار دیا اس لئے وہ حرام ہے۔

لغت :یربوع: جنگلی چوہا۔ابن عرس: نیولا۔الهوام زمین پر رینگنے والے۔السباع الهوام: کا ترجمہ ہے درندہ ہے جو زمین پر رینگنے والا ہے۔

ترجمہ :۹ اور فقہاء نے مکروہ قرار دیا گدھ کو اور بغاث کو اس لئے کہ یہ دونوں گندگی کھاتے ہیں۔

تشریح : گدھ اور بغاث شکار نہیں کرتے لیکن مردار کھاتے ہیں اس لئے ان دونوں کا گوشت بھی مکروہ ہے۔

وجہ : عن ابراهيم انه كره من الطير كل شيء يأكل الميتة ۔(مصنف عبد الرزاق، باب الغراب والحداة، ج رابع ،ص ۳۹۶، نمبر ۸۷۳۴/ مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۷ ما نہی عن اکلہ من الطیور والسباع، ج رابع ،ص ۲۶۳ نمبر ۱۹۸۶۵) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ جو مردہ کھاتا ہو وہ مکروہ ہے۔

لغت :الرخم: گدھ پرندہ ہے اور مردار کھاتا ہے۔بغاث: یہ پرندہ سبزی مائل ہوتا ہے گدھ سے چھوٹا ہوتا ہے، اور مردار کھاتا ہے، میں نے دیکھا ہے کہ جہاں گدھ مرادار کھانے جاتا ہے بغاث بھی اس کے ساتھ ہوتا ہے۔الجیف: مردار، گندگی۔

ترجمہ :(۲۲۸) کوئی حرج کی بات نہیں ہے کھیتی کے کوے کھانے میں۔

ترجمہ :۱ اس لئے کہ یہ داہ کھاتا ہے اور مردار نہیں کھاتا اور پھاڑ کھانے والا پرندہ نہیں ہے۔

تشریح : تین قسم کے کوے ہوتے ہیں اور اردو میں تینوں کو کوا کہتے ہیں

(١)...... پہلا قسم کا کوا انگلینڈ میں دیکھا وہ بالکل کالا ہوتا ہے اور عام چڑیوں کی طرح بھدا ہوتا ہے اور کھیتوں میں دانہ چگتا رہتا ہے اور کوڑے مکوڑے کھاتا رہتا ہے اس کا نام ہر ملک میں الگ الگ ہے۔ لیکن یہی غراب الزرع کھیتی کا کوا ہے۔ چونکہ یہ نہ مردار کھاتا ہے اور نہ گندگی میں منہ ڈالتا ہے اس لئے یہ حلال ہے۔

وجه :(١) یہ کوا ذی مخلب نہیں ہے (٢) قول تابعی میں ہے۔ **عن ابن طاؤس عن ابيه قال كره من الطير ما يأكل الجيف.** (مصنف عبد الرزاق، باب الغراب والحداة، ج رابع، ص ٣٩٦، نمبر ٨٧٣٣) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ مردہ یا گندگی کھاتا ہو تو وہ مکروہ ہے۔ اور یہ کوا مردہ یا گندگی نہیں کھاتا بلکہ کھیتوں سے دانے چگتا ہے اس لئے یہ حلال ہے۔ یہی مصنف کی مراد ہے۔ (٣) اس کوے کے لئے۔ **سمعت عكرمه و سئل عن لحم الغراب و الحديا فقال دجاجة سمينة.** (مصنف ابن ابی شیبة، باب ما قالوا فی لحم الغراب، ج رابع، ص ٢٦٤، نمبر ١٩٨١٧) اس قول تابعی میں ہے کہ کھیتی کا کوا گویا کہ موٹی مرغی ہے، یعنی مرغی کی طرح حلال ہے

(٢)...... دوسرا کوا جس کی چونچ تیز ہوتی ہے اور مڑی ہوئی ہوتی ہے اس کے کالے میں تھوڑی سفیدی مائل ہوتی ہے۔ یہ بہت ہوشیار پرندہ ہوتا ہے۔ یہ ہمارے یہاں گھروں پر آکر مرغی کا چھوٹا بچہ لے بھاگتا ہے اور پھاڑ کھاتا ہے۔ اسی کوئے کو مصنف نے ابقع، کہا ہے، یہ کوا حلال نہیں ہے

وجه :(١) حدیث میں ہے۔ **عن ابن عباس قال نهى رسول الله ﷺ عن كل ذى ناب من السباع وعن كل ذى مخلب من الطير** (مسلم شریف، باب تحریم اکل کل ذی ناب من السباع وکل ذی مخلب من الطیر، ص ٨٦٤، نمبر ١٩٣٤/٤٩٩٤/ ابو داؤد شریف، باب ما جاء فی اکل السباع، ص ٥٤٢، نمبر ٣٨٠٣/ بخاری شریف، باب اکل ذی ناب من السباع، ص ٩٨٤، نمبر ٥٥٣٠) کی وجہ سے حرام ہوگا۔ کیونکہ یہ پھاڑ کھانے والا پرندہ ہے۔ ہندوستان میں جس کو عام طور پر کوا کہتے ہیں جو بہت ہوشیار ہوتا ہے اور شکار کر کے مرغی کے بچوں کو بھی گھروں سے اٹھا کر لے جاتا ہے اور برتن پر بیٹھے گا تو پاخانہ کر کے بھاگے گا، اور روٹی وغیرہ اٹھا کر لے بھاگتا ہے وہ کسی حال میں حلال نہیں ہوسکتا وہ ذی مخلب پرندہ ہے۔ (٢) اور اس کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا کہ وہ فاسق ہے وہ حرم میں بھی ہے تو مار ڈالوا۔ حدیث یہ ہے۔ **عن عائشةؓ ان رسول الله ﷺ قال خمس من الدواب كلهن فاسق يقتلن فى الحرم الغراب والحداة والكلب والعقور والعقرب والفارة.** (مسلم شریف، باب ما یندب للمحرم قتلہ من الدواب فی الاحل والحرم، ص ٣٨١ نمبر ١١٩٨/ ٢٨٦٧) اس حدیث میں کوے کو فاسق کہا اور حرم میں بھی قتل کرنا جائز قرار دیا اس لئے وہ حرام ہے۔

(٣) تیسرا ......کوا بالکل کالا ہوتا ہے یہ پہلے کوے سے تھوڑا بڑا ہوتا ہے۔ یہ پہلے کوے کی طرح ہوشیار نہیں ہوتا اور نہ یہ شکار کر سکتا ہے۔ اس کو ہم لوگ جھارکھنڈ میں ڈرکوا کہتے ہیں۔ یہ ہر وقت گوبر یا لید بکھیر بکھیر کر اس سے دانہ نکال کر کھاتا رہتا ہے۔ یہ

(۲۲۹) قَالَ وَلَا يُؤْكَلُ الْأَبْقَعُ الَّذِي يَأْكُلُ الْجِيَفَ، وَكَذَا الْغُدَافُ **(۲۳۰)** وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ: لَا بَأْسَ بِأَكْلِ الْعَقْعَقِ لِ لِأَنَّهُ يَخلِطُ فَأَشْبَهَ الدَّجَاجَةَ. وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يُكْرَهُ لِأَنَّ غَالِبَ أَكْلِهِ

مردہ گوشت بھی کھالیتا ہے۔اس لئے یہ بھی حرام ہے۔اسی کو مصنف نے ,غداف, کہا ہے۔

وجه : (۱)عن ابراهيم انه كره من الطير كل شيء يأكل الميتة۔(مصنف عبدالرزاق، باب الغراب والحداة ،ج رابع ،ص ۳۹۶ ،نمبر ۸۷۳۴ /مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۷ ما نہی عن اکلہ من الطیو روالسباع ، ج رابع ،ص ۲۶۳ نمبر ۱۹۸۶۵) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ جو مردہ کھاتا ہو وہ مکروہ ہے (۲) اگر اونٹ گندگی کھائے تو اس کا گوشت کھانا بھی درست نہیں اسلئے کوا گندگی کھائے تو بدرجہ اولی اس کا کھانا درست نہیں ہوگا۔حدیث میں ہے۔عن ابن عمرؓ قال نهى رسول الله ﷺ عن اكل الجلالة و البانها . (ابوداؤد شریف، باب النہی عن اکل الجلالۃ والبانھا،۵۴۰،نمبر ۳۷۸۵) ڈرکوا گندگی کھاتا ہے اور مردہ جانور کا گوشت بھی کھاتا ہے اس لئے وہ بھی حلال نہیں ہے۔

ترجمه :(۲۲۹) اور نہیں کھایا جائے گا ابقع کوا جو مردار کھاتا ہے۔

تشريح : ابقع کوا وہی کوا ہے جو دوسرے نمبر میں بیان کیا۔یہ کالا ہوتا ہے لیکن سفیدی مائل ہوتا ہے اور گلے کے پاس تھوڑی سفیدی واضح ہوتی ہے۔اور مردار کھاتا ہے بلکہ مرغی کے بچے کو اٹھا کر لے بھاگتا ہے۔

وجه :دلائل اوپر مسئلہ نمبر ۲۲۸ میں گزر گئے۔اس میں ڈرکوا بھی شامل ہے۔اس کو ڈرکوا اس لئے کہتے ہیں کہ ہوشیار کوے کی بنسبت تھوڑا اڈرتا ہے۔

لغت ابقع ، چتکبرا۔ الجیف : مردار، بدبودار۔

اصول :جو چوپایا، یا پرندہ دوسروں کو پھاڑتا ہو وہ درندہ ہے وہ حلال نہیں ہے۔

اصول : جو جانور مردار کھاتا ہو وہ حلال نہیں ہے۔

اصول : جو جانور حشرات الارض ہو وہ حلال نہیں ہے۔

اصول : جو گھاس یا دانہ کھاتا ہو وہ حلال ہے۔

ترجمه :(۲۳۰) امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ عقعق کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ترجمه :ل اس لئے کہ کبھی وہ مردہ کھاتا ہے اور کبھی دانہ کھاتا ہے، اس لے وہ مرغی کے مشابہ ہو گیا۔،اور امام ابو یوسفؒ سے روایت یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے اس لئے کہ اس کا زیادہ کھانا مردار ہے

لغت :عقعق: کوے کی طرح ایک پرندہ ہے، اتر پردیس میں اس کو مہوکھا، کہتے ہیں، یہ کبھی مردار بھی کھالیتا ہے، لیکن زیادہ تر اس کا کھانا دانہ ہے۔یخلط: خلط سے مشتق ہے چیزوں کو ایک دوسرے میں ملانا، یہاں مراد ہے کہ دانہ بھی کھاتا ہے اور اس

الْجِیَفُ، (۲۳۱) قَالَ وَیُکْرَہُ أَکْلُ الضَّبُعِ وَالضَّبِّ وَالسُّلَحْفَاۃِ وَالزُّنْبُور (۲۳۲) وَالْحَشَرَاتِ

میں کبھی کبھار مردار بھی ملا لیتا ہے۔

تشریح : عقعق کا کھانا دونوں قسم کے ہیں، مردار بھی، اور دانہ بھی اس لئے اس بارے میں اختلاف ہو گیا، امام ابو حنیفہؒ نے دیکھا کہ زیادہ تر یہ دانہ کھاتا ہے اس لئے اس کو حلال کہا، اور امام ابو یوسفؒ نے دیکھا کہ یہ مردار بھی کھاتا ہے اس لئے اس کو حرام کہا۔ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک احتیاط پر مبنی ہے۔

ترجمہ : (۲۳۱) اور مکروہ ہے بجو، اور گوہ۔ کچھوا اور بھڑ مکروہ ہیں۔

تشریح : بجو اور گوہ، حشرات الارض میں سے ہیں اور گوشت خور جانور ہیں۔ ان کو کچلی دانت بھی ہوتا ہے اس لئے حنفیہ کے نزدیک انکا کھانا مکروہ تحریمی ہے۔ چونکہ احادیث میں دونوں قسم کی باتیں ہیں اس لئے بالکل حرام نہیں فرمایا بلکہ مکروہ فرمایا۔ اسی طرح کچھوا، اور بھڑ اور تمام حشرات الارض مکروہ ہیں۔

وجہ : (۱) بجو کے مکروہ ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن اخیہ خزیمۃ بن جزء قال سالت رسول اللہ ﷺ عن اکل الضبع ؟ قال ویاکل الضبع احد؟ . (ترمذی شریف، باب ما جاء فی اکل الضبع ص۴۲۴، نمبر ۱۷۹۲/ ابن ماجہ شریف، باب الضبع ص۴۷۰ نمبر ۳۲۳۷) آپؐ نے تعجب سے پوچھا کہ کیا کوئی بجو کھا سکتا ہے! اس لئے وہ حرام ہوگا۔

(۲) اور گوہ بھی حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ سمعت ابن عمرؓ یقول قال النبی ﷺ الضب لست اکلہ ولا احرمہ (بخاری، نمبر ۵۵۳۶) (۳) اور اسی باب کی دوسری روایت میں ہے۔ فقالوا ھو ضب یا رسول اللہ ! فرفع یدہ فقلت احرام ھو یاسول اللہ؟ فقال لا ولکن لم یکن بارض قومی فاجدنی اعافہ قال خالد فاجتررتہ فاکلتہ ورسول اللہ ینظر (بخاری شریف، باب الضب، ص۹۸۴، نمبر ۵۵۳۷/ مسلم شریف، باب اباحۃ الضب، ص۸۶۸ نمبر ۱۹۴۵/ ۵۰۳۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے گوہ کے گوشت کو نہیں کھایا اس لئے کہ وہ ناپسندیدہ تھا اس لئے مکروہ ہے (۳) ایک حدیث میں ہے۔ عن عبد الرحمن بن شبل ان رسول اللہ ﷺ نھی عن اکل لحم الضب. (ابوداؤد شریف، باب فی اکل الضب، ص۵۴۲، نمبر ۳۷۹۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گوہ کا گوشت حلال نہیں ہے۔

ترجمہ : (۲۳۲) اور حشرات الارض مکروہ ہیں

تشریح : بچھوا اور بھڑ حشرات الارض ہیں اس لئے یہ بھی حرام ہوں گے۔ اور حشرات الارض بھی حرام ہیں۔

وجہ : آیت میں ہے۔ ویحل لھم الطیبت ویحرم علیھم الخبائث (آیت ۱۵۷ سورۃ الاعراف ۷) اس آیت میں ہے کہ خبیث چیز حرام کی گئی ہے اور حشرات الارض خبیث ہے اس لئے اس کا کھانا حرام ہے (۲) قال کنت عند ابن عمر فسئل عن اکل القنفذ فتلا قل لا اجد فی ما اوحی الی محرما (آیت ۱۴۵، سورۃ الانعام ۶) قال قال

كُلِّهَا۔ا أَمَّا الضَّبُعُ فَلِمَا ذَكَرْنَا، وَأَمَّا الضَّبُّ فَلِأَنَّ النَّبِيَّ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – نَهَى عَائِشَةَ – رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا – حِينَ سَأَلَتْهُ عَنْ أَكْلِهِ.۲ وَهِيَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ فِيْ إِبَاحَتِهِ، ۳

شيخ عنده سمعت ابا هريرة يقول ذكر عند رسول الله ﷺ فقال خبيثة من الخبائث ۔(ابوداؤد شریف، باب فی اکل حشرات الارض، ص۵۴۲، نمبر۳۷۹۹ رسنن للبیھقی ، باب ماروی فی القنفذ وحشرات الارض، ج تاسع، ص۵۴۷، نمبر۱۹۴۳۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قنفذ یعنی جنگلی چوہا کھانا ٹھیک نہیں ہے اور وہ حشرات الارض میں سے ہے اس لئے حشرات الارض کا کھانا بھی حلال نہیں ہے (۳) گوہ بھی حشرات الارض میں سے ہے وہ اوپر کی حدیث میں مکروہ بلکہ حرام کہا ہے اس لئے اس پر قیاس کرتے ہوئے باقی حشرات الارض بھی حرام ہیں۔

لغت:الضبع : بجو۔ الضب : گوہ۔ حشرات الارض : زمین پر رینگنے والے جانور جیسے چوہا، کچھوا، سانپ، بچھووغیرہ۔

ترجمہ :(۲۳۲) اور تمام حشرات الارض، مکروہ ہیں۔

ترجمہ :۱ بہرحال بجو تو وہ حرام ہے اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کیا [کہ بجو ذی ناب ہے] اور بہر گوہ تو تو اس لئے کہ حضرت عائشہ نے حضور سے گوہ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے انکو منع فرمایا۔

تشریح : بجو کے بارے میں پہلے بیان کیا ہے کہ وہ کچلی دانت والا ہے اس لئے وہ حرام ہے، اور گوہ کے بارے میں یہ حدیث ہے کہ حضرت عائشہ نے حضورؐ سے گوہ کے بارے میں پوچھا تو اس کو کھانے سے منع فرمایا۔

وجہ :یہ حدیث حضرات عائشہ کی نہیں بلکہ حضرت عبدالرحمٰن بن شبل کی ہے۔عن عبد الرحمن بن شبل ان رسول الله ﷺ نهى عن اكل لحم الضب. (ابوداؤد شریف، باب فی اکل الضب، ص۵۴۲، نمبر۳۷۹۶) اس حدیث میں گوہ کو کھانے سے منع فرمایا ہے۔

ترجمہ :۲ یہ حدیث امام شافعیؒ پر حجت ہے گوہ کے حلال ہونے کے بارے میں۔

تشریح : امام شافعیؒ کے یہاں گوہ حلال ہے، اس لئے اوپر کی عبدالرحمٰن والی حدیث اس کے خلاف حجت ہے۔ کتاب الام میں عبارت یہ ہے، قال الشافعیؒ و لا بأس باكل الضب صغيرا او كبيرا ۔(موسوعہ امام شافعی، باب اکل الضب، ج۵، ص۵۶۶، نمبر۷۳۹۸) اس عبارت میں ہے کہ امام شافعیؒ کے یہاں کھانا حلال ہے۔

وجہ :(۱) اس حدیث میں ہے کہ گوہ کا گوشت حلال ہے۔فنادت امرأة من نساء النبى ﷺ انه لحم ضب فقال رسول الله كلوا فانه حلال ولكنه ليس من طعامى (مسلم شریف، باب اباحۃ الضب، ص۸۶۹، نمبر۵۰۳۲/۱۹۴۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گوہ کا گوشت حلال ہے۔(۲) فقالوا هو ضب يا رسول الله ! فرفع يده فقلت احرام هو يارسول الله؟ فقال لا ولكن لم يكن بارض قومى فاجدنى اعافه قال خالد فاجترته فاكلته ورسول

٣؎ وَالزَّنْبُورُ مِنَ الْمُؤْذِيَاتِ. وَالسُّلَحْفَاةُ مِنْ خَبَائِثِ الْحَشَرَاتِ وَلِهَذَا لَا يَجِبُ عَلَى الْمُحْرِمِ بِقَتْلِهِ شَيْءٌ، وَإِنَّمَا تُكْرَهُ الْحَشَرَاتُ كُلُّهَا اسْتِدْلَالًا بِالضَّبِّ لِأَنَّهُ مِنْهَا. (٢٣٣٣)قَالَ وَلَا يَجُوزُ أَكْلُ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ وَالْبِغَالِ ١؎ لِمَا رَوَى خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ – رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ – أَنَّ النَّبِيَّ – صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – نَهَى عَنْ لُحُومِ الْخَيْلِ وَالْبِغَالِ وَالْحَمِيرِ وَعَنْ عَلِيٍّ – رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ – أَنَّ النَّبِيَّ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – أَهْدَرَ الْمُتْعَةَ وَحَرَّمَ لُحُومَ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ يَوْمَ خَيْبَرَ،

السلسلہ ینظر (بخاری شریف، باب الضب ،ص۹۸۴، نمبر ۵۵۳۷ رمسلم شریف، باب اباحة الضب ،ص ۸۶۸ نمبر ۱۹۴۵/۵۰۳۴)اس حدیث میں حضرت خالد نے گوہ کھایااور آپ نے منع نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ گوہ حلال ہے۔

ترجمہ :٣؎ بھڑ تکلیف دینے والا جانور ہے،اور کچھوا حشرات الارض میں سے خبیث ہے،اسی لئے محرم پر اس کے قتل کرنے سے کچھ لازم نہیں ہوتا ،اور حشرات الارض مکروہ ہے گوہ سے استدلال کرتے ہوئے ،اس لئے کہ گوہ بھی حشرات الارض میں ہے۔

تشریح : بھڑ اس لئے حرام ہے کہ اپنے ڈنک سے انسان کو تکلیف دیتا ہے،اور کچھوا اس لئے حرام ہے کہ وہ حشرات الارض ہے،اوراوپر حدیث میں گوہ کو اس لئے حرام قرار دیا کہ وہ حشرات الارض ہے،اس لئے کچھوا بھی حشرات الارض ہے اس لئے وہ بھی حرام ہوگا ،یہی وجہ ہے کہ محرم کچھوا کو قتل کردے تو اس کا تاوان لازم نہیں ہوتا۔

ترجمہ :(۲۳۳۳)اور جائز نہیں ہے گھریلو گدھوں کا کھانا اور خچر کو کھانا۔

ترجمہ :١؎ اس لئے کہ حضرت خالد بن ولید سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے گھوڑے کے گوشت اور خچر کا گوشت اور گدھے کے گوشت سے منع فرمایا،اور حضورؐ سے روایت ہے کہ جنگ خیبر کے دن متعہ ختم کیا،اوراہلی گدھے کا گوشت کو حرام کیا

تشریح : ایک جنگلی گدھا ہوتا ہے جس کو کھانا حلال ہے اور ایک پالتو گدھا ہوتا ہے جس کا کھانا حرام ہے۔اور گدھا اور گھوڑی دونوں کے ملاپ سے جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کو خچر کہتے ہیں وہ بھی حرام ہے۔

وجہ :(۱)عن ابن عمرؓ نهى النبى ﷺ عن لحوم الحمر الاهلية يوم خيبر (الف)(بخاری شریف،باب لحوم الحمر الانسیۃ ص ۸۲۹ نمبر ۵۵۲۱ رمسلم شریف، باب تحریم اکل لحم الحمر الانسیۃ ،ص ۱۴۹، نمبر ۱۹۳۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھریلو گدھے کا گوشت حلال نہیں ہے۔پہلے جائز تھا،جنگ خیبر میں حرام ہوگیا۔(۲)صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن علیؓ قال نهى رسول الله عن المتعةعام خيبر و لحوم حمر الانسية (بخاری شریف،باب لحوم الحمر الانسیۃ ص ۸۲۹ نمبر ۵۵۲۳)(۳)اور خچر کا گوشت حرام ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے جسکو صاحب ہدایہ نے پیش کیا۔عن خالد بن الوليد ان رسول الله ﷺ نهى عن اكل لحوم الخيل والبغال والحمير وكل ذى ناب من السباع (نسائی

(۲۳۴)قَالَ وَيُكْرَهُ لَحْمُ الْفَرَسِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ. (۲۳۵) وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ وَالشَّافِعِيُّ – رَحِمَهُمُ اللّٰهُ –: لَا بَأْسَ بِأَكْلِهِ ا لِحَدِيثِ جَابِرٍ – رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ – أَنَّهُ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ – صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ، وَأَذِنَ فِي لُحُومِ الْخَيْلِ يَوْمَ خَيْبَرَ ٢ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ قَوْلُه تَعَالَى ﴿وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً﴾ [النحل: ۸] خَرَجَ مَخْرَجَ الِامْتِنَانِ وَالْأَكْلُ مِنْ أَعْلَى مَنَافِعِهَا، وَالْحَكِيمُ لَا يَتْرُكُ الِامْتِنَانَ

شریف، باب تحریم اکل لحوم الخیل، ص۶۰۲، نمبر۴۳۳۷/ابن ماجہ شریف، باب لحوم البغال، ص۴۶۴، نمبر۳۱۹۸)اس حدیث سے معلوم ہوا خچر کا گوشت حلال نہیں ہے (۴) خچر گدھے کی پیداوار ہے جب گدھا حلال نہیں ہے تو خچر حلال کیسے ہوگا؟

ترجمہ: (۲۳۴) مکروہ ہے گھوڑے کا گوشت کھانا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک، اور یہی قول امام مالکؒ کا ہے۔

تشریح: گھوڑے کا گوشت حلال ہے تاہم مکروہ ہے۔

وجہ: (۱) یہ جہاد میں کام آتا ہے اس کو کھانا عام کر دیا جائے تو جہاد کا نقصان ہوگا اس لئے اس کو مکروہ قرار دیا ہے (۲) اوپر حدیث میں گزرا عن خالد بن ولید انہ سمع رسول اللہ ﷺ یقول لا یحل اکل لحوم الخیل والبغال والحمیر. (نسائی شریف، باب تحریم اکل لحوم الخیل ص۶۰۲ نمبر۴۳۳۶/ابن ماجہ شریف، باب لحوم البغال ص۴۶۴ نمبر ۳۱۹۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑا کھانا حرام ہے۔

ترجمہ(۲۳۵)امام ابو یوسف، امام محمد اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ گھوڑے کے گوشت کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے

ترجمہ: ا حضرت جابرؓ کی حدیث کی وجہ سے کہ حضورؐ نے جنگ خیبر کے دن اہلی گدھے کے کھانے سے منع فرمایا، اور گھوڑے کو کھانے کی اجازت دی۔

تشریح: صاحبینؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ گھوڑے کے گوشت کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور دلیل میں حضرت جابرؓ کی حدیث پیش کی۔

وجہ: (۱) حدیث میں ہے جسکو صاحب ہدایہ نے پیش کی۔ عن جابر بن عبد اللہ قال نہی النبی ﷺ یوم خیبر عن لحوم الحمر ورخص فی لحوم الخیل (بخاری شریف، باب لحوم الخیل، ص۹۸۳، نمبر۵۵۲۰/مسلم شریف، باب اباحۃ اکل لحوم الخیل ص۸۶۸، نمبر۱۹۴۱/۵۰۲۲) (۲)اسی کی دوسری روایت میں یہ بھی ہے۔ سمع جابر بن عبد اللہ یقول اکلنا زمن خیبر الخیل وحمر الوحش ونہانا النبی ﷺ عن الحمار الاہلی. (مسلم شریف، نمبر ۱۹۴۱/۵۰۲۳/بخاری شریف، نمبر۵۵۱۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑے کا گوشت کھانا حلال ہے۔

ترجمہ: ۲ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل: اللہ تعالی کا قول ہے گھوڑا، خچر اور گدھا کو اس لئے پیدا کیا تا کہ تم اس پر سوار ہو اور زینت

بِأَعْلَى النِّعَمِ وَيَمْتَنُّ بِأَدْنَاهَا، ۳؎ وَلِأَنَّهُ آلَةُ إِرْهَابِ الْعَدُوِّ فَيُكْرَهُ أَكْلُهُ احْتِرَامًا لَهُ وَلِهَذَا يُضْرَبُ لَهُ بِسَهْمٍ فِي الْغَنِيمَةِ، وَلِأَنَّ فِي اباحَتِهِ تَقْلِيلَ آلَةِ الْجِهَادِ، ۴؎ وَحَدِيثُ. جَابِرٍ مُعَارَضٌ بِحَدِيثِ خَالِدٍ – رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُما –، وَالتَّرْجِيحُ لِلْمُحَرِّمِ. ثُمَّ قِيلَ: الْكَرَاهَةُ عِنْدَهُ كَرَاهَةُ تَحْرِيمٍ. وَقِيلَ كَرَاهَةُ تَنْزِيهٍ. وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ. ۶؎ وَأَمَّا لَبَنُهُ فَقَدْ قِيلَ: لا بَأْسَ بِهِ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي شُرْبِهِ تَقْلِيلُ

کے لئے پیدا کیا ہے، یہاں زینت کرنے اور سوار ہونے کا احسان جتایا ہے، اور کھانا اعلی منافع ہے اور حکیم اعلی چیز کے احسان جتانے کو نہیں چھوڑتا، اور اس سے ادنی چیز پر احسان نہیں جتاتا۔

تشریح :امام ابو حنیفہؒ کی دلیل اس آیت کا اشارۃ النص ہے۔ **و الخیل و البغال ، و الحمیر لتر کبوھا و زینة و یخلق ما لا تعلمون** (آیت ۸، سورۃ النحل ۱۶) اس آیت میں ہے کہ گھوڑا، اور خچر اور گدھا زینت کے لئے ہے، اللہ تعالی احسان جتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ زینت اور سواری کے لئے ہیں، پس اگر کھانا حلال ہوتا تو یوں احسان جتاتے کہ یہ کھانے کے لئے ہیں، لیکن یہ احسان نہیں جتایا تو معلوم ہوا کہ کھانا حلال نہیں ہے۔

لغت: **خرج مخرج الامتنان** :اس آیت کو احسان جتانے کے درجے میں لایا، **و الاکل من اعلی منافعھا**: جبکہ کھانا اعلی منافع ہے، پس اگر حلال ہوتا تو اعلی منافع کو ضرور بیان کرتے ،لیکن بیان نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔ امتنان: من سے مشتق ہے، احسان جتانا۔

ترجمہ : ۳؎ اور اس لئے کہ یہ دشمن کو مرعوب کرنے کا آلہ ہے، اس لئے اس کے احترام کے لئے کھانا مکروہ ہوگا، اور اسی لئے گھوڑے کے لئے مال غنیمت میں حصہ متعین کیا جاتا ہے، اور اس لئے کہ گھوڑے کو مباح کرنے میں آلہ جہاد کو کم کرنا ہے۔

تشریح : یہ گھوڑے کے مکروہ ہونے کی دلیل عقلی ہے۔ گھوڑا دشمن کو مرعوب کرنے کا آلہ ہے، یہی وجہ ہے کہ گھوڑے کے لئے مال غنیمت میں ایک حصہ دیا جاتا ہے، اس لئے اس کے احترام میں گھوڑا حلال نہیں ہونا چاہئے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کو کھانا مباح کر دیں تو آلہ جہاد میں کمی واقع ہو جائے گی، اس لئے بھی اس کو حلال نہیں ہونا چاہئے۔

لغت : ارھاب: رہب سے مشتق ہے، ڈرانا، رعب ڈالنا۔ ضرب لہ سہم: اس کے لئے حصہ متعین کرنا۔

ترجمہ : ۴؎ حضرت جابر کی حدیث، حضرت خالد کی حدیث کے معارض ہے اور ترجیح حرام کو ہوتی ہے۔

تشریح : یہ امام صاحبین کو جواب ہے کہ آپ نے حضرت جابر کی حدیث پیش کی جس میں گھوڑے کے گوشت کھانے کا جواز ہے، لیکن حضرت خالد کی حدیث میں ممانعت ہے اس لئے حرمت کو ترجیح ہوگی۔

ترجمہ :۵؎ پھر کہا گیا کہ امام ابو حنیفہؒ کے یہاں کراہیت تحریمی ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ کراہیت تنزیہی ہے لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے، یعنی کراہیت تنزیہی ہے۔

آلَةِ الْجِهَادِ. (۲۳۶)قَالَ وَلَا بَأْسَ بِأَكْلِ الْأَرْنَبِ لِ لِأَنَّ النَّبِيَّ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - أَكَلَ مِنْهُ حِينَ أُهْدِيَ إلَيْهِ مَشْوِيًّا وَأَمَرَ أَصْحَابَهُ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ - بِالْأَكْلِ مِنْهُ ، وَلِأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ السِّبَاعِ وَلَا مِنْ آكِلَةِ الْجِيَفِ فَأَشْبَهَ الظَّبْيَ، (۲۳۷)قَالَ وَإِذَا ذُبِحَ مَا لَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ طَهُرَ

تشریح : واضح ہے۔

ترجمہ :۶ بہر حال گھوڑی کا دودھ تو فرمایا کہ اسکے پینے میں کوئی حرج نہیں ہے اس لئے کہ جہاد کے آلے کو کم کرنا نہیں ہے

تشریح : گھوڑی اصل اعتبار سے حلال ہے، صرف آلہ جہاد کم نہ ہو جائے اس لئے اس کو مکروہ قرار دیا، اور اس کے دودھ پینے میں آلہ جہاد میں کمی نہیں آئے گی اس لئے بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کے دودھ پینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ترجمہ :(۲۳۶) کوئی حرج نہیں ہے خرگوش کھانے میں۔

ترجمہ :ا اس لئے کہ حضور کو بھنا ہوا گوشت پیش کیا تو آپ نے اس سے کھایا، اور صحابہ کو بھی کھانے کا حکم دیا۔، اور اس لئے کہ وہ نہ درندہ ہے اور نہ مردار کھاتا ہے اس لئے وہ ہرن کے مشابہ ہو گیا۔

وجہ :(۱) خرگوش نہ درندہ ہے اور نہ مردار کھاتا ہے۔ وہ گھاس کھانے والا جانور ہے اس لئے وہ حلال ہوگا (۲) حدیث میں ہے جسکو صاحب ہدایہ نے پیش کی ہے۔ **عن انس قال انفجنا ارنبا ونحن بمر الظهر ان فسعى القوم فلغبوا فاخذتها فجئت بها الى ابى طلحة فذبحها فبعث بوركيها او قال بفخذيها الى النبى ﷺ فقبلها** (بخاری شریف، باب الارنب، ص۹۸۴، نمبر ۵۵۳۵/ مسلم شریف، باب اباحۃ الارنب، ص۸۷۲، نمبر ۱۹۵۳/۵۰۴۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خرگوش حلال ہے۔

ترجمہ :(۲۳۷) اگر ذبح کیا جائے ایسا جانور جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے تو پاک ہوگی اس کی کھال اور گوشت سوائے آدمی اور سور کے، ذکوۃ ان میں کوئی اثر نہیں کرتی۔

تشریح : مثلا بلی، گیڈر وغیرہ جس جانور کا گوشت حلال نہیں ہے اس کو شرعی طریقے سے ذبح کر دیا تو اس کا گوشت حلال نہیں ہوگا اور نہ کھانے کے قابل ہوگا البتہ گوشت اور کھال پاک ہو جائیں گے۔ کھال پر اسی حال میں نماز پڑھ سکتا ہے اور گوشت کو جیب میں رکھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔

وجہ :(۱) اصل میں بہتا ہوا خون ناپاک ہے، ذبح کرنے کی وجہ سے بہتا ہوا خون نکل گیا اس لئے کھال اور گوشت پاک ہو گئے چاہے حلال نہیں ہوا (۲) مردار کی کھال دباغت دی جائے تو پاک ہو جاتی ہے کیونکہ دباغت سے خون اور ناپاک رطوبت نکل جاتی ہے۔ اسی طرح ذبح کرنے کی وجہ سے خون نکل گیا تو کھال اور گوشت پاک ہو گئے۔ حدیث میں ہے۔ **ان عبد الله بن عباس اخبره ان رسول الله ﷺ مر بشاة ميتة فقال هلا استمتعتم باهابها ؟ قالوا انها ميتة قال انها حرم اكلها** . (بخاری شریف، باب جلود المیتۃ، ص۹۸۴، نمبر ۵۵۳۱) (۳) اور ترمذی شریف میں ہے۔ **سمعت ابن**

جِلْدُهُ وَلَحْمُهُ إِلَّا الْآدَمِيَّ وَالْخِنْزِيرَا ۱ فَإِنَّ الذَّكَاةَ لا تَعْمَلُ فِيهِمَا، أَمَّا الْآدَمِيُّ فَلِحُرْمَتِهِ وَكَرَامَتِهِ وَالْخِنْزِيرُ لِنَجَاسَتِهِ كَمَا فِي الدِّبَاغِ. ۲ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: الذَّكَاةُ لا تُؤَثِّرُ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ لِأَنَّهُ يُؤَثِّرُ فِي إِبَاحَةِ اللَّحْمِ أَصْلًا. وَفِي طَهَارَتِهِ وَطَهَارَةِ الْجِلْدِ تَبَعًا وَلا تَبَعَ بِدُونِ

عباس يقول ماتت شاة فقال رسول الله ﷺ لاهلها الا نزعتم جلدها ثم دبغتموه فاستمتعتم به ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی جلود المیتۃ اذا دبغت ،ص ۴۱۳، نمبر ۱۷۲۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردار کی کھال کو دباغت دی جائے تو پاک ہو جائے گی اسی پر قیاس کرتے ہوئے غیر ماکول اللحم کو ذبح کیا جائے تو اس کا چمڑا پاک ہو جائے گا۔ کیونکہ خون اور ناپاک رطوبت ذبح کرنے کی وجہ سے نکل گئی۔

ترجمہ :۱ اس لئے کہ ذبح کرنا ان دونوں میں اثر انداز نہیں ہوتا، آدمی میں اس کی عظمت کی وجہ سے اور سور میں نجاست کی وجہ سے، جیسے کہ دباغت بھی اس میں اثر انداز نہیں ہوتا۔

تشریح : آدمی پاک ہے، لیکن ذبح کر کے اس کو قابل استعمال نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اس کی عظمت ہے۔ اور سور بھی ذبح کرنے کی وجہ سے اس کا گوشت، اور کھال پاک نہیں ہوگا، یہ اس کی نجاست کی وجہ سے ہے۔

وجہ : (۱) آدمی کی کرامت کے لئے یہ آیت ہے۔ ولقد کرمنا بنی آدم (آیت ۷۰، سورۃ الاسراء ۱۷) (۲) اور سور کی نجاست کے لئے یہ آیت ہے۔ الا ان یکون میتة او دما مسفوحا او لحم خنزیر فانه رجس او فسقا . (آیت ۱۴۵، سورۃ الانعام ۶) چونکہ یہ نجس العین ہے اس لئے یہ دباغت سے بھی پاک نہیں ہوگا۔

اور انسان مکرم اور محترم ہے اس لئے ذبح کرنے سے بھی وہ پاک نہیں ہوگا تا کہ لوگ اس کو استعمال نہ کرے۔ ولقد کرمنا بنی آدم (آیت ۷۰ سورۃ الاسراء ۱۷) انسان پاک ہے لیکن ذبح کے ذریعہ اس لئے پاک قرار نہیں دیا جا رہا ہے تا کہ لوگ اس کی کھال استعمال کر کے توہین نہ کرے۔

ترجمہ :۲ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ذبح کرنا ان میں اثر نہیں کرتا، اس لئے کہ اس سے گوشت حلال نہیں ہوتا، اور گوشت کا پاک ہونا اور اس کی کھال کا پاک ہونا گوشت کے تابع ہے اور اور بغیر اصل کے تابع نہیں ہوتا، جسے کہ مجوسی کے ذبح کرنے سے کھال اور گوشت پاک نہیں ہوتا۔

تشریح :امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جو جانور کھائے نہیں جاتے ہیں اسکو ذبح کرنے سے اس کی کھال اور گوشت پاک نہیں ہوگا

وجہ :وہ فرماتے ہیں کہ ذبح کرنے سے گوشت حلال ہوگا تو اس کے تابع ہو کر اس کا چمڑا بھی پاک ہوگا اور اس کا گوشت بھی پاک ہوگا، اور یہاں غیر ماکول اللحم میں ذبح کرنے سے اس کا گوشت حلال نہیں ہوتا ہے اس لئے اس کا چمڑا بھی پاک نہیں ہوگا، اس کی ایک مثال دے، جیسے مجوسی اور کافر ذبح کرے تو گوشت حلال نہیں ہوتا اور اس کی وجہ سے چمڑا بھی پاک نہیں ہوتا۔

ترجمہ :۳ ہماری دلیل یہ ہے کہ ذبح کرنا خون اور رطوبت کو زائل کرنے میں موثر ہے اور بہتا ہوا خون کو نکالنے میں موثر

الْأَصْلِ وَصَارَ كَذَبْحِ الْمَجُوسِيِّ. ٣ وَلَنَا أَنَّ الذَّكَاةَ مُؤَثِّرَةٌ فِي إِزَالَةِ الرُّطُوبَاتِ وَالدِّمَاءِ السَّيَّالَةِ وَهِيَ النَّجِسَةُ دُونَ ذَاتِ الْجِلْدِ وَاللَّحْمِ، فَإِذَا زَالَتْ طَهُرَ كَمَا فِي الدِّبَاغِ. ٤ وَهَذَا الْحُكْمُ مَقْصُودٌ فِي الْجِلْدِ كَالتَّنَاوُلِ فِي اللَّحْمِ ٥ وَفِعْلُ الْمَجُوسِيِّ إِمَاتَةٌ فِي الشَّرْعِ فَلَا بُدَّ مِنَ الدِّبَاغِ. ٦ وَكَمَا يَطْهُرُ لَحْمُهُ يَطْهُرُ شَحْمُهُ، حَتَّى لَوْ وَقَعَ فِي الْمَاءِ الْقَلِيلِ لَا يُفْسِدُهُ خِلَافًا لَهُ. ٧ وَهَلْ يَجُوزُ الِانْتِفَاعُ بِهِ فِي غَيْرِ الْأَكْلِ؟ قِيلَ: لَا يَجُوزُ اعْتِبَارًا بِالْأَكْلِ. وَقِيلَ يَجُوزُ كَالزَّيْتِ إِذَا خَالَطَهُ وَدَكُ الْمَيْتَةِ. وَالزَّيْتُ غَالِبٌ لَا يُؤْكَلُ وَيُنْتَفَعُ بِهِ فِي غَيْرِ الْأَكْلِ،

ہے، اور یہی ناپاک ہے نہ گوشت اور چمڑا، پس جب رطوبت زائل ہوگئی تو کھال پاک ہوجائے گی، جیسے کہ دباغت دینے سے ہوتا ہے۔

تشریح : ہماری دلیل یہ ہے کہ بہتا ہوا خون اور رطوبت ناپاک ہے، اور ذبح کرنے کے ذریعہ یہ دونوں نکال دیا تو کھال پاک ہوجائے گی۔

ترجمہ : ٤ اور یہ پاک کرنے کا حکم چمڑے میں مقصود ہے، اور جیسے گوشت میں مقصود کھانا ہے۔

تشریح : یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے استدلال کیا تھا کہ ذبح کا اصل مقصد گوشت کو حلال کرنا ہے اور چمڑا پاک ہونا اس کے تابع ہے، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ ذبح کا اصل مقصد دو ہیں پہلا گوشت کو حلال کرنا، اور دوسرا مقصد ہے چمڑا کو پاک کرنا، اس لئے گوشت حلال نہیں بھی ہوا تب بھی چمڑا پاک ہوجائے گا۔

ترجمہ : ٥ اور مجوسی کا فعل شریعت میں مار ڈالنا ہے اس لئے پاک کرنے کے لئے دباغت ضروری ہے۔

تشریح : یہ امام شافعیؒ کے دوسرے استدلال کا جواب ہے، کہ مجوسی کا ذبح کرنا حقیقت میں مار ڈالنا ہے، ذبح کرنا ہے ہی نہیں، اور جب مردہ ہوا تو اس کی کھال کو پاک کرنے کے لئے دباغت ضروری ہے۔

ترجمہ : ٦ ذبح کرنے سے جیسے گوشت پاک ہوجاتا ہے، اسی طرح اس کی چربی بھی پاک ہوجاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر تھوڑے پانی میں چربی جائے تو تو ناپاک نہیں ہوگا۔ خلاف امام شافعیؒ کے۔

تشریح : غیر ماکول اللحم کی کھال پاک ہوگئی اسی طرح اس کی چربی بھی پاک ہوجائے گی، یہی وجہ ہے کہ اگر یہ چربی تھوڑے پانی میں گر جائے تو وہ پانی ناپاک نہیں ہوگا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک چربی بھی پاک نہیں ہوئی اس لئے یہ چربی تھوڑے پانی میں گر جائے تو پانی ناپاک ہوجائے گا۔

ترجمہ : ٧ اور کیا کھانے کے علاوہ دوسرے استعمال میں اس چربی کو لانا جائز ہے، تو بعض حضرات نے فرمایا جائز نہیں کھانے پر قیاس کرتے ہوئے، اور بعض حضرات نے کہا کہ جائز ہے، جیسے زیتون کے تیل میں مردے کی چربی گر جائے، اور

(۲۳۸) قَالَ وَلَا يُؤْكَلُ مِنْ حَيَوَانِ الْمَاءِ إِلَّا السَّمَکَ ۱ وَقَالَ مَالِکٌ وَجَمَاعَةٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ بِإِطْلَاقِ جَمِيعِ مَا فِي الْبَحْرِ. وَاسْتَثْنَى بَعْضُهُمُ الْخِنْزِيرَ وَالْكَلْبَ وَالْإِنْسَانَ. ۲ وَعَنِ الشَّافِعِيِّ

تیل غالب ہو تو کھایا نہیں جائے گا لیکن کھانے کے علاوہ سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

تشریح : غیر ماکول اللحم کو ذبح کیا اور اس سے چربی نکلی تو اس کو کھانے کے علاوہ سے نفع اٹھانا جائز ہے یا نہیں اس بارے میں دو رائے ہیں۔ ایک یہ جس طرح اس کو کھا نہیں سکتے اسی طرح اس سے نفع اٹھانا بھی جائز نہیں۔ اور دوسری رائے یہ ہے کہ نفع اٹھا سکتا ہے، اس کی مثال دیتے ہیں زیتون کے تیل میں مردار کی چربی مل گئی تو اس کو کھا نہیں سکتے، لیکن اس سے دوسرا نفع اٹھانا جائز ہے، اسی طرح اس سے دوسرا نفع اٹھانا جائز ہے۔

لغت : زیت: زیتون کا تیل۔ ودک: چربی۔

ترجمہ : (۲۳۸) اور پانی کے جانوروں میں سے نہیں کھایا جائے گا مگر مچھلی۔

تشریح : امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک سمندر کے جانور میں سے صرف مچھلی حلال ہے باقی سب حرام ہیں۔

وجہ : (۱) حدیث میں ہے۔ عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال احلت لنا میتتان الحوت والجراد۔ (ابن ماجہ شریف، باب صید الحیتان والجراد، ص ۴۶۷، نمبر ۳۲۱۸ / دار قطنی، کتاب الاشربۃ، ج رابع، ص ۱۸۴، نمبر ۴۶۸۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف مچھلی حلال ہے (۲) حدیث میں ہے۔ مینڈک کو دوائی میں ڈالنا منع فرمایا ہے جبکہ وہ سمندری جانور ہے جس سے معلوم ہوا کہ مچھلی کے علاوہ باقی سمندری جانور حرام ہے۔ حدیث یہ ہے۔ عن عبد الرحمن بن عثمان ان طبیبا سأل النبی ﷺ عن ضفدع یجعلها فی دواء فنهاه النبی ﷺ عن قتلها۔ (ابو داؤد شریف، باب فی الادویۃ المکروھۃ، ص ۵۵۰، نمبر ۳۸۷۱) اس حدیث میں مینڈک کو قتل کرنا منع فرمایا ہے اور دوائی میں ڈالنا منع فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ وہ حلال نہیں ہے اسی طرح سمندر کے باقی جانور حلال نہیں ہے۔ (۳) آیت میں ہے۔ یحل لهم الطیبات ویحرم علیهم الخبائث۔ (آیت ۱۵۷، سورۃ الاعراف ۷) اس میں ہے کہ خبیث چیزوں کو تم پر حرام کیا اور یہ مچھلی کے علاوہ تمام سمندری جانور خبائث ہیں اس لئے اس کا کھانا حرام ہوگا۔

ترجمہ : ۱ حضرت امام مالک اور اہل علم کی ایک جماعت نے فرمایا کہ سمندر کے تمام جانور جائز ہے، اور بعض حضرات نے سمندر کے سور، کتے اور انسان کو استثناء کیا۔

تشریح : امام مالک اور اہل علم کی ایک جماعت نے فرمایا کہ سمندر کے تمام جانور حلال ہیں۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ سمندر کا سور، کتا، اور سمندر کا انسان یہ حلال نہیں ہے جو خشکی کا بھی حلال نہیں ہے، باقی تمام جانور حلال ہیں۔

ترجمہ : ۲ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ سمندر کا مطلق تمام جانور حلال ہیں، اور اختلاف کھانے اور بیچنے میں ایک ہی ہے، انکی دلیل۔ اللہ تعالی کا قول احل لکم صید البحر، الخ، بغیر کسی تفصیل کے، اور حضور ﷺ کا قول سمند کا پانی پاک

أَنَّـهُ أَطْـلَـقَ ذَاكَ كُـلَّـهُ، وَالْـخِلافُ فِيْ الْأَكْلِ وَالْبَيْعِ وَاحِدٌ لَهُمْ قَوْله تَعَالَى ﴿أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَـحْـرِ﴾ [الـمـائـدة: ٩٦] مِـنْ غَيْرِ فَصْلٍ، وَقَوْلُهُ – عَلَيْهِ الصَّلاةُ وَالسَّلامُ – فِيْ الْبَحْرِ هُوَ الـطَّهُـورُ مَاؤُهُ وَالْحِلُّ مَيْتَتُهُ وَلِأَنَّهُ لا دَمَ فِيْ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ اذْ الدَّمَوِيُّ لا يَسْكُنُ الْمَاءَ وَالْمُحَرِمُ هُوَ الـدَّمُ فَأَشْبَهَ السَّمَكَ. ۳؎ ولـنـا: قَـوْلـه تَـعَـالَى ﴿وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾ [الأعراف:

ہےاوراس کا مردہ حلال ہے،اوراس لئے بھی کہ ان چیزوں میں خون نہیں ہوتا،اس لئے کہ خون لالی چیز پانی میں نہیں رہ سکتی، اورحرام وہ خون ہی ہے،اس لئے یہ سب جانور مچھلی کی طرح ہوگئی۔

تشریح : امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ سمندر کے تمام جانور حلال ہیں، چاہے وہ سمندری سور ہو چاہے کتا ہواور چاہے سمندری انسان ہو۔اور جن کا کھانا جائز ہے ان کا بیچنا بھی جائز ہے،اور ہمارے یہاں جن کا کھانا جائز نہیں ان کا بیچنا بھی جائز نہیں ہے۔

وجہ:(۱)امام شافعیؒ اورامام مالکؒ کی دلیل یہ آیت ہے جسکو صاحب ہدایہ نے پیش کیا ہے ۔**احل لکم صید البحر وطعامه متاعا لکم وللیساره** ۔(آیت ۹۶،سورۃ المائدۃ ۵)اس آیت میں مطلقا سمندر کے تمام شکاراوراس کے کھانے کو حلال قرار دیا جس سے معلوم ہوا کہ سمندر کے سارے جانور حلال ہیں۔(۲) حدیث میں ہے جسکو صاحب ہدایہ نے پیش کی ہے۔**سمع ابی هریرة یقول ... فقال رسول الله ﷺ هو الطهور ماؤه الحل میتته** ۔(ابوداؤدشریف،باب الوضوء بماء البحر،ص۲۳نمبر۸۳رترمذی شریف، باب ماجاء فی ماءالبحرانہ طھور،ص۱۹،نمبر۶۹)اس حدیث میں سمندر کے تمام مردوں کو حلال قرار دیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ سمندری جانور مرجائیں اور ذبح نہ بھی کئے جائیں تو تمام کے تمام حلال ہیں۔(۳)دارقطنی میں یوں ہے۔**عن جابر قال قال رسول الله ﷺ ما من دابة فی البحر الا قد ذکاها الله لبنی آدم** (دارقطنی،کتاب الاشربۃ،ج رابع،ص۱۸۰،نمبر۴۶۶۶)اس حدیث میں سمندر کے تمام جانوروں کو حلال ہونے کا حکم ہے۔البتہ بعض روایت میں ہے کہ سمندری کتے اور سور حرام ہیں کیونکہ یہ خشکی میں نجس ہیں اس لئے سمندر کے بھی حلال نہیں ہوں گے۔(۴)دلیل عقلی یہ ہے کہ اصل میں بہتا ہوا خون حرام ہے اور سمندری جانور میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا، کیونکہ اگر بہتا خون ہوگا تو وہ پانی میں زندگی نہیں گزار سکے گا، بہتا ہوا خون کی علامت یہ ہے کہ اس کو دھوپ میں ڈالو تو وہ کالا ہو جائے، اورسمندری جانور کے خون کو دھوپ میں ڈالتے ہیں تو وہ سفید ہو جاتا ہے،اس لئے وہ بہتا ہوا خون نہیں ہے،اور جب اس میں بہتا ہوا خون نہیں ہے تو اس کا سب مردہ حلال ہوگا۔اورسب مچھلی کے مشابہ ہوگیا۔

ترجمہ :۳؎ ہماری دلیل۔اس آیت میں ہے کہ خبیث چیز حرام ہے ۔**یحل لهم الطیبات ویحرم علیهم الخبائث** ۔(آیت ۱۵۷،سورۃ الاعراف ۷)اور مچھلی کے علاوہ سب سمندری جانور خبیث ہیں،اور نبی کریم ﷺ نے ایسے دوا سے منع

۱۵۷] وَمَا سِوَى السَّمَکِ خَبِيثٌ. وَنَهَى رَسُولُ اللّٰهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – عَنْ دَوَاءٍ يُتَّخَذُ فِيهِ الضِّفْدَعُ ، وَنَهَى عَنْ بَيْعِ السَّرْطَانِ ؂ وَالصَّيْدُ الْمَذْكُورُ فِيمَا تَلَا مَحْمُولٌ عَلَى الِاصْطِيَادِ وَهُوَ مُبَاحٌ فِيمَا لَا يَحِلُّ، ؂ وَالْمَيْتَةُ الْمَذْكُورَةُ فِيمَا رُوِيَ مَحْمُولَةٌ عَلَى السَّمَکِ وَهُوَ حَلَالٌ مُسْتَثْنًى مِنْ ذَلِکَ لِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – أُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ، أَمَّا

فرمایا جس میں مینڈک ڈالی گئی ہو،اور کیکڑے کے بیچنے سے منع فرمایا۔

تشریح :[ا]ہماری دلیل یہ ہے کہ اوپر کی آیت میں خبیث چیزوں کو حرام قرار دیا ہے،اور مچھلی کے علاوہ سمندری ساری چیزیں خبیث ہیں اس لئے یہ حرام ہوں گے [۲] دوسری دلیل یہ ہے کہ حدیث میں مینڈک کو دوا میں ڈالنے سے منع فرمایا ہے جو اس کے حرام ہونے کی دلیل ہے اور اسی پر قیاس کرتے ہوئے تمام سمندری جانور حرام ہوں گے۔[۳] تیسری دلیل ہے کہ کیکڑا کو بیچنے سے منع فرمایا جو اس کے حرام ہونے کی دلیل ہے اسی پر قیاس کرتے ہوئے تمام سمندری جانور حرام ہوں گے۔ اس میں ہے کہ خبیث چیزوں کو تم پر حرام کیا اور یہ مچھلی کے علاوہ تمام سمندری جانور خبائث ہیں اس لئے اس کا کھانا حرام ہوگا۔

وجه :(۱) مینڈک والی حدیث یہ ہے۔عن عبد الرحمن بن عثمان ان طبيبا سأل النبی ﷺ عن ضفدع يجعلها فی دواء فنهاه النبی ﷺ عن قتلها . (ابوداؤد شریف، باب فی الادویۃ المکروھۃ،ص ۵۵۰،نمبر ۳۸۷۱)اس حدیث میں مینڈک کو قتل کرنا منع فرمایا ہے (۲) کیکڑا بیچنے والی حدیث نہیں ملی۔

ترجمه : ؂ اور آیت احل لکم صيد البحر وطعامه متاعا لكم وللسياره ـ(آیت ۹۶،سورۃ المائدۃ ۵) میں جو صید کا لفظ ہے اس کا ترجمہ ہے شکار کرنا حلال ہے اس لئے جو چیز حلال نہیں ہے اس کا شکار کرنا بھی حلال ہے۔

تشریح :یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے۔آیت میں احل لكم صيد البحر ،کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سمند کے شکار کو کھانا حلال ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ سمند کے کسی بھی جانور کو شکار کرنا جائز ہے،اسلئے مچھلی کے علاوہ کو بھی شکار کرنا حلال ہوگا

ترجمه ؂ اور روایت میں جو میتۃ کا ذکر ہے وہ مچھلی پر محمول ہے،اور وہ حلال ہے اور تمام میتۃ سے مستثنی ہے، کیونکہ حضورؐ نے فرمایا کہ ہمارے لئے دو مردے اور دو خون حلال ہیں، بہر حال دو مردے تو وہ مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خون تو وہ کلیجہ اور تلی ہیں

تشریح :یہ بھی امام شافعیؒ کو جواب ہے،انہوں نے استدلال کیا تھا کہ حدیث میں میتۃ سے مراد سمندر کے تمام جانور مراد لیا تھا،حدیث یہ ہے سمع ابی هريرة يقول ... فقال رسول الله ﷺ هو الطهور ماؤه الحل ميتته ـ(ابوداؤد شریف، باب الوضوء بماء البحر،ص ۲۳ نمبر ۸۳/ترمذی شریف، باب ماجاء فی ماء البحر انہ طھور،ص ۱۹،نمبر ۶۹)۔ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہاں میتۃ سے مراد صرف مچھلی ہے،چنانچہ دوسری حدیث میں اس کی وضاحت ہے کہ میتۃ سے مراد صرف مچھلی ہے ،حدیث یہ ہے۔عن عبد الله بن عمر ان رسول الله ﷺ قال احلت لنا ميتتان و دمان ، فاما الميتتان

الْـمَيْتَتَانِ فَالسَّمَكُ وَالْجَرَادُ وَأَمَّا الدَّمَانِ فَالْكَبِدُ وَالطِّحَالُ (٢٣٩)قَالَ وَيُكْرَهُ أَكْلُ الطَّافِي مِنْهُ[١] وَقَالَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لَا بَأْسَ بِهِ لِإِطْلَاقِ مَا رَوَيْنَا، وَلِأَنَّ مَيْتَةَ الْبَحْرِ

فالحوت و الجراد ، و اما الدمان ، فالكبد و الطحال ۔(ابن ماجہ شریف، باب الکبد والطحال، ص۴۸۰، نمبر۳۳۱۴؍ دارقطنی ، کتاب الاشربۃ ، ج رابع ،ص۱۸۴، نمبر ۴۶۸۷)اس حدیث میں میتۃ سے مراد مچھلی ہے، اس لئے صرف مچھلی حلال ہوگی۔

ترجمہ :(۲۳۹)اور مکروہ ہے اس مچھلی کا کھانا جو اوپر تیر جائے۔

تشریح : پانی میں قدرتی اسباب سے مچھلی مرکر پانی پر تیرنے لگتی ہے اس کو طافی مچھلی کہتے ہیں اس کا کھانا مکروہ ہے۔لیکن پانی دور ہٹ جائے ، یا پانی مچھلی کو کنارے پر پھینک دے اور مچھلی مرجائے ، یا کسی اور وجہ سے مچھلی مرجائے اور ابھی تک پھولی اور سڑی نہ ہو تو اس مچھلی کو کھا سکتا ہے۔

وجـــہ :(۱) عموما وہ مچھلی تیرنے لگتی ہے جو پھول جاتی ہے اور سڑنے لگتی ہے اس لئے ایسی مچھلی کا کھانا مکروہ قرار دیا (۲) حدیث میں ہے جسکو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے .عن جابر بن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ ما القی البحر او جـزر عنه فكلوه و ما مات فيه و طفا فلا تأكلوه ۔(ابوداود شریف، باب فی اکل الطافی من السمک ،ص۵۴۴، نمبر ۳۸۱۵؍ابن ماجۃ شریف، باب الطافی من صید البحر،ص۴۷۱، نمبر ۳۲۴۷)اس حدیث میں ہے کہ جو مچھلی اوپر تیرنے لگے اس کو مت کھاؤ اور جس مچھلی سے پانی دور ہو جائے اس کو کھا سکتے ہو۔(۳)اور بذاتہ یہ حلال ہے اس کی دلیل یہ قول صحابی ہے۔ عن ابن عباس انه قال ،اشهد على ابى بكر انه قال السمكة الطافية حلال لم اراد اكلها ۔ (دارقطنی ، کتاب الاشربۃ ، ج رابع ۔ص۱۸۲، نمبر ۴۶۷۶)اس قول صحابی میں ہے کہ کوئی طافی مچھلی کو کھانا چاہے تو اس کے لئے حلال ہے۔

نوٹ :جو مچھلی ابھی ابھی مری ہو یا کسی حادثہ کے شکار سے مری ہو اس کو کھا سکتا ہے کیونکہ وہ ابھی سڑی نہیں ہے۔ مـا القـى البحر او جزر عنه فكلوه سے اس کا اشارہ ہے۔

لغت: الطافی : وہ مچھلی جو پانی میں مرکر پانی پر تیرنے لگی ہو۔

تـرجـمـہ :[١] امام امالک ،اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ طافی مچھلی کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ ہم نے جو حدیث روایت کی اس میں ,الحل ميتته،عام ہے اور اس لئے کہ سمندر کا مردہ حلال ہونے کے ساتھ متصف ہے

تشریح :امام مالک اور امام شافعیؒ کے یہاں طافی مچھلی کھانا بھی جائز ہے۔

وجہ :(۱)وہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں الـحل ميتتـه عام ہے کہ سمندر کا ہر قسم کا مردہ حلال ہے اس لئے طافی مچھلی جو مردہ ہوگئی ہے اس کا کھانا بھی حلال ہوگا (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ سمندر کا مردہ ہے جو حلال ہونے کے ساتھ متصف ہے۔

لـغـت:لان میتۃ البحر موصوفۃ بالحل : یہاں منطقی محاورہ استعمال کیا ہے۔حدیث میں یہ کہا کہ سمندر کا مردہ حلال ہے تو یہ سمندر

مَوْصُوفَةٌ بِالْحِلِّ بِالْحَدِيثِ. ۲؎ وَلَنَا مَا رَوَى جَابِرٌ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - عَنْ. النَّبِيِّ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - أَنَّهُ قَالَ مَا نَضَبَ عَنْهُ الْمَاءُ فَكُلُوا، وَمَا لَفَظَهُ الْمَاءُ فَكُلُوا، وَمَا طَفَا فَلَا تَأْكُلُوا وَعَنْ جَمَاعَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ مِثْلُ مَذْهَبِنَا، ۳؎ وَمَيْتَةُ الْبَحْرِ مَا لَفَظَهُ الْبَحْرُ لِيَكُونَ مَوْتُهُ مُضَافًا إِلَى الْبَحْرِ لَا مَا مَاتَ فِيهِ مِنْ غَيْرِ آفَةٍ. (۲۴۰) قَالَ وَلَا بَأْسَ بِأَكْلِ الْجِرِّيثِ وَالْمَارْمَاهِيِّ وَأَنْوَاعِ السَّمَكِ وَالْجَرَادِ بِلَا ذَكَاةٍ ۱؎ وَقَالَ مَالِكٌ: لَا يَحِلُّ الْجَرَادُ إِلَّا أَنْ يَقْطَعَ الْآخِذُ

ہی کا مردہ ہے اس لئے اس کو حلال ہونا چاہئے۔

ترجمہ: ۲؎ ہماری دلیل وہ روایت ہے جو حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ پانی جس مچھلی سے دور ہو جائے تو اس کو کھاؤ، یا پانی جس مچھلی کو باہر پھینک دے تو اس کو کھاؤ، اور جو مر کر الٹی ہو جائے اس کو مت کھاؤ۔ اور صحابہ کی ایک جماعت کا مذہب ہمارے مذہب کی طرح ہے۔

تشریح: ہماری دلیل نیچے آنے والی روایت ہے، اور صحابہ کی ایک جماعت کا مذہب بھی ہمارے مذہب کی طرح ہے۔

وجہ: اوپر کی حدیث یہ ہے۔ عن جابر بن عبد الله عن النبی ﷺ قال کلوا ما حسر عنه البحر وما القاه وما وجدتموه میتا او طافیا فوق الماء فلا تاکلوه (دارقطنی، کتاب الاشربۃ ج رابع ص ۱۸۰ نمبر ۴۶۶۸ رسنن للبیہقی، باب من کرہ اکل الطافی ج تاسع ص ۴۲۸ نمبر ۱۸۹۹۰) اس حدیث میں ہے کہ مر کر پانی پر تیرنے والی مچھلی نہ کھائے۔

لغت: نضب: پانی کا دور ہونا، پانی کا خشک ہونا۔ لفظ: پھینک دینا

ترجمہ: ۳؎ اور سمندر کا مردہ وہ جسکو سمندر کے پانی نے باہر پھینک دیا ہوتا کہ مچھلی کی موت سمندر کی طرف منسوب کیا جائے، وہ سمندر کا مردہ نہیں جو بغیر آفت کے سمندر میں مر جائے۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے سب کو سمندر کا مردہ قرار دیا تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ، سمندر کے پانی نے جس مچھلی کو سمندر کے باہر پھینک دیا وہ سمندر کا مردہ ہے، کیونکہ سمندر نے اس کو مردہ کیا، جو حلال ہے، جو بغیر کسی وجہ کے سمندر میں مر گئی ہو وہ سمندر کا مردہ نہیں ہے، کیونکہ سمندر نے اس کو نہیں مارا۔

ترجمہ: (۲۴۰) اور سچکی اور بام مچھلی اور مچھلی کی تمام قسمیں اور ٹڈی کو بغیر ذبح کئے کھانا جائز ہے۔

تشریح: سچکی ایک قسم کی مچھلی ہے جو عام مچھلیوں سے الگ ہوتی ہے یہ بام مچھلی سے تھوڑی الگ شکل کی ہوتی ہے اور سانپ جیسی لمبی ہوتی ہے۔ اس طرح بام مچھلی بھی سانپ کی طرح لمبی ہوتی ہے لیکن وہ مچھلی ہی ہے اس لئے اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مچھلی کی تمام قسمیں اور ٹڈی کو بغیر ذبح کئے کھانا جائز ہے۔

وجہ: (۱) ٹڈی حلال ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ سمعت ابن ابی اوفی قال غزو نامع النبی ﷺ سبع

رَأْسَهُ وَ يَشْوِيَهُ لِأَنَّهُ صَيْدُ الْبَرِّ، وَلِهَذَا يَجِبُ عَلَى الْمُحْرِمِ بِقَتْلِهِ جَزاءٌ يَلِيقُ بِهِ فَلَا يَحِلُّ إِلَّا بِالْقَتْلِ كَمَا فِي سَائِرِهِ. ۲ وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا رَوَيْنَا. وَسُئِلَ عَلِيٌّ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - عَنِ الْجَرَادِ يَأْخُذُهُ الرَّجُلُ مِنَ الْأَرْضِ وَفِيهَا الْمَيِّتُ وَغَيْرُهُ فَقَالَ: كُلْهُ كُلَّهُ. وَهَذَا عُدَّ مِنْ فَصَاحَتِهِ، وَدَلَّ

غزوات اوستا كنا ناكل معه الجراد. (بخاری شریف، باب اکل الجراد،ص ۹۷۹، نمبر ۵۴۹۵ رمسلم شریف، باب اباحۃ الجراد،ص ۸۷۱، نمبر ۱۹۵۲/۵۰۴۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ٹڈی حلال ہے۔(۲) اوراس کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں اس کی دلیل یہ حدیث گزر چکی ہے۔**عن عبد الله بن عمر ان رسول الله ﷺ قال احلت لنا ميتتان الحوت والجراد .** (ابن ماجہ شریف، باب صید الحیتان والجراد،ص ۴۶۷، نمبر ۳۲۱۸ ردار قطنی، کتاب الاشربۃ، ج رابع ،ص ۱۸۴، نمبر ۴۶۸۷) اس حدیث میں ہے کہ مردہ حلال ہے یعنی ٹڈی کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں مرا ہوا بھی مچھلی کی طرح حلال ہے۔

لغت: الجریث : سیکی مچھلی۔ المار ماہی : فارسی لفظ ہے سانپ کی طرح کی مچھلی جس کو ہندوستان میں بام مچھلی کہتے ہیں۔ الجراد : ٹڈی۔ لاذکوۃ لہ : اس کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ :۱ امام مالک نے فرمایا کہ ٹڈی بھی بغیر سر کاٹے اور بھونے حلال نہیں،اس لئے کہ وہ خشکی کا شکار ہے، یہی وجہ ہے کہ محرم پر اس کے قتل پر مناسب بدلہ لازم ہوتا ہے،اس لئے بغیر اس کے سر کاٹے حلال نہیں ہوگا ، جیسے تمام خشکی کے جانوروں میں ہوتا ہے۔

تشریح : امام مالکؒ کے یہاں یہ ہے کہ ٹڈی کو پکڑ کر اس کا سر کاٹے تب حلال ہے، جسطرح خشکی کے جانور کو ذبح کیا جاتا ہے گویا کہ ٹڈی کو بھی اسی طرح ذبح کرے تب وہ حلال ہوگی۔

وجہ : کیونکہ یہ خشکی کا شکار ہے، یہی وجہ ہے کہ محرم اس کو قتل کردے تو اس پر اس کا بدلہ لازم ہوتا ہے، کہ کچھ گیہوں صدقہ کرے اس لئے خشکی کے جانور کی طرح ذبح کرنا ہوگا۔

ترجمہ :۲ اور امام مالک پر حجت وہ حدیث ہے جو میں نے روایت کی یعنی[**احلت لنا ميتتان الحوت والجراد**]، اور حضرت علی سے پوچھا کہ ایک آدمی زمین سے ٹڈی پکڑتا ہے اس میں مردہ بھی ہے اور زندہ بھی[تو کیا کرے] تو حضرت علی نے فرمایا کہ سب کو کھا جاؤ، یہ جملہ انکے فصاحت میں سے شمار کیا گیا ہے، اور ٹڈی کے مباح ہونے پر دال ہے چاہے خود مر گئی ہو

تشریح : ٹڈی کو بغیر ذبح کئے ہوئے حلال اس کے لئے ایک وہ حدیث ہے جسکو پہلے روایت کی، یعنی[**احلت لنا ميتتان الحوت والجراد**]، اور دوسرا حضرت علیؓ کا قول ہے، انہوں نے فرمایا کہ سب ٹڈی کو کھاؤ چاہے اس کا سر کاٹا ہو یا خود سے مرا ہو، اس لئے بغیر ذبح کئے ہوئے بھی ٹڈی حلال ہے۔

وجہ:(۱) صاحب ہدایہ نے جو فرمایا کہ حضرت علی کا قول ہے، اصل میں حدیث کا جملہ ہے، وہ حدیث یہ ہے۔**عن مكحول**

عَلَى إبَاحَتِهِ وَإِنْ مَاتَ حَتْفَ أَنْفِهِ، ۳؎ بِخِلَافِ السَّمَكِ إذَا مَاتَ مِنْ غَيْرِ آفَةٍ لِأَنَّا خَصَّصْنَاهُ بِالنَّصِّ الْوَارِدِ فِي الطَّافِي، ۴؎ ثُمَّ الْأَصْلُ فِي السَّمَكِ عِنْدَنَا إنَّهُ إذَا مَاتَ بِآفَةٍ يَحِلُّ كَالْمَأْخُوذِ، وَإِذَا مَاتَ حَتْفَ أَنْفِهِ مِنْ غَيْرِ آفَةٍ لَا يَحِلُّ كَالطَّافِي، وَتَنْسَحِبُ عَلَيْهِ فُرُوعٌ كَثِيرَةٌ

قال قال رسول الله ﷺ الجراد و النون ذكى كله فكلوه (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب فی صید الجراد والحوت وما ذکاتہ، ج رابع، ص۲۵۳، نمبر۱۹۷۳۳) اس حدیث میں ہے کہ ٹڈی ذبح کی ہوئی ہے اور بغیر ذبح کے حلال ہے۔(۲) اور حضرت علی کا قول اس طرح ہے۔قال علی الجراد و الحیتان ذکی کله الا ما مات فی البحر فانه میتة ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب فی صید الجراد والحوت وما ذکاتہ، ج رابع، ص۲۵۳، نمبر۱۹۷۳۳/مصنف عبد الرزاق، باب الھر و الجراد والخفاش، واکل الجراد، ج رابع، ص۴۰۶، نمبر۸۷۸۴) اس قول صحابی میں ہے کہ ٹڈی ذبح کی ہوئی ہے، یعنی اس کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں بغیر ذبح کے ہی حلال ہے۔

لغت: مات حتف انفه: حتف کا ترجمہ ہے موت، مات حتف انفہ، کا ترجمہ ناک سے سانس نکل کر خود بخود مر گیا۔

ترجمہ: ۳؎ بخلاف مچھلی کے اگر وہ بغیر آفت کے خود بخود مر جائے [حلال نہیں ہے] اس لئے کہ ہم نے اس نص سے خاص کیا جو طافی مچھلی کے بارے میں وارد ہوئی۔

تشریح : مچھلی بغیر آفت کے خود بخود سمندر میں مر گئی اور اوپر تیرنے لگی تو حلال نہیں ہے، کیونکہ حدیث میں یہی ہے اس لئے حدیث کی وجہ سے اس کو خاص کیا۔

ترجمہ: ۴؎ پھر مچھلی کے بارے میں ہمارے نزدیک اصل قاعدہ یہ ہے کہ اگر آفت سے مری ہو تو وہ حلال ہے، جیسے مچھلی کو پکڑا اور اس کے بعد مری تو حلال ہے، اور اگر بغیر آفت کے خود بخود سمندر میں مر گئی تو حلال نہیں ہے، جیسے طافی مچھلی، اور اس قاعدے پر بہت سارے فروع متفرع ہوتے ہیں، جسکو میں نے کفایۃ المنتہی میں ذکر کیا ہے، جو آدمی ذہین ہے وہ غور کرتے وقت ان مسئلوں پر واقف ہو جائے گا،

لغت :بغیر آفة: مچھلی خود بخود مرے اور پھول جائے جسکی وجہ سے پانی پر تیرنے لگی ،تو اس کو بغیر آفت کے مرنا کہتے ہیں، یہی مات حتف انفہ ہے ۔ پانی نے مچھلی کو ساحل پر پھینک دیا، یا پانی کم ہو گیا اور مچھلی سوکھی میں رہ گئی جسکی وجہ سے مر گئی، یا مچھلی نے مچھلی کو قتل کر دیا، یا آدمی نے مچھلی کے بعض حصے کو کاٹ دیا اور وہ مر گئی، یا مچھلی کو پکڑا اور وہ مر گئی تو یہ سب آفت سے مرنا کہتے ہیں اور یہ سب حلال ہے۔

تشریح : یہاں مچھلی کے بارے میں ایک قاعدہ بتانا چاہتے ہیں کہ مچھلی آفت سے مری ہو تو حلال ہے، اور خود بخود مری ہو تو حلال جیسے طافی مچھلی حلال نہیں ہے، اس قاعدے پر بہت سارے مسئلے متفرع ہوتے ہیں، جسکو کفایۃ المنتہی میں ذکر کیا ہے، تاہم کوئی ذہین آدمی اس قاعدے پر غور کرے گا تو انکو بہت سارے مسئلے معلوم ہو جائیں گے۔

بَيَّنَّاهَا فِيْ كِفَايَةِ الْمُنْتَهى. وَعِنْدَ التَّأَمُّلِ يَقِفُ الْمُبَرِّزُ عَلَيْهَا: ۵ مِنْهَا إِذَا قَطَعَ بَعْضَهَا فَمَاتَ يَحِلُّ أَكْلُ مَا أُبِيْنَ وَمَا بَقِيَ. لِأَنَّ مَوْتَهُ بِآفَةٍ ٦ وَمَا أُبِينَ مِنَ الْحَيِّ وَإِنْ كَانَ مَيِّتًا فَمَيْتَتُهُ حَلَالٌ. ۷ وَفِيْ الْمَوْتِ بِالْحَرِّ وَالْبَرْدِ رِوَايَتَانِ. وَاللّٰهُ أَعْلَمُ

لغت: تنسحب: سحب سے مشتق ہے، گھسیٹنا، یہاں مراد ہے مسئلے کو متفرع کرنا۔ مبرز: برز، سے مشتق ہے، جو فائق ہو، بہت ذہین ہو۔ تأمل: غور کرنا۔

ترجمہ: ۵ انہیں مسئلوں میں سے یہ ہے کہ مچھلی کے بعض حصوں کو کاٹ دیا اور مچھلی مر گئی، تو جو حصہ کٹ گیا وہ بھی حلال اور جس سے کاٹا گیا وہ بھی حلال ہے، اس لئے کہ یہ موت آفت کی وجہ سے ہے۔

تشریح: ایک بڑی مچھلی تھی اس کی دم کاٹ دی جسکی وجہ سے مچھلی مر گئی تو جس دم کو کاٹا اس کا کھانا بھی حلال ہے، اور جو دھڑ باقی رہ گیا وہ بھی حلال ہے، کیونکہ یہ دونوں حصے آفت سے مرے ہیں

لغت: ما ابین: جو جدا کی گئی ہو۔ وما بقی: جو دھڑ باقی ہو۔

ترجمہ: ٦ اور جو زندہ مچھلی سے کاٹا، تو یہ کٹا ہوا حصہ اگر چہ مردار ہے، لیکن یہ مردار حلال ہے، کیونکہ مچھلی مردہ بھی ہو تو حلال ہے۔

تشریح: بڑی مچھلی کی دم کاٹ لی اور باقی مچھلی زندہ رہی اور سمندر میں بھاگ گئی تو یہ کٹی ہوئی دم حلال ہے۔

وجہ: کیونکہ یہ کٹی ہوئی دم آفت سے مردہ ہوئی ہے، اور مچھلی کا مردہ حلال ہے اس لئے یہ کٹی ہوئی دم حلال ہوگی۔

ترجمہ: ۷ اگر سردی، یا گرمی کی وجہ سے مچھلی مری تو اس بارے میں دو قول ہیں [ایک یہ کہ وہ مچھلی حلال ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ حلال نہیں ہے۔

تشریح: ندی میں زیادہ سردی پڑ گئی جس کی وجہ سے مچھلی مر گئی، یا زیادہ گرمی پڑ گئی جس کی وجہ سے مچھلی مر گئی تو اس مچھلی کے حلال ہونے میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ یہ مچھلی حلال ہے، اور دوسری یہ کہ مچھلی تافی کے درجے میں ہے اور حرام ہے، پہلا قول زیادہ راجح ہے کہ وہ مچھلی حلال ہے۔

﴿كِتَابُ الْأُضْحِيَّةِ﴾

(۲۴۱)قَالَ الْأُضْحِيَّةُ وَاجِبَةٌ عَلَى كُلِّ حُرٍّ مُسْلِمٍ مُقِيمٍ مُوسِرٍ فِي يَوْمِ الْأَضْحَى عَنْ نَفْسِهِ وَعَنْ

﴿ كتاب الاضحية ﴾

ضروری نوٹ :جس جانور کوقربانی کی نیت سے دس، گیارہ یا بارہ ذی الحجہ کو ذبح کرے اس کو اضحیہ کہتے ہیں۔

وجہ :(۱) قربانی کی دلیل آیت میں ہے۔**فصل لربک وانحر** ۔(آیت۲،سورۃ الکوثر ۱۰۸)اس آیت میں نحر کرنے کا حکم دیا ہے جو قربانی کی طرف اشارہ ہے۔(۲)اور حدیث میں یہ ہے۔ **عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال من کان له سعة ولم یضح فلا یقربن مصلانا** ۔(ابن ماجہ شریف، باب الاضاحی واجبۃ ھی ام لا؟ ص ۴۵۵، نمبر ۳۱۲۳ /دار قطنی، کتاب الاشربۃ، ج رابع، ص ۱۸۵، نمبر ۴۶۹۸)اس حدیث میں ہے کہ کوئی قربانی کی گنجائش رکھتا ہو وہ قربانی نہ کرے تو ہماری عیدگاہ پر نہ آئے اس سے واجب ہونے کا ثبوت ہوا۔

ترجمہ : (۲۴۱) قربانی واجب ہے ہر آزاد، مسلمان، مقیم اور قربانی کے دن مالدار ہو اس پر، اپنی جانب سے اور اپنے چھوٹے بچے کی جانب سے۔

تشریح : کوئی آدمی آزاد ہو، مسلمان ہو اور مقیم ہو مسافر نہ ہو اور قربانی کے دنوں میں مالدار بھی ہو تو اس پر قربانی واجب ہے۔اپنی جانب سے ادا کرے گا، اور اپنی چھوٹی اولاد کی جانب سے ادا کرے گا۔

وجہ:ہر ایک کی وجہ۔

[۱] آزاد اور مسلمان ہونے کی دلیل بار بار گزر چکی ہے کہ مسلمان ہو تب ہی اس پر عبادت ہے۔قربانی ایک عبادت ہے اس لئے کافر پر نہیں ہوگی۔اور غلام کے پاس مال ہی نہیں ہے اس لئے وہ قربانی کیسے کرے گا۔

[۲] اور مقیم اس لئے کہ مسافر کو قربانی کرنے میں آسانی نہیں ہوگی۔لیکن اگر کر لیا تو قربانی کی ادائیگی ہو جائے گی۔

وجہ :(۱)حضورؐ نے سفر میں قربانی کی ہے۔**عن ثوبان قال ضحی رسول اللہ ﷺ ثم قال یا ثوبان اصلح لنا لحم هذه الشاة قال فمازلت اطعمه منها حتی قدمنا المدینه**. (ابوداؤد شریف، باب فی المسافر یضحی، ص ۴۱۰، نمبر ۲۸۱۶ /بخاری شریف، باب من ذبح اضحیۃ غیرہ، ص ۹۸۸، نمبر ۵۵۵۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسافر قربانی کر سکتا ہے البتہ اس پر واجب نہیں ہے۔

[۳] اور مالدار ہو تب واجب ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر غریب ہو تو کہاں سے قربانی کرے گا وہ تو خود ہی محتاج ہے۔مالدار سے مراد یہ ہے کہ وہ قربانی کے دنوں میں زکوۃ کے نصاب کا مالک ہو۔

وجہ :(۱)اوپر حدیث گزری۔**عن ابی ھریرۃ قال من کان له سعة و لم یضح فلا یقربن مصلانا** (ابن ماجہ

وَلَدِهِ الصِّغَارِ ١ أَمَّا الْوُجُوبُ فَقَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَزُفَرَ وَالْحَسَنِ وَإِحْدَى الرِّوَايَتَيْنِ عَنْ أَبِي يُوسُفَ – رَحِمَهُمُ اللَّهُ –. وَعَنْهُ أَنَّهَا سُنَّةٌ، ذَكَرَهُ فِي الْجَوَامِعِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ. ٢ وَذَكَرَ الطَّحَاوِيُّ أَنَّ عَلَى قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَاجِبَةٌ، وَعَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ، وَهَكَذَا ذَكَرَ بَعْضُ الْمَشَايِخِ الِاخْتِلَافَ. ٣ وَجْهُ السُّنَّةِ قَوْلُهُ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – مَنْ أَرَادَ أَنْ يُضَحِّيَ مِنْكُمْ فَلَا يَأْخُذْ مِنْ شَعْرِهِ وَأَظْفَارِهِ شَيْئًا وَالتَّعْلِيقُ بِالْإِرَادَةِ

شریف، نمبر۳۱۲۳)اس حدیث میں ہے کہ گنجائش ہوتو قربانی واجب ہے ورنہ نہیں۔

[۴]اورقربانی واجب ہے سنت نہیں اس کی دلیل بھی اوپر کی حدیث ہے۔کیونکہ آپؐ نے فرمایا کہ گنجائش کے باوجود قربانی نہ کرے تو میری عیدگاہ پر نہ آئے، اس قسم کی وعید واجب چھوڑنے پر ہوتی ہے۔

ترجمہ : ١ بہر حال قربانی واجب ہونا تو یہ امام ابوحنیفہؒ ،امام محمدؒ، امام زفرؒ اور امام حسنؒ کا قول ہے اور ایک روایت امام ابو یوسفؒ کا ہے، اور امام ابو یوسفؒ کی دوسری روایت یہ ہے کہ یہ سنت ہے، اس کو جوامع ابو یوسف میں ذکر کیا ہے، اور یہی قول امام شافعیؒ کا ہے۔

تشریح : واضح ہے۔

ترجمہ : ٢ امام طحاویؒ نے ذکر کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے قول پر یہ واجب ہے اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے قول پر یہ سنت موکدہ ہے، اسی طرح بعض مشائخ نے اختلاف ذکر کیا ہے۔

تشریح : امام طحاوی نے ذکر کیا کہ امام ابوحنیفہؒ کے یہاں قربانی واجب ہے اور صاحبینؒ کے یہاں سنت موکدہ ہے، بعض مشائخ نے اسی طرح اختلاف کا ذکر کیا ہے۔

ترجمہ : ٣ سنت کی وجہ حضورؐ کا قول ہے جو قربانی کا ارادہ کرتا ہو وہ اپنے بال اور ناخن کو نہ کاٹے، اور ارادہ پر معلق کرنا وجوب کے منافی ہے[اس لئے واجب نہیں سنت ہے۔

تشریح : سنت ہونے کے لئے حضورؐ کا قول ہے کہ جو قربانی کرنا چاہتا ہو وہ بال ناخن نہ کاٹے، قربانی کو ارادے پر معلق کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ واجب نہیں ہے۔

وجہ :صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن ام سلمة ان النبی ﷺ قال اذا دخلت العشر و ارادا احدکم ان یضحی فلا یمس من شعرہ و بشرہ شیئا ۔(مسلم شریف، باب نھی من دخل علیہ عشر ذی الحجہ وھو یرید التضحیۃ ان یاخذ من شعرہ واظفارہ، ص۸۸۲، نمبر۱۹۷۷/۵۱۱۷)اس حدیث میں ہے کہ اگر قربانی کی نیت ہو، تو ناخن اور بال نہ کاٹے، یہ اگر ارادہ ہو اس بات کی دلیل ہے کہ قربانی سنت ہے۔(۲) دوسری حدیث میں ہے۔سالت ابن عمر عن الضحایا اواجبة ھی؟

يُنَافِي الْوُجُوبَ، ٤ وَلِأَنَّهَا لَوْ كَانَتْ وَاجِبَةً عَلَى الْمُقِيمِ لَوَجَبَتْ عَلَى الْمُسَافِرِ لِأَنَّهُمَا لَا يَخْتَلِفَانِ فِي الْوَظَائِفِ الْمَالِيَّةِ كَالزَّكَاةِ وَصَارَ كَالْعَتِيرَةِ. ٥ وَوَجْهُ الْوُجُوبِ قَوْلُهُ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – مَنْ وَجَدَ سَعَةً وَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرُبَنَّ مُصَلَّانَا وَمِثْلُ هَذَا الْوَعِيدِ لَا يَلْحَقُ بِتَرْكِ غَيْرِ الْوَاجِبِ، ٦ وَلِأَنَّهَا قُرْبَةٌ يُضَافُ إلَيْهَا وَقْتُهَا. يُقَالُ يَوْمَ الْأَضْحَى، وَذَلِكَ يُؤْذِنُ بِالْوُجُوبِ لِأَنَّ الْإِضَافَةَ لِلِاخْتِصَاصِ وَهُوَ بِالْوُجُودِ، وَالْوُجُوبُ هُوَ الْمُفْضِي إلَى الْوُجُودِ

قال ضحى رسول الله ﷺ والمسلمون من بعده جرت به السنة (ابن ماجہ شریف، باب الاضاحی واجبۃ ھی ام لا؟ ص ۴۵۵، نمبر ۳۱۲۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی سنت ہے۔

ترجمہ : ٤ اور اس لئے کہ اگر مقیم پر واجب ہے تو مسافر پر بھی واجب ہوگی اس لئے کہ وظائف مالیہ میں دونوں مختلف نہیں ہوتی، جیسے زکوۃ [مقیم اور مسافر دونوں پر واجب ہوتی ہے] اس لئے یہ عتیرہ کی طرح سنت ہوگئی۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔ زکوۃ مالی عبادت ہے، یہ مقیم پر بھی واجب ہوتی ہے اور مسافر پر بھی، اس لئے قربانی واجب ہوتی تو مقیم پر بھی اور مسافر پر بھی واجب ہوتی، لیکن مسافر پر واجب نہیں ہوتی جس سے پتہ چلا کہ یہ سنت ہے، واجب نہیں ہے، اب یہ عتیرہ کی طرح ہوگئی کہ وہ سنت ہے تو قربانی بھی عتیرہ کی طرح سنت ہوگی۔

لغت : عتیرہ: زمانہ جاہلیت میں رجب مہینے کے پہلے عشرے میں جانور ذبح کرتے تھے اس کو عتیرہ کہا جاتا تھا، یہ پہلے واجب تھا اب یہ نفل باقی رہ گیا ہے۔ اس لئے حدیث یہ ہے۔ قال نبیشة نادی رجل رسول الله ﷺ انا کنا نعتر عتیرة فی الجاهلیة فی رجب فما تأمر نا ؟ قال اذبحوا لله فی ای شهر کان و بروا الله و اطعموا ۔ (ابو داود شریف، باب فی العتیرۃ، ص ۴۱۲، نمبر ۲۸۳۰) اس حدیث میں ہے کہ اہل جاہلیت عتیرہ کیا کرتے تھے لیکن اب وہ منسوخ ہو کر نفل رہ گیا۔

ترجمہ : ٥ قربانی واجب ہونے کی دلیل حضور علیہ السلام کا قول ہے جو گنجائش پائے اور قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ پر نہ آئے، اور اس قسم کی وعید واجب کے چھوڑنے پر ہوتی ہے۔

وجہ : صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابی هریرة قال من کان له سعة و لم یضح فلا یقربن مصلانا (ابن ماجہ شریف، نمبر ۳۱۲۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی واجب ہے۔

ترجمہ : ٦ اور اس لئے کہ یہ ایسی قربت ہے کہ وقت کی طرف اضافت کی ہے، چنانچہ کہتے ہیں یوم الاضحیٰ، یہ اضافت وجوب کی خبر دیتی ہے، اس لئے کہ اضافت اختصاص کے لئے ہوتا ہے، جو وجود سے ہوتا ہے اور وہ وجوب سے ہوتا ہے جو وجود تک پہنچاتا ہے ظاہری طور پر جنس کی طرف نظر کرتے ہوئے۔

ظَاهِرًا بِالنَّظَرِ إِلَى الْجِنْسِ، ۷ غَيْرَ أَنَّ الْأَدَاءَ يَخْتَصُّ بِأَسْبَابٍ يَشُقُّ عَلَى الْمُسَافِرِ اسْتِحْضَارُهَا وَيَفُوتُ بِمُضِيِّ الْوَقْتِ فَلا تَجِبُ عَلَيْهِ بِمَنْزِلَةِ الْجُمُعَةِ، ۸ وَالْمُرَادُ بِالْإِرَادَةِ فِيمَا رُوِيَ وَاللَّهُ أَعْلَمُ مَا هُوَ ضِدُّ السَّهْوِ لا التَّخْيِيرُ. ۹ وَالْعَتِيرَةُ مَنْسُوخَةٌ، وَهِيَ شَاةٌ تُقَامُ فِي

لغت: هو بالوجود و الوجوب هو المفضى الى الوجود: یہ منطقی محاورہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ قربانی وقت کے ساتھ خاص ہے اس لئے اس کا وجود ہونا چاہئے، اور جب وجود ہوگا تو واجب بھی ہوگا۔ مفضی: افضاء سے مشتق ہے، پہنچانے والا۔

تشریح: قربانی کی یہ قربت وقت کی طرف منسوب ہے، لوگ کہتے ہیں یوم الاضحیٰ، جو وقت کی طرف منسوب ہوتا ہے وہ واجب ہوتا ہے، اس لئے قربانی واجب ہوگی۔ جیسے صوم رمضان: میں صوم رمضان کی طرف منسوب ہے تو روزہ واجب ہے۔

ترجمہ: ۷ یہ اور بات ہے کہ قربانی کچھ ایسے اسباب کے خاص ہے کہ مسافر پر اس کا حاضر کرنا مشکل ہے، اور وقت کے فوت ہونے سے قربانی فوت ہو جائے گی اس لئے مسافر پر واجب نہیں ہے جیسے جمعہ مسافر پر واجب نہیں ہے۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، کہ قربانی میں جانور خریدنا پڑتا اور تین دن میں ذبح کرنا ہوتا ہے، یہ وقت فوت ہونے سے قربانی فوت ہو جائے گی۔ اور یہ مسافر پر بہت مشکل ہے، اس لئے جس طرح جمعہ مسافر سے ساقط ہو گیا اسی طرح قربانی بھی اس سے ساقط ہو گئی۔

ترجمہ: ۸ اور حدیث میں ارادہ سے مراد واللہ اعلم سہو کی ضد ہے اختیار دینا مقصد نہیں ہے۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے روایت پیش کی تھی جو قربانی کرنا چاہے وہ بال ناخن نہ کاٹے، یہاں کہا کہ جو ارادہ کرے، یعنی چاہے تو قربانی کرے اور چاہے تو نہ کرے، تو اس کا جواب دیا جا رہا کہ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ چاہے تو کرے اور چاہے تو نہ کرے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس پر قربانی واجب ہے اور وہ قربانی کر رہا ہے تو اس کو بال ناخن نہیں کاٹنا چاہئے، جیسے جو فرض نماز پڑھنا چاہتا ہے تو وہ وضو کرے، یا جو جمعہ پڑھنا چاہتا ہے تو وہ غسل کرے۔ اس سے سنیت پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

لغت: ضد السهو لا التخيير: ارادہ کا ایک معنی ہے چاہے تو کرو اور چاہے تو نہ کرو، اس کو تخییر، کہتے ہیں، دوسرا، ارادہ بھول، اور سہو، کے مقابلے میں آتا ہے، یعنی بھولا نہیں ہے بلکہ ارادہ کر رہا ہے، یہاں ارادہ تخییر کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ ارادہ بھول کے مقابلے پر ہے۔

ترجمہ: ۹ اور عتیرہ منسوخ ہے، رجب میں بکری ذبح کی جاتی تھی اس کو عتیرہ کہتے ہیں، جیسا کہ کہا گیا ہے۔

تشریح: یہ بھی امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے استدلال کیا تھا کہ جس طرح عتیرہ سنت ہے اسی طرح قربانی بھی سنت ہے، اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ۔ رجب کے پہلے عشرے میں بکری ذبح کی جاتی تھی اس کو عتیرہ، کہتے ہیں، اب یہ

رَجَبٍ عَلَى مَا قِيلَ، ١٠ وَإِنَّمَا اخْتُصَّ الْوُجُوبُ بِالْحُرِّيَّةِ لِأَنَّهَا وَظِيفَةٌ مَالِيَّةٌ لا تَتَأَدَّى إِلَّا بِالْمِلْكِ، وَالْمَالِكُ هُوَ الْحُرُّ؛ ١١ وَبِالْإِسْلَامِ لِكَوْنِهَا قُرْبَةً، ١٢ وَبِالْإِقَامَةِ لِمَا بَيَّنَّا، ١٣ وَالْيَسَارِ لِمَا رَوَيْنَا مِنْ اشْتِرَاطِ السَّعَةِ؛ وَمِقْدَارُهُ مَا يَجِبُ بِهِ صَدَقَةُ الْفِطْرِ وَقَدْ مَرَّ فِي

منسوخ ہوگیااس لئے اس پر قیاس کر کے سنیت پر استدلال نہیں کیا جا سکتا ہے۔

منوجہ :عتیرہ منسوخ ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابی هریرة ان النبی ﷺ قال لا فرع ولا عتیرة. (ابوداود شریف، باب فی العتیرة، ص۴۱۲، نمبر۲۸۳۱) اس حدیث میں ہے کہ اب عتیرہ نہیں ہے یعنی وہ منسوخ ہے۔

ترجمہ : ١٠ آزاد ہو تب بھی قربانی واجب ہوگی اس کی وجہ یہ ہے کہ وظیفہ مالیہ ملک کے بغیر ادا نہیں ہوتا، اور آزاد ہی مالک ہوتا ہے، اس لئے آزاد ہوگا تب واجب ہوگی۔

تشریح :قربانی واجب ہونے کے لئے آزاد ہونا شرط ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مال کا مالک ہو تب ہی قربانی واجب ہوگی اور آزاد آدمی ہی مالک ہوتا ہے اس لئے آزاد ہونا شرط ہے۔

ترجمہ : ١١ اور مسلمان ہونا شرط ہے، اس لئے کہ یہ قربت، اور عبادت ہے [اور مسلمان ہوئے بغیر عبادت ادا نہیں ہوتی اسلئے قربانی واجب ہونے کے لئے مسلمان ہونا ضروری ہے]

وجہ: اس آیت کے اشارے سے معلوم ہوا کہ قربانی واجب ہونے کے لئے مسلمان ہونا شرط ہے فصل لربک وانحر ۔(آیت ۲، سورۃ الکوثر ۱۰۸) اس آیت میں ہے کہ نماز پڑھو اور قربانی کرو، اور نماز مسلمان پڑھتا ہے، اس لئے قربانی کے لئے نماز پڑھنا ضروری ہے۔

ترجمہ : ١٢ اور مقیم ہونا شرط ہے۔ اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کیا۔

تشریح : قربانی مقیم پر واجب ہے اس لئے کہ جانور خریدنا اور اس کو قربانی کے تین دنوں میں ذبح کرنا ایک مشکل کام ہے جو مسافر سے نہیں ہوسکتا اس لئے مسافر قربانی واجب نہیں ہے، لیکن اگر کر لیا تو ادا ہو جائے گی، جیسے مسافر پر واجب نہیں ہے، لیکن پڑھ لیا تو ادا ہو جائے گا۔

وجہ : عن ابراهیم قال رخص للحاج والمسافر فی ان لا یضحی. (مصنف عبد الرزاق، باب الضحایا، ج رابع، ص۲۹۴، نمبر ۸۱۷۳) اس قول تابعی میں ہے کہ مسافر پر قربانی نہیں ہے۔

ترجمہ :١٣ اور مالدار ہونا، اس حدیث کی بنا پر جو روایت کی کہ گنجائش کی شرط ہے، اور اس کی مقدار یہ کہ جس پر صدقۃ الفطر واجب ہوتا، اور اس کا تذکرہ کتاب الصوم میں گزر چکا ہے۔

تشریح : مالدار پر قربانی واجب ہوتی ہے، کیونکہ اوپر حدیث گزری جس میں تھا کہ جو طاقت رکھتا ہو وہ قربانی کرے، اور

الصَّوْمِ، ۱۴؎ وِالْوَقْتِ وَهُوَ يَوْمُ الْأَضْحَى لِأَنَّهَا مُخْتَصَّةٌ بِهِ، وَسَنُبَيِّنُ مِقْدَارَهُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالَى. ۱۵؎ وَتَجِبُ عَنْ نَفْسِهِ لِأَنَّهُ أَصْلٌ فِي الْوُجُوبِ عَلَيْهِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ، وَعَنْ وَلَدِهِ الصَّغِيرِ لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى نَفْسِهِ فَيُلْحَقُ بِهِ كَمَا فِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ. وَهَذِهِ رِوَايَةُ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ. وَرُوِيَ عَنْهُ أَنَّهُ لَا تَجِبُ عَنْ وَلَدِهِ وَهُوَ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ، ۱۶؎ بِخِلَافِ صَدَقَةِ الْفِطْرِ

طاقت کا مطلب یہ ہے کہ سال بھر کھا پی کر اور قرض ادا کر کے اور حاجت اصلیہ سے زیادہ ہو اور وہ مال نصاب کے مطابق ہو یعنی ساڑھے سات تولہ سونا، یا ساڑھے باون تولہ سونا کے برابر اس کی قیمت ہو تو اس پر صدقۃ الفطر واجب ہوتا ہے، اور اسی پر قربانی واجب ہوگی، البتہ اس پر سال گزرنا ضروری نہیں ہے اگر قربانی کے ایک دن پہلے بھی اس نصاب کا مالک ہوا تو اس پر قربانی واجب ہو جائے گی۔ ساڑھے باون تولہ چاندی 612.36 گرام چاندی ہوتی ہے۔

وجه: یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال من کان له سعة و لم یضح فلا یقربن مصلانا (ابن ماجہ شریف، نمبر ۳۱۲۳)

ترجمه: ۱۴؎ اور قربانی کا وقت ہو اس لئے کہ قربانی اسی وقت کے ساتھ خاص ہے اس کی مقدار ان شاء اللہ بعد میں بتاؤں گا [وہ تین دن ہیں]

وجه: اس قول صحابی میں ہے۔ ان عبد الله بن عمر کان یقول الاضحی یومان بعد یوم الاضحی (سنن للبیہقی، باب من قال الاضحیٰ یوم النحر ویومین بعده، ج تاسع، ص ۵۵۰، نمبر ۱۹۲۵۴ / موطا امام مالک، باب ذکر ایام الاضحیٰ ص ۴۹۷)

اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ دسویں تاریخ کے بعد دو دنوں تک قربانی کر سکتا ہے۔ یعنی مجموعہ تین دن قربانی کر سکتا ہے

ترجمه: ۱۵؎ قربانی کرے اپنی جانب اس لئے کہ وہ اصل واجب ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا، اور اپنی چھوٹی اولاد کی جانب سے اسلئے کہ وہ بھی اپنی ذات کے معنی میں ہے، اس لئے ذات کے ساتھ لاحق کر دیا جائے، جیسا کہ صدقۃ الفطر میں ہوتا ہے، اور یہ حضرت حسن کی روایت ہے امام ابو حنیفہؒ سے، اور انہیں سے دوسری روایت ہے کہ اپنی چھوٹی اولاد کی جانب سے واجب نہیں ہے، اور یہ ظاہر روایت ہے۔

تشریح: اپنی جانب سے قربانی کرے، کیونکہ اس پر خود واجب ہے، اور بچے کے بارے میں، امام ابو حنیفہؒ کی دو روایتیں ہیں [۱] ایک روایت یہ ہے کہ اپنی چھوٹی اولاد کی جانب سے بھی قربانی ادا کرے، جیسے صدقۃ الفطر ادا کرتے ہیں، [۲] اور دوسری ظاہر روایت یہ ہے کہ چھوٹی اولاد کی جانب سے قربانی ادا نہ کرے، باقی رہا صدقۃ الفطر تو اس کی دوسری وجہ ہے جو آگے بیان کیا جا رہا ہے۔

وجه: (۱) قربانی عبادت ہے، اور عبادت کا قاعدہ یہ ہے کہ دوسرے پر واجب نہیں ہوتی، اس لئے والد پر واجب نہیں ہوگی

لِأَنَّ السَّبَبَ هُنَاكَ رَأْسٌ يَمُونُهُ وَيَلِي عَلَيْهِ وَهُمَا مَوْجُودَانِ فِي الصَّغِيرِ ١٧ وَهَذِهِ قُرْبَةٌ مَحْضَةٌ. وَالْأَصْلُ فِي الْقُرَبِ أَنْ لَا تَجِبَ عَلَى الْغَيْرِ بِسَبَبِ الْغَيْرِ وَلِهَذَا لَا تَجِبُ عَنْ عَبْدِهِ

،اور خود بچے پر اس لئے واجب نہیں ہوگی کہ وہ مرفوع القلم ہے اس لئے خود بچے پر بھی واجب نہیں ہوگی (۲) حدیث میں ہے۔ **عن عائشة ان رسول الله قال رفع القلم عن ثلاثة ، عن النائم حتى يستيقظ ، و عن المبتلى حتى يبرأ ، و عن الصبى حتى يكبر** ۔(ابوداود شریف، باب فی المجنون یسرق اویصیب حدا،ص ۶۱۹،نمبر ۴۳۹۸)اس حدیث میں ہے کہ بچے سے قلم اٹھالیا گیا ہے،اس لئے قربانی واجب نہیں ہے۔

لغت :لانہ فی معنی نفسہ :بچہ اپنی ذات کے درجے میں ہے اس لئے بچے کو ذات کے ساتھ ملا دیا جائے گا،یعنی جس طرح اپنی ذات پر قربانی واجب ہے، بچے کی قربانی بھی باپ کی ذات پر لازم ہوگی۔ یلحق بہ :لاحق کر دیا جائے گا،ملا دیا جائے گا۔

اور جس روایت میں ہے کہ بچے کی جانب سے قربانی کرے گا اس کے لئے یہ روایت دلیل بنے گی۔

وجہ :(۱)حضورؐ نے اہل بیت کی جانب سے قربانی کی ہے کیونکہ آپؐ ذمہ دار تھے۔اسی طرح باپ چھوٹی اولاد کا ذمہ دار ہے اس لئے باپ اس کی جانب سے قربانی کرے گا(۲) حدیث میں ہے۔ **عن عائشة ان النبی ﷺ دخل عليها ... فلما كنا بمنى اتيت بلحم بقر فقلت ما هذا؟ قالوا ضحى رسول الله ﷺ عن ازواجه بالبقر.** (بخاری شریف، باب الاضحیۃ للمسافر والنساء،ص ۹۸۶،نمبر ۵۵۴۸/ابن ماجہ شریف، باب اضاحی رسول اللہ ﷺ،ص ۴۵۵،نمبر ۳۱۲۲)اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے اپنے اہل بیت کی جانب سے قربانی کی اسی پر قیاس کرتے ہوئے اپنی اولاد کی جانب سے بھی قربانی کرسکتا ہے۔

ترجمہ : ١٦ بخلاف صدقۃ الفطر کے،اس لئے کہ وہاں سبب ,**رأس يمونه و يلى عليه** ، ہے[اس کی کفالت کرتا ہے اور اس کی نگرانی کرتا ہے]،اور یہ دونوں بچے میں موجود ہیں

لغت :**يمونه و يلى عليه** :یہ ایک محاورہ ہے، یمون کا ترجمہ ہے کفالت کرنا،کھانے کی ذمہ داری سنبھالنا،اور یلی کا ترجمہ ہے ولایت رکھنا،نگرانی کرنا۔

تشریح :صدقۃ الفطر کا سبب کفالت کرنا اور نگرانی کرنا ہے اور باپ بچے کی کفالت بھی کرتا ہے اور اس پر نگرانی بھی کرتا ہے اس لئے صدقۃ الفطر باپ لازم ہوگا۔اور قربانی کا یہ سبب نہیں ہے اس لئے قربانی لازم نہیں ہوگی۔

ترجمہ : ١٧ یہ قربانی محض قربت ہے اور قربت میں اصل یہ ہے ایک کے سبب سے دوسرے پر لازم نہیں ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ غلام کی جانب سے آقا پر قربانی لازم نہیں ہوتی۔اگر چہ صدقۃ الفطر آقا پر لازم ہوتی ہے

تشریح : یہ دوسری روایت کی دلیل عقلی ہے، کہ قربانی محض عبادت ہے،اور عبادت کا قاعدہ یہ ہے کہ ایک کے سبب سے دوسرے پر لازم نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ غلام کی قربانی آقا پر لازم نہیں ہوتی۔اس کے برخلاف صدقۃ الفطر عبادت محضہ نہیں

وَإِنْ كَـانَ يَجِبُ عَنْهُ صَدَقَةُ فِطْرِهِ، ۱۸؎ وَإِنْ كَـانَ لِـلـصَّغِيرِ مَالٌ يُضَحِّيَ عَنْهُ أَبُوهُ أَوْ وَصِيُّهُ مِنْ مَـالِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ. ۱۹؎ وَقَـالَ مُحَمَّدٌ وَزُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ – رَحِمَهُمُ الـلّٰـهُ –: يُـضَـحِّـيَ مِنْ مَالِ نَفْسِهِ لَا مِنْ مَالِ الصَّغِيرِ، فَالْخِلَافُ فِي هَذَا كَالْخِلَافِ فِي صَدَقَةِ الْـفِطْرِ. ۲۰؎ وَقِـيـلَ لَا تَـجُـوزُ الـتَّـضْـحِيَةُ مِـنْ مَـالِ الصَّغِيرِ، فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا، لِأَنَّ هَذِهِ الْقُرْبَةَ تَتَـأَدَّى بِـالْإِرَاقَةِ وَالـصَّـدَقَةُ بَـعْـدَهَا تَطَوُّعٌ، وَلَا يَجُوزُ ذَلِكَ مِنْ مَالِ الصَّغِيرِ، وَلَا يُمْكِنُهُ أَنْ

ہے، مالی امداد کبھی قرض کے طور بھی دی جاتی ہے اس لئے یہ غلام کی جانب سے آقا ادا کرتا ہے۔

ترجمہ : ۱۸؎ اگر بچے کے پاس مال ہے تو باپ، یا اس کا وصی بچے کے مال سے قربانی کرے امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک۔

تشریح : اگر بچے کے پاس مال ہے تو باپ، یا بچے کا وصی بچے کے مال سے ہی قربانی کرے گا۔ یہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کی ایک رائے ہے۔

ترجمہ : ۱۹؎ امام محمدؒ اور امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ باپ اپنے مال سے قربانی کرے بچے کے مال سے نہیں، پس اس میں اختلاف ایسے ہی ہے جیسے صدقۃ الفطر میں اختلاف ہے۔

تشریح : امام محمدؒ اور امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ باپ اپنے مال سے بچے کی جانب سے قربانی کرے، بچے کے مال سے قربانی نہ کرے، اسی قسم کا اختلاف صدقہ فطر میں ہے، وہ فرماتے ہیں کہ باپ اپنے مال سے صدقہ فطر ادا کرے بچے کے مال سے ادا نہ کرے ، اور امام ابوحنیفہؒ اور امام یوسفؒ فرماتے ہیں کہ بچے کے مال سے اس کی قربانی کرے۔ کیونکہ بچے ہی پر قربانی واجب ہوئی ہے۔

ترجمہ : ۲۰؎ بعض حضرات نے فرمایا کہ بالاتفاق بچے کے مال سے قربانی کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ قربت خون بہانے سے ادا ہو جاتا ہے، اور اس کے بعد گوشت صدقہ ہوگا جو نفلی ہے اس لئے بچے کے مال سے قربانی جائز نہیں ہے، اور یہ بھی ممکن نہیں کہ بچے کو سب گوشت کھلا دے۔

تشریح :بعض حضرات نے فرمایا کہ سبھی حضرات نے یہی فرمایا کہ بچے کے مال سے قربانی نہ کرے۔

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ ذبح کرنے سے قربانی ادا ہوگئی، اب اس کے بعد جو گوشت ہے وہ نفلی طور پر صدقہ کرنا ہے اور بچے کے مال کو نفلی طور پر صدقہ کرنا جائز نہیں ہے یہ اس کے مال کو ضائع کرنا ہے، اور یہ بھی نہیں ہوسکتا ہے کہ سب گوشت بچہ کھا سکے ،اس لئے بچے کے مال سے قربانی کرنا ہی جائز نہیں ہے۔

لغت:اراقۃ: خون بہانا۔ ذبح کرنا۔

يَـأْكُلَ كُلَّهُ. ۱۲ وَالْأَصَحُّ أَنْ يُضَحِّيَ مِنْ مَالِهِ وَيَأْكُلَ مِنْهُ مَا أَمْكَنَهُ وَيَبْتَاعَ بِمَا بَقِيَ مَا يَنْتَفِعُ بِعَيْنِهِ، (۲۴۲) قَالَ وَيَذْبَحُ عَنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ شَاةً أَوْ يَذْبَحُ بَقَرَةً أَوْ بَدَنَةً عَنْ سَبْعَةٍ ا وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا تَجُوزَ إِلَّا عَنْ وَاحِدٍ، لِأَنَّ الْإِرَاقَةَ وَاحِدَةٌ وَهِيَ الْقُرْبَةُ، إِلَّا أَنَّا تَرَكْنَاهُ بِالْأَثَرِ وَهُوَ مَا رُوِيَ عَنْ جَابِرٍ – رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ – أَنَّهُ قَالَ نَحَرْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ – صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – الْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْبَدَنَةَ عَنْ سَبْعَةٍ . وَلَا نَصَّ فِي الشَّاةِ، فَبَقِيَ عَلَى أَصْلِ الْقِيَاسِ.

ترجمہ : ۱۲ صحیح بات یہ ہے کہ بچے کے مال سے قربانی کرے، اور جتنا ممکن ہو اس کو کھلا دے ، اور باقی گوشت سے کوئی ایسی چیز خرید دے جس سے بچہ فائدہ اٹھا سکے، مثلا چپل، جوتا خرید دے۔

نوٹ :فتوی ظاہر روایت پر ہے کہ، نہ باپ اپنے مال سے قربانی کرے اور نہ بچے کے مال سے قربانی کرے۔ بچے سے قربانی ساقط ہے۔

ترجمہ : (۲۴۲) ذبح کرے ان میں سے ہر ایک ایک بکری، یا ذبح کرے اونٹ یا گائے سات آدمیوں کی جانب سے۔

ترجمہ : ا قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ ایک اونٹ ایک ہی کی جانب سے ادا ہو اس لئے کہ خون بہانا ایک ہے اور وہی قربت ہے مگر حدیث کی وجہ سے یہ چھوڑ دیا، اور وہ روایت ہے حضرت جابرؓ کی کہ ہم نے حضورؐ کے ساتھ گائے کے ساتویں حصے اور اونٹ کے ساتویں حصے کی قربانی کی، اور بکری کے بارے میں کوئی نص نہیں ہے اس لئے وہ اصل قیاس پر باقی رہا۔

تشریح :ایک بکری ایک آدمی کی جانب سے کافی ہے دو آدمیوں کی جانب سے نہیں۔ اور اونٹ یا گائے سات آدمیوں کی جانب سے کافی ہوتی ہے اس سے زیادہ آدمی شریک نہیں ہو سکتے۔ البتہ سات سے کم پانچ یا چار وغیرہ شریک ہو سکتے ہیں۔

وجہ :(۱) بکری کے سلسلے میں شرکت کی کوئی حدیث نہیں ہے۔ اگر بکری میں دو آدمیوں کی شرکت جائز ہوتی تو حدیث میں اس کا تذکرہ ہوتا۔ (۲) چنانچہ ترمذی شریف میں یہ عبارت ہے۔ **وقال بعض اهل العلم لا تجزی الشاة الا ان نفس واحدة وهو قول عبد الله بن المبارک وغيرهم من اهل العلم** (ترمذی شریف، باب ماجاء ان الشاة الواحدة تجزی عن اہل البیت، ص ۳۶۶، نمبر ۱۵۰۵) اس عبارت میں ہے کہ بکری ایک ہی آدمی کی جانب سے کافی ہوگی۔ (۳) اس حدیث کے اشارۃ النص سے ثابت ہوتا ہے کہ بکری ایک آدمی کی جانب سے کافی ہوگی۔ **عن ابن عباس ان النبی ﷺ اتاه رجل فقال ان علی بدنة و انا موسر بها ، و لا اجد ها فاشتريها فامره النبی ﷺ ان یبتاع سبع شياه فيذبحهن** ۔ (ابن ماجۃ شریف، باب کم یجزی الغنم عن البدنۃ، ص ۴۵۶، نمبر ۳۱۳۶) اس حدیث میں ہے کہ اونٹ کے بدلے سات بکری ذبح کرے، اور اونٹ میں سات حصہ ہوتا ہے، جس کے اشارے سے معلوم ہوا کہ بکری ایک آدمی کی جانب سے کافی ہوگی۔ (۴) اونٹ اور گائے میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے جسکو صاحب ہدایہ نے ذکر

۲ وَتَجُوزُ عَنْ سِتَّةٍ أَوْ خَمْسَةٍ أَوْ ثَلاثَةٍ، ذَكَرَهُ مُحَمَّدٌ - رَحِمَهُ اللّٰهُ - فِي الْأَصْلِ، لِأَنَّهُ لَمَّا جَازَ عَنْ السَّبْعَةِ فَعَمَّنْ دُونَهُمْ أَوْلَى، وَلَا تَجُوزُ عَنْ ثَمَانِيَةٍ أَخْذًا بِالْقِيَاسِ فِيمَا لَا نَصَّ فِيهِ ۳ وَكَذَا إِذَا كَانَ نَصِيبُ أَحَدِهِمْ أَقَلَّ مِنْ السُّبُعِ، وَلَا تَجُوزُ عَنْ الْكُلِّ لِانْعِدَامِ وَصْفِ الْقُرْبَةِ فِي

کیا ہے۔ عن جابر بن عبد الله ان النبی ﷺ قال البقرة عن سبعة والجزور عن سبعة (ابوداؤد شریف، باب البقرة والجزور عن کم یجزی؟ ص ۴۰۹، نمبر ۲۸۰۸ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الاشتراک فی الاضحیۃ، ص ۳۶۵، نمبر ۱۵۰۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اونٹ میں اور گائے میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔

ترجمہ : ۲ ایک گائے پانچ آدمی، یا چھ آدمی، یا تین آدمی کی جانب سے قربانی کرے تو جائز ہے، امام محمدؒ نے کتاب الاصل [مبسوط میں] ذکر کیا، اس لئے کہ جب سات آدمی کی جانب سے جائز ہے تو اس سے کم کی جانب سے بدرجہ اولی جائز ہوگی۔ ہاں آٹھ آدمیوں کی جانب سے نہیں ہوگی، کیونکہ جس بارے میں نص نہیں وہاں قیاس سے کام لیا جائے گا۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ایک آدمی کے حصے میں ساتواں حصہ سے کم نہ ہو، ہاں اس سے زیادہ ہو جائے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے

تشریح سات کے بجائے اس سے کم آدمیوں کی جانب سے گائے، یا اونٹ قربانی کی تو جائز ہوگی۔ ہاں سات سے زیادہ آٹھ آدمی کی جانب سے قربانی نہیں ہوگی کیونکہ یہ حدیث سے خلاف ہے، اور ہر ایک کا حصہ ساتویں حصے سے کم ہو جائے گا

وجہ : جب سات آدمیوں کی جانب سے جائز ہے تو اس سے کم کی جانب سے بدرجہ اولی جائز ہوگی۔ ہاں آٹھ آدمیوں کی جانب سے نہیں ہوگی۔

ترجمہ : ۳ ایسے ہی کسی ایک کا حصہ ساتویں حصے سے کم ہو تو کسی کا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ بعض میں قربت کا وصف نہیں پایا گیا، اس کو ان شاء اللہ بعد میں بیان کروں گا۔

تشریح : مثلا سات آدمی شریک ہوئے ان میں سے ایک آدمی کا ڈیڑھ حصہ ہے اور ایک آدمی کا آدھا حصہ ہے، پورا ساتواں حصہ نہیں ہے تو اب کسی کی قربانی نہیں ہوگی، اس لئے کہ جسکا آدھا حصہ ہے اس کی قربت نہیں پائی گئی، اس ایک قربت کے نہ پائے جانے کی وجہ سے کسی کی بھی قربت نہیں ہوگی، اور کسی کی بھی قربانی نہیں ہوگی۔

اصول: ہر ہر حصے میں قربت پائی جانی چاہئے تب سب کی قربانی ہوگی۔ کسی ایک کی قربت نہ پائے جانے کی وجہ سے کسی کی قربانی نہیں ہوگی۔

نوٹ: ایک آدمی کی جانب سے نفلی طور پر بکری قربانی کرے اور اس کا ثواب بہت سے کو پہنچا دے یہ جائز ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عائشة ان رسول الله ﷺ امر بکبش اقرن ... وقال بسم الله اللهم تقبل من محمد وآل محمد ومن امة محمد ثم ضحی به ۔ (ابوداؤد شریف، باب مایستحب من الضحایا، ص ۴۰۷، نمبر ۲۷۹۲) اس

الْبَعْضِ، وَسَنُبَيِّنُهُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالَى. ٤ وَقَالَ مَالِكٌ: تَجُوزُ عَنْ أَهْلِ بَيْتٍ وَاحِدٍ وَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ سَبْعَةٍ، وَلَا تَجُوزُ عَنْ أَهْلِ بَيْتَيْنِ وَإِنْ كَانُوا أَقَلَّ مِنْهَا لِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – عَلَى كُلِّ أَهْلِ بَيْتٍ فِي كُلِّ عَامٍ أَضْحَاةٌ وَعَتِيرَةٌ ٥ قُلْنَا: الْمُرَادُ مِنْهُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ قَيِّمُ أَهْلِ الْبَيْتِ لِأَنَّ الْيَسَارَ لَهُ يُؤَيِّدُهُ مَا يُرْوَى عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي كُلِّ عَامٍ أَضْحَاةٌ وَعَتِيرَةٌ ٦ وَلَوْ كَانَتْ

حدیث میں ایک بکرے کو ذبح کیا اور اس کا ثواب محمدؐ، آل محمدؐ اور امت محمدؐ کو پہنچایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ایک جانور اپنی جانب سے ذبح کرے اور اس کا ثواب بہت لوگوں کو پہنچائے یہ جائز ہے۔ اور ان شاء اللہ سب کو پورا پورا ثواب مل جائیگا۔ قال رأیت علیاؓ یضحی بکبش فقلت له ما هذا ؟ فقال ان رسول الله ﷺ اوصانی ان اضحی عنه فانا اضحی عنه ۔(ابوداؤد شریف، باب الضحیۃ عن المیت ص ۴۰۷ (۲۷۹۰) اس حدیث میں میت کی جانب سے قربانی کی، جس سے معلوم ہوا کہ ایک بکری ذبح کر کے بہت سارے کو ثواب پہنچا سکتا ہے۔

ترجمہ : ٤ امام مالکؒ نے فرمایا کہ ایک گھر میں چاہے سات آدمی سے زیادہ ہو پھر بھی ایک جانور کافی ہے، اور دو گھر میں چاہے سات سے کم ہو پھر بھی جائز نہیں ہے، حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ ہر گھر والے پر ہر سال قربانی اور عتیرہ ہے۔

تشریح : امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ایک گھر میں اگر بارہ آدمی ہوں تب بھی سب کی جانب سے ایک جانور کافی ہے۔ البتہ ایک جانور دو گھروں کی جانب سے کافی نہیں۔ انکے یہاں ایک گھر پر ایک جانور ضروری ہے چاہے کتنے ہی افراد کیوں نہ ہوں

وجہ : صاحب حدیث یہ ہے۔ قال انبأنا مخنف بن سلیم قال ونحن وقوف مع رسول الله ﷺ بعرفات قال قال یا ایها الناس ان علی کل اهل بیت فی کل عام اضحیة وعتیرة ۔(ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی ایجاب الاضاحی، ص ۴۰۶، نمبر ۲۷۸۸ رترمذی شریف، باب ماجاء ان الشاۃ الواحدۃ تجزی عن اہل البیت، ص ۳۶۵، نمبر ۱۵۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک جانور پورے گھر کی جانب سے کافی ہے چاہے گھر میں کتنے ہی افراد ہوں۔

ترجمہ : ٥ ہم نے جواب دیا واللہ اعلم اس میں مراد گھر کا ذمہ دار ہے، اس لئے کہ وہی مالدار شمار کیا جاتا ہے، اس کی تائید ہوتی اس روایت کہ تمام مسلمان پر ہر سال اضحیہ اور عتیرہ ہے۔

تشریح : یہ امام مالکؒ کے پیش کردہ حدیث کا جواب ہے، اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر گھر پر ایک قربانی ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر گھر کے سربراہ پر قربانی ہے، چنانچہ دوسری روایت میں ہے کہ ہر مسلمان پر قربانی ہے۔

نوٹ : علی کل مسلم فی کل عام اضحاۃ وعتیرۃ۔ یہ حدیث نہیں ملی۔

ترجمہ : ٦ اگر ایک اونٹ دو آدمیوں کے درمیان ہو تو صحیح روایت میں جائز ہے، اس لئے کہ جب تین ساتواں حصہ جائز ہے تو ساتویں حصے کا آدھا اس کے تابع ہو کر جائز ہے۔

الْبَدَنَةُ بَيْنَ اثْنَيْنِ نِصْفَيْنِ تَجُوزُ فِي الْأَصَحِّ، لِأَنَّهُ لَمَّا جَازَ ثَلَاثَةُ الْأَسْبَاعِ جَازَ نِصْفُ السُّبُعِ تَبْعًا، ۷ وَإِذَا جَازَ عَلَى الشَّرِكَةِ فَقِسْمَةُ اللَّحْمِ بِالْوَزْنِ لِأَنَّهُ مَوْزُونٌ، وَلَوْ اقْتَسَمُوا جُزَافًا لَا يَجُوزُ إِلَّا إِذَا كَانَ مَعَهُ شَيْءٌ مِنَ الْأَكَارِعِ وَالْجِلْدِ اعْتِبَارًا بِالْبَيْعِ، ۸ وَلَوْ اشْتَرَى بَقَرَةً يُرِيدُ أَنْ يُضَحِّيَ بِهَا عَنْ نَفْسِهِ ثُمَّ اشْتَرَكَ فِيهَا سِتَّةٌ مَعَهُ جَازَ اسْتِحْسَانًا وَفِي الْقِيَاسِ لَا يَجُوزُ، وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ لِأَنَّهُ أَعَدَّهَا لِلْقُرْبَةِ فَيُمْنَعُ عَنْ بَيْعِهَا تَمَوُّلًا وَالِاشْتِرَاكُ هَذِهِ صِفَتُهُ. وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّهُ قَدْ يَجِدُ بَقَرَةً سَمِينَةً يَشْتَرِيهَا وَلَا يَظْفَرُ بِالشُّرَكَاءِ وَقْتَ الْبَيْعِ، وَإِنَّمَا يَطْلُبُهُمْ بَعْدَهُ فَكَانَتِ الْحَاجَةُ إِلَيْهِ مَاسَّةً فَجَوَّزْنَاهُ دَفْعًا لِلْحَرَجِ، وَقَدْ أَمْكَنَ لِأَنَّه بِالشِّرَاءِ لِلتَّضْحِيَةِ لَا

تشریح : دوآدمیوں کے درمیان ایک اونٹ ہوگا تو دونوں کے حصے میں تین حصہ اور آدھا حصہ آئے گا تو اس آدھے حصے کی قربانی، بعض حضرات نے فرمایا کہ جائز نہیں ہے، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ قربانی جائز ہے، کیونکہ یہ آدھا حصہ تین حصے کے تابع ہو جائے گا، اور تین حصے جائز ہے تو ساڑھے تین بھی جائز ہوگا۔ ہاں صرف آدھا حصہ ایک آدمی کے لئے ہوتا تو یہ ایک کے لئے ساتویں حصے سے کم ہے اس لئے جائز نہیں ہوتا۔

ترجمہ : ۷ شرکت جب جائز ہے تو گوشت کی تقسیم وزن کر کے کیا جائے گا، اس لئے کہ گوشت وزنی چیز ہے، اور اگر اٹکل سے تقسیم کیا تو جائز نہیں ہے، مگر یہ کہ اس کے ساتھ پائے اور کھال ہو، بیع پر قیاس کرتے ہوئے۔

تشریح : گوشت وزنی چیز ہے اس لئے اگر شرکت میں قربانی کی تو گوشت کی تقسیم تول کر کرے، اٹکل سے کرنا ٹھیک نہیں ہے، ہاں اس کے ساتھ سری اور پایہ ہو تو اب ٹھیک ہے، کیونکہ جسکے طرف زیادہ ہو تو اس کے بدلے میں دوسری طرف سری اور پایہ شمار کیا جائے گا اس طرح یہ برابر ہو جائے گا، جیسے گوشت کے بدلے میں گوشت بیچے تو اٹکل سے بیچنا جائز نہیں ہے ورنہ سود ہونا لازم آئے گا، لیکن ایک طرف سری اور پایہ ہو تو اب جائز ہو جائے گا، کیونکہ جو زیادہ گوشت ہو تو وہ سری پایہ کے بدلے میں شمار کیا جائے گا، اور گوشت برابر شمار کیا جائے گا۔

لغت : اکارع: پایہ۔ جلد: کھال، جزافا: اٹکل سے۔

ترجمہ : ۸ اگر اپنے لئے گائے خریدی پھر چھ کو اپنے ساتھ شریک کر لیا تو استحسانا جائز ہے، اور قیاس کا تقاضہ ہے کہ جائز نہ ہو، یہی قول امام زفرؒ کا ہے اس لئے کہ اسنے قربت کے لئے تیار کیا اس لئے اس کو مالدار بننے کے لئے بیچنے سے روکا جائے گا، اور یہاں شریک کرنے کی یہی صورت ہے، استحسان کی وجہ یہ ہے کہ کبھی موٹی گائے مل جاتی ہے، اس لئے اس کو خرید لیتا ہے اور خریدتے وقت شریک نہیں ملتا، اس لئے بعد میں شریک کھوجتا ہے اس لئے جائز قرار دینے کی ضرورت ہے، اس لئے حرج کو دفع کرنے کے لئے ہم نے اس کو جائز قرار دیا، اور حرج کو دفع کرنے کے لئے شریک کرنا ممکن ہے اس لئے کہ قربانی کے لئے

يَمْتَنِعُ الْبَيْعُ، ۹ وَالْأَحْسَنُ أَنْ يَفْعَلَ ذَلِكَ قَبْلَ الشِّرَاءِ لِيَكُونَ أَبْعَدَ عَنِ الْخِلَافِ، وَعَنْ صُورَةِ الرُّجُوعِ فِي الْقُرْبَةِ. وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يُكْرَهُ الِاشْتِرَاكُ بَعْدَ الشِّرَاءِ لِمَا بَيَّنَّا. (۲۴۳)قَالَ وَلَيْسَ عَلَى الْفَقِيرِ وَالْمُسَافِرِ أُضْحِيَّةٌ ا لِمَا بَيَّنَّا. وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ كَانَا لَا يُضَحِّيَانِ إِذَا كَانَا

خریدنے سے اس کو بیچنا ممنوع نہیں ہے۔

تشریح : اپنی قربانی لئے گائے خریدی، اب اس میں چھ آدمیوں کو شریک کرنا چاہتا ہے تو قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ جائز نہ ہو، اور یہی امام زفرؒ کا قول ہے اس لئے کہ اس گائے کو قربت کے لئے متعین کیا ہے اس لئے مالدار بننے کے لئے اس میں شریک کرنا اچھا نہیں ہے۔ لیکن استحسان کے طور پر اس کو جائز قرار دیا ہے، کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ سستے داموں میں اچھی گائے مل گئی اور اس وقت شریک ہونے کے لئے آدمی موجود نہیں تھے، اس لئے اس کو اکیلے نے خرید لیا، اور بعد میں شریک تلاش کر کے شامل کر لیا، چونکہ اس کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے استحسانا اس کو جائز قرار دیا، باقی رہا کہ قربانی کی گائے کو بیچنا تو وہ جائز ہے، جیسے مالدار آدمی قربانی کا جانور خریدے، پھر اس کو بیچ کر دوسرا خرید لے تو اس کے لئے یہ جائز ہے، اسی طرح یہاں چھ حصے شریک کے ہاتھ بیچ دیا تو جائز ہوگا۔

لغت : اعدھا للقربۃ : اس گائے کو قربت کے لئے تیار کیا۔ تمولا : مالدار بننے کے لئے۔ الاشراک ھذہ صفۃ : یہاں شریک کرنے کی یہی صورت ہے، یعنی قربت کے لئے تیار کیا ہے پھر اس کو بیچ رہا ہے۔ سمینۃ : موٹی۔ لا یظفر : کامیاب نہیں ہوتا ہے۔ قد امکن : ممکن ہے کہ باقی حصے کو بیچ دے۔

ترجمہ : ۹ بہتر یہ ہے کہ خریدنے سے پہلے شریک بنالے تاکہ اختلاف سے دور رہے اور قربت کے لئے متعین کرنے کے بعد اس سے رجوع کرنے سے دور رہے، چنانچہ امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ خریدنے کے بعد اس میں شریک کرنا مکروہ ہے، اس وجہ سے جو ہم نے بیان کیا۔

تشریح : بہتر یہ ہے کہ خریدنے سے پہلے شریک بنالے تاکہ قربت سے رجوع کی شکل نہ بنے، اور اختلاف سے بھی دور رہے، چنانچہ امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ خریدنے کے بعد شریک بنانا مکروہ ہے۔

ترجمہ : (۲۴۳) فقیر اور مسافر پر قربانی نہیں ہے۔

ترجمہ : ا اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کی، اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ جب مسافر ہوتے تو قربانی نہیں کرتے تھے، اور حضرت علی سے روایت ہے کہ مسافر پر جمعہ اور قربانی نہیں ہے۔

وجہ : (۱) اوپر حدیث گزری کہ جو گنجائش رکھتا ہو یعنی صاحب نصاب ہو اس پر قربانی ہے اس لئے فقیر پر قربانی نہیں ہے۔ فقیر کے پاس کچھ ہے ہی نہیں تو وہ کیسے قربانی کرے گا (۲) حدیث میں ہے۔ **عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ**

مُسَافِرِيْنِ، وَعَنْ عَلِيٍّ: وَلَيْسَ عَلَى الْمُسَافِرِ جُمُعَةٌ وَلَا أُضْحِيَّةٌ. (۲۴۴) قَالَ وَوَقْتُ الْأُضْحِيَّةِ يَدْخُلُ بِطُلُوعِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ ، إِلَّا أَنَّهُ لَا يَجُوزُ لِأَهْلِ الْأَمْصَارِ الذَّبْحُ حَتَّى يُصَلِّيَ الْإِمَامُ الْعِيدَ، فَأَمَّا أَهْلُ السَّوَادِ فَيَذْبَحُونَ بَعْدَ الْفَجْرِ.ل وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْيُعِدْ ذَبِيحَتَهُ، وَمَنْ ذَبَحَ بَعْدَ الصَّلَاةِ فَقَدْ تَمَّ نُسُكُهُ وَأَصَابَ سُنَّةَ

قال من كان له سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا . (ابن ماجہ شریف، باب الاضاحی واجبۃ ھی ام لا؟ ص ۴۵۵ نمبر ۳۱۲۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گنجائش ہو پھر اس پر قربانی واجب ہے۔

وجہ: (۱) اور مسافر پر قربانی اس لئے واجب نہیں ہے کہ اس کے پاس عموما رقم نہیں ہوتی۔ اور قربانی کے جانور تلاش کرنے میں اور اس کو قربانی کرنے میں تکلیف ہوگی (۲) جب رمضان کا فرض روزہ ساقط ہو گیا، جمعہ، عید الفطر اور عید الاضحیٰ ساقط ہو گئے تو ان پر قیاس کرتے ہوئے قربانی بھی ساقط ہوگی (۳) قول تابعی میں ہے۔ عن ابراهيم قال رخص للحاج والمسافر في ان لا يضحى. (مصنف عبد الرزاق، باب الضحایا، ج رابع ص ۲۹۴، نمبر ۸۱۷۳) (۴) صاحب ہدایہ کا عمل صحابی یہ ہے۔ عن ابی سریحة قال رأيت ابا بكر و عمر و ما يضحيان ۔ (مصنف عبد الرزاق، باب الضحایا، ج رابع ص ۲۹۳، نمبر ۸۱۷۰) اس میں ہے کہ حضرت ابو بکر اور عمرؓ سفر میں قربانی نہیں کرتے تھے۔ (۵) عن ابراهيم ان عمر ابن الخطاب كان يحج فلا يضحى (مصنف عبد الرزاق، باب الضحایا، ج رابع ص ۲۹۳، نمبر ۸۱۷۲) (۶) صاحب ہدایہ نے حضرت علی کے اس قول کی طرف اشارہ کیا ہے۔ عن على قال لا جمعة ولا تشريق الا فى مصر جامع ، (مصنف عبد الرزاق، باب القری الصغار، ج ثالث ص ۷۰، نمبر ۵۱۸۹ / مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۳۱ من قال لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع، ج اول ص ۴۳۹، نمبر ۵۰۵۹) تشریق شہر میں ہو یعنی اقامت میں ہو۔

نوٹ: مسافر پر قربانی واجب نہیں ہے لیکن کر لیا تو قربانی ادا ہو جائے گی۔

وجہ؛ عن ثوبان قال ضحى رسول الله ﷺ ثم قال يا ثوبان اصلح لنا لحم هذه الشاة قال فمازلت اطعمه منها حتى قدمنا المدينه. (ابو داؤد شریف، باب فی المسافر یضحی ص ۴۱۰، نمبر ۲۸۱۶ / بخاری شریف، باب من ذبح اضحیۃ غیرہ، ص ۹۸۸، نمبر ۵۵۵۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسافر قربانی کر سکتا ہے البتہ اس پر واجب نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۴۴) قربانی کرنے کا وقت داخل ہو جاتا ہے دسویں تاریخ فجر کے طلوع ہونے سے مگر یہ کہ شہر والوں کیلئے ذبح کرنا جائز نہیں جب تک کہ امام عید کی نماز نہ پڑھ لے، بہر حال دیہات والے تو فجر کے طلوع ہونے کے بعد ذبح کر سکتے ہیں

ترجمہ: ل اصل اس میں حضور ﷺ کا قول ہے جس نے نماز پہلے ذبح کیا تو وہ اپنی ذبیحہ کو لوٹائے اور جس نے نماز کے بعد ذبح کیا اس کی عبادت پوری ہوگئی، اور مسلمان کی سنت کو پالیا۔ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا اس دن میں سب سے پہلے نماز

الْـمُسْـلِمِـيـنَ وَقَـالَ – عَـلَيْـهِ الـصَّلاةُ وَالسَّلامُ – انَّ أَوَّلَ نُسُكِـنَا فِي هَذَا الْيَوْمِ الصَّلاةُ ثُمَّ الْأُضْـحِيَّةُ غَيْـرَ أَنَّ هَـذَا الشَّـرْطَ فِي حَقِّ مَنْ عَلَيْهِ الصَّلاةُ وَهُوَ الْمِصْرِيُّ دُونَ أَهْلِ السَّوَادِ، ٢ لِأَنَّ التَّـأْخِيـرَ لِاحْتِـمَالِ التَّشَاغُلِ بِهِ عَنْ الصَّلاةِ، وَلا مَعْنَى لِلتَّأْخِيرِ فِي حَقِّ الْقَرَوِيِّ وَلا صَلاةَ

پڑھیں گے پھر قربانی ہے، یہ اور بات ہے کہ یہ شرط ان لوگوں پر ہے جس پر نماز ہے اور وہ شہر ہے نہ کہ دیہات۔

تشریح: قربانی کرنے کا وقت دسویں ذی الحجہ کے دن صبح صادق طلوع ہونے کے بعد ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔ البتہ چونکہ شہر میں عید کی نماز ہوتی ہے اس لئے امام کی نماز عید سے پہلے قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر قربانی کر لی تو وہ عام گوشت ہوگا، قربانی دوبارہ کرنی ہوگی۔ اور دیہات میں عید کی نماز واجب نہیں ہے اس لئے وہاں صبح صادق کے بعد ہی سے قربانی کر سکتے ہیں۔

وجه: (۱) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے **عن انس بن مالک قال قال النبی ﷺ من ذبح قبل الصلاة فانما ذبح لنفسه و من ذبح بعد الصلاة فقد تم نسكه و اصاب سنة المسلمين** ۔ (بخاری شریف، باب سنۃ الاضحیۃ، ص ۹۸۶، نمبر ۵۵۴۶ / مسلم شریف، باب وقتھا، ص ۸۷۴، نمبر ۱۹۶۱ / ۵۰۶۹) (۲) صاحب ہدایہ کی دوسری حدیث یہ ہے۔ **عن البراء قال قال النبی ﷺ ان اول ما نبدأبه في يومنا هذا ان نصلى ثم نرجع فننحر من فعله فقد اصاب سنتنا ، و من ذبح قبل فانما هو لحم قدمه لاهله ليس من النسک في شيء** (بخاری شریف، باب سنۃ الاضحیۃ، ص ۹۸۶، نمبر ۵۵۴۵ / مسلم شریف، باب وقتھا، ص ۸۷۴، نمبر ۱۹۶۱ / ۵۰۷۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شہر میں عید کی نماز ہوتی ہے اس لئے قربانی نماز کے بعد کرے۔

اور دیہات میں نماز عید نہیں ہے اس لئے صبح صادق کے بعد قربانی کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ صبح صادق کے بعد دن شروع ہو جاتا ہے۔

وجه: (۱) قول تابعی میں ہے۔ **وقد رخص قوم من اهل العلم لاهل القرى في الذبح اذا طلع الفجر وهو قول ابن مبارک** . (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الذبح بعد الصلوۃ، ص ۳۶۶، نمبر ۱۵۰۸) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ صبح صادق کے بعد گاؤں والے قربانی کر سکتے ہیں۔

لغت: اہل السواد: سواد کا معنی کالا ہے، زراعت اور کھیتی کی وجہ سے دیہات کالا نظر آتا ہے اس لئے اس کو اھل السواد کہتے ہیں

ترجمہ: ٢ قربانی نماز کے بعد کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قربانی میں مشغول ہو کر نماز چھوڑ دے، اور دیہاتیوں کے حق میں تاخیر کا کوئی معنی نہیں ہے، کیونکہ ان پر نماز نہیں ہے۔

تشریح: نماز کے بعد قربانی کرنے کی دوسری وجہ ہے کہ، شہر والوں پر عید کی نماز ہے، اب اگر قربانی میں مشغول ہو جائے تو ہو سکتا ہے کہ عید کی نماز چھوٹ جائے اس لئے نماز سے پہلے قربانی ممنوع قرار دیا اور دیہاتیوں پر عید کی نماز نہیں ہے اس لئے وہ صبح صادق کے بعد ہی قربانی کر سکتے ہیں۔

عَلَيْهِ، ۳؎ وَمَا رَوَيْنَاهُ حُجَّةٌ عَلَى مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ فِي نَفْيِ الْجَوَازِ بَعْدَ الصَّلَاةِ قَبْلَ نَحْرِ الْإِمَامِ، ۴؎ ثُمَّ الْمُعْتَبَرُ فِي ذَلِكَ مَكَانُ الْأُضْحِيَّةِ، حَتَّى لَوْ كَانَتْ فِي السَّوَادِ وَالْمُضَحِّي فِي الْمِصْرِ يَجُوزُ كَمَا انْشَقَّ الْفَجْرُ، وَلَوْ كَانَ عَلَى الْعَكْسِ لَا يَجُوزُ إِلَّا بَعْدَ الصَّلَاةِ. ۵؎ وَحِيلَةُ الْمِصْرِيِّ إِذَا أَرَادَ التَّعْجِيلَ أَنْ يَبْعَثَ بِهَا إِلَى خَارِجِ الْمِصْرِ فَيُضَحِّيَ بِهَا كَمَا طَلَعَ الْفَجْرُ، ۶؎ و هذا لِأَنَّهَا تُشْبِهُ الزَّكَاةَ مِنْ حَيْثُ أَنَّهَا تَسْقُطُ بِهَلَاكِ الْمَالِ قَبْلَ مُضِيِّ

ترجمه : ۳؎ اور ہم نے جو روایت کی وہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ پر حجت ہے، نماز کے بعد امام کے قربانی کرنے سے پہلے قربانی کرنا جائز نہیں کہتے ہیں۔

تشریح : امام اور امام شافعیؒ یہ کہتے ہیں کہ امام کے قربانی کرنے سے پہلے قربانی کرنا جائز نہیں ہے، اس پر اوپر کی حدیث حجت ہے، جس میں فرمایا کہ نماز کے بعد قربانی کر سکتا ہے۔

نوٹ :امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ امام نماز سے فارغ ہو جائے اس کے بعد قربانی کرے، یہ نہیں ہے کہ امام قربانی کرے تب لوگ قربانی کرے۔ موسوعہ کی عبارت یہ ہے۔ قال و وقت الضحایا انصراف الامام من الصلاة فاذا ابطا الامام او کان الاضحی ببلد لا امام به فقدر ما یحل الصلاةثم یقضی صلاته رکعتین ۔(موسوعۃ امام شافعی، باب کتاب الضحایا، ج ۵، ص ۴۵۳، نمبر ۶۹۷۵) اس عبارت میں ہے کہ امام نماز سے فارغ ہو جائے تو قربانی کرو، یہ نہیں ہے کہ امام قربانی کرے تب قربانی کرو۔

ترجمه : ۴؎ پھر قربانی کرنے کی جگہ کا اعتبار ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر جانور دیہات میں ہو اور ذبح کرنے والا شہر میں ہو تو صبح صادق ہوتے وقت ہی ذبح کرنا درست ہے، اور اگر اس کا الٹا ہو تو نہیں جائز ہے مگر نماز کے بعد۔

تشریح : جہاں جانور ہے قربانی کرنے وقت میں اس کا اعتبار ہے، قربانی کرنے والے کا اعتبار نہیں ہے، چنانچہ اگر جانور دیہات میں ہے اور جس کا جانور ہے وہ شہر میں ہے تو صبح صادق کے وقت ہی ذبح کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر جانور شہر میں ہو اور جسکا جانور ہے وہ دیہات میں ہو تو نماز کے بعد ذبح کیا جائے گا اس سے پہلے نہیں ہے۔

لغت:المضحی: ذبح کرنے والا۔ انشق الفجر: جیسے ہی فجر پھٹ پڑا، یعنی صبح صادق ہو گیا۔

ترجمه : ۵؎ شہری آدمی جلدی ذبح کرنا چاہتا ہے تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ اپنے جانور کو شہر سے باہر بھیج دے، اور فجر ہوتے ہی وہاں ذب کر دے۔

تشریح :واضح ہے۔

ترجمه : ۶؎ یہ قربانی زکوۃ کے مشابہ ہے، اس لئے کہ ایام نحر گزرنے سے پہلے مال ہلاک ہو جائے تو قربانی ساقط ہو جاتی

أَيَّامِ النَّحْرِ كَالزَّكَاةِ بِهَلاكِ النِّصَابِ فَيُعْتَبَرُ فِي الصَّرْفِ مَكَانُ الْمَحَلِّ لا مَكَانُ الْفَاعِلِ اعْتِبَارًا بِهَا، بِخِلَافِ صَدَقَةِ الْفِطْرِ لِأَنَّهَا لا تَسْقُطُ بِهَلاكِ الْمَالِ بَعْدَمَا طَلَعَ الْفَجْرُ مِنْ يَوْمِ الْفِطْرِ ےوَلَوْ ضَحَّى بَعْدَمَا صَلَّى أَهْلُ الْمَسْجِدِ وَلَمْ يُصَلِّ أَهْلُ الْجَبَّانَةِ أَجْزَأَهُ اسْتِحْسَانًا لِأَنَّهَا

ہے، جیسے زکوۃ کا مال نصاب ہلاک ہونے سے زکوۃ ساقط ہو جاتی ہے، اس لئے ذبح کرنے میں محل [جانور] کا اعتبار ہے فاعل کی جگہ کا اعتبار نہیں ہے، بخلاف صدقۃ الفطر کے، عید کے دن صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد مال کے ہلاک ہونے سے صدقۃ الفطر ساقط نہیں ہوتا، [اس لئے قربانی صدقۃ الفطر کے مشابہ نہیں ہے]

تشریح : یہاں دو باتیں بیان کر رہے ہیں۔ [۱] پہلی بات یہ ہے کہ زکوۃ واجب ہونے کے بعد نصاب ساقط ہو جائے تو زکوۃ ساقط ہو جاتی ہے، اسی طرح قربانی واجب ہونے کے بعد ایام نحر میں مال ہلاک ہو جائے تو قربانی ساقط ہو جاتی ہے، اور صدقۃ الفطر واجب ہونے کے بعد ساقط نہیں ہوتا، اس اعتبار سے قربانی زکوۃ کے زیادہ مشابہ ہے۔

[۲] زکوۃ کی ادائیگی میں، زکوۃ کا مال جہاں ہے وہیں کے فقراء میں تقسیم کرنا چاہئے، زکوۃ کا مالک جہاں ہے وہاں تقسیم نہیں کیا جائے گا، مثلا زکوۃ کا مال لندن میں ہے، اور اس کا مالک ہندوستان میں ہے تو لندن میں زکوۃ تقسیم کی جائے گی، ہندوستان میں نہیں۔ اور صدقۃ الفطر میں یہ ہے کہ صدقہ الفطرہ دینے والا جہاں ہے وہاں صدقہ فطر تقسیم کیا جائے گا، جہاں نصاب کا مال ہے وہاں تقسیم نہیں کیا جائے گا، مثلا صدقہ کے لئے نصاب کا مال لندن میں ہے اور مالک ہندوستان میں ہے تو صدقۃ الفطر ہندوستان میں تقسیم کیا جائے گا، لندن میں نہیں۔ اور قربانی زکوۃ کے مشابہ ہے، اس لئے جہاں جانور ہے وہاں کا اعتبار ہوگا، جہاں مالک ہے وہاں کا اعتبار نہیں ہوگا۔

لغت : الصرف؛ یہاں صرف سے مراد ہے جانور کو قربانی کے لئے صرف کرنا۔ مکان المحل؛ قربانی کی جگہ۔ مکان الفاعل: قربانی کرنے والے کی جگہ۔

ترجمہ : ے اگر مسجد والوں نے نماز پڑھ لی اس کے بعد قربانی کی اور ابھی تک عیدگاہ والوں نے نماز عید نہیں پڑھی ہے تو استحسانا کافی ہو جائے گا اس لئے کہ یہ نماز بھی معتبر ہے، چنانچہ اگر اسی مسجد کی نماز پر اکتفاء کر لے تو بھی کافی ہو جائے گی، اور ایسے ہی اس کے الٹے میں، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس صورت میں قیاسا اور استحسانا دونوں جائز ہے۔

تشریح : محلے میں عید کی نماز ہو گئی اور ابھی عیدگاہ میں عید کی نماز نہیں ہوئی اور قربانی کرنا چاہے تو استحسانا جائز ہے، قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ جائز نہ ہو کیونکہ ابھی اصل نماز نہیں ہوئی ہے، لیکن استحسان کے طور پر جائز ہے، کیونکہ اگر اسی نماز پر اکتفاء کرے اور عیدگاہ کی نماز نہ پڑھے تب بھی کافی ہے اور جب اس نماز کا اعتبار ہے تو اس کے بعد قربانی کرنا جائز ہوگا۔ اور اگر اس کا الٹا کیا یعنی عیدگاہ میں نماز ہو گئی اور ابھی محلے میں نماز نہیں ہوئی اور قربانی کر دیا تو استحسان اور قیاس دونوں اعتبار سے جائز ہوگی کیونکہ یہ اصل نماز ہے جو ہو گئی۔

صَلاةٌ مُعْتَبَرَةٌ، حَتَّى لَوْ اكْتَفَوْا بِهَا أَجْزَأَتْهُمْ وَكَذَا عَلَى عَكْسِهِ. وَقِيلَ هُوَ جَائِزٌ قِيَاسًا وَاسْتِحْسَانًا (٢٤٥) قَالَ وَهِيَ جَائِزَةٌ فِي ثَلاثَةِ أَيَّامٍ: يَوْمُ النَّحْرِ وَيَوْمَانِ بَعْدَهُ ١ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: ثَلاثَةُ أَيَّامٍ بَعْدَهُ لِقَوْلِهِ - عَلَيْهِ الصَّلاةُ وَالسَّلامُ - أَيَّامُ التَّشْرِيقِ كُلُّهَا أَيَّامُ ذَبْحٍ ٢ وَلَنَا مَا رُوِيَ عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ - أَنَّهُمْ قَالُوا: أَيَّامُ النَّحْرِ ثَلاثَةٌ أَفْضَلُهَا أَوَّلُهَا

لغت :جبانة:صحراء یہاں مراد ہے عیدگاہ کی نماز جو عموماً صحراء میں ہوتی ہے۔

ترجمہ : (۲۴۵)اور قربانی جائز ہے تین دن، دسویں تاریخ کو اور دو دن اس کے بعد۔

تشریح : قربانی دسویں، گیارہویں اور بارہویں کو جائز ہے اور اس کے بعد جائز نہیں ہے۔

وجہ :اس قول صحابی میں ہے جس کو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے۔ان عبد الله بن عمر كان يقول الاضحى يومان بعد يوم الاضحى ۔(سنن للبیہقی، باب من قال الاضحیٰ یوم النحر ویومین بعدہ، ج تاسع، ص ۵۰۰، نمبر ۱۹۲۵۴ رموطا امام مالک، باب ذکر ایام الاضحیٰ، ص ۴۹۷)اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ دسویں تاریخ کے بعد دو دنوں تک قربانی کر سکتا ہے۔یعنی کل تین دن قربانی کے دن ہیں۔

ترجمہ : ١ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ یوم الاضحیٰ کے بعد تین دن اور قربانی کرے۔ حضور ﷺ کے قول کی وجہ سے سب ایام تشریق ذبح کے دن ہیں۔

وجہ :امام شافعیؒ کی حدیث یہ ہے، کو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے۔ عن نافع بن جبير بن مطعم عن ابيه ان رسول الله ﷺ قال ايام التشريق كلها ذبح . (دار قطنی، باب الاشربۃ، ج رابع، ص ۱۸۸، نمبر ۴۷۱۱ رسنن للبیہقی، باب من قال الاضحیٰ جائز یوم النحر وایام منی کلھا لانھا ایام نسک، ج تاسع، ص ۴۹۷ نمبر ۱۹۲۳۹)اس حدیث میں ہے کہ پورے چار دن جو ایام تشریق ہے اس میں قربانی کرنا جائز ہے۔

ترجمہ : ٢ ہماری دلیل حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ، انہوں نے فرمایا کہ ایام نحر تین دن ہیں افضل پہلا دن ہے، اور انہوں نے سن کر ہی کہا ہوگا، اس لئے کہ رائے اس مقدار کو نہیں پہچان سکتی۔

تشریح : ہماری دلیل عبد اللہ ابن عباس کا قول ہے یوم نحر کے بعد دو دن ہیں، یعنی کل تین دن ہیں، اور یہ بات رائے سے کہنا ممکن نہیں ہے، اس لئے حضور سے سن کر ہی کہا ہوگا، اس لئے یہ رائے حدیث کے درجے میں ہوگئی۔

وجہ :(۱)صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ان عبد الله بن عمر كان يقول الاضحى يومان بعد يوم الاضحى ۔وثنا مالك انه بلغه ان علی بن طالبؓ كان يقول الاضحى يومان بعد يوم الاضحى ۔(سنن للبیہقی، باب من قال الاضحیٰ یوم النحر ویومین بعدہ، ج تاسع، ص ۵۰۰، نمبر ۱۹۲۵۴ رموطا امام مالک، باب ذکر ایام الاضحیٰ، ص ۴۹۷)اس قول

وَقَدْ قَالُوهُ سَمَاعًا لِأَنَّ الرَّأْيَ لَا يَهْتَدِي إِلَى الْمَقَادِيرِ، ۳؎ وَفِي الْأَخْبَارِ تَعَارُضٌ فَأَخَذْنَا بِالْمُتَيَقَّنِ وَهُوَ الْأَقَلُّ، ۴؎ وَأَفْضَلُهَا أَوَّلُهَا كَمَا قَالُوا وَلِأَنَّ فِيهِ مُسَارَعَةً إِلَى أَدَاءِ الْقُرْبَةِ وَهُوَ الْأَصْلُ إِلَّا لِمُعَارِضٍ. ۵؎ وَيَجُوزُ الذَّبْحُ فِي لَيَالِيهَا إِلَّا أَنَّهُ يُكْرَهُ لِاحْتِمَالِ الْغَلَطِ فِي ظُلْمَةِ اللَّيْلِ، ۶؎ وَأَيَّامُ النَّحْرِ ثَلَاثَةٌ، وَأَيَّامُ التَّشْرِيقِ ثَلَاثَةٌ، وَالْكُلُّ يَمْضِي بِأَرْبَعَةٍ أَوَّلُهَا نَحْرٌ لَا غَيْرُ وَآخِرُهَا تَشْرِيقٌ لَا غَيْرُ، وَالْمُتَوَسِّطَانِ نَحْرٌ وَتَشْرِيقٌ، ۷؎ وَالتَّضْحِيَةُ فِيهَا أَفْضَلُ مِنَ التَّصَدُّقِ

صحابی سے معلوم ہوا کہ دسویں تاریخ کے بعد دو دنوں تک قربانی کر سکتا ہے۔یعنی کل تین دن قربانی کے دن ہیں (۲) اور پہلا دن افضل ہوگا اس کی دلیل یہ آیت ہوگی۔و سارعوا الی مغفرة من ربکم و جنه عرضها السموات و الارض اعدت للمتقین۔(آیت ۱۳۳، سورۃ ال عمران ۳) اس آیت میں ہے کہ خیر کے کام کی طرف جلدی کرو۔

ترجمہ :۳؎ قول صحابی میں تعارض ہے کہ تو یقین والے کو لے لیا، اور وہ کم والا ہے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ صحابہ کے اقوال میں تعارض ہو گیا تو جو متیقن ہے اسی کو لیا جائے گا، اور متیقن تین دن ہیں اس لئے اسی کو لیا جائے گا۔

ترجمہ :۴؎ اور افضل پہلا دن ہے جیسا کہ حضرات صحابہ نے کہا اور اس لئے کہ اس میں عبادت کو ادائیگی کی طرف دوڑ نا ہے، اور وہی اصل ہے، ہاں کوئی عذر ہو جائے تو اور بات ہے۔

تشریح : دسویں ذی الحجہ کو قربانی کرنا افضل ہے، کیونکہ عبادت جلدی کرنا ہوا جو افضل ہے۔

ترجمہ:۵؎ اور ان ایام کی راتوں میں ذبح کرنا جائز ہے، لیکن رات کے اندھیرے میں غلطی کے احتمال کی وجہ سے مکروہ ہے

تشریح : رات میں قربانی کرے تو جائز ہے، البتہ دیہات میں روشنی نہیں ہوتی اس لئے ذبح کرنے میں کہیں غلطی نہ کر جائے اس لئے یہ مکروہ ہے۔

ترجمہ۶؎ قربانی کے تین دن ہیں اور گوشت سکھانے کے بھی تین دن ہیں، اور چار دن گزرنے پر سب ختم ہو جائیں گے، پہلا دن دسویں ذی الحجہ صرف قربانی کا ہے، اور آخری دن تیرہویں ذی الحجہ صرف گوشت سکھانے کا ہے، اور بیچ کے دو دن اگیارویں اور بارہویں تاریخ قربانی کرنے اور گوشت سکھانے دونوں کے ہیں۔

تشریح : تین دن قربانی کے ہیں اور تین دن گوشت سکھانے کے ہیں، ان میں سے پہلا دن [دسویں تاریخ] صرف قربانی کا ہے، اور تیرہویں تاریخ صرف گوشت سکھانے کا ہے، قربانی کرنے کا نہیں ہے، اور بیچ کے دو دن، اگیارہویں، اور بارہویں، قربانی کرنے کے بھی ہیں اور گوشت سکھانے کے بھی ہیں۔

لغت:تشریق: شرق سے مشتق ہے، گوشت سکھانا، سورج کا اگنا۔

بِثَمَنِ الْأُضْحِيَّةِ لِأَنَّهَا تَقَعُ وَاجِبَةً أَوْ سُنَّةً، وَالتَّصَدُّقُ تَطَوُّعٌ مَحْضٌ فَتَفْضُلُ عَلَيْهِ، ۸؎ لِأَنَّهَا تَفُوتُ بِفَوَاتِ وَقْتِهَا، وَالصَّدَقَةُ يُؤْتَى بِهَا فِي الْأَوْقَاتِ كُلِّهَا فَنَزَلَتْ مَنْزِلَةَ الطَّوَافِ وَالصَّلَاةِ فِي حَقِّ الْآفَاقِي ۹؎ وَلَوْ لَمْ يُضَحِّ حَتَّى مَضَتْ أَيَّامُ النَّحْرِ إِنْ كَانَ أَوْجَبَ عَلَى نَفْسِهِ أَوْ كَانَ فَقِيرًا وَقَدْ اشْتَرَى الْأُضْحِيَّةَ تَصَدَّقَ بِهَا حَيَّةً وَإِنْ كَانَ غَنِيًّا تَصَدَّقَ بِقِيمَةِ شَاةٍ اشْتَرَى أَوْ لَمْ يَشْتَرِ لِأَنَّهَا وَاجِبَةٌ عَلَى الْغَنِيِّ. وَتَجِبُ عَلَى الْفَقِيرِ بِالشِّرَاءِ بِنِيَّةِ التَّضْحِيَةِ عِنْدَنَا، فَإِذَا فَاتَ الْوَقْتُ وَجَبَ عَلَيْهِ التَّصَدُّقُ إِخْرَاجًا لَهُ عَنِ الْعُهْدَةِ، كَالْجُمُعَةِ تُقْضَى بَعْدَ فَوَاتِهَا ظُهْرًا،

ترجمہ :۷؎ اورقربانی کے دنوں میں جانورصدقہ کرنے سےقربانی کرنا افضل ہے،اس لئے کہ قربانی یاواجب ہے، یا سنت،اورصدقہ محض نفل ہےاس لئے نفل پرواجب افضل ہوگا۔

تشریح : قربانی کے دنوں جانورکوقربانی کرناافضل ہے،اس کوصدقہ کرناافضل نہیں ہے۔

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ قربانی یاواجب ہے، یاسنت ہے،اور جانورکوصدقہ کرنامحض نفل ہےاس لئے واجب یاسنت ادا کرنا افضل ہوگا۔

ترجمہ :۸؎ اوراس لئے کہ وقت کے فوت ہونے سے قربانی فوت ہوجاتی ہے،اورصدقہ توکسی وقت بھی کرسکتا ہے[اس لئے قربانی افضل ہوگی] جیسے کہ آفاقی کے حق میں طواف اورنفلی نماز کا درجہ ہے۔

تشریح : یہ دوسری دلیل عقلی ہے۔جو مکے سے باہر کا آدمی ہےاس کے لئے نفلی نماز سے بہتر بیت اللہ کا طواف کرنا ہے، کیونکہ بیت اللہ کا طواف اس کو پھر نہیں ملے گا،اور نفلی نماز تو انگلینڈ میں بھی آکر پڑھ سکتا ہے،ٹھیک اسی طرح تیرہویں تاریخ گزرنے کے بعد قربانی دوبارہ نہیں ملے گی،اور نفلی صدقہ تو سال میں کبھی بھی کرسکتا ہے،اس لئے قربانی کے دنوں میں قربانی کرناافضل ہے۔

لغت: آفاقی؛آفاق سے مشتق ہے،مکہ سے باہر کے لوگ۔

ترجمہ :۹؎ اورقربانی نہیں کی یہاں تک ایام تشریق گزرگئے،اگراپنے اوپرواجب کیا ہو،یافقیرہواورقربانی خریدی ہو،تو زندہ جانورصدقہ کردے،اوراگر مالدار ہوتو بکری کی قیمت صدقہ کرے،چاہے بکری خریدا ہو یا نہ خریدا ہو،اس لئے کہ مالدار کی ذات پرقربانی واجب ہے،اورفقیر پرقربانی کی نیت سے جانور کے خریدنے سے واجب ہوتی ہے ہمارے نزدیک۔،پس جب وقت فوت ہوگیا تو اب صدقہ کرنا واجب ہے ذمہ داری سے نکلنے کے لئے، جیسے جمعہ کوقضاء کیا جاتا ہےفوت ہونے کے بعد ظہر سے،اورروزے سے عاجزی کے بعد فدیہ دیا جاتا ہے۔

تشریح : تین طرح سےقربانی وجب ہوتی ہے [۱] قربانی کی نذر ماننےتو نذر ماننے کی وجہ سےقربانی واجب ہوگی،

وَالصَّوْمِ بَعْدَ الْعَجْزِ فِدْيَةً. (۲۴۶)قَالَ: وَلَا يُضَحِّى بِالْعَمْيَاءِ وَالْعَوْرَاءِ وَالْعَرْجَاءِ الَّتِى لَا تَمْشِى إِلَى الْمَنْسَكِ وَلَا الْعَجْفَاءِ ا لِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ –: لَا تُجْزِءُ فِي الضَّحَايَا

چاہے نذر ماننے والا مالدار ہو یا غریب۔ یہ نذر قولی ہوا۔ صاحب ہدایہ نے ,,ان كان اوجب على نفسه،، سے اسی کو بیان کیا ہے ۔[۲] اور فقیر جب قربانی کی نیت سے قربانی کے دنوں میں جانور خریدے گا تو جس جانور کو خریدا ہے اسی جانور کی قربانی واجب ہوگی، کیونکہ وہی متعین ہے۔ گویا کہ یہ نذر فعلی ہوا۔صاحب ہدایہ نے ,, او كان فقيرا قد اشترى الاضحية ،، سے اس کو بیان کیا ہے [۳] مالدار پر اس کے ذمے قربانی واجب ہے، چاہے یہ خریدی ہوئی بکری قربانی کرے، یا دوسری بکری قربانی کردے۔ صاحب ہدایہ نے ,,و ان كان غنيا تصدق بقيمة شاه،، سے اس کو بیان کیا

بہر حال قربانی کسی وجہ سے واجب تھی اور ایام نحر گزر گیا اور قربانی نہیں کی، اب فقیر اسی جانور کو صدقہ کرے گا جو خریدا ہے، کیونکہ اسی جانور کو ذبح کرنا ضروری تھا، اس کے ذمے الگ سے قربانی واجب نہیں تھی، اور مالدار پر متعین جانور واجب نہیں ہے، بلکہ اس کے ذمے کوئی بھی جانور کو قربانی کرنا ہے اس لئے وہ بکری کی قیمت صدقہ کرے گا۔ اس کی دو مثالیں دے رہے ہیں [۱] جمعہ فوت ہو اس کی جگہ پر ظہر پڑھے گا، [۲] اور دوسری مثال یہ ہے کہ روزہ فوت ہو جائے اور اب زندگی میں رکھنے کی امید نہیں ہے تو اس کی جگہ پر فدیہ ادا کرے گا، اسی طرح قربانی فوت ہو جائے تو اس کی جگہ مالدار ایک بکری کی قیمت صدقہ کرے گا، اور غریب اسی جانور کو صدقہ کرے گا، جسکو خریدا ہے۔

ترجمه :(۲۴۶) قربانی نہ کی جائے اندھے کی، کانے کی اور ایسے لنگڑے کی جو مذبح تک نہ جا سکے، اور نہ دبلے کی۔

ترجمه : ا حضور ﷺ کے قول کی وجہ سے کہ نہیں کافی ہے قربانی میں چار قسم کے جانور [۱] ایسا کانا جسکا کانا پن ظاہر ہو [۲] اور نہ لنگڑا جسکا لنگڑا پن ظاہر ہو، [۳] اور نہ بیمار جس کی بیماری ظاہر ہو، [۴] اور نہ ایسا دبلا جسکا گودا نہ ہو۔

تشريح : جانور اندھا ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔ اسی طرح کانا ہو یا اتنا لنگڑا ہو کہ مذبح تک بھی نہ جا سکتا ہو یا بہت دبلا ہو تو ان جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے۔

وجه :صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔سالت بر البراء بن عاذب مالا يجوز فى الاضاحى فقال قام فينا رسول الله ﷺ فقال اربع لا تجوز فى الاضاحى العوراء بين عورها، والمريضة بين مرضها، والعرجاء بين ظلعها ،والكسير التى لاتنقى. (ابوداؤد شریف، باب ما یکرہ من الضحایا،ص ۴۰۸، نمبر ۲۸۰۲ رترمذی شریف، باب مالا یجوز من الاضاحی، ص ۳۶۴، نمبر ۱۴۹۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کانا جائز نہیں تو اندھا بدرجہ اولی جائز نہیں ہوگا۔اسی طرح لنگڑا جائز نہیں اور بہت دبلا اور بہت بیمار بھی جائز نہیں ہے۔

اصول : اس مسئلے میں اصول یہ ہے کہ اللہ کے حضور میں ہدیہ دینا ہے تو ایسا ناقص نہ ہو کہ لوگ بھی پسند نہ کرتے ہوں۔اس لئے اچھا جانور خدا کے حضور میں پیش کرے۔

أَرْبَعَةٌ: الْعَوْرَاءُ الْبَيِّنُ عورُهَا وَالْعَرْجَاءُ الْبَيِّنُ عَرْجُهَا وَالْمَرِيضَةُ الْبَيِّنُ مَرَضُهَا، وَالْعَجْفَاءُ الَّتِى لَا تُنْقِي . (۲۴۷) قَالَ وَلَا تُجْزِءُ مَقْطُوعَةُ الْأُذُنِ وَالذَّنَبِ ۔ اَمَّا الْأُذُنُ فَلِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – اسْتَشْرِفُوا الْعَيْنَ وَالْأُذُنَ أَىْ اُطْلُبُوا سَلَامَتَهُمَا. وَأَمَّا الذَّنَبُ فَلِأَنَّهُ عُضْوٌ كَامِلٌ مَقْصُودٌ فَصَارَ كَالْأُذُنِ. (۲۴۸) قَالَ وَلَا الَّتِى ذَهَبَ أَكْثَرُ أُذُنِهَا وَذَنَبِهَا، وَإِنْ بَقِيَ أَكْثَرُ الْأُذُنِ

لغت: العمیاء : اندھا۔ العوراء : کانا۔ العرجاء : لنگڑا۔ العجفاء : دبلا پتلا۔

ترجمہ :(۲۴۷)اور نہیں جائز ہے کان کٹا ہوا اور دم کٹی ہوئی۔

ترجمہ : ۱ بہر حال کان، تو حضورؐ کا قول ہے کہ آنکھ اور کان کو غور کر کے دیکھو، یعنی اس کے صحیح ہونے کو طلب کرو، اور دم تو یہ بھی ایک عضو کامل ہے اور مقصود ہے اس لئے یہ بھی کان کی طرح ہو گیا۔

تشریح : کان کٹا ہوا نہ ہو اور دم بھی کٹی ہوئی نہ ہو، کیونکہ حدیث میں ہے کہ کان کو اور آنکھ کو غور سے دیکھو، یعنی یہ دیکھو کہ صحیح سالم ہے یا نہیں ہے، اور دم بھی ایک اہم عضو ہے اور مقصود بہ ہے اس لئے اس کا بھی سالم رہنا ضروری ہے۔

وجہ :صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن علی قال امرنا رسول الله ﷺ ان نستشرف العین والاذن ولا نضحی بعوراء ولا مقابلة ولا مدابرة ولا خرقاء ولا شرقاء قال زهیر فقلت لابی اسحاق اذکر عضباء؟ قال لا، قلت فما المقابلة؟ قال یقطع طرف الاذن، فقلت ما المدابرة؟قال یقطع من مؤخر الاذن،فقلت فما الشرقاء ؟ قال تشق الاذن،قلت فما الخرقاء ؟ قال تخرق اذنها للسمة. (ابوداؤد شریف، باب ما یکرہ من الضحایا،ص ۴۰۹،نمبر ۲۸۰۴رترمذی شریف، باب ما یکرہ من الاضاحی، ص ۳۶۴ نمبر ۱۴۹۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کان کٹا ہوا ہو تو جائز نہیں ہے۔اور اسی پر قیاس کر کے دم کٹی ہوئی ہو تو جائز نہیں ہے۔

لغت:استشرفوا العین:شرف سے مشتق ہے،غور سے دیکھو۔

ترجمہ :(۲۴۸)اور نہ وہ جس کا اکثر کان یا دم کٹی ہو، اور اگر اکثر کان اور دم باقی ہوں تو جائز ہے۔

اصول:یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ آدھا سے زیادہ ٹھیک ہو یعنی دو تہائی ٹھیک ہے تو وہ جانور ٹھیک شمار کیا جائے گا۔اور دو تہائی سے کم ٹھیک ہے اور ایک تہائی سے زیادہ خراب ہے تو وہ جانور ٹھیک نہیں ہے اور نہ قربانی کے قابل ہے۔

وجہ :(۱)اس قول تابعی میں اس کا ثبوت ہے۔عن قتادة قال قلت یعنی لسعید بن المسیب ما الاعضب ؟ قال النصف فما فوقه. (ابوداؤد شریف، باب یکرہ من الضحایا ص ۴۰۹ نمبر ۲۸۰۶رسنن للبیہقی، باب ماورد النھی عن التضحیة بہ، ج تاسع،ص ۴۶۲،نمبر ۱۹۱۰۴)اس قول تابعی میں ہے کہ آدھا سے زیادہ کٹا ہو تو وہ جائز نہیں ہے۔

تشریح : یہ مسئلہ اوپر والے اصول پر متفرع ہے۔پورا کان کٹا ہوا یا پوری دم کٹی ہو تو جائز نہیں ہے۔اور اگر آدھے سے

وَالذَّنَبِ جَازَ ١ لِأَنَّ لِلْأَكْثَرِ حُكْمَ الْكُلِّ بَقَاءً وَذَهَابًا وَلِأَنَّ الْعَيْبَ الْيَسِيرَ لَا يُمْكِنُ التَّحَرُّزُ عَنْهُ فَجُعِلَ عَفْوًا، ٢ وَاخْتَلَفَتْ الرِّوَايَةُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ فِي مِقْدَارِ الْأَكْثَرِ. فَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ عَنْهُ: وَإِنْ قُطِعَ مِنْ الذَّنَبِ أَوْ الْأُذُنِ أَوْ الْعَيْنِ أَوْ الْأَلْيَةِ الثُّلُثُ أَوْ أَقَلُّ أَجْزَأَهُ، وَإِنْ كَانَ أَكْثَرَ لَمْ يُجْزِهِ

زیادہ کان کٹا ہوا یا آدھی سے زیادہ دم کٹی ہو تو جائز نہیں۔ اور اگر آدھے سے کم کان کٹا ہو یا آدھی سے کم دم کٹی ہو تو جائز ہے۔

ترجمہ: ١ اس لئے کہ اکثر کو کل کے حکم میں رکھا گیا باقی رکھنے کے اعتبار سے اور جانے کے اعتبار سے بھی، اور اس لئے بھی کہ تھوڑے عیب سے بچنا ناممکن ہے اس لئے اس کو معاف قرار دیا۔

تشریح تھوڑے عیب سے بچنا ناممکن ہے اسلئے اکثر کو بنیاد قرار دیا کہ اکثر باقی رہا تو صحیح ہے اور اکثر چلا گیا تو جائز نہیں ہے

ترجمہ: ٢ اکثر کی مقدار میں امام ابو حنیفہؒ سے مختلف روایتیں ہیں، جامع صغیر میں امام ابو حنیفہؒ سے روایت یہ ہے کہ اگر دم، یا کان، یا آنکھ۔ یا الیہ [چکتی] کی تہائی یا اس سے کم کٹا ہو تو قربانی کے لئے کافی ہوگا، اور تہائی سے زیادہ کٹی ہو تو کافی نہیں ہوگا اس لئے کہ تہائی میں ورثہ کی رضامندی کے بغیر بھی وصیت نافذ ہوتی ہے، اس لئے تہائی کو کم قرار دیا، اور تہائی سے زیادہ ہو تو ورثہ کی رضامندی کے بغیر وصیت نافذ نہیں ہوتی اس لئے اس کو زیادہ قرار دیا۔

، **نوٹ**: کثیر کتنا ہے اس بارے میں چار روایتیں ہیں

[١] ایک تہائی اور اس سے کم کٹا ہو تو چلے گا، اور ایک تہائی سے زیادہ کٹا ہو تو نہیں چلے گا

[٢] ایک تہائی کٹا ہو تو نہیں چلے گا، کیونکہ یہ بھی کثیر ہے۔

[٣] ایک چوتھائی یا اس سے کم کٹا ہو تو چلے گا، اور ایک چوتھائی سے زیادہ کٹا ہو تو نہیں چلے گا

[۴] آدھا باقی رہا ہو تو چلے گا، اور آدھا، یا آدھا سے زیادہ کٹا ہو تو نہیں چلے گا۔

تشریح: جامع صغیر میں امام ابو حنیفہؒ سے روایت یہ ہے کہ تہائی، اور تہائی سے کم یہ قلیل ہے، اور تہائی سے زیادہ یہ کثیر ہے۔ جامع صغیر کی عبارت یہ ہے۔ و ان قطع من الذنب او الاذن او الالية ،الثلث او اقل اجزاه و ان اكثر لم يجز۔ (جامع صغیر، باب الذبائح، ص ۴۷۳)

وجہ (١) وہ فرماتے ہیں کہ وارث کی رضامندی کے بغیر تہائی میں وصیت جاری ہوتی ہے، اور اس سے زیادہ میں وصیت جاری نہیں ہوتی اس لئے تہائی سے زیادہ کو کثیر قرار دیا۔ (٢) عن الزهری عن عامر بن سعيد .....قال فبالشطر قال لا قال فالثلث قال الثلث و الثلث كثير ۔ (ابو داود شریف، باب ما جاء فیما یجوز للموصی فی مالہ، ص ۴۱۶، نمبر ۲۸۶۴) اس حدیث میں ہے کہ تہائی سے زیادہ کثیر ہے۔

ترجمہ: ٣ اور امام ابو حنیفہؒ سے روایت یہ ہے کہ چوتھائی کثیر ہے، اس لئے کہ وہ کمال کو بیان کرتا ہے، جیسا کہ نماز کے باب میں گزر چکا۔

لِأَنَّ الثُّلُثَ تَنفُذُ فِيهِ الْوَصِيَّةُ مِنْ غَيْرِ رِضَا الْوَرَثَةِ فَاعْتُبِرَ قَلِيلًا، وَفِيمَا زَادَ لَا تَنفُذُ إِلَّا بِرِضَاهُمْ فَاعْتُبِرَ كَثِيرًا، ۳؎ وَيُرْوَى عَنْهُ الرُّبُعُ لِأَنَّهُ يَحْكِي حِكَايَةَ الْكَمَالِ عَلَى مَا مَرَّ فِي الصَّلَاةِ، ۴؎ وَيُرْوَى الثُّلُثُ لِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – فِي حَدِيثِ الْوَصِيَّةِ الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِير ۵؎ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ: إِذَا بَقِيَ الْأَكْثَرُ مِنَ النِّصْفِ أَجْزَأَهُ اعْتِبَارًا لِلْحَقِيقَةِ عَلَى مَا تَقَدَّمَ فِي الصَّلَاةِ وَهُوَ اخْتِيَارُ الْفَقِيهِ أَبِي اللَّيْثِ. ۶؎ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: أَخْبَرْت بِقَوْلِي أَبَا حَنِيفَةَ، فَقَالَ قَوْلِي هُوَ قَوْلُك. قِيلَ هُوَ رُجُوعٌ مِنْهُ إِلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ، وَقِيلَ مَعْنَاهُ قَوْلِي قَرِيبٌ مِنْ

تشریح : یہ دوسری روایت ہے کہ چوتھائی عضو کٹا ہوتو نہیں چلے گا اور اس سے کم کٹا ہوتو چل جائے گا، کیونکہ چوتھائی کل کے حکم میں ہے، جیسے چوتھائی سر مسح کرے تو گویا کہ کل سر مسح کیا، یا چوتھائی ستر کھل جائے تو گویا کہ کل ستر کھل گیا اور نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

ترجمہ :۴؎ اور روایت ہے تہائی کا حضور ﷺ کے وصیت والی حدیث میں کہ تہائی دو اور تہائی بھی بہت ہے۔

تشریح : یہ امام ابو حنیفہؒ کی تیسری روایت ہے کہ تہائی بھی کٹا ہو تو نہیں چلے گا، کیونکہ حدیث میں ہے کہ تہائی بھی کثیر ہے

وجہ: حدیث یہ ہے۔عن الزهرى عن عامر بن سعيد .....قال فبالشطر قال لا قال فالثلث قال الثلث و الثلث كثير ۔(ابوداود شریف، باب ماجاء فیما یجوز للموصی فی مالہ، ص۴۱۶، نمبر۲۸۶۴) اس حدیث میں ہے کہ تہائی کثیر ہے

ترجمہ :۵؎ امام ابو یوسف، اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ آدھے سے زیادہ باقی رہے تو کافی ہوگا حقیقت کا اعتبار کرتے ہوئے ، جیسا کہ نماز میں گزرا، اسی کو فقیہ ابو اللیث نے اختیار کیا۔

تشریح : صاحبین نے فرمایا کہ آدھا سے زیادہ باقی رہے اور آدھا سے کم عضو کٹا ہو تو قربانی جائز ہے، کیونکہ حقیقت میں آدھا سے زیادہ باقی رہے تو وہ اکثر ہے، نماز میں بھی امام ابو یوسفؒ کا قول یہی تھا کہ آدھے سے زائد ستر کھلا ہو تو نماز نہیں ہوگی اور آدھا سے کم کھلا ہو تو نماز ہو جائے گی ۔ یہاں بھی اسی کا اعتبار ہوگا۔

ترجمہ :۶؎ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ کو اپنی بات بتائی، تو فرمایا کہ میرا قول تمہارے قول کی طرح ہے، اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے امام ابو یوسف کے قول کی طرف رجوع کیا، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میرا قول آپ کے قول کے قریب ہے۔

تشریح :واضح ہے۔

ترجمہ : ۷؎ اور آدھا کٹا ہو تو جواز کے بارے دو روایتیں ہیں، جیسا کہ عضو کے کھلنے کے بارے میں امام ابو یوسفؒ سے دو روایتیں ہیں۔

قَوْلِک. ۷؎ وَفِي كَوْنِ النِّصْفِ مَانِعًا رِوَايَتَانِ عَنْهُمَا كَمَا فِي انْكِشَافِ الْعُضْوِ عَنْ أَبِي يُوسُفَ، ۸؎ ثُمَّ مَعْرِفَةُ الْمِقْدَارِ فِي غَيْرِ الْعَيْنِ مُتَيَسِّرٌ، وَفِي الْعَيْنِ قَالُوا: تُشَدُّ الْعَيْنُ الْمَعِيبَةُ بَعْدَ أَنْ لَا تَعْتَلِفَ الشَّاةُ يَوْمًا أَوْ يَوْمَيْنِ ثُمَّ يُقَرَّبُ الْعَلَفُ إلَيْهَا قَلِيلًا قَلِيلًا، فَإِذَا رَأَتْهُ مِنْ مَوْضِعٍ أُعْلِمَ عَلَى ذَلِكَ الْمَكَانِ ثُمَّ تُشَدُّ عَيْنُهَا الصَّحِيحَةُ وَقُرِّبَ إلَيْهَا الْعَلَفُ قَلِيلًا قَلِيلًا حَتَّى إذَا رَأَتْهُ مِنْ مَكَانٍ أُعْلِمَ عَلَيْهِ. ثُمَّ يُنْظَرُ إلَى تَفَاوُتِ مَا بَيْنَهُمَا، فَإِنْ كَانَ ثُلُثًا فَالذَّاهِبُ الثُّلُثُ، وَإِنْ كَانَ نِصْفًا فَالنِّصْفُ، (۲۴۹)قَالَ وَيَجُوزُ أَنْ يُضَحِّيَ بِالْجَمَّاءِ ۱؎ وَهِيَ الَّتِي لَا قَرْنَ لَهَا لِأَنَّ الْقَرْنَ لَا

تشریح : ایک روایت یہ ہے کہ آدھا کٹا ہوتو جائز نہیں اور دوسری روایت یہ ہے کہ جائز ہے، جیسے کہ نماز میں آدھی ستر کھل جائے تو اس بارے میں دو روایتیں ہیں، کہ جائز ہے اور جائز نہیں ہے۔

نوٹ :فتوی اس بات پر ہے کہ ایک تہائی کٹی ہو اور دو تہائی ٹھیک ہو تو قربانی جائز ہے، اور ایک تہائی سے زیادہ کٹی ہو تو قربانی جائز نہیں، کیونکہ وصیت میں ایک تہائی کو کثیر کہا ہے۔

ترجمہ :۸؎ پھر آنکھ کے علاوہ میں مقدار پہچاننا آسان ہے، اور آنکھ کے بارے میں یہ کہا کہ عیب دار آنکھ پر پٹی باندھ دے اور بکری کو ایک دن یا دو دن چارہ نہ دے، پھر چارہ آہستہ آہستہ کر کے قریب کرے، پس جس جگہ سے بکری نے چارہ دیکھا اس پر علامت لگا دے، پھر صحیح آنکھ پر پٹی باندھ دے پھر اس کی طرف آہستہ آہستہ کر کے چارہ قریب کرے، یہاں تک کہ جب دیکھ لے تو اس جگہ، پھر دونوں کے درمیان فرق دیکھے، پس اگر دو تہائی فرق ہو تو ایک تہائی آنکھ گئی ہے، اور اگر آدھے کا فرق ہو تو آدھی آنکھ گئی ہے۔

تشریح : آنکھ کے علاوہ میں مقدار پہچاننا آسان ہے، آنکھ کے عیب کو پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ بکری کو دو دن تک بھوکا رکھو تاکہ چارہ کی طرف زیادہ لپکے، پھر عیب دار آنکھ پر پٹی باندھ دیں، اور چارہ کو آہستہ آہستہ قریب کریں، اب مثلا صحیح آنکھ نے تین گز پر چارہ دیکھ لیا، اس جگہ پر علامت لگا دیں۔ پھر صحیح آنکھ پر پٹی باندھ دیں اور چارہ کو آہستہ آہستہ قریب کریں، اب مثلا اس نے ایک گز پر چارہ دیکھا، تو تین گز اور ایک گز میں ایک تہائی اور دو تہائی کو فرق ہے، تو معلوم ہوا کہ دو تہائی آنکھ خراب ہے اور ایک تہائی اچھی ہے اس لئے اس بکری کی قربانی جائز نہیں ہے۔ اور اگر ڈیڑھ گز پر دیکھا تو معلوم ہوا کہ آدھی آنکھ خراب ہے، اس لئے اس کی قربانی جائز نہیں، اور عیب دار آنکھ سے دو گز کے فاصلے پر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک تہائی آنکھ خراب ہے اس لئے اس کی قربانی جائز ہے۔

ترجمہ :(۲۴۹)اور جائز ہے کہ قربانی کی جائے بے سینگ والے کی۔

ترجمہ :۱؎ جماء وہ ہے جسکو سینگ نہ ہو اس لئے کہ سینگ سے مقصود متعلق نہیں، اور ایسے ہی جسکی سینگ ٹوٹی ہوئی ہو

يَتَعَلَّقُ بِهِ مَقْصُودٌ، وَكَذَا مَكْسُورَةُ الْقَرْنِ لِمَا قُلْنَا (۲۵۰)وَالْخَصِيِّ لِأَنَّ لَحْمَهَا أَطْيَبُ وَقَدْ صَحَّ أَنَّ النَّبِيَّ – صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – ضَحَّى بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ مَوْجُوْئَيْنِ (۲۵۱)وَالثَّوْلَاءِ وَهِيَ الْمَجْنُونَةُ، وَقِيلَ هَذَا إِذَا كَانَتْ تَعْتَلِفُ لِأَنَّهُ لَا يُخِلُّ بِالْمَقْصُودِ، أَمَّا إِذَا كَانَتْ لَا تَعْتَلِفُ

تشریح : جانور گوشت کے اعتبار سے ٹھیک ٹھاک ہولیکن پیدائشی طور پر سینگ ہو ہی نہیں، یا سینگ ٹوٹی ہوئی ہوتو اس کی قربانی جائز ہے، ہاں سینگ اتنی جڑ سے ٹوٹی ہو، کہ دماغ کا بھیجا نظر آتا ہوتو اب یہ جانور قربانی کے لئے کافی نہیں ہے کیونکہ بھیجا متاثر ہو گیا۔

وجہ :(۱) سینگ مقصود بذاتہ نہیں ہے، اس لئے سینگ نہ ہو، یا ٹوٹی ہوئی ہوتب بھی جائز ہے۔(۲) سینگ ٹوٹنے سے بھیجا نظر آتا ہوتو جائز نہیں اس کے لئے یہ حدیث ہے۔قال اتيت عتبة بن عبد السلمى فقلت ... انما نهى رسول الله ﷺ عن المصفرة والمستأصلة والبخقاء والمشيعة والكسراء،فالمصفرة التى تستاصل اذنها حتى يبدو سماخها ،والمستاصلة التى استؤصل قرنها من اصله، والبخقاء التى تبخق عينها،والمشيعة التى لا تتبع الغنم عجفاء وضعفاء والكسراء الكسيرة ۔(ابوداؤد شریف، باب ما یکرہ من الضحایا ص ۴۰۸، نمبر ۲۸۰۳) اس حدیث میں، والمستاصلة ہے کہ سینگ جڑ سے اکھڑ گئی ہوتو جائز نہیں۔

ترجمہ :(۲۵۰) اور خصی کی قربانی جائز ہے۔

ترجمہ : اس لئے کہ اس کا گوشت بہت اچھا ہوتا ہے اور صحیح حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے دومینڈے قربانی کی جو چتکبرے تھے اور دونوں خصی تھے۔

وجہ : (۱)عن جابر بن عبد الله قال ذبح النبى ﷺ يوم الذبح كبشين اقرنين املحين مجئين. (ابو داؤد شریف، باب مایستحب من الضحایا ص ۴۰۷، نمبر ۲۷۹۵ /ابن ماجہ شریف، باب اضاحی رسول اللہ ﷺ ص ۴۵۵، نمبر ۳۱۲۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خصی کیا ہوا جانور قربانی میں جائز ہے بلکہ اس کا گوشت اچھا ہوتا ہے اس لئے اور بھی بہتر ہے۔

ترجمہ :(۲۵۱)اور تھوڑا سا دیوانہ کی قربانی جائز ہے۔

ترجمہ : وہ مجنون ہے۔اور کہا گیا ہے کہ یہ جب ہے کہ چارہ کھاتا ہو اس لئے کہ مقصود میں خلل نہیں ہے، اور اگر چارہ بھی نہیں کھاتا ہوتو جائز نہیں ہے۔

تشریح : جنون دو قسم کا ہے، اگر اتنا جنون ہے کہ چارہ کھا سکتا ہے، تو یہ تھوڑا سا جنون ہے اس لئے اس کی قربانی جائز ہے۔ اور جنون اتنا ہے کہ چارہ بھی نہیں کھا سکتا ہے تو یہ عیب کثیر ہے اس لئے یہ قربانی کے لئے جائز نہیں ہے۔

لغت: الجماء : جس کے پیدائشی سینگ نہ ہو۔ الجرباء : جس کو کھجلی ہو۔ الثولاء : تھوڑا پاگل سا ہو۔

ترجمہ : اور کھجلی والا، اگر وہ موٹا ہے تو قربانی جائز ہے، اس لئے کہ ابھی کھجلی چمڑے میں ہے، اور گوشت میں نقصان

فَلا تُجْزِئُهُ. ۲؎ وَالْجَرْبَاءِ إِنْ كَانَتْ سَمِينَةً جَازَ لِأَنَّ الْجَرَبَ فِي الْجِلْدِ وَلا نُقْصَانَ فِي اللَّحْمِ، وَإِنْ كَانَتْ مَهْزُولَةً لا يَجُوزُ لِأَنَّ الْجَرَبَ فِي اللَّحْمِ فَانْتَقَصَ. ۳؎ وَأَمَّا الْهَتْمَاءُ وَهِيَ الَّتِي لَا أَسْنَانَ لَهَا؛ فَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يُعْتَبَرُ فِي الْأَسْنَانِ الْكَثْرَةُ وَالْقِلَّةُ، وَعَنْهُ إِنْ بَقِيَ مَا يُمْكِنُهُ الِاعْتِلَافُ بِهِ أَجْزَأَهُ لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ. ۴؎ وَالسَّكَّاءُ وَهِيَ الَّتِي لَا أُذُنَ لَهَا خِلْقَةً لا تَجُوزُ،

نہیں ہے، اور اگر جانور دبلا پتلا ہے تو جائز نہیں ہے، کیونکہ کھجلی گوشت میں ہے تو نقصان پیدا ہو گیا

وجہ: قال اتیت عتبة بن عبد السلمی فقلت ...، والمشیعة التی لا تتبع الغنم عجفاء وضعفاء والكسراء الكسيرة ۔ (ابوداؤد شریف، باب ما یکرہ من الضحایا ص ۴۰۸، نمبر ۲۸۰۳) اس حدیث میں ہے کہ کسی وجہ سے بہت دبلا ہو گیا ہو تو قربانی جائز نہیں ہے۔

اصول: اتنا عیب ہو کہ جانور خرید و فروخت کرنے والے اس کو عیب شمار کرتے ہیں تو یہ عیب ہے اور اس کی وجہ سے قربانی جائز نہیں ہے، اور وہ عیب شمار نہیں کرتے تو یہ عیب نہیں ہے، اس کی قربانی جائز ہے۔

ترجمہ: ۳؎ بہر حال ہتماء، تو وہ ہے جسکو دانت نہیں ہے، حضرت امام ابو یوسفؒ سے روایت یہ ہے کہ دانت میں کثرت اور قلت کا اعتبار ہے، اور انہیں سے ایک دوسری روایت ہے اگر اتنا باقی ہے کہ چارہ کھا سکتا ہو تو کافی ہے کیونکہ مقصد حاصل ہے

تشریح: جسکو دانت نہیں ہو تو اس کو ہتماء، کہتے ہیں۔ اس بارے میں امام ابو یوسفؒ کی دو روایتیں ہیں [۱] ایک یہ کہ منھ میں جتنے دانت ہوتے ہیں، ان میں سے آدھا سے زیادہ ہیں تو قربانی جائز ہے اور آدھا سے کم ہے تو جائز نہیں ہے۔ [۲] اور دوسری روایت یہ ہے کہ اتنے دانت ہیں جس سے چارہ کھا سکتا ہے تو قربانی جائز ہے، کیونکہ دانت کا مقصد ہے چارہ کھانا، وہ حاصل ہو گیا اس لئے قربانی جائز ہوگی۔

لغت: ہتماء: جسکو دانت نہ ہو۔ اعتلاف: علف سے مشتق ہے، چارہ کھانا۔

ترجمہ: ۴؎ سکاء اس کو کہتے ہیں جسکو پیدائشی کان نہ ہو تو جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ کان کا زیادہ حصہ کٹا ہوا ہو تو جائز نہیں پس کان ہو ہی نہیں تو بدرجہ اولی جائز نہیں ہوگا۔

تشریح: پیدائشی کا کان نہیں ہے تو جائز نہیں ہے، اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ آدھا سے زیادہ کان کٹا ہوا ہو تو جائز نہیں ہے، اور یہاں تو کان ہے ہی نہیں اس لئے بدرجہ اولی جائز نہیں ہوگا۔

وجہ: قال اتیت عتبة بن عبد السلمی فقلت ...، فالمصفرة التی تستاصل اذنها حتی یبدو سماخها ۔ (ابوداؤد شریف، باب ما یکرہ من الضحایا ص ۴۰۸، نمبر ۲۸۰۳) اس حدیث میں، فالمصفرة ہے یعنی جسکا کان نہ ہو اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔

لِأَنَّ مَقْطُوعَ أَكْثَرِ الْأُذُنِ إذَا كَانَ لَا يَجُوزُ فَعَدِيمُ الْأُذُنِ أَوْلَى ۵ وَهَذَا الَّذِي ذَكَرْنَا إذَا كَانَتْ هَذِهِ الْعُيُوبُ قَائِمَةً وَقْتَ الشِّرَاءِ، وَلَوْ اشْتَرَاهَا سَلِيمَةً ثُمَّ تَعَيَّبَتْ بِعَيْبٍ مَانِعٍ إنْ كَانَ غَنِيًّا فَعَلَيْهِ غَيْرُهَا، وَإِنْ كَانَ فَقِيرًا تُجْزِئُهُ هَذِهِ لِأَنَّ الْوُجُوبَ عَلَى الْغَنِيِّ بِالشَّرْعِ ابْتِدَاءً لَا بِالشِّرَاءِ فَلَمْ تَتَعَيَّنْ بِهِ، وَعَلَى الْفَقِيرِ بِشِرَائِهِ بِنِيَّةِ الْأُضْحِيَّةِ فَتَعَيَّنَتْ، وَلَا يَجِبُ عَلَيْهِ ضَمَانُ نُقْصَانِهِ كَمَا فِي نِصَابِ الزَّكَاةِ. ٦ وَعَنْ هَذَا الْأَصْلِ قَالُوا: إذَا مَاتَتْ الْمُشْتَرَاةُ لِلتَّضْحِيَةِ؛ عَلَى الْمُوسِرِ

ترجمہ : ۵ یہ تفصیل جو ذکر کی اس وقت ہے کہ عیب خریدتے وقت قائم ہو، اور اگر صحیح سالم خریدا پھر قربانی سے مانع عیب پیدا ہوا، پس اگر مالدار ہے تو اس پر دوسرا لازم ہے، اور اگر فقیر ہے تو اس کے لئے یہی کافی ہے، اس لئے کہ مالدار پر شروع میں شریعت کی وجہ سے واجب ہے، خریدنے کی وجہ سے واجب نہیں ہے، اس لئے یہی جانور متعین نہیں ہے۔ اور فقیر پر قربانی کی نیت سے خریدنے کی وجہ سے لازم ہے، اس لئے یہی جانور متعین ہے، اور اس پر نقصان کا ضمان لازم نہیں ہے، جیسا کہ زکوۃ کے نصاب میں ہوتا ہے

اصول : یہاں یہ اصول یاد رکھیں۔ مالدار پر شریعت کی بنا پر قربانی لازم ہے، اس کی نذر کی بنا پر نہیں ہے، اس لئے کوئی بھی اچھا جانور کرنا کافی ہے۔ اور غریب پر شریعت کی بنا پر نہیں ہے، بلکہ قربانی کے دنوں میں قربانی کی نیت سے خریدا ہے تو یہ نذر فعلی بن گیا، اور جس جانور کو خریدا وہی جانور قربانی کے لئے متعین ہو گیا، چاہے وہ اچھا ہو یا خراب، اس لئے عیب دار ہونے کے بعد بھی وہی جانور قربانی کرے۔

تشریح : خریدتے وقت اچھا خریدا، اور بعد میں عیب دار ہو گیا تو چونکہ مالدار آدمی پر شریعت کی بنا پر شروع ہی سے قربانی واجب تھی اس لئے اب اس کو اچھا جانور خرید کر قربانی کرنی ہوگی، کیونکہ یہ خراب جانور نہیں چلے گا، اور غریب آدمی پر یہی جانور متعین ہے اس لئے اسی عیب دار جانور کو ذبح کر دے گا۔ اور اس پر کوئی نقصان بھی نہیں دے گا، جیسے کسی پر مثلا چالیس ہزار درہم کی زکوۃ واجب تھی سال گزرنے کے بعد آدھا مال ہلاک ہو گیا تو اب بیس ہزار کی ہی زکوۃ دے گا، اور جو مال ہلاک ہوا اگر اس آدمی کے فعل سے ہلاک نہیں ہوا ہے تو اس کا ضمان بھی ادا نہیں کرے گا، اسی طرح یہاں بھی قربانی کا کوئی ضمان ادا نہیں کرے گا

ترجمہ : ٦ اسی قاعدے پر علماء نے فرمایا کہ اگر قربانی کے لئے خریدی ہوئی بکری مر گئی تو مالدار پر اس کی جگہ پر دوسری بکری ہے، اور فقیر پر کچھ بھی نہیں ہے،

تشریح : خریدی ہوئی بکری مر گئی تو مالدار پر کوئی ایک کرنا ضروری تھا اس لئے دوبارہ خرید کر قربانی کرے، اور غریب پر چونکہ وہی متعین بکری قربانی کرنی تھی اور وہ مر گئی اس لئے اب دوسری قربانی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

مَكَانَهَا أُخْرَى وَلَا شَيْءَ عَلَى الْفَقِيرِ، ۷ وَلَوْ ضَلَّتْ أَوْ سُرِقَتْ فَاشْتَرَى أُخْرَى ثُمَّ ظَهَرَتْ الْأُولَى فِي أَيَّامِ النَّحْرِ عَلَى الْمُوسِرِ ذَبْحُ احْدَاهُمَا وَعَلَى الْفَقِيرِ ذَبْحُهُمَا ۸ وَلَوْ أَضْجَعَهَا فَاضْطَرَبَتْ فَانْكَسَرَ رِجْلُهَا فَذَبَحَهَا أَجْزَأَهُ اسْتِحْسَانًا عِنْدَنَا خِلَافًا لِزُفَرَ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ، لِأَنَّ حَالَةَ الذَّبْحِ وَمُقَدِّمَاتِهِ مُلْحَقَةٌ بِالذَّبْحِ فَكَأَنَّهُ حَصَلَ بِهِ اعْتِبَارًا وَحُكْمًا ۹ وَكَذَا لَوْ تَعَيَّبَتْ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ فَانْفَلَتَتْ ثُمَّ أُخِذَتْ مِنْ فَوْرِهِ، وَكَذَا بَعْدَ فَوْرِهِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ خِلَافًا لِأَبِي

ترجمه : ۷ اور اگر بکری گم ہوگئی، یا چوری ہوگئی پھر دوسری خریدی پھر ایام نحر میں پہلی مل گئی تو مالدار پر کوئی ایک بھی ذبح کرنا کافی ہے، اور فقیر پر دونوں ذبح کرنا ضروری ہے۔

تشریح : پہلی بکری گم ہوگئی اس لئے دوسری بکری خریدی، اب مالدار پر کوئی ایک کرنا کافی ہے اس لئے کوئی ایک بکری کرنا کافی ہے۔ اور فقیر نے دو بکری خریدی تو دونوں میں نذر فعلی ہوگئی اس لئے دونوں ذبح کرے۔

ترجمه : ۸ اگر بکری کو لٹایا اور وہ تڑپنے لگی جسکی وجہ سے اس کا پاؤں ٹوٹ گیا، اور اسی حال میں اس کو ذبح کر دیا تو استحسانا ہمارے نزدیک جائز ہے، خلاف امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے اس لئے کہ ذبح کی حالت اور اس کے مقدمات ذبح کے ساتھ ملحق ہے تو عیب ذبح کی وجہ سے ہوا شریعت، کے اعتبار سے اور حکم کے اعتبار سے۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ذبح کے مقدمات بھی ذبح کے ساتھ ملحق ہیں، اس لئے ذبح کرنے کے لئے لٹایا اور اس کی وجہ سے پاؤں ٹوٹ گیا تو ایسا سمجھا جائے گا کہ ذبح کی وجہ پاوں ٹوٹا اس لئے قربانی جائز ہو جائے گی۔

امام شافعی اور امام زفرؒ کی رائے ہے کہ اس جانور کی قربانی صحیح نہیں ہے، کیونکہ ذبح سے پہلے عیب دار ہو گیا ہے۔ قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے لیکن استحسان کے طور پر ہمارے یہاں جائز ہو گیا کیونکہ ایسا بار ہا ہوتا ہے، اس لئے مجبوری ہے۔

لغت : اضجع : بکرے کو چت لٹانا، اضطرب : تڑپنا۔ انکسر : ٹوٹ گیا۔ اعتبارا : شریعت نے اعتبار کر لیا کہ ذبح کے مقدمات بھی ذبح میں شامل ہیں۔ حکما : حکم لگا دیا کہ قربانی درست ہے۔

ترجمه : ۹ ایسے ہی اگر اس حالت میں عیب دار ہوگئی پھر بھاگ گئی پھر اسی وقت پکڑا، یا تھوڑی دیر بعد پکڑا امام محمدؒ کے نزدیک خلاف امام ابو یوسفؒ کے تو جائز ہے اس لئے کہ یہ عیب ذبح کے مقدمات حاصل ہوا ہے۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ذبح کے لئے لٹانے سے جانور عیب دار ہوا، اور تھوڑی دیر کے بعد ذبح کیا تب بھی چل جائے گا، کیونکہ یہ ذبح کے مقدمات میں شامل ہے

تشریح : ذبح کے لئے لٹایا جسکی وجہ سے بکری عیبدار ہوگئی، پھر چھوٹ کر بھاگ گئی اور تھوڑی دیر بعد ذبح کیا تب بھی امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے، اور امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ فورا ذبح کیا تب تو جائز ہے، لیکن تھوڑی دیر کے بعد ذبح کیا تو یہ جائز

يُوسُفَ لِأَنَّهُ حَصَلَ بِمُقَدِّمَاتِ الذَّبْحِ. (۲۵۲) قَالَ وَالْأُضْحِيَّةُ مِنَ الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ ا لِأَنَّهَا عُرِفَتْ شَرْعًا وَلَمْ تُنْقَلُ التَّضْحِيَةُ بِغَيْرِهَا مِنَ النَّبِيِّ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – وَلَا مِنَ الصَّحَابَةِ – رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ –. (۲۵۳) قَالَ وَيُجْزِءُ مِنْ ذٰلِكَ كُلِّهِ الثَّنِيُّ فَصَاعِدًا. إِلَّا الضَّأْنَ فَإِنَّ الْجَذَعَ مِنْهُ يُجْزِءُ ا لِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – ضَحُّوا بِالثَّنَايَا إِلَّا أَنْ يُعْسِرَ

نہیں، کیونکہ تھوڑی دیر بعد کیا تو یہ ذبح کے مقدمات میں شامل نہیں ہوگا۔

ترجمہ :(۲۵۲) قربانی اونٹ کی ہوتی ہے اور گائے کی اور بکری کی۔

ترجمہ :ا اس لئے کہ شریعت میں یہی جانور پہچانے گئے ہیں۔ اور نبی ﷺ اور صحابہ سے اس کے علاوہ کی قربانی منقول نہیں ہے۔

تشریح : احادیث میں انہیں جانوروں کی قربانی کا تذکرہ گزرا ہے، بھینس کی قربانی بھی ہوتی ہے اور وہ اسی پر قیاس کی جائے گی۔ البتہ جو جانور پالتو نہ ہو مثلا ہرن پال لیا ہو تو اس کی قربانی نہیں ہوگی۔

ترجمہ :(۲۵۳) ان سب جانوروں میں ثنی کافی ہے یا اس سے زیادہ سوائے بھیڑ کے کہ اس سے جذع بھی کافی ہے۔

ترجمہ :ا جو ﷺ کے قول کی وجہ سے کہ ثنایا کو ذبح کرو مگر یہ کہ تم پر مشکل ہو جائے تو بھیڑ کا جزع ذبح کر سکتے ہو۔ اور نبی ﷺ نے فرمایا بھیڑ کا جذع بہترین قربانی ہے۔،

تشریح :گائے، بھینس کو دو سال میں دودھ کا دانت ٹوٹ کر نیا دانت آجاتا ہے۔ اور بکری کو ایک سال میں اور اونٹ کو پانچ سال میں نیا دانت آجاتا ہے۔ جب نیا دانت آجائے تو اس جانور کو ،مسنہ، اور ثنایا، کہتے ہیں۔ جھارکھنڈ میں اس کو دانتا ہوا کہتے ہیں اور دانتنے کے قریب ہو اور دانتا نہ ہو تو اس جانور کو جذع کہتے ہیں۔ سب جانوروں میں مسنہ ہونا ضروری ہے البتہ بھیڑ میں جذع کی قربانی جائز ہے بشرطیکہ اتنا موٹا تازہ ہو کہ مسنہ کے درمیان چھوڑ دے تو مسنہ ہی کی طرح معلوم ہو۔

وجہ:(۱) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن جابر قال قال رسول الله ﷺ لاتذبحوا الا مسنة الا ان يعسر عليكم فتذبحوا جذعة من الضان.** (ابو داؤد شریف، باب مایجوز فی الضحایا من السن، ص ۴۰۷، نمبر ۲۷۹۷ر مسلم شریف، باب سن الاضحیۃ ص ۸۷۶، نمبر ۱۹۶۳ر۵۰۸۲) اس حدیث میں ہے کہ مسنہ کے علاوہ قربانی نہ کرو، مگر نہ ہو سکے تو بھیڑ کا جذعہ کافی ہے۔ (۲) صاحب ہدایہ کی دوسری حدیث یہ ہے۔ **حدثنا وكيع ..... سمعت رسول الله يقول نعم او نعمت الاضحية الجذع من الضان قال فانتبه الناس** ،(ترمذی شریف، باب ماجاء فی الجذع من الضان فی الاضاحی، ص ۳۶۴، نمبر ۱۴۹۹) اس حدیث میں ہے کہ بھیڑ کا جذع بہتر قربانی ہے۔ (۳) دوسرے جانور میں جذعہ جائز نہیں اس کی دلیل اس حدیث کا ٹکڑا ہے۔ **عن البراء قال خطبنا رسول الله ﷺ ... فقال ان عندی عناقا جذعة وهی خير**

عَلَى أَحَدِكُمْ فَلْيَذْبَحِ الْجَذَعَ مِنَ الضَّأْنِ وَقَالَ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – نِعْمَتُ الْأُضْحِيَّةُ الْجَذَعُ مِنَ الضَّأْنِ قَالُوا: ۲ وَهَذَا إِذَا كَانَتْ عَظِيمَةً بِحَيْثُ لَوْ خُلِطَتْ بِالثُّنْيَانِ يَشْتَبِهُ عَلَى النَّاظِرِ مِنْ بَعِيدٍ. وَالْجَذَعُ مِنَ الضَّأْنِ مَا تَمَّتْ لَهُ سِتَّةُ أَشْهُرٍ فِي مَذْهَبِ الْفُقَهَاءِ، وَذَكَرَ الزَّعْفَرَانِيُّ أَنَّهُ ابْنُ سَبْعَةِ أَشْهُرٍ. ۳ وَالثَّنِيُّ مِنْهَا وَمِنَ الْمَعْزِ ابْنُ سَنَةٍ، وَمِنَ الْبَقَرِ ابْنُ سَنَتَيْنِ، وَمِنَ الْإِبِلِ ابْنُ خَمْسِ سِنِينَ، وَيَدْخُلُ فِي الْبَقَرِ الْجَامُوسُ لِأَنَّهُ مِنْ جِنْسِهِ، ۴ وَالْمَوْلُودُ بَيْنَ الْأَهْلِيِّ وَالْوَحْشِيِّ يَتْبَعُ الْأُمَّ لِأَنَّهَا هِيَ الْأَصْلُ فِي التَّبَعِيَّةِ، حَتَّى إِذَا نَزَا الذِّئْبُ عَلَى الشَّاةِ

من شاتی لحم فهل تجزئ عنی قال نعم ولن تجزئ عن احد بعدک. (ابوداؤدشریف، باب مایجوز فی الضحایا من السن، ص ۴۰۸، نمبر ۲۸۰۰ر مسلم شریف، باب وقتھا ص ۸۷۵، نمبر ۱۹۶۰/۳/۵۰۷۳) اس حدیث میں صحابی کوفرمایا کہ صرف تمہارے لئے بکری کا جذعہ کافی ہے اوراس کے بعدکسی کے لئے بکری یاکسی اور جانور کا جذعہ جائز نہیں ہے سوائے بھیڑ کے۔

لغت : الثنی : دودانت والا، ثنی کا ترجمہ ہے دو۔ فصاعدا : یااس سے اوپر کا۔ الضان : بھیڑ۔ الجذع: وہ جانور جو دانتنے کے قریب ہو، بھیڑ کے چھ مہینے کا بکرا۔

ترجمہ :۲ یہ جذع اس وقت ہے کہ اتنا بڑا ہو کہ ثنایا کے ساتھ ملا دیا جائے تو دور سے دیکھنے والے کوشبہ ہو جائے، اور بھیڑ کا جذع وہ ہے کہ چھ مہینے پورا ہو چکا ہو فقہاء کے مذہب میں، اورزعفرانیؒ نے زکر کیا کہ سات مہینے کا ہو۔

تشریح :واضح ہے

ترجمہ :۳ بھیڑ اور بکری کا ثنی ایک سال کا ہوتا ہے، اور گائے کا دوسال کا، اوراونٹ کا پانچ سال کا، اور گائے میں بھینس بھی داخل ہے اس لئے کہ شریعت میں وہ گائے کی جنس میں شمار ہوتا ہے۔

تشریح : واضح ہے۔اس کی تفصیل پہلے بھی گزر چکی ہے۔

ترجمہ :۴ اور پالتو اور وحشی جانور کے مجموعے سے پیدا ہو تو وہ ماں کے تابع ہے اس لئے کہ تابع ہونے میں وہی اصل ہے، یہاں تک کہ بھیڑئے نے بکری سے جماع کرے تو [تو وہ بچہ بکری شمار کیا جائے گا،] اور بچے کی قربانی کی جائے گی۔

تشریح : یہ مسئلہ اصول پر ہے کہ جانور میں بچہ ماں کے تابع ہوتا ہے، چنانچہ اگر وحشی اور پالتوں جانور کے مجموعے سے بچہ پیدا ہو اور ماں پالتو ہے تو بچہ پالتو شمار ہوگا، اسی طرح اگر بھیڑیا نے بکری سے جفتی کی تو وہ بچہ بکری شمار کیا جائیگی اور قربانی کی جاسکے گی۔

لغت :نزا: جماع کیا، جفتی کی، ذئب: بھیڑیا۔

ترجمہ :(۲۵۴) اگر سات آدمیوں ن قربانی کے لئے گائے خریدی، پس ان میں سے ایک قربانی سے پہلے مرگیا، اور

يُضَحَّى بِالْوَلَدِ. (٢٥٤) قَالَ وَإِذَا اشْتَرَى سَبْعَةٌ بَقَرَةً لِيُضَحُّوا بِهَا فَمَاتَ أَحَدُهُمْ قَبْلَ النَّحْرِ وَقَالَتْ الْوَرَثَةُ إذْبَحُوهَا عَنْهُ وَعَنْكُمْ أَجْزَأَهُمْ، وَإِنْ كَانَ شَرِيكُ السِّتَّةِ نَصْرَانِيًّا أَوْ رَجُلًا يُرِيدُ اللَّحْمَ لَمْ يُجْزِ عَنْ وَاحِدٍ مِنْهُمْ ١ وَوَجْهُهُ أَنَّ الْبَقَرَةَ تَجُوزُ عَنْ سَبْعَةٍ، لَكِن مِنْ شَرْطِهِ أَنْ يَكُونَ قَصْدُ الْكُلِّ الْقُرْبَةَ وَإِنْ اخْتَلَفَتْ جِهَاتُهَا كَالْأُضْحِيَّةِ وَالْقِرَانِ وَالْمُتْعَةِ عِنْدَنَا لِاتِّحَادِ الْمَقْصُودِ وَهُوَ الْقُرْبَةُ، وَقَدْ وُجِدَ هَذَا الشَّرْطُ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ لِأَنَّ التَّضْحِيَةَ عَنْ الْغَيْرِ عُرِفَتْ قُرْبَةً؛ أَلَا تَرَى أَنَّ النَّبِيَّ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – ضَحَّى عَنْ أُمَّتِهِ عَلَى مَا رَوَيْنَا مِنْ قَبْلُ، وَلَمْ يُوجَدْ فِي الْوَجْهِ الثَّانِي لِأَنَّ النَّصْرَانِيَّ لَيْسَ مِنْ أَهْلِهَا، وَكَذَا قَصْدُ اللَّحْمِ يُنَافِيهَا. وَإِذَا لَمْ يَقَعْ الْبَعْضُ قُرْبَةً وَالْإِرَاقَةُ لَا تَتَجَزَّى فِي حَقِّ الْقُرْبَةِ لَمْ يَقَعْ الْكُلُّ أَيْضًا فَامْتَنَعَ الْجَوَازُ،

اس کے ورثہ نے یہ کہا کہ میت کی جانب سے ذبح کردو تو سب کی قربانی ہو جائے گی۔ اور اگر چھٹا شریک نصرانی ہو، یا وہ صرف گوشت کھانا چاہتا ہو تو کسی کی قربانی نہیں ہوگی۔

ترجمہ : ١ اس کی وجہ یہ ہے کہ گائے سات آدمیوں کی جانب سے کافی ہوتی ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ تمام کا ارادہ قربت کا ہو، چاہے قربت مختلف جہت کی ہو، جیسے قربانی کی ہو، یا قران کی ہو، یا تمتع میں ذبح کرنا ہو، مقصود کے متحد ہونے کی وجہ سے، اور وہ مقصود ہے قربت، اور یہ شرط پہلی صورت میں پائی گئی، اس لئے کہ قربانی غیر کی جانب سے بھی قربت ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ حضور ﷺ نے اپنی امت کی جانب سے قربانی کی، جیسا کہ ہم نے پہلے روایت کی ہے، اور دوسری صورت میں قربت نہیں پائی گئی، اس لئے کہ نصرانی قربت کا اہل نہیں ہے، ایسے ہی گوشت کھانے کا ارادہ قربت کے منافی ہے، اور جب بعض قربت نہیں ہوئی، اور خون بہانا قربت کے حق میں ٹکڑا ٹکڑا نہیں ہوتا تو کل جانور بھی قربت نہیں ہوگی، تو قربانی جائز نہیں ہوئی۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ساتوں حصے قربت ہوں تب قربانی ادا ہوگی، اگر ایک حصہ بھی قربت نہ ہو تو یہ سارے کو برباد کرے گی، اور کسی کا حصہ بھی قربانی نہیں ہوگی۔ مثلا چھ آدمی قربانی کرنا چاہتا ہے، اور ایک آدمی گوشت کھانے کی نیت سے شریک ہوا تو کسی کی قربانی ادا نہیں ہوگی، یا ایک آدمی نصرانی ہے تو کسی کی قربانی ادا نہیں ہوگی، کیونکہ نصرانی کی جانب سے قربت نہیں ہوتی، اور ایک کی خرابی کی وجہ سے سب کی خرابی ہو جائے گی، کیونکہ قربت میں، اور خون کے بہانے میں ٹکڑا ٹکڑا نہیں ہوتا۔

اصول: دوسرا اصول یہ ہے کہ قربت مختلف قسم کی ہو تو چل جائے گا، مثلا ایک کی نیت قربانی ہو، دوسرے کی نیت قران کا دم دینا ہو، اور تیسرے کی نیت تمتع کا دم دینا ہو، اور چوتھے کی نیت عقیقہ کرنا ہو، تب بھی سب کی قربانی ہو جائے گی، کیونکہ یہ سارے قربت ہیں، یہ اور بات ہے کہ یہ الگ الگ قربت کی قسمیں ہیں

وجہ : نصرانی کی جانب سے قربانی نہیں ہوتی اس کی دلیل یہ قول صحابی ہے۔ عن علیؓ انہ قال لا یذبح

٢؎ وَهَذَا الَّذِى ذَكَرَهُ اسْتِحْسَانٌ. وَالْقِيَاسُ أَنْ لا يَجُوزَ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي يُوسُفَ، لِأَنَّهُ تَبَرُّعٌ بِالْإِتْلَافِ فَلَا يَجُوزُ عَنْ غَيْرِهِ كَالْإِعْتَاقِ عَنِ الْمَيِّتِ، لَكِنَّا نَقُولُ: الْقُرْبَةُ قَدْ تَقَعُ عَنِ الْمَيِّتِ

نسيكة المسلم اليهودى و النصرانى ۔(سنن بیہقی، باب النسیکۃ یذبحھا غیر مالکھا، ج تاسع، ص ۴۷۷، نمبر ۱۹۱۶۶ ۱۹۱۶۱)اس قول صحابی میں ہے کہ مسلمان کی قربانی غیر مسلم نہ کرے۔(۲)اس قول صحابی میں بھی ہے کہ غیر مسلم کی قربانی جائز نہیں ۔قال ابن عباس ؓ لا يذبح اضحيتك الا مسلم ۔(سنن بیہقی، باب النسیکۃ یذبحھا غیر مالکھا، ج تاسع، ص ۴۷۷، نمبر ۱۹۱۶۶)اس قول صحابی میں ہے کہ مسلمان کی قربانی مسلمان کے علاوہ کوئی دوسرا نہ کرے۔

تیسرا اصول یہ ہے کہ وارث میت کی جانب سے قربانی کی اجازت دے تو یہ اجازت جائز ہے، حضور نے میت کی جانب سے قربانی کی ہے۔

وجه :اس حدیث کو صاحب نے ذکر کیا ہے۔عن ابى هريرة ان رسول الله ﷺ كان اذا اراد ان يضحى اشترى كبشين عظيمين سمينين اقرنين املحين موجوئين فذبح احدهما عن امته لمن شهد لله بالتوحيد و شهد بالبلاغ و ذبح آخر عن محمد و عن آل محمد ﷺ (ابن ماجۃ شریف، باب اضاحی رسول اللہ ﷺ، ص ۴۵۵، نمبر ۳۱۲۲)اس حدیث میں امت کی جانب سے قربانی حضور ؐ نے کی ہے۔

تشریح : قربانی میں سات آدمی شریک ہوئے، ذبح سے پہلے ایک آدمی کا انتقال ہو گیا، اب اس کے ورثہ نے میت کی جانب سے قربانی کرنے کی اجازت دی تو سب کی قربانی ہو جائے گی،

وجه : کیونکہ میت کی جانب سے قربانی کی جا سکتی ہے، اور سب کی نیت قربانی اور قربت کی ہے، اس لئے سب کی قربانی ہو جائے گی۔

سات آدمی شریک ہوئے، لیکن ان میں سے ایک آدمی نصرانی، یا یہودی ہے، یا ایک آدمی کی نیت قربانی اور قربت کی نہیں ہے، بلکہ صرف گوشت کھانے کی ہے، تو کسی کی قربانی نہیں ہوگی،

وجه : کیونکہ خون بہانے میں تجزی نہیں ہوتی، اور ایک کی قربانی نہیں ہوئی تو اس کی وجہ سے کسی کی بھی قربانی نہیں ہوگی۔یہ بات گزر چکی کی غیر مسلم کی جانب سے قربت اور قربانی نہیں ہوتی۔

ترجمه :٢؎ یہ جو ذکر کیا کہ میت کی جانب سے قربانی ہو جائے گی، یہ استحسان ہے، اور قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ میت کی جانب سے قربانی نہ ہو، امام ابو یوسف ؒ سے یہی ایک روایت ہے، اس لئے کہ مال ضائع کرنے کا تبروع ہے، اس لئے غیر کی جانب سے جائز نہ ہو، جیسے میت کی جانب سے آزاد کرنا جائز نہیں ہے، لیکن ہم کہتے ہیں کہ قربت میت کی جانب سے بھی ہوتی ہے، جیسے صدقہ کرنا میت کی جانب سے جائز ہے۔

لغت :استحسان: قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ کام نہیں ہونا چاہئے، لیکن اس کام کی مجبوری ہے امت میں وہ کام کرنا ضروری تو

كَالتَّصَدُّقِ، ٣ بِخِلَافِ الْإِعْتَاقِ لِأَنَّ فِيهِ إِلْزَامَ الْوَلَاءِ عَلَى الْمَيِّتِ ٤ فَلَوْ ذَبَحُوهَا عَنْ صَغِيرٍ فِي الْوَرَثَةِ أَوْ أُمِّ وَلَدٍ جَازَ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ قُرْبَةٌ ٥ وَلَوْ مَاتَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ فَذَبَحَهَا الْبَاقُونَ بِغَيْرِ إِذْنِ الْوَرَثَةِ لَا تُجْزِيهِمْ لِأَنَّهُ لَمْ يَقَعْ بَعْضُهَا قُرْبَةً، وَفِيمَا تَقَدَّمَ وُجِدَ الْإِذْنُ مِنَ الْوَرَثَةِ فَكَانَ

اس کام کو جائز کرنے کو استحسان، کہتے ہیں۔

تشریح : وارث نے میت کی جانب سے قربانی اجازت دی تو اس میں قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ جائز نہ ہو، چنانچہ حضرت امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہی ہے، کیونکہ تبروع کے طور پر میت کی جانب سے مال کو ضائع کرنا ہے، جیسے میت کی جانب سے آزاد کرنا جائز نہیں ہے ، لیکن عموما ایسا ہوتا ہے کہ میت کی جانب سے وارث اجازت دے دیتے ہیں اس لئے اس کو استحسانا جائز قرار دے دیا، جیسے میت کی جانب سے مال کو صدقہ کرنا جائز قرار دیا ہے۔

ترجمہ :٣ بخلاف آزاد کرنے کے اس لئے کہ اس میں ولاء کو میت پر لازم کرنا ہے [اور وہ نہیں کیا جا سکتا، اس لئے اس کی جانب سے آزاد بھی نہیں کیا جا سکتا]

تشریح : غلام آزاد کرنے کی دو شکل ہیں [۱] وارث اپنی جانب سے غلام آزاد کرے، اور اس کا ثواب میت کو پہنچائے تو یہ بالاتفاق جائز ہے [۲] دوسری صورت یہ ہے کہ وارث میت کی جانب سے آزاد کرے تو یہ جائز نہیں۔

وجہ :اس صورت میں آزاد کردہ غلام کا جو ولاء ہوگا وہ میت کے لئے ہوگا، اور میت اب اس قابل نہیں ہے کہ اس کے لئے ولاء ہو اس لئے اس کی جانب سے آزاد کرنا بھی جائز نہیں ہے، اور قربانی کرنے میں میت پر کوئی چیز لازم نہیں کرنا ہے، صرف اس کو قربانی کا ثواب پہنچانا ہے اس لئے وہ جائز ہے۔

ترجمہ :٤ اگر بچے کی جانب سے ذبح کیا، یا ام ولد کی جانب سے قربانی کی تو بھی جائز ہے، اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کیا۔

تشریح : قربانی بچہ شریک تھا، یا ام ولد شریک تھی، اب بچہ مر گیا اور اس کے باپ نے قربانی کی اجازت دی، یا ام ولد مر گئی اور اس کے آقا نے قربانی کرنے کی اجازت دی تو سب کی قربانی ہوگئی۔

وجہ :قربانی ایسی قربت ہے کہ بچے اور ام ولد کی جانب سے بھی ادا ہوتی ہے، اب اس کے ولی نے اس کی اجازت دی تو اس کی قربانی بھی ہوئی اور اس کے ساتھ باقی شریکوں کی قربانی بھی ہوئی۔

ترجمہ :٥ اور اگر شریکوں میں سے ایک مر گیا اور باقی شریکوں نے اس کے ورثہ کی اجازت کے بغیر ذبح کر دیا تو کسی کی قربانی جائز نہیں ہوئی، اس لئے کہ بعض کی قربت نہیں ہوئی [تو باقی کی بھی قعربت نہیں ہوگی] اور پہلے جو مسئلہ گزرا اس میں ورثہ کی جانب سے اجازت تھی تو سب کی قربت ہوگئی۔

اصول:میت کے مرنے کے بعد قربت ادا ہونے کے لئے اسکے ورثہ کی اجازت ضروری ہے، کیونکہ اب یہ مال اس کے

قُرْبَةً. (۲۵۵) قَالَ وَيَأْكُلُ مِنْ لَحْمِ الْأُضْحِيَّةِ وَيُطْعِمُ الْأَغْنِيَاءَ وَالْفُقَرَاءَ وَيَدَّخِرُ ا لِقَوْلِهِ - عَلَيْهِ الصَّلاةُ وَالسَّلامُ - كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ أَكْلِ لُحُومِ الْأَضَاحِي فَكُلُوا مِنْهَا وَادَّخِرُوا وَمَتَى جَازَ

وارث کی ہے۔

تشریح : شریک میں سے ایک مرگیا اور اس کے ورثہ کی اجازت بغیر ہی باقی نے قربانی کردی تو کسی کی قربانی نہیں ہوئی۔

وجہ : ورثہ کی اجازت نہ دینے کی وجہ سے میت کی قربانی صحیح نہیں ہوئی کیونکہ یہ مال اب ورثہ کا ہے، اور جب اس کی قربانی نہیں ہوئی تو اس کے ساتھ باقی شریکوں کی بھی نہیں ہوگی۔ اور اس سے پہلے مسئلے میں ورثہ کی اجازت تھی اس لئے اس کی بھی قربانی ہوئی، اور شریکوں کی بھی قربانی ہوگئی۔

ترجمہ : (۲۵۵) کھائے گا قربانی کا گوشت اور کھلائے گا مالداروں اور فقیروں کو اور رکھ بھی چھوڑے۔

ترجمہ : ۱ حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ میں تمکو قربانی کے گوشت کھانے سے منع کیا کرتا تھا، تو اس اس کو تین دن سے زیادہ بھی کھاؤ اور جمع کرو، اور جب خود مالدار ہو اور اس کو کھانا جائز ہے تو دوسرے مالدار کو بھی کھلانا جائز ہے

تشریح : قربانی کرنے کے بعد جو گوشت ہے وہ خود بھی کھا سکتا ہے چاہے خود مالدار ہو۔ اور مالداروں کو بھی کھلا سکتا ہے اور فقیروں کو بھی کھلا سکتا ہے۔ اور تین دن سے زیادہ جمع کر کے بھی رکھ سکتا ہے۔

وجہ : (۱) آیت میں ہے کہ قربانی کا گوشت اور نفلی ہدی کا گوشت خود بھی کھاؤ اور فقیر کو بھی کھلاؤ، آیت یہ ہے۔ **ویذکروا اسم الله فی ایام معلومات علی ما رزقهم من بهیمة الانعام فکلوا منها و اطعموا البائس الفقیر.** (آیت ۲۸، سورة الحج ۲۲) اس آیت میں فرمایا کہ خود بھی کھاؤ اور فقیروں کو بھی کھلاؤ اس لئے قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے چاہے خود مالدار ہو۔ اور جب خود مالدار ہو کر کھا سکتا ہے تو دوسرے مالدار کو بھی کھلا سکتا ہے (۲) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن جابر عن النبی ﷺ انه نهی عن اکل لحوم الضحایا بعد ثلاث ثم قال بعد کلو و تزودو و ادخرو** ۔ (مسلم شریف، باب بیان ما کان من النهی عن اکل لحوم الاضاحی بعد ثلاث فی اول الاسلام و بیان نسخه و اباحته الی متی شاء، ص ۸۸۰، نمبر ۵۱۰۴/۱۹۷۲/ ابوداود شریف، باب حبس لحوم الاضاحی، ص ۴۱۰، نمبر ۲۸۱۳) (۳) اس حدیث میں بھی ہے۔ **عن سلمة بن الاکوع قال قال النبی ﷺ ... کلوا و اطعموا و ادخروا فان ذلک العام کان بالناس جهد فاردت ان تعینوا فیها.** (بخاری شریف، باب ما یوکل من لحوم الاضاحی و ما یتزود منها، ص ۹۹۰، نمبر ۵۵۶۹/ مسلم شریف، باب بیان ما کان من النهی عن اکل لحوم الاضاحی بعد ثلاث فی اول الاسلام و بیان نسخه و اباحته الی متی شاء، ص ۸۸۰، نمبر ۵۱۰۳/۱۹۷۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گوشت خود جمع کر کے رکھ سکتا ہے اور کھا بھی سکتا ہے اور مالدار اور فقیر کو کھلا بھی سکتا ہے۔

لغت: یدخرو : جمع کر کے رکھے، ذخیرہ کرے۔

ترجمہ : (۲۵۶) اور مستحب یہ ہے کہ صدقہ تہائی سے کم نہ کرو۔

أَكْـلُهُ وَهُوَ غَنِيٌّ جَازَ أَنْ يُؤَكِّلَهُ غَنِيًّا. (۲۵۶)قَالَ وَيُسْتَـحَبُّ أَنْ لَا يَنْقُصَ الصَّدَقَةَ عَنِ الثُّلُثِ لِأَنَّ الْـجِهَـاتِ ثَلَاثَةٌ: الْأَكْـلُ وَالِادِّخَـارُ لِمَا رَوَيْنَا، وَالْإِطْعَامُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى " ﴿وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْـمُعْتَـرَّ﴾ [الحج: ۳۶] فَانْقَسَمَ عَلَيْهِمْ أَثْلَاثًا. (۲۵۷) قَالَ وَيَتَـصَدَّقُ بِجِلْدِهَا(لِأَنَّهُ جُزْءٌ مِنْهَا) أَوْ يَعْـمَـلُ مِنْهُ آلَةً تُسْتَعْمَلُ فِي الْبَيْتِ كَـالـنِّـطْـعِ وَالْجِرَابِ وَالْغِرْبَالِ وَنَحْوِهَا، لِأَنَّ

ترجمه: اس لئے کہ تین جہت ہیں[۱] خود کھانا[۲] خود جمع کرنا، اس حدیث کی بنا پر جو روایت کی[۳] اور دوسروں کو کھلانا، اللہ تعالی کا قول اطعمو االقانع والمعتر، اس لئے تین قسمیں ہو گئیں۔

تشریح: اوپر حدیث میں گوشت کا دو مصرف بتایا۔ خود کھائے دوسرا جمع کرے اور آیت سے یہ ثابت ہوا کہ فقیر کو بھی دو اس طرح تین فریقوں میں گوشت تقسیم کرنے کے لئے کہا، اس لئے تہائی صدقہ کرنے کا ثبوت ہوا

وجه: (۱) عن سلمة بن الاكوع قال قال النبی ﷺ ... كلوا واطعموا وادخروا فان ذلك العام كان بالناس جهد فاردت ان تعينوا فيها. (بخاری شریف، باب ما یؤکل من لحوم الاضاحی و ما یتزود منہا، ص۹۹۰، نمبر ۵۵۶۹) اس حدیث میں ہے کہ کھاؤ اور گوشت جمع کرو، بلکہ یہ بھی ہے کہ دوسروں کو کھلاؤ اس لئے تین فریق کا ثبوت ہوا۔ (۲) اور آیت سے بھی تین فریقوں کا ثبوت ہوا۔ فاذا وجبت جنوبها فكلوا منها واطعموا القانع والمعتر (آیت ۳۶، سورۃ الحج ۲۲) اس آیت میں ایک مصرف ہے خود کھاؤ، دوسرا، صرف ہے قانع کو یعنی سوال نہ کرنے والوں کو دو اور تیسرا مصرف ہے معتر سوال کرنے والے کو دو، اس سے بھی معلوم ہوا کہ تہائی حصہ سے کم صدقہ نہ کرے۔

لغت: قانع: اپنے پاس جتنا ہو اسی پر قناعت کرنے والا ہو، اور دوسروں سے نہ مانگے۔ معتر: عر سے مشتق ہے سوال کے لئے پیش ہونے والا سوال کرنے والا۔

ترجمه: (۲۵۷) اور قربانی کی کھال کو صدقہ کرے[اس لئے کہ یہ بھی قربانی کا جزء ہے] یا کھال سے کوئی چیز بنائے جو گھر میں استعمال کی جائے۔

ترجمه: جیسے دستر خوان، اور تھیلا، اور چھلنی، یا اس طرح کی کوئی اور چیز، اس لئے کہ اس سے فائدہ اٹھانا حرام نہیں ہے۔

تشریح: چمڑے کو یا تو صدقہ کرے، یا اس سے کوئی ایسی چیز بنالے جو گھر میں استعمال ہو سکے، مثلا دستر خوان بنالے، یا تھیلا بنالے، یا چھلنی بنالے، یا کوئی اور چیز بنالے جو گھر میں استعمال ہو سکتی ہو، لیکن اگر کھال کو بیچ دیا تو اس قیمت کو اب صدقہ کرنا پڑے گا، اسی طرح کھال کو اجرت کے طور پر قصائی کو نہ دے۔

وجه: کھال صدقہ کرے اور اجرت کے طور پر نہ دے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ان عليا اخبره ان النبی ﷺ امره ان يقوم على بُدنه وان يقسم بُدنه كلها لحومها وجلودها وجلالها ولا يعطى فى جزارتها شيئا. (بخاری

الِانْتِفَاعَ بِهِ غَيْرُ مُحَرَّمٍ ۲؎ وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَشْتَرِيَ بِهِ مَا يَنْتَفِعُ فِي الْبَيْتِ بِعَيْنِهِ مَعَ بَقَائِهِ اسْتِحْسَانًا، وَذَلِكَ مِثْلُ مَا ذَكَرْنَا لِأَنَّ لِلْبَدَلِ حُكْمَ الْمُبْدَلِ، وَلَا يَشْتَرِي بِهِ مَا لَا يَنْتَفِعُ بِهِ إِلَّا بَعْدَ اسْتِهْلَاكِهِ كَالْخَلِّ وَالْأَبَازِيرِ اعْتِبَارًا بِالْبَيْعِ بِالدَّرَاهِمِ. وَالْمَعْنَى فِيهِ أَنَّهُ تَصَرُّفٌ عَلَى قَصْدِ التَّمَوُّلِ، ۳؎ وَاللَّحْمُ بِمَنْزِلَةِ الْجِلْدِ فِي الصَّحِيحِ، ۴؎ فَلَوْ بَاعَ الْجِلْدَ أَوِ اللَّحْمَ بِالدَّرَاهِمِ أَوْ بِمَا

شریف، باب یتصدق بجلو دالھدی ،ص ۲۷۷ نمبر ۱۷۱۷ ر مسلم شریف، باب الصدقۃ بلحوم الھدایا وجلودھا وجلالھا وان لا یعطی الجزار منھا شیئا ،ص ۵۵۲ ،نمبر ۱۳۱۷ / ۳۱۸۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھال صدقہ کرے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کو اجرت میں نہ دے۔اور جب گوشت کھا سکتا ہے تو کھال بھی گھر میں استعمال کر سکتا ہے۔

ترجمہ :۲؎ اور کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ ایسی چیز خرید لے جس کے عین سے گھر میں فائدہ اٹھا سکے اس کے باقی رکھنے کے ساتھ ساتھ ،استحسان کے طور پر اور اس کے مثل ہے جو ہم نے ذکر کیا [یعنی چھلنی ، دسترخوان وغیرہ] اس لئے کہ بدل مبدل منہ کے حکم میں ہوتا ہے، اور ایسی چیز نہ خریدے جو اس کے عین کے ہلاک ہونے کے بعد فائدہ اٹھا سکے، جیسے سرکہ اور مصالہ ، درہم کے بدلے پر قیاس کرتے ہوئے، اور اس میں نکتہ یہ ہے یہ مالدار بننے کے ارادے سے تصرف کرنا ہے۔

تشریح : یہاں دو باتیں بیان کر رہے ہیں [۱] کھال کو ایسی چیز کے بدلے بیچ سکتا ہے جسکے عین سے فائدہ سکے، جیسے دستر خوان ، چھلنی وغیرہ، ان کو ہلاک کئے بغیر ان کے عین سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، اور یوں سمجھا جائے گا کہ خود کھال سے فائدہ اٹھایا ، کیونکہ بدل کا وہی حکم ہے جو حکم اصل کا ہے، اس لئے چھلنی کا وہی حکم ہوگا جو کھال کا حکم ہے [۲] دوسری بات یہ فرمارہے ہیں کہ کھال کو ایسی چیز کے بدلے نہیں بیچ سکتا جسکو ہلاک کرنے کے بعد اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہو، جیسے کھانا، سرکہ، مسالا کہ اس کو کھالیگا اور اس کو گویا کہ ہلاک کر دے گا تب اس سے فائدہ اٹھا سکے گا، یا درہم کے بدلے نہیں بیچ سکتا کیونکہ درہم ہلاک ہوتا ہے اور دوسرے کے پاس جاتا ہے تب جا کر وہ فائدہ دیتا ہے، اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ گویا کہ وہ مالدار بننے کے لئے ان چیزوں کے بدلے بیچ رہا ہے، اس لئے اس کو جائز قرار نہیں دیا۔ اور اگر کھال کو درہم کے بدلے، یا مسالے وغیرہ کے بدلے بیچ دیا تو اتنی رقم صدقہ کرنا ہوگا۔

لغت :خل: سرکہ۔ ابازیر: مسالا۔ تمول: مالدار بننا۔

ترجمہ :۳؎ اور گوشت کھال کے درجے میں ہے صحیح تر روایت میں۔

تشریح : صحیح روایت یہ ہے جو حکم کھال کا ہے وہی حکم گوشت کا ہے، یعنی گوشت کو چھلنی وغیر عینی چیز کے بدلے میں بیچا، تو عینی چیز کو استعمال کرنا جائز ہے، اور درہم، یا ہلاک ہونے والی چیز مسالا وغیرہ کے بدلے میں بیچا تو اس کا استعمال کرنا جائز نہیں ۔دوسری روایت یہ ہے کہ کسی چیز کے بدلے میں گوشت کو بیچا تو اس کو استعمال کرنا جائز نہیں اس کو صدقہ کر دے۔

لَا يَنْتَفِعُ بِهِ إِلَّا بَعْدَ اسْتِهْلَاكِهِ تَصَدَّقَ بِثَمَنِهِ، لِأَنَّ الْقُرْبَةَ انْتَقَلَتْ إِلَى بَدَلِهِ، ۵ وَقَوْلُهُ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – مَنْ بَاعَ جِلْدَ أُضْحِيَّتِهِ فَلَا أُضْحِيَّةَ لَهُ يُفِيدُ كَرَاهَةَ الْبَيْعِ، أَمَّا الْبَيْعُ جَائِزٌ لِقِيَامِ الْمِلْكِ وَالْقُدْرَةِ عَلَى التَّسْلِيمِ. ۶ وَلَا يُعْطِي أُجْرَةَ الْجَزَّارِ مِنْ الْأُضْحِيَّةِ لِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – لِعَلِيٍّ – رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ – تَصَدَّقْ بِجِلَالِهَا وَخِطَامِهَا وَلَا تُعْطِ أَجْرَ الْجَزَّارِ

ترجمه :۴ اگر کھال کو یا گوشت کو درہم کے بدلے بیچا، یا ایسی چیز کے بدلے بیچا جسکو ہلاک کئے بغیر فائدہ نہیں اٹھا جا سکتا، تو اس کی قیمت کو صدقہ کرے اس لئے کہ قربت اب بدل کی طرف منتقل ہو گئی۔

تشریح : کھال یا گوشت کو درہم اور روپے کے بدلے بیچ دیا، یا ایسی چیز کے بدلے بیچ دیا جسکو ہلاک کئے بغیر فائدہ نہیں اٹھا سکتا، مثلا مسالا اور کھانے کے بدلے بیچ دیا تو ایسی صورت میں اس درہم کو، یا اس مسالا کو صدقہ کرنا پڑے گا۔

وجه :اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسی چیز کے بدلے بیچا جسکو ہلاک کئے بغیر فائدہ نہیں اٹھا سکتا تو اس سے وہ مالدار بننا چاہتا ہے، فائدہ اٹھانا نہیں چاہتا اس لئے اس کو صدقہ کرنا پڑے گا۔

ترجمه :۵ حضورؐ نے جو فرمایا کہ جس نے قربانی کی کھال کو بیچا تو اس کی قربانی ہی نہیں ہوئی اس سے بیع کی کراہیت ہونے کا فائدہ دیتا ہے، تاہم بیع جائز ہے، کیونکہ اس کی ملکیت قائم ہے اور کھال کو سونپنے پر قدرت بھی ہے۔

تشریح : حدیث میں جو آیا کہ جس نے قربانی کی کھال بیچی اس کی قربانی ہی نہیں ہوئی اس کا مطلب یہ ہے کہ کھال کو بیچنا مکروہ ہے، تاہم کھال کو بیچنا جائز ہے، اس کی وجہ یہ ہے کھال پر اس کی ملکیت بھی ہے اور اس کو مشتری کے حوالے کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہے، اس لئے کھال تو بک جائے گی البتہ اس قیمت کو صدقہ کرنا پڑے گا

وجه :صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ من باع جلد اضحيته فلا اضحية له۔ (مستدرک للحاکم، باب تفسیر سورۃ الحج، ج ثانی، ص ۴۲۲، نمبر ۳۴۶۸ رسنن بیہقی، باب لا یبیع من اضحیتہ شیئا ولا یعطی اجر الجزار منھا، ج تاسع، ص ۴۹۶، نمبر ۱۹۲۳۳) اس حدیث میں ہے کہ قربانی کے جانور کی کوئی چیز بیچی تو اس کی قربانی نہیں ہوئی۔ یعنی اس قیمت کو اب صدقہ کرے۔

ترجمه ۶ اور قصائی کی اجرت قربانی سے نہ دے حضورؐ کے قول کی وجہ سے علیؓ سے اسکے جھول اور اس کا لگام صدقہ کر دے اور اس میں سے قصائی کی اجرت نہ، اور اس میں بیچنے سے بھی ممانعت ہے اسلئے کہ اجرت دینا بھی بیچنے کے معنی میں ہے

وجه :صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ ان عليا اخبره ان النبي ﷺ امره ان يقوم على بُدنه وان يقسم بُدنه كلها لحومها وجلودها وجلالها ولا يعطى فى جزارتها شيئا . (بخاری شریف، باب یتصدق بجلو دالھدی، ص ۲۷۷ نمبر ۱۷۱۷ رمسلم شریف، باب الصدقۃ بلحوم الھدایا وجلودھا وجلالھا وان لا یعطی الجزار منھا شیئا، ص ۵۵۲، نمبر ۱۳۱۷ ر ۳۱۸۰)

مِنْهَا شَيْئًا وَالنَّهْيُ عَنْهُ نَهْيٌ عَنِ الْبَيْعِ أَيْضًا لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْبَيْعِ. ۷؎ وَيُكْرَهُ أَنْ يَجُزَّ صُوفَ أُضْحِيَّتِهِ وَيَنْتَفِعَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَذْبَحَهَا لِأَنَّهُ الْتَزَمَ اقَامَةَ الْقُرْبَةِ بِجَمِيعِ أَجْزَائِهَا، بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الذَّبْحِ لِأَنَّهُ أُقِيمَتُ الْقُرْبَةُ بِهَا كَمَا فِي الْهَدْيِ، ۸؎ وَيُكْرَهُ أَنْ يَحْلُبَ لَبَنَهَا فَيَنْتَفِعَ بِهِ كَمَا فِي الصُّوفِ. (۲۵۸)قَالَ وَالْأَفْضَلُ أَنْ يَذْبَحَ أُضْحِيَّتَهُ بِيَدِهِ إِنْ كَانَ يُحْسِنُ الذَّبْحَ ۹؎ وَإِنْ كَانَ لَا يُحْسِنُهُ فَالْأَفْضَلُ أَنْ يَسْتَعِينَ بِغَيْرِهِ، وَإِذَا اسْتَعَانَ بِغَيْرِهِ يَنْبَغِي أَنْ يَشْهَدَهَا بِنَفْسِهِ لِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – لِفَاطِمَةَ – رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا – قُومِي فَاشْهَدِي أُضْحِيَّتَكِ، فَإِنَّهُ يُغْفَرُ لَكِ

لغت: جلال: جھول۔خطام: لگام، نکیل۔

ترجمہ: ۷؎ مکروہ ہے کہ ذبح کرنے سے پہلے قربانی کے جانور کا اون کاٹے اور اس سے فائدہ اٹھائے اسلئے کہ پورے اجزاء کے ساتھ قربت لازم کی ہے، بخلاف ذبح کے بعد اس لئے کہ اس لئے کہ قربت ہو چکی ہے، جیسے کہ ہدی میں ہوتا ہے۔

اصول: جانور کے سارے اجزا قربانی میں شامل ہونے چاہئے۔

تشریح: قربانی کرنے سے پہلے جانور کا اون اور بال کر اس سے فائدہ اٹھانا مکروہ ہے۔

وجہ: خریدنے والے نے جانور کے پورے اجزا کے ساتھ قربانی کر کے قربت کا ارادہ کیا اس لئے اس کے بعض حصے کو پہلے نکال لینا مکروہ ہے، ذبح کے بعد قربانی ہوگئی، اس لئے اب اس کے بال کاٹنے میں حرج نہیں۔ جیسے ہدی کے جانور کا ذبح کرنے سے پہلے اس کا اون کاٹنا مکروہ ہے، اور ذبح کرنے کے بعد جائز ہے۔ ایسے ہی یہاں ہوگا۔

ترجمہ: ۸؎ اور مکروہ ہے کہ دودھ دوہے اور اس سے فائدہ اٹھائے، جیسا کہ اون کے بارے میں گزرا۔

تشریح: قربانی کے جانور کا دودھ دوہ کر اس سے فائدہ اٹھانا مکروہ ہے، جیسے اون کاٹ اس سے فائدہ اٹھانا مکروہ ہے

وجہ: جانور کے سارے اجزاء قربانی میں شامل ہونے چاہئے۔

لغت: حلب: دودھ دوہنا۔

نوٹ: اگر دودھ دوہا، تو اس کو صدقہ کر دے۔ اور خود کھالیا تو دودھ کی جو قیمت ہو اس کو صدقہ کرے۔ اور سواری کی تو اس کی اجرت صدقہ کرے۔ جانور کو اجرت پر رکھا تو اس اجرت کو صدقہ کرے تا کہ اس جانور کے تمام اجزا قربانی میں شامل ہو جائے۔

ترجمہ: (۲۵۸) افضل یہ ہے کہ قربانی اپنے ہاتھ سے ذبح کرے اگر اچھی طرح ذبح کر سکتا ہو۔

ترجمہ: ۹؎ اور اگر خود اچھی طرح ذبح نہ کر سکتا ہو تو دوسرے سے مدد لے، اور جب دوسرے سے مدد لے رہا ہو تو خود قربانی کے پاس حاضر رہے، حضورؐ کے قول حضرت فاطمہؓ کے لئے کھڑے ہو کر قربانی کو دیکھو اس کے خون کے پہلے ہی قطرے میں تمام گناہ کی معافی ہو جائے گی۔

بِأَوَّلِ قَطْرَةٍ مِنْ دَمِهَا كُلُّ ذَنْبٍ. (۲۵۹)قَالَ وَيُكْرَهُ أَنْ يَذْبَحَهَا الْكِتَابِيُّ لِأَنَّهُ عَمَلٌ هُوَ قُرْبَةٌ وَهُوَ لَيْسَ مِنْ أَهْلِهَا، فَلَوْ أَمَرَهُ فَذَبَحَ جَازَ لِأَنَّهُ مِنْ أَهْلِ الذَّكَاةِ، وَالْقُرْبَةُ أُقِيمَتْ بِإِنَابَتِهِ وَنِيَّتِهِ،

تشریح : اگرخوداچھی طرح ذبح کرسکتا ہوتواپنی قربانی خودذبح کرے۔

وجه :حدیث میں ہے کہ آپؐ نے اپنی قربانی خودذبح کی۔عن انس قال ضحی النبی ﷺ بکبشین املحین فرأیته واضعا قدمه علی صفاحهما یسمی ویکبر فذبحهما بیده ۔(بخاری شریف،باب من ذبح الاضاحی بیده، ص۹۸۸،نمبر ۵۵۵۸/مسلم شریف، باب استحباب استحسان الضحیة وذبحها مباشرة بلا توکیل والتسمیة والتکبیر ،ص۸۷۷،نمبر ۱۹۶۶/۵۰۸۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنے ہاتھ سے ذبح کرے(۲) حضرت موسیٰؓ اپنی لڑکیوں کوخود ذبح کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔و امر ابو موسی بناته ان یضحین بایدیهن (بخاری شریف،باب من ذبح ضحیة غیره،ص۹۸۸، نمبر۵۵۵۹) اس میں ہے کہ حضرت موسیٰؓ لڑکیوں کوذبح کرنے کی ترغیب دیا کرتے تھے .

اورخودقربانی نہ کرسکتا ہوتو قربانی کے سامنے کھڑا رہےاس کے لئے حدیث یہ جسکوصاحب ہدایہ نے ذکرکیا ہے۔عن عمران بن حسین قال قال رسول الله یا فاطمة قومی فاشهدی اضحیتک فانه یغفر لک باول قطرة تقطر من دمها کل ذنب عملتیه (ب)(سنن للبیہقی ،باب مایستحب للمرء من ان یتولی ذبح مسکه اویشهد،ج تاسع ص۴۷۶،نمبر ۱۹۱۶۲/مصنف عبدالرزاق ،باب فضل الضحایا والهدی وهل یذبح المحرم ،ج رابع ،ص ۲۹۸،نمبر۸۱۹۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خودذبح کرے یاذبح کرتے وقت حاضررہے تا کہ گناہ معاف ہو۔

ترجمه :(۲۵۹)مکروہ ہے کتابی اس کوذبح کرے۔

ترجمه :۱؎ اس لئے کہ یہ قربانی کا عمل قربت ہے،اور یہودی قربت کا اہل نہیں ہے،پھربھی اگراس کوحکم دیااوراس نے ذبح کردیاتو جائز ہوجائے گی ،اس لئے کہ وہ ذبح کرنے کا اہل ہے،اورقربت قائم ہوگی اس کو نائب بنانے کی وجہ سےاوراصل مالک کی نیت کی وجہ سے

تشریح : یہوداورنصاری کے لئےقربانی کا جانورذبح کرنامکروہ ہےتاہم ذبح کردیاتوحلال ہوجائے گا۔

وجــــه :(۱)اہل کتاب قربانی کا اہل نہیں ہےاس لئے اس سےقربانی کروانامکروہ ہے،لیکن اگرکردیاتوہوجائے گی،کیونکہ مسلمان نے اس کوحکم دیاہے،اورمسلمان نے قربت کی نیت کی ہےاس لئے جواز کے لئے اصل مالک کی نیت کافی ہے۔(۲) یہودی کی قربانی مکروہ ہےاس کے لئے یہ قول صحابی ہے۔عن ابن عباسؓ انه کره ان یذبح نسیکة المسلم الیهودی والنصرانی. (سنن للبیہقی ،باب النسیکة یذبحها غیر مالکها،ج تاسع ،ص۴۷۸ نمبر۱۹۱۶۷)اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب کی کی ہوئی قربانی مکروہ ہے۔ (۳) اس قول صحابی میں ہے کہ عرب کے نصاری عیسائی نہیں ہیں۔جب صحابہ کے زمانے میں عرب کے نصاری عیسائی نہیں ہیں اور نہ اس کا ذبیحہ حلال ہےتو اس زمانے کے یورپ کے

۲؎ بِخِلَافِ مَا إِذَا أَمَرَ الْمَجُوسِيَّ لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِ الذَّكَاةِ فَكَانَ إِفْسَادًا. (۲۶۰) قَالَ وَإِذَا غَلِطَ رَجُلَانِ فَذَبَحَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أُضْحِيَّةَ الْآخَرِ أَجْزَأَ عَنْهُمَا وَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِمَا ۱؎ وَهَذَا

دہریہ اہل کتاب کیسے ہوگئے اوران کا ذبیحہ کیسے حلال ہوگیا۔قول صحابی یہ ہے۔ان عمر بن الخطابؓ قال ما نصاری العرب باهل کتاب وما تحل لنا ذبائحهم وما انا بتارکهم حتی یسلموا او اضرب اعناقهم . (سنن للبیہقی، باب ذبائح نصاری العرب، ج تاسع ،ص ۴۷۸،نمبر ۱۹۱۶۹)(۴)اور دوسری روایت میں ہے۔عن علی انه قال لا تاکلوا ذبائح نصاری بنی تغلب فانهم لم یستمسکوا من دینهم الا بشرب الخمر ۔(سنن للبیقی ،باب ذبائح نصاری العرب ج تاسع ص ۴۷۸،نمبر ۱۹۱۷۰)اس قول صحابی میں بھی ہے کہ عرب کے عیسائیوں کا دین صرف شراب پینا ہے۔اس لئے ان کا ذبیحہ مکروہ ہے بلکہ ناجائز ہے۔

ترجمہ ۲؎ بخلاف اگر مجوسی کو حکم دیا[تو قربانی نہیں ہوگی]اس لئے کہ وہ ذبح کرنے کا بھی اہل نہیں ہے تو یہ ذبح نہیں ہوگا بلکہ مارنا ہوگا۔

تشریح : مجوسی کو ذبح کرنے کا حکم دیا تو اس سے جانور کی قربانی نہیں ہوگی ، بلکہ جانور مردہ شمار کیا جائے گا، کیونکہ وہ ذبح کرنے کا اہل نہیں ہے۔

ترجمہ :(۲۶۰)اگر غلطی کی دو آدمیوں نے اور ذبح کر دیا ہر ایک نے دوسرے کی قربانی تو دونوں کو کافی ہو جائے گا اور دونوں پر ضمان نہیں ہے۔

تشریح : دو آدمیوں کے جانور تھے دونوں نے غلطی سے اپنے جانور کے بجائے دوسرے کا جانور ذبح کر دیا تو دونوں کی قربانی ادا ہو جائے گی اور کسی پر کسی کا ضمان لازم نہیں ہوگا۔

وجہ:(۱) دونوں نے جانور قربانی ہی کے لئے خریدا ہے اس لئے دونوں کی نیت قربانی کی ہے اور بارہویں تاریخ گزرنے کے بعد قربانی نہیں ہو سکے گی اس لئے دونوں کی دلی تمنا یہ ہے کہ کوئی وقت کے اندر میری قربانی کر دے اس لئے اشارۃ دونوں کی جانب سے قربانی کرنے کی اجازت ہے اس لئے دونوں کی قربانی ہو جائے گی۔اور چونکہ جانور کو مصرف میں خرچ کیا ہے اس لئے کسی پر ضمان لازم نہیں ہوگا (۲) حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ازدواج مطہرات کی اجازت کے بغیر ان کی جانب سے قربانی کی اور ادا بھی ہوگئی۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔عن عائشة قالت ... وضحی رسول الله ﷺ عن نسائه بالبقر. (بخاری شریف، باب من ذبح ضحیة غیرہ ،ص ۹۸۸،نمبر ۵۵۵۹ /مسلم شریف، باب جواز الاشتراک فی الھدی وجزاء البدنة والبقرة کل واحد منھما عن سبعة ،ص ۵۵۳،نمبر ۱۳۱۹/ ۳۱۹۱)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اشارے کے طور پر قربانی کی اجازت ہو اور دوسرے نے بغیر صراحت کی اجازت کے قربانی کر دی تو کافی ہو جائے گی۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اشارہ اور کنایہ کے طور پر اجازت ہو تو بعض موقع پر یہ اجازت بھی کافی ہے۔

اسْتِحْسَانٌ، وَأَصْلُ هَذَا أَنَّ مَنْ ذَبَحَ أُضْحِيَّةَ غَيْرِهِ بِغَيْرِ إِذْنِهِ لا يَحِلُّ لَهُ ذَلِكَ وَهُوَ ضَامِنٌ لِقِيمَتِهَا، وَلا يُجْزِئُهُ مِنَ الْأُضْحِيَّةِ فِي الْقِيَاسِ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ ۲ وَفِي الِاسْتِحْسَانِ يَجُوزُ وَلا ضَمَانَ عَلَى الذَّابِحِ، وَهُوَ قَوْلُنَا. ۳ وَجْهُ الْقِيَاسِ أَنَّهُ ذَبَحَ شَاةَ غَيْرِهِ بِغَيْرِ أَمْرِهِ فَيَضْمَنُ، كَمَا إِذَا ذَبَحَ شَاةً اشْتَرَاهَا الْقَصَّابُ. ۴ وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّهَا تَعَيَّنَتْ لِلذَّبْحِ لِتَعَيُّنِهَا لِلْأُضْحِيَّةِ حَتَّى وَجَبَ عَلَيْهِ أَنْ يُضَحِّيَ بِهَا بِعَيْنِهَا فِي أَيَّامِ النَّحْرِ. وَيُكْرَهُ أَنْ يُبْدِلَ بِهَا غَيْرَهَا فَصَارَ الْمَالُ مُسْتَعِينًا بِكُلِّ مَنْ يَكُونُ أَهْلًا لِلذَّبْحِ آذِنًا لَهُ دَلَالَةً لِأَنَّهَا تَفُوتُ بِمُضِيِّ هَذِهِ الْأَيَّامِ، وَعَسَاهُ يَعْجِزُ عَنْ اقَامَتِهَا بِعَوَارِضَ فَصَارَ كَمَا إِذَا ذَبَحَ شَاةً شَدَّ الْقَصَّابُ رِجْلَهَا، ۵ فَإِنْ قِيلَ: يَفُوتُهُ

لغت: اجزاء : کافی ہوگا۔

ترجمہ : ۱ یہ استحسان کے طور پر ہے، اس کا اصل یہ ہے کہ کسی نے دوسرے کی قربانی بغیر اس کی اجازت کے ذبح کر دیا تو یہ اس کے لئے حلال نہ ہو، اور وہ اس کی قیمت کا ضامن بنے، اور یہ قربانی کے لئے بھی کافی نہ ہو قیاس میں یہی ہے، اور یہی امام زفرؒ کا قول ہے۔

تشریح : قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ دوسرے کا جانور اس کی اجازت کے بغیر ذبح کیا تو یہ قربانی کے لئے کافی نہ ہو، اور جانور کی قیمت بھی دینا پڑے، چنانچہ امام زفرؒ کا یہی قول ہے۔

ترجمہ : ۲ استحسان کے طور پر یہ جائز ہے اور ذبح کرنے والے پر ضمان بھی نہیں ہوگا، اور یہی ہمارا قول ہے۔

تشریح : واضح ہے۔

ترجمہ : ۳ قیاس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے کا جانور بغیر اس کی اجازت کے ذبح کیا اس لئے قیمت کا ضامن ہوگا۔ جیسے کہ قصائی نے بکری خریدی ہو [اور اس کو ذبح کر دے] تو ضامن ہوگا۔

تشریح : قصائی نے قربانی کے لئے بکری نہیں خریدی تھی بلکہ کسی دوسرے موقع پر ذبح کرنے کے لئے بکری خریدی تھی، اور کسی آدمی نے اس کو ذبح کر دیا تو وہ اس بکری کا ضامن ہوگا، اسی طرح یہاں بھی قیاس کا تقاضہ ہے کہ بکری کا ضامن ہو جائے

ترجمہ : ۴ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ یہ بکری ذبح کے لئے متعین ہے، کیونکہ یہ قربانی کے لئے متعین ہے، چنانچہ مالک پر واجب ہے کہ ایام نحر میں اسی بکری کو ذبح کرے اور اس کے بدلے میں دوسرا بدلنا مکروہ ہے، پس ہر وہ آدمی جو ذبح کرنے کا اہل ہے وہ اس مالک کی مدد کر رہا ہے، اور دلالت کے طور پر اس کی اجازت بھی ہے، اس لئے کہ ان دنوں کے گزرنے سے قربانی فوت ہو جائے گی، اور ہو سکتا ہے کسی عارض سے قربانی نہ کر پائے، تو ایسا ہو گیا کہ قصائی نے بکری کا پاؤں باندھا ہو [اور کسی نے اس کو ذبح کر دیا ہو تو یہ قصائی کی مدد ہے ایسے ہی یہاں مالک کی مدد ہے اس لئے جائز ہوگا]

أَمْرٌ مُسْتَحَبٌّ وَهُوَ أَنْ يَذْبَحَهَا بِنَفْسِهِ أَوْ يَشْهَدَ الذَّبْحَ فَلَا يَرْضَى بِهِ. قُلْنَا: يَحْصُلُ لَهُ بِهِ مُسْتَحَبَّانِ آخَرَانِ، صَيْرُورَتُهُ مُضَحِّيًا لِمَا عَيَّنَهُ، وَكَوْنُهُ مُعَجِّلًا بِهِ فَيَرْتَضِيهِ، ٦ وَلِعُلَمَائِنَا - رَحِمَهُمُ اللّٰهُ - مِنْ هَذَا الْجِنْسِ مَسَائِلُ اسْتِحْسَانِيَّةٌ،[ا] وَهِيَ أَنَّ مَنْ طَبَخَ لَحْمَ غَيْرِهِ[۲] أَوْ طَحَنَ حِنْطَتَهُ[۳] أَوْ رَفَعَ جَرَّتَهُ فَانْكَسَرَتْ[۴] أَوْ حَمَّلَ عَلَى دَابَّتِهِ فَعَطِبَتْ كُلُّ ذَلِكَ بِغَيْرِ أَمْرِ الْمَالِكِ يَكُونُ ضَامِنًا، [ا]وَلَوْ وَضَعَ الْمَالِكُ اللَّحْمَ فِي الْقِدْرِ وَالْقِدْرَ عَلَى الْكَانُونِ وَالْحَطَبَ تَحْتَهُ، [۲]أَوْ جَعَلَ الْحِنْطَةَ فِي الدَّوْرَقِ وَرَبَطَ الدَّابَّةَ عَلَيْهِ،[۳] أَوْ رَفَعَ الْجَرَّةَ وَأَمَالَهَا إِلَى نَفْسِهِ[۴] أَوْ حَمَّلَ عَلَى دَابَّتِهِ فَسَقَطَ فِي الطَّرِيقِ، فَأَوْقَدَ هُوَ النَّارَ فِيهِ وَطَبَخَهُ، أَوْ

تشریح: استحسان کی وجہ یہ ہے کہ یہ بکری قربانی کے لئے متعین ہے، اوراس کا بدلنا مکروہ ہے اور ایام نحر کے فوت ہونے سے قربانی فوت ہوجائے گی، اس لئے دلالت کے طور پر سمجھا جائے گا کہ قربانی کرنے کی اجازت ہے، اب جس نے قربانی کی اس نے گویا کہ اس کی مدد کی اس لئے یہ قربانی جائز ہوگی ،اس کی مثال یہ ہے کہ قصائی نے بکری کی ٹانگ باندھ کر لٹا ہوا تھا اور کسی نے ذبح کردی تو گویا کہ قصائی کی مدد کی، اسی طرح یہاں گویا کہ مالک کی مدد کی ہے اس لئے قربانی بھی ہوجائے گی، اوراس پر ضمان بھی نہیں لازم ہوگا۔

ترجمہ: ۵ پس اگر یہ کہیں کہ ایک مستحب امر چھوٹ گیا، وہ یہ کہ خود ذبح کرے، یا ذبح کے وقت حاضر ہو، تو مالک اس مستحب امر کے چھوڑنے پر راضی نہیں ہوگا، ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ دوسرا دو مستحب حاصل ہوگئے [۱] ایک یہ کہ جس کو قربانی کے لئے متعین کیا وہی قربان ہوئی، [۲] اور دوسرا یہ کہ جلدی قربانی ہوئی اس لئے مالک اس سے راضی ہوگا۔

تشریح: یہ اعتراض کرے کہ ایک مستحب امر چھوٹ گیا، کہ خود قربانی نہیں کی، یا قربانی کے وقت خود حاضر نہیں رہا، تو مالک اس سے کیسے راضی ہوگا ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دوسرا دو امر مستحب مل رہا ہے اس لئے مالک اس سے راضی ہوجائے گا، ایک تو یہ کہ جس جانور کو قربانی کے لئے متعین کیا ہے وہی قربان ہوا، اور دوسرا یہ کہ جلدی قربانی ہوگئی، ان دونوں مستحب کی وجہ سے مالک اس قربانی کرنے پر راضی ہوجائے گا۔

ترجمہ: ٦ ہمارے علماء کا اس قسم کے چار مسئلے استحسانیہ ہیں۔

[۱] دوسرے کے گوشت کو پکا دیا

[۲] دوسرے کے گیہوں کو پیس دیا

[۳] دوسرے کے مٹکے کو اٹھایا اور وہ ٹوٹ گیا

[۴] دوسرے کے گھوڑے پر سامان لادا اور وہ ہلاک ہوگیا

سَاقَ الدَّابَّةَ فَطَحَنَهَا، أَوْ أَعَانَهُ عَلَى رَفْعِ الْجَرَّةِ فَانْكَسَرَتْ فِيمَا بَيْنَهُمَا، أَوْ حَمَّلَ عَلَى دَابَّتِهِ مَا سَقَطَ فَعَطِبَتْ لَا يَكُونُ ضَامِنًا فِي هَذِهِ الصُّوَرِ اسْتِحْسَانًا لِوُجُودِ الْإِذْنِ دَلَالَةً. ے إِذَا ثَبَتَ هَذَا فَنَقُولُ فِي مَسْأَلَةِ الْكِتَابِ: ذَبَحَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أُضْحِيَّةَ غَيْرِهِ بِغَيْرِ إِذْنِهِ صَرِيحًا فَهِيَ خِلَافِيَّةُ زُفَرَ بِعَيْنِهَا وَيَتَأَتَّى فِيهَا الْقِيَاسُ وَالِاسْتِحْسَانُ كَمَا ذَكَرْنَا،

اور یہ تمام مالک کی اجازت کے بغیر ہے تو ضامن ہوگا

تفصیل یہ ھے

[۱] اور اگر مالک نے گوشت ہانڈی میں رکھا اور ہانڈی چولھے پر تھی، اور لکڑی چولھے کے نیچے تھی پس کسی نے آگ جلا کر گوشت پکا دیا

[۲] اور اگر گیہوں کو ڈلیئے [دورق] میں رکھا اور چوپائے کو دورق سے باندھ دیا، پس کسی نے چوپائے کو ہانک دیا اور گیہوں پیس دیا

[۳] مٹکے کو اٹھانے کے لئے مالک نے اپنی طرف جھکایا، پس کسی نے مٹکا اٹھانے میں مدد کی اور دونوں کے درمیان مٹکا ٹوٹ گیا۔

[۴] اور چوپائے پر بوجھ لادا اور وہ بوجھ راستے میں گر گیا، پس کسی نے گرے ہوئے بوجھ کو گھوڑے پر لاد دیا جس سے گھوڑا ہلاک ہو گیا تو

ان چاروں صورتوں میں استحسانا ضامن نہیں ہوگا کیونکہ مالک اس انداز میں ہے کہ کوئی اس کام کو کر دے اس لئے مالک کی جانب سے دلالت کے طور پر اجازت موجود ہے، اس لئے مدد کرنے والا ضامن نہیں ہوگا، اسی طرح قربانی کا جانور تیار ہونے کے بعد جب قربانی کا وقت آ گیا تو مالک چاہتا ہے کہ کوئی میرے جانور کو قربان کر دے اس لئے قربانی کر دیا تو وہ ضامن نہیں ہوگا، بلکہ مالک خوش ہوگا کہ میری قربانی وقت پر کر دیا۔

لغت: طحن: آٹا پیسنا۔ جرۃ: مٹکا۔ انکسرت: ٹوٹ گیا۔ عطب: ہلاک ہو گیا، اپاہج ہو گیا۔ قدر: ہانڈی۔ کانون: چولھا۔ حطب: اندھن، لکڑی۔ دورق: وہ برتن جس میں گیہوں پیسنے کے لئے رکھتے ہیں، ڈلیا۔ ربط الدابۃ: پچھلے زمانے میں چوپائے سے آٹا پیستے تھے، بجلی کی مشین نہیں ہوتی تھی۔ امال: مائل کیا۔ اوقد: روشن کیا، جلایا۔ ساق: ہانکا۔ طحن: پیس دیا،

تشریح: اوپر کی چاروں صورتوں میں اجازت کی شکل نہیں تھی اس لئے کام کرنے والا ہلاکت کا ضامن ہوگا۔ اور نیچے کی چاروں صورتوں میں مالک چاہتا ہے کہ کوئی میری مدد کرے، اس لئے دلالت کے طور پر اجازت ہے اس لئے کسی نے وہ کام کر دیا، اور اس کی وجہ سے نقصان بھی ہوا لیکن دلالت کے طور پر اجازت ہے اس لئے کام کرنے والا ضامن نہیں ہوگا۔

۸؎ فَيَأْخُذُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنهُمَا مَسْلُوخَةً مِنْ صَاحِبِهِ، وَلَا يُضَمِّنُهُ لِأَنَّهُ وَكِيلُهُ فِيمَا فَعَلَ دَلَالَةً، ۹؎ فَإِذَا كَانَا قَدْ أَكَلَا ثُمَّ عَلِمَا فَلْيُحَالِلْ كُلُّ وَاحِدٍ مِنهُمَا صَاحِبَهُ وَيُجْزِيهِمَا، لِأَنَّهُ لَوْ أَطْعَمَهُ فِي الِابْتِدَاءِ يَجُوزُ، وَإِنْ كَانَ غَنِيًّا فَكَذَا لَهُ أَنْ يُحَلِّلَهُ فِي الِانْتِهَاءِ ۱۰؎ وَإِنْ، تَشَاحَا فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنهُمَا أَنْ يُضَمِّنَ صَاحِبَهُ قِيمَةَ لَحمِهِ ثُمَّ يَتَصَدَّقُ بِتِلْكَ الْقِيمَةِ لِأَنَّهَا بَدَلٌ عَنْ اللَّحْمِ فَصَارَ كَمَا لَوْ بَاعَ أُضْحِيَّتَهُ، وَهَذَا لِأَنَّ التَّضْحِيَةَ لَمَّا وَقَعَتْ عَنْ صَاحِبِهِ كَانَ اللَّحْمُ لَهُ وَمَنْ أَتْلَفَ لَحْمَ أُضْحِيَّةِ غَيْرِهِ كَانَ الْحُكْمُ مَا ذَكَرْنَاهُ (۲٦۱)وَمَنْ غَصَبَ شَاةً فَضَحَّى بِهَا ضَمِنَ قِيمَتَهَا

ترجمہ :ے جب یہ بات ثابت ہوگئی تو ہم کتاب کے مسئلے میں کہیں گے ہر ایک نے دوسرے کی قربانی اس کی صراحۃ اجازت کے بغیر کی، تو یہ زفرؒ کا اختلافی مسئلہ ہے اس میں قیاس اور استحسان دونوں آئیں گے، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔

تشریح : جب اوپر کے چاروں مسئلے سمجھ گئے تو متن کا مسئلہ بھی اسی طرح ہے کہ صراحت کے ساتھ اجازت نہیں ہے، لیکن دلالت کے ساتھ اجازت ہے، اس لئے قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ ضامن بنے جیسا کہ امام زفرؒ نے فرمایا، لیکن استحسان کے طور پر ضامن نہیں بنے گا۔ بلکہ ہر ایک کی قربانی ادا ہو جائے گی۔

ترجمہ :۸؎ دونوں ایک دوسرے کی بکری چمڑا اتارا ہوا لے گا، جس سے لئے کہ جو کچھ کیا اس میں دلالت کے طور دوسرے کا وکیل ہیں

تشریح : ذبح کرنے کے بعد دونوں نے چمڑا اتار دیا تھا تو چمڑا اتارا ہوا ہی اپنی اپنی بکری لیگا، اس لئے کہ یہ سب کرنے میں ہر ایک دوسرے کا دلالۃ وکیل ہے۔

لغت:مسلوخۃ: سلخ سے مشتق ہے، چمڑا اتارنا۔

ترجمہ :۹؎ اور دونوں نے کھالیا پھر جانا تو ایک دوسرے کو حلال کردے، اور یہ کافی ہو جائے گا، اس لئے کہ اگر شروع میں کھلا دیتا تو جائز تھا چاہے مالدار ہو تو بعد میں حلال کردے تب بھی جائز ہو جائے گا۔

تشریح : واضح ہے۔

ترجمہ :۱۰؎ اور اگر دونوں جھگڑ پڑے تو دونوں ایک دوسرے کے گوشت کی قیمت کا ضامن بنے گا، پھر اس قیمت کو صدقہ کردے، اس لئے کہ یہ گوشت کا بدلہ ہے، تو ایسا ہوا کہ قربانی کا گوشت بیچ دیا ہو، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ساتھی کی جانب سے قربانی ہوئی تو گوشت ساتھی کا ہوا، اور دوسرے قربانی ضائع کردے تو اس کا حکم یہی ہے جو ہم نے ذکر کیا۔

تشریح : دونوں آپس میں جھگڑ پڑے، تو یوں کہا جائے گا ہر ایک دوسرے کی بکری کی قیمت ادا کرے، کیونکہ ہر ایک نے دوسرے کی بکری ذبح کی ہے، اور جب یہ قیمت آگئی تو یہ قربانی کی قیمت ہے اس لئے اس کو صدقہ کرے گا، جیسے قربانی کا

وَجَازَ عَنْ أُضْحِيَّتِهِ لِ لِأَنَّـهُ مَـلَـكَهَـا بِسَابِقِ الْغَصْبِ، بِخِلَافِ مَا لَوْ أُودِعَ شَاةً فَضَحَّى بِهَا لِأَنَّهُ يُضَمِّنُهُ بِالذَّبْحِ فَلَمْ يَثْبُتُ الْمِلْکُ لَهُ إِلَّا بَعْدَ الذَّبْحِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ

گوشت، اور کھال بیچتا تو اس قیمت کو صدقہ کرتا تو یہ بھی صدقہ کرے گا۔

لغت : تشاحا: شح سے مشتق ہے، بخالت کرنا، یہاں مراد ہے کہ ایک دوسرے کو حلال کرنے میں بخالت کی اور الجھ پڑے۔

ترجمہ : (۲۶۱) کسی نے دوسرے کی بکری غصب کی اور اس کی قربانی کر دی اور اس کی قیمت کا ضامن بنا دیا تو اس کی قربانی جائز ہے۔

ترجمہ : ل اس لئے کہ پہلے غصب سے یہ مالک مالک بن گیا، بخلاف اگر بکری امانت رکھی اور اس کو قربانی کر دی [تو قربانی نہیں ہوگی] اس لئے کہ ذبح کے وقت بکری کا مالک ہو اس لئے ذبح کے بعد ہی ملکیت ثابت ہوئی۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ قربانی کرنے سے پہلے بکری کا مالک بنا تو قربانی جائز ہے، اور قربانی کرنے کی وجہ سے مالک بنا تو یہ ملکیت قربانی کرنے کے بعد ہوگی اس لئے قربانی جائز نہیں۔

تشریح : مثلا بدھ کے روز بکری کو غصب کیا اور جمعرات کو قربانی کی پھر اس کا ضمان دے دیا تو یہ قربانی ہوگئی، کیونکہ جب ضمان دیا تو جس دن غصب کیا ہے اسی دن ملکیت ثابت ہوئی یعنی بدھ کے دن ہی بکری کا مالک بن گیا، اور اس کے بعد جمعرات کے دن قربانی کی اس لئے قربانی درست ہوگی۔ کیونکہ غصب ضمان دینے کے بعد ملکیت کا سبب ہے۔

اور اگر یہ بکری امانت کی ہو اور ذبح کر دے پھر ضمان دے تو اب ذبح کرنے کی وجہ سے ملکیت ثابت ہوئی، اور ذبح کرنے کے بعد بکری کی ملکیت ہوئی اس لئے یہ قربانی نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

﴿كِتَابُ الْكَرَاهِيَةِ﴾

[۱] قَالَ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ -: تَكَلَّمُوا فِي مَعْنَى الْمَكْرُوهِ. وَالْمَرْوِيُّ عَنْ مُحَمَّدٍ نَصًّا أَنَّ كُلَّ مَكْرُوهٍ حَرَامٌ، إلَّا أَنَّهُ لَمَّا لَمْ يَجِدْ فِيهِ نَصًّا قَاطِعًا لَمْ يُطْلِقْ عَلَيْهِ لَفْظَ الْحَرَامِ. وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ إلَى الْحَرَامِ أَقْرَبُ، وَهُوَ يَشْتَمِلُ عَلَى فُصُولٍ مِنْهَا.

﴿کتاب الکراھیة﴾

ترجمه :[۱] مصنفؒ فرماتے ہیں کہ مکروہ کے معنی میں علماء نے بات کی ہے، اور امام محمد نصا یہ منقول ہے کہ ہر مکروہ حرام ہے مگر اس میں کوئی نص قطعی نہیں ہے اس لئے اس پر حرام کا لفظ نہیں بولا۔

تشریح :مکروہ کا مطلب کیا ہے اس کے بارے میں علماء میں اختلاف رہا ہے، فرماتے ہیں کہ امام محمد سے روایت ہے کہ انہوں کتاب میں جہاں جہاں مکروہ کا لفظ استعمال کیا ہے اس سے حرام مراد ہے، لیکن چونکہ اس میں نص قطعی نہیں ملا اس لئے اس کو مکروہ کہہ دیا، اس پر حرام کا لفظ استعمال نہیں کیا۔

ترجمه : [۲] اور امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ سے روایت یہ ہے کہ مکروہ کا لفظ حرام کے قریب قریب ہے، اور اس میں چند فصلیں ہیں۔

نوٹ :مکروہ کا لفظ ہر جگہ حرام نہیں ہے بلکہ اس سے مکروہ تنزیہی بھی مراد ہوتی ہے، ہاں حدیث اور قرآن سے حرمت کے دلائل موجود ہوں تب وہ حرام یا مکروہ تحریمی ہوگا۔

﴿فَصلٌ فِيْ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ﴾

(۲۶۲)قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ - رَحِمَهُ اللَّهُ -: يُكْرَهُ لُحُومُ الْأُتُنِ وَأَلْبَانُهَا وَأَبْوَالُ الْإِبِلِ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ: لَا بَأْسَ بِأَبْوَالِ الْإِبِلِ لِ وَتَأْوِيلُ قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِهَا لِلتَّدَاوِي، وَقَدْ بَيَّنَّا هَذِهِ الْجُمْلَةَ فِيمَا تَقَدَّمَ فِي الصَّلَاةِ وَالذَّبَائِحِ فَلَا نُعِيدُهَا، وَاللَّبَنُ مُتَوَلِّدٌ مِنْ اللَّحْمِ

﴿فصل فی الاکل و الشرب﴾

ترجمہ : (۲۶۲)امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ گدھی کا گوشت اوراس کا دودھ مکروہ ہے،اوراونٹ کا پیشاب بھی،اورامام ابو یوسفؒ اورامام محمدؒ نے فرمایا کہ کوئی حرج کی بات نہیں ہے اونٹ کے پیشاب میں۔

تشریح : پہلے گزر چکا ہے کہ گدھے کا گوشت مکروہ ہے اور دودھ گوشت سے پیدا ہوتا ہے اس لئے اس کا دودھ بھی مکروہ ہوگا۔اوراونٹ کے پیشاب کے بارے میں پہلے گزر چکا ہے کہ وہ ناپاک ہے،اس لئے اس کا پینا بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہوگا۔

وجہ :(۱)عن ابن عمرؓ نهى النبى ﷺ عن لحوم الحمر الاهلية يوم خيبر . (بخاری شریف،باب لحوم الحمر الانسیۃ ص ۸۲۹ نمبر ۵۵۲۱/مسلم شریف، باب تحریم اکل لحم الحمر الانسیۃ ص ۱۴۹،نمبر ۱۹۳۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھریلو گدھے کا گوشت حلال نہیں ہے۔ جب گوشت حلال نہیں تو دودھ گوشت سے پیدا ہوتا ہے اس لئے اس کا دودھ بھی حلال نہیں ہوگا۔(۲) دوسری حدیث میں بھی ہے۔ عن علیؓ قال نهى رسول الله عن المتعةعام خيبر و لحوم حمر الانسية(بخاری شریف،باب لحوم الحمر الانسیۃ ص ۸۲۹ نمبر ۵۵۲۳)

ترجمہ : ل امام ابو یوسفؒ کے قول کی تاویل یہ ہے کہ دوا میں استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے،اوراس مسئلے کو پہلے کتاب الصلوۃ،اور کتاب الذبائح میں ذکر کیا اس لئے اس کو دوبارہ ذکر نہیں کروں گا۔

تشریح : دو قسم کی احادیث ہیں،ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پیشاب ہر حال میں ناپاک ہے،اور دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دوائی کے لئے اس کا استعمال جائز ہے۔اس لئے یہی کہا جائے گا کہ صاحبینؒ کے یہاں دوائی کے لئے استعمال کی گنجائش ہے

وجہ:(۱)عن انس ان ناسا من عرينة قدموا المدينة فاجتووها فبعثهم رسول الله ﷺ فى ابل الصدقة وقال اشربوا من البانها و ابوالها ۔(ترمذی شریف،باب ماجاء فی بول مایؤکل لحمہ ص ۲۱ نمبر ۷۲) آپؐ نے اہل عرینہ کو اونٹ کا پیشاب پینے کا حکم دیا۔وہ پاک ہوگا تب ہی تو پیشاب پینے کا حکم دیا ہوگا؟ (۲)عن البراء قال قال رسول الله ﷺ لا بأس ببول ما اكل لحمه۔(دار قطنی ،باب نجاسۃ البول والامر بالتنزہ منہ والحکم فی بول مایؤکل لحمہ ص ۱۳۵ نمبر

فَأَخَذَ حُكْمَهُ. (۲۶۳)قَالَ وَلَا يَجُوزُ الْأَكْلُ وَالشُّرْبُ وَالِادِّهَانُ وَالتَّطَيُّبُ فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ ۱؎ لِقَوْلِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - فِي الَّذِي يَشْرَبُ فِي اناءِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ انَّمَا يُجَرْجِرُ فِي بَطْنِهِ نَارَ جَهَنَّمَ وَأُتِيَ أَبُو هُرَيْرَةَ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - بِشَرَابٍ فِي إنَاءِ فِضَّةٍ فَلَمْ يَقْبَلْهُ وَقَالَ: نَهَانَا عَنْهُ رَسُولُ اللّٰهِ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - ، وَإِذَا ثَبَتَ هَذَا

۴۵۴)اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مأ کول اللحم کا پیشاب پاک ہے۔

وجه :پیشاب کے ناپاک ہونے کی دلیل (۱)عن ابن عباس... فقال النبی ﷺ یعذبان و ما یعذبان فی کبیر ثم قال بلی کان احدھما لا یستتر من بوله و کان الآخر یمشی بالنمیمة ۔(بخاری شریف،باب من الکبائر ان لا یستتر من بولہ ص ۳۵ نمبر ۲۲۶ رترمذی شریف، باب التشدید فی البول ص ۱۳ نمبر ۷۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی بھی پیشاب لگنا گناہ کبیرہ ہے۔اس لئے وہ ناپاک ہے(۲) عن انس قال قال رسول الله ﷺ تنزھوا من البول فان عامة عذاب القبر منه ۔(دار قطنی ، باب نجاسۃ البول والامر بالتنزہ منہ ج اول ص ۱۳۵ نمبر ۴۵۳)یہ دونوں قسم کی احادیث مأ کول اللحم کے بارے میں ہیں۔اس لئے اس کے پیشاب کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہو گیا۔

نوٹ :امام ابوحنیفہؒ کے یہاں یہ ہے کہ ایسی مجبوری ہو کہ اس پیشاب کے علاوہ کوئی دوائی نہ ہو،اور ڈاکٹر یہ کہے کہ اس سے بیماری ٹھیک ہو جائے گی،تو ایسی مجبوری میں اونٹ کا پیشاب پینا بقدر ضرورت جائز ہے۔

ترجمه : ۲؎ :اور دودھ گوشت سے پیدا ہوتا ہے اس لئے جو حکم گوشت کا ہے وہی حکم اس کے دودھ کا ہے۔

ترجمه : (۲۶۳)نہیں جائز ہے کھانا، پینا، تیل لگانا اور خوشبو لگانا سونے اور چاندی کے برتن میں مردوں کے لئے اور عورتوں کے لئے۔

ترجمه : ۱؎ حضورؐ کے قول کی وجہ سے جو سونے اور چاندی کے برتن میں پیئے گا وہ جہنم کی آگ کو پیٹ میں ڈال رہا ہے،اور حضرت ابو ہریرہؓ کو چاندی کے برتن میں پانی دیا گیا تو اس نے اس کو قبول نہیں کیا،اور فرمایا کہ حضورؐ نے ہم کو اس سے منع فرمایا ہے۔،اور جب یہ پینے کے بارے میں ثابت ہوا تو تیل لگانے کے بارے میں بھی یہی بات ہوگی،اس لئے کہ تیل لگانا پینے کے معنی میں ہے۔

تشریح : عورتوں کے لئے سونے چاندی کا زیور استعمال کرنا تو جائز ہے لیکن سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا، پینا، تیل لگانا اور خوشبو لگانا نہ مرد کے لئے جائز ہے اور نہ عورت کے لئے جائز ہے۔

وجه :(۱)اس کی اجازت دے دی جائے تو غریبوں سے مال وصول کرنے کے لئے ظلم کریں گے اور غریبوں کی زندگی اجیرن کر دیں گے اس لئے سونے چاندی کے برتنوں کو استعمال کرنا حرام قرار دیا (۲)اس حدیث میں ہے جسکو صاحب ہدایہ نے

فِيْ الشُّرْبِ فَكَذَا فِيْ الِادِّهَانِ وَنَحْوِهِ؛ لِأَنَّهُ فِيْ مَعْنَاهُ ۲؎ وَلِأَنَّهُ تَشَبُّهٌ بِزِيِّ الْمُشْرِكِينَ وَتَنَعُّمٌ بِتَنَعُّمِ الْمُتْرَفِينَ وَالْمُسْرِفِينَ، ۳؎ وَقَالَ فِيْ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: يُكْرَهُ وَمُرَادُهُ التَّحْرِيمُ وَيَسْتَوِي فِيهِ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ لِعُمُومِ النَّهْيِ، ۴؎ وَكَذَلِكَ الْأَكْلُ بِمِلْعَقَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالِاكْتِحَالُ بِمِيلِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَكَذَا مَا أَشْبَهَ ذَلِكَ كَالْمُكْحُلَةِ وَالْمِرْآةِ وَغَيْرِهِمَا لِمَا

ذکرکیا۔عن ام سلمۃؓ زوج النبی ؐان رسول اللہ ﷺ قال الذی یشرب فی اناء الفضۃ انما یجرجر فی بطنہ نار جھنم۔(بخاری شریف، باب آنیۃ الفضۃ ،ص۹۸۱،نمبر۵۶۳۴/مسلم شریف، باب تحریم استعمال اناء الذھب والفضۃ الخ ،ص۱۸۸،نمبر۲۰۶۷) اس حدیث میں مرد اور عورت دونوں کو سونے اور چاندی کے برتن میں کھانے پینے سے منع فرمایا ہے۔(۳) صاحب ہدایہ کی دوسری حدیث یہ ہے۔حدثنی عبد الرحمن بن ابی لیلی انھم کانو عند حذیفۃ فاستسقی فسقاہ مجوسی فلما وضع القدح فی یدہ رماہ بہ ، و قال لو لا انی نھیتہ غیر مرۃ و لا مرتین کانہ یقول لم افعل ھذا و لکنی سمعت النبی ﷺ یقول لا تلبسوا الحریر و لا الدیباج ولا تشربوا فی آنیۃ الذھب و الفضۃ و لا تأکلوا فی صحافھا فانھا لھم فی الدنیا و لنا فی آخرۃ ۔(بخاری شریف، باب الاکل فی اناء مفضض ،ص۹۶۸،نمبر۵۴۲۶)

لغت: الادھان : دہن سے مشتق ہے تیل لگانا، التطیب : طیب سے مشتق ہے خوشبو لگانا، آنیۃ : برتن۔

ترجمہ : ۲؎ اور اس لئے کہ مشرکین کے ہیئت کے مشابہ ہے، اور عیش مارنے اور فضول خرچی کرنے والوں کے مشابہ ہے

لغت :زی: ہیئت: مترف: ترف سے مشتق ہے نعمت میں اترانے والے عیش کرنے والے ۔مسرف: سرف سے مشتق ہے ،فضول خرچی کرنے والے۔

ترجمہ : ۳؎ جامع صغیر میں کہا کہ ،مکروہ ہے، اس کا مطلب ہے کہ مکروہ تحریمی ہے، اور اس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں اس لئے کہ حدیث کی نہی عام ہے۔

تشریح : جامع صغیر میں ہے کہ مکروہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مکروہ تحریمی ہے۔ جامع صغیر کی عبارت یہ ہے۔یکرہ الاکل و الشرب و الادھان فی آنیۃ الذھب و الفضۃ۔(جامع صغیر، باب الکراہیۃ ،ص۴۷۵) اس میں کراہیت سے مراد مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ حدیث میں سختی سے اس کی ممانعت ہے۔

ترجمہ : ۴؎ اور ایسے ہی سونے اور چاندی کی چمچی سے کھانا، اور سونے اور چاندی کے سرمے سے سرمہ لگانا۔ اور ایسے ہی جو اس کے مشابہ ہے، جیسے سرمہ دانی، اور آئینہ، اور اس کے علاوہ، اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کیا۔

لغت :ملعقۃ: چمچی۔ اکتحال: سرمہ لگانا۔میل: سلائی جس سے سرمہ لگاتے ہیں۔مکحلۃ: کحل، سے مشتق ہے، سرمہ رکھنے کا

ذَكَرْنَا. (۲۶۴)قَالَ وَلَا بَأْسَ بِاسْتِعْمَالِ آنِيَةِ الرَّصَاصِ وَالزُّجَاجِ وَالْبِلَّوْرِ وَالْعَقِيقِ ا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يُكْرَهُ لِأَنَّهُ فِيْ مَعْنَى الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ فِيْ التَّفَاخُرِ بِهِ. قُلْنَا: لَيْسَ كَذَلِكَ؛ لِأَنَّهُ مَا

برتن۔سرمہ دانی۔مرأۃ: آئینہ۔

تشریح : یہ سب چیزیں سونے اور چاندی کے ہوں تو اس کو مرد اور عورت دونوں کے لئے استعمال کرنا حرام ہے۔

ترجمہ :(۲۶۴) کوئی حرج نہیں کانچ ،رانگ ،بلور اور سرخ مہروں کے برتن استعمال کرنے میں۔

وجہ :(۱) حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے پیتل کے برتن میں وضو اور غسل فرمایا ہے۔اور کانچ ،رانگ ،،بلور اور مہرے پیتل ہی کی طرح ہیں۔اس لئے ان کے برتنوں کو استعمال کرنا جائز ہوگا۔(۲) حدیث یہ ہے۔ان عائشةؓ قالت کنت اغتسل انا ورسول اللہ ﷺ فی تور من شبة (۳) دوسری روایت میں ہے۔ عن عبد اللہ بن زید قال جاء نا رسول اللہ ﷺ فاخرجنا له ماء فی تور من صفر فتوضاء)(ابوداؤد شریف، باب الوضوء فی آنیۃ الصفر ،ص ۲۵،نمبر ۹۸/۱۰۰/ بخاری شریف، باب الغسل والوضوء فی المخضب والقدح والخشب والحجارۃ ،ص ۳۸،نمبر ۱۹۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پیتل کے برتن کو استعمال کرنا جائز ہے۔(۴) اور پتھر کے برتن کو استعمال کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن انسؓ قال حضرت الصلواة ... فاتی رسول اللہ بمخضب من حجارة فیه ماء فصغر المخضب ان یبسط فیه کفه (بخاری شریف، باب الغسل والوضوء فی المخضب والقدح والخشب والحجارۃ ،ص ۳۸،نمبر ۱۹۵)اس حدیث میں ہے کہ پتھر کا لگن وضوء کے لئے استعمال کیا۔اور مہرہ اور بلور پتھر کی جنس میں سے ہیں اس لئے ان کے برتنوں کا استعمال کرنا جائز ہوگا۔

لغت :زجاج : کانچ، رصاص : رانگ، بلور : ایک قسم کا شیشہ،سفید شفاف جوہر، عقیق : سرخ مہرے، یہ ایک قسم کا پتھر ہوتا ہے۔

ترجمہ : ا امام شافعیؒ نے فرمایا کہ کانچ وغیرہ کے برتن کو استعمال کرنا مکروہ ہے،اس لئے کہ تفاخر کرنے میں یہ سونے چاندی کی طرح ہیں۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے اس لئے کہ مشرکین میں سونے اور چاندی کے علاوہ سے تفاخر کی عادت نہیں ہے۔

تشریح : امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ بلور وغیر کے برتن کو استعمال کرنا بھی مکروہ ،انکی دلیل یہ ہے کہ مشرکین ان چیزوں سے بھی تفاخر کرتے ہیں۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ مشرکین کی یہ عادت نہیں ہے کہ سونے اور چاندی کے علاوہ سے تفاخر کریں،اس لئے ان چیزوں کو استعمال کرنا جائز ہے۔

ترجمہ : (۲۶۵) جائز ہے چاندی چڑھے برتن میں پینا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک،اور جائز ہے چاندی چڑھے زین پر سوار ہونا،اور چاندی چڑھے کرسی پر بیٹھنا،اور چاندی چڑھے تخت پر بیٹھنا،جبکہ چاندی کی جگہ سے بچتا ہو۔

كَانَ مِنْ عَادَتِهِمُ التَّفَاخُرُ بِغَيْرِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ. (۲۶۵)قَالَ وَيَجُوزُ الشُّرْبُ فِي الْإِنَاءِ الْمُفَضَّضِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَالرُّكُوبُ عَلَى السَّرْجِ الْمُفَضَّضِ وَالْجُلُوسُ عَلَى الْكُرْسِيِّ الْمُفَضَّضِ وَالسَّرِيرِ الْمُفَضَّضِ إِذَا كَانَ يَتَّقِي مَوْضِعَ الْفِضَّةِ ١ وَمَعْنَاهُ: يَتَّقِي مَوْضِعَ الْفَمِ، وَقِيلَ هَذَا وَمَوْضِعُ الْيَدِ فِي الْأَخْذِ وَفِي السَّرِيرِ وَالسَّرْجِ مَوْضِعُ الْجُلُوسِ. ٢ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: يُكْرَهُ ذَلِكَ، وَقَوْلُ مُحَمَّدٍ يُرْوَى مَعَ أَبِي حَنِيفَةَ وَيُرْوَى مَعَ أَبِي يُوسُفَ،

تشریح : چیز چاندی کی نہ ہولیکن کہیں کہیں چاندی لگی ہوئی ہوتو اس کا استعمال کرنا جائز ہے۔ مثلا برتن میں کہیں کہیں چاندی لگی ہوئی ہے یا تخت پر کہیں کہیں چاندی لگی ہوئی ہے یا گھوڑے کی زین پر چاندی لگی ہوئی ہے تو ان کا استعمال کرنا جائز ہے۔ اور اتنی سی چاندی درست ہے۔ البتہ جہاں چاندی لگی ہوئی ہے اس جگہ سے بچے وہاں اپنا ہاتھ یا سرین نہ رکھے۔

وجہ :(۱) حدیث میں ہے کہ حضورؐ کا ٹوٹا ہوا پیالہ چاندی سے باندھا ہوا تھا۔ حضورؐ کی تلوار کے دستے پر چاندی تھی۔ حدیث یہ ہے۔ عن عاصم الاحول قال رأيت قدح النبى ﷺ عند انسؓ بن مالک و کان قد انصدع فسلسله بفضة ،قال وهو قدح جيد عريض من نضار ،قال قال انسؓ لقد سقيت رسول الله ﷺ فى هذا القدح اكثر من كذا و كذا. (بخاری شریف، باب الشرب من قدح النبی ﷺ وانیتہ ،ص ۹۹۸ ،نمبر ۵۶۳۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ برتن کو چاندی سے باندھا ہو تو اس کو استعمال کرنا جائز ہے۔ (۲) ابوداؤد شریف میں ہے۔ عن انسؓ قال كانت قبيعة سيف رسول الله ﷺ فضة (ابوداؤد شریف، باب فی السیف یحلی ،ص ۳۷۴ ،نمبر ۲۵۸۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کی تلوار کے دستے میں چاندی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ زین وغیرہ پر تھوڑی چاندی ہو تو جائز ہے۔

ترجمہ :١ اس کا معنی یہ ہے کہ چاندی کی جگہ پر منہ رکھنے سے بچے، کہا گیا کہ یہ بھی ہے اور پکڑنے میں چاندی کی جگہ سے بچے اور چار پائی اور زین میں چاندی پر بیٹھنے سے بچے۔

تشریح : متن کا مطلب بیان کر رہے ہیں کہ پینے کے پیالے میں چاندی کی جگہ پر منہ نہ رکھے، کسی چیز کو پکڑنے میں چاندی کی جگہ کو نہ پکڑے، چار پائی اور زین میں چاندی کی جگہ پر نہ بیٹھے، بلکہ اس سے بچتا رہے۔

لغت :المفضض : فضۃ سے مشتق ہے چاندی جڑی ہوئی، سرج : زین، سریر : تخت۔

ترجمہ : ٢ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ یہ سب مکروہ ہے، اور امام محمدؒ کا ایک قول ہے کہ وہ امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہیں، اور دوسری روایت ہے کہ وہ امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہیں

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ گزرا کہ چاندی کی جگہ سے بچے تو اوپر کی چیزوں کا استعمال کرنا جائز ہے، اور امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ ایسی چیز جس میں چاندی لگی ہوئی ہو تو چاندی کی جگہ سے بچنے کے باوجود اس کو استعمال کرنا مکروہ ہے۔

۳؎ وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الْإِنَاءُ الْمُضَبَّبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْكُرْسِيُّ الْمُضَبَّبُ بِهِمَا، وَكَذَا إِذَا جَعَلَ ذَلِكَ فِي السَّيْفِ وَالْمِشْحَذِ وَحَلْقَةِ الْمِرْآةِ، أَوْ جَعَلَ الْمُصْحَفَ مُذَهَّبًا أَوْ مُفَضَّضًا، وَكَذَا الِاخْتِلَافُ فِي اللِّجَامِ وَالرِّكَابِ وَالثَّفَرِ إِذَا كَانَ مُفَضَّضًا، وَكَذَا الثَّوْبُ فِيهِ كِتَابَةٌ بِذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ عَلَى هَذَا، ۴؎ وَهَذَا الِاخْتِلَافُ فِيمَا يَخْلُصُ، فَأَمَّا التَّمْوِيهُ الَّذِي لَا يَخْلُصُ فَلَا

اورامام محمدؒ کی ایک روایت امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہے اور دوسری روایت امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہے۔

ترجمه : ۳؎ اور اسی اختلاف پر ہے چاندی اور سونے کا پتر لگا ہوا برتن ہو، اور دونوں کا پتر لگی ہوئی کرسی ہو۔ اور ایسے ہی یہ چاندی یا سونا تلوار میں ہو، یا تلوار تیز کرنے کے سان میں ہو، یا آئینہ کے حلقے میں ہو، یا قرآن پر سونا اور چاندی لگایا ہو، ایسے ہی اختلاف ہے لگام اور رکاب میں اور دمچی میں جبکہ اس پر چاندی چڑھی ہوئی ہو، ایسے ہی وہ کپڑا جس میں سونے یا چاندی کی کتابت کی گئی ہو، یہ سب اسی اختلاف پر ہے۔

یہاں دس چیزوں کے احکام بیان کر رہے ہیں [۱] برتن پر پتر لگا ہو [۲] کرسی پر پتر لگا ہو [۳] تلوار پر کہیں چاندی لگی ہو [۴] تلوار تیز کرنے کے لئے سان پر چاندی لگی ہو [۵] آئینہ کے حلقے پر چاندی لگی ہو [۶] قرآن پر چاندی لگی ہو [۷] لگام میں کہیں چاندی لگی ہو [۸] رکاب میں چاندی لگی ہو [۹] دمچی پر چاندی لگی ہو [۱۰] کپڑے پر چاندی، یا سونے کی کتابت ہو، یا ان چیزوں میں پتر لگا ہو یا تار سے باندھا ہو تو اسی اختلاف پر ہے، یعنی امام ابو یوسفؒ کے یہاں اس کو استعمال کرنا مکروہ ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے یہاں اگر سونے اور چاندی کی جگہ پر ہاتھ یا منہ رکھنے سے بچتا ہو تو جائز ہے۔

لغت :مضبب :ضب سے مشتق ہے سونے یا چاندی کا پتر لگانا۔ مشحذ :شحذ سے مشتق ہے تیز کرنا، یہاں مراد ہے تیز کرنیکا آلہ ، اردو میں اس کو ,سان ، کہتے ہیں۔ حلقۃ المرأۃ : آئینہ کے چاروں طرف کا حلقہ۔ مصحف : قرآن کریم ،جعل المصحف مذھبا: ترجمہ ہے کہ قرآن پر سونے یا چاندی کا پانی چڑھایا۔ لجام: گھوڑے کا لگام۔ رکاب: گھوڑے پر جب بیٹھتے ہیں تو لوہے کی ایک چیز ہوتی ہے جس میں پاؤں ڈالتے ہیں اس کو ,رکاب، کہتے ہیں۔ ثفر : گھوڑے کی دم کے نیچے رسی باندھتے ہیں وہاں سونے یا چاندی کا پتر ڈالے، اس کو اردو میں ,دمچی، کہتے ہیں۔

ترجمه : ۴؎ یہ اختلاف اس صورت میں جبکہ چونا اور چاندی الگ ہوسکتا ہو، اور اگر پانی چڑھایا ہو جو الگ نہیں نہوتا تو بالاجماع اس کے استعمال کرنے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

تشریح : سونے اور چاندی کی تار ہو یا پتر ہو یہ برتن سے الگ ہوسکتا ہے اس میں اوپر کا اختلاف ہے، کہ امام ابوحنیفہؒ کے یہاں جائز ہے اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں مکروہ ہے، لیکن اگر چاندی، یا سونے کا پانی چڑھایا ہو جو برتن سے الگ نہیں ہوسکتا تو اس کا استعمال بالاتفاق سب کے نزدیک جائز ہے، کیونکہ یہ مستقل سونا اور چاندی نہیں ہے بلکہ ایک قسم کا رنگ ہے اس لئے یہ

بَأْسَ بِهِ بِالْإِجْمَا عِ. ۵ لَهُمَا أَنَّ مُسْتَعْمِلَ جُزْءٍ مِنْ الْإِنَاءِ مُسْتَعْمِلُ جَمِيعِ الْأَجْزَاءِ فَيُكْرَهُ، كَمَا إذَا اسْتَعْمَلَ مَوْضِعَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ. ٦ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ - رَحِمَهُ اللَّهُ - أَنَّ ذَلِكَ تَابِعٌ وَلَا مُعْتَبَرَ بِالتَّوَابِعِ فَلَا يُكْرَهُ. كَالْجُبَّةِ الْمَكْفُوفَةِ بِالْحَرِيرِ وَالْعَلَمِ فِي الثَّوْبِ وَمِسْمَارِ الذَّهَبِ فِي الْفَصِّ. (۲۶۶)قَالَ وَمَنْ أَرْسَلَ أَجِيرًا لَهُ مَجُوسِيًّا أَوْ خَادِمًا فَاشْتَرَى لَحْمًا فَقَالَ اشْتَرَيْتُهُ مِنْ يَهُودِيٍّ أَوْ نَصْرَانِيٍّ أَوْ مُسْلِمٍ وَسِعَهُ أَكْلُهُ ؛ ا لِأَنَّ قَوْلَ الْكَافِرِ مَقْبُولٌ فِي الْمُعَامَلَاتِ؛ لِأَنَّهُ خَبَرٌ صَحِيحٌ لِصُدُورِهِ عَنْ عَقْلٍ وَدِينٍ يُعْتَقَدُ فِيهِ حُرْمَةُ الْكَذِبِ وَالْحَاجَةُ مَاسَّةٌ إلَى قَبُولِهِ لِكَثْرَةِ

برتن کے تابع ہو کر جائز ہے۔

لغت:تمویہ: ماء سے مشتق ہے، پانی چڑھانا۔ لا تخلص :خلص : سے مشتق ہے، الگ ہونا۔

ترجمہ : ۵ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ برتن کے ایک جز کو استعمال کرنا پورے جز کو استعمال کرنا ہے، اس لئے مکروہ ہوگا جیسے کہ سونے اور چاندی کی جگہ کو استعمال کرے۔

تشریح : صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ برتن کے ایک جز کو استعمال کیا تو گویا کہ پورے برتن کو استعمال کیا، اس لئے جس طرح چاندی کی جگہ کو استعمال کرنا مکروہ ہے اسی طرح ایک جز کو بھی استعمال کرنا مکروہ ہوگا۔

ترجمہ : ٦ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ چاندی اور سونا تابع ہے اور تابع کا اعتبار نہیں ہے اس لئے یہ مکروہ نہیں ہوگا، جیسے کہ جبے کا جھالر ریشم کا ہو یا کپڑے میں نقش و نگار ریشم کا ہو یا نگینے میں سونے کی کیل ہو تو مکروہ نہیں اسی طرح یہ بھی مکروہ نہیں ہے۔

تشریح : امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ جو سونا اور چاندی ہے وہ تابع ہے اور تھوڑا سا ہے، اور تابع کا اعتبار نہیں ہے ،اس لئے اس سے کراہیت نہیں ہوگی، اس کی مثال دیتے ہیں کہ سوتی کپڑے میں ریشم کا جھالر ہو، یا کپڑے میں ریشم کا نقش و نگار ہو، یا انگوٹھی کے نگینے میں سونے کی کیل ہو تو یہ تابع ہونے کی وجہ سے جائز ہے اسی طرح اوپر کے مسئلے میں تابع ہے اس لئے جائز ہوگا۔

لغت:مکفوف: کف سے مشتق ہے جھالر، چیز کا کنارہ۔ علم: نقش و نگار، جھنڈا۔ مسمار: کیل، میخ۔ فص: نگینہ۔

ترجمہ : (۲۶۶) کسی نے مجوسی ملازم کو، یا خادم کو گوشت خریدنے کے لئے بھیجا پس اس نے کہا کہ اس کو یہودی سے خریدا، یا نصرانی سے خریدا، یا مسلمان سے خریدا، تو مالک کے لئے اس کو کھانے کی گنجائش ہے۔

ترجمہ :ا اس لئے کہ کافر کا قول معاملات میں مقبول ہے، اس لئے کہ یہ صحیح خبر ہے، کیونکہ یہ آدمی کی خبر ہے جس میں عقل ہے، ایسا دین ہے جس میں جھوٹ کے حرام ہونے کا اعتقاد ہے، اور اس خبر کو قبول کرنے کی ضرورت بھی ہے معاملات کے کثیر

وُقُوعِ الْمُعَامَلَاتِ (۲٦۷)وَإِنْ كَانَ غَيْرَ ذٰلِكَ لَمْ يَسَعْهُ أَنْ يَأْكُلَ مِنْهُ ۱؎ مَعْنَاهُ: إِذَا كَانَ ذَبِيحَةَ غَيْرِ الْكِتَابِيِّ وَالْمُسْلِمِ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا قُبِلَ قَوْلُهُ فِي الْحِلِّ أَوْلَى أَنْ يُقْبَلَ فِي الْحُرْمَةِ. (۲٦۸) قَالَ وَيَجُوزُ أَنْ يُقْبَلَ فِي الْهَدِيَّةِ وَالْإِذْنِ قَوْلُ الْعَبْدِ وَالْجَارِيَةِ وَالصَّبِيِّ ۱؎ لِأَنَّ الْهَدَايَا تُبْعَثُ عَادَةً

واقع ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : کافر خادم کو گوشت خریدنے بھیجا، اب آکر یہ خبر دیتا ہے کہ اس گوشت کو مسلمان سے خریدا، یا نصرانی سے خریدا، یا یہودی سے خریدا تو مالک کے لئے اس کی گنجائش ہے کہ اس گوشت کو کھالے۔

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی خبر صحیح ہے، یہ آدمی عاقل ہے، بالغ ہے اور ایسے دین پر اعتقاد رکھتا ہے جس میں جھوٹ بولنا حرام ہے، کیونکہ کافر کے دین میں بھی جھوٹ بولنا حرام ہے، اور معاملات کی کثرت کی وجہ سے اس کے قبول کرنے کی ضرورت بھی ہے، اس لئے اس خبر کو قبول کیا جائے گا اور گوشت چونکہ مسلمان کا ذبیحہ ہے ثابت ہوا اس لئے اس کا کھانا حلال ہوگا۔

اصول:معاملات میں کافر کی گواہی مقبول ہے، بشرطیکہ جھوٹ میں وہ مشہور نہ ہو۔

ترجمہ : (۲٦۷) اگر اس کے علاوہ کی خبر دی تو اس کے لئے کھانے کی گنجائش نہیں ہے۔

ترجمہ : ۱؎ اس کا معنی یہ ہے کہ کتابی اور مسلمان کے علاوہ کا ذبیحہ ہو، اس لئے کہ جب حلال ہونے میں مجوسی کا قول قبول کیا تو حرام ہونے میں بدرجہ اولی قبول کیا جائے۔

تشریح اگر مجوسی خادم نے یہ خبر دی کہ یہ گوشت کسی کافر کا ذبیحہ ہے تو اس گوشت کا کھانا حلال نہیں، کیونکہ اسکی خبر درست ہے

وجہ:جب حلال ہونے میں مجوسی کی خبر مانی تو حرام ہونے میں بدرجہ اولی اس کی خبر مانی جائے گی، اور گوشت کھانا حرام ہوگا۔

ترجمہ :(۲٦۸) جائز ہے ہدیہ اور اجازت میں غلام اور بچے کے قول کو قبول کرنا۔

ترجمہ : ۱؎ اس لئے کہ ہدیہ عادۃ انہیں لوگوں کے ہاتھوں سے بھیجتے ہیں۔

تشریح : ایسی شہادت جس سے کسی کا حق ثابت ہوتا ہو جس کو معاملات کی شہادت کہتے ہیں اس میں بچے اور غلام کی شہادت مقبول نہیں ہے۔لیکن ہدیہ وغیرہ چھوٹی چیز ہے۔اس میں کسی کا حق ثابت کرنا نہیں ہے بلکہ اسکی خبر دینی ہے کہ میرے آقا نے یہ چیز آپ کے لئے ہدیہ بھیجی ہے۔یا میرے باپ نے یہ چیز آپ کے لئے ہدیہ بھیجی ہے۔اس لئے ایسی خبر میں ان دونوں کی بات قبول کی جائے گی۔اور جس کو ہدیہ دی گئی ہے اس کے لئے جائز ہوگا کہ ان کی باتوں پر یقین کر کے ہدیہ قبول کرے۔یا غلام اور باندی یوں کہے کہ مجھے فلاں چیز خریدنے کی اجازت دی ہے تو اس کی خبر کو قبول کر کے اس کے ہاتھ کوئی چیز بیچنا جائز ہے

وجہ:(۱) قول صحابی میں ہے۔ سألت انساؓ عن شهادة العبد فقال جائز (مصنف ابن ابی شیبۃ ۳۴ من کان یجیز شھادۃ العبد، ج رابع، ص ۲۹۸، نمبر ۲۰۲۷۵) اس قول صحابی میں ہے کہ غلام کی گواہی جائز ہے۔جب معاملات میں جائز ہے تو

عَلَى أَيْدِى هَؤُلَاءِ، ٢؎ وَكَذَا لَا يُمْكِنُهُمْ اسْتِصْحَابُ الشُّهُودِ عَلَى الْإِذْنِ عِنْدَ الضَّرْبِ فِي الْأَرْضِ وَالْمُبَايَعَةِ فِي السُّوقِ، فَلَوْ لَمْ يُقْبَلْ قَوْلُهُمْ يُؤَدِّى إِلَى الْحَرَجِ. ٣؎ وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: إِذَا قَالَتْ جَارِيَةٌ لِرَجُلٍ بَعَثَنِى مَوْلَاىَ الَيْک هَدِيَّةً وَسِعَهُ أَنْ يَأْخُذَهَا؛ لِأَنَّهُ لَا فَرْقَ بَيْنَ

ہدیہ وغیرہ میں بدرجۂ اولی جائز ہوگا (۲) وقال انسؓ شھادۃ العبد جائزۃ اذا کان عدلا واجازہ شریح وزرارہ ابن اوفی (۳) اس سے آگے حدیث میں فجاء ت امۃ سوداء، فقالت قد ارضعتکما فذکرت ذلک للنبی ﷺ فاعرض عنی قال فتنحیت فذکرت ذلک لہ قال وکیف وقد زعمت انھا قد ارضعتکما ؟ فنھاہ عنھا۔ (بخاری شریف، باب شھادۃ الاماء والعبید، ص ۴۳۱، نمبر ۲۶۵۹) اس حدیث اور قول صحابی سے معلوم ہوا کہ باندی اور غلام کی گواہی مقبول ہے۔

بچے کے لئے اثر اور حدیث تو یہی ہے کہ اس کی گواہی مقبول نہیں لیکن چھوٹی چیزوں میں اس کی خبر مقبول ہے۔

وجه: اس قول تابعی میں ہے۔ عن شریح انہ کان یجیز شھادۃ الصبیان علی السن والموضحۃ ویتأباھم فیما سوی ذلک. (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۲۴، فی شھادۃ الصبیان، ج رابع ص ۳۶۴، نمبر ۲۱۰۲۹) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ چھوٹی موٹی چیزوں میں اس کی خبر قبول کی جائیگی۔ یہ اصل میں شہادت نہیں بلکہ خبر دینی ہے۔

لغت: والاذن: کی صورت یہ ہے کہ بچہ غلام کو خبر دے کہ میرے باپ نے تم کو تجارت کرنے کی اجازت دی ہے۔ یا بچہ کہے کہ مجھے میرے باپ نے چھوٹی موٹی چیز خریدنے کی اجازت دی ہے، یا غلام خبر دے کہ میرے آقا نے مجھکو تجارت کرنے کی اجازت دی ہے تو ان کی خبر اس بارے میں مقبول ہے۔ اور اس پر عمل کرتے ہوئے غلام کو تجارت کرنے کی اجازت ہو جائے گی۔

ترجمه: ٢؎ اور ایسے ہی سفر کرتے وقت اجازت پر گواہ کو ساتھ رکھنا ممکن نہیں، اور خرید وفروخت بازار میں ہوتا ہے پس اگر اس غلام کی بات کو قبول نہ کریں تو حرج لازم آئے گا۔

تشریح: غلام بازار میں خرید وفروخت کرے گا اب ہر وقت تجارت کی اجازت پر گواہ کہاں کہاں لئے پھرے گا، اس میں حرج لازم آئے گا، اس لئے تجارت میں اجازت کے لئے غلام کی خبر کو قبول کر لیا جائے اور اس سے تجارت کر سکتا ہے۔

ترجمه: ٣؎ اور جامع صغیر میں ہے کہ باندی کسی آدمی سے کہے کہ مجھے میرے آقا نے آپ کو ہدیہ میں بھیجا ہے تو اس باندی کو لے لینے کی گنجائش ہے [اور اس سے صحبت کر سکتا ہے]، اس لئے کہ کوئی فرق نہیں کہ آقا کے کسی اور چیز کے ہدیہ دینے کی خبر دے، یا خود اپنی ذات کو ہدیہ دینے کی خبر دے۔

تشریح: باندی کسی سے کہتی ہے کہ مجھے آپکو ہدیہ میں میرے آقا نے بھیجا ہے، تو اس آدمی کے لئے یہ گنجائش ہے کہ اس

مَا إذَا أَخْبَرَتْ بِإِهْدَاءِ الْمَوْلَى غَيْرَهَا أَوْ نَفْسَها لِمَا قُلْنَا (۲۶۹) قَالَ وَيُقْبَلُ فِي الْمُعَامَلاتِ قَوْلُ الْفَاسِقِ، وَلا يُقْبَلُ فِي الدِّيَانَاتِ إِلَّا قَوْلُ الْعَدْلِ. ۱ وَوَجْهُ الْفَرْقِ أَنَّ الْمُعَامَلاتِ يَكْثُرُ وُجُودُهَا فِيمَا بَيْنَ أَجْنَاسِ النَّاسِ، فَلَوْ شَرَطْنَا شَرْطًا زَائِدًا يُؤَدِّي إِلَى الْحَرَجِ فَيُقْبَلُ قَوْلُ الْوَاحِدِ فِيهَا عَدْلًا كَانَ أَوْ فَاسِقًا كَافِرًا أَوْ مُسْلِمًا عَبْدًا أَوْ حُرًّا ذَكَرًا أَوْ أُنْثَى دَفْعًا لِلْحَرَجِ. ۲ أَمَّا الدِّيَانَاتُ

باندی کو لے لے اوراس سے صحبت بھی کر لے، کیونکہ یہ باندی اس کی ہوگئی۔

وجه : باندی کی خبر کسی اور چیز کے بارے میں قبول کی جاسکتی ہے تو خود اس کے بارے میں بھی قبول کی جاسکتی ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

ترجمه :(۲۶۹) قبول کیا جائے گا معاملات میں فاسق کا قول اور نہیں قبول کیا جائے گا دیانات کی خبروں میں مگر عادل کا قول

تشریح : جھوٹ بولنے کی وجہ سے فاسق ہوا ہے تب تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ آیت میں اس کی ممانعت ہے۔فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور . (آیت ۳۰،سورۃ الحج ۲۲) اس آیت میں جھوٹ بولنے سے منع فرمایا ہے۔لیکن اگر فسق کسی اور گناہ کی وجہ سے ہے مثلا کسی کا مال کھایا جس کی وجہ سے فاسق ہوا ہے تو معاملات میں اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ حدود اور قصاص میں تو پھر بھی گواہی مقبول نہیں ہوگی۔

وجه :(۱) معاملات کثرت سے ہوتے رہتے ہیں۔اور ہر وقت دیانت دار اور عادل آدمی نہیں ملتا اس لئے معاملات میں فاسق کی گواہی قبول کی جاسکتی ہے۔ جیسے بیع، شراء میں فاسق کی گواہی قبول کی جائے گی۔ تاہم عادل کی گواہی زیادہ بہتر ہے (۲) اس قول تابعی میں ہے۔ وجلد عمرؓ ابا بکرۃ وشبل بن معبد ونافعا بقذف المغیرۃ ثم استتابھم وقال من تاب قبلت شھادته.......وقال الشعبی و قتادۃ اذا اکذب نفسه جلد و قبلت شھادته۔(بخاری شریف، باب شھادۃ القاذف والسارق والزانی، ص ۴۲۸، نمبر ۲۶۴۸) اس قول صحابی میں ہے کہ حد قذف والا توبہ کرے تو اس کی گواہی مقبول ہے۔آ(۳) یت میں ہے کہ حد قذف والا فاسق ہوتا ہے۔ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا و اولئک ھم الفاسقون ۝ الا الذین تابوا من بعد ذلک واصلحوا . (آیت ۴/۵، سورۃ النور) اس آیت میں ہے کہ حد قذف والا فاسق ہے۔اس کے باوجود اس کی گواہی اثر کی بنا پر مقبول ہے تو اور فاسقوں کی گواہی بھی مقبول ہوگی۔

البتہ دیانات مثلا چاند کی گواہی کبھی کبھار پیش آتی ہے۔اس لئے اوپر کی آیت اولئک ھم الفاسقون کی وجہ سے ان میں عادل کی گواہی مقبول ہوگی فاسق کی نہیں۔

ترجمه : ۱ فرق کی وجہ یہ ہے کہ معاملات کا وجود مختلف جنسوں میں کثرت سے ہوتا ہے پس اگر زائد شرط لگا دیں تو حرج ہوگا اس لئے کہ گواہی بھی قبول کی جائے گی عادل ہو یا فاسق ہو، کافر ہو یا مسلمان ہو، غلام ہو یا آزاد ہو، مذکر ہو یا مونث ہو حرج

فَلا يَـكْثُرُ وُقُوعُهَا حَسَبِ وُقُوعِ الْمُعَامَلاتِ فَجَازَ أَنْ يَشْتَرِطَ فِيهَا زِيَادَةَ شَرْطٍ، فَلا يُقْبَلُ فِيهَا إِلَّا قَـوْلُ الْـمُسْـلِمِ الْـعَـدْلِ؛ لِأَنَّ الْـفَـاسِـقَ مُتَّهَـمٌ وَالْـكَافِرَ لا يَلْتَزِمُ الْحُكْمَ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُلْزِمَ الْمُسْلِمَ، ٣ـ بِـخِلَافِ الْـمُـعَامَلاتِ؛ لِأَنَّ الْكَافِرَ لا يُمْكِنُهُ الْمَقَامُ فِي دِيَارِنَا إِلَّا بِالْمُعَامَلَةِ. وَلا

کو دفع کرنے کے لئے۔

تشریح :معاملات میں فاسق کی گواہی قبول کی جاتی ہے اور دیانات میں قبول نہیں کی جاتی، اس میں فرق یہ ہے کہ معاملات کثرت سے واقع ہوتے ہیں اس لئے اس میں زائد شرط لگانے سے حرج پیدا ہوگا اس لئے معاملات میں اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ اور دیانات کم واقع ہوتے ہیں اس لئے اس میں گواہی قبول کرنے سے کوئی حرج نہیں ہے۔

ترجمه : ٢ـ بہر حال دیانات تو معاملات کی بنسبت اس کا وجود کثرت سے نہیں ہوتا ہے تو اس میں زیادہ شرط لگانا جائز ہے اس لئے مسلمان عادل کے علاوہ قبول نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ فاسق متہم ہے، اور کافر نے دیانت کا حکم اپنے اوپر لازم نہیں کیا، اس لئے مسلمان پر بھی لازم نہیں کر سکتا۔

تشریح :دیانات وجود کثرت سے نہیں ہوتا اس لئے اس میں عادل کی قید لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور فاسق کی گواہی اس لئے نہیں قبول کی جاتی کہ وہ متہم ہے اس لئے اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، اور کافر کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے اوپر دیانات کو لازم نہیں کرتا تو اس کی گواہی سے مسلم پر کیسے لازم کریں گے۔

ترجمه : ٣ـ بخلاف معاملات کے اس لئے کہ کافر کو دار الاسلام میں ٹھہرنا ممکن نہیں ہے مگر معاملات سے، اور اس کے لئے معاملہ مہیا نہیں ہوگا مگر معاملات میں اس کی بات قبول کرنے کے بعد، اس لئے اس کی گواہی قبول کرنے کی ضرورت ہے، اس لئے اس کی بات قبول کی جائے گی۔

تشریح :معاملات میں کافر کی گواہی بھی قبول کی جاتی ہے۔

وجه:(١) اس کی وجہ یہ ہے کہ کافر کو دار الاسلام میں رہنے کی اجازت ہے، اب ظاہر ہے کہ اس کو معاملہ تو کرنا ہی پڑے گا، اب اگر اس کی گواہی قبول نہ کریں تو وہ کیسے معاملہ کرے گا، اس لئے معاملات میں کافر کی گواہی بھی مقبول ہے۔ (٢) اس حدیث میں کافر کے قول پر اعتماد کیا۔ قال ابن شهاب، قال عروة قالت عائشة .....و استاجر رسول الله و ابو بكر رجلا من بنى الديل و هو من بنى عبد بن عدى هاديا خريتا .....و هو على دين كفار قريش فامناه فدعا اليه راحلتيهما و واعداه غار ثور بعد ثلاث ليال۔ (بخاری شریف، باب هجرة النبی واصحابہ الی المدینة، ص ٦٥٨ نمبر ٣٩٠٥) اس حدیث میں حضورؐ نے ایک کافر پر معاملات میں اعتماد کیا۔

لغت: یتهیا: مہیا کرنا، تیار کرنا۔ مقام: ٹھہرنا، اقامت اختیار کرنا۔

يَتَهَيَّأُ لَـهُ الْـمُعَامَلَةُ إلَّا بَعْدَ قَبُولِ قَوْلِهِ فِيهَا فَكَانَ فِيهِ ضَرُورَةٌ، ٤ وَلَا يُقْبَلُ فِيهَا قَوْلُ الْمَسْتُورِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ. وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يُقْبَلُ قَوْلُهُ فِيهَا جَرْيًا عَلَى مَذْهَبِهِ أَنَّهُ يَجُوزُ الْقَضَاءُ بِهِ، وَفِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ هُوَ وَالْفَاسِقُ فِيهِ سَوَاءٌ حَتَّى يُعْتَبَرَ فِيهِمَا أَكْبَرُ الرَّأْيِ. (۲۷۰)قَالَ وَيُقْبَلُ فِيهَا قَوْلُ الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالْأَمَةِ إذَا كَانُوا عُدُولًا ؛ ١ لِأَنَّ عِنْدَ الْعَدَالَةِ الصِّدْقُ رَاجِحٌ وَالْقَبُولُ لِرُجْحَانِهِ. ٢ فَمِنْ الْمُعَامَلَاتِ مَا ذَكَرْنَاهُ، وَمِنْهَا التَّوْكِيلُ. ٣ وَمِنْ الدِّيَانَاتِ الْإِخْبَارُ بِنَجَاسَةِ

ترجمہ : ٤ ظاہر روایت میں مستور الحال کی گواہی قبول نہیں کیجائے گی، اور امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اس کی گواہی قبول کی جائے گی، انکے مذہب پر جاری رکھتے ہوئے، کیونکہ انکے یہاں مستور الحال کی گواہی پر فیصلہ کرنا جائز ہے۔ اور ظاہر روایت میں یہ ہے کہ مستور الحال کی گواہی اور فاسق کی گواہی برابر ہیں، ان میں غالب گمان کا اعتبار کیا جائے گا۔

تشریح : دیانات میں مستور الحال کی گواہی قبول کرنے کے سلسلے میں امام ابوحنیفہؒ کی تین روایتیں ہیں [۱] ظاہر روایت میں یہ ہے کہ اس کی گواہی قبول نہیں کی جائیگی [۲] دوسری روایت یہ ہے کہ اس کی گواہی پر فیصلہ جائز ہے [۳] اور تیسری روایت یہ ہے کہ غالب گمان ہو کہ وہ سچ بول رہا ہے تو اس پر فیصلہ جائز ہے اور غالب گمان ہو کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے تو اس پر فیصلہ جائز نہیں ہے۔

ترجمہ : (۲۷۰) دیانات میں مسلمان غلام، آزاد اور باندی جبکہ عادل ہوں تو انکی گواہی قبول کی جائے گی۔

ترجمہ : ١ اس لئے کہ عدالت سچائی کی جانب راجح کرتی ہے، اور گواہی قبول کرنا راجح ہونے کی وجہ سے ہے۔

تشریح : مسلمان اور عادل ہو تو چاہے غلام ہو یا آزاد ہو یا باندی ہو اس کی گواہی قبول کی جاتی ہے۔

وجہ : (۱) جب عادل ہے تو صدق کی جانب راجح ہے، اور گواہی صدق کی جانب راجح ہونے کی وجہ سے ہی قبول کی جاتی ہے اس لئے انکی گواہی قبول کی جائے گی۔ (۲) قول صحابی میں ہے۔ **سألت انساً عن شهادة العبد فقال جائز** (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۳۴ من کان یجیز شہادۃ العبد، ج رابع، ص ۲۹۸، نمبر ۲۰۲۷۵) اس قول صحابی میں ہے کہ غلام کی گواہی جائز ہے یعنی دیانت میں بھی جائز ہوگی (۳) **وقال انسؓ شهادة العبد جائزة اذا كان عدلا واجازه شريح وزراره ابن اوفى** (۴) اس سے آگے حدیث میں **فجاء ت امة سوداء، فقالت قد ارضعتكما فذكرت ذلك للنبي ﷺ فاعرض عني قال فتنحيت فذكرت ذلك له قال وكيف وقد زعمت انها قد ارضعتكما ؟ فنهاه عنها۔** (بخاری شریف، باب شہادۃ الاماء والعبید، ص ۴۳۱، نمبر ۲۶۵۹) اس حدیث اور قول صحابی سے معلوم ہوا کہ باندی اور غلام کی گواہی مقبول ہے۔

ترجمہ : ٢ معاملات میں وہ ہے جنکو ہم نے ذکر کیا، اور انہیں میں وکیل بنانا ہے

الْمَاءِ حَتَّى إِذَا أَخْبَرَهُ مُسْلِمٌ مَرْضِيٌّ لَمْ يَتَوَضَّأْ بِهِ وَيَتَيَمَّمُ، ۴؎ وَلَوْ كَانَ الْمُخْبِرُ فَاسِقًا أَوْ مَسْتُورًا تَحَرَّى، فَإِنْ كَانَ أَكْبَرُ رَأْيِهِ أَنَّهُ صَادِقٌ يَتَيَمَّمُ وَلَا يَتَوَضَّأُ بِهِ، وَإِنْ أَرَاقَ الْمَاءَ ثُمَّ تَيَمَّمَ كَانَ أَحْوَطَ، ۵؎ وَمَعَ الْعَدَالَةِ يَسْقُطُ احْتِمَالُ الْكِذْبِ فَلَا مَعْنَى لِلِاحْتِيَاطِ بِالْإِرَاقَةِ، ۶؎ أَمَّا التَّحَرِّي فَمُجَرَّدُ ظَنٍّ. وَلَوْ كَانَ أَكْبَرُ رَأْيِهِ أَنَّهُ كَاذِبٌ يَتَوَضَّأُ بِهِ وَلَا يَتَيَمَّمُ لِتَرَجُّحِ جَانِبِ الْكِذْبِ بِالتَّحَرِّي، وَهَذَا جَوَابُ الْحُكْمِ. فَأَمَّا فِي الِاحْتِيَاطِ فَيَتَيَمَّمُ بَعْدَ الْوُضُوءِ لِمَا قُلْنَا.

تشریح: معاملات میں ہدیہ وغیرہ تھا جسکو پہلے ذکر کیا، اورکسی کو تجارت کے وکیل بنانے کی گواہی دینا بھی معاملات میں ہے

ترجمہ: ۳؎ اور دیانات میں سے پانی کے ناپاک ہونے کی خبر دینا ہے، یہاں تک کہ کسی عادل مسلمان نے خبر دی تو وضو نہیں کرے بلکہ تیمّم کرے گا۔

تشریح: پانی کے ناپاک ہونے کی گواہی دیانات میں ہے، چنانچہ کسی عادل مسلمان نے خبر دی کہ یہ پانی ناپاک ہے تو اس سے وضو نہیں کرے گا، بلکہ تیمّم کرے گا۔

ترجمہ: ۴؎ اگر خبر دینے والا فاسق ہو، یا مستور الحال ہو تو تحری کرے اور غور کرے، اگر غالب گمان ہو کہ یہ سچ کہہ رہا ہے تو تیمّم کرے گا، اور وضو نہیں کرے گا اور، اور اگر پانی بہادے پھر تیمّم کرے تو زیادہ احتیاط ہے۔

تشریح: گواہی دینے والا آدمی فاسق ہو یا مستور الحال ہو تو غور کرے، اگر غالب گمان ہو کہ یہ سچ کہہ رہا ہے تو اس ناپاک پانی سے وضو نہ کرے، بلکہ تیمّم کرے، بلکہ زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ پانی بہا دے پھر تیمّم کرے، کیونکہ اب پانی نہیں ہے تو اب تیمّم ہی کرنا ہے۔

ترجمہ: ۵؎ اگر گواہی دینے والے میں عدالت ہو تو جھوٹ کا احتمال ختم ہو گیا پانی بہا کر احتیاط کا کوئی مطلب نہیں ہے۔

تشریح: یہ لفظ عدالت پر تبصرہ ہے، کہ اگر گواہی دینے والا عادل ہے تو بات طے ہو گئی کہ پانی بالکل ناپاک ہے، اس لئے اب تیمّم کرنا ہی ہے اس لئے پانی بہانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: ۶؎ اور جہاں گواہی دینے والا مستور الحال ہے وہاں تحری کرنا ہے، جو محض غالب گمان ہے، پس اگر غالب گمان یہ ہے کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے تو اس پانی سے وضو کرے گا، اور تیمّم نہیں کرے گا، کیونکہ تحری سے جھوٹ کی جانب راجح ہے، تو حکم کا جواب یہی ہوگا کہ [وضو کرے]، تاہم احتیاط یہ ہے کہ وضو کے بعد تیمّم بھی کرلے۔ اس دلیل کی بنا جو ہم نے ذکر کیا۔

تشریح: مستور الحال نے گواہی دی، پس اس کی گواہی پر غور کیا گیا تو غالب گمان یہ نکلا کہ یہ جو کہہ رہا کہ پانی ناپاک ہے یہ جھوٹ ہے، تو اس پانی سے وضو کرلے، اور احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ وضو کے بعد تیمّم بھی کرلے، کیونکہ اگر واقعی ناپاک ہو تو تیمّم کرنا چاہئے۔

ﮯ وَمِنهَا الْحِلُّ وَالْحُرْمَةُ إذَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ زَوَالُ الْمِلْكِ، وَفِيهَا تَفَاصِيلُ وَتفْرِيعَاتٌ ذَكَرْنَاهَا فِي كِفَايَةِ الْمُنْتَهِي. (۲۷۱)قَالَ وَمَنْ دُعِيَ إلَى وَلِيمَةٍ أَوْ طَعَامٍ فَوَجَدَ ثَمَّه لَعِبًا أَوْ غِنَاءً فَلا بَأْس بِأَنْ يَقْعُدَ وَيَأْكُلَ ﮮ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ - رَحِمَهُ اللَّهُ -: ابْتُلِيتُ بِهَذَا مَرَّةً فَصَبَرْتُ. وَهَذَا لِأَنَّ إجَابَةَ الدَّعْوَةِ سُنَّةٌ. قَالَ - عَلَيْهِ الصَّلاةُ وَالسَّلامُ - مَنْ لَمْ يُجِبْ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى أَبَا الْقَاسِمِ فَلا يَتْرُكُهَا لِمَا اقْتَرَنَت بِهَا مِنْ الْبِدْعَةِ مِنْ غَيْرِهِ، كَصَلَاةِ الْجِنَازَةِ وَاجِبَةُ الْإِقَامَةِ وَإِنْ

لغت: لماقلنا: یہ دلیل بیان کی کہ تحری میں دونوں جانب حکم ہوتا ہے، کوئی ایک جانب حتمی فیصلہ نہیں کر سکتے، البتہ ایک جانب تھوڑا سا راجح ہوتا ہے، اس لئے تیمم کے بعد وضو بھی کر لے تو بہتر ہے۔

ترجمہ: ﮯ اسی دیانات میں حلال ہونے اور حرام ہونے کی گواہی دینا ہے، بشرطیکہ اس گواہی دینے سے کسی کی ملکیت زائل نہ ہو۔ اس کی تفصیل کفایۃ المنتہی میں ذکر کیا ہے۔

تشریح: دیانات کی گواہی میں سے یہ گواہی دینا ہے، کہ مثلا یہ گوشت حرام ہے، یا حلال ہے، گوشت کے حلال اور حرام ہونے کی گواہی دینا بھی دیانات میں ہے، اور اس میں ایک مسلمان عادل کی گواہی قبول کی جائے گی، لیکن اس میں شرط ہے کہ اس گواہی سے کسی کی ملکیت زائل نہ ہوتی ہو، اگر اس سے کسی کی ملکیت زائل ہوتی ہو تو پھر ایک آدمی کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، کیونکہ یہ آدھی گواہی ہے بلکہ دو عادل آدمی کی گواہی کی ضرورت ہوگی، کیونکہ کسی کی ملک زائل کرنا یہ معاملہ ہے اور معاملے میں دو عادل آدمی کی گواہی کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس کی تفصیل کفایۃ المنتہی میں ہے

ترجمہ: (۲۷۱) ولیمہ، یا کھانے کی طرف بلایا گیا ہو اور وہاں لہولعب یا گانا بجانا پایا تو کوئی حرج نہیں کہ بیٹھے اور کھانا کھائے

تشریح: ولیمے کی یا کھانے کی دعوت ہو وہاں جانے کے بعد معلوم ہوا کہ یہاں لہولعب کی چیز ہے، یا گانا بجانا ہے، تو وہاں بیٹھ کر کھانا کھا سکتا ہے، لیکن اگر پہلے سے معلوم ہو تو وہاں حاضر ہی نہ ہو۔ یہ حکم جب ہے کہ اس مجلس میں یہ گناہ کا کام ہو رہا ہو، لیکن دسترخوان پر نہ ہو، اور اگر دسترخوان پر ہو تو وہاں نہ بیٹھے، اس کا حکم آگے آ رہا ہے۔

وجہ: (۱) اس کی وجہ یہ ہے کہ دعوت قبول کرنا سنت ہے، اس لئے ان عیوب کے ہونے کے باوجود اس کو چھوڑا نہیں جا سکتا، (۲) اس حدیث میں ہے کہ ولیمے کی دعوت دے تو اس میں ضرور شرکت کرے۔ عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ اذا دعی احدکم الی الولیمة فلیاتها۔ (مسلم شریف، باب الامر باجابة الداعی الی دعوة، ص ۶۰۴، نمبر ۱۴۲۹ / نمبر ۳۶۰۹ / بخاری شریف، باب حق ایجابة الولیمة والدعوة، ومن اولم سبعة ایام ونحوه، ص ۹۲۴، نمبر ۵۱۷۳)

ترجمہ: ﮮ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں اس میں آزمایا گیا تو صبر کیا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دعوت کو قبول کرنا

حَضَرَتْهَا نِيَاحَةٌ، فَإِنْ قَدَرَ عَلَى الْمَنْعِ مَنَعَهُمْ، وَإِنْ لَمْ يَقْدِرْ يَصْبِرُ، ٢ وَهَذَا إِذَا لَمْ يَكُنْ مُقْتَدًى بِهِ، فَإِنْ كَانَ مُقْتَدًى وَلَمْ يَقْدِرْ عَلَى مَنْعِهِمْ يَخْرُجُ وَلَا يَقْعُدُ؛ لِأَنَّ فِي ذَلِكَ شَيْنُ الدِّينِ وَفَتْحُ بَابِ الْمَعْصِيَةِ عَلَى الْمُسْلِمِينَ، وَالْمَحْكِيُّ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ – رَحِمَهُ اللَّهُ – فِي الْكِتَابِ كَانَ قَبْلَ أَنْ يَصِيرَ مُقْتَدًى بِهِ، ٣ وَلَوْ كَانَ ذَلِكَ عَلَى الْمَائِدَةِ لَا يَنْبَغِي أَنْ يَقْعُدَ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ

سنت ہے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو کھانے کی دعوت قبول نہ کرے اس نے ابوالقاسم ﷺ کی نافرمانی کی تو ان بدعات کے ساتھ ہونے کے باوجود اس کو نہ چھوڑے، جیسے نماز جنازہ کو قائم کرنا واجب ہے، چاہے اس میں نوحہ کرنے والی عورتیں موجود ہوں، پس اگر اس کے روکنے پر قدرت ہو تو روک دے، اور اگر روکنے پر قدرت نہ ہو تو صبر کرے۔

تشریح : حدیث میں ہے کہ دعوت قبول نہیں کی تو حضورؐ کی نافرمانی کی، اس لئے دعوت میں ضرور شرکت کرے، اب اگر ان خرافات کو روکنے کی قدرت ہو تو روک دے، ورنہ تو صبر کرے، جیسے نماز جنازہ میں نوحہ کرنے والی عورتیں ہوں تب بھی نماز جنازہ نہیں چھوڑ سکتا۔

وجه: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن ابی هريرة ان النبی ﷺ قال شر الطعام طعام الوليمة يمنعها من يأتيها و يدعى اليها من يا باها ، و من لم يجب الدعوة فقد عصى الله عز و جل و رسوله** ۔(مسلم شریف، باب الامر باجابة الداعی الی دعوة، ص ۶۰۶، نمبر ۱۴۳۲/۳۵۲۵/ بخاری شریف، باب من ترک الدعوة فقد عصی اللہ ورسولہ، ص ۹۲۵، نمبر ۵۱۷۷) اس حدیث میں ہے کہ دعوت قبول نہیں کی تو حضرت ابوالقاسمؐ کی نافرمانی کی۔

ترجمه : ٢ یہ جب ہے کہ آدمی مقتداء نہ ہو، اور اگر مقتداء ہو اور گناہ روکنے پر قدرت نہ ہو تو وہاں سے نکل جائے اور نہ بیٹھے، کیونکہ اس میں دین کی اہانت ہے، اور مسلمانوں پر گناہ کا دروازہ کھولنا ہے، اور کتاب میں امام ابو حنیفہؒ کا تذکرہ ہے کہ [میں وہاں بیٹھا رہا] یہ انکے پیشوا بننے سے پہلے کا واقعہ ہے۔

تشریح : اگر پیشوا ہو تو مجلس میں بھی لہولعب ہو رہا ہو تب بھی وہاں سے نکل جائے، کیونکہ اس سے دین کی توہین ہوگی، اور لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ کام بھی جائز ہے، اور لوگ جائز سمجھ کر کرنے لگیں گے، اور امام ابو حنیفہؒ جو مجلس میں بیٹھے رہے وہ انکے پیشوا بننے سے پہلے کا واقعہ ہے۔

ترجمه : ٣ اور اگر یہ گناہ دستر خوان پر ہو تو وہاں بیٹھنا مناسب نہیں، چاہے مقتداء نہ ہو، کیونکہ کہ آیت میں ہے، یاد کے بعد ظالم آدمی کے ساتھ نہ بیٹھو۔

تشریح : دستر خوان پر کوئی گناہ کا کام ہو رہا ہو تو اس دستر خوان سے اٹھ کر دور چلا جائے، چاہے یہ آدمی مقتداء اور پیشوا نہ ہو، کیونکہ آیت میں ہے کہ ظالم آدمی کے ساتھ نہ بیٹھو، اور یہ آدمی لہولعب کر کے اپنے اوپر ظلم کر رہا ہے اور دوسرے کو بھی اس میں

مُقْتَدًى لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿فَلا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ [الأنعام: ٦٨] ۴ وَهَذَا كُلُّهُ بَعْدَ الْحُضُورِ، وَلَوْ عَلِمَ قَبْلَ الْحُضُورِ لا يَحْضُرُ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَلْزَمْهُ حَقُّ الدَّعْوَةِ، بِخِلافِ مَا إِذَا هَجَمَ عَلَيْهِ؛ لِأَنَّهُ قَدْ لَزِمَهُ، ۵ وَدَلَّتْ الْمَسْأَلَةُ عَلَى أَنَّ الْمَلاهِيَ كُلَّهَا حَرَامٌ حَتَّى التَّغَنِّي بِضَرْبِ الْقَضِيبِ. وَكَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ - رَحِمَهُ اللَّهُ - اُبْتُلِيتُ، لِأَنَّ الِابْتِلَاءَ بِالْمُحَرَّمِ

مبتلاء کرنا چاہتا ہے اس لئے اس کے ساتھ نہ بیٹھے۔

وجه: اوپر کی آیت یہ ہے۔و اما ینسینک الشیطان فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظالمین ۔(آیت ۶۸، سورۃ الانعام ۶) اس آیت میں ہے کہ یاد ہونے کے بعد ظالم قوم کے پاس مت بیٹھو۔

ترجمه: ۴ یہ سب گناہ حاضر ہونے کے بعد شروع ہوا تو یہ گزرے ہوئے احکام ہیں اور اگر حاضر ہونے سے پہلے معلوم ہو گیا تو مجلس میں حاضر ہی نہ ہو اس لئے کہ دعوت کا حق لازم نہیں کیا ہے، بخلاف جبکہ اچانک یہ سب لہولعب آ گیا ہو، اس لئے کہ دعوت لازم کر لیا ہے۔

تشریح: حاضر ہونے سے پہلے معلوم نہیں تھا تب تو صبر کرے وغیرہ ہے، لیکن حاضر ہونے سے پہلے ہی معلوم ہو گیا کہ وہاں لہولعب ہے تو مجلس میں حاضر ہی نہ ہو، کیونکہ دعوت لازم نہیں کیا ہے، اور حدیث میں جو ہے کہ ضرور قبول کرے وہ اس صورت میں ہے کہ سنت کے مطابق دعوت ہو تو حاضر ہونا ضروری ہے۔

ترجمه: ۵ اوپر کے مسئلے سے یہ پتہ چلا کہ لہو ولعب سب حرام ہیں، یہاں تک کہ لکڑی مار کر گانا گانا بھی حرام ہے، ایسے ہی ابو حنیفہؒ کا قول کہ میں مبتلاء کیا گیا، تو مبتلاء ہونا حرام میں ہی مبتلاء ہونے کو کہا جاتا ہے۔

تشریح: اوپر کے مسئلے میں یہ تھا ابتلیت، کہ میں مبتلاء ہو گیا، اس جملے سے پتہ چلا کہ لہولعب حرام ہیں۔ یہاں تک دو لکڑیوں کو بجا بجا کر جو گاتے ہیں جسکو، نے، کہتے ہیں وہ بھی حرام ہے۔

وجه: (۱) و من الناس من یشتری لهو الحدیث لیضل عن سبیل الله بغیر علم ۔(آیت ۶، سورۃ لقمان ۳۱) اس آیت کے اشارے سے معلوم ہوا کہ لہولعب اچھی چیز نہیں ہے۔(۲) اس حدیث میں بھی ہے۔ عن نافع قال سمع ابن عمر مزمارا قال فوضع اصبعیه علی أذنیه و نأی عن الطریق و قال لی یا نافع !هل تسمع شیئا ؟ قال فقلت لا قال فرفع اصبعیه من أذنه و قال کنت مع رسول الله ﷺ فسمع مثل هذا فصنع مثل هذا . (ابو داود شریف، باب کراہیۃ الغنا والزمر، ص ۶۹۴، نمبر ۴۹۲۴) اس حدیث میں ہے کہ گانا نہ سنے اس کے لئے کان میں انگلی ڈالی (۳) اس حدیث میں ہے کہ گانا بجانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے۔ سمعت عبد الله یقول سمعت رسول الله ﷺ یقول ان الغناء ینبت النفاق فی القلب ۔(ابو داود شریف، باب کراہیۃ الغنا والزمر، ص ۶۹۴، نمبر ۴۹۲۷)

يَكُونُ.

﴿فَصْلٌ فِي اللُّبْسِ﴾

(۲۷۲)قَالَ لَا يَحِلُّ لِلرِّجَالِ لُبْسُ الْحَرِيرِ وَيَحِلُّ لِلنِّسَاءِ ؛ا لِأَنَّ النَّبِيَّ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - نَهَى عَنْ لُبْسِ الْحَرِيرِ وَالدِّيبَاجِ وَقَالَ: انَّمَا يَلْبَسُهُ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ فِي الْآخِرَةِ وَانَّمَا حَلَّ لِلنِّسَاءِ بِحَدِيثٍ آخَرَ، وَهُوَ مَا رَوَاهُ عِدَّةٌ مِنْ الصَّحَابَةِ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ - مِنْهُمْ عَلِيٌّ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - أَنَّ النَّبِيَّ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - خَرَجَ وَبِاحْدَى يَدَيْهِ حَرِيرٌ وَبِالْأُخْرَى

اصـــول: اگر آدمی مقتداء اور پیشوا ہے، اور مجلس میں اس کے رہنے سے اس بات کا خطرہ ہے کہ لوگ سمجھ جائیں گے کہ یہ لہو کی چیز جائز ہے تو یہ اس مجلس سے نکل جائے۔

اصول: اگر عام لوگ ہے، اور وہ کام مجلس میں ہو رہی ہے تو صبر کرے اور بیٹھا رہے۔

اصول: اگر سامنے دستر خوان پر لہو لعب کی چیز ہے تو دستر خوان سے اٹھ جائے، چاہے عام لوگ ہو چاہے مقتداء ہو۔

اصول: اور اگر مجلس میں جانے سے پہلے خرافات کا علم ہو جائے تو مجلس میں نہ جائے۔

﴿فصل فی اللبس﴾

ترجمہ :(۲۷۲) مرد کے لئے ریشم کا پہننا حرام ہے اور عورت کے لئے حلال ہے۔

ترجمہ :ا اس لئے کہ حضور ریشم اور دیباج کے پہننے سے روکا، اور فرمایا کہ یہ وہ پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے، اور عورتوں کے لئے دوسری حدیث سے حلال ہے، یہ حدیث بہت سے صحابہ سے منقول ہے، ان میں سے حضرت علیؓ ہیں، کہ نبی کریمؐ نکلے اور انکے ایک ہاتھ میں ریشم تھا اور دوسرے ہاتھ میں سونا، اور فرمایا یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں اور عورتوں پر حلال ہیں۔

وجہ :(۱) صاحب ہدایہ کی حدیث ان دو حدیثوں کا مجموعہ ہے۔ عن حذيفة قال نهى رسول الله ﷺ عن لبس الحرير و الذهب و قال هو لهم فى الدنيا و لنا فى الآخرة (ابن ماجۃ شریف، باب لبس الحریر والذهب للنساء، ص ۵۱۷، نمبر ۳۵۹۰)(۲) ان عمر بن الخطاب رأى حلة سيراء من حرير فقال يا رسول الله ! لو ابتعت هذه الحلة للوفد و ليوم الجمعة فقال رسول الله ﷺ انما يلبس هذه من لا خلاق له فى آخرة ۔(ابن ماجۃ شریف، باب لبس الحریر والذهب للنساء، ص ۵۱۷، نمبر ۳۵۹۱) ان دو حدیثوں کا مجموعہ صاحب ہدایہ کی حدیث ہے، جس میں ہے کہ مردوں کے لئے ریشم اور سونا حرام ہے(۳) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ سمعت على بن

ذَهَبٌ وَقَالَ: هَذَانِ مُحَرَّمَانِ عَلَى ذُكُورِ أُمَّتِي حَلَالٌ لِإِنَاثِهِمْ وَيُرْوَى حِلٌّ لِإِنَاثِهِمْ (٢٧٣)إِلَّا أَنَّ الْقَلِيلَ عَفْوٌ وَهُوَ مِقْدَارُ ثَلَاثَةِ أَصَابِعَ أَوْ أَرْبَعَةٍ كَالْأَعْلَامِ وَالْمَكْفُوفِ بِالْحَرِيرِ ا لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – نَهَى عَنْ لُبْسِ الْحَرِيرِ إِلَّا مَوْضِعَ اصْبَعَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةٍ أَوْ أَرْبَعَةٍ أَرَادَ الْأَعْلَامَ. وَعَنْهُ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – أَنَّهُ كَانَ يَلْبَسُ جُبَّةً مَكْفُوفَةً بِالْحَرِيرِ.

طالبٌ يقول أخذ رسول الله ﷺ حريرا بشماله و ذهبا بيمينه ثم رفع بهما يديه فقال : ان هذا حرام علی ذكور امتی حل لاناثهم ۔(ابن ماجۃ شریف، باب لبس الحریر والذهب للنساء،ص ۵۱۷،نمبر ۳۵۹۵ /ابوداؤد شریف، باب فی الحریر للنساء،ص ۲۰۶،نمبر ۴۰۵۷ ۔اس حدیث میں ہے کہ سونا ، چاندی اور ریشم مردوں کے حرام ہیں اور عورتوں کے لئے حلال ہیں ۔(۴)اس حدیث میں ہے۔عن حذیفةؓ قال نهانا النبی ﷺ ان نشرب فی آنية الذهب والفضة وان ناكل فيها وعن لبس الحرير والديباج وان نجلس عليه. (بخاری شریف، باب افتراش الحریر،ص ۱۰۲۹،نمبر ۵۸۳۷/مسلم شریف، باب تحریم استعمال اناء الذهب والفضة علی الرجال والنساء وخاتم الذهب والحریر علی الرجال واباحته للنساء،ص ۹۲۵،نمبر ۲۰۶۷/۵۴۰۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردوں کے لئے ریشم کا پہننا حرام ہے۔

عورتوں کے لیے زیور حلال ہے اس کے لئے یہ حدیث بھی ہے۔ عن عائشةؓ قالت قدمت علی النبی ﷺ حلية من عند النجاشی اهداها له فيها خاتم من ذهب فيه فص حبشی قالت فاخذه رسول الله ﷺ بعود معرضا عنه او ببعض اصابعه،ثم دعا امامة بنت ابی العاص بنت ابنته زينب ،فقال تحلی بهذا يا بنية (ابوداؤد شریف، باب ما جاء فی الذهب للنساء،ص ۲۳۰،نمبر ۴۲۳۵)اس حدیث میں سونے کی انگوٹھی اپنی نواسی حضرت امامۃ کو عنایت فرمایا،جس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لئے سونا پہننا جائز ہے۔اور جب سونا جائز ہے تو چاندی بدرجہ اولی جائز ہوگی۔

لغت :تحلی : زیور پہننا۔

ترجمہ :(۲۷۳) مگر یہ کہ تھوڑا سا ریشم مرد کے لئے معاف ہے،اور وہ تین یا چار انگلیوں کی مقدار ہے،جس سے پھول بوٹے بنانا ہو، یا ریشم کا جھالر بنانا ہو

ترجمہ :ا روایت ہے کہ حضورؐ نے ریشم کے پہننے سے منع فرمایا،مگر دو انگلی، یا تین انگلی،اور چار انگلی کے مقدار،جس سے پھول بوٹے بنانا مقصود ہو، چنانچہ حضورؐ سے روایت ہے کہ ایسا جبہ پہنتے تھے جس میں ریشم کا جھالر تھا، یا ریشم کا کف بنا ہوا تھا۔

تشریح :پورا کپڑا سوت کا یا اون کا ہو لیکن اس میں دو چار انگلیاں ریشم کا لگا ہو، یا جھالر ریشم کا ہو تو جائز ہے۔

وجہ :(۱)اس حدیث میں ہے کہ چار انگلیاں ریشم کا ہوتا تھا،جسکو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ۔ان عمر بن الخطاب خطب بالجابية فقال نهی نبی الله ﷺ عن لبس الحرير الا موضع اصبعين ، او ثلاث او ربع ۔(مسلم

(۲۷۴) قَالَ وَلَا بَأْسَ بِتَوَسُّدِهِ وَالنَّوْمِ عَلَيْهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا: يُكْرَهُ ا وَفِي الْجَامِعِ

شریف، باب تحریم لبس الحریر وغیر ذالک للرجال، ص ۹۲۸، نمبر ۲۰۶۹/۵۴۱۷) اس حدیث میں ہے کہ ایک دو انگلی ریشم میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (۲) یا جھالر ریشم کا ہو، پھول بوٹے ریشم کا ہو تو بھی جائز ہے اس کے لئے حدیث یہ ہے جسکو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا۔ فاتیت اسماء فذکرت ذالک لها فقالت یا جاریة! ناولینی جبة رسول الله ﷺ فأخرجت جبة طیالسة مکفوفة الجیب و الکمین و الفرجین بالدیباج۔ (ابوداود شریف، باب الرخصۃ فی العلم و خیط الحریر، ص ۵۷۲، نمبر ۴۰۵۴ رمسلم شریف، باب اللباس والزینۃ، ص ۹۲۶، نمبر ۲۰۶۹/۵۴۰۹) اس حدیث میں ہے کہ جھالر وغیر ریشم کا ہو تو مرد کے لئے اتنا ریشم حلال ہے۔

لغت: اعلام: علم سے مشتق ہے، پھول بوٹا لگانا۔ مکفوف: کف سے مشتق ہے، جھالر لگانا، کف لگانا۔

ترجمہ: (۲۷۴) اور کوئی مضائقہ نہیں ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس پر تکیہ لگانے میں اور اس پر سونے میں، اور صاحبینؒ کے نزدیک مکروہ ہے ٹیک لگانا۔

تشریح: ریشم کے تکئے پر ٹیک لگانے میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے۔ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ مکروہ ہے

اصول: امام ابو حنیفہؒ کا اصول یہ ہے کہ کرتا، پائجامہ بنا کر ریشم پہنے نہیں لیکن اس طرح استعمال کرے کہ جسم سے صرف لگے، جیسے تکیہ پر ٹیک لگانا تو یہ جائز ہے، کیونکہ اس کو پہنا نہیں گیا

وجہ: (۱) عن البراءؓ قال اهدی للنبی ﷺ ثوب حریر فجعلنا نلمسه و نتعجب منه۔ (بخاری شریف، باب من مس الحریر من غیر لبس، ص ۱۰۲۸، نمبر ۵۸۳۶) اس حدیث میں بغیر پہنے ہوئے ریشم استعمال کیا ہے۔ (۲) امام ابو حنیفہؒ اس عمل صحابی سے استدلال کرتے ہیں۔ استاذن سعد علی ابن عامر و تحته مرافق من حریر فامر بها فرفعت فلما دخل سعد دخل و علیه مطرف من خز ....فقال له سعد نعم الرجل انت ان لم تکن ممن قال الله ﴿ اذهبتم طیباتکم فی حیاتکم الدنیا ﴾ [آیت ۲۰، سورۃ الاحقاف ۴۶] لان اضطجع علی جمر الغضا احب الی من ان اضطجع علیها۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب من رخص فی لبس الخز، ج خامس، ص ۱۵۰، نمبر ۲۴۶۲۹ رمستدرک للحاکم، کتاب التفسیر تفسیر سورۃ الاحقاف، ص ۴۹۴، نمبر ۳۶۹۷) اس عمل صحابی میں ہے کہ ابن عامر کے ہاتھ کے نیچے ریشم کا تکیہ تھا (۳) تکیہ کا استعمال کرنا تھوڑا بہت ریشم استعمال کرنے کے درجے میں ہے اس لئے اس کی گنجائش ہوگی، جیسے پہلے جھالر وغیر بنانے کی گنجائش تھی۔

(۳) صاحبین کی دلیل یہ حدیث ہے جس میں ریشم پر بیٹھے سے منع کیا گیا ہے۔ عن حذیفةؓ قال نهانا النبی ﷺ ان نشرب فی آنیة الذهب والفضة وان ناکل فیها وعن لبس الحریر والدیباج وان نجلس علیه. (بخاری شریف، باب افتراش الحریر، ص ۱۰۲۹، نمبر ۵۸۳۷ رمسلم شریف، باب تحریم استعمال اناء الذهب والفضۃ علی الرجال والنساء

الصَّغِيرِ ذَكَرَ قَوْلَ مُحَمَّدٍ وَحْدَهُ، وَلَمْ يَذْكُرْ قَوْلَ أَبِي يُوسُفَ، وَإِنَّمَا ذَكَرَهُ الْقُدُورِيُّ وَغَيْرُهُ مِنَ الْمَشَايِخِ، ٢ وَكَذَا الِاخْتِلَافُ فِي سِتْرِ الْحَرِيرِ وَتَعْلِيقِهِ عَلَى الْأَبْوَابِ. ٣ لَهُمَا الْعُمُومَاتُ، وَلِأَنَّهُ مِنْ زِيِّ الْأَكَاسِرَةِ وَالْجَبَابِرَةِ وَالتَّشَبُّهُ بِهِمْ حَرَامٌ. وَقَالَ عُمَرُ - رَضِيَ اللَّهُ

وخاتم الذهب والحریر علی الرجال واباحتہ للنساء ،ص ۹۲۵ ،نمبر ۲۰۶۷ /۵۴۰۰) اس سے معلوم ہوا کہ ریشم پر بیٹھنا حرام ہے

ترجمہ : ١ جامع صغیر میں ریشم کے تکیے پر ٹیک لگانا مکروہ ہونے کے سلسلے میں تنہا امام محمدؒ کا قول ہے۔ اور اس کے ساتھ امام ابو یوسفؒ کا قول مذکور نہیں ہے، یہ صرف قدوری اور انکے علاوہ مشائخ نے لکھا ہے۔

تشریح ؛ قدوری نے لکھا کہ ریشم کے تکیہ پر ٹیک لگانا مکروہ ہے، یہ صاحبینؒ کا قول ہے، لیکن جامع صغیر میں یہ ہے کہ یہ قول تنہا امام محمدؒ کا ہے، امام ابو یوسفؒ کا اس کے ساتھ ذکر نہیں ہے، جامع صغیر کی عبارت یہ ہے۔ قال محمدؒ یکرہ ذالک کلہ (جامع صغیر باب الکراہیۃ فی اللبس ،ص ۴۷۷) اس عبارت میں یہ ہے کہ صرف امام محمدؒ کے یہاں ریشم کے تکیے پر ٹیک لگانا مکروہ ہے۔

ترجمہ : ٢ اسی طرح اختلاف ہے ریشم کے پردے کے بارے میں اور اس کو دروازے پر لٹکانے کے بارے میں۔

تشریح : ریشم کا پردہ دروازے پر لٹکانا جائز ہے یا نہیں، اس بارے میں بھی امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے یہاں اختلاف ہے، امام ابو حنیفہؒ کے یہاں جائز ہے اور صاحبین کے یہاں مکروہ ہے۔

ترجمہ : ٣ صاحبین کی دلیل وہ عام حدیث ہے جس میں ریشم سے روکا گیا ہے، اور اس لئے کہ یہ شاہان عجم اور متکبرین کا لباس ہے، اور اس کے ساتھ مشابہت حرام ہے، چنانچہ حضرات عمرؓ نے فرمایا کہ عجمیوں کے لباس سے بچا کرو۔

تشریح : عام احادیث جن میں ریشم کے کپڑے کو حرام کیا گیا ہے، صاحبین کی دلیل وہ احادیث ہیں، اور دوسری دلیل یہ ہے کہ ریشم کا تکیہ لگانا عجمی بادشاہوں کا طریقہ ہے، اور حضرت عمرؓ نے عجمی باشاہوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے، اس لئے ریشم کے تکیے پر ٹیک لگانا ممنوع ہے

وجہ: صاحبین کی ایک حدیث اوپر گزری۔ عن حذیفۃؓ قال نھانا النبی ﷺ ان نشرب فی آنیۃ الذھب والفضۃ وان ناکل فیھا وعن لبس الحریر والدیباج وان نجلس علیہ. (بخاری شریف، باب افتراش الحریر، ص ۱۰۲۹، نمبر ۵۸۳۷ / مسلم شریف، باب تحریم استعمال اناء الذھب والفضۃ علی الرجال والنساء وخاتم الذھب والحریر علی الرجال واباحتہ للنساء ،ص ۹۲۵ ،نمبر ۲۰۶۷ /۵۴۰۰) (۲) اور حضرت عمر نے عجمی باشاہوں کے ساتھ مشابہت کرنے سے منع فرمایا اس کا قول صحابی یہ ہے۔ عن ابی عثمان قال کتب الینا عمر و نحن باذربیجان ......و ایاکم و التنعم و زی اھل الشرک و لبوس الحریر فان رسول اللہ نھی عن لبوس الحریر ۔ (مسلم شریف، باب اللباس والزینۃ، ص ۹۲۷ ،نمبر ۲۰۶۹ /۵۴۱۱)

عَـنْـهُ -: اِيَّاكُمْ وَزِيَّ الْأَعَاجِمِ. ۴ وَلَـهُ مَـا رُوِيَ أَنَّـهُ - عَـلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - جَلَسَ عَلَى مِـرْفَـقَةِ حَرِيرٍ ، وَقَدْ كَانَ عَلَى بِسَاطِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا - مِرْفَقَةُ حَرِيرٍ، وَلِأَنَّ الْـقَـلِـيـلَ مِـنَ الْـمَلْبُوسِ مُبَاحٌ كَالْأَعْلَامِ فَكَذَا الْقَلِيلُ مِنَ اللُّبْسِ وَالِاسْتِعْمَالِ، وَالْجَامِعُ كَـوْنُـهُ نَـمُوذَجًا عَلَى مَا عُرِفَ. (۲۷۵) قَالَ وَلَا بَـأْسَ بِـلُبْـسِ الْـحَرِيرِ وَالدِّيبَاجِ فِي الْحَرْبِ عِنْدَهُمَا ا لِمَا رَوَى الشَّعْبِيُّ أَنَّهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - رَخَّصَ فِي لُبْسِ الْحَرِيرِ وَالدِّيبَاجِ

لغت:توسد : وسادۃ سے مشتق ہے ٹیک لگانا، تکیہ بنانا۔زی الاعاجم :زی کا ترجمہ ہے لباس۔زی الاعاجم ؛عجمیوں کا لباس

ترجمہ :۴ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں روایت کی گئی ہے کہ حضور علیہ السلام ریشم کے تکیے پر بیٹھے،اور عبداللہ ابن عباس کے بستر پر ریشم کا تکیہ تھا،اور اس لئے بھی کہ تھوڑا سا لباس مباح ہے جیسے کی پھول بوٹے لگانا، پس ایسے ہی تھوڑا سا لباس بھی مباح ہے۔اور استعمال کرنا بھی مباح ہے،اور دونوں کے اندر علت نمونہ ہے، جیسا کہ پہلے پہچانا گیا۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کی [۱] ایک دلیل تو وہ روایت ہے جس میں یہ ہے کہ حضور ریشم کے تکیے پر بیٹھے، [۲] اور دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس کے بستر پر ریشم کا تکیہ تھا، [۳] اور تیسری بات یہ ہے کہ نمونے کے طور پر تھوڑا سا ریشم مباح ہے، جیسے پہننے کے کپڑے میں نقش ونگار کے طور پر تھوڑا سا ریشم جائز ہوتا ہے۔

وجہ:(۱) حضور ریشم کے تکیے پر نہیں بیٹھے بلکہ حضرت ابن عامر ریشم کے تکیے پر بیٹھے، عمل صحابی یہ ہے۔ **استاذن سعد علی ابن عامر و تحته مرافق من حریر فامر بها فرفعت** ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ، باب من رخص فی لبس الخز، ج خامس، ص ۱۵۰،نمبر ۲۴۶۲۹ رمستدرک للحاکم ، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ الاحقاف ، ج ثانی ،ص ۴۹۴، نمبر ۳۶۹۷) (۲) اور حضرت ابن عباس کے اوپر ریشم کا کپڑا تھا اس کا عمل یہ ہے۔ **اخبرنی عمار قال رأیت علی ابی قتادۃ مطر ف خز و رأیت علی ابی هریرۃ مطرف خز و رأیت علی ابن عباس ما لا احصی** ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ، باب من رخص فی لبس الخز، ج خامس،ص ۱۴۹،نمبر ۲۴۶۲۱)

ترجمہ :(۲۷۵) کوئی حرج نہیں ہے ریشم اور دیبا پہننے میں جنگ میں صاحبینؒ کے نزدیک،اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہے۔

ترجمہ :ا روایت کیا شعبی نے کہ حضور ﷺ نے جنگ میں ریشم پہننے کی رخصت دی۔

تشریح : میدان جنگ میں ریشم اور دیبا ریشمی کپڑا ہوتا ہے اس کو پہننے میں صاحبینؒ کے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے۔

وجہ :(۱) اس حدیث میں ہے جسکو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے۔ **عن انسؓ ان عبد الرحمن ابن عوفؓ والزبیر شکوا الی النبی ﷺ یعنی القمل فارخص لهما فی الحریر ،فرأیته علیهما فی غزاۃ** (بخاری شریف، باب

فِي الْحَرْبِ ٢ وَلِأَنَّ فِيهِ ضَرُورَةً فَإِنَّ الْخَالِصَ مِنْهُ أَدْفَعُ لِمَعَرَّةِ السِّلَاحِ وَأَهْيَبُ فِي عَيْنِ الْعَدُوِّ لِبَرِيقِهِ ٣ وَيُكْرَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ؛ لِأَنَّهُ لَا فَصْلَ فِيمَا رَوَيْنَاهُ، وَالضَّرُورَةُ انْدَفَعَتْ بِالْمَخْلُوطِ وَهُوَ الَّذِي لُحْمَتُهُ حَرِيرٌ وَسَدَاهُ غَيْرُ ذَلِكَ، وَالْمَحْظُورُ لَا يُسْتَبَاحُ إلَّا لِضَرُورَةٍ. وَمَا رَوَاهُ

الحریر فی الحرب، ص۴۸۳، نمبر۲۹۲۰/(۲) عن انس بن مالک ان عبد الرحمن ابن عوف و الزبیر بن العوام شکیا القمل الی النبی ﷺ فی غزاة لهما فرخص لهما فی قمص الحریر قال و رأیت علیهما ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرخصة فی لبس الحریر فی الحرب، ص۳۰۲، نمبر۱۷۲۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابیؓ جنگ میں ریشم پہنا کرتے تھے۔(۳)عن عطاء قال لا بأس بلبس الحریر فی الحرب. (مصنف ابن ابی شیبة،۳من رخص فی لبس الحریر فی الحرب اذا کان لہ عذر، ج خامس، ص۱۵۳، نمبر۲۴۶۶۳/مصنف عبد الرزاق، باب الحریر والدیباج وآنیة الذھب والفضة، ج عشر، ص۱۱۸، نمبر۲۰۱۱۲)اس عمل صحابی سے معلوم ہوا کہ جنگ میں ریشم پہننا جائز ہے۔

ترجمه : ٢ اور اس لئے کہ اس ریشم کی جنگ میں ضرورت ہے اس لئے کہ خالص ریشم زیادہ مدد کرنے والی ہے اور اپنی چمک کی وجہ سے دشمن کی آنکھ میں ہیبت ڈالنے والی ہے۔

تشریح : ریشم کا کپڑا تین تہ کر دیئے جائیں تو اس سے تلوار پھسل جاتی ہے اس لئے اس کے پہننے میں جان کا بچاؤ ہے ۔دوسری بات یہ ہے کہ اس کی چمک سے دشمن مرعوب ہو جاتا ہے اس لئے بھی ریشم کے پہننے کی گنجائش ہے۔

لغت :معرة: شدت۔السلام، اصل میں السلاح، ہے، ہتھیار مراد ہے کہ ہتھیار کی شدت کو دفع کرنے والا ہے۔اہیب: ہیبت سے مشتق ہے، رعب۔بریق: چمک۔

ترجمه :٣ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جنگ میں بھی ریشم پہننا مکروہ ہے اس لئے کہ جن احادیث کی روایت کی اس میں کوئی فرق نہیں ہے، جنگ ہو یا اس کے علاوہ ہو، ااور مخلوط ریشم سے ضرورت پوری ہوگئی، اومخلوط ریشم یہ ہے کہ تانا ریشم ہو اور بانا اس کے علاوہ کا ہو، اور جو ممنوع ہے وہ ضرورت کی بنا پر بھی مباح نہیں ہوتا، اور جس روایت میں ہے کہ ریشم کی اجازت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مخلوط ریشم ہو۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ حرمت کی حدیث کی بنیاد پر جنگ میں ریشم پہننا مکروہ قرار دیتے ہیں۔

وجه :(۱)ایک وجہ یہ ہے کہ جن احادیث میں منع ہے وہ عام ہے اس میں یہ فرق نہیں ہے کہ جنگ میں اس کی گنجائش ہے، اس لئے جنگ میں بھی اس کی ممانعت ہوگی۔(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر جنگ میں ریشم کی ضرورت پڑی تو ایسی رشم سے کام چل جائے گا جس کا تانا ریشم ہو اور بانا سوت، یا اون ہو اس لئے خالص ریشم کی ضرورت نہیں ہے (۳) اور جس حدیث میں اس کی اباحت معلوم ہوتی ہے وہ ملاوٹ والی ریشم پر محمول ہے۔(۴) اس قول تابعی میں ہے کہ جنگ میں بھی اس کی کراہیت

مَحْمُولٌ عَلَى الْمَخْلُوطِ . (۲۷۶) قَالَ وَلَا بَأْسَ بِلُبْسِ مَا سَدَاهُ حَرِيرٌ وَلُحْمَتُهُ غَيْرُ حَرِيرٍ كَالْقُطْنِ وَالْخَزِّ فِي الْحَرْبِ وَغَيْرِهِ لِ لِأَنَّ الصَّحَابَةَ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ - كَانُوا يَلْبَسُونَ الْخَزَّ، وَالْخَزُّ مَسْدِيٌّ بِالْحَرِيرِ، وَلِأَنَّ الثَّوْبَ إِنَّمَا يَصِيرُ ثَوْبًا بِالنَّسْجِ وَالنَّسْجُ بِاللُّحْمَةِ فَكَانَتْ هِيَ الْمُعْتَبَرَةُ دُونَ السَّدَى. ٢ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: أَكْرَهُ ثَوْبَ الْقَزِّ يَكُونُ بَيْنَ الْفَرْوِ

ہے۔عن عكرمة انه كرهه فی الحرب وقال ارجی ما يكون للشهادة . (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۳من رخص فی لبس الحریر فی الحرب اذا کان لہ عذر، ج خامس، ص۱۵۴، نمبر ۲۴۶۶۶) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ جنگ میں ریشم پہننا مکروہ ہے۔

لغت: لحمۃ: بانا۔ سدا: تانا۔

ترجمہ: (۲۷۶) اور کوئی حرج کی بات نہیں ہے ملحم کے پہننے میں جبکہ اس کا تانا ریشم ہو اور بانا سوت یا اون ہو۔ جنگ اور اس کے علاوہ میں

ترجمہ: ل اس لئے کہ صحابہ خز پہنتے تھے، اور خز اس کو کہتے ہیں کہ اس کا تانا ریشم ہو [اور بانا اون یا سوت] اس لئے کہ کپڑا بانے سے مکمل ہوتا ہے، اس لئے بانے کا اعتبار ہے تانے کا نہیں۔

تشریح: کپڑے تانے سے نہیں بنتا بلکہ بانے سے بنتا ہے اس لئے اصل اعتبار بانے کا ہے۔ پس اگر بانا سوت یا اون کا ہو تو وہ سوت یا اون ہی شمار ہو گا ریشم شمار نہیں ہو گا، بلکہ ریشم تابع ہو جائے گا۔ اس لئے تانا چاہے ریشم ہو لیکن بانا اگر اون یا سوت ہے تو اس کے پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وجہ: (۱) حدیث میں ہے۔ اخبرنی عبد الله بن سعيد عن ابيه سعد قال رأيت رجلا ببخاری على بغلة بيضاء عليه عمامة خز سوداء فقال كسانيها رسول الله ﷺ (۲) دوسری روایت کے اخیر میں ہے۔ قال ابوداؤد وعشرون نفسا من اصحاب رسول الله ﷺ او اكثر لبسوا الخز منهم انسؓ، والبراءؓ بن عازب (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی الخز، ص۵۷۰، نمبر ۴۰۳۸/۴۰۳۹) (۳) عمل صحابی میں ہے۔ كان لابی بكرة مطرف خز سداه حرير و كان يلبسه. (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱من رخص فی لبس الحریر، ج خامس، ص۱۴۹، نمبر ۲۴۶۱۶) اس حدیث اور عمل صحابی سے معلوم ہوا کہ خز یعنی ایسا کپڑا جس میں ریشم اور اور اون دونوں ہوں یا ریشم اور سوت دونوں ہوں اس کا پہننا جائز ہے۔ اون اور ریشم دونوں کے مجموعی کپڑے کو خز کہتے ہیں۔

لغت: سدا: تانا۔ لحمۃ: بانا۔ ابریسم: ریشم۔ قطن: روئی۔ نسج: کپڑا بننا۔

ترجمہ: ۲ حضرت امام ابو یوسفؒ مکروہ سمجھتے تھے ریشم کے کپڑے کو چمڑے اور ابرے کے درمیان میں ہو، اور ریشم کا

وَالظِّهَارَةِ، وَلَا أَرَى بِحَشْوِ الْقَزِّ بَأْسًا؛ لِأَنَّ الثَّوْبَ مَلْبُوسٌ وَالْحَشْوَ غَيْرُ مَلْبُوسٍ. (۲۷۷)قَالَ وَمَا كَانَ لُحْمَتُهُ حَرِيرًا وَسَدَاهُ غَيْرَ حَرِيرٍ لَا بَأْسَ بِهِ فِي الْحَرْبِ(لِلضَّرُورَةِ) وَيُكْرَهُ فِي غَيْرِهِ لِانْعِدَامِهَا، وَالِاعْتِبَارُ لِلُّحْمَةِ عَلَى مَا بَيَّنَّا. (۲۷۸) قَالَ وَلَا يَجُوزُ لِلرِّجَالِ التَّحَلِّي بِالذَّهَبِ(لِمَا رَوَيْنَا) وَلَا بِالْفِضَّةِ ا لِأَنَّهَا فِي مَعْنَاه

بھرت ہوتو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے، اس لئے کہ کپڑا پہنا جاتا ہے اور بھرت نہیں پہنا جاتا۔

تشریح : کپڑے کی تین تہیں ہوں، اوپر کی تہ میں اون، اس کے نیچے ریشم اور اس کے نیچے چمڑا تو ایسے کپڑے کو امام ابو یوسفؒ مکروہ سمجھتے تھے، کیونکہ ریشم کا کپڑا درمیان میں ہے جسکو استعمال کر رہا ہے اس لئے یہ مکروہ ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اوپر اون ہے، اس کے نیچے ریشم کا کپڑا نہیں ہے بلکہ روئی کے گدے کی طرح ریشم بھرا ہے، اور اس کے نیچے چمڑا ہے تو یہ مکروہ نہیں ہے، کیونکہ یہاں درمیان میں ریشم کا کپڑا نہیں ہے بلکہ کپڑا بنائے بغیر ریشم کا گدا بھرا ہے اس لئے یہ جائز ہے۔

لغت :قز: ریشم۔فرو: چمڑا، پوستین۔ظہارۃ: ظاہر کا استر، اوپر کا استر، اس کے مقابلے آتا ہے بطانہ: نیچے کا استر ، نیچے کا کپڑا۔ حشو: دو کپڑوں کے درمیان جو روئی کا گدا بھرتے ہیں اس کو حشو، کہتے ہیں۔

ترجمہ : (۲۷۷)اور جس کا بانا ریشم ہو، اور تانا ریشم کے علاوہ ہو تو ضرورت کی وجہ سے جنگ میں پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اس کے علاوہ میں مکروہ ہے۔

ترجمہ : ا کیونکہ اس کے علاوہ میں ضرورت نہیں ہے، اور اعتبار بانے کا ہے جیسے کہ ہم نے بیان کیا۔

تشریح : چونکہ اعتبار بانے کا ہے اور بانا ریشم ہے اس لئے یہ جائز نہیں ہونا چاہئے، لیکن جنگ میں اس کی ضرورت ہے اس لئے اس ضرورت کی بنا پر یہ جائز ہے۔ دلیل پہلے گزر چکی۔

ترجمہ : (۲۷۸)اور نہیں جائز ہے مردوں کے لئے سونے کا زیور[اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے پہلے بیان کی] اور چاندی کا زیور پہننا۔

ترجمہ : ا اس لئے کہ چاندی بھی سونے کے معنی میں ہے۔

تشریح : جس طرح عورتوں کے لئے ریشم پہننا جائز ہے اسی طرح ان کے لئے سونے اور چاندی کا زیور پہننا جائز ہے۔ اور جس طرح مرد کے لئے ریشم پہننا حرام ہے اسی طرح ان کے لئے سونے اور چاندی کے زیور پہننا حرام ہے۔ البتہ صرف چاندی کی ایک تولہ انگوٹھی پہننا حلال ہے۔

وجہ:(۱) حدیث میں ہے۔ عن ابی موسی اشعریؓ ان رسول اللہ ﷺ قال حرم لباس الحریر والذھب

(۲۷۹) اِلَّا بِالْخَاتَمِ وَالْمِنطَقَةِ وَحِلْيَةِ السَّيْفِ مِنَ الْفِضَّةِ ١ تَحْقِيقًا لِمَعْنَى النَّمُوذَجِ، ٢ وَالْفِضَّةُ

علی ذکور امتی واحل لاناثهم (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الحریر والذهب للرجال، ص۴۱۱، نمبر۱۷۲۰) (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ سمعت البرء بن عازبؓ یقول نهانا النبی ﷺ عن سبع، نهی عن خاتم الذهب او قال حلقة الذهب وعن الحریر والاستبرق، والدیباج والمیثرة الحمراء والقسی وآنية الفضة. (بخاری شریف، باب خواتم الذهب، ص۱۰۳۲، نمبر۵۸۶۳ر مسلم شریف، باب تحریم استعمال اناء الذهب والفضة علی الرجال والنساء الخ، ص۹۲۳، نمبر۲۰۶۶/۵۳۸۸) ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ مرد کے لئے سونے اور چاندی کا زیور پہننا جائز نہیں ہے

لغت: تحلی : حلی سے مشتق ہے زیور پہننا، الذهب : سونا، الفضة : چاندی۔

ترجمہ : (۲۷۹) مگر انگوٹھی، پٹکے اور تلوار کے زیور میں جو چاندی کا ہو۔

ترجمہ : ١ تا کہ نمونے معنی متحقق ہو۔

تشریح : انگوٹھی چاندی کی ہو یا پٹکا چاندی کا ہو یا تلوار میں چاندی کا زیور لگا ہو تو اس کے استعمال کرنے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

وجہ: (۱) حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے سونے کی انگوٹھی بنوائی پھر اس کو پھینک دیا اور چاندی کی انگوٹھی بنوائی۔ عن عبد اللهؓ ان رسول الله ﷺ اتخذ خاتما من ذهب وجعل فصه مما یلی کفه فاتخذه الناس فرمی به واتخذ خاتما من ورق او فضة . (بخاری شریف، باب خواتیم الذهب، ص۱۰۳۳، نمبر۵۸۶۵ر مسلم شریف، باب خاتم الورق فصه حبشی، ص۹۳۷، نمبر۲۰۹۳/۵۴۸۳ر ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی اتخاذ الخاتم، ص۵۹۱، نمبر۴۲۱۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد چاندی کی انگوٹھی بنوا سکتا ہے۔

(۲) تلوار میں چاندی کے زیور کے لئے یہ حدیث ہے۔ عن انس قال کانت قبیعة سیف رسول الله فضة (ابوداؤد شریف، باب فی السیف یحلی، ص۳۷۴، نمبر۲۵۸۳ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی السیوف وحلیتها، ص۴۰۵، نمبر۱۶۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تلوار میں چاندی ہو یا اس کے دستے میں چاندی ہو تو جائز ہے۔ اور پٹکے کو اس پر قیاس کر سکتے ہیں (۳)۔ عن عاصم الاحول قال رأیت قدح النبی ﷺ عند انسؓ بن مالک وکان قد انصدع فسلسله بفضة قال هو قدح جید عریض من نضار قال قال انسؓ لقد سقیت رسول الله ﷺ فی هذا القدح اکثر من کذا و کذا (بخاری شریف، باب الشرب من قدح النبی ﷺ وآنیته، ص۹۹۸، نمبر۵۶۳۸) اس حدیث میں ٹوٹے ہوئے پیالے پر چاندی چڑھایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ پٹکے پر چاندی لگانا جائز ہے (۴) اصل میں نمونے کے طور پر چاندی استعمال کرنا جائز ہے۔ اور اتنی سی چاندی نمونے کے طور پر ہی ہوتی ہے اس لئے اتنی چاندی کا استعمال جائز ہے۔

لغت: منطقة : پٹکا، حلية السيف : تلوار کا زیور۔

أَغْنَتْ عَنْ الذَّهَبِ اذْ هُمَا مِنْ جِنْسٍ وَاحِدٍ، كَيْفَ وَقَدْ جَاءَ فِي إبَاحَةِ ذَلِكَ آثَارٌ. ۳؎ وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: وَلَا يَتَخَتَّمُ إلَّا بِالْفِضَّةِ، وَهَذَا نَصٌّ عَلَى أَنَّ التَّخَتُّمَ بِالْحَجَرِ وَالْحَدِيدِ وَالصُّفْرِ حَرَامٌ. وَرَأَى رَسُولُ اللَّهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – عَلَى رَجُلٍ خَاتَمَ صُفْرٍ فَقَالَ: مَالِي أَجِدُ مِنْكَ رَائِحَةَ الْأَصْنَامِ. وَرَأَى عَلَى آخَرَ خَاتَمَ حَدِيدٍ فَقَالَ: مَالِي أَرَى عَلَيْكَ حِلْيَةَ

ترجمه : ۲؎ اور چاندی کے حلال ہونے کی وجہ سے سونے سے بے پرواہ کر دیا، اس لئے کہ دونوں ایک ہی جنس سے ہیں، اور کیوں نہیں جبکہ چاندی کے مباح ہونے میں بہت سی احادیث ہیں۔

تشریح : چاندی کی انگوٹھی حلال ہے اس لئے اس سے نمونہ ہو گیا اس لئے سونے کی انگوٹھی حرام ہی رہے گی، اور چاندی کی انگوٹھی حلال ہونے میں بہت سی احادیث ہیں۔

وجه: (۱) عن انس بن مالک ؓ قال کان خاتم النبی ﷺ من فضة کله فصه منه ۔ (ابوداود شریف، باب ما جاء فی اتخاذ الخاتم، ص ۵۹۱، نمبر ۴۲۱۷ / ترمذی شریف، باب ما جاء فی خاتم الفضة، ص ۴۱۵، نمبر ۱۷۳۹) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ کی انگوٹھی چاندی کی تھی۔ (۲) اس حدیث میں سونے کی انگوٹھی سے منع فرمایا ہے ۔ عن علی بن طالب قال نهانی رسول الله ﷺ عن التختم بالذهب ۔ (ترمذی شریف، باب ما جاء فی کراہیۃ خاتم الذہب، ص ۴۱۵، نمبر ۱۷۳۷) اس سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا ہے۔

ترجمه : ۳؎ اور جامع صغیر میں ہے کہ صرف چاندی ہی کی انگوٹھی بنائے، اور یہ جملہ اس بات کی صراحت ہے کہ پتھر اور لوہا اور پیتل کی انگوٹھی بنانا حرام ہے، چنانچہ حضورؐ نے ایک آدمی پر پیتل کی انگوٹھی دیکھی تو فرمایا کہ کیا بات ہے کہ تم سے بت کی بو آرہی ہے، اور ایک دوسرے آدمی پر لوہے کی انگوٹھی دیکھی تو فرمایا کہ کیا بات ہے کہ تم پر جہنمیوں کا زیور دیکھ رہا ہوں۔

تشریح : جامع صغیر میں یہ جملہ ہے۔ و لا یتختم الا بالفضة..... قال محمد ؒ لا بأس بالذهب ایضا ۔ (جامع صغیر، باب الکراہیۃ فی اللبس، ص ۴۷۷) اس عبارت میں ہے کہ چاندی کے علاوہ کسی چیز کی انگوٹھی درست نہیں ہے۔ اس سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ پتھر، لوہا اور پیتل کی انگوٹھی بھی حرام ہے، چنانچہ، یہ حدیث ہے کہ حضورؐ نے ایک آدمی کے پاس پیتل کی انگوٹھی دیکھی تو فرمایا کہ کیا بات ہے کہ تم سے بت کی بو آرہی ہے، اور دوسرے آدمی کے پاس لوہے کی انگوٹھی دیکھی تو فرمایا کہ کیا بات ہے کہ تم پر جہنمیوں کا زیور دیکھ رہا ہوں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لوہے اور پیتل کی انگوٹھی بھی جائز نہیں ہے۔

وجه: (۱) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن عبد الله بن بریدة عن ابیه ان رجلا جاء الی النبی ﷺ و علیه خاتم من شبه فقال له ما لی اجد منک ریح الاصنام ؟ فطرحه ، ثم جاء علیه خاتم من حدید فقال مالی اری علیک حلیة اهل النار فطرحه فقال یا رسول الله !من ای شیء اتخذه ؟ قال اتخذه من ورق و لا

أَهْلِ النَّارِ ؏ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ أَطْلَقَ فِيْ الْحَجَرِ الَّذِي يُقَالُ لَهُ يَشْبُ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِحَجَرٍ، اِذْ لَيْسَ لَهُ ثِقْلُ الْحَجَرِ، وَاِطْلَاقُ الْجَوَابِ فِيْ الْكِتَابِ يَدُلُّ عَلَى تَحْرِيمِهِ (٢٨٠) وَالتَّخَتُّمُ بِالذَّهَبِ عَلَى الرِّجَالِ حَرَامٌ ؛ لِمَا رَوَيْنَا. وَعَنْ عَلِيٍّ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - أَنَّ النَّبِيَّ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ

تتمه مثقالا ۔(ابوداودشریف، باب ماجاء فی خاتم الحدید،ص۵۹۲،نمبر۴۲۲۳رترمذی شریف، باب ماجاء فی خاتم الحدید،ص ۴۲۳،نمبر۱۷۸۵)اس حدیث میں لوہے کی انگوٹھی اور پیتل کی انگوٹھی سے منع فرمایا۔ چاندی کی انگوٹھی ہواور وہ بھی ایک مثقال، یعنی 4.374 گرام ہو، یااس سے کم ہو۔

نوٹ :اس حدیث سے لوہے کی انگوٹھی کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ حدثنی ایاس بن حارث بن المعیقیب ....قال کان خاتم النبی ﷺ من حدید ملوی علیه فضة (ابوداودشریف، باب ماجاء فی خاتم الحدید،ص۵۹۲،نمبر۴۲۲۳رمصنف ابن ابی شیبۃ ، باب فی خاتم حدید، ج خامس ،ص۱۹۳،نمبر۲۵۱۲۴) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے لوہے کی انگوٹھی پہنی۔(۲)عن ابراهیم قال اخبرنی من رای علی عبد الله خاتما من حدید۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،باب فی خاتم حدید، ج خامس،ص۱۹۳،نمبر۲۵۱۲۲)اس عمل صحابی میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود پر لوہے کی انگوٹھی تھی۔(۳)اس عمل صحابی سے سونے کی انگوٹھی کا جواز معلوم ہوتا ہے۔عن ابی اسحاق قال رأیت علی البراء خاتما من ذهب ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،باب من رخص فیہ یعنی خاتم الذہب، ج خامس،ص۱۹۵،نمبر۲۵۱۴۲)اس قول تابعی میں ہے کہ سونے کی انگوٹھی میں گنجائش ہے۔

ترجمہ :؏ لوگوں نے یشب کو پتھر میں شمار کیا ہے،لیکن وہ پتھر نہیں ہے،اس لئے کہ اس میں پتھر کا وزن نہیں ہے [وہ پتھر سے ہلکا ہوتا ہے]،لیکن متن میں مطلقا حرام کیا ہے جس سے اس کی انگوٹھی بھی حرام معلوم ہوتی ہے۔

تشریح : یشب ایک پتھر سا ہوتا ہے،لیکن حقیقت میں وہ پتھر نہیں ہے، کیونکہ اس میں پتھر جیسا وزن نہیں ہوتا،اس لئے اس کو جائز ہونا چاہئے،لیکن جامع صغیر کی عبارت ,,لا یتختم الا بالفضه ،،ترجمہ: چاندی کے علاوہ کسی چیز کی انگوٹھی جائز نہیں، سے معلوم ہوتا ہے کہ، یشب پتھر کی بھی انگوٹھی جائز نہیں ہے۔

نوٹ : پتھر کی انگوٹھی جائز ہونی چاہئے،اس حدیث میں پتھر استعمال کیا گیا ہے۔ حدثنی انس قال کان خاتم النبی ﷺ من ورق فصه حبشی ۔(ابوداودشریف، باب ماجاء فی اتخاذ الخاتم،ص۵۹۱،نمبر۴۲۱۶رترمذی شریف، باب ماجاء فی خاتم الفضہ ،ص۴۱۵،نمبر۱۷۳۹)اس حدیث میں ہے کہ نگینہ کالے پتھر کا تھا جس سے معلوم ہوا کہ پتھر کا استعمال جائز ہے۔

ترجمہ :(۲۸۰) سونے کی انگوٹھی مرد کے لئے حرام ہے۔

ترجمہ :؏ اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی،اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے سونے کی انگوٹھی سے منع فرمایا۔

وَالسَّلَامُ – نَهَى عَنِ التَّخَتُّمِ بِالذَّهَبِ ۲؎ وَلِأَنَّ الْأَصْلَ فِيهِ التَّحْرِيمُ، وَالْإِبَاحَةُ ضَرُورَةُ الْخَتْمِ أَوِ النَّمُوذَجِ، وَقَدِ انْدَفَعَتْ بِالْأَدْنَى وَهُوَ الْفِضَّةُ، ۳؎ وَالْحَلْقَةُ هِيَ الْمُعْتَبَرَةُ؛ لِأَنَّ قِوَامَ الْخَاتَمِ بِهَا، وَلَا مُعْتَبَرَ بِالْفَصِّ حَتَّى يَجُوزَ أَنْ يَكُونَ مِنْ حَجَرٍ ۴؎ وَيُجْعَلَ الْفَصُّ إِلَى بَاطِنِ كَفِّهِ بِخِلَافِ النِّسْوَانِ؛ لِأَنَّهُ تَزَيُّنٌ فِي حَقِّهِنَّ، (۲۸۱) وَإِنَّمَا يَتَخَتَّمُ الْقَاضِي وَالسُّلْطَانُ ۱؎ لِحَاجَتِهِ إِلَى

وجه :صاحب ہدایہ کی حضرت والی حدیث یہ ہے۔عن علی بن طالب قال نهانی رسول الله ﷺ عن التختم بالذهب ۔(ترمذی شریف، باب ما جاء فی کراہیۃ خاتم الذہب،ص ۴۱۵،نمبر۱۷۳۷)اس سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا ہے۔ار پہلے جو روایت کی وہ حدیث آگے آرہی ہے۔

ترجمہ :۲؎ اور اصل اس میں حرمت ہے بس مہر لگانا اور نمونے کے لئے اس کو حلال قرار دیا اور وہ ضرورت چاندی سے پوری ہوگئی۔

تشریح :سونے اور چاندی میں اصل تو حرمت ہے،صرف مہر لگانے کے لئے اور نمونے کے لئے حلال کیا گیا ہے،اور یہ ضرورت چاندی سے پوری ہوگئی اس لئے سونے کو حلال کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ :۳؎ اور انگوٹھی میں حلقے کا اعتبار ہے،اس لئے کہ اسی سے انگوٹھی بنتی ہے،اور نگینے کا اعتبار نہیں ہے،یہی وجہ ہے پتھر کا نگینہ جائز ہے۔

تشریح :انگوٹھی بنتی ہی ہے حلقے سے اسلئے اسی کا اعتبار ہے اور نگینہ اس کے تابع ہے،یہی وجہ ہے کہ نگینہ پتھر کا ہوتا جائز ہے

ترجمہ :۴؎ اور نگینہ اپنی ہتھیلی کے اندرون حصے میں کرے،بخلاف عورت کے اس لئے کہ اس کے حق میں زینت ہے۔

تشریح :مرد انگوٹھی پہنتا ہے مہر لگانے کے لئے اس لئے نگینہ ہتھیلی کے اندرون کی طرف رکھے،اور عورت انگوٹھی زینت کے لئے پہنتی ہے اس لئے وہ انگلی کی پشت کی طرف رکھے۔

وجه :(۱)عن ابن عمر ان النبی ﷺ کان یتختم فی یساره و کان فصه فی باطن کفه ۔(ابوداود شریف، باب ما جاء فی التختم فی الیمین او الیسار۔ص ۵۹۳،نمبر ۴۲۲۷)اس حدیث میں ہے کہ نگینہ انگلی کی اندرون حصے کی طرف ہو ۔(۲) رایت ابن عباس یلبس خاتمه هكذا و جعل فصه علی ظهرها ، قال و لا یخال ابن عباس الا قد کان یذکر ان رسول اله ﷺ کان یلبس خاتمه کذالک ۔ (ابوداود شریف،باب ما جاء فی التختم فی الیمین او الیسار۔ص ۵۹۳،مبر ۴۲۲۹) اس حدیث میں ہے کہ نگینہ انگلی کی پشت کی جانب کرے۔

ترجمہ :(۲۸۱) قاضی اور سلطان مہر بنائے۔

ترجمہ :۱؎ اس لئے کہ ان دونوں کو مہر بنانے کی ضرورت ہے،بہر حال ان دونوں کے علاوہ تو افضل یہ ہے کہ انگوٹھی چھوڑ

الْخَتْمِ، وَأَمَّا غَيْرُهُمَا فَالْأَفْضَلُ أَنْ يَتْرُكَهُ لِعَدَمِ الْحَاجَةِ إِلَيْهِ. (۲۸۲) قَالَ وَلَا بَأْسَ بِمِسْمَارِ الذَّهَبِ يُجْعَلُ فِي جُحْرِ الْفَصِّ [1] أَيْ فِي ثُقْبِهِ؛ لِأَنَّهُ تَابِعٌ كَالْعَلَمِ فِي الثَّوْبِ فَلَا يُعَدُّ لَابِسًا لَهُ.

دے، کیونکہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔

تشریح : قاضی اور سلطان کے علاوہ جنکو مہر بنانے کی ضرورت نہیں ہے اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ انگوٹھی نہ پہنے، تاہم اس کے لئے پہننا جائز ہے۔

وجہ :(۱) قاضی اور سلطان کے لئے انگوٹھی بنانے گنجائش اس حدیث سے ہے۔ عن انس بن مالک قال اراد رسول الله ﷺ ان یکتب الی بعض الاعاجم فقیل له انهم لا یقرؤن کتابا الا بخاتم فاتخذ خاتما من فضة و نقش فیه محمد رسول الله ۔ (ابوداود شریف، باب ماجاء فی باتخاذ الخاتم، ص ۵۹۰، نمبر ۴۲۱۴) اس حدیث میں ہے کہ مہر مارنے کے لئے انگوٹھی بنوائی۔ (۲) اس حدیث میں لوگوں نے انگوٹھی پھینک دی۔ عن انس بن مالک انه رأى فی ید النبی ﷺ خاتما من ورق یوما واحدا فصنع الناس فلبسوا و طرح النبی و فطرح الناس ۔ (ابوداود شریف، باب ماجاء فی ترک الخاتم، ص ۵۹۲، نمبر ۴۲۲۱)

ترجمہ :(۲۸۲) اور کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ نگینے کے سوراخ میں سونے کے تار سے باندھے۔

ترجمہ :[1] یعنی اس کے سوراخ میں کر دے، اس لئے کہ تار تابع ہے، جیسے کہ کپڑے میں پھول بوٹے لگا دے، تو یہ سونا پہننے والا نہیں ہوا۔

تشریح : چاندی کی انگوٹھی ہو اور اس کے نگینے کو سونے کے تار سے باندھ دے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے، کیونکہ یہ تار تابع ہے تو گویا کہ سونا نہیں پہنا، اس لئے یہ جائز ہوگا، جیسے سوتی کپڑے میں ریشم کا پھول بوٹا ہو تو تابع ہونے کی وجہ سے جائز ہے۔

وجہ :(۱) ان جده عرفجة بن اسعد قطع انفه یوم الکلاب فاتخذ أنفا من ورق فأنتن علیه فأمره النبی ﷺ فاتخذ أنفا من ذهب ۔ (ابوداود شریف، باب ما جاء فی ربط الاسنان بالذهب، ص ۵۹۳، نمبر ۴۲۳۲ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی شد الاسنان بالذهب، ص ۴۲۰، نمبر ۱۷۷۰) اس حدیث میں سونے کے تار سے ناک باندھا ہے (۲) عن المسور بن المخرمة ..... فقلت لک رسول الله ! فقال یا بنی انه لیس بجبار فدعوته فخرج و علیه قباء من دیباج مزرر بالذهب ، فقال یا مخرمة هذا خباته لک فاعطاه ایاه ۔ (بخاری شریف، باب الزرر بالذهب، ص ۱۰۳۲، نمبر ۵۸۶۲) اس حدیث میں ہے کہ سونے کے تار سے باندھا ہوا تھا اس لئے تار کا استعمال جائز ہے۔

لغت: مسمار: تار۔ فص: نگینہ۔ ثقب: سوراخ۔

ترجمہ :(۲۸۳) دانت کو سونے سے نہ باندھے، بلکہ چاندی سے باندھے۔

(۲۸۳)قَالَ وَلَا تُشَدُّ الْأَسْنَانُ بِالذَّهَبِ وَتُشَدُّ بِالْفِضَّةِ ١؎ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ. وَقَالَ مُحَمَّدٌ: لَا بَأْسَ بِالذَّهَبِ أَيْضًا. وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ مِثْلَ قَوْلِ كُلٍّ مِنْهُمَا. ٢؎ لَهُمَا أَنَّ عَرْفَجَةَ بْنَ أَسْعَدَ الْكِنَانِيَّ أُصِيبَ أَنْفُهُ يَوْمَ الْكُلَابِ فَاتَّخَذَ أَنْفًا مِنْ فِضَّةٍ فَأَنْتَنَ. فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ

ترجمہ: ١؎ یہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے، اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ سونے سے باندھنے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے، امام ابو یوسفؒ کا قول دونوں کے ہیں۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ دانت کو سونے کی تار سے نہ باندھے، بلکہ چاندی کے تار سے باندھے، اور امام محمدؒ کی رائے ہے کہ سونے کے تار سے باندھنے میں بھی کوئی حرج کی بات نہیں ہے، اور امام ابو یوسفؒ کا قول دونوں طرح کے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں مطلقا سونے سے منع فرمایا ہے۔ اور امام محمد کی دلیل آگے والی حدیث آرہی ہے۔

وجہ: عن ابی موسی اشعریؓ ان رسول اللہ ﷺ قال حرم لباس الحریر والذھب علی ذکور امتی واحل لاناثھم (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الحریر والذھب للرجال، ص ۴۱۱، نمبر ۱۷۲۰) اس حدیث میں ہے کہ مردوں کے لئے سونا حرام ہے۔

ترجمہ: ٢؎ صاحبینؒ کی دلیل یہ حدیث ہے کہ یوم الکلاب کی جنگ میں عرفجہ بن اسعدؓ کی ناک کٹ گئی تو انہوں نے چاندی کی ناک بنوائی تو وہ بدبودار ہوگئی تو حضورؐ نے سونے کی ناک بنوانے کے لئے کہا۔

تشریح: واضح ہے۔

وجہ: (۱) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ ان جدہ عرفجة بن اسعد قطع انفه یوم الکلاب فاتخذ أنفا من ورق فأنتن علیه فأمره النبی ﷺ فاتخذ أنفا من ذهب ۔ (ابوداود شریف، باب ما جاء فی ربط الاسنان بالذھب، ص ۵۹۳، نمبر ۴۲۳۲ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی شد الاسنان بالذھب، ص ۴۲۰، نمبر ۱۷۷۰) اس حدیث میں سونے کے تار سے ناک باندھا ہے۔ (۲) عن طعمة الجعفری قال رأیت موسی بن طلحة قد شد اسنانه بالذھب ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب شد الاسنان بالذھب، ج کامس، ص ۲۰۵، نمبر ۲۵۲۵۰) اس عمل صحابی سے معلوم ہوتا ہے کہ سونے سے دانت بندھوانا جائز ہے۔

لغت: یوم الکلاب: کوفہ اور بصرہ کے درمیان ایک وادی کا نام ہے جہاں حضورؐ کی بعثت سے پانچ سال پہلے مشہور جنگ ہوئی تھی جس میں عرفجہ بن اسعد کنانی کی ناک کٹ گئی تھی۔

ترجمہ: ٣؎ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ سونے میں اصل حرمت ہے، اور ضرورت کی بناء پر مباح قرار دیا جاتا ہے، اور یہ ضرورت چاندی سے پوری ہوگئی اور وہ ادنی ہے، اس لئے سونا اپنی حرمت پر باقی رہے گا۔ اور آپ نے جو عرفجہ کا واقعہ بیان کیا

وَالسَّلَامُ – بِأَنْ يَتَّخِذَ أَنْفًا مِنْ ذَهَب ٣ٍ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْأَصْلَ فِيهِ التَّحْرِيمُ وَالْإِبَاحَةُ لِلضَّرُورَةِ، وَقَدْ انْدَفَعَتْ بِالْفِضَّةِ وَهِيَ الْأَدْنَى فَبَقِيَ الذَّهَبُ عَلَى التَّحْرِيمِ. وَالضَّرُورَةُ فِيمَا رُوِيَ لَمْ تَنْدَفِعْ فِي الْأَنْفِ دُونَهُ حَيْثُ أَنْتَنَ. (٢٨٤)قَالَ وَيُكْرَهُ أَنْ يَلْبَسَ الذُّكُورُ مِنْ الصِّبْيَانِ الذَّهَبَ وَالْحَرِيرَ؛ لِأَنَّ التَّحْرِيمَ لَمَّا ثَبَتَ فِي حَقِّ الذُّكُورِ وَحَرُمَ اللُّبْسُ حَرُمَ الْإِلْبَاسُ كَالْخَمْرِ لَمَّا حَرُمَ شُرْبُهَا حَرُمَ سَقْيُهَا. (٢٨٥) قَالَ وَتُكْرَهُ الْخِرْقَةُ الَّتِي تُحْمَلُ فَيُمْسَحُ بِهَا الْعَرَقُ ؛(لِأَنَّهُ نَوْعُ تَجَبُّرٍ وَتَكَبُّرٍ) وَكَذَا الَّتِي يُمْسَحُ بِهَا الْوُضُوءُ أَوْ يُمْتَخَطُ بِهَا ١ۭ وَقِيلَ إذَا كَانَ عَنْ

اس میں چاندی سے ضرورت پوری نہیں ہوئی کیونکہ اس سے ناک بدبودار ہوگئی[اس لئے مجبورا سونے کی اجازت دی گئی۔

تشریح :امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ سونے میں اصل حرمت ہے، ضرورت کی بنا پر اس کی اجازت دی جاتی ہے، اور چاندی سے وہ ضرورت پوری ہوگئی اس لئے سونا اپنی حرمت پر برقرار رہے گا، اور عرفجہؓ کا جو واقعہ آپ نے بیان کیا ہے وہاں چاندی سے ضرورت پوری نہیں ہوئی اس لئے کہ اس سے اور بدبو ہوگئی اس لئے وہاں مجبورا سونے کی اجازت دی گئی ہے، اس لئے عام حالت میں سونا حرام ہی رہے گا۔

ترجمه :(۲۸۴) مکروہ ہے کہ بچے کو سونا یا ریشم پہنائے۔

ترجمه :۱ اس لئے کہ جب بڑے مرد کے لئے حرمت ثابت ہوئی، اور پہننا حرام ہوا تو دوسرے کو پہنانا بھی حرام ہی ہوگا، جیسے شراب جب اس کا پینا حرام ہے تو پلانا بھی حرام ہوگا۔

تشریح : بچہ اگر چہ مکلّف نہیں ہے پھر بھی مرد ہے اس لئے اس کو سونا یا ریشم پہنانا مکروہ ہے۔

وجه :(۱) جب مرد کے لئے سونا اور ریشم پہننا حرام ثابت ہوا تو دوسرے مذکر بچے کو بھی پہنانا حرام ہوگا۔(۲) اس عمل صحابی میں اس کا ثبوت ہے۔ عن جابرؓ قال کنا ننزعه (یعنی الحریر) عن الغلمان و نترکه علی الجواری۔(ابوداؤد شریف، باب فی الحریر للنساء، ص ۵۷۲، نمبر ۴۰۵۹)(۳) دوسری عمل صحابی میں ہے۔ سأل بجیر سعید بن جبیر و انا جالس عنده عن لبس الحریر فقال سعید غاب حذیفة بن الیمانؓ غیبة فکسی بنیه و بناته قمص الحریر فلما قدم امر به فنزع عن الذکور و ترک علی الاناث قال محمد و به ناخذ۔(کتاب الآثار لامام محمد، ص ۱۸۷، نمبر ۸۴۸) ان دونوں عمل صحابی سے معلوم ہوا کہ بچے کو بھی سونا اور ریشم نہیں پہنانا چاہئے۔

ترجمه :(۲۸۵) رومال کا وہ ٹکڑا جس سے لوگ پسینہ پونچھتے ہیں وہ مکروہ ہے[اس لئے کہ ایک قسم کا تکبر اور بڑا اپنی ہے]اور ایسے ہی اس وضو کا پانی پونچھا جاتا ہو، یا نال پونچھی جاتی ہو مکروہ ہے۔

ترجمه :۱ کہا گیا ہے کہ اگر ضرورت کی بنا پر ہو تو مکروہ نہیں ہے، صحیح بات یہی ہے، اگر تکبر کی وجہ سے ہو تو مکروہ ہے، تو یہ

حَاجَةٍ لَا يُكْرَهُ وَهُوَ الصَّحِيحُ، وَإِنَّمَا يُكْرَهُ إِذَا كَانَ عَنْ تَكَبُّرٍ وَتَجَبُّرٍ وَصَارَ كَالتَّرَبُّعِ فِي الْجُلُوسِ (۲۸۶) وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَرْبِطَ الرَّجُلُ فِي أُصْبُعِهِ أَوْ خَاتَمِهِ الْخَيْطَ لِلْحَاجَةِ لے وَيُسَمَّى ذَلِكَ الرَّتَمُ وَالرَّتِيمَةُ. وَكَانَ ذَلِكَ مِنْ عَادَةِ الْعَرَبِ. قَالَ قَائِلُهُمْ: لَا يَنْفَعَنَّكَ الْيَوْمَ إِنْ

مسئلہ چارزانو بیٹھنے کی طرح ہو گیا۔

تشریح : رومال جس سے پسینہ پونچھا جاتا ہو، یا وضو کا پانی پونچھا جاتا ہو، یا ناک صاف کی جاتی ہو، اگر تکبر کے لئے ہو تو اس رومال کو رکھنا مکروہ ہے، اور اگر ضرورت کی بنا پر ہو تو جائز ہے۔ جیسے چارزانوں بیٹھنا تکبر کے طور پر ہو تو مکروہ ہے اور مجبوری اور ضرورت کی وجہ سے ہو تو جائز ہے، اسی طرح رومال کا مسئلہ ہے۔

وجه :(۱)اس حدیث میں ہے۔ عن ابن عمر قال فی حدیث شریک یرفعه قال من لبس ثوب شهرة البسه الله ثوبا مثله ۔(ابوداود شریف، باب فی لبس الشہرۃ، ص ۵۶۹، نمبر ۴۰۲۹)اس حدیث میں ہے کہ شہرت کا کپڑا پہنے گا تو اللہ اس کو ذلت کا کپڑا پہنائے گا۔(۲)عن ابن عباس ....ثم تنحی فغسل قدمیه ثم اتی بمندیل فلم ینفض بها ۔(بخاری شریف، باب المضمضۃ والاستنشاق فی الجنابۃ، ص ۴۷، نمبر ۲۵۹)اس حدیث میں حضورؐ نے رومال استعمال نہیں کیا، اسی سے مصنف نے یہ استدلال کیا ہے کہ بلا ضرورت کے رومال رکھنا اچھا نہیں ہے (۳) لیکن ضرورت کے وقت اس کا استعمال جائز ہے، اس کے لئے یہ حدیث ہے۔عن عائشه قالت کان لرسول الله ﷺ خرقة ینشف بها بعد الوضوء ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی المندیل بعد الوضوء، ص ۱۵، نمبر ۵۳)اس حدیث میں حضورؐ نے رومال استعمال فرمایا ہے۔

لغت:خرقۃ: کپڑے کا ٹکڑا۔تجبر: جبر سے مشتق ہے، تکبر کرنا۔تمخط: مخاط سے مشتق ہے، ناک کا میل، یہاں مراد ہے ناک صاف کرنا۔تربع: ربع سے مشتق ہے، چارزانو بیٹھنا۔

ترجمه : (۲۸۶) کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ آدمی اپنی انگلی میں یا اپنی انگوٹھی میں ضرورت کی بنا پر دھاگہ باندھے۔[کام کو یاد کرنے کے لئے دھاگہ باندھے]

ترجمه : لے عربی میں اس کا نام ,رتم، یا رتیمہ، ہے، اور یہ عرب کی عادت تھی، چنانچہ شاعر نے یہ شعر کہا۔اگر عورت نے برائی کا ارادہ کر لیا تو تم کو آج کوئی نفع نہیں دے گا اس کو بہت سے وصیت کرو، یا اس پر دھاگے باندھو۔

تشریح :کوئی کام آیا د آجائے اس کے لئے عرب کے لوگ اپنی انگلی میں یا اپنی انگوٹھی میں دھاگہ باندھتے تھے اس کو رتم، یا رتیمہ، کہتے ہیں، ضرورت کی بنا پر ایسا کرنا جائز ہے، اور ضرورت نہ ہو تو یہ ایک عبث فعل ہے اس لئے اس کو نہ کرے

لغت : شعر:لاینفعک الیوم۔الخ۔شعر کا مطلب یہ ہے کہ اگر عورت برائی، اور زنا کا ارادہ کر ہی لے تو اس کو کتنا دھاگہ باندھو، یا کتنا ہی نصیحت کرو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا، ہاں اچھی خصلت کی ہو تو یہ اچھی خصلت ہی اس کو برائی سے باز رکھے گی

هَمَّتْ بِهِمْ كَثْرَةُ مَا تُوصِي وَتَعْقَادُ الرَّتَمِ ٢ وَقَدْ رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - أَمَرَ بَعْضَ أَصْحَابِهِ بِذَلِكَ، وَلِأَنَّهُ لَيْسَ بِعَبَثٍ لِمَا فِيهِ مِنْ الْغَرَضِ الصَّحِيحِ وَهُوَ التَّذَكُّرُ عِنْدَ النِّسْيَانِ.

﴿فَصْلٌ فِي الْوَطِي وَالنَّظَرِ وَالْمَسِّ﴾

(٢٨٧)قَالَ وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَنْظُرَ الرَّجُلُ إلَى الْأَجْنَبِيَّةِ إلَّا وَجْهَهَا وَكَفَّيْهَا ١ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ اِلا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ [النور: ٣١] قَالَ عَلِيٌّ وَابْنُ عَبَّاسٍ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا -؛ مَا ظَهَرَ مِنْهَا الْكُحْلُ وَالْخَاتَمُ، وَالْمُرَادُ مَوْضِعُهُمَا وَهُوَ الْوَجْهُ وَالْكَفُّ، كَمَا أَنَّ الْمُرَادَ بِالزِّينَةِ

ـ رتم: وہ دھاگہ جس سے کوئی کام یاد آجائے۔

ترجمه : ٢ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضورؐ اپنے صحابہ کو اس کا حکم دیتے تھے، اور اس لئے کہ اس میں کوئی عبث چیز نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں صحیح غرض ہے، اور وہ ہے بھول کے وقت یاد کرنا

تشریح : صاحب ہدایہ کی یہ روایت نہیں ملی۔

﴿فصل فی الوطی و النظر و المس﴾

ترجمه : (٢٨٧) اور نہیں جائز ہے کہ مرد اجنبی عورت کا دیکھے سوائے اس کے چہرے اور ہتھیلیوں کے۔

ترجمه : ١ اللہ تعالی کا قول ہے، نہ ظاہر کرے اپنی زینت کو مگر جو خود ظاہر ہو جائے، اور حضرت ابن عباسؓ کا قول کہ ما ظہر سے مراد سرمے کی چیز اور انگوٹھی کی جگہ ہت، مراد اس کی جگہ ہے، اور وہ ہے چہرہ اور ہتھیلی، جیسے آیت میں زینت سے مراد زینت کی جگہ ہے۔

تشریح :[١] عام حالات میں عورت اجنبی مرد کے سامنے اپنی زینت کی جگہ کو ظاہر نہ کرے، بلکہ مرد نگاہیں نیچی رکھے اور عورت بھی نگاہیں نیچی رکھیں، تا کہ برائی کا راستہ ہموار نہ ہو،

[٢] شہوت کا خطرہ نہ ہو اور ضرورت ہو تو عورت اجنبی آدمی کے سامنے چہرہ اور ہتھیلی، اور قدم کھول سکتی ہے، کیونکہ اس کے کھولنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ لیکن اگر شہوت ابھرنے کا خطرہ ہو تو اس کو بھی چھپائے رکھے۔

[٣] لیکن اگر شہوت کا خطرہ ہے لیکن ضرورت پڑ گئی مثلا عورت کو گواہی دینی ہے، یا ڈاکٹر کو دکھلانا ہے، یا امیگریشن والوں کو چہرہ دکھلانا ہے، یا نکاح کے لئے دلہا کو دکھلانا ہے تو چاہے شہوت کا خطرہ ہو تب بھی چہرہ اور ہتھیلی اور پاؤں کو کھول سکتی ہے

وجه:(١) ستر چھپانے کی وجہ یہ آیت ہے۔ قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذلک ازکی

الْـمَذْكُورَةِ مَوَاضِعُهَا، ٢؎ وَلِأَنَّ فِـيْ ابْـدَاءِ الْـوَجْـهِ وَالْكَفِّ ضَرُورَةً لِحَاجَتِهَا إِلَى الْمُعَامَلَةِ مَعَ

لهـم ان الـلـه خبيـر بما يصنعون . (آیت ۳۰،سورۃ النور۲۴) اس آیت میں مردوں کو نیچی نگاہ رکھنے کی تاکید کی گئی ہے (۲) دوسری آیت میں عورتوں کو نیچی نگاہ رکھنے کی تاکید کی ہے۔اور یہ بھی حکم دیا کہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں۔البتہ جو مجبوری کے درجے میں ظاہر ہوجائے یعنی ہتھیلی اور چہرہ ظاہر ہوجائے تو اس کی گنجائش ہے۔آیت یہ ہے جسکو صاحب ہدایہ نے بھی ذکر کیا ہے۔**وقل لـلـمومنات يغضضن من ابصارهن ويحفظن فروجهن ولا يبدين زينتهن الا ما ظهر منها وليضربن بخمرهن على جيوبهن ولا يبدين زينتهن الا لبعولتهن** ۔(آیت ۳۱،سورۃ النور۲۴) اس آیت میں ہے کہ عورتیں اپنی نگاہیں نیچی رکھیں ۔ یہ بھی فرمایا کہ سینوں پر کپڑا اڈالا کریں۔

ہاتھ اور چہرہ اس سے مستثنی ہیں اس کی دلیل **ولا يبـديـن زيـنـتهـن الا مـاظهر منها** کی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ہے۔**عـن عبـاس فـى قـولـه تـعالى ولا يبدين زينتهن الا ماظهر منها قال مافى الكف والوجه .** (سنن للبیہقی ،باب عورۃ المرأۃ الحرۃ ،ج ثانی ،ص ۳۱۸ ،نمبر۳۲۱۴) اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ چہرہ اور ہتھیلی کو چھپانا ضروری نہیں (۲) حدیث میں بھی اس کی وضاحت ہے۔**عن عائشةؓ ان اسماء بنت ابى بكر دخلت على رسول الله ﷺ وعليها ثيـاب رقـاق فـاعرض عنها رسول الله ﷺ وقال يا اسماء ! ان المرأة اذا بلغت المحيض لم يصلح لها ان يـرى مـنهـا الا هذا وهذا واشار الى وجهه وكفيه** ۔(ابوداؤد شریف،باب فیما تبدی المرأۃ من زینتھا ص۵۷۸، نمبر۴۱۰۴ رسنن للبیہقی ،باب عورۃ المرأۃ الحرۃ ،ج ثانی ،ص۳۱۹ ،نمبر۳۲۱۸) اس حدیث میں ہے کہ بالغہ عورت کو چہرہ اور ہتھیلی کے علاوہ ظاہر نہیں کرنی چاہئے ۔البتہ چلنے کے لئے پاؤں کھولنے کی ضرورت ہے اس لئے پاؤں بھی کھول سکتی ہے۔(۳) عام حالت میں نگاہ نیچی کرے اس کے لئے یہ حدیث ہے۔**عـن ام سـلمة قالت كنت عند النبى ﷺ و عنده ميمونة فـاقـبـل ابـن ام مـكـتـوم ، و ذالک بعد امرنا بالحجاب فقال النبى ﷺ احتجبا منه ، فقلنا يا رسول الله !اليـس اعـمى لا يبصرنا ولا يعرفنا ؟ فقال النبى ﷺ أفعمياوان انتما ؟ الستما تبصرانه** ۔(ابوداود شریف، باب فی قولہ تعالی وقل للمومنات یغضضن من ابصارھن ،ص ۵۷۹ ،نمبر۴۱۱۲) اس حدیث میں عورت کو نابینا آدمی سے بھی غض بصر کرنے کے لئے کہا۔

لغت: کحل: سرمہ، یہاں سرمہ لگانے کی جگہ مراد ہے،یعنی چہرہ۔الخاتم: انگوٹھی، یہاں انگوٹھی پہننے کی جگہ مراد ہے،یعنی ہتھیلی۔

ترجمہ : ٢؎ اس لئے کہ چہرہ اور ہتھیلی کے ظاہر کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، کیونکہ مرد کے ساتھ معاملہ کرنے کی ضرورت پڑتی ہے،کسی چیز کو لینے کے لئے یا دینے کے لئے ،یا اس کے علاوہ۔

تشریح : مرد کو کچھ لینے اور دینے کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے اس مجبوری کی وجہ سے چہرہ اور ہتھیلی کو کھول سکتی ہے۔

ترجمہ : ٣؎ ہتھیلی اور چہرے کی طرف اشارہ کرنا اس بات کی صراحت ہے کہ عورت کے قدم کی طرف دیکھنا جائز نہیں

الرِّجَالِ أَخْذًا وَإِعْطَاءً وَغَيْرَ ذَلِكَ، ۳ وَهَذَا تَنْصِيصٌ عَلَى أَنَّهُ لا يُبَاحُ النَّظَرُ إِلَى قَدَمِهَا. وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يُبَاحُ؛ لِأَنَّ فِيهِ بَعْضَ الضَّرُورَةِ. وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يُبَاحُ النَّظَرُ إِلَى ذِرَاعِهَا أَيْضًا؛ لِأَنَّهُ قَدْ يَبْدُو مِنْهَا عَادَةً. (۲۸۸)قَالَ فَإِنْ كَانَ لَا يَأْمَنُ الشَّهْوَةَ لَا يَنْظُرُ إِلَى وَجْهِهَا إِلَّا لِحَاجَةٍ ا لِقَوْلِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - مَنْ نَظَرَ إِلَى مَحَاسِنِ امْرَأَةٍ أَجْنَبِيَّةٍ عَنْ

ہوگا۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت ہے کہ عورت کے قدم کی طرف دیکھنا جائز ہے، اور امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت ہے کہ عورت کے بازؤں کی طرف دیکھنا جائز ہے، اس لئے کہ عادت میں یہ بھی ظاہر ہوجاتا ہے۔

تشریح: حضرت ابن عباسؓ نے آیت کی تفسیر میں صرف چہرہ اور ہتھیلی کی طرف اشارہ کیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قدم اجنبی عورت کے قدم کو دیکھنا جائز نہیں ہے۔ لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت ہے کہ عورت کے قدم کو دیکھنا جائز ہے اس لئے کہ اس کے کھولنے کی بھی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ کپڑا دھوتے وقت عادۃ عورت کا بازو بھی کھل جاتا ہے اس لئے بازو کو بھی دیکھنا جائز ہوگا۔

ترجمہ: (۲۸۸) پس اگر شہوت سے مامون نہ ہو تو اس کا چہرہ بھی نہ دیکھے مگر ضرورت کی وجہ سے۔

وجہ: (۱) اور شہوت کا خطرہ ہو تو چہرہ بھی چھپائے اس کی دلیل ایک تو اوپر کی آیت گزری۔ **وقل للمومنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن** ۔ (آیت ۳۱، سورۃ النور۲۴) (۲) اور حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ **قال ابو ھریرۃ عن النبی ﷺ ان اللہ کتب علی ابن آدم حظہ من الزنا ادرک ذلک لا محالۃ فزنا العین النظر وزنا اللسان المنطق والنفس تتمنی وتشتھی والفرج یصدق ذلک کلہ ویکذبہ** ۔ (بخاری شریف، باب زنا الجوارح دون الفرج، ص ۱۰۸۷، نمبر ۶۲۴۳ / مسلم شریف، باب قدر علی ابن آدم حظہ من الزنی وغیرہ، ص ۱۱۵۷، نمبر ۲۶۵۷ / ۶۷۵۴، کتاب القدر) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چہرے کو شہوت سے دیکھنا آنکھ کا زنا ہے۔ اس لئے شہوت کا خطرہ ہو تو چہرہ چھپالے۔ (۳) دوسری حدیث میں بار بار دیکھنے سے منع فرمایا ہے۔ **عن ابن بریدۃ عن ابیہ قال قال رسول اللہ ﷺ لعلی یا علی! لا تتبع النظرۃ النظرۃ فان لک الاولی ولیس لک الآخرۃ** ۔ (ابوداؤد شریف، باب مایومر بہ من غض البصر، ص ۳۱۰، نمبر ۲۱۴۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسری مرتبہ دیکھنے میں شہوت کا خطرہ ہے اس لئے نہ دیکھے

لغت: کف: ہتھیلی۔

ترجمہ: ا حضورؐ کے قول کی وجہ سے کوئی آدمی اجنبی عورت کے حسن کو شہوت سے دیکھے تو اس کی آنکھ میں سیسہ ڈالا جائے گا

تشریح: صاحب ہدایہ کی یہ حدیث دو حدیثوں کا مجموعہ ہے [ا] پہلے ٹکڑے کا مفہوم اس حدیث میں ہے۔ **عن جریر قال سألت رسول اللہ عن نظرۃ الفجأۃ فقال اصرف بصرک** ۔ (ابوداؤد شریف، باب مایومر بہ من غض البصر،

شَهْوَةٍ صُبَّ فِيْ عَيْنَيْهِ الْآنِکُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۲؎ فَإِن خَافَ الشَّهْوَةَ لَمْ يَنْظُرْ مِنْ غَيْرِ حَاجَةٍ تَحَرُّزًا عَنْ الْمُحَرَّمِ. ۳؎ وَقَوْلُهُ لا يَأْمَنُ يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ لا يُبَاحُ إِذَا شَکَّ فِيْ الِاشْتِهَاءِ کَمَا إِذَا عَلِمَ أَوْ کَانَ أَکْبَرُ رَأْيِهِ ذَلِکَ (۲۸۹)وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَمَسَّ وَجْهَهَا وَلَا کَفَّيْهَا وَإِنْ کَانَ يَأْمَنُ الشَّهْوَةَ ۱؎ لِقِيَامِ الْمُحَرَّمِ وَانْعِدَامِ الضَّرُورَةِ وَالْبَلْوَى، بِخِلَافِ النَّظَرِ لِأَنَّ فِيهِ بَلْوَى. وَالْمُحَرَّمُ قَوْلُهُ –

ص۳۱۰،نمبر ۲۱۴۸)[۲] دوسرے ٹکڑے کا مفہوم اس حدیث میں ہے .عن ابن عباس عن النبی ﷺ .....و من استمع الی حدیث قوم و هم له کارهون او یفرون منه صب فی اذنه الآنک یوم القیامة ۔(بخاری شریف، باب من کذب فی حلمه ،ص۱۲۱۴،نمبر ۷۰۴۲/ابوداود شریف، باب فی الرؤیاء،ص۷۰۶،نمبر ۵۰۲۴)اس حدیث میں ہے کہ کوئی کسی کی ایسی بات سنے جو وہ سنانا نہیں چاہتا تو اس کے کان میں قیامت میں رانگ پگھلا کر ڈالا جائے گا۔

ترجمہ : ۲؎ پس اگر شہوت کا خوف ہے تو بھی بغیر ضرورت کے چہرے کو نہ دیکھے، حرام سے بچنے کے لئے۔

تشریح : شہوت ہوئی تو نہیں لیکن خوف ہے کہ چہرہ دیکھے گا شہوت ہو جائے گی تب بھی نہ دیکھے، تاکہ حرام میں پڑنے کا امکان نہ ہو۔

ترجمہ : ۳؎ متن میں یہ قول ,لا یامن، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر شہوت ہونے کا شک ہو تب بھی دیکھنا مباح نہیں ہے، جیسا کہ جب اس کا یقین ہو، یا غالب گمان ہو کہ شہوت ہو جائے گی۔

تشریح : متن میں ,لایأ من، کا لفظ ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اگر دیکھنے سے شہوت ابھر آنے کا شک ہو تب بھی اجنبیہ عورت کے چہرے کو نہیں دیکھے، جیسے شہوت ابھر آنے کا غالب گمان ہو یا ابھر آنے کا یقین ہو تو نہیں دیکھنا چاہئے۔

وجہ :(۱)قل للمؤمنین یغضوا من ابصارهم و یحفظوا فروجهم ذالک اذکی لهم ان الله خبیر بما یصنعون ۔(آیت ۳۰،سورۃ النور ۲۴)اس آیت میں ہے کہ مرد نگاہ نیچی رکھے۔ (۲)سمعت نعمان بن بشیر یقول سمعت رسول الله ﷺ بهذ الحدیث قال و بینهما مشبهات لا یعلمها کثیر من الناس فمن اتقی الشبهات استبرأ دینه و عرضه و من وقع فی الشبهات وقع فی الحرام ۔(ابوداود شریف، باب فی اجتناب الشبهات،ص۴۸۵،نمبر ۳۳۳۰)اس حدیث میں ہے کہ شبہات سے بچے گا تو حرام سے بھی بچ جائے گا، اور شبہات میں داخل ہوگا تو اس بات کا خطرہ ہے کہ حرام میں واقع ہو جائے۔

ترجمہ : (۲۸۹) اور حلال نہیں ہے کہ اجنبیہ عورت کے چہرے کو چھوئے، اور نہ اس کی ہتھیلی کو چھوئے چاہے شہوت نہ ہونے کا امن امن ہو۔

ترجمہ : ۱؎ اس لئے کہ حرمت قائم ہے اور چھونے کی ضرورت نہیں ہے، اور عموم بلوی بھی نہیں ہے، بخلاف دیکھنے کے اس

عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - مَنْ مَسَّ كَفَّ امْرَأَةٍ لَيْسَ مِنْهَا بِسَبِيلٍ وُضِعَ عَلَى كَفِّهِ جَمْرَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۲ وَهٰذَا إِذَا كَانَتْ شَابَّةً تُشْتَهَى، أَمَّا إِذَا كَانَتْ عَجُوزًا لَا تُشْتَهَى فَلَا بَأْسَ بِمُصَافَحَتِهَا وَمَسِّ يَدِهَا لِانْعِدَامِ خَوْفِ الْفِتْنَةِ. وَقَدْ رُوِيَ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - كَانَ

لئے کہ اس میں عموم بلوی ہے، اور حضورؐ کے اس قول کی وجہ سے حرمت بھی ہے، جس نے اجنبیہ عورت کی ہتھیلی کو چھویا، اور اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے تو اس کی ہتھیلی پر قیامت کے دن چنگاری رکھی جائے گی۔

تشریح : شہوت ابھرنے سے مامون ہے پھر بھی اجنبیہ عورت کے چہرے کو اور ہتھیلی کو چھونا حلال نہیں ہے۔ ہاں کسی کام میں چھوئے بغیر کوئی چارہ ہی نہ ہو تو اب مجبوری میں گنجائش ہوگی۔

وجہ :(۱) دیکھنے کی ضرورت تو پڑتی ہے اور اس میں عموم بلوی بھی ہے اس لئے اس کی گنجائش ہے، لیکن چھونے کی نہ تو ضرورت پڑتی ہے، اور نہ اس میں عموم بلوی ہے اس لئے شہوت سے مامون ہو پھر بھی چھونا حلال نہیں ہے۔(۲) اس حدیث میں ہے کہ ہاتھ کا زنا چھونا ہے، اس لئے وہ حرام رہے گا۔ **قال ابو ھریرۃ عن النبی ﷺ .....و الید زناھما البطش و الرجل زناھنا الخطا،** (مسلم شریف، باب قدر علی ابن آدم حظہ من الزنی وغیرہ، ص ۱۱۵۷، نمبر ۲۶۵۷/۶۷۵۴، کتاب القدر) اس حدیث میں ہے کہ ہاتھ کا زنا چھونا ہے، اس لئے ضرورت نہیں ہے تو عورت کو ہاتھ نہ لگائے۔

نوٹ: صاحب ہدایہ کی حدیث اسی اوپر کی حدیث سے مستنبط ہے۔

لغت: عموم بلوی: جس میں لوگ عام طور پر مبتلاء ہوں اس کو عموم بلوی، کہتے ہیں۔ جمر: چنگاری۔

ترجمہ : ۲ ہاتھ لگانا حرام اس وقت ہے کہ عورت جوان ہو خواہش رکھتی ہو، لیکن اگر ایسی بوڑھی ہو کہ اس کو خواہش ہی نہیں ہو تو اس سے مصافحہ کرنے اور اس کی ہتھیلی چھونے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ فتنہ کا خوف نہیں ہے، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ وہ جس قبیلے میں دودھ پیا تھا وہاں جاتے تھے اور بوڑھی عورتوں سے مصافحہ کرتے تھے۔

تشریح : بوڑھی عورت جب ستر سال سے اوپر کی ہو جاتی ہے تو اس میں خواہش نہیں رہتی، بلکہ جماع کرنے سے اس کی شرمگاہ میں درد ہوتا ہے اس لئے وہ جماع سے گھبراتی ہے، اس لئے ایسی عورت میں فتنے اور خواہش کا خوف نہیں اس لئے اس سے مصافحہ کر لیا تو تھوڑی بہت اس کی گنجایش ہے۔ لیکن اس کو عام رواج نہ بنایا جائے۔

وجہ:(۱) **او التابعین غیر اولی الاربۃ من الرجال** (آیت ۳۱، سورۃ النور ۲۴) اس آیت میں ہے کہ جسکو عورتوں کی خبر نہیں ہے اس کے سامنے مقام زینت کھول سکتی ہے اسی سے استدلال کر سکتا ہے کہ بہت بوڑھی ہو گئی ہو تو اس سے مصافحہ کر سکتا ہے (۲) اس حدیث کے اشارے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب قلب کا میلان نہیں ہے تو مصافحہ کی گنجائش ہوگی۔ **قال ابو ھریرۃ عن النبی ﷺ .....و الید زناھما البطش و الرجل زناھنا الخطا، و القلب یھوی و یتمنی و**

يَدْخُلُ بَعْضَ الْقَبَائِلِ الَّتِي كَانَ مُسْتَرْضِعًا فِيهِمْ وَكَانَ يُصَافِحُ الْعَجَائِزَ، ٣ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الزُّبَيْرِ – رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ – اسْتَأْجَرَ عَجُوزًا لِتُمَرِّضَهُ، وَكَانَتْ تَغْمِزُ رِجْلَيْهِ وَتَفْلِيْ رَأْسَهُ، ٤ وَكَذَا إِذَا كَانَ شَيْخًا يَأْمَنُ عَلَى نَفْسِهِ وَعَلَيْهَا لِمَا قُلْنَا، فَإِنْ كَانَ لَا يَأْمَنُ عَلَيْهَا لَا تَحِلُّ مُصَافَحَتُهَا لِمَا فِيهِ مِنَ التَّعْرِيضِ لِلْفِتْنَةِ. (۲۹۰) وَالصَّغِيرَةُ إِذَا كَانَتْ لَا تُشْتَهَى يُبَاحُ مَسُّهَا وَالنَّظَرُ إِلَيْهَا ١ لِعَدَمِ خَوْفِ الْفِتْنَةِ. (۲۹۱) قَالَ وَيَجُوزُ لِلْقَاضِي إِذَا أَرَادَ أَنْ يَحْكُمَ عَلَيْهَا وَلِلشَّاهِدِ إِذَا أَرَادَ أَدَاءَ الشَّهَادَةِ عَلَيْهَا النَّظَرُ إِلَى وَجْهِهَا وَإِنْ خَافَ أَنْ يَشْتَهِيَ ١ لِلْحَاجَةِ إِلَى

يصدق ذالک الفرج و یکذبہ ۔(مسلم شریف، باب قدر علی ابن آدم حظہ من الزنی وغیرہ،ص ۱۱۵۷،نمبر ۲۶۵۷/ ۶۷۵۴، کتاب القدر) اس حدیث میں ہے کہ دل تمنی کرے اور مائل ہو جائے ،جس کے اشارے سے معلوم ہوا کہ بوڑھی عورت، یا چھوٹی بچی اس درجے میں ہے اس کی طرف دل مائل نہیں ہوسکتا تو اس کو کبھی کبھار چھو لینے کی گنجائش ہوگی ۔

نوٹ:حضرت ابوبکر صدیقؓ والا عمل صحابہ نہیں ملا ۔

ترجمہ :٣ اور عبداللہ ابن زبیرؓ ایک بوڑھے کو اجرت پر لی تھی تا کہ وہ تیمارداری کرے،اور انکا پاؤں دبائے اور سر کا جوئیں نکالے۔

تشریح : یہ عمل صحابہ بھی نہیں ملا۔

لغت:تمرضہ:مرض سے مشتق ہے، تیمارداری کرنا۔تغمز:غمز سے مشتق ہے، پاؤں دبانا،بھیچنا۔تفلی: جوئیں نکالنا۔

ترجمہ :٤ اور ایسے ہی اتنا بوڑھا ہوجسکو اپنی ذات پر امن ہو اور عورت پر بھی امن ہو[تو اس کے لئے مصافحہ کرنا جائز ہے]اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے بیان کیا،یعنی فتنہ کا خوف نہیں ہے]،اور اگر عورت پر امن نہ ہو تو عورت سے مصافحہ کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ فتنہ ابھارنا ہے۔

تشریح : بوڑھا ستر سال سے اوپر ہو جاتا ہے تو وہ جماع کے قابل نہیں رہتا،اور خواہش بھی نہیں ابھرتی ہے،ایسے بوڑھے جس کو خواہش ابھرنے کا خطرہ نہ ہو،اور اس بات کا بھی اطمینان ہو کہ جس عورت کو چھو رہا ہے وہ بھی اتنی بوڑھی ہے کہ اس کو خواہش ابھرنے کا خطرہ نہیں ہے تو وہ بوڑھا اس اجنبیہ عورت کو چھوسکتا ہے اور اس سے مصافحہ کرسکتا ہے،، کیونکہ فتنہ کا خطرہ نہیں ہے،لیکن اسکا عام رواج نہ بنائے۔اور اگر خواہش پر امن نہیں ہے تو مصافحہ کرنا اور چھونا جائز نہیں ہے۔کیونکہ فتنے کو ابھارنا ہے

ترجمہ :(۲۹۰)اور چھوٹی لڑکی جس میں خواہش نہ ہو تو اس کو چھونا اور اس کی طرف دیکھنا مباح ہے۔

ترجمہ :١ اس لئے کہ اس میں فتنے کا خوف نہیں ہے۔

ترجمہ :(۲۹۱) قاضی کے لئے جائز ہے جب وہ عورت پر حکم لگانا چاہے،اور گواہ کے لئے جائز ہے جب وہ عورت پر

احْيَاءِ حُقُوقِ النَّاسِ بِوَاسِطَةِ الْقَضَاءِ وَأَدَاءِ الشَّهَادَةِ، ۲ وَلَكِنْ يَنْبَغِي أَنْ يَقْصِدَ بِهِ أَدَاءَ الشَّهَادَةِ أَوْ الْحُكْمَ عَلَيْهَا لَا قَضَاءَ الشَّهْوَةِ تَحَرُّزًا عَمَّا يُمْكِنُهُ التَّحَرُّزُ عَنْهُ وَهُوَ قَصْدُ الْقَبِيحِ. ۳ وَأَمَّا النَّظَرُ لِتَحَمُّلِ الشَّهَادَةِ إِذَا اشْتَهَى قِيلَ يُبَاحُ. وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ لَا يُبَاحُ؛ لِأَنَّهُ يُوجَدُ

گواہی دینا چاہے اس کی چہرے کی طرف دیکھنا، چاہے شہوت ہونے کا اندیشہ ہو۔

ترجمہ :۱ فیصلے، اور گواہی کے ذریعہ لوگوں کے حق کو زندہ کرنا ہے۔

تشریح : قاضی عورت پر کوئی فیصلہ کرنا چاہتا ہے ایسے موقع پر اس کے لئے چہرے کو دیکھنا جائز ہے چاہے شہوت ہونے کا اندیشہ ہو۔ اسی طرح گواہ عورت کے لئے یا عورت کے خلاف گواہی دینا چاہتا ہے۔ اور گواہی کے وقت یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ یہی عورت ہے۔ اور اس کے لئے عورت کا چہرہ دیکھے تو چاہے شہوت ہونے کا اندیشہ ہو پھر بھی دیکھنا جائز ہے۔ البتہ دیکھتے وقت قضاء کی نیت کرے اور گواہ گواہ کی ادائیگی کی نیت کرے، شہوت کے لئے چہرہ دیکھنے کی نیت نہ کرے۔

وجہ :(۱) عام حالات میں چہرہ کھولنا جائز تھا۔ البتہ شہوت کے باوجود کھولنے کی اجازت مجبوری کے درجے میں تھی اور یہاں فیصلہ کرنے اور گواہی دینے کی مجبوری ہے۔ اس لئے کھولنے کی اجازت ہوگی (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے کہ جس عورت کو پیغام نکاح دیا اس عورت کا چہرہ دیکھنا جائز ہے چاہے ابھی وہ اجنبیہ ہے۔ حدیث یہ ہے۔ **عن ابی هریرة قال کنت عندالنبی ﷺ فأتاه رجل فأخبره انه تزوج امرأة من الانصار فقال له رسول الله ﷺ أنظرت اليها؟ قال لا! قال فاذهب فانظر اليها فان فی اعين الانصار شيئا** ۔ (مسلم شریف، باب ندب من اراد نکاح امرأة الی ان ینظر الی وجھھا وکفیھا قبل خطبتھا ،ص ۵۹۸، نمبر ۳۴۸۵/۱۴۲۴ / ابوداؤد شریف، باب فی الرجل ینظر الی المرأة وھو یرید تزویجھا ،ص ۳۰۱، نمبر ۲۰۸۲ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی النظر الی المخطوبۃ ،ص ۲۶۲، نمبر ۱۰۸۷) اس حدیث میں ہے کہ مخطوبہ کو دیکھ سکتا ہے کیونکہ اس میں ضرورت ہے۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے قاضی اور گواہ دیکھ سکتا ہے۔ کیونکہ ان دونوں کو ضرورت ہے چاہے شہوت کا اندیشہ ہو۔

ترجمہ :۲ لیکن مناسب ہے کہ اس سے گواہی دینے اور عورت پر فیصلہ کرنے کی نیت کرے، شہوت پوری کرنے کی نیت نہ کرے، جتنا بچ سکتا ہو اتنا بچے، اور وہ ہے بری چیز کا ارادہ۔

تشریح : گواہی دیتے وقت عورت کی طرف اس نیت سے دیکھے کہ میں گواہی دے رہا ہوں، خواہش کی نیت سے نہ دیکھے، اسی طرح فیصلہ کرتے وقت عورت کی طرف اس نیت سے دیکھے کہ میں اس پر فیصلہ کر رہا ہوں شہوت کی نیت نہ کرے، اور جتنا ممکن ہو اس خواہش سے بچے۔

ترجمہ :۳ گواہ بننے کے لئے دیکھنا اگر شہوت ہو تو بعض حضرات نے فرمایا کہ مباح ہے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ مباح

مَنْ لا يَشْتَهِي فَلَا ضَرُورَةَ، بِخِلافِ حَالَةِ الْأَدَاءِ. (۲۹۲)وَمَنْ أَرَادَ أَنْ يَتَزَوَّجَ امْرَأَةً فَلا بَأْسَ بِأَنْ يَنْظُرَ إِلَيْهَا وَإِنْ عَلِمَ أَنَّهُ يَشْتَهِيهَا لِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلاةُ وَالسَّلامُ – فِيهِ أَبْصِرْهَا فَإِنَّهُ أَحْرَى أَنْ يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا وَلِأَنَّ مَقْصُودَهُ اقَامَةُ السُّنَّةِ لَا قَضَاءُ الشَّهْوَةِ. (۲۹۳) وَيَجُوزُ لِلطَّبِيبِ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى مَوْضِعِ الْمَرَضِ مِنْهَا(لِلضَّرُورَةِ)وَيَنْبَغِي أَنْ يُعَلِّمَ امْرَأَةً مُدَاوَاتَهَا لِ لِأَنَّ نَظَرَ الْجِنْسِ

نہیں ہے، اس لئے کہ ایسا آدمی مل سکتا ہے جسکو دیکھ کر شہوت نہ ہو، بخاف ادا کی حالت کے، کہ دوسرا نہیں مل سکتا۔

تشریح : گواہی بننے کے لئے عورت کے چہرے کو دیکھنے کی ضرورت پڑ رہی ہے اور اس سے شہوت کا بھی غالب گمان ہے، تو بعض حضرات نے فرمایا کہ دیکھنا مباح ہے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ مباح نہیں ہے، کیونکہ ایسا آدمی مل سکتا ہے جو اس کے چہرے کو دیکھے اور اس کی شہوت نہ ابھرے۔

لغت :تحمل الشہادۃ: ،شہادت کو برداشت کرنا، یعنی گواہ بننا۔ بخلاف حالۃ الادا: گواہ کو ادا کرنے کی حالت میں کوئی دوسرا گواہ نہیں ملے گا، اس لئے مجبورا اس کو گواہ دینے کے لئے دیکھنا پڑے گا۔

ترجمہ :(۲۹۲) کوئی کسی عورت سے نکاح کرنا چاہے تو اس کی طرف دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، چاہے گمان غالب ہو کہ اس کو شہوت ہوگی۔

ترجمہ :ل حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ اس عورت کو دیکھ لو، کیونکہ یہ زیادہ لائق ہے کہ تم دونوں کے درمیان موافقت پیدا کر دے، اور اس لئے کہ یہاں مقصود سنت نکاح کی ادائیگی ہے شہوت پوری کرنا نہیں ہے۔

تشریح : جس عورت سے نکاح کرنا ہے اس کو دیکھنے سے شہوت کا خطرہ ہو تب بھی اس کو دیکھ لے، کیونکہ حضورؐ نے دیکھنے کا حکم دیا ہے، تا کہ دونوں میں موافقت پیدا ہو جائے، اور اس دیکھنے کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ میں نکاح کی سنت ادا کر رہا ہوں، اس سے خواہش پوری کرنا مقصود نہ ہو۔

وجہ: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن المغيرة بن شعبة انه خطب امراة فقال النبی ﷺ انظر اليها فانه احری ان يؤدم بينكما ۔(ترمذی شریف، باب ما جاء فی النظر الی المخطوبۃ، ص ۲۶۲، نمبر ۱۰۸۷) اس حدیث میں عورت کی طرف دیکھنے کا حکم دیا۔

لغت:احری: زیادہ لائق ہے۔ یودم: ادام سے مشتق ہے، موافقت ہو۔

ترجمہ :(۲۹۳) طبیب کے لئے جائز ہے کہ اس کے مرض کی جگہ دیکھے۔[ضرورت کی بنا پر] عورت کو اس کی دوا کی جگہ کو دکھلائے۔

ترجمہ : ل اس لئے کہ عورت کو عورت دیکھے تو یہ زیادہ آسان ہے ،

إِلَى الْجِنسِ أَسْهَلُ (۲۹۴) فَإِنْ لَمْ يَقْدِرْ وَيَسْتُرُ كُلَّ عُضْوٍ مِنهَا سِوَى مَوْضِعِ الْمَرَضِ ا ثُمَّ يَنْظُرُ وَيَغُضُّ بَصَرَهُ مَا اسْتَطَاعَ؛ لِأَنَّ مَا ثَبَتَ بِالضَّرُورَةِ يُتَقَدَّرُ بِقَدْرِهَا وَصَارَ كَنَظَرِ الْخَافِضَةِ وَالْخَتَّانِ. (۲۹۵) وَكَذَا يَجُوزُ لِلرَّجُلِ النَّظَرُ إِلَى مَوْضِعِ الاحْتِقَانِ مِنَ الرَّجُلِ ا لِأَنَّهُ مُدَاوَاةٌ وَيَجُوزُ لِلْمَرَضِ وَكَذَا لِلْهُزَالِ الْفَاحِشِ عَلَى مَا رُوِىَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ؛ لِأَنَّهُ أَمَارَةُ

تشریح : مثلا سرین میں زخم ہے اب ڈاکٹر کے لئے اس کا آپریشن کرنا ضروری ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس جگہ کو دیکھے۔ بہتر یہ ہے کہ عورت مرض کی جگہ کو دیکھ کر بتا دے تو زیادہ بہتر ہے، کیونکہ عورت عورت کو دیکھے گی تو اس میں شہوت ابھرنے کا خطرہ نہیں ہے۔

وجہ:(۱) مجبوری کی وجہ سے ستر دیکھنا جائز ہو جاتا ہے۔ مجبوری کی وجہ سے حلت کی وجہ یہ آیت ہے۔ قل لا اجد فی ما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمه الا ان یکون میتة او دما مسفوحا او لحم خنزیر فانه رجس او فسقا اهل لغیر الله به فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فان ربک غفور رحیم (آیت ۱۴۵، سورۃ الانعام ۶) اس آیت میں مجبوری کیوجہ سے مردہ کھانے کی اجازت دی گئی۔ ساتھ ہی یہ بھی بتلایا کہ جتنی ضرورت ہو اتنی ہی حلال ہے اس سے زیادہ استعمال کرنا حرام ہے۔ یہاں بھی جتنی جگہ دیکھنے کی ضرورت ہو اتنی جگہ ہی دیکھنا حلال ہوگا باقی ستر کی جگہ ابھی بھی حرام ہے۔

ترجمہ :(۲۹۴) اور اگر عورت نہیں کر سکتی ہے تو مرض کی جگہ کے علاوہ کو ڈھانک دے، پھر دیکھے۔

ترجمہ :ا اور جتنا ہو سکے غض بصر کرے، اس لئے کہ جو چیز ضرورت کی بنیاد پر ثابت ہوتی ہے وہ ضرورت کے مطابق ہی ہوتی ہے، جیسے عورت کے ختنہ کرنے والی کا دیکھنا اور ختنہ کرنے والے کا دیکھنا۔

تشریح : مرض ایسا ہے کہ عورت کے دیکھنے سے کام نہیں چلے گا، تو پھر سارے ستر کو چھپا دے اور مرض کی جگہ کو کھلا رکھے، اور اس میں بھی جہاں تک ہو سکے غض بصر کرے، یعنی نگاہ نیچی رکھے، کیونکہ یہ گنجائش ضرورت کی بنا پر دی گئی ہے اس لئے ضرورت کے مطابق ہی جائز ہوگا۔ اس کی دو مثال دیتے ہیں [۱] جیسے عورت کا ختنہ کرنے والی ضرورت کی جگہ کو دیکھتی ہے، اور ختنہ کرنے والا ختنہ کی جگہ کو دیکھتا ہے، اور مجبوری کی وجہ سے اس کی اجازت دی گئی ہے۔

لغت: خافضہ: عورت کے ختنہ کرنے کو خافضہ، کہتے ہیں، اور مرد کے ختنہ کرنے کو ختنہ کہتے ہیں۔

ترجمہ :(۲۹۵) جائز ہے مرد کے لئے کہ مرد کے حقنہ کی جگہ دیکھے۔

ترجمہ :ا اس لئے کہ یہ علاج ہے اور مرض کی وجہ سے یہ علاج جائز ہے، اور ایسے ہی بہت دبلا ہو، جیسا کہ حضرت امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے، اس لئے کہ بہت دبلا ہونا مرض کی علامت ہے۔

تشریح : حقنہ ایک علاج ہے، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ پیخانے کے راستے سے پانی اور دوائی پیٹ میں پہنچاتے ہیں،

الْمَرَضِ. (٢٩٦) قَالَ وَيَنظُرُ الرَّجُلُ مِنَ الرَّجُلِ إِلَى جَمِيعِ بَدَنِهِ إِلَّا مَا بَيْنَ سُرَّتِهِ إِلَى رُكْبَتِهِ ١ لِقَوْلِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - عَوْرَةُ الرَّجُلِ مَا بَيْنَ سُرَّتِهِ إِلَى رُكْبَتِهِ وَيُرْوَى مَا دُونَ سُرَّتِهِ حَتَّى يُجَاوِزَ رُكْبَتَيْهِ ٢ وَبِهَذَا ثَبَتَ أَنَّ السُّرَّةَ لَيْسَتْ بِعَوْرَةٍ خِلَافًا لِمَا يَقُولُهُ أَبُو عِصْمَةَ وَالشَّافِعِيُّ، ٣ وَالرُّكْبَةُ عَوْرَةٌ خِلَافًا لِمَا قَالَهُ الشَّافِعِيُّ، ٤ وَالْفَخِذُ عَوْرَةٌ خِلَافًا لِأَصْحَابِ

اس لئے علاج کے لئے پیخانے کے راستے کو دیکھنا ضروری ہے، اس لئے اس علاج کے وقت دبر دیکھنے کی گنجائش ہے۔ آدمی بہت دبلا ہو گیا ہو تو یہ مرض کی علامت ہے اور اس میں حقنہ کرنے کا علاج بتاتے ہیں۔ جیسا کہ امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے۔

ترجمہ :(٢٩٦) مرد مرد کا دیکھ سکتا ہے پورا بدن سوائے ناف سے اس کے گھٹنے تک۔

ترجمہ :١ حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ مرد کی ستر عورت ناف سے لیکر گھٹنے تک ہے، ایک روایت میں ہے کہ ناف سے نیچے سے لیکر گھٹنے سے پار کر کے، اور اس سے یہ ثابت ہوا کہ ناف ستر نہیں ہے۔

تشریح : یہاں آگے تین مسئلہ بیان کر رہے ہیں [١] ناف ستر نہیں ہے، لیکن اس کے نیچے سے لیکر بال اگنے تک ستر ہے۔ [٢] گھٹنا ستر ہے [٣] ران بھی ستر میں داخل ہے۔ امام شافعیؒ کے یہاں ناف ستر ہے اور گھٹنا ستر نہیں ہے۔

وجہ :١) حدیث میں ہے۔ عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال قال رسول الله ﷺ ... واذا زوج احدکم خادمه عبده او اجیره فلا ینظر الی مادون السرة وفوق الرکبة . (ابو داؤد شریف، باب متی یومر الغلام بالصلوة، ص ٨٢، نمبر ۴٩٦ / سنن للبیھقی ، باب عورة الرجل، ج ثانی، ص ٣٢۴، نمبر ٣٢٢٣٥ (٢) دوسری حدیث میں ہے ۔سمعت علیا یقول قال رسول الله ﷺ الرکبة من العورة . (دار قطنی، باب الامر بتعلیم الصلوة والضرب علیھا وحد العورة التی یجب سترھا، ج اول، ص ٢٣٧، نمبر ٨٧٨) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھٹنا تک ستر ہے یعنی گھٹنا ستر میں شامل ہے اس لئے اس کا دیکھنا جائز نہیں۔ (٣) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابی ایوب قال سمعت النبی ﷺ یقول ما فوق الرکبتین من العورة و ما اسفل من السرةمن العورة (دار قطنی، باب الامر بتعلیم الصلوة والضرب علیھا وحد العورة التی یجب سترھا، ج اول، ص ٢٣٧، نمبر ٨٧٩) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ناف ستر نہیں ہے، لیکن گھٹنا ستر ہے۔ ۔۔۔: سرة : ناف، رکبة : گھٹنا۔ فخذ: ران۔

ترجمہ :٢ اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ ناف ستر نہیں ہے، اس کے خلاف ابو عصمہؒ اور امام شافعیؒ کہتے ہیں۔

تشریح : امام شافعیؒ اور ابو عصمہؒ کہتے ہیں کہ ناف ستر ہے، جبکہ اوپر کی حدیث سے ثابت ہوا کہ ناف ستر نہیں ہے۔

ترجمہ :٣ گھٹنا ستر ہے اس کے خلاف امام شافعیؒ نے فرمایا۔

تشریح : اوپر کی حدیث سے معلوم ہوا کہ گھٹنا ستر ہے، لیکن امام شافعیؒ نے فرمایا کہ گھٹنا ستر نہیں ہے۔

الظَّوَاهِرِ، ۵ وَمَا دُونَ السُّرَّةِ إِلَى مَنْبَتِ الشَّعْرِ عَوْرَةٌ خِلَافًا لِمَا يَقُولُهُ الْإِمَامُ أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ الْكَمَارِيُّ مُعْتَمِدًا فِيهِ الْعَادَةَ؛ لِأَنَّهُ لَا مُعْتَبَرَ بِهَا مَعَ النَّصِّ بِخِلَافِهِ، ٦ وَقَدْ رَوَى أَبُو هُرَيْرَةَ – رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ – عَنْ النَّبِيِّ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – أَنَّهُ قَالَ الرُّكْبَةُ مِنْ الْعَوْرَةِ ٧ وَأَبْدَى الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ – رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ – سُرَّتَهُ فَقَبَّلَهَا أَبُو هُرَيْرَةَ – رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ – ٨ وَقَال عليه السلامَ لِجَرْهَدٍ: وَارِ فَخِذَكَ، أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الْفَخِذَ عَوْرَةٌ؟ ٩ وَلِأَنَّ الرُّكْبَةَ مُلْتَقى

ترجمه :٤ ران ستر ہے اصحاب ظواہر اس کے خلاف ہے۔

تشریح : حنفیہ کے یہاں ران ستر ہے، اور اصحاب طواہر کے یہاں یہ ستر نہیں ہے۔

ترجمه :۵ ناف کے نیچے سے لیکر بال کے اگنے تک بال کے اگنے تک ستر ہے، امام ابوبکر محمد بن الفضل الکماری نے اس کے خلاف کہا کہ وہ ستر نہیں، اور انکا اعتماد عادت ہے، لیکن اس کے خلاف نص ہونے کی وجہ سے عادت کا اعتبار نہیں ہے۔

تشریح : ناف کے نیچے سے لیکر بال اگنے تک ستر ہے۔ لیکن امام ابوبکر کماری نے فرمایا کہ ناف کے نیچے سے لیکر بال اگنے تک ستر نہیں ہے، کیونکہ عادت میں اس کو نہیں ڈھانپتے، لیکن اس کے خلاف نص موجود ہے اسلئے اس عادت کا اعتبار نہیں ہے

ترجمه :٦ حضرت ابو ہریرۃ سے روایت ہے کہ کہ حضورؐ نے فرمایا کہ گھٹنا عورت ہے۔

تشریح : حضرت ابو ہریرہ کے بجائے یہ روایت حضرت علیؓ سے ہے کہ گھٹنا ستر ہے، حدیث یہ ہے۔ سمعت علیا یقول قال رسول الله ﷺ الرکبة من العورة . (دار قطنی، باب الامر بتعلیم الصلوۃ والضرب علیھا وحد العورۃ التی یجب ستر ھا، ج اول، ص ۲۳۷، نمبر ۸۷۸)

ترجمه :۷ حضرت حسنؓ نے اپنے ناف کو کھولا تو حضرت ابو ہریرۃ نے اس کو بوسہ دیا۔ [جس سے معلوم ہوا کہ ناف ستر نہیں ہے۔

تشریح : حدیث یہ ہے۔ لقینا ابو هريرة فقال ارنی اقبل منک حيث رأيت رسول الله ﷺ يقبل قال القميصة قال فقبل سرته . (مسند احمد، باب مسند ابو ہریرۃ، ج ۲، ص ۵۰۲، نمبر ۱۰۴۱۲۷) اس عمل صحابی میں ہے کہ ناف کو بوسہ دیا جس سے پتہ چلا کہ ناف ستر نہیں ہے۔

ترجمه :۸ حضورؐ نے حضرت جرہد سے فرمایا کہ اپنی ران کو ڈھانک لو کیا تم و معلوم نہیں ہے کہ ران ستر عورت ہے۔

تشریح : جرہدؓ کی حدیث یہ ہے۔ کان جرهد هذا من اصحاب الصفة انه قال جلس رسول الله ﷺ عندنا و فخذی منکشفة فقال اما علمت ان الفخذ عورة (ابوداود شریف، باب النہی عن التعری، ص ۵۶۷، نمبر ۴۰۱۴/ ترمذی شریف، باب ما جاء فی حفظ العورۃ، ص ۶۳۰، نمبر ۲۷۹۵) اس حدیث میں ہے کہ ران ستر عورت ہے۔

عَظْمِ الْفَخِذِ وَالسَّاقِ فَاجْتَمَعَ الْمُحَرِّمُ وَالْمُبِيحُ وَفِيْ مِثْلِهِ يَغْلِبُ الْمُحَرِّمُ، ۱۰ وَحُكْمُ الْعَوْرَةِ فِيْ الرُّكْبَةِ أَخَفُّ مِنْهُ فِيْ الْفَخِذِ، وَفِيْ الْفَخِذِ أَخَفُّ مِنْهُ فِيْ السَّوْأَةِ، حَتَّى أَنَّ كَاشِفَ الرُّكْبَةِ يُنْكَرُ عَلَيْهِ بِرِفْقٍ وَكَاشِفَ الْفَخِذِ يُعَنَّفُ عَلَيْهِ وَكَاشِفَ السَّوْئَةِ يُؤَدَّبُ إِنْ لَجَّ (۲۹۷) وَمَا يُبَاحُ النَّظْرُ إِلَيْهِ لِلرَّجُلِ مِنَ الرَّجُلِ يُبَاحُ الْمَسُّ ۱ لِأَنَّهُمَا فِيمَا لَيْسَ بِعَوْرَةٍ سَوَاءٌ. (۲۹۸) قَالَ وَيَجُوْزُ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَنْظُرَ مِنَ الرَّجُلِ إِلَى مَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ إِلَيْهِ مِنْهُ إِذَا أَمِنَتْ الشَّهْوَةَ ۱ لِاسْتِوَاءِ الرَّجُلِ

ترجمه :۹ اوراس لئے کہ گھٹناران کی ہڈی اور پنڈلی کی ہڈی کے ملنے کی جگہ ہے اس لئے حرام اور مباح کا اجتماع ہوا ،اور اس جیسی صورت میں حرام کو ترجیح دی جاتی ہے۔اس لئے گھٹنا ستر ہوگا۔

تشریح : واضح ہے۔

ترجمه :گھٹنا میں ستر ران کے بنسبت ہلکا ہے،اورران میں شرمگاہ کی بنسبت ہلکا ہے، یہاں تک کہ گھٹنا کھولنے والے کو نرمی سے روکا جائے گا،اورران کھولنے والے کو سختی سے روکا جائے گا،اورشرمگاہ کو کھولنے والے کو اگر اس نے اصرار کیا تو سزادی جائے گی۔

تشریح : سب سے سخت ستر شرمگاہ میں ہے، چنانچہ اگر اس کے کھولنے پر کوئی اصرار کرے تو اس کو سزادی جائے گی ،اس سے کم ران میں ہے چنانچہ اس کے کھولنے پر سختی سے منع کیا جائے گا۔اوراس سے کم گھٹنے میں ہے، چنانچہ اس کو کھولنے پر نرمی سے روکا جائے گا۔یہ تینوں ستروں میں فرق ہے۔

لغت:سوۃ:بری چیز، یہاں مراد ہے شرمگاہ۔رفق: نرمی سے۔یعنف:سختی سے۔لج:اصرار کرے،کسی چیز میں گھسے۔

ترجمه :(۲۹۷)مرد کو مرد کے لئے جس عضو کو دیکھنا جائز ہے اس کو چھونا بھی جائز ہے ۔

ترجمه :۱ اس لئے کہ دونوں مرد ہیں اس لئے چھونے میں برابر ہے۔

تشریح : ایک مرد دوسرے مرد کے جن اعضاء کو دیکھ سکتا ہے اس کو چھونے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

وجه : کیونکہ دونوں مرد ہیں اس لئے اس میں شہوت کا خطرہ نہیں ہے اس لئے چھونے میں کوئی حرج نہیں ہے،لیکن اگر خواہش ابھرآنے کا خطرہ ہوتو نہ چھوئے۔

ترجمه :(۲۹۸)عورت کے لئے جائز ہے کہ مرد کا اتنا حصہ دیکھے جتنا مرد دیکھ سکتا ہو جبکہ شہوت سے امن ہو۔

ترجمه:۱ کیونکہ جو عضو ستر نہیں ہے اس کو دیکھنے میں مرد اور عورت برابر ہے، جیسے کپڑا اور جانور دیکھنے میں دونوں برابر ہیں

تشریح : مرد کے ناف سے لیکر گھٹنے تک کے علاوہ کے عضو کو جس طرح مرد دیکھ سکتا ہے اسی طرح عورت بھی دیکھ سکتی ہے، کیونکہ یہ دونوں دیکھنے کے بارے میں برابر ہیں۔

وَالْمَرْأَةِ فِيْ النَّظَرِ إِلَى مَا لَيْسَ بِعَوْرَةٍ كَالثِّيَابِ وَالدَّوَابِّ. ۲؎ وَفِيْ كِتَابِ الْخُنْثَى مِنْ الْأَصْلِ: أَنَّ نَظَرَ الْمَرْأَةِ إِلَى الرَّجُلِ الْأَجْنَبِيِّ بِمَنْزِلَةِ نَظَرِ الرَّجُلِ إِلَى مَحَارِمِهِ؛ لِأَنَّ النَّظَرَ إِلَى خِلَافِ الْجِنْسِ أَغْلَظُ، ۳؎ فَإِنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهَا شَهْوَةٌ أَوْ أَكْبَرُ رَأْيِهَا أَنَّهَا تَشْتَهِي أَوْ شَكَّتْ فِيْ ذَلِكَ يُسْتَحَبُّ لَهَا أَنْ تَغُضَّ بَصَرَهَا، وَلَوْ كَانَ النَّاظِرُ هُوَ الرَّجُلُ إِلَيْهَا وَهُوَ بِهَذِهِ الصِّفَةِ لَمْ يَنْظُرْ، وَهَذَا إِشَارَةٌ إِلَى التَّحْرِيمِ. ۴؎ وَوَجْهُ الْفَرْقِ أَنَّ الشَّهْوَةَ عَلَيْهِنَّ غَالِبَةٌ وَهُوَ كَالْمُتَحَقِّقِ اعْتِبَارًا، فَإِذَا اشْتَهَى الرَّجُلُ كَانَتْ الشَّهْوَةُ مَوْجُودَةً فِيْ الْجَانِبَيْنِ، وَلَا كَذَلِكَ إِذَا اشْتَهَتْ الْمَرْأَةُ؛

وجہ: کیونکہ مرد اور عورت دونوں کے لئے مرد کا ستر ناف سے لیکر گھٹنے تک ہے باقی بدن ستر نہیں ہے۔ دلیل اوپر کی حدیث ہے۔ الرکبۃ من العورۃ (دارقطنی، نمبر ۸۷۸)

ترجمہ: ۲؎ مبسوط کے کتاب الخنثی میں یہ ہے کہ عورت کے اجنبی مرد کو دیکھنے میں ایسا ہے کہ مرد اپنی ذی رحم محرم عورت کو دیکھے [یعنی پیٹ اور پیٹھ بھی نہ دیکھے]، اس لئے کہ خلاف جنس کو دیکھنا زیادہ شدید ہے۔

تشریح: مبسوط کے کتاب الخنثی میں یہ ہے کہ مرد اپنی ذی رحم حرم کے پیٹ اور پیٹھ کو نہیں دیکھ سکتا اسی طرح عورت بھی اجنبی مرد کے ناف سے لیکر گھٹنے تک اور پیٹ اور پیٹھ بھی نہیں دیکھ سکتی ہے، اور اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ عورت مرد کو دیکھے اس میں شہوت ابھرنے کا زیادہ خطرہ ہے۔

نوٹ: میرے پاس جو مبسوط [کتاب الاصل] ہے اس میں کتاب الخنثی موجود نہیں ہے۔

ترجمہ: ۳؎ پس اگر عورت کے دل میں شہوت ہو، یا غالب گمان ہے کہ شہوت ہو جائے گی، یا شک ہے کہ شہوت ہو جائے گی تو عورت کے لئے مستحب ہے کہ غض بصر کرے، اور اگر دیکھنے والا مرد ہے اور اس کی یہ کیفیت ہے تو نہ دیکھے، یہ جملہ اشارہ ہے کہ دیکھنا حرام ہے۔

تشریح: عورت کے دل میں شہوت ہو۔ یا شہوت ہو جانے کا غالب گمان ہو، یا شہوت ہونے کا شک ہو تو ان تینوں صورتوں میں مرد کو نہ دیکھنا مستحب ہے۔ لیکن اگر مرد کے لئے کسی اجنبیہ عورت کو دیکھنے سے شہوت تی ہو یا شہوت ہونے کا غالب گمان ہو یا شہوت ابھرنے کا شک ہو تو ان تینوں صورتوں میں اس کے لئے اجنبیہ عورت کو دیکھنا حرام ہے، اس میں فرق کی وجہ آگے آ رہی ہے۔

ترجمہ: ۴؎ فرق کی وجہ یہ ہے کہ عورت میں شہوت غالب ہے، یعنی ہر وقت رہتی ہے، پس مرد بھی شہوت کرے تو دونوں جانب سے شہوت ہوگئی [اس لئے مرد کا دیکھنا حرام ہو گیا] اور جب عورت کو شہوت ہو تو ایسا نہیں ہے، اس لئے کہ شہوت مرد کی جانب موجود نہیں ہے، نہ حقیقت میں ابھی موجود ہے اور نہ اس کا اعتبار کیا جا سکتا ہے، اس لئے ایک ہی جانب سے شہوت

لِأَنَّ الشَّهْوَةَ غَيْرُ مَوْجُودَةٍ فِي جَانِبِهِ حَقِيقَةً وَاعْتِبَارًا فَكَانَتْ مِنْ جَانِبٍ وَاحِدٍ، وَالْمُتَحَقِّقُ مِنْ الْجَانِبَيْنِ فِي الْإِفْضَاءِ إلَى الْمُحَرَّمِ أَقْوَى مِنْ الْمُتَحَقِّقِ فِي جَانِبٍ وَاحِدٍ. (۲۹۹) قَالَ وَتَنْظُرُ الْمَرْأَةُ مِنْ الْمَرْأَةِ إلَى مَا يَجُوزُ لِلرَّجُلِ أَنْ يَنْظُرَ إلَيْهِ مِنْ الرَّجُلِ ۱ لِوُجُودِ الْمُجَانَسَةِ، وَانْعِدَامِ الشَّهْوَةِ غَالِبًا كَمَا فِي نَظَرِ الرَّجُلِ إلَى الرَّجُلِ، وَكَذَا الضَّرُورَةُ قَدْ تَحَقَّقَتْ إلَى الِانْكِشَافِ

ہوئی، پس دونوں جانب سے شہوت متحقق ہوتو حرام کی جانب پہنچانا زیادہ قوی ہے، اور ایک جانب سے شہوت متحقق ہوتو حرام کی طرف پہنچانا زیادہ قوی نہیں ہے۔

تشریح : دلیل عقلی ذرا پیچیدہ ہے۔ مرد کو شہوت ہوتو اجنبیہ عورت کو دیکھنا حرام ہے، اور عورت کو شہوت ہوتو نہ دیکھنا مستحب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت میں گویا کہ ہر وقت شہوت ہوتی ہی ہے، پس مرد میں بھی شہوت ہوگئی تو اب دونوں جانب شہوت ہوگئی اس لئے مرد کے لئے دیکھنا حرام ہو گیا تا کہ زنا کی طرف نہ پہنچائے۔ اور اگر مرد کی طرف سے شہوت نہیں ہے، تو حکما بھی انکی جانب سے شہوت نہیں ہوئی، اس لئے اب صرف عورت کی جانب سے شہوت ہے تو ایک ہی جانب سے شہوت ہوئی، اس لئے زنا کی طرف پہنچانا ضروری نہیں ہے اس لئے عورت کے لئے مستحب ہے کہ نہ دیکھے۔

وجه : (۱) قل للمؤمنين يغضوا من ابصارهم و يحفظوا فروجهم ذالك اذكى لهم ان الله خبير بما يصنعون۔ (آیت ۳۰، سورۃ النور ۲۴) اس آیت میں ہے کہ مرد نگاہ نیچی رکھے۔

لغت : حقیقۃ: حقیقت میں شہوت ہو۔ اعتبارا: حقیقت میں تو شہوت نہ ہو لیکن اس کا اعتبار کر لیا جائے، کہ اس میں شہوت ہے، جیسے عورت میں اعتبار کر لیتے ہیں کہ ہر وقت اس میں شہوت ہے۔ افضاء: فض سے مشتق ہے پہونچانا۔

ترجمه : (۲۹۹) عورت دوسری عورت کا اتنا بدن جتنا دیکھ سکتا ہے مرد دوسرے مرد کا۔

تشریح : ایک مرد دوسرے مرد کا ناف سے لیکر گھٹنے تک نہیں دیکھ سکتا ہے باقی بدن دیکھ سکتا ہے۔ اسی طرح ایک عورت دوسری عورت کا ناف سے لیکر گھٹنے تک نہیں دیکھ سکتی ہے۔ کیونکہ یہ ستر غلیظہ ہے باقی بدن یعنی پیٹ اور پیٹھ وغیرہ دیکھ سکتی ہے۔

وجه : (۱) ایک عورت دوسری عورت کی پستان دیکھ لے تو شہوت نہیں ابھرتی اس لئے کہ اس کے پاس بھی ہے۔ اس لئے ان اعضاء کو دیکھنے میں حرج نہیں۔ البتہ ناف سے لیکر گھٹنے تک ستر غلیظہ ہے اس لئے اس کا دیکھنا عورت کے لئے بھی جائز نہیں ہے

ترجمه : ۱ دونوں کی جنس ایک ہے اور شہوت متحقق نہیں ہے، جیسے کہ مرد مرد کو دیکھے تو شہوت نہیں ہوتی۔، اور کھولنے کی ضرورت بھی ہے جیسے حمام میں آپس میں کھولتے ہیں۔

تشریح : یہاں پیٹ اور پیٹھ کھولنے کی تین وجہ بیان فرما رہے ہیں۔ [۱] ایک تو دونوں عورتوں کی جنس ایک ہے [۲] دوسری یہ کہ آپس میں شہوت نہیں ہوتی [۳] اور تیسری بات یہ ہے کہ غسلخانہ وغیرہ میں ان اعضاء کو کھولنے کی ضرورت ہوتی ہے

فِيمَا بَيْنَهُنَّ. ۲؎ وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ – رَحِمَهُ اللّٰهُ – أَنَّ نَظَرَ الْمَرْأَةِ إلَى الْمَرْأَةِ كَنَظَرِ الرَّجُلِ إلَى مَحَارِمِهِ، ۳؎ بِخِلَافِ نَظَرِهَا إلَى الرَّجُلِ؛ لِأَنَّ الرِّجَالَ يَحْتَاجُونَ إلَى زِيَادَةِ الِانْكِشَافِ لِلِاشْتِغَالِ بِالْأَعْمَالِ. وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ. (۳۰۰)قَالَ وَيَنْظُرُ الرَّجُلُ مِنْ أَمَتِهِ الَّتِي تَحِلُّ لَهُ وَزَوْجَتِهِ

،اس لئے عورتوں کے سامنے پیٹ اور پیٹھ کھولنے کی گنجائش دی گئی۔

ترجمہ ۲؎ امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ عورت دوسری عورت کا اتنا دیکھے جتنا ایک مرد اپنی ذی محرم عورت کا دیکھتا ہے

تشریح : ایک مرد اپنی ذی محرم عورت کا ناف سے لیکر گھٹنے تک اور پیٹ اور پیٹھ نہیں دیکھ سکتا، اسی طرح عورت دوسری عورت کا ناف سے لیکر گھٹنے تک اور پیٹ اور پیٹھ نہیں دیکھ سکتی۔امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت یہ بھی ہے

ترجمہ :۳؎ بخلاف عورت مرد کے [تو ناف سے لیکر گھٹنے کے علاوہ سب دیکھ سکتی ہے]،اس لئے کہ مرد زیادہ کھولنے کی ضرورت پڑتی ہے، کیونکہ وہ کام کرنے میں مشغول ہوتے ہیں لیکن پہلی روایت صحیح ہے۔

تشریح :عورت کے سامنے مرد کو پیٹ اور پیٹھ کھولنے کی اجازت کیوں دی ہے اس کی وجہ بتاتے ہیں کہ مرد کو عورت کے سامنے کام کرنا پڑتا ہے اوران اعضاء کو کھولنے کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے پیٹ اور پیٹھ کو کھولنے کی گنجائش دی گئی

لغت :الاول اصح :امام ابوحنیفہؒ کی پہلی روایت یہ تھی کہ عورت عورت کے سامنے پیٹ اور پیٹھ بھی کھول سکتی ہے،صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت زیادہ صحیح ہے۔

ترجمہ :(۳۰۰) وہ باندی جو اس کے لئے حلال ہے اس کی اور اپنی بیوی کی شرمگاہ مرد دیکھ سکتا ہے۔

تشریح : اپنی باندی کی شادی کسی دوسرے سے کروا دیا ہو تو اس باندی سے صحبت کرنا جائز نہیں۔اسی طرح رضاعی بہن باندی ہو تو اس سے صحبت کرنا حلال نہیں اس لئے فرمایا کہ ایسی باندی جس سے صحبت کرنا حلال ہو اس کی شرم گاہ دیکھنا چاہے تو دیکھ سکتا ہے گناہ نہیں ہے۔اسی طرح بیوی کی شرم گاہ دیکھنا چاہے تو دیکھ سکتا ہے گناہ نہیں ہے۔البتہ تقوی کا تقاضا یہ ہے کہ خواہ مخواہ نہ دیکھے۔کیونکہ وہ جگہ شرم کی چیز ہے۔

وجہ :(۱) حدیث میں دونوں باتوں کا ثبوت ہے اس کو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے۔**اخبرنا بهز بن حكيم عن ابيه عن جده قال قلت يا نبی الله ! عوراتنا ما ناتی منها وما نذر؟ قال احفظ عورتک الا من زوجتک او ما ملکت يمينک** (ترمذی شریف، باب ماجاء فی حفظ العورۃ، ص۶۳۰، نمبر۲۷۹۴/ابن ماجہ شریف، باب التستر عند الجماع، ص۲۷۵، نمبر۱۹۲۰) اس حدیث میں ہے کہ اپنی ستر کو چھپائے رکھو مگر اپنی بیوی اور باندی سے۔جس کا مطلب یہ نکلا کہ بیوی اور باندی کے سامنے ایک دوسرے کا ستر ظاہر ہو جائے تو کوئی بات نہیں ہے (۲) ایک حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔ **ان سعد بن مسعود الكندی قال اتی عثمان بن مظعون رسول الله ﷺ قال يا رسول الله ! انی لاستحی**

إِلَى فَرْجِهَا ۱؎ وَهَـذَا اطْلَاقٌ فِـي الـنَّـظَرِ إِلَى سَائِرِ بَدَنِهَا عَنْ شَهْوَةٍ وَغَيْرِ شَهْوَةٍ. وَالْأَصْلُ فِيهِ قَـوْلُـهُ – عَـلَيْـهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – غُضَّ بَصَرَكَ إِلَّا عَنْ أَمَتِكَ وَامْرَأَتِكَ ۲؎ وَلِأَنَّ مَا فَوْقَ ذَلِكَ مِـنَ الْمَسِيسِ وَالْغَشَيَانِ مُبَاحٌ فَالنَّظَرُ أَوْلَى، إِلَّا أَنَّ الْأَوْلَى أَنْ لَا يَنْظُرَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا إِلَى عَوْرَةِ صَاحِبِهِ لِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – إِذَا أَتَى أَحَدُكُمْ أَهْلَهُ فَلْيَسْتَتِرْ مَا اسْتَطَاعَ وَلَا يَتَـجَرَّدَانِ تَجَرُّدَ الْعِيرِ وَلِأَنَّ ذَلِكَ يُورِثُ النِّسْيَانَ لِوُرُودِ الْأَثَرِ. وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ – رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا – يَقُولُ: الْأَوْلَى أَنْ يَنْظُرَ لِيَكُونَ أَبْلَغَ فِي تَحْصِيلِ مَعْنَى اللَّذَّةِ.

ان تـری اهـلـی عـورتی قال وقد جعلک الله لهم لباسا وجعلهم لک لباسا قال اکره ذلک قال فانهم یـرونـه مـنی واراه منهم قال انت یا رسول الله ! قال انا قال انت! فمن بعد ک اذاً ؟قال فلما ادبر عثمان قال رسول الله ﷺ ان ابن مظعون لحیی ستیر (مصنف عبدالرزاق، القول عند الجماع وکیف یصنع وفضل الجماع، ج سادس، ص۱۵۶، نمبر ۱۱۰۵۱)۔اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا بیویاں میرا دیکھتی ہیں اور میں ان کا دیکھتا ہوں۔جس سے معلوم ہوا کہ بیوی کی شرمگاہ دیکھنا جائز ہے۔

البتہ نہ دیکھے تو بہتر ہے۔

وجه :(۱)حدیث میں ہے۔عـن عتبة ابـن عبـد الـسـلـمـی قـال قال رسول الله ﷺ اذا اتی احدکم اهله فـلیستتـر ولا یتـجرد یجرد العیرین(۲) دوسری روایت میں ہے۔عـائشةؓ قـالـت مـا نظرت او مارأیت فرج رسـول الـله قط (ابن ماجہ شریف، باب التستر عند الجماع، ص۲۷۵، نمبر ۱۹۲۱/۱۹۲۲/ترمذی شریف، باب ما جاء فی الاستتار عند الجماع، ص۶۳۱، نمبر ۲۸۰۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جماع کے وقت بالکل ننگا نہ ہو جس سے معلوم ہوا کہ اس کی شرمگاہ نہ دیکھے تو بہتر ہے۔

ترجمه :۱؎ یہ عبارت دیکھنے کے بارے میں مطلق ہے، عورت کے پارے بدن کو شہوت کے ساتھ اور بغیر شہوت کے، اور اس میں حضورؐ کا قول ہے اپنی نگاہ کو نیچی رکھو، مگر اپنی باندی اور بیوی سے۔

تشریح : بیوی اور باندی کا تمام عضو دیکھنا حلال ہے، چاہے شہوت کے ساتھ ہو یا بغیر شہوت کے ہو، کیونکہ اوپر حدیث گزری جس میں ہے کہ اپنی باندی اور اپنی بیوی کے تمام عضو دیکھ سکتا ہے۔

ترجمه :۲؎ اور اس لئے کہ دیکھنے سے بڑھ کر چھونا اور جماع کرنا جائز ہے تو دیکھنا بدرجہ اولی جائز ہوگا۔مگر زیادہ بہتر یہ ہے کہ مرد اور عورت ہر ایک دوسرے کی شرمگاہ کو نہ دیکھے نہ دیکھے، حضورؐ کے قول کی وجہ سے جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس آئے تو جتنا ہو سکے ستر رکھے اور اونٹ کی طرح ننگا نہ ہو جائے۔اور اس لئے بھی کہ یہ نسیان پیدا کرتا ہے، اثر وارد ہونے

(۳۰۱) قَالَ وَيَنظُرُ الرَّجُلُ مِنْ ذَوَاتِ مَحَارِمِهِ إِلَى الْوَجْهِ وَالرَّأْسِ وَالصَّدْرِ وَالسَّاقَيْنِ وَالْعَضُدَيْنِ. وَلَا يَنظُرُ إِلَى ظَهْرِهَا وَبَطْنِهَا وَفَخِذِهَا ۱؎ وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ تَعَالَى ﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ اِلا لِبُعُولَتِهِنَّ﴾ [النور: ۳۱] الآيَةَ، وَالْمُرَادُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ مَوَاضِعُ الزِّينَةِ وَهِيَ مَا ذُكِرَ فِي

کی وجہ سے۔

تشریح : دیکھنے سے بڑھ کر شرمگاہ کو چھونا اور جماع کرنا جائز ہے تو دیکھنا بھی جائز ہوگا۔ البتہ نہ دیکھے تو بہتر ہے، کیونکہ حضورؐ نے فرمایا کہ جتنا ہو سکے ستر رکھے اور اونٹ کی طرح ننگا نہ ہو جائے، اور دوسری بات یہ ہے کہ شرمگاہ دیکھنے سے نسیان اور بھول کی بیماری ہوتی ہے اس لئے اس کو نہ دیکھے۔

لغت : مسیس : مس سے مشتق ہے، چھونا۔ غشیان : غش سے مشتق ہے جماع کرنا، ڈھانپنا۔ یتجر د : جرد سے مشتق ہے، ننگا ہونا، اور کھولنا۔ عیر : اونٹ۔ یورث : پیدا کرتا ہے

ترجمہ : حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ دیکھے تاکہ لذت حاصل کرنے میں بلیغ ہو۔

تشریح : حضرت ابن عمر فرمایا کرتے تھے کہ جماع کے وقت شرمگاہ کو دیکھے تاکہ جماع کرنے میں زیادہ لذت حاصل ہو۔

نوٹ : حضرت ابن عمر کی یہ قول صحابی نہیں ملا۔

ترجمہ : (۳۰۱) آدمی دیکھ سکتا ہے اپنی ذی رحم محرم عورتوں کے چہرہ، سر، سینہ، پنڈلیوں اور بازوؤں کو، اور نہ دیکھے اس کی پیٹھ، پیٹ اور ران کو۔

ترجمہ : ۱؎ اصل اس میں اللہ تعالی کا قول ہے، کہ عورتیں اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر شوہر کے لئے۔ الخ اور یہاں مراد زینت کی جگہ ہے، جسکو میں نے متن میں پہلے ذکر کیا ہے۔

تشریح : ذی رحم محرم عورتیں مثلاً ماں، بہن، پھوپی، نانی، خالہ وغیرہ کا چہرہ، سر، ہنسلی کا حصہ، پنڈلی اور بازو وغیرہ کو دیکھ سکتا ہے۔ لیکن اس کی پیٹھ، پیٹ، ران، گھٹنا وغیرہ نہیں دیکھ سکتا۔

وجہ : (۱) مرد کے لئے ذی رحم محرم عورت کا گردن سے لیکر گھٹنے تک ستر ہے اور یہ مقام شہوت بھی ہیں اس لئے ان مقامات کو نہیں دیکھ سکتا، باقی سر، چہرہ، پنڈلی اور سینے کے اوپر جو ہنسلی کا حصہ ہوتا ہے وہ دیکھ سکتا ہے (۲) آیت میں اس کا ذکر ہے، جسکو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے ہے۔ ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن او آبائھن او آباء بعولتھن او ابنائھن او ابناء بعولتھن او اخوانھن او ابنی اخوانھن او بنی اخواتھن او نسائھن او ما ملکت ایمانھن (آیت ۳۱، سورۃ النور ۲۴) اس آیت میں ہے کہ عورتیں زینت یعنی زینت کے مقام ان ذی رحم محرم کے سامنے ظاہر کر سکتی ہیں۔ زیور پہننے اور زینت کرنے کے اعضاء یہ ہیں۔ ناک، کان، جن میں سر اور چہرہ موجود ہے۔ گلے میں ہار پہنتی ہیں جن میں سینہ کے اوپر کی

الْكِتَابِ، ۲؎ وَيَدْخُلُ فِي ذَلِكَ السَّاعِدُ وَالْأُذُنُ وَالْعُنُقُ وَالْقَدَمُ؛ لِأَنَّ كُلَّ ذَلِكَ مَوْضِعُ الزِّينَةِ، بِخِلَافِ الظَّهْرِ وَالْبَطْنِ وَالْفَخِذِ؛ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ مَوَاضِعِ الزِّينَةِ، ۳؎ وَلِأَنَّ الْبَعْضَ يَدْخُلُ عَلَى الْبَعْضِ مِنْ غَيْرِ اسْتِئْذَانٍ وَاحْتِشَامٍ وَالْمَرْأَةُ فِي بَيْتِهَا فِي ثِيَابِ مِهْنَتِهَا عَادَةً، فَلَوْ حَرُمَ النَّظَرُ إِلَى هَذِهِ الْمَوَاضِعِ أَدَّى إِلَى الْحَرَجِ، وَكَذَا الرَّغْبَةُ تَقِلُّ لِلْحُرْمَةِ الْمُؤَبَّدَةِ فَقَلَّمَا

ہڈی یعنی ہنسلی آئی۔ پنڈلی میں پازیب اور بازو میں بازو بند اور ہتھیلی میں چوڑی پہنتی ہیں۔اس لئے یہ اعضاء مقام زینت ہیں۔آیت کی بنیاد پر یہ اعضاء ذی رحم محرم کے سامنے کھول سکتی ہیں اوران کو دکھلا سکتی ہیں۔ پیٹھ، پیٹ، ران، سینہ کا وہ حصہ جس پر پستان ہے یا اس کے اردگرد کا حصہ اس پر کوئی زیور نہیں پہنتی اس لئے آیت کی بنیاد پر ان اعضاء کو کھولنا یا دکھلانا حرام ہے (۲) یہ اعضاء دیکھنے سے شہوت ابھرتی ہے اس لئے بھی ان کا دیکھنا جائز نہیں ہوگا (۳) ذی رحم محرم عورتیں مردوں کے ساتھ ہر وقت کام کرتی ہیں اس لئے سر، بازو، پنڈلی پر کپڑا لینے کی تاکید کریں تو کام کرنے میں حرج ہوگا۔شریعت نے ان اعضاء کو ڈھکنے کا تاکیدی حکم نہیں لگایا (۳) عمل صحابی میں ہے۔ان الحسن والحسين كانا يدخلان على اختهما ام كلثوم وهي تمشط (مصنف ابن ابی شیبۃ، ج رابع، ص۱۲، نمبر ۱۷۲۷۴) اس عمل صحابی سے معلوم ہوا کہ ذی رحم محرم عورت کا سر اور اس پر قیاس کر کے پنڈلی اور بازو دیکھنا جائز ہے۔

لغت: ساق : پنڈلی۔ عضدین : عضد کا تثنیہ ہے بازو۔ فخذ : ران۔

ترجمہ: ۲؎ اوراس آیت میں کلائی اور کان اور گلا، اور قدم داخل ہیں، اس لئے کہ یہ سب زینت کی جگہ ہیں، بخلاف پیٹھ اور پیٹ اور ران کے اس لئے کہ یہ مقام زینت کی جگہ نہیں ہیں۔

تشریح : آیت میں کلائی، کان، گردن، اور قدم داخل ہیں، یعنی ان جگہوں پر زیور پہنتی ہے، اس لئے یہ مقام زینت ہیں اوران جگہوں کو ذی رحم محرم کے سامنے ظاہر کر سکتی ہیں۔اس کے برخلاف پیٹ، پیٹھ اور ران پر کوئی زیور نہیں پہنتی، اس لئے اس کو ذی رحم محرم کے سامنے ظاہر نہیں کر سکتی۔

ترجمہ: ۳؎ اوراس لئے کہ بغیر اجازت کے اور بغیر شرم کے بعض بعض پر داخل ہوتے ہیں، اور عورت اپنے گھر میں محنت کے کپڑے میں ہوتی ہے، پس اگر ان اعضاء کو دیکھنا حرام قرار دیا جائے تو حرج لازم آئے گا، اور ایسے ہی ہمیشہ کی حرمت کی وجہ سے شہوت کی رغبت کم ہوتی ہے، بخلاف ان اعضاء کے علاوہ کو عموما نہیں کھولتی [اس لئے ان اعضاء کو دیکھنا حرام ہوگا]

تشریح : ذی رحم میں بعض بعض پر بغیر اجازت کے داخل ہوتے ہیں اور عورتیں پنڈلی، ٹانگ وغیرہ کو گھر میں کھول کر کام کرتی ہیں، پس اگر ان کو ڈھانپنے کا حکم دیا جائے تو حرج لازم آئے گا، دوسری بات یہ ہے کہ ہمیشہ کی حرمت کی وجہ سے خواہش کی رغبت کم ہوتی ہے، اس لئے ان اعضاء کو دیکھنا جائز قرار دیا۔

تُشْتَهَى، بِخِلَافِ مَا وَرَائَهَا، لِأَنَّهَا لَا تَنْكَشِفُ عَادَةً. ۴ وَالْمَحْرَمُ مَنْ لَا تَجُوزُ الْمُنَاكَحَةُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا عَلَى التَّأْبِيدِ بِنَسَبٍ كَانَ أَوْ بِسَبَبٍ كَالرَّضَاعِ وَالْمُصَاهَرَةِ لِوُجُودِ الْمَعْنَيَيْنِ فِيهِ، وَسَوَاءٌ كَانَتْ الْمُصَاهَرَةُ بِنِكَاحٍ أَوْ سِفَاحٍ فِي الْأَصَحِّ لِمَا بَيَّنَّا. (۳۰۲) قَالَ وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَمَسَّ مَا جَازَ أَنْ يَنْظُرَ إِلَيْهِ مِنْهَا ۱ لِتَحَقُّقِ الْحَاجَةِ إِلَى ذَلِكَ فِي الْمُسَافَرَةِ وَقِلَّةِ الشَّهْوَةِ لِلْمَحْرَمِيَّةِ،

ترجمه : ۴ یہاں محرم سے مراد ہے جن عورتوں سے ہمیشہ کے لئے نکاح کرنا حرام ہو چاہے نسب کی وجہ سے ہو، چاہے کسی سبب سے ہو، یعنی رضاعت کی وجہ سے یا حرمت مصاہرت کی وجہ سے ہو، کیونکہ ان میں یہ دونوں معنی پائے جاتے ہیں [یعنی ضرورت ہے اور رغبت کم ہے]

تشریح : یہاں ذی رحم سے مراد ہے کہ ہمیشہ کے لئے ان لوگوں سے نکاح کرنا حرام ہو، اور وہ چار طریقے سے حرمت آتی ہے [۱] نسب کی وجہ سے حرام ہو، جیسے ماں دادی، پھوپی، وغیرہ [۲] یا دودھ پینے کی وجہ سے حرام ہو، جیسے رضاعی ماں، رضاعی بہن وغیرہ۔ [۳] نکاح کرنے کی وجہ سے حرمت آئی ہو، جیسے ساس، سسر، [۴] یا زنا کی وجہ سے حرمت آئی ہو، جیسے مزنیہ کی ماں۔، اور سب میں علت یہ ہے کہ ان لوگوں میں رغبت کم ہوتی ہے، اور کھولنے کی ضرورت بھی ہے۔

لغت : بسبب: نسب کی وجہ سے نہیں بلکہ دوسرے سبب سے نکاح کرنا حرام ہوا، جیسے رضاعت کے سبب سے نکاح حرام ہے، یا نکاح کے سبب سے نکاح حرام ہوا۔ یا زنا کے سبب سے نکاح کرنا حرام ہوا۔ مصاہرۃ: دمادی کی وجہ سے نکاح حرام ہوا۔ سفاح: زنا۔ لما بینا: ہم نے بیان کیا، یعنی اس میں رغبت کم ہے، اور کھولنے کی ضرورت ہے۔

ترجمه: (۳۰۲) کوئی حرج نہیں ہے کہ چھوئے اس عضو کو جس کو دیکھنا جائز ہے۔

ترجمه: ۱ کیونکہ سفر کرنے میں چھونے کی ضرورت ہے، اور محرم ہونے کی وجہ سے شہوت کم ہے۔

تشریح : ذی رحم محرم عورتوں کے جن اعضاء کو دیکھنا جائز ہے ضرورت پڑنے پر ان کو چھونا بھی جائز ہے بشرطیکہ شہوت ابھرنے کا خطرہ نہ ہو۔

وجه : (۱) سفر وغیرہ میں عورتوں کو بس اور ٹرین سے اتارنے میں اس کے ہاتھ یا اس کے پاؤں پکڑنے کی ضرورت پڑتی ہے اور ان کے چھونے میں شہوت ابھرنے کا خطرہ کم ہے کیونکہ احترام مانع ہے۔ اس لئے جن اعضاء کو دیکھا جائز ہے ان کو چھونا بھی جائز ہے (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ہے۔ عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ لا بأس ان يقلب الرجل الجارية اذا اراد ان يشتريها وينظر اليها ماخلا عورتها. (سنن للبیہقی، باب عورۃ الامۃ، ج ثانی، ص ۳۲۱، نمبر ۳۲۲۴) اس حدیث میں ہے کہ باندی کو خریدتے وقت اس کو ادھر ادھر گھمائے جس سے اشارہ ملتا ہے کہ چھو بھی سکتا ہے (۲) اثر میں ہے۔ حدثنا معتمر عن ابيه ان طلقا كان يذوّب امه (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۵۷ اما قالوا فی الرجل ینظر

۲؎ بِخِلَافِ وَجْهِ الْأَجْنَبِيَّةِ وَكَفَّيْهَا حَيْثُ لَا يُبَاحُ الْمَسُّ وَإِنْ أُبِيحَ النَّظَرُ؛ لِأَنَّ الشَّهْوَةَ مُتَكَامِلَةٌ ۳؎ إِلَّا إِذَا كَانَ يَخَافُ عَلَيْهَا أَوْ عَلَى نَفْسِهِ الشَّهْوَةَ فَحِينَئِذٍ لَا يَنْظُرُ وَلَا يَمَسُّ لِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – الْعَيْنَانِ تَزْنِيَانِ وَزِنَاهُمَا النَّظَرُ، وَالْيَدَانِ تَزْنِيَانِ وَزِنَاهُمَا الْبَطْشُ، وَحُرْمَةُ الزِّنَا بِذَوَاتِ الْمَحَارِمِ أَغْلَظُ فَيُجْتَنَبُ. (۳۰۳) وَلَا بَأْسَ بِالْخَلْوَةِ وَالْمُسَافَرَةِ بِهِنَّ ۱؎ لِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – لَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهَا إِلَّا وَمَعَهَا زَوْجُهَا أَوْ ذُو رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهَا وَقَوْلُهُ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – أَلَا لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ لَيْسَ مِنْهَا بِسَبِيلٍ فَإِنَّ

الی شعرامہ ویفلیھا، ج رابع، ص۱۲، نمبر ۱۷۲۷۸) اس اثر سے معلوم ہوا ماں کا گیسو بنا سکتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان اعضاء کو چھو بھی سکتا ہے۔

۲؎ بخلاف اجنبیہ کے چہرے اور اس کی ہتھیلی کے اس لئے کہ اس کا چھونا مباح نہیں ہے، چاہے دیکھنا مباح ہے، اس لئے کہ یہاں شہوت پوری ہے۔

تشریح: اجنبیہ عورت کا چہرہ اور ہتھیلی دیکھنا جائز ہے، لیکن اس کا چھونا جائز نہیں، کیونکہ وہاں شہوت مکمل ہے۔

ترجمہ: ۳؎ مگر عورت پر یا خود مرد پر شہوت کا خوف ہو تو محرم کو نہ دیکھے اور نہ اس کو چھوئے، حضورؐ کے قول کی وجہ سے دونوں آنکھیں زنا کرتیں ہیں اور ان کا زنا دیکھنا ہے، اور دونوں ہاتھ زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا پکڑنا ہے، اور ذی رحم محرم عورت کے ساتھ زنا زیادہ غلیظ ہے اس لئے اور بھی پرہیز کرے۔

تشریح: ذی رحم کو پکڑنے سے یا دیکھنے سے یہ خطرہ ہو کہ عورت پر شہوت کا غلبہ ہو جائے گا، یا مرد پر شہوت کا غلبہ ہو جاۓ گا تو نہ اس کو دیکھے اور نہ اس کو پکڑے، کیونکہ ذی رحم محرم کے ساتھ زنا سخت ہے۔

وجہ: حدیث میں ہے جسکو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے۔ **عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال كتب على ابن آدم نصيبه من الزنى مدرک ذلک لا محالة فالعينان زنا هما النظر والاذنان زناهما الاستماع واللسان زناه الكلام واليد زناها البطش والرجل زناها الخطأ والقلب يهوى ويتمنى ويصدق ذلک الفرج ويكذبه.** (مسلم شریف، باب قدر علی ابن آدم حظہ من الزنا وغیرہ، ص ۱۱۵۷، نمبر ۲۶۵۷/۶۷۵۴ / بخاری شریف، باب زنا الجوارح دون الفرج، ص ۱۰۸۷، نمبر ۶۲۴۳) اس حدیث میں ہے کہ شہوت کے ساتھ پکڑنا بھی زنا کے درجے میں ہے اس لئے شہوت ہو تو ذی رحم محرم کے ان اعضاء کو نہ چھوئے۔

ترجمہ: (۳۰۳) کوئی حرج نہیں ہے کہ ذی رحم محرم کے ساتھ خلوت کرے، یا اس کے ساتھ سفر کرے۔

ترجمہ: ۱؎ حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ عورت تین دن اور تین رات سے زیادہ سفر نہ کرے مگر یہ کہ اس کے ساتھ شوہر

ثَالِثُهُمَا الشَّيْطَانُ وَالْمُرَادُ إِذَا لَمْ يَكُنْ مَحْرَمًا، ۲؎ فَإِنْ احْتَاجَ إِلَى الْإِرْكَابِ وَالْإِنْزَالِ فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَمَسَّهَا مِنْ وَرَاءِ ثِيَابِهَا وَيَأْخُذَ ظَهْرَهَا وَبَطْنَهَا دُونَ مَا تَحْتَهُمَا إِذَا أَمِنَا الشَّهْوَةَ، ۳؎ فَإِنْ خَافَهَا عَلَى نَفْسِهِ أَوْ عَلَيْهَا تَيَقُّنًا أَوْ ظَنًّا أَوْ شَكًّا فَلْيَجْتَنِبْ ذَلِكَ بِجَهْدِهِ،

ہو یا ذی رحم محرم ہو، اور حضورؐ کا قول کوئی مرد عورت کے ساتھ خلوت میں نہ رہے، جب تک کہ کوئی مجبوری نہ ہو مگر تیسرا اس کے ساتھ شیطان ہوتا ہے، اور مراد یہ ہے کہ محرم نہ ہو۔[تو شیطان ہوتا ہے]

تشریح : محرم عورت کے ساتھ خلوت کر سکتا ہے، اور سفر بھی کر سکتا ہے، کیونکہ اس کی ضرورت پڑتی ہے، اور حضورؐ نے بھی فرمایا کہ تین دن سے زیادہ عورت سفر نہ کرے مگر اس کے ساتھ محرم ہو، جس سے پتہ چلتا ہے کہ محرم خلوت میں رہ سکتا ہے۔ اور حدیث میں یہ بھی فرمایا کہ دو آدمی ہوتا ہے تو تیسرا شیطان ہوتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں آدمی آپس میں محرم نہ ہو تو تیسرا وہاں شیطان ہوتا ہے۔

وجه :(۱) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ قال لا تسافر المرأة ثلاثا الا و معها ذو محرم** (مسلم شریف، باب سفر المرأۃ مع محرم الی حج وغیرہ، ص ۵۶۴، نمبر ۱۳۳۸/۳۲۵۸) اس حدیث میں ہے کہ ذی رحم محرم کے ساتھ سفر کرے۔(۲) **سمعت ابا سعید ....قال لا تسافر المراة یومین الا و معها زوجها او ذو محرم** (بخاری شریف باب مسجد بیت المقدس، ص ۱۹۰، نمبر ۱۱۹۷)(۳) **عن ابن عمر قال خطبنا عمر بالجابیة و قال ....الا لا یخلون رجل بامراة الا کان ثالثها الشیطان علیکم بالجماعة** (ترمذی شریف، باب ما جاء فی لزوم الجماعۃ، ص ۴۹۷، نمبر ۲۱۶۵) اس حدیث میں ہے کہ مرد عورت کے ساتھ خالی ہوتا ہے تو وہاں شیطان ہوتا ہے، یعنی اس میں محرم نہ ہو تو وہاں شیطان ہوتا ہے۔

ترجمه : ۲؎ اگر محرم کو سوار کرنے اور اتارنے کی ضرورت پڑے تو کپڑے کے پیچھے سے اس کو چھونے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اس کے پیٹھ اور پیٹ کو پکڑے، پیٹ سے نیچے کا حصہ نہ پکڑے اگر شہوت سے امن ہو۔

تشریح : اگر گاڑی پر سوار کرنے کی ضرورت پڑے تو کپڑے کے پیچھے سے پیٹ اور پیٹھ کا حصہ چھو سکتا ہے، پیٹ سے نیچے ناف سے گھٹنے تک کا عضو نہ پکڑے، اور پیٹ اور پیٹھ کو بھی کپڑے سے پکڑے۔ اور یہ اس وقت ہے کہ شہوت کا خطرہ نہ ہو۔

لغت :ارکاب: رکب سے مشتق ہے، سوار کرنا۔ **تحتهما**: پیٹھ اور پیٹ کے نیچے، اس سے مراد ہے، ناف سے گھٹنے تک کا عضو۔

ترجمه : ۳؎ پس اگر اپنی ذات پر شہوت کا خطرہ ہو، یا عورت پر خطرہ ہو، اس کا یقین ہو، یا غالب گمان ہو، یا شک ہو تو اپنی کوشش کے مطابق چھونے سے بچے۔

ع ثُمَّ إنْ أَمْكَنَهَا الرُّكُوبُ بِنَفْسِهَا يَمْتَنِعُ عَنْ ذَلِكَ أَصْلًا، وَإِنْ لَمْ يُمْكِنْهَا يَتَكَلَّفُ بِالثِّيَابِ كَيْ لَا تُصِيبَهُ حَرَارَةُ عُضْوِهَا، وَإِنْ لَمْ يَجِدْ الثِّيَابَ يَدْفَعُ الشَّهْوَةَ عَنْ قَلْبِهِ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ.

(۳۰۴)قَالَ وَيَنْظُرُ الرَّجُلُ مِنْ مَمْلُوكَةِ غَيْرِهِ إلَى مَا يَجُوزُ أَنْ يَنْظُرَ إلَيْهِ مِنْ ذَوَاتِ مَحَارِمِهِ لِ لِأَنَّهَا تَخْرُجُ لِحَوَائِجِ مَوْلَاهَا وَتَخْدِمُ أَضْيَافَهُ وَهِيَ فِي ثِيَابِ مِهْنَتِهَا، فَصَارَ حَالُهَا خَارِجَ الْبَيْتِ

تشریح : ذی رحم کو چھونے سے یقین ہے کہ عورت کو یا مرد کو شہوت ہو جائے گی، یا غالب گمان ہے کہ شہوت ہو جائے گی، یا شک ہے کہ شہوت ہو جائے گی، تو جہاں تک ہو سکے چھونے سے بچے۔

ترجمہ : ع پھر اگر عورت خود سوار ہو سکتی ہو تو چھونے سے بالکل بچے، اور اگر ممکن نہ ہو تو کپڑے کے ساتھ بتکلف چھوئے تا کہ عورت کی گرمی محسوس نہ ہو، اور اگر وہاں کپڑا ابھی نہ ہو تو حتی الامکان دل سے شہوت کو دور کرے۔

تشریح : واضح ہے۔

ترجمہ: (۳۰۴) آدمی دیکھ سکتا ہے دوسرے کی باندی کا اتنا بدن جتنا دیکھنا جائز ہے اپنی ذی رحم محرم عورتوں کا۔

تشریح : ذی رحم محرم عورتوں کا ہنسلی کی ہڈی سے لیکر گھٹنے تک دیکھنا جائز نہیں باقی سر، بازو اور پنڈلی دیکھ سکتا ہے اسی طرح دوسرے کی باندی کا ہنسلی کی ہڈی سے لیکر گھٹنے تک دیکھنا جائز نہیں ہے، باقی سر، بازو اور پنڈلی دیکھ سکتا ہے۔

وجہ (۱) مملوکہ باہر کام کرنے نکلے گی تو ہر وقت سر پر چادر رکھنا مشکل ہوگا۔ اس لئے اس کے لئے گنجائش ہے کہ سر، بازو اور پنڈلی کھلی رکھے (۲) وہ ذی رحم محرم عورت کی طرح ہوگئی۔ البتہ جن اعضاء کو دیکھنا جائز ہے ان کو چھونا جائز نہیں۔ کیونکہ وہاں شہوت کاملہ ہے (۳) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن عطاء قال قال رسول الله ﷺ ان الامة قد القت فروة رأسها** (۴) دوسرے اثر میں ہے۔ **عن ابراهيم قال تصلى ام الولد بغير خمار وان كانت قد بلغت ستين سنة** . (مصنف ابن ابی شیبة، ۴۹۶ فی الامة تصلی بغیر خمار، ج ثانی، ص ۴۱، نمبر ۶۲۳۴/۶۲۲۶) اس حدیث اور قول تابعی سے معلوم ہوا کہ باندی کا سر اور اسی پر قیاس کرتے ہوئے بازو اور پنڈلی ستر نہیں ہے۔

ترجمہ : لِ اس لئے کہ یہ آقا کے کام کے لئے نکلتی ہے، اور مہمانوں کی خدمت کرتی ہے، اور وہ خدمت کے کپڑے میں ہوتی ہے اس لئے باندی کے حق میں گھر سے باہر اجنبی کے حق میں ایسا ہو گیا جیسے گھر کے اندر عورت کے لئے ذی محرم کے حق میں ہو۔

تشریح : باندی خدمت کے لئے باہر نکلتی ہے، اور خدمت کے کپڑے میں ہوتی ہے، تو جس طرح گھر اندر عورت کا ذی رحم محرم کے ساتھ حال ہے، یہی حال باندی کا گھر کے باہر ہوگئی، یعنی محرم کے سامنے گلے کی ہنسلی سے لیکر گھٹنے تک نہیں کھول سکتی، باقی اعضاء کھول سکتی ہے۔۔۔۔ :مهنة: خدمت۔

فِي حَقِّ الْأَجَانِبِ كَحَالِ الْمَرْأَةِ دَاخِلَةُ فِي حَقِّ مَحَارِمِهِ الْأَقَارِبِ. ۲ وَكَانَ عُمَرُ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - إِذَا رَأَى جَارِيَةً مُتَقَنِّعَةً عَلَاهَا بِالدُّرَّةِ وَقَالَ: أَلْقِي عَنْكِ الْخِمَارَ يَا دَفَارُ أَتَتَشَبَّهِينَ بِالْحَرَائِرِ ۳ وَلَا يَحِلُّ النَّظَرُ إِلَى بَطْنِهَا وَظَهْرِهَا خِلَافًا لِمَا يَقُولُهُ مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَنَّهُ يُبَاحُ إِلَّا إِلَى مَا دُونَ السُّرَّةِ إِلَى الرُّكْبَةِ؛ لِأَنَّهُ لَا ضَرُورَةَ كَمَا فِي الْمَحَارِمِ، بَلْ أَوْلَى لِقِلَّةِ الشَّهْوَةِ فِيهِنَّ

ترجمہ : ۲ حضرت عمر جب باندی کواوڑھنی اوڑھے ہوئے دیکھتے تو درے سے اس کواٹھاتے اور کہتے اپنی اوڑھنی کواٹھا اے گندی، تو آزادعورتوں کے ساتھ مشابہت کرنا چاہتی ہے۔

تشریح : صاحب ھدایہ کاقول صحابی تقریبا یہ ہے۔ عن انس بن مالک قال دخلت علی عمر بن الخطاب امة قد کان یعرفها لبعض المهاجرین او الانصار ، و علیها جلباب متقنعة به فسالها عتقت ؟ قالت لا قال فما بالالجلباب ضعیه عن راسک انما الجلباب علی الحرائر من نساء المومنین فتلکات فقام الیها بالدرة فضرب بها رأسها حتی القته عن راسها ۔(مصنف ابن ابی شیبة ، باب فی الامة تصلی بغیر خمار، ج ثانی ،ص ۴۱، نمبر ۶۲۳۹ رسنن بیہقی ، باب عورة الامة ، ج ثانی ،ص ۳۲۰، نمبر ۳۲۲۱) اس میں حضرت عمر نے باندی کوآزادعورت کے ساتھ مشابہت کرنے سے روکا ہے۔

لغت :متقنعة: قنع سے مشتق ہے اوڑھنی اوڑھنا ۔علاھا: اس پر مارنے کے لئے بلند ہوئے ، یااس اوڑھنی کواٹھادیا، خمار: اوڑھنی۔ دفار: دفر سے ماخوذ ہے، فتنہ وفساد برپا کرنا، یہاں مراد ہے گندی کہیں کی ۔ درة: کوڑا۔

ترجمہ : ۳ اور باندی کی پیٹھ اور پیٹ کودیکھنا جائز نہیں ہے، اس کے خلاف محمد بن مقاتل نے کہا ناف سے لیکر گھٹنے تک کے علاوہ کودیکھنا جائز ہے۔ اس لئے کہ باندی کودیکھنے کی ضرورت نہیں ہے جتنی کہ محرم کودیکھنے کی ضرورت ہے، بلکہ اولی یہ کہ باندی کی پیٹ اور پیٹھ نہ دیکھے اس لئے کہ محرم میں شہوت کم ہے اور باندی میں شہوت زیادہ ہے۔

تشریح : محمد بن مقاتلؒ کہتے ہیں کہ دوسرے کی باندی کی پیٹ اور پیٹھ بھی دیکھ سکتے ہو۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے ۔عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ لا بأس ان یقلب الرجل الجاریة اذا اراد ان یشتریها و ینظر الیها ماخلا عورتها و عورتها ما بین رکبتها الی مقعد ازارها (سنن للبیہقی ، باب عورة الامة ض ثانی ،ص ۳۲۱، نمبر ۳۲۲۴) اس حدیث میں ہے کہ گھٹنے سے لیکر پائجامہ باندھنے کی جگہ تک یعنی ناف سے گھٹنے تک ستر ہے باقی پیٹ اور پیٹھ ستر نہیں ہے۔

اور ہماری دلیل عقلی یہ ہے کہ باندی کا پیٹ اور پیٹھ دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ محرم میں شہوت کم ہے اس کے باوجود اسکی پیٹھ اور پیٹ دیکھنے کی گنجائش نہیں اور باندی میں شہوت زیادہ ہے اس لئے بدرجہ اولی اس کی پیٹھ اور پیٹ دیکھنے کی گنجائش نہیں ہونی چاہئے۔

وَكَمَالِهَا فِي الْإِمَاءِ. ۴؎ وَلَفْظَةُ الْمَمْلُوكَةِ تَنْتَظِمُ الْمُدَبَّرَةَ وَالْمُكَاتَبَةَ وَأُمَّ الْوَلَدِ لِتَحَقُّقِ الْحَاجَةِ، وَالْمُسْتَسْعَاةُ كَالْمُكَاتَبَةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ عَلَى مَا عُرِفَ، ۵؎ وَأَمَّا الْخَلْوَةُ بِهَا وَالْمُسَافَرَةُ مَعَهَا فَقَدْ قِيلَ يُبَاحُ كَمَا فِي الْمَحَارِمِ، وَقَدْ قِيلَ لَا يُبَاحُ لِعَدَمِ الضَّرُورَةِ فِيهِنَّ،

وجه: عن مجاهد قال ليس على الامة خمار ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب فی الامۃ تصلی بغیر خمار، ج ثانی، ص ۴۱، نمبر ۶۲۲۹) اس قول تابعی میں ہے کہ باندی بغیر اوڑھنی کے نماز پڑھے گی، جس سے معلوم ہوا کہ صرف سر نہیں ڈھانکے گی، اور پیٹ اور پیٹھ ڈھانکے گی۔

ترجمہ: ۴؎ اور متن میں مملوکۃ کا لفظ مدبرہ، مکاتبہ، اور ام ولد سب شامل ہیں اس لئے کہ اس کو بھی ضرورت ہے، اور جو سعی کرنے والی ہے وہ بھی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مکاتبہ کی طرح ہے، جیسا کہ کتاب العتاق میں معلوم ہوا۔

تشریح: متن میں مملوک کا لفظ ہے، جس سے معلوم ہوا کہ جو باندی مدبرہ ہے، یا مکاتبہ ہے، یا ام ولد ہے، یا سعی کرنے والی ہے سب کا حکم ایک ہی ہے، یعنی وہ گلے کی ہنسلی سے لیکر گھٹنے تک نہیں کھولے گی، باقی اعضاء کو دوسروں کے سامنے کھولے گی

وجہ: اس قول تابعی میں ام ولد کو باندی کے حکم میں رکھا ہے۔ عن ابراھیم قال تصلی ام الولد بغیر خمار و ان کانت قد بلغت ستین سنۃ ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب فی الامۃ تصلی بغیر خمار، ج ثانی، ص ۴۱، نمبر ۶۲۲۶) اس قول تابعی میں ہے ام ولد کا حکم وہی ہے جو باندی کا حکم ہے۔

لغت: مدبرۃ: دبر سے مشتق ہے، اس کا ترجمہ ہے بعد میں، آقا نے جس باندی سے کہا ہو کہ تم میرے مرنے کے بعد آزاد ہو اس کو، مدبرہ، کہتے ہیں۔ مکاتبہ: آقا نے کہا کہ تم اتنی رقم دو تو آزاد ہو جاوگے۔ اس کو، مکاتبہ، کہتے ہیں۔ ام ولد آقا نے جس باندی سے بچہ پیدا کیا اس کو، ام ولد، کہتے ہیں۔ مستسعات: سعی سے مشتق ہے، آقا نے کچھ حصے کو آزاد کیا تو اتنا حصہ آزاد ہو گیا، اور باقی حصہ باندی رہا اور جو حصہ باقی رہا اس کی قیمت کما کر آقا کو دیگی، چونکہ اس کا آدھا حصہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک باندی ہی ہے اس لئے اس باندی کو مستسعات، کہتے ہیں۔ صاحبینؒ کے نزدیک یہ پوری آزاد ہو جاتی ہے، اور آزاد ہونے کے بعد وہ اپنی قیمت کما کر دیتی ہے، چونکہ یہ باندی آزاد ہو چکی ہے اس لئے اب صاحبینؒ کے نزدیک باندی کے حکم میں نہیں رہی۔

ترجمہ: ۵؎ دوسرے کی باندی کے ساتھ خلوت اور سفر کرنا تو مباح ہے جیسے ذی محرم کے ساتھ مباح ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ مباح نہیں ہے، کیونکہ ضرورت نہیں ہے۔

تشریح: دوسرے کی باندی کے ساتھ خلوت کرنا، اور سفر کرنا بعض حضرات نے فرمایا کہ مباح ہے جیسے ذی محرم کے ساتھ مباح ہے، لیکن دوسرے حضرات نے فرمایا کہ مباح نہیں ہے۔

وجہ: (۱) دوسرے کی باندی کے ساتھ سفر کرنے کی ضرورت نہیں ہے (۲) اجنبیہ عورت کے ساتھ سفر کرنا شہوت کو ابھارنا ہے،

٦ وَفِيْ الْإِرْكَابِ وَالْإِنْزَالِ اعْتَبَرَ مُحَمَّدٌ فِي الْأَصْلِ الضَّرُورَةَ فِيهِنَّ وَفِيْ ذَوَاتِ الْمَحَارِمِ مُجَرَّدَ الْحَاجَةِ. (۳۰۵)قَالَ وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَمَسَّ ذَلِكَ إِذَا أَرَادَ الشِّرَاءَ، وَإِنْ خَافَ أَنْ يَشْتَهِيَ ا كَذَا ذَكَرَهُ فِي الْمُخْتَصَرِ، ٢ وَأَطْلَقَ أَيْضًا فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ وَلَمْ يُفَصِّلْ. قَالَ

لیکن ذی محرم میں ضرورت ہے اور اس کے ساتھ سفر کرنے کے لئے حدیث موجود ہے اس لئے جائز ہے (۳) حدیث میں ہے کہ اجنبیہ کے ساتھ کوئی تیسرا نہ ہو تو بیچ میں شیطان آجاتا ہے، حدیث یہ ہے۔ عن ابن ابن عمر قال خطبنا عمر بالجابية و قال .... الا لا يخلون رجل بامراة الا كان ثالثها الشيطان عليكم بالجماعة (ترمذی شریف، باب ماجاء فی لزوم الجماعة، ص ۴۹۷، نمبر ۲۱۶۵) اس حدیث کی وجہ سے باندی کے ساتھ سفر کرنا جائز نہیں ہوگا۔

ترجمہ :٦ اور باندی کو سوار کرنے اور اتارنے میں امام محمدؒ نے اصل میں ضرورت کا اعتبار کیا ہے اور ذی محرم میں محض حاجت کی۔

لغت :ضرورة: اتنی ضرورت کہ اس کے بغیر کام ہی نہ چلے، اس کو ضرورت، کہتے ہیں۔ حاجت: تھوڑی سی ضرورت جسکے بغیر بھی کام چل سکتا ہو، اس کو حاجت، کہتے ہیں۔

تشریح :امام محمدؒ نے کتاب الاصل میں یہ فرمایا کہ سخت ضرورت ہو جسکے بغیر کام ہی نہ چلتا ہو تو دوسرے کی باندی کو گاڑی پر چڑھا، یا اتار سکتا ہے، اور ذی رحم میں تھوڑی سی بھی حاجت ہو تو اس کو گاڑی پر چڑھا یا اس سے اتار سکتا ہے۔

ترجمہ: (۳۰۵) کوئی حرج نہیں ہے کہ ان اعضاء کو چھونے میں اگر خریدنے کا ارادہ رکھتا ہو اگرچہ شہوت کا اندیشہ ہو۔

ترجمہ:ا مختصر القدوری میں اسی کا ذکر ہے۔

تشریح : کسی باندی کو خریدنے کا ارادہ ہے تو چاہے چھونے سے شہوت ابھرنے کا اندیشہ ہو پھر بھی ان اعضاء کو چھو سکتا ہے جس کے دیکھنے کی اجازت ہے۔ مثلا سر، بازو یا پنڈلی دیکھ سکتا ہے اور خریدنے کا ارادہ ہو تو ان کو چھو بھی سکتا ہے۔ تا کہ پتا چل جائے کہ باندی کتنی گداز و نرم ہے۔

وجہ :(۱) باندی مال کے درجے میں ہے۔ اس لئے اس ضرورت کے تحت باندی کو چھو کر دیکھ سکتا ہے (۲) ایک حدیث میں اس تصریح ہے۔ عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ لا بأس ان يقلب الرجل الجارية اذا اراد ان يشتريها و ينظر اليها ماخلا عورتها و عورتها ما بين ركبتها الى مقعد ازارها (سنن للبیہقی، باب عورة الامة، ثانی، ص ۳۲۱، نمبر ۳۲۲۴) اس حدیث میں ہے کہ باندی کو خریدنے کا ارادہ ہو تو اس کو الٹ پلٹ کر دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور الٹتے پلٹتے وقت چھونا بھی ہوگا۔ جس سے معلوم ہوا کہ چھو سکتا ہے۔

ترجمہ :٢ اور جامع صغیر میں بھی مطلق ذکر کیا ہے اور کوئی تفصیل نہیں کی، ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ اس حالت میں دیکھنا جائز ہے چاہے شہوت ہو جائے، کیونکہ ضرورت ہے اور چھونا جائز نہیں ہے اگر شہوت ہو، یا غالب گمان ہو کہ شہوت

مَشَايِخُنَا – رَحِمَهُمُ اللّٰهُ –: يُبَاحُ النَّظَرُ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ وَإِنِ اشْتَهَى لِلضَّرُورَةِ، وَلَا يُبَاحُ الْمَسُّ إِذَا اشْتَهَى أَوْ كَانَ أَكْبَرُ رَأْيِهِ ذَلِكَ؛ لِأَنَّهُ نَوْعُ اسْتِمْتَاعٍ، ۳ے وَفِي غَيْرِ حَالَةِ الشِّرَاءِ يُبَاحُ النَّظَرُ وَالْمَسُّ بِشَرْطِ عَدَمِ الشَّهْوَةِ. (۳۰۶) قَالَ وَإِذَا حَاضَتِ الْأَمَةُ لَمْ تُعْرَضْ فِي إِزَارٍ وَاحِدٍ وَمَعْنَاهُ بَلَغَتْ، وَهَذَا مُوَافِقٌ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّ الظَّهْرَ وَالْبَطْنَ مِنْهَا عَوْرَةٌ. ۱ے وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهَا

ہوجائے گی، کیونکہ ایک قسم کا استمتاع ہے۔

تشریح :ہمارے مشائخ نے یہ فرمایا کہ خریدنے کا ارادہ ہے تو شہوت پھر بھی باندی کو دیکھ سکتا ہے، کیونکہ دیکھنے کی ضرورت ہے۔لیکن اگر شہوت ہو یا غالب گمان ہو کہ شہوت ہوجائے گی تو چھو نہیں سکتا، کیونکہ شہوت کے بعد چھونے سے فائدہ اٹھانا ہو جائے گا، اور استمتاع ہوجائے گا، جو جائز نہیں ہے۔

ترجمہ:۳ے اور اگر خریدنے کی حالت نہ ہو تو شہوت نہ ہونے کی شرط پر دیکھنا اور چھونا مباح ہے۔

تشریح :اور خریدنے کی حالت نہ ہو تو شہوت کے نہ ہونے کی حالت میں دیکھنا اور چھونا جائز ہے، اور شہوت ہو تو نہ دیکھنا جائز ہے، اور چھونا تو اور بھی جائز نہیں ہے، کونکہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ: پہلے گزر چکا کہ شہوت کے ساتھ چھونا ہاتھ کا زنا ہے والید زناھا البطش (مسلم شریف، نمبر ۲۶۵۷) اس لئے دوسرے کے مال سے زنا کے انداز کا استفادہ جائز نہیں ہوگا۔

ترجمہ:(۳۰۶) باندی حائضہ ہوجائے ہوجائے تو ایک ازار میں لوگوں کے سامنے پیش نہیں کرنا چاہئے ،اس کا معنی ہے کہ بالغ ہوجائے۔

ترجمہ:۱ے اور اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے پہلے بیان کیا، کہ پیٹھ اور پیٹ ستر عورت ہے۔

تشریح :باندی بالغ ہوجائے تو اس کو ایک کپڑے میں لوگوں کے سامنے فروخت کے لئے پیش نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ اس سے اس کا پیٹ اور پیٹھ ستر نہیں چھپے گا۔ بلکہ اس پر قمیص ڈال لینا چاہئے تا کہ اس کی پیٹ اور پیٹھ چھپ جائے۔

وجہ:عن عائشة ان اسماء بنت ابی بکر دخلت علی رسول الله ﷺ و علیها ثیاب رقاق فاعرض عنها رسول الله ﷺ و قال یا اسمائان المرأة اذا بلغت المحیض لم یصلح لها ان یریٰ منها الا هذا و هذا و اشار الی وجهه و کفیه ۔(ابوداود شریف، باب فیما تبدی المرأة من زینتها، ص ۵۷۸، نمبر ۴۱۰۴) اس حدیث میں ہے کہ بالغ ہونے پر عورت پردہ کرے۔

ترجمہ :۲ے امام محمدؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ باندی خواہش کے قابل ہوجائے اور اس جیسی عورت سے جماع کی جاسکتی ہو تو اس کا حکم بالغہ کی طرح ہے ایک ازار میں پیش نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ اس میں اشتہاء موجود ہے۔

إِذَا كَانَتْ تُشْتَهَى وَيُجَامَعُ مِثْلُهَا فَهِيَ كَالْبَالِغَةِ لَا تُعْرَضُ فِي إِزَارٍ وَاحِدٍ لِوُجُودِ الِاشْتِهَاءِ. (۳۰۷) قَالَ وَالْخَصِيُّ فِي النَّظَرِ إِلَى الْأَجْنَبِيَّةِ كَالْفَحْلِ ا لِقَوْلِ عَائِشَةَ – رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا –: الْخِصَاءُ مُثْلَةٌ فَلَا يُبِيحُ مَا كَانَ حَرَامًا قَبْلَهُ ۲ وَلِأَنَّهُ فَحْلٌ يُجَامِعُ. وَكَذَا الْمَجْبُوبُ؛

تشریح :باندی ابھی بالغ نہیں ہوئی ہے، یا آزاد عورت ابھی بالغ نہیں ہوئی ہے،لیکن اس عمر میں آچکی ہے کہ اس جیسی عورت سے جماع کی جاسکتی ہے،اوراس میں خواہش کی کچھ رمق آچکی ہے تو ابھی سے اس پر بالغہ کا کپڑا پہنانا شروع کردے، تا کہ حرام سے بچے۔اور باندی کو فروخت کے لئے ایک ازار میں پیش نہ کرے۔

ترجمہ:(۳۰۷)خصی آدمی اجنبی کی طرف دیکھنے میں مرد کی طرح ہے۔

ترجمہ:ا حضرت عائشہؓ کے قول کی وجہ سے کہ خصی کرنا مذکر کو مثلہ کرنا ہے،اس لئے مثلہ کرنے سے پہلے جو حرام تھا اب حلال نہیں ہوگا۔

تشریح :جو آدمی مکمل مرد ہے خصی نہیں ہے جس طرح اجنبیہ کے ستر کو دیکھنا اس کے لئے حرام ہے اسی طرح جو مرد خصی کیا ہوا ہو اس کے لئے بھی اجنبیہ کے ستر کو دیکھنا حرام ہے۔

وجہ :(۱) وراثت،نماز اور دیگر احکام میں خصی آدمی مکمل مرد کی طرح ہے اس لئے اجنبیہ کو دیکھنے میں بھی مرد کی طرح ہوگا (۲) پیدائشی طور پر وہ مرد ہی تھا بعد میں اس کا مثلہ کر دیا اس لئے ابھی بھی مرد کا ہی حکم ہوگا۔(۳) قول صحابی میں ہے جسکو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے۔**عن ابن عباسؓ قال خصاء البهائم مثلة ثم تلا ولامرنهم فليغيرن خلق الله** (آیت ۱۱۹، سورۃ النساء ۴)(مصنف ابن ابی شیبۃ،۸ ما قالوا فی خصاء الخیل والدواب،ج سادس،ص ۴۲۶،نمبر ۳۲۵۷۶ رمصنف عبدالرزاق، باب الخصاء، ج رابع، ص ۳۵۰،نمبر ۸۴۷۷)اس قول صحابی میں ہے کہ خصی ایک قسم کا مثلہ ہے۔اور مثلہ کا حکم اصل مرد کا حکم ہوتا ہے۔

لغت: الفحل : مکمل مرد۔خصی: جس مرد کو خصی کر دیا گیا ہو۔ مثلہ: جانور کے عضو کو کاٹ دے اس کو مثلہ، کہتے ہیں۔

ترجمہ :۲ اوراس لئے کہ یہ مکمل مرد ہے جو جماع کر سکتا ہے۔یہی حکم ہے جس کا ذکر کاٹ دیا گیا ہو اس لئے کہ وہ رگڑ کر منی نکال سکتا ہے،اور یہی حکم ہے بدکار مخنث کا اس لئے کہ وہ فاسق نر ہے،اور حاصل یہ ہے کہ اس بارے میں محکم کتاب کو لیا جائے گا جو اس بارے میں نازل ہوئی،اور بچہ نص کی وجہ سے مستثنی ہوا۔

تشریح : یہاں چار قسم کے مردوں کا حکم بیان کیا جا رہا ہے[۱] مکمل مرد کا حکم پہلے بیان ہوا [۲] خصی مرد[۳] جس کا ذکر کاٹ دیا گیا ہو[۴] مخنث جو مرد ہوتا ہے لیکن لواطت کرواتا ہے، یہ سب مرد ہیں اس لئے اجنبیہ کے دیکھنے میں مرد کا حکم نافذ ہوگا۔

أَنَّهُ يَسْحَقُ وَيُنْزِلُ، وَكَذَا الْمُخَنَّثُ فِي الرَّدِي مِنْ الْأَفْعَالِ؛ لِأَنَّهُ فَحْلٌ فَاسِقٌ. وَالْحَاصِلُ أَنَّهُ يُؤْخَذُ فِيهِ بِمُحْكَمِ كِتَابِ اللَّهِ الْمُنَزَّلِ فِيهِ، وَالطِّفْلُ الصَّغِيرُ مُسْتَثْنًى بِالنَّصِّ. (۳۰۸) قَالَ وَلَا يَجُوزُ لِلْمَمْلُوكِ أَنْ يَنْظُرَ مِنْ سَيِّدَتِهِ إلَّا إلَى مَا يَجُوزُ لِلْأَجْنَبِيِّ النَّظَرُ إلَيْهِ مِنْهَا ۱؎ وَقَالَ مَالِكٌ: هُوَ كَالْمَحْرَمِ، وَهُوَ أَحَدُ قَوْلَيْ الشَّافِعِيِّ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ﴾ [النور: ۳۱] وَلِأَنَّ الْحَاجَةَ مُتَحَقِّقَةٌ لِدُخُولِهِ عَلَيْهَا مِنْ غَيْرِ اسْتِئْذَانٍ. ۲؎ وَلَنَا أَنَّهُ فَحْلٌ غَيْرُ

وجہ: (۱) ان سب مردوں کے بارے میں یہ محکم آیت نازل ہوئی ہے۔ قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم و یحفظوا فروجھم ذالک اذکی لھم ان اللہ خبیر بما یصنعون۔ (آیت ۳۰، سورۃ النور ۲۴) اس آیت میں ہے تمام مردوں کو کہا گیا کہ اجنبیہ عورت سے نگاہ نیچی کریں۔

اربۃ جو آیت نازل ہوئی کہ۔ او التابعین غیر اولی اربۃ من الرجال﴾ (آیت ۳۱، سورۃ النور ۲۴) یہ آیت متشابہات میں سے ہے، اس کا ایک مطلب یہ ہے۔ وہ مرد جسکو عورت سے کوئی مطلب نہیں ہے اس کے سامنے بھی عورتیں اپنی مقام زینت کھول سکتیں ہیں، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ نہیں کھول سکتیں، اس لئے اس آیت سے مخنث وغیرہ کے بارے میں یہ استدلال نہیں کر سکتے کہ اس کے سامنے مقام زینت کھولنے کی پوری گنجائش ہوگی، اوپر کی محکم آیت ہے اسی پر عمل کیا جائے گا۔

اور بچوں کے بارے میں یہ آیت صاف ہے کہ وہ عورتوں کا مقام زینت دیکھ سکتا ہے، کیونکہ اس میں ابھی شہوت نہیں ہے۔ او الطفل الذین لم یظھروا علی عورات النساء (آیت ۳۱، سورۃ النور ۲۴)

ترجمہ: (۳۰۸) مملوک کے لئے جائز نہیں ہے اپنی سیدہ کا دیکھے مگر اتنا ہی کہ اجنبی آدمی اس عورت کا دیکھ سکتا ہے۔

تشریح: اجنبی آدمی اس عورت کا صرف چہرہ اور ہتھیلی اور قدم دیکھ سکتا ہے، اسی طرح غلام اپنے آقا کا صرف چہرہ اور ہتھیلی، اور پاوں دیکھ سکتا ہے۔

وجہ: (۱) یہ غلام اجنبی ہے، یہ آزاد ہو جائے یا دوسرے کی ملکیت میں چلا جائے تو اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے، اسلئے اس کے ساتھ حرمت موبدہ نہیں ہے (۲) عن ابراھیم قال تستر المرأۃ عن غلامھا (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ما قالوا فی الرجل المملوک لہ ان یری شعر مولاتہ، ج رابع، ص ۱۱، نمبر ۱۷۲۶۸) اس قول تابعی میں ہے کہ عورت اپنے غلام سے بھی پردہ کرے۔

ترجمہ: ۱؎ امام مالک نے فرمایا کہ غلام آقا کے لئے محرم کی طرح ہے، اور یہی ایک قول امام شافعیؒ کا ہے، انکی دلیل اللہ تعالی کا قول ﴿او ما ملکت ایمانھن (آیت ۳۱، سورۃ النور ۲۴) اور اس لئے بھی کہ ضرورت متحقق ہے کیونکہ بغیر اجازت اس پر داخل ہوگا۔

مَحْرَمٍ وَلَا زَوْجٌ، وَالشَّهْوَةُ مُتَحَقِّقَةٌ لِجَوَازِ النِّكَاحِ فِي الْجُمْلَةِ وَالْحَاجَةُ قَاصِرَةٌ؛ لِأَنَّهُ يَعْمَلُ خَارِجَ الْبَيْتِ ۳ وَالْمُرَادُ بِالنَّصِّ الْإِمَاءُ، قَالَ سَعِيدٌ وَالْحَسَنُ وَغَيْرُهُمَا: لَا تَغُرَّنَّكُمْ سُورَةُ النُّورِ

تشریح: امام مالکؒ فرماتے اور یہی ایک روایت امام شافعیؒ کا ہے کہ غلام اپنی سیدہ کی ہنسلی سے لیکر گھٹنے تک کے علاوہ کو دیکھ سکتا ہے، اور وہ اپنے ذی رحم محرم کی طرح ہو گیا۔

وجہ: (۱) ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں ﴿او ما ملکت ایمانھن ﴾ آیت ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے مملوک کے سامنے مقام زینت کھول سکتی ہے۔ (۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ غلام کام کے لئے ہر وقت گھر میں داخل ہوگا، اور بغیر اجازت کے داخل ہوگا اس لئے اس ضرورت کی بنا پر سر پنڈلی، اور بازو دیکھنے کی اجازت ہونی چاہئے (۳) عن ابن عباس قال لا بأس ان ینظر المملوک الی شعر مولاته۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ما قالوا فی الرجل المملوک لہ ان یری شعر مولاتہ، ج رابع، ص ۱۱، نمبر ۱۷۲۶۴) اس قول صحابی میں ہے کہ غلام اپنے سیدہ کا بال دیکھ سکتا ہے۔

ترجمہ: ۲ ہماری دلیل یہ ہے کہ غلام مرد ہے اور غیر محرم ہے، اور شوہر بھی نہیں ہے، اور شہوت متحقق ہے کیونکہ کسی نہ کسی طریقے سے نکاح جائز ہے، اور گھر میں داخل ہونے کی جو ضرورت ہے، وہ بہت کم ہے، کیونکہ وہ گھر سے باہر کام کرے گا۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ مرد ہے اور غیر محرم ہے، اور آزاد ہونے کے بعد نکاح کر سکتا ہے اس لئے حرمت موبدہ نہیں ہے، اس لئے اس میں شہوت ہے، اس لئے پردہ ہونا چاہئے، باقی رہا ضرورت تو وہ بہت کم ہے کیونکہ یہ گھر سے باہر کام کرے گا، اس لئے گھر میں داخل ہونے کی ضرورت بہت کم ہے۔

لغت: فی الجملۃ: کسی نہ کسی طریقے سے، غلام دوسرے کی ملکیت میں چلا جائے تب بھی اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے، یا یہ غلام آزاد ہو جائے تب بھی اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔

ترجمہ: ۳ آیت میں ایمانکم سے مراد امام سعید اور حسن وغیرہ نے فرمایا سورہ نور سے تم لوگوں کو دھوکہ نہ ہو وہاں عورت مراد ہے مذکر مراد نہیں ہے۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کے استدلال کا جواب ہے، کہ او ماملکت ایمانہن میں ماملکت سے غلام مملوک مراد نہیں ہے، بلکہ باندی مراد ہے کہ اس کے سامنے اپنی زینت کے مقام کو کھول سکتی ہے

وجہ: اس قول تابعی میں مملوک سے مراد باندی ہے غلام نہیں ہے اس لئے باندی کے سامنے اپنی زینت کھول سکتی ہے، قول تابعی یہ ہے۔ عن سعید بن المسیب قال لا تغرنکم ھذه الآیة ﴿او ما ملکت ایمانھن (آیت ۳۱، سورۃ النور ۲۴) انما عنی بہ الاماء ولم یعنی بہ العبید، (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ما قالوا فی الرجل المملوک لہ ان یری شعر مولاتہ، ج رابع، ص ۱۱، نمبر ۱۷۲۶۸)

ترجمہ: (۳۰۹) باندی سے عزل کرے بغیر اس کی اجازت کے۔ اور بیوی سے عزل نہ کرے مگر اس کی اجازت سے۔

فَانَّهَا فِيْ الْاِنَاثِ دُونَ الذُّكُورِ. (۳۰۹) قَالَ وَيَعْزِلُ عَنْ أَمَتِهِ بِغَيْرِ اذْنِهَا وَلَا يَعْزِلُ عَنْ زَوْجَتِهِ إِلَّا بِاذْنِهَا لِ لِأَنَّهُ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – نَهَى عَنْ الْعَزْلِ عَنْ الْحُرَّةِ إِلَّا بِإِذْنِهَا، وَقَالَ لِمَوْلَى

ترجمه : لے اس لئے کہ حضورؐ نے آزاد عورت سے عزل کرنے سے روکا مگر اس کی اجازت سے، اور باندی کے آقا سے کہا کہ اگر چاہو تو اس سے عزل کرو۔

تشریح : جماع کرتے وقت منی باہر نکال دے اس کو عزل کہتے ہے۔ باندی سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرسکتا ہے۔ اور بیوی سے اس کی اجازت سے کرسکتا ہے

وجه :(۱) عزل کرسکتا ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **سمع جابراؓ یقول کنا نعزل و القرآن ینزل.** (بخاری شریف، باب العزل، ص ۹۳۱، نمبر ۵۲۰۸/ مسلم شریف، باب حکم العزل، ص ۶۱۱، نمبر ۱۴۴۰/ ۳۵۵۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عزل کرنا جائز ہے۔ (۲) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن جابر ان رجلا اتی رسول الله ﷺ فقال ان لی جارية هی خادمتنا و سانيتنا و انا اطوف عليها و انا اكره ای تحمل فقال اعزل عنها ان شئت فانه سأتيها ما قدر لها** ۔(مسلم شریف، باب حکم العزل، ص ۶۱۱، نمبر ۱۴۳۹/ ۳۵۵۶) اس حدیث میں ہے کہ اگر باندی سے عزل کرنا چاہو تو اس کی اجازت کے بغیر کرسکتے ہو (۳) اور باندی سے اجازت کے بغیر عزل کرے اس کی دلیل یہ قول صحابی ہے۔ **عن ابن عباسؓ قال تستأ مر الحرة فی العزل و لا تستأ مر الامة.** (مصنف عبد الرزاق، باب تستامر الحرة فی العزل ولا تستامر الامة، ج سابع، ص ۱۱۱، نمبر ۱۲۶۱۱/ مصنف ابن ابی شیبة، ۹۸، من قال یعزل عن الامة ویستامر الحرة، ج ثالث، ص ۵۰۴، نمبر ۱۶۶۰۴) اس قول صحابی سے معلوم ہوا کہ باندی سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرسکتا ہے، اور آزاد عورت سے اجازت لینی ہوگی۔

اور بیوی سے عزل نہ کرے مگر اس کی اجازت سے۔

وجه (۱) حدیث میں ہے کہ بیوی سے اس کی اجازت کے بغیر عزل نہ کرے کیونکہ عزل کرنے میں اس کو لذت نہیں ہوگی۔ اور لذت حاصل کرنا اس کا ذاتی حق ہے۔ حدیث میں ہے جسکو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے۔ **عن عمر بن الخطابؓ قال نهی رسول الله ﷺ ان یعزل عن الحرة الا باذنها** (ابن ماجہ شریف، باب العزل، ص ۲۷۶، نمبر ۱۹۲۸/ مسند احمد، مسند عمر ابن الخطاب، ج اول، ص ۵۳، نمبر ۲۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیوی سے اس کی اجازت کے بغیر عزل نہ کرے۔ (۲) اور بیوی کے لئے وطی کا حق ہے اس کی دلیل لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے۔ **حدثنی عمرو بن العاص قال لی رسول الله ﷺ یا عبد الله !الم اخبر انک تصوم النهار ... وان لزوجک علیک حقا** (بخاری شریف، باب حق الجسم فی الصوم، ص ۲۶۵، نمبر ۱۹۷۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیوی کو وطی کا حق ہے۔ (۳) اس لئے اس کی اجازت کے بغیر عزل نہ کرے بلکہ اگر شوہر کی خواہش پہلے پوری ہوگئی اور بیوی کی خواہش ابھی پوری نہیں ہوئی ہے تو شوہر بیوی

أَمَةٍ: اعْزِلْ عَنْهَا إِنْ شِئْتَ ، ۲؎ وَلِأَنَّ الْوَطْءَ حَقُّ الْحُرَّةِ قَضَاءً لِلشَّهْوَةِ وَتَحْصِيلًا لِلْوَلَدِ وَلِهَذَا تُخَيَّرُ فِي الْجَبِّ وَالْعُنَّةِ، ۳؎ وَلَا حَقَّ لِلْأَمَةِ فِي الْوَطْءِ فَلِهَذَا لَا يُنْقَصُ حَقُّ الْحُرَّةِ بِغَيْرِ إِذْنِهَا وَيَسْتَبِدُّ بِهِ الْمَوْلَى ۴؎ وَلَوْ كَانَ تَحْتَهُ أَمَةُ غَيْرِهِ فَقَدْ ذَكَرْنَاهَا فِي النِّكَاحِ.

پر برقرار رہے۔اس کا ثبوت حدیث میں ہے۔عن انس بن مالک ؓ ان النبی ﷺ قال اذا غشی الرجل اھله فلیصدقھا فان قضی حاجته و لم تقض حاجتھا فلا یعجلھا ۔(مصنف عبدالرزاق،القول عندالجماع وکیف یضع وفضل الجماع، ج سادس،ص ۱۵۶،نمبر ۱۰۵۰۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شوہر کی خواہش پوری ہوگئی اور بیوی کی خواہش ابھی پوری نہیں ہوئی ہے تو جلدی نہ کرے،ابھی شوہر اس پر ٹھہرا رہے۔اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خواہش پوری کرنا اس کا حق ہے اس لئے اس کی اجازت کے بغیر عزل نہیں کر سکتا۔

ترجمه : ۲؎ اور اس لئے کہ شہوت پوری کرنے کے لئے،اور بچہ حاصل کرنے کے لئے وطی آزاد عورت کا حق ہے ،اسی لئے ذکر کٹا ہوا ہو یا عنین ہو تو عورت کو نکاح توڑنے کا اختیار ہوتا ہے۔

تشریح : عزل کرنے کے لئے بیوی سے اجازت لینی ہوگی اس کی دلیل عقلی ہے،کہ شہوت پوری کرنے کے لئے اور بچہ پیدا کرنے کے لئے آزاد عورت کا ذاتی حق ہے اس لئے عزل کرنے میں اس کی اجازت لینی ہوگی۔

لغت :جب:جس کا عضو تنسال کٹا ہوا ہو۔عنۃ:عنین جس مرد کا عضو تناسل ہو لیکن جماع کرنے پر قادر نہ ہو۔

ترجمه : ۳؎ اور باندی کو وطی کروانے پر زبردستی کرنے کا حق نہیں ہے،اور یہی وجہ ہے کہ آزاد عورت کا حق بغیر اس کی اجازت کے کم نہیں ہوگا،اور آقا وطی کرنے میں منفرد ہے۔

تشریح :یہاں تین باتیں الگ الگ کہہ رہے ہیں۔[۱] ایک بات یہ ہے کہ باندی کو وطی کے مطالبے کا حق نہیں ہے،اس لئے عزل کرنے میں اس کی اجازت کی بھی ضرورت نہیں ہے [۲] دوسری بات یہ کہہ رہے ہیں بیوی کو وطی کے مطالبے کا حق ہے اس لئے اس کی اجازت کے بغیر عزل کر کے اس کا حق کم نہیں کر سکے گا ۔[۳] تیسری بات یہ ہے کہ مولی وطی کرنے میں خود مختار ہے اس لئے اس کو باندی عزل کی اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمه : ۴؎ اور اگر اس کے تحت میں دوسرے کی باندی بیوی بن کر ہے تو اس کا حکم میں نے نکاح میں ذکر کیا کہ [کہ اس کے مولی سے عزل کی اجازت لینی ہوگی۔

وجه : کیونکہ بچہ پیدا ہوگا تو آقا کا غلام ہوگا،تو اتنا بڑا فائدہ آقا کا ہے اس لئے عزل کرنے میں بھی باندی کے آقا سے اجازت لینی ہوگی۔

لغت:یستبد:خود مختار ہے۔

﴿فَصْلٌ فِي الِاسْتِبْرَاءِ وَغَيْرِهِ﴾

(۳۱۰) قَالَ وَمَنْ اشْتَرَى جَارِيَةً فَإِنَّهُ لَا يَقْرُبُهَا وَلَا يَلْمِسُهَا وَلَا يُقَبِّلُهَا وَلَا يَنْظُرُ إِلَى فَرْجِهَا بِشَهْوَةٍ حَتَّى يَسْتَبْرِئَهَا ۱ وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – فِي سَبَايَا أَوْطَاسٍ أَلَا لَا تُوطَأُ الْحَبَالَى حَتَّى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ، وَلَا الْحَيَالَى حَتَّى يُسْتَبْرَأْنَ بِحَيْضَةٍ ۲ أَفَادَ وُجُوبَ

﴿فصل فی الاستبراء و غیرہ﴾

ترجمہ : (۳۱۰) کسی نے باندی خریدی تو اس سے صحبت نہ کرے اور نہ اس کو چھوئے، نہ بوسہ دے، اور نہ اس کی شرمگاہ کو شہوت سے دیکھے یہاں تک کہ استبراء کرلے۔

ترجمہ : ۱ اور اصل اس میں جنگ اوطاس کے قیدیوں کے بارے میں فرمان ہے کہ حاملہ سے وطی نہ کرے جب تک کہ جب تک کہ بچہ نہ جن دے اور بغیر حاملہ عورت سے صحبت نہ کرے جب تک کہ ایک حیض سے استبراء نہ کرلے۔

لغت: استبراء: برأۃ سے مشتق ہے، رحم کو صاف کرنا، یہ اس لئے کیا جاتا ہے تا کہ دو آدمیوں کا پانی ایک رحم میں جمع نہ ہو جائے، اور اس کا شبہ پیدا نہ ہو جائے کہ بچہ کس کا ہے۔ بیوی میں تو عدت گزروا کر یہ صفائی ہوتی ہے اور باندی میں استبراء کے ذریعہ رحم کی صفائی ہوتی ہے۔

تشریح : کسی نے باندی خریدی تو اگر وہ حاملہ ہے تو بچہ جننے تک اس سے صحبت نہ کرے اور حاملہ نہیں ہے تو ایک حیض سے استبراء کرے اس کے بعد صحبت کرے۔

وجہ : (۱) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن ابی سعید الخدری و رفعه انه قال فی سبایا اوطاس ، لا توطأ حامل حتی تضع و لا غیر ذات حمل حتی تحیض حیضة** ۔ (ابوداود شریف، باب فی وطا السبایا، ص ۳۱۱، نمبر ۲۱۵۷ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل یشتری الجاریۃ وھی حامل، ص ۲۷۴، نمبر ۱۱۳۱) اس حدیث میں ہے کہ غیر حاملہ ایک حیض سے استبراء کرے۔ (۲) **عن رویفع بن ثابت الانصاری .... سمعت رسول الله ﷺ یقول یوم حنین قال لا یحل لامریء یؤمن بالله و الیوم الآخر ان یسقی مائه زرع غیره . یعنی اتیان الحبالی و لا یحل لامرء یومن بالله و الیوم الآخر ان یقع علی امرأة من السبی حتی یستبرئها** ۔ (ابوداود شریف، باب فی وطا السبایا، ص ۳۱۱، نمبر ۲۱۵۸) اس حدیث میں بھی ہے کہ استبراء کرے

لغت : حبالی: حاملہ عورت۔ حیالی: جو عورت حاملہ نہ ہو۔ سبایا: سبیۃ کی جمع ہے قیدی عورت۔ اوطاس: مکہ مکرمہ سے تین مرحلے کی دوری پر ایک مقام ہے، جہاں جنگ ہوئی تھی اور عورتیں قید ہوئیں تھیں

ترجمہ : ۲ اس حدیث سے آقا پر استبراء واجب ہوا اور قیدی عورتوں میں سبب پر دلالت کی، اور وہ قبضے اور ملکیت کا نیا

الِاسْتِبْرَاءِ عَلَى الْمَوْلَى، وَدَلَّ عَلَى السَّبَبِ فِي الْمَسْبِيَّةِ وَهُوَ اسْتِحْدَاثُ الْمِلْكِ وَالْيَدِ؛ لِأَنَّهُ هُوَ الْمَوْجُودُ فِي مَوْرِدِ النَّصِّ، وَهَذَا لِأَنَّ الْحِكْمَةَ فِيهِ التَّعَرُّفُ عَنْ بَرَاءَةِ الرَّحِمِ صِيَانَةً لِلْمِيَاهِ الْمُحْتَرَمَةِ عَنِ الِاخْتِلَاطِ وَالْأَنْسَابِ عَنِ الِاشْتِبَاهِ، وَذَلِكَ عِنْدَ حَقِيقَةِ الشُّغْلِ أَوْ تَوَهُّمِ الشُّغْلِ بِمَاءٍ مُحْتَرَمٍ، وَهُوَ أَنْ يَكُونَ الْوَلَدُ ثَابِتَ النَّسَبِ، ۳ وَيَجِبُ عَلَى الْمُشْتَرِي لَا عَلَى الْبَائِعِ؛ لِأَنَّ الْعِلَّةَ الْحَقِيقِيَّةَ إِرَادَةُ الْوَطْءِ، وَالْمُشْتَرِي هُوَ الَّذِي يُرِيدُهُ دُونَ الْبَائِعِ فَيَجِبُ عَلَيْهِ، ۴ غَيْرَ أَنَّ الْإِرَادَةَ أَمْرٌ مُبْطَنٌ فَيُدَارُ الْحُكْمُ عَلَى دَلِيلِهَا، وَهُوَ التَّمَكُّنُ مِنَ الْوَطْءِ وَالتَّمَكُّنُ انَّمَا يَثْبُتُ بِالْمِلْكِ وَالْيَدِ فَانْتَصَبَ سَبَبًا وَأُدِيرَ الْحُكْمُ عَلَيْهِ تَيْسِيرًا، فَكَانَ السَّبَبُ

ہونا اس لئے کہ نص میں یہی موجود ہے، اور اس کی حکمت یہ ہے کہ اگر برائت رحم ہو تو محترم پانی اختلاط سے بچے گا، اور نسب مشتبہ ہونے سے بچے گا، اور یہ حقیقت میں رحم مشغول ہو [جیسے حاملہ ہونے کی شکل میں ہے]، محترم پانی سے مشغولیت کا وہم ہو [جیسا غیر حاملہ میں ہوتا ہے، اور وہ یہ کہ بچہ ثابت النسب ہو جائے۔

تشریح : اس لمبی عبارت میں پانچ باتیں بتا رہے ہیں [۱] حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ استبراء آقا پر واجب ہے، کیونکہ باندی تو مجبور ہے [۲] حدیث سے یہ بھی معلوم ہا کہ ملک جب بھی بدلے گی تو استبراء واجب ہوگا، چاہے قید کی وجہ سے بدلے، یا باندی کو ہدیہ دے دینے سے بدلے، یا بیچنے سے بدلے، یا وراثت میں جانے سے ملک بدلے، ان تمام صورتوں میں استبراء واجب ہے [۳] تیسری بات یہ ہے کہ استبراء کی حکمت یہ ہے کہ نسب کو اشتباہ سے بچانا ہے۔ کیونکہ دو آدمیوں کا پانی ایک رحم میں جمع ہو جائے تو اشتباہ ہو جائے گا کہ یہ بچہ پتا نہیں کس کا ہے [۴] چوتھی بات یہ ہے کہ حاملہ ہو تو حقیقت میں باندی کا رحم پانی سے مشغول ہے، اور حاملہ نہ ہو تو وہم ہے کہ پیٹ میں بچہ ہو [۵] یہ استبراء اس وقت ہے جبکہ زنا نہ ہو، کیونکہ زنا کی شکل میں بچہ ثابت النسب نہیں ہے، اور یہ پانی محترم نہیں ہے۔

ترجمہ : ۳ استبراء خریدنے والے پر واجب ہے، بیچنے والے پر نہیں، اس لئے کہ استبراء کی علت وطی کا ارادہ کرنا ہے اور مشتری ہی وطی کا ارادہ کرتا ہے بائع نہیں اس لئے مشتری پر استبراء واجب ہوگا۔

تشریح: استبراء اس پر واجب ہوتا ہے جو وطی کا ارادہ کرے، اور خریدنے والا وطی کا ارادہ کرتا ہے اس لئے خریدنے والے پر استبراء واجب ہے بیچنے والے پر نہیں ہے۔

ترجمہ : ۴ یہ اور بات ہے کہ وطی کا ارادہ ایک مخفی چیز ہے اس لئے اس کی دلیل پر حکم لگایا جائے گا اور وہ ہے وطی کی قدرت، اور قدرت ملک اور قبضے سے ثابت ہوتی ہے اس لئے ملک کو استبراء کا سبب قرار دیا اور آسانی کے لئے اسی پر حکم لگایا گیا، اس لئے استبراء کا سبب ملک رقبہ کا نیا ہونا ہے اور قبضے سے اس کی تاکید ہوگی۔

اسْتِحْدَاثُ مِلْكِ الرَّقَبَةِ الْمُؤَكَّدِ بِالْيَدِ ۵ وَتَعَدِّى الْحُكْمِ إِلَى سَائِرِ أَسْبَابِ الْمِلْكِ كَالشِّرَاءِ وَالْهِبَةِ وَالْوَصِيَّةِ وَالْمِيرَاثِ وَالْخُلْعِ وَالْكِتَابَةِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ ۶ وَكَذَا يَجِبُ عَلَى الْمُشْتَرِي مِنْ مَالِ الصَّبِيّ وَمِنْ الْمَرْأَةِ وَالْمَمْلُوكِ وَمِمَّنْ لَا يَحِلُّ لَهُ وَطْيُهَا، وَكَذَا إِذَا كَانَتْ الْمُشْتَرَاةُ بِكْرًا لَمْ تُوطَأْ لِتَحَقُّقِ السَّبَبِ وَإِدَارَةِ الْأَحْكَامِ عَلَى الْأَسْبَابِ دُونَ الْحُكْمِ لِبُطُونِهَا

تشریح : اس لمبی عبارت میں دو اصول بتا رہے ہیں اور اسی پر اگیارہ جزئیات متفرع کر رہے ہیں

اصول :ایک اصول یہ ہے کہ جب بھی نئی ملکیت ہوگی استبراء لازم ہوگا۔

اصول:دوسرا اصول یہ ہے کہ قبضے کے بعد استبراء لازم ہوگا۔

چنانچہ قبضے سے پہلے حیض آ گیا تو تو قبضہ کے بعد دوبارہ استبراء لازم ہوگا۔

ترجمہ : ۵ اور استبراء کا حکم ملک کے تمام اسباب کی طرف متعدی ہوگا، جیسے باندی کو خریدنا، اس کو ہبہ کرنا، اس کی وصیت کرنا، وراثت میں باندی کا آنا، باندی پر خلع کرنا، مال کتابت میں باندی دینا وغیرہ۔

تشریح : ملک نیا ہونے کی یہ چھ صورتیں بیان کر رہے ہیں[۱] باندی کو خرید لے،[۲] باندی کو ہبہ کر دے[۳] اس کو کسی کی وصیت میں دے دے[۴] وراثت میں باندی آ جائے[۵] بیوی نے خلع کے اندر شوہر کو باندی دے دی، تو شوہر پر استبراء لازم ہے،[۶] غلام نے مال کتابت میں آقا کو باندی دے تو آقا پر استبراء لازم ہے، کیونکہ ان سب صورتوں میں باندی پر نئی ملکیت ہوئی، اور نیا قبضہ ہوا ہے۔

ترجمہ : ۶ ایسے ہی بچے کے مال سے خریدنے والے پر، عورت سے خریدنے والے پر، ماذون لہ غلام سے خریدنے والے پر، یا ایسے آدمی سے خریدا جس کے لئے باندی سے وطی کرنا، حلال نہیں ہے، ایسے ہی ایسی باندی خریدی جو ابھی بھی باکرہ، کیونکہ اس سے وطی نہیں کی گئی ہے، کیونکہ سبب متحقق ہے اور احکام کا مدار سبب پر ہے نہ کہ حکمتوں پر، کیونکہ حکمت پوشیدہ ہوتی ہے اس لئے سبب کے متحقق ہونے کا اعتبار کیا جائے گا رحم کے مشغول ہونے کا وہم ہو تو۔

تشریح : یہاں پانچ جزئیہ ایسے بتا رہے ہیں، جن میں یقینی طور پر باندی سے وطی نہیں کی گئی ہے، لیکن ملک نیا ہوا ہے اس لئے استبراء واجب ہوگا۔

[۱] بچے کی باندی خریدی تو طے ہے کہ بچے نے وطی نہیں کی ہوگی پھر بھی ملک نیا ہونے کی وجہ سے مشتری پر استبراء واجب ہوگا۔

[۲] عورت سے باندی خریدی۔ طے ہے کہ اس نے وطی نہیں کی۔

[۳] جس غلام کو تجارت کی اجازت دی ہے اس سے باندی خریدی، تو چونکہ یہ باندی حقیقت میں اس کے آقا کی ہے اس لئے غلام کے لئے اس سے وطی کرنا حلال نہیں اس لئے یقینی ہے کہ اس نے وطی نہیں کی ہے۔

فَيُعْتَبَرُ تَحَقُّقُ السَّبَبِ عِنْدَ تَوَهُّمِ الشُّغْلِ. ۷ وَكَذَا لا يُجْتَزَأُ بِالْحَيْضَةِ الَّتِي اشْتَرَاهَا فِي أَثْنَائِهَا وَلَا بِالْحَيْضَةِ الَّتِي حَاضَتْهَا بَعْدَ الشِّرَاءِ أَوْ غَيْرِهِ مِنْ أَسْبَابِ الْمِلْكِ قَبْلَ الْقَبْضِ، وَلَا بِالْوِلَادَةِ الْحَاصِلَةِ بَعْدَهَا قَبْلَ الْقَبْضِ ۸ خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ - رَحِمَهُ اللَّهُ -؛ لِأَنَّ السَّبَبَ اسْتِحْدَاثُ الْمِلْكِ وَالْيَدِ، وَالْحُكْمُ لَا يَسْبِقُ السَّبَبَ، ۹ وَكَذَا لَا يُجْتَزَأُ بِالْحَاصِلِ قَبْلَ

---

[۴] باندی مالک کی رضاعی بہن تھی اس لئے اس سے وطی کرنا حلال نہیں ہے، اب اس باندی کو خریدا تو یقینی ہے کہ وطی نہیں ہوئی ہے پھر بھی مشتری پر استبراء واجب ہوگا۔

[۵] ایسی باندی خریدی جو ابھی تک باکرہ تھی اس سے وطی نہیں کی گئی تھی پھر بھی نیا ملک ہوا ہے اس لئے ان پانچوں صورتوں میں مشتری پر استبراء واجب ہوگا۔

ترجمہ : ۷ ایسے ہی نہیں کافی ہوگا وہ حیض جس کے درمیان میں باندی کو خریدا ہے، اور ایسے ہی نہیں کافی ہوگا وہ حیض جو خریدنے کے بعد ہوا یا دوسرے اسباب سے منتقل ہوئی قبضہ کرنے سے پہلے، اور ایسے ہی نہیں کافی ہوگا وہ بچہ پیدا ہونا خریدنے کے بعد اور قبضے سے پہلے ہوا ہو۔ خلاف امام ابو یوسفؒ کے، اس لئے کہ استبراء کا سبب نئے ملک کا پیدا ہونا اور قبضہ کرنا ہے، اور حکم سبب سے پہلے نہیں آتا۔

تشریح : یہاں تین مسئلہ بیان کر رہے ہیں، اس سب کا مدار اس اصول پر ہے کہ خریدنے کے بعد اور قبضہ کرنے سے پہلے پہلے حیض آگیا تو وہ حیض استبراء کے لئے کافی نہیں ہوگا، دوبارہ ایک حیض سے استبراء کرنا ہوگا۔ کیونکہ استبراء کا سبب نیا ملک کا ہونا ہے اور باندی پر قبضہ ہونا ہے۔

[۱] پہلا ہے خریدنے کے دوران، اور قبضہ کرنے سے پہلے باندی کو حیض آگیا تو وہ حیض کافی نہیں ہوگا۔

[۲] اسی طرح اور بھی کسی سبب سے باندی دوسرے کی ملکیت میں منتقل ہوئی اور اس درمیان قبضہ کرنے سے پہلے حیض آگیا تو یہ حیض استبراء کے لئے کافی نہیں ہوگا، پھر ایک حیض سے استبراء کرنا لازم ہوگا۔

[۳] خریدنے کے بعد قبضہ کرنے سے پہلے باندی نے بچہ دیا تو یہ ولادت استبراء کے لئے کافی نہیں ہوگی بلکہ الگ سے ایک حیض سے استبراء کرنا ہوگا، کیونکہ قبضے کے بعد حیض آنا چاہئے یہاں اس سے پہلے حیض آگیا ہے۔

ترجمہ :۸ امام ابو یوسفؒ اس کے خلاف ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ یقینی طور سے معلوم ہوگیا کہ رحم خالی ہے تو اب دوبارہ حیض سے استبراء کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ :۹ اور ایسے ہی کافی نہیں ہوگا وہ حیض جو حاصل ہوا ہو بیع فضولی میں اجازت سے پہلے، چاہے وہ باندی مشتری کے قبضے میں ہو۔

الْإِجَازَةِ فِي بَيْعِ الْفُضُولِيِّ وَإِنْ كَانَتْ فِي يَدِ الْمُشْتَرِي، ١٠ وَلَا بِالْحَاصِلِ بَعْدَ الْقَبْضِ فِي الشِّرَاءِ الْفَاسِدِ قَبْلَ أَنْ يَشْتَرِيَهَا شِرَاءً صَحِيحًا لِمَا قُلْنَا. (٣١١)وَيَجِبُ فِي جَارِيَةٍ لِلْمُشْتَرِي فِيهَا شِقْصٌ فَاشْتَرَى الْبَاقِيَ؛ ١ لِأَنَّ السَّبَبَ قَدْ تَمَّ الْآنَ، وَالْحُكْمُ يُضَافُ إِلَى تَمَامِ الْعِلَّةِ، ٢ وَيُجْتَزَأُ بِالْحَيْضَةِ الَّتِي حَاضَتْهَا بَعْدَ الْقَبْضِ وَهِيَ مَجُوسِيَّةٌ أَوْ مُكَاتَبَةٌ بِأَنْ كَاتَبَهَا بَعْدَ الشِّرَاءِ ثُمَّ أَسْلَمَتْ الْمَجُوسِيَّةُ أَوْ عَجَزَتْ الْمُكَاتَبَةُ لِوُجُودِهَا بَعْدَ السَّبَبِ وَهُوَ اسْتِحْدَاثُ الْمِلْكِ

تشریح : باندی مشتری کے قبضے میں تھی، اوراس کوکسی فضولی نے بیچی ابھی مالک نے بیع کی اجازت نہیں دی کہ حیض آ گیا تو یہ حیض استبراء کے لئے کافی نہیں ہے، کیونکہ اجازت کے بعد نیا ملک ہوگا، اور نئے ملک پر استبراء واجب ہوگا، اس کے بعد استبراء کرنا چاہئے یہاں نئے ملک سے پہلے حیض آیا ہے اس لئے یہ حیض استبراء کے لئے کافی نہیں ہے۔

لغت : بیع الفضولی: بغیر مالک کی اجازت کے باندی بیچ دی تو یہ فضولی کی بیع ہوئی۔اس میں مالک کی اجازت کے بیع مکمل ہوگی۔

ترجمہ: ١٠ اور شراء فاسد میں قبضے کے بعد حیض حاصل ہو صحیح طور پر خریدنے سے پہلے۔تو یہ استبراء کے لئے کافی نہیں ہوگا

تشریح : شراء فاسد میں قبضہ کرنے سے نیا ملک نہیں ہوگا، بلکہ اس کے بعد صحیح طور پر خریدے گا تب مشتری کی ملکیت ہوگی ، یہاں صحیح طور خریدنے سے پہلے حیض آ گیا ہے اس لئے یہ حیض استبراء کے لئے کافی نہیں ہے۔

ترجمہ :(۳۱۱)اس باندی میں بھی استبراء واجب جس کا ایک حصہ مشتری کا پھر باقی کو خریدا۔

ترجمہ :١ اس لئے کہ استبراء کا سبب پورا ہوا، اور حکم علت کے پورے ہونے کے بعد منسوب ہوتا ہے۔

تشریح : مشتری کا آدھی باندی پہلے سے تھی، لیکن اس سے ابھی وطی اس لئے نہیں کرسکتا ہے کہ اس کی پوری باندی نہیں ہے، اب اس نے باقی حصے کو خریدا تو اب اس پر استبراء کرنا ہوگا، کیونکہ وطی کرنے کے قابل ملکیت اب ہوئی ہے۔

لغت:شقص :ایک حصہ۔السبب قدتم الآن :استبراء کا سبب اب پورا ہوا۔الحکم یضاف الی تمام العلۃ :استبراء کا حکم ملکیت کے پورا ہونے کے بعد اسی کی طرف منسوب ہوگا۔

ترجمہ :٢ اور کافی ہوگا وہ حیض جو قبضے کے بعد آیا ہو، جبکہ وہ مجوسی تھی ، یا خریدنے کے بعد مکاتب بنادی گئی تھی ، پھر مجوسیہ مسلمان ہوگئی، اور مکاتبہ مال کتابت ادا کرنے سے عاجز ہوگئی ، کیونکہ حیض سبب کے بعد پایا گیا اور وہ ملک کا نیا ہونا اور قبضہ ہونا ہے اسلئے کہ یہ حیض حلال ہونے کا تقاضہ کرتا ہے، اور حرمت ایک مانع کی وجہ سے تھی ، جیسے کہ حیض کی حالت میں صحبت حرام ہے

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ملک کے بعد اور قبضہ ہونے کے بعد حیض آیا ہو تو یہ حیض استبراء کے لئے کافی ہے، دوبارہ استبراء کی ضرورت نہیں ہے۔

وَالْيَدِ إذْ هُوَ مُقْتَضٍ لِلْحِلِّ وَالْحُرْمَةِ لِمَانِعٍ كَمَا فِي حَالَةِ الْحَيْضِ (٣١٢)وَلَا يَجِبُ الِاسْتِبْرَاءُ إذَا رَجَعَتْ الْآبِقَةُ أَوْ رُدَّتْ الْمَغْصُوبَةُ أَوْ الْمُؤَاجَرَةُ أَوْ فُكَّتْ الْمَرْهُونَةُ ۱ لِانْعِدَامِ السَّبَبِ وَهُوَ اسْتِحْدَاثُ الْمِلْكِ وَالْيَدِ وَهُوَ سَبَبٌ مُتَعَيِّنٌ فَأُدِيرَ الْحُكْمُ عَلَيْهِ وُجُودًا وَعَدَمًا، وَلَهَا نَظَائِرُ كَثِيرَةٌ كَتَبْنَاهَا فِي كِفَايَةِ الْمُنْتَهِي. ۲ وَإِذَا ثَبَتَ وُجُوبُ الِاسْتِبْرَاءِ وَحُرِّمَ الْوَطْءُ حرم

تشریح : یہاں دومثالیں ہیں[۱] باندی خریدی وہ مجوسیہ تھی اس لئے مجوسیت کی وجہ سے اس سے وطی کرنا حرام تھا، اس حال میں اس کو حیض آ گیا، اس کے بعد مسلمان ہوگئی تو اب وطی کر سکتا ہے، اور یہ حیض استبراء کے لئے کافی ہے، کیونکہ حیض ملک کے بعد اور قبضہ ہونے کے بعد آیا ہے[۲] دوسری مثال یہ ہے کہ باندی کو خریدنے اور قبضہ کرنے کے بعد اس کو مکاتب بنادیا، اس لئے اس سے وطی نہیں کرسکتا، اب اس مکاتبت کی حالت میں اس کو حیض آیا، پھر مکاتبہ مال کتابت دینے سے عاجز ہوگئی تو اس سے وطی کرسکتا ہے، کیونکہ ملکیت کے بعد اور قبضہ کے بعد اس کو حیض آیا ہے، یہ اور بات ہے کہ مجوسیت کی وجہ سے، یا مکاتب ہونے کی وجہ سے آقا وطی نہیں کر رہا تھا، اب وہ مانع ہٹ گیا ہے تو اب وطی کر پائے گا۔

ترجمہ :(٣١٢) بھاگی ہوئی باندی واپس آ گئی تو استبراء نہیں ہے، غصب کی ہوئی باندی واپس کر دی گئی، اجرت پر دی گئی باندی واپس آ گئی، رہن پر رکھی ہوئی باندی رہن سے چھوٹ گئی تو استبراء واجب نہیں ہے۔

ترجمہ:۱ استبراء کا سبب نہ ہونے کی وجہ سے، اور وہ ہے ملک کا نیا ہونا اور قبضہ ہونا یہی سبب متعین ہے اس لئے استبراء کے ہونے اور نہ ہونے کے بارے میں اسی پر حکم گھومے گا، اور اسکی بہت ساری مثالیں ہیں، جنکو ہم نے کفایۃ المنتھی میں ذکر کیا ہے

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ملک نیا نہیں ہوا ہے، پہلی ملکیت چل رہی ہے اس لئے استبراء واجب نہیں ہے۔

تشریح : یہاں چار مثالیں ہیں، ملک نیا نہیں ہوا ہے اس لئے استبراء واجب نہیں ہے[۱] بھاگی ہوئی باندی وپس آ گئی، تو اس میں شبہ ہے کہ کسی نے صحبت کی ہو لیکن ملک نیا نہیں ہے اس لئے استبراء واجب نہیں ہے۔[۲] باندی کو کسی نے غصب کیا تھا، اب اس کو واپس کر دیا تو شبہ ہے کہ غاصب نے وطی کی ہو، لیکن ملک نیا نہیں ہے[۳] اجرت پر رکھی ہوئی باندی گھر آ گئی، تو شبہ ہے اجرت پر رکھنے والے نے وطی کی ہو[۴] باندی کو رہن پر رکھا تھا اب وہ واپس آ گئی تو شبہ ہے کہ رہن پر رکھنے والے نے وطی کی ہو، لیکن ان سب صورتوں میں پہلی ملک برقرار ہے نیا ملک نہیں ہوا اس لئے استبراء واجب نہیں ہے۔

لغت :ادیر الحکم وجودا و عدما :نیا ملک ہو تو استبراء کا وجود ہوگا، اور نیا ملک نہ ہو تو استبراء واجب نہیں ہوگا۔ وجودا اور عدما کا مطلب یہی ہے۔

ترجمہ :۲ جب استبراء واجب ہوا اور وطی حرام ہوئی تو دواعی وطی بھی حرام ہوگی، اس لئے کہ دواعی وطی کی طرف پہونچانے والی ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ دواعی دوسرے کی ملکیت میں واقع ہو جائے، اس طرح کہ حمل ظاہر ہو جائے اور

الدَّوَاعِي لِإِفْضَائِهَا إِلَيْهِ. أَوْ لاحْتِمَالِ وُقُوعِهَا فِي غَيْرِ الْمِلْكِ عَلَى اعْتِبَارِ ظُهُورِ الْحَبَلِ وَدَعْوَةِ الْبَائِعِ. بِخِلَافِ الْحَائِضِ حَيْثُ لَا تَحْرُمُ الدَّوَاعِي فِيهَا لِأَنَّهُ لا يُحْتَمَلُ الْوُقُوعُ فِي غَيْرِ الْمِلْكِ، وَلِأَنَّهُ زَمَانُ نَفْرَةٍ فَالْإِطْلَاقُ فِي الدَّوَاعِي لَا يُفْضِي إِلَى الْوَطْءِ وَالرَّغْبَةُ فِي الْمُشْتَرَاةِ قَبْلَ الدُّخُولِ أَصْدَقُ الرَّغَبَاتِ فَتُفْضِي إِلَيْهِ، ۳؎ وَلَمْ يَذْكُرْ الدَّوَاعِيَ فِي الْمَسْبِيَّةِ. وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهَا لا تَحْرُمُ؛ لِأَنَّهَا لا يُحْتَمَلُ وُقُوعُهَا فِي غَيْرِ الْمِلْكِ لِأَنَّهُ لَوْ ظَهَرَ بِهَا حَبَلٌ لا تَصِحُّ دَعْوَةُ

بائع دعوی کر لے۔ بخلاف حائضہ کے اس لئے کہ یہاں دواعی حرام نہیں ہے اس لئے کہ غیر کے ملک میں واقع احتمال نہیں ہے، اور اس لئے کہ نفرت کا زمانہ ہے اس لئے دواعی کے حلال ہونے میں وطی کی طرف نہیں پہونچائے گا، اور خریدی ہوئی باندی میں دخول سے پہلے وطی کی رغبت بہت ہے اس لئے وہاں دواعی وطی کی طرف پہونچادے گا۔

تشریح : یہاں یہ فرق بیان کر رہے ہیں کہ حیض کی حالت میں بھی وطی حرام ہے، لیکن وہاں دواعی وطی حرام نہیں ہے، اور یہاں استبراء سے پہلے دواعی وطی بھی حرام ہے، ایسا کیوں ہے؟

وجہ : (۱) یہاں دواعی وطی اس لئے حرام ہے کہ وطی میں پڑنے کا زیادہ خطرہ ہے، کیونکہ ابھی ابھی باندی خرید کر لایا ہے تو وطی کی رغبت زیادہ ہے، اس لئے دواعی وطی سے وطی میں پڑنے کا خطرہ زیادہ ہے، اور حیض کی صورت میں شرمگاہ میں خون ہے اس لئے وطی سے نفرت ہے اس لئے وطی میں پڑنے کا زیادہ خطرہ نہیں ہے (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر حمل ظاہر ہو گیا، اور بائع نے اپنا بچہ ہونے کا دعوی کر دیا تو یہ باندی اس کی ام ولد بن جائے گی، اور یہ بیع فسخ ہو جائے گی، تو مشتری نے جو بوسہ لیا، اور دواعی وطی کی وہ غیر کی ملک میں واقع ہوگی، اس لئے یہاں دواعی وطی بھی حرام ہوگی۔ اور حائضہ ہونے کی شکل میں دواعی وطی دوسرے کی ملکیت میں واقع نہیں ہوگی اس لئے دواعی وطی حلال ہوگی۔

لغت : دواعی وطی: وطی کی طرف بلانے والی چیز، جیسے بوسہ لینا، شہوت سے باندی کو چھونا۔ افضاء: پہونچانا۔ اسی سے یفضی، پہونچائے گا۔ اصدق: صدق سے مشتق ہے، زیادہ صادق ہے، بہت زیادہ ہے۔

ترجمہ : ۳؎ اور قید شدہ باندی سے دواعی کے بارے میں ذکر نہیں کیا، امام محمدؒ سے روایت ہے کہ حرام نہیں ہے اس لئے کہ دوسرے کی ملکیت میں واقع نہیں ہوگی، اس لئے کہ اگر حمل ظاہر ہو گیا حربی کا دعوی صحیح نہیں ہے، بخلاف خریدی ہوئی باندی کی [اس لئے کہ بائع کا دعوی صحیح ہے]

تشریح : جو باندی قید ہو کر آئی ہے، استبراء سے پہلے اس سے وطی کرنا حرام ہے، لیکن دواعی کرنا جائز ہے یا نہیں اس بارے میں متن میں کوئی تصریح نہیں ہے، لیکن امام محمدؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ دواعی جائز ہے۔

وجہ : اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس کو حمل ظاہر ہو گیا تب بھی یہ باندی واپس حربی کی ملکیت میں نہیں جائے گی، اس لئے کہ حربی کا

الْحَرْبِيِّ، بِخِلَافِ الْمُشْتَرَاةِ عَلَى مَا بَيَّنَّا. (٣١٣) وَالِاسْتِبْرَاءُ فِي الْحَامِلِ بِوَضْعِ الْحَمْلِ (لِمَا رَوَيْنَا) وَفِي ذَوَاتِ الْأَشْهُرِ بِالشَّهْرِ ؛ ١ لِأَنَّهُ أُقِيمَ فِي حَقِّهِنَّ مَقَامَ الْحَيْضِ كَمَا فِي الْمُعْتَدَّةِ، (٣١٤) وَإِذَا حَاضَتْ فِي أَثْنَائِهِ بَطَلَ الِاسْتِبْرَاءُ بِالْأَيَّامِ ١ لِلْقُدْرَةِ عَلَى الْأَصْلِ قَبْلَ حُصُولِ الْمَقْصُودِ بِالْبَدَلِ كَمَا فِي الْمُعْتَدَّةِ. ٢ فَإِنْ ارْتَفَعَ حَيْضُهَا تَرَكَهَا، حَتَّى إذَا تَبَيَّنَ أَنْ لَيْسَتْ بِحَامِلٍ وَقَعَ عَلَيْهَا وَلَيْسَ فِيهِ تَقْدِيرٌ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ. وَقِيلَ يَتَبَيَّنُ بِشَهْرَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةٍ. وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشَرَةُ أَيَّامٍ، وَعَنْهُ شَهْرَانِ وَخَمْسَةُ أَيَّامٍ اعْتِبَارًا بِعِدَّةِ الْحُرَّةِ أَوْ الْأَمَةِ

دعوی مقبول نہیں ہے، اس لئے دواعی وطی خود اسی کی ملکیت میں واقع ہوگی اس لئے جائز ہے، اور خریدنے کی شکل میں بائع کا دعوی قبول ہے اور باندی واپس بائع کے پاس جاسکتی ہے اس لئے دواعی کرنی کی اجازت نہیں ہوگی۔

ترجمہ :(٣١٣) حاملہ باندی کا استبراء بچہ جننے سے ہوگا، اور جو مہینے والی ہے وہ مہینوں سے۔

ترجمہ :١ اس لئے کہ مہینہ اس کے لئے حیض کی جگہ پر ہے، جیسے عدت گزارنے والی عورت میں ہے۔

تشریح : جسکو باندی کو حمل ہے وہ جب بچہ جن دے گی تو اس استبراء ہو جائے گا۔ اور جس عورت کو حیض نہیں آتا تو اس کا استبراء ایک ماہ گزارنے سے ہوگا۔

وجہ :جس عورت کو حیض نہیں آتا تو مہینہ اس کے لئے حیض کی جگہ پر ہے اس لئے ایک ماہ گزرنے سے استبراء ہو جائے گا۔ جیسے عدت گزارنے والی کو حیض نہیں آتا تو اس کے لئے ہر مہینہ ایک حیض کے درجے میں ہے۔

ترجمہ :(٣١٤) مہینے سے عدت گزر رہی تھی کہ درمیان میں حیض آ گیا تو دن سے استبراء کرنا باطل ہو جائے گا[اور اب اس کو حیض سے استبراء کرنا ہوگا۔

ترجمہ :١ اس لئے کہ بدل سے مقصود حاصل ہونے سے پہلے اصل پر قدرت ہوگئی، جیسے کہ عدت میں ہوتا ہے۔

تشریح : ایک باندی مہینے سے استبراء کر رہی تھی ابھی پندرہ دن گزرے تھے کہ اس کو حیض آ گیا تو اب مہینہ والا استبراء باطل ہو گیا، اور اب شروع سے حیض سے استبراء کرنا ہوگا۔

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مہینے سے استبراء مکمل ہونے سے پہلے اصل حیض پر قدرت ہوئی اس لئے اب اصل سے استبراء کرنا ہوگا، جس طرح مہینے سے عدت گزار رہی تھی کہ حیض پر قادر ہوگئی تو پہلی عدت باطل ہو جائے گی اور اب شروع سے حیض سے عدت گزارے گی۔

ترجمہ :٢ اگر حیض لمبا ہو جائے تو باندی کو چھوڑ دو یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے کہ وہ حاملہ نہیں ہے پھر اس سے جماع کرے ، اور ظاہر روایت میں کوئی وقت متعین نہیں کی ، بعض حضرات نے کہا کہ دو ماہ میں یا تین مہینے میں حمل ظاہر ہوگا ۔ اور امام محمدؒ سے

فِيْ الْوَفَا ةِ. وَعَنْ زُفَرَ سَنَتَانِ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِيْ حَنِيفَةَ. (۳۱۵)قَالَ وَلَا بَأْسَ بِالِاحْتِيَالِ لِإِسْقَاطِ الِاسْتِبْرَاءِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ ا وَقَدْ ذَكَرْنَا الْوَجْهَيْنِ فِيْ الشُّفْعَةِ. ۲ وَالْمَأْخُوذُ قَوْلُ أَبِيْ يُوسُفَ فِيمَا إذَا عَلِمَ أَنَّ الْبَائِعَ لَمْ يَقْرَبْهَا فِيْ طُهْرِهَا ذَلِكَ، وَقَوْلُ مُحَمَّدٍ

روایت ہے کہ چار مہینے دس روز میں جو آزاد کی عدت وفات ہے، اور انہیں سے روایت ہے دو ماہ پانچ روز کی، جو باندی کی وفات ہے، اور امام زفرؒ کی روایت ہے دو سال کی اور امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت یہی ہے۔

تشریح : ایک ایسی باندی ہے جسکو کئی کئی مہینے کے بعد حیض آتا ہے، اور اس میں بھی کوئی عادت نہیں ہے تو اس کو نہ حیض سے استبراء کر سکتے ہیں اور نہ مہینے سے، مہینے سے اس لئے نہیں کہ یہ حیض والی ہے، اور حیض سے اس لئے نہیں کہ اس کی کوئی عادت متعین نہیں ہے، اور کئی کئی مہینے کے بعد حیض آتا ہے۔ اس لئے اس بارے قاعدہ یہ ہے کہ جب یہ پتہ چل جائے کہ اس عورت کو حمل نہیں ہے تو آقا اس سے وطی کر سکتا ہے۔

کتنے دنوں میں یہ پتہ چلے گا کہ اس کو حمل نہیں ہے اس بارے میں پانچ روایتیں ہیں۔

[۱] دو ماہ۔۔۔[۲] تین ماہ

[۳] امام محمدؒ سے روایت ہے چار ماہ دس دن، جو آزاد عورت کی عدت وفات ہے۔

[۴] دو ماہ دس دن جو باندی کی عدت وفات ہے۔

[۵] دو سال تک، کیونکہ پیٹ میں زیادہ سے زیادہ دو سال بچہ رہ سکتا ہے، امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت یہی ہے۔

ترجمہ :(۳۱۵) استبراء کو ساقط کرنے کے لئے حیلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے امام ابو یوسفؒ کے یہاں، اور امام محمدؒ اس کے خلاف ہیں [یعنی انکے یہاں حیلہ کرنا صحیح نہیں ہے]

ترجمہ :۱ دونوں وجہ کو کتاب الشفعہ میں ذکر کیا ہے۔

تشریح : امام ابو یوسفؒ کے نزدیک استبراء کو ساقط کرنے کے لئے حیلہ کرنا صحیح ہے، اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ ابھی تک اس کا حق ثابت نہیں ہوا اس لئے اس سے پہلے اس کے حق کو دفع کرنا جائز ہوگا۔

اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ کسی کے حق کو دفع کرنا اس کو نقصان پہونچانا ہے اس لئے اس کو ساقط کرنے کے لئے حیلہ کرنا درست نہیں ہے۔ کتاب الشفعہ میں یہی بحث ذکر کی ہے۔

ترجمہ :۲ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ بائع نے اس طرح میں باندی سے صحبت نہیں کی ہے تو امام ابو یوسفؒ کا قول لیا جائے گا [یعنی حیلہ کر سکتا ہے۔ اور اگر باندی سے صحبت کی ہے تو امام محمدؒ کا قول لیا جائے گا [یعنی حیلہ کرنا جائز نہیں ہوگا]

تشریح : اگر یقینی طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ بائع نے باندی سے اس طہر میں وطی نہیں کی ہے تو امام ابو یوسفؒ کا قول لیا

فِيمَا إِذَا قَرُبَهَا. ٣ وَالْحِيلَةُ إِذَا لَمْ يَكُنْ تَحْتَ الْمُشْتَرِي حُرَّةٌ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا قَبْلَ الشِّرَاءِ ثُمَّ يَشْتَرِيَهَا. ٤ وَلَوْ كَانَتْ فَالْحِيلَةُ أَنْ يُزَوِّجَهَا الْبَائِعُ قَبْلَ الشِّرَاءِ أَوْ الْمُشْتَرِي قَبْلَ الْقَبْضِ مِمَّنْ يُوثَقُ بِهِ ثُمَّ يَشْتَرِيَهَا وَيَقْبِضَهَا ثُمَّ يُطَلِّقَ الزَّوْجُ؛ لِأَنَّ عِنْدَ وُجُودِ السَّبَبِ وَهُوَ اسْتِحْدَاثُ الْمِلْكِ الْمُؤَكَّدِ بِالْقَبْضِ إِذَا لَمْ يَكُنْ فَرْجُهَا حَلَالًا لَهُ لَا يَجِبُ الِاسْتِبْرَاءُ. وَإِنَّ حَلَّ بَعْدَ

جائے گا اور حیلہ کر کے استبراء ساقط کرنا جائز ہوگا۔ اور اگر یقینی طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ بائع نے اس طہر میں وطی کی ہے تو امام محمدؒ کا قول لیا جائے گا اور حیلہ کر کے استبراء ساقط کرنا جائز نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ٣ تو حیلہ کی صورت یہ ہوگی کہ، اگر مشتری کے نکاح میں کوئی آزاد عورت نہیں ہے تو خریدنے سے پہلے اس سے نکاح کرا دے، پھر اس باندی کو خرید لے۔

تشریح : حیلے کی صورت یہ ہے کہ مشتری کے نکاح میں کوئی آزاد بیوی نہیں ہے تو اس باندی سے نکاح کرا دے، پھر باندی کو خرید لے، اب خریدتے وقت خود مشتری کے نکاح میں ہے اس لئے اس پر استبراء لازم نہیں ہوتا، کیونکہ اپنی بیوی کو خریدنے سے استبراء لازم نہیں ہوتا، کیونکہ اگر اس کے پیٹ میں کوئی حمل ہے تو یہ بھی اسی مشتری کا ہے۔ مشتری کے نکاح میں کوئی آزاد بیوی نہ ہو اس کی قید اس لئے لگائی کہ آزاد ہوتے ہوئے باندی سے نکاح نہیں کرسکتا۔

ترجمہ : ٤ اور اگر مشتری کے نکاح میں آزاد بیوی موجود ہو تو حیلہ یہ ہے خریدنے سے پہلے بائع کسی اور سے نکاح کرا دے، یا مشتری باندی پر قبضہ کرنے سے پہلے کسی اعتماد والے سے نکاح کرا دے، پھر باندی کو خریدے اور اس پر قبضہ کرے، یا باندی پر قبضہ کرے پھر شوہر طلاق دے دے [تو استبراء لازم نہیں ہے] کیونکہ سبب استبراء کے پائے جاتے وقت میں اور وہ ملک کا نیا ہونا اور اس کی تاکید قبضے سے ہوگی، جبکہ باندی شرمگاہ، اس مشتری کے لئے حلال نہیں ہے تو مشتری پر استبراء واجب نہیں ہے، چاہے قبضہ کے بعد شرمگاہ حلال ہو جائے، اس لئے کہ معتبر سبب کا پایا جانا ہے، جیسا کہ غیر کی عدت گزارنے والے میں ہوتا ہے۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ خریدتے وقت، یا نیا ملک ہوتے وقت باندی کی شرمگاہ مشتری کے لئے حلال نہ ہو تو اس پر استبراء واجب نہیں۔

تشریح : یہ دوسرا حیلہ ہے۔ یہاں عبارت تھوڑا پیچیدہ ہے غور سے سمجھیں۔ مشتری کے تحت میں آزاد بیوی ہے اس لئے خود تو اس باندی سے نکاح نہیں کرسکتا، اس لئے استبراء ساقط کرنے کا حیلہ یہ ہے کہ، خود بائع، یا مشتری باندی پر قبضہ کرنے سے پہلے، کسی اعتماد والے آدمی سے نکاح کر دے [جو باندی سے وطی نہ کرے، اور جلدی سے طلاق بھی دے دے] اور باندی پر قبضہ کے بعد نکاح کرنے والا بغیر وطی کے طلاق دے دے، تو یہ باندی بغیر استبراء کے مشتری کے لئے حلال ہو جائے گی۔

ذٰلِکَ؛ لِأَنَّ الْمُعْتَبَرَ أَوَانُ وُجُودِ السَّبَبِ كَمَا إِذَا كَانَتْ مُعْتَدَّةَ الْغَيْرِ. (۳۱۶) قَالَ وَلَا يَقْرُبُ الْمَظَاهِرُ وَلَا يَلْمِسُ وَلَا يُقَبِّلُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَى فَرْجِهَا بِشَهْوَةٍ حَتَّى يُكَفِّرَ؛ ۱؎ لِأَنَّهُ لَمَّا حَرُمَ الْوَطْيُ إِلَى أَنْ يُكَفِّرَ حَرُمَ الدَّوَاعِي لِلْإِفْضَاءِ إِلَيْهِ. لِأَنَّ الْأَصْلَ أَنَّ سَبَبَ الْحَرَامِ حَرَامٌ كَمَا فِي الِاعْتِكَافِ وَالْإِحْرَامِ ۲؎ وَفِي الْمَنْكُوحَةِ إِذَا وُطِئَتْ بِشُبْهَةٍ، ۳؎ بِخِلَافِ حَالَةِ الْحَيْضِ

وجه : جس وقت نیا ملک ہوا اس وقت باندی کی شرمگاہ شوہر کے لئے حلال تھی اور مشتری کے لئے حلال نہیں تھی اس لئے اس پر استبراء واجب نہیں ہے، اب قبضہ کرنے کے بعد شوہر نے طلاق دی ہے، تو چونکہ شوہر نے بھی وطی نہیں کی ہے اس لئے باندی پر عدت نہیں، اور فورا مشتری کے لئے وطی کرنا جائز ہو گیا۔

ترجمہ : (۳۱۶) ظہار کرنے والا کفارہ ادا کرنے سے پہلے بیوی کو نہ چھوئے گا، نہ بوسہ دیگا اور نہ شہوت سے اس کی شرمگاہ کی طرف دیکھے گا۔

ترجمہ : ۱؎ اس لئے کہ کفارہ دینے تک وطی حرام ہے تو دواعی وطی بھی حرام ہوگا تا کہ وطی تک نہ پہونچا دے، اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ حرام کا سبب بھی حرام ہوتا ہے، جیسے کہ اعتکاف اور احرام کی حالت میں ہوتا ہے

تشریح : بیوی سے ظہار کرنے والا جب تک کفارہ نہ دے اس سے وطی کرنا حرام ہے، اور دواعی وطی، مثلا بیوی کو شہوت سے چھونا اس کو بوسہ دینا، اس کی شرمگاہ کی طرف شہوت سے دیکھنا یہ سب حرام ہے۔ تا کہ یہ چیزیں وطی تک نہ پہونچا دے، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ حرام میں پڑنے کا جو اسباب ہیں وہ بھی حرام ہوتے ہیں، جیسے کہ اعتکاف میں وطی حرام ہے تو دواعی وطی بھی حرام ہیں، اسی طرح احرام کی حالت میں وطی حرام ہے تو دواعی وطی بھی حرام ہیں۔

وجہ : (۱) ظہار میں وطی اور دواعی وطی دونوں حرام ہیں اس کے لئے یہ آیت ہے۔ **والذین یظاھرون من نسائھم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبة من قبل ان یتماسا ذلکم توعظون به والله بما تعملون خبیر ٥ فمن لم یجد فصیام شھرین متتابعین من قبل ان یتماسا فمن لم یستطع فاطعام ستین مسکینا ذلک لتؤمنوا بالله ورسوله** (آیت ۳/۴، سورة المجادلة ۵۸) اس آیت میں ہے کہ کفارہ سے پہلے بیوی کو چھوئے بھی نہیں۔ (۲) اور احرام کی حالت میں بیوی سے جماع کی بات بھی نہ کرو اس کے لئے یہ آیت ہے۔ **فمن فرض فیھن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج** . (آیت ۱۹۷، سورة البقرة ۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو احرام باندھے اس کو جماع کی باتیں، فسق کی باتیں اور جھگڑے کی باتوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔

ترجمہ : ۲؎ منکوحہ کے ساتھ شبہ میں وطی کر لی گئی۔

تشریح : مثلا زید کی بیوی سے عمر نے اس شبہ میں وطی کر لی کہ یہ میری بیوی ہے تو اس عورت پر عمر کی عدت واجب ہے، اس

وَالصَّوْمِ؛ لِأَنَّ الْحَيْضَ يَمْتَدُّ شَطْرَ عُمْرِهَا وَالصَّوْمَ يَمْتَدُّ شَهْرًا فَرْضًا وَأَكْثَرُ الْعُمْرِ نَفْلًا، فَفِي الْمَنْعِ عَنْهَا بَعْضُ الْحَرَجِ، وَلَا كَذَلِكَ مَا عَدَدْنَاهَا لِقُصُورِ مُدَدِهَا. وَقَدْ صَحَّ أَنَّ النَّبِيَّ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – كَانَ يُقَبِّلُ وَهُوَ صَائِمٌ وَيُضَاجِعُ نِسَاءَهُ وَهُنَّ حُيَّضٌ. (۳۱۷)قَالَ وَمَنْ لَهُ أَمَتَانِ أُخْتَانِ فَقَبَّلَهُمَا بِشَهْوَةٍ فَإِنَّهُ لَا يُجَامِعُ وَاحِدَةً مِنْهُمَا وَلَا يُقَبِّلُهَا وَلَا يَمَسُّهَا بِشَهْوَةٍ وَلَا يَنْظُرُ إلَى فَرْجِهَا بِشَهْوَةٍ حَتَّى يُمَلِّكَ فَرْجَ الْأُخْرَى غَيْرَهُ بِمِلْكٍ أَوْ نِكَاحٍ أَوْ يُعْتِقَهَا ۔ا

عدت گزارنے کے دوران زید اپنی بیوی سے وطی نہیں کرسکتا اور نہ دواعی وطی کرسکتا ہے۔

ترجمہ :۳ بخلاف حیض کی حالت اور روزے کی حالت کے [ان دونوں میں وطی نہیں کرسکتا، لیکن دواعی وطی کرسکتا ہے]اس لئے کہ حیض آدھی عمر تک لمبا ہوتا ہے، اور فرض روزہ ایک ماہ لمبا ہوتا ہے، اور نفل عمر کے اکثر حصے تک [لمبا ہوتا ہے] اس لئے یہاں دواعی وطی سے روکنے سے بعض حرج ہوگا، اور انکے علاوہ جو گنایا اس میں یہ بات نہیں ہے، اس لئے کہ اس کی مدت کم ہے، اور صحیح روایت میں یہ ہے کہ حضور روزے کی حالت میں بوسہ لیا کرتے اور حیض کی حالت میں بیوی کے ساتھ لیٹتے تھے

تشریح :حیض کی حالت اور روزے کی حالت میں بیوی سے وطی حرام ہے، لیکن دواعی وطی جائز ہے۔

وجہ :(۱) اس لئے کہ ہر ماہ کے دس دن حیض آتا ہے، اب اگر دواعی سے بھی روک دیا جائے تو آدمی پر حرج ہوگا۔ اسی طرح ایک ماہ فرض روزہ ہوتا ہے۔ اور نفلی روزہ ساری زندگی ہوسکتی ہے، اس لئے دواعی سے بھی روک دیا جائے تو حرج ہوگا اس لئے ان دونوں میں وطی تو حرام ہے، لیکن دواعی وطی جائز ہے (۲) حدیث میں ہے کہ روزے کی حالت میں حضور بیوی کا بوسہ لیتے تھے، حدیث یہ ہے۔ **عن عائشہؓ قالت کان النبی ﷺ یقبل و یباشر و ھو صائم و کان املک کم لاربہ ۔** (بخاری شریف، باب المباشرۃ للصائم، ص ۳۰۹، نمبر ۱۹۲۷) (۳) اور حیض کی حالت میں مباشرت کرتے تھے اس کے لئے حدیث یہ ہے۔ **سمعت میمونۃ تقول کان رسول اللہ ﷺ اذا اراد ان یباشر امراۃ من نسائہ امر ھا فاتزرت و ھی حائض ۔** (بخاری شریف، باب باشرۃ الحائض، ص ۵۳، نمبر ۳۰۳)

لغت :لقصور مددھا: اس کی لمبائی کے کم ہونے کی وجہ سے، یعنی استبراء میں، ظہار میں اعتکاف میں، احرام میں، وطی بالشبہ میں مدت کم ہوتی ہے اس لئے اس میں دواعی سے بھی روک دیا جائے تو حرج نہیں ہے۔

ترجمہ :(۳۱۷) جسکی دو باندیاں ہوں اور دونوں آپس میں بہنیں ہوں پس دونو کو شہوت سے بوسہ لے لیا تو اب دونوں میں سے کسی ایک سے نہ جماع کرسکتا ہے، اور نہ بوسہ لے سکتا ہے، اور نہ شہوت سے چھو سکتا ہے، اور نہ اس کی شرمگاہ کو شہوت سے دیکھ سکتا، یہاں تک کہ دوسرے کو شرمگاہ کا مالک بنادے، یا ملک کے ذریعہ، یا نکاح کے ذریعہ، یا اس کو آزاد کردے۔

ترجمہ :ا اس کا اصل قاعدہ یہ ہے کہ دونوں مملوک باندیوں کو وطی کے ذریعہ جمع کرنا جائز نہیں ہے اللہ تعالی کا قول ان تجمعوا

وَأَصْلُ هَذَا أَنَّ الْجَمْعَ بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ الْمَمْلُوكَتَيْنِ لَا يَجُوزُ وَطْئًا لِإِطْلَاقِ قَوْلِه تَعَالَى ﴿وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ﴾ [النسا: ٢٣] ٢ وَلَا يُعَارَضُ بِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ [النسا: ٣]؛ لِأَنَّ التَّرْجِيحَ لِلْمُحَرِّمِ، ٣ وَكَذَا لَا يَجُوزُ الْجَمْعُ بَيْنَهُمَا فِي الدَّوَاعِي لِإِطْلَاقِ النَّصِّ، ٤ وَلِأَنَّ الدَّوَاعِيَ إِلَى الْوَطْءِ بِمَنْزِلَةِ الْوَطْءِ فِي التَّحْرِيمِ عَلَى مَا مَهَّدْنَاهُ مِنْ قَبْلُ، فَإِذَا قَبَّلَهُمَا فَكَأَنَّهُ وَطِئَهُمَا، وَلَوْ وَطِئَهُمَا فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُجَامِعَ احْدَاهُمَا وَلَا أَنْ يَأْتِيَ بِالدَّوَاعِي

بین الاختین کی وجہ سے۔

تشریح : آیت میں ہے کہ دونوں بہنوں کونکاح کے ذریعہ، یاوطی کے ذریعہ جمع کرنا جائز نہیں ہے۔اس لئے اب دونوں باندیوں کو بوسہ دے دیا جو آپس میں بہنیں تھیں، تو جمع بین الاختین ہوگیا، اس لئے ایک بہن کی شرمگاہ کواپنے اوپر وطی کرنا، یا بوسہ لینا حرام قرار دے تب دوسری سے صحبت کرسکتا ہے، اورحرام قرار دینے کی صورت یہ ہے کہ ایک باندی کوآزاد کردے، یا اس کا نکاح کسی اور سے کردے، یااس کو بیچ دے تو جب اس کی شرمگاہ اس کے لئے حرام ہوجائے گی تو اب پہلی باندی سے صحبت کرسکتا ہے، یابوسہ وغیرہ لےسکتا ہے۔

وجه :(۱) آیت یہ ہے۔ حرمت علیکم امهاتکم .....و ان تجمعوا بین الاختین الا ما قد سلف ان الله کان غفورا رحیما (آیت۲۳،سورۃ النساء۴)اس آیت میں ہے کہ دونوں بہنوں نکاح میں یاوطی میں جمع کرنا جائز نہیں ہے

ترجمه :۲ اوراو ماملکت ایمانکم،آیت اس کے معارض نہیں ہے،اس لئے کہ حرام کوترجیح ہوتی ہے۔

تشریح :آیت۔و ان خفتم ان لا تقسطوا فی الیتمیٰ فانکحو ما طاب لکم من النساء مثنیٰ و ثلث و ربٰع فان خفتم الا تعدلوا فواحدة او ما ملکت ایمانکم ذالک ادنی ان لا تعولوا۔(آیت۳،سورۃ النساء۴) پہلی آیت کے معارض نہیں ہے، کیونکہ پہلی آیت میں دونوں بہنوں کوجمع کرنا حرام ہےاوراس آیت میں حلال کاصرف اشارہ ہے،اورقاعدہ یہ ہے کہ حرمت کوترجیح دی جاتی ہےاس لئے یہاں دونوں بہنوں کوجمع کرنا حرام ہوگا۔

ترجمه :۳ ایسے ہی دونوں کو کےساتھ وطی کی دواعی بھی جائز نہیں ہوگی، کیونکہ آیت مطلق ہے۔

تشریح :آیت کےاشارے سے پتہ چلتا ہے کہ جس طرح دونوں بہنوں سے وطی حرام ہےاسی طرح دونوں سے وطی کے دواعی بھی حرام ہیں، کیونکہ آیت مطلق ہےاس لئے وطی کے دواعی بھی اس میں شامل ہوں گے۔

ترجمه :۴ اوراس لئے کہ دواعی وطی تک پہونچانے والی ہے،اس لئےحرام ہونے میں وطی کے درجے میں ہے،جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا[کہ حرام تک پہونچانے والی چیز بھی حرام ہوتی ہے] پس جب دونوں باندیوں کو بوسہ لیا تو گویا کہ دونوں سے وطی کی، پس اگر دونوں سے وطی کی تو دونوں میں سے ایک سے وطی کرنا جائز نہیں ہے،اورنہ دواعی وطی کرنا جائز ہے،

فِيهِمَا، فَكَذَا إِذَا قَبَّلَهُمَا وَكَذَا إِذَا مَسَّهُمَا بِشَهْوَةٍ أَوْ نَظَرَ إِلَى فَرْجِهِمَا بِشَهْوَةٍ لِمَا بَيَّنَّا إِلَّا أَنْ يُمَلِّكَ فَرْجَ الْأُخْرَى غَيْرَهُ بِمِلْكٍ أَوْ نِكَاحٍ أَوْ يُعْتِقَهَا؛ لِأَنَّهُ لَمَّا حَرُمَ عَلَيْهِ فَرْجُهَا لَمْ يَبْقَ جَامِعًا. ۵ وَقَوْلُهُ بِمِلْكٍ أَرَادَ بِهِ مِلْكَ يَمِينٍ فَيَنْتَظِمُ التَّمْلِيكُ بِسَائِرِ أَسْبَابِهِ بَيْعًا أَوْ غَيْرَهُ، ٦ وَتَمْلِيكُ الشِّقْصِ فِيهِ كَتَمْلِيكِ الْكُلِّ؛ لِأَنَّ الْوَطْيَ يَحْرُمُ بِهِ، وَكَذَا اعْتَاقُ الْبَعْضِ مِنْ احْدَاهُمَا كَاعْتَاقِ كُلِّهَا، وَكَذَا الْكِتَابَةُ كَالْإِعْتَاقِ فِي هَذَا لِثُبُوتِ حُرْمَةِ الْوَطْيِ بِذَلِكَ

تو ایسے ہی جب دونوں کو بوسہ دیا، یا دونوں کو شہوت سے چھویا، یا دونوں کے فرج کو شہوت سے دیکھا، [تو دونوں حرام ہوگئیں] مگر یہ کہ مگر یہ کہ دوسری باندی کی فرج کو دوسرے کو مالک بنا دے، مالک بنا کر، یا نکاح کر دے، یا آزاد کر دے، اس لئے کہ جب آقا پر فرج حرام ہوگئی تو اب جمع کرنے والا باقی نہیں رہا۔

تشریح: یہاں دو باتیں بیان کر رہے ہیں [۱] ایک بات یہ بیان کر رہے ہیں کہ دواعی وطی وطی تک پہونچانے والی ہے دواعی وطی بھی حرام ہیں، اور دواعی وطی میں سے کوئی ایک کر لی، مثلا شہوت سے دونوں کو بوسہ لے لیا تو گویا کہ دونوں سے وطی کر لی، اب جب تک ایک کو اپنے اوپر حرام نہیں کرے گا دوسری سے وطی کرنا یا دواعی وطی کرنا حرام رہے گا۔ [۲] دوسری بات یہ بتاتے ہیں کہ ایک باندی کو اپنے اوپر حرام کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو آزاد کر دے، یا اس کی دوسرے سے نکاح کر دے، یا اس کو بیچ دے تو اب اس باندی سے وطی نہیں کر سکتا ہے اس لئے جو باندی اس کے پاس ہے اس سے وطی کرنا حلال ہو جائے گا۔

لغت: مھدنا: ہم نے تیار کیا، اس سے مراد ہے کہ حرام کی طرف پہونچانے والی چیز بھی حرام ہوگی۔

ترجمہ: ۵ متن میں بملک، کہا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ کسی کو مالک بنا دے، اس میں مالک بنانے کی تمام صورتیں شامل ہیں، بیچنا ہو یا اس کے علاوہ ہو۔

تشریح: متن میں بملک، کہا ہے، یعنی ایک باندی کی شرمگاہ کو کسی کی ملکیت میں دے دے، اس ملک میں دینے کی صورت یہ ہے کہ باندی کو بیچ دے، یا ہبہ کر دے وغیرہ۔

ترجمہ: ٦ باندی کے ایک حصے کو مالک بنانا بھی کل کے مالک بنانے کی طرح ہے اس لئے کہ اس سے آقا کے لئے وطی حرام ہو جاتی ہے، ایسے ہی بعض حصے کو آزاد کرنا کل کے آزاد کرنے کی طرح ہے، ایسے ہی مکاتب بنانا بھی آزاد کرنے کی طرح ہے، کیونکہ ان تمام طریقوں سے وطی حرام ہو جاتی ہے۔

تشریح: [۱] باندی کے آدھے حصے کو بیچ دے تب بھی آقا کے لئے اس سے وطی کرنا حرام ہو جاتا ہے اس لئے آدھی ملکیت سے نکل جائے تب بھی پوری باندی کے نکلنے کی طرح ہے۔ [۲] بعض حصے کو آزاد کر دے تب بھی اس باندی سے وطی نہیں کر سکتا، اس لئے آدھی باندی کو آزاد کرنا پوری باندی کو آزاد کرنے کی طرح ہے۔ [۳] باندی کو مکاتب بنانے سے اس سے وطی

كُلِّهِ، ۷ وَبِرَهْنِ احْدَاهُمَا وَاِجَارَتِهَا وَتَدْبِيرِهَا لَا تَحِلُّ الْأُخْرَى؛ أَلَا يَرَى أَنَّهَا لَا تَخْرُجُ بِهَا عَنْ مِلْكِهِ، ۸ وَقَوْلُهُ أَوْ نِكَاحٍ أَرَادَ بِهِ النِّكَاحَ الصَّحِيحَ. أَمَّا إِذَا زَوَّجَ احْدَاهُمَا نِكَاحًا فَاسِدًا لَا يُبَاحُ لَهُ وَطْيُ الْأُخْرَى إِلَّا أَنْ يَدْخُلَ الزَّوْجُ بِهَا فِيهِ؛ لِأَنَّهُ يَجِبُ الْعِدَّةُ عَلَيْهَا، وَالْعِدَّةُ كَالنِّكَاحِ الصَّحِيحِ فِي التَّحْرِيمِ. ۹ وَلَوْ وَطِيَ احْدَاهُمَا حَلَّ لَهُ وَطْيُ الْمَوْطُوْءَةِ دُونَ الْأُخْرَى؛ لِأَنَّهُ يَصِيرُ جَامِعًا بِوَطْيِ الْأُخْرَى لَا بِوَطْءِ الْمَوْطُوْءَةِ. س ۱۰ وَكُلُّ امْرَأَتَيْنِ لَا يَجُوزُ الْجَمْعُ بَيْنَهُمَا نِكَاحًا

نہیں کرسکتا اس لئے مکاتب بنانا بھی آزاد کرنے کی طرح ہے۔اس لئے ان تینوں صورتوں سے بھی وطی حرام ہو جائے گی۔

ترجمہ : ۷ ایک باندی کو رہن پر رکھ دیا، یا اجرت پر رکھ دی، یا مدبر بنا دیا تو دوسری حلال نہیں ہوگی، اس لئے کہ ان تینوں چیزوں سے ملکیت سے نہیں نکلتی۔

اصول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ایک باندی کی شرمگاہ حرام نہیں ہوئی تو دوسری سے وطی کرنا حلال نہیں ہوگا۔

تشریح : باندی کو رہن پر رکھ دینے سے باندی آقا کی ملکیت سے نہیں نکلتی اور نہ اس کے لئے وطی کرنا حرام ہوتا ہے اس لئے رہن پر رکھنے سے دوسری باندی سے وطی کرنا حلال نہیں ہوگا۔اسی طرح باندی کو اجرت پر رکھنے سے اس سے وطی کرنا حرام نہیں ہوتا اس لئے اس سے دوسری باندی حلال نہیں ہوگی، باندی کو مدبر بنا دیا تو ابھی اس میں آزادگی نہیں آئی ہے، بلکہ آقا کے مرنے کے بعد آزادگی آئے گی، اسلئے اس سے وطی کرنا حرام نہیں ہوا اس لئے ان صورتوں میں دوسری باندی سے وطی حلال نہیں ہوگی

ترجمہ : ۸ متن میں یہ قول ,او نکاح، اس سے صحیح نکاح مراد ہے، اس لئے کہ اگر ایک باندی کا نکاح فاسد کرا دیا تو اس کے لئے دوسرے سے وطی کرنا حلال نہیں ہوگا، مگر یہ ہے کہ شوہر اس سے دخول کر لے اس لئے اس سے باندی پر عدت واجب، اور عدت گزارنا حرام ہونے میں صحیح نکاح کی طرح ہے۔

تشریح : متن میں جو کہا کہ ایک باندی کا نکاح کرا دے اور اس کی شرمگاہ کو اپنے اوپر حرام کرلے، تو اس سے مقصد یہ ہے کہ صحیح نکاح کرا دے۔لیکن اگر فاسد نکاح کرا دیا تو اس سے دوسری باندی سے وطی حلان نہیں ہوگی، ہاں فاسد نکاح میں شوہر نے دخول کر دیا تو اب اس میں باندی پر عدت لازم ہو جائے گی، اور عدت کے زمانے میں شرمگاہ آقا کے لئے حرام ہو جاتی ہے اس لئے دوسری باندی سے وطی کرنا حلال ہوگا۔

ترجمہ : ۹ اگر دو باندیوں میں سے ایک سے وطی کی تو دوسرے سے وطی نہیں کرسکتا ہے اس لئے کہ دوسرے سے وطی کرنے سے وطی میں جمع کرنے والا ہو جائے گا، لیکن وطی کی ہوئی سے وطی کرنے میں جمع کرنے والا نہیں ہے۔

تشریح اگر ایک باندی سے وطی کی اور دوسرے سے نہیں کی تو اسی سے وطی کرتا رہے، کیونکہ اس میں جمع بین الاختین نہیں ہے

ترجمہ : ۱۰ ہر دو عورتیں جن کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہے تو وہ دو بہنوں کے درجے میں ہے۔

فِيمَا ذَكَرْنَاهُ بِمَنْزِلَةِ الْأُخْتَيْنِ. (٣١٨) قَالَ وَيُكْرَهُ أَنْ يُقَبِّلَ الرَّجُلُ فَمَ الرَّجُلِ أَوْ يَدَهُ أَوْ شَيْئًا مِنْهُ أَوْ يُعَانِقَهُ ١ وَذَكَرَ الطَّحَاوِيُّ أَنَّ هَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ. ٢ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: لَا بَأْسَ

تشریح : جن دوعورتوں کو نکاح میں جمع کرنا ناجائز ہے، جیسے بھتیجی اور پھوپھی، تو ایسی دوعورتیں آقا کی باندی ہوں، پس دونوں سے بوسہ لے لیا تو جب تک ایک کی شرمگاہ کو اپنے اوپر حرام نہ کرلے دوسری سے وطی کرنا جائز نہیں ہے۔

ترجمہ :(٣١٨) مرد مرد کے منہ کا بوسہ لے، یا اس کے ہاتھ کا بوسہ لے، یا ان میں سے کسی چیز کا بوسہ لے، یا اس سے معانقہ کرے یہ مکروہ ہے۔

ترجمہ :١ امام طحاویؒ نے ذکر کیا ہے کہ یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کا قول ہے۔

تشریح : مرد مرد کے منہ کا اس کے ہاتھ کا، یا کسی چیز کا بوسہ دے یہ مکروہ ہے، اسی طرح اس سے معانقہ کرے یہ مکروہ ہے۔ امام طحاویؒ نے فرمایا کہ یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کا قول ہے۔

وجہ : عن انس بن مالک قال قال رجل یا رسول الله الرجل من یلقی اخاه او صدیقه أینحنی له ؟ قال لا قال فیلتزمه و یقبله قال لا ، قال فأخذ بیده و یصافحه قال نعم ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی المصافحۃ، ص ٦١٨، نمبر ٢٧٢٨) اس حدیث میں ہے کہ نہ لپٹے اور نہ بوسہ دے۔(٢) نهی رسول الله عن عشرة .....و عن مکامعة الرجل الرجل بغیر شعار و عن مکامعة المرأة المرأة بغیر شعار . (ابو داود شریف، باب من کرہ لبس الحریر، ص ٥٧١، نمبر ٤٠٤٩) اس حدیث میں ہے کہ مکامعہ سے روکا یعنی معانقہ سے روکا ہے۔

ترجمہ :٢ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ بوسہ لینے اور معانقہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ کہ روایت ہے کہ حضرت جعفر جس وقت حبشہ آئے تو حضورؐ نے ان سے معانقہ کیا، اور آنکھوں کے درمیان میں بوسہ لیا۔

تشریح : حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ بوسہ لینے اور معانقہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وجہ :(١) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن الشعبی ان النبی ﷺ تلقی جعفر بن ابی طالب فالتزمه و قبل ما بین عینیه ۔(ابو داود شریف، باب قبلۃ ما بین العینین، ص ٧٣٢، نمبر ٥٢٢٠) اس حدیث میں ہے کہ آنکھ کے درمیان بوسہ لے۔(٢) عن عائشة قالت قدم زید بن حارثة المدینة و رسول الله فی بیتی فاتاه فقرع الباب فقام الیه رسول الله ﷺ عریانا یجر ثوبه و الله ما رأیته عریانا قبله و لا بعده فاعتنقه و قبله ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی المعانقۃ، والقبلۃ، ص ٦١٩، نمبر ٢٧٣٢) اس حدیث میں ہے کہ معانقہ کرے اور بوسہ دے۔(٣) ان عبد الله بن عمر حدثه و ذکر قصته قال فدنونا یعنی من النبی ﷺ فقبلنا یده ۔(ابو داود شریف، باب قبلۃ الید، ص ٧٣٣، نمبر ٥٢٢٣) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ کا ہاتھ کا بوسہ دیا۔(٤) قال ریت ابا نضرة قبل خدالحسینؓ (ابو داود شریف، باب قبلۃ الخد، ص ٧٣٢، نمبر ٥٢٢١) اس عمل صحابی میں ہے کہ گال کا بوسہ دیا۔(٥) اور ہونٹ کو بوسہ لینے کی حدیث یہ ہے۔

بِالتَّقْبِيلِ وَالْمُعَانَقَةِ لِمَا رُوِىَ أَنَّ النَّبِيَّ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – عَانَقَ جَعْفَرًا – رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ – حِينَ قَدِمَ مِنَ الْحَبْشَةِ وَقَبَّلَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ ۳ وَلَهُمَا مَا رُوِىَ أَنَّ النَّبِيَّ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – نَهَى عَنِ الْمُكَامَعَةِ وَهِيَ الْمُعَانَقَةُ، وَعَنِ الْمُكَاعَمَةِ وَهِيَ التَّقْبِيلُ . وَمَا رَوَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى مَا قَبْلَ التَّحْرِيمِ. ۴ ثم قَالُوا: الْخِلَافُ فِي الْمُعَانَقَةِ فِي ازَارٍ وَاحِدٍ، أَمَّا إِذَا كَانَ عَلَيْهِ قَمِيصٌ أَوْ جُبَّةٌ فَلَا بَأْسَ بِهَا بِالْإِجْمَاعِ وَهُوَ الصَّحِيحُ. (۳۱۹) قَالَ وَلَا بَأْسَ بِالْمُصَافَحَةِ ؛ ا لِأَنَّهُ هُوَ الْمُتَوَارَثُ. وَقَالَ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – مَنْ صَافَحَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ وَحَرَّكَ يَدَهُ تَنَاثَرَتْ ذُنُوبُهُ .

عن عبد الله بن جعفر قال لما قدم جعفر من الحبشة استقبله النبی و فقبل شفتیه۔(بیہقی فی شعب الایمان، باب فصل فی المصافحۃ، ج سادس، ص ۴۷۷، نمبر ۸۹۶۸) اس حدیث میں ہے کہ ہونٹ کا بوسہ دیا۔

ترجمہ :۳ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل جو روایت کی حضورؐ مکامعہ سے منع فرمایا اور وہ معانقہ ہے، اور مکاعمۃ سے منع فرمایا اور وہ بوسہ لینا ہے، اور امام ابو یوسفؒ نے جو روایت کی ہے حرام ہونے سے پہلے کی بات ہے۔

تشریح طرفین کی دلیل یہ حدیث ہے جس میں حضورؐ نے مکامعہ سے روکا، اور مکامعہ کا معنی ہے معانقہ کرنا، یعنی حضورؐ نے معانقہ کرنے سے روکا اور مکاعمہ کا ترجمہ ہے بوسہ لینا، یعنی بوسہ لینے سے روکا۔ یہ روایت پہلے گزر چکی ہے

ترجمہ :۴ علماء نے فرمایا کہ اس صورت میں ہے کہ ایک ازار میں معانقہ ہو، لیکن اگر اس پر قمیص ہو یا جبہ ہو تو بالاجماع کوئی حرج نہیں ہے اور یہی روایت صحیح ہے۔

تشریح :اوپر کی روایت کی تاویل کی ہے کہ اگر مرد ایک ہی لنگی پہنے ہوا ہو تو معانقہ کرنا مکروہ ہے، لیکن اگر لنگی کے ساتھ اوپر جبہ ہو یا قمیص ہو تو اب معانقہ کرنا مکروہ نہیں ہے، چنانچہ حدیث میں بھی اس کی صراحت ہے کہ اوپر دوسرا کپڑا نہ ہو تو ایسے معانقہ سے حضور نے منع فرمایا ہے۔

وجہ :حدیث یہ ہے۔نهى رسول الله عن عشرة .....و عن مكامعة الرجل الرجل بغير شعار و عن مكامعة المرأة المرأة بغير شعار . (ابوداود شریف، باب من کرہ لبس الحریر، ص ۵۷۱، نمبر ۴۰۴۹) اس حدیث میں ہے کہ بغیر کپڑے کے معانقہ ہو تو ممنوع ہے، جس کا مطلب یہ نکلا کہ کپڑے کے ساتھ ہو تو جائز ہے۔

ترجمہ :(۳۱۹) اور مصافحہ کرنے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

ترجمہ :ا کیونکہ توارث سے یہ بات آ رہی ہے، چنانچہ حضورؐ نے فرمایا کہ جو مسلمان بھائی سے مصافحہ کرے اور اس کے ہاتھ کو حرکت دے تو اس کا گناہ جھڑ جاتا ہے۔

﴿فَصلٌ فِي الْبَيْعِ﴾

(۳۲۰)قَالَ وَلَا بَأْسَ بِبَيْعِ السِّرْقِينِ، وَيُكْرَهُ بَيْعُ الْعَذِرَةِ ۱ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا يَجُوزُ بَيْعُ السِّرْقِينِ أَيْضًا؛ لِأَنَّهُ نَجِسُ الْعَيْنِ فَشَابَهَ الْعَذِرَةَ وَجِلْدَ الْمَيْتَةِ قَبْلَ الدِّبَاغِ. ۲ وَلَنَا أَنَّهُ مُنْتَفَعٌ بِهِ؛ لِأَنَّهُ يُلْقَى فِي الْأَرَاضِي لِاسْتِكْثَارِ الرِّيعِ فَكَانَ مَالًا، وَالْمَالُ مَحَلٌّ لِلْبَيْعِ.

وجه :صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن البراء قال قال رسول اللہ ﷺ ما من مسلمین یلتقیان فیتصافحان الا غفر لھما قبل ان یتفرقا ۔(ابوداود شریف، باب المصافحہ ،ص ۷۳۱، نمبر ۵۲۱۲رترمذی شریف، باب ما جاء فی المصافحۃ ،ص ۶۱۸ ،نمبر ۲۷۲۷) اس حدیث میں ہے کہ مصافحہ کرنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں ۔اوراس سے مصافحہ کا بھی ثبوت ہے۔

﴿فصل فی البیع﴾

ترجمہ:(۳۲۰) کوئی حرج کی بات نہیں ہے گوبر کے بیچنے میں، اور مکروہ ہے پیخانے کی بیع۔

تشریح :یہ مسئلہ اس اصول پر ہے جس نے گوبر کو مال سمجھا اس نے اس کو بیچنا جائز قرار دیا، اور جس نے اس کو مال نہیں سمجھا اس نے اس کو بیچنا جائز قرار نہیں دیا۔

وجہ:مولی ام سلمۃ او عائشۃ قالت رأیت سعدا یحمل مکتلا من عذرۃ الناس الی ارض لہ یقال لھا زغابۃ فقلت لہ یا ابا اسحاق !اتحمل ھذا ؟قال ان مکتل عرۃ مکتل حب ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،باب من رخص فی ذالک[ای العذرۃ] ،ج رابع ،ص ۴۸۸ ،نمبر ۲۲۳۶۰)اس عمل تابعی میں ہے کہ پیخانہ کو زمین میں ڈال سکتا ہے اور اسی پر گوبر کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔

ترجمہ : ۱ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ گوبر کی بیع بھی جائز نہیں ہے اس لئے کہ وہ نجس العین ہے، اس لئے وہ پیخانے کے مشابہ ہو گیا اور دباغت سے پہلے مردار کی کھال کے مشابہ ہو گیا۔

تشریح:امام شافعیؒ کے یہاں گوبر کی بیع بھی جائز نہیں ہے کیونکہ وہ نجس العین ہے، اس لئے وہ پیخانے کے مشابہ ہو گیا، اور دباغت سے پہلے مرادر کی کھال کے مشابہ ہو گیا۔

ترجمہ :۲ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ گوبر سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، اس لئے غلہ کی زیادتی کے لئے زمین میں ڈالی جاتی ہے، اس لئے وہ مال ہو گیا اور مال بیع کا محل ہے

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے کہ گوبر کو غلہ زیادہ ہونے کے لئے زمین میں ڈالتے ہیں اس لئے وہ مال ہو گیا اس لئے اس لئے

٣؎ بِخِلَافِ الْعَذِرَةِ؛ لِأَنَّهُ لا يُنْتَفَعُ بِهَا إِلَّا مَخْلُوطًا. وَيَجُوزُ بَيْعُ الْمَخْلُوطِ هُوَ الْمَرْوِيُّ عَنْ مُحَمَّدٍ وَهُوَ الصَّحِيحُ. وَكَذَا يَجُوزُ الِانْتِفَاعُ بِالْمَخْلُوطِ لا بِغَيْرِ الْمَخْلُوطِ فِي الصَّحِيحِ، وَالْمَخْلُوطُ بِمَنْزِلَةِ زَيْتٍ خَالَطَتْهُ النَّجَاسَةُ. (٣٢١) قَالَ وَمَنْ عَلِمَ بِجَارِيَةٍ أَنَّهَا لِرَجُلٍ فَرَأَى آخَرَ يَبِيعُهَا وَقَالَ وَكَّلَنِي صَاحِبُهَا بِبَيْعِهَا فَإِنَّهُ يَسَعُهُ أَنَّهُ يَبْتَاعُهَا وَيَطَأُهَا؛ ١؎ لِأَنَّهُ أَخْبَرَ بِخَبَرٍ صَحِيحٍ لا مُنَازِعَ لَهُ، وَقَوْلُ الْوَاحِدِ فِي الْمُعَامَلَاتِ مَقْبُولٌ عَلَى أَيِّ وَصْفٍ كَانَ لِمَا مَرَّ مِنْ

اس کی بیع بھی جائز ہوگی۔

لغت: سرقین: گوبر۔عذرۃ: پیخانہ۔ریع غلہ،کاشتکاری۔

ترجمہ: ٣؎ بخلاف پیخانہ کےاسلئے کہ مٹی میں ملانے کے بعداس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے،اور مٹی میں ملا ہو پیخانہ کی بیع جائز ہے،حضرت امام محمدؒ سے یہی روایت ہےاور یہی صحیح ہے،ایسے ملائے ہوئے سے فائدہ اٹھانا جائز ہے،بغیر ملائے ہوئے سے فائدہ اٹھانا درست نہیں ہے،اور مٹی میں ملا دینے کے بعدایسا ہوگیا کہ زیتون کے تیل میں ناپا کی مل گئی

تشریح: یہاں دو باتیں ہیں[١] ایک ہے پیخانہ کو بیچنا،[٢] اور دوسرا ہےاس سے فائدہ اٹھانا۔دونوں صورتوں میں مٹی میں ملا دینے کے بعداس کو بیچ بھی سکتا ہےاوراس سے فائدہ بھی اٹھا سکتا ہے،بغیر ملائے نہ بیچ سکتا ہےاور نہ فائدہ اٹھا سکتا ہے،یہی امام محمدؒ سے روایت ہے،اور یہی صحیح ہے،یہ ایسا ہوگیا کہ زیتون کا تیل نجاست میں مل جائے تو اس کو بیچنا جائز ہے،اسی طرح پیخانہ کو بھی بیچنا جائز ہے۔

ترجمہ: (٣٢١) جو جانتا ہے کہ یہ باندی ایک آدمی کی ہےاور دوسرا آدمی اس کو بیچ رہا ہے،اور وہ کہتا ہے کہ باندی کے مالک نے مجھے بیچنے کا وکیل بنایا ہے،تو اس کے لئے گنجائش ہے کہ اس کو خرید لےاوراس سے وطی کرے۔

ترجمہ: ١؎ اس لئے کہ صحیح خبر دی،اوراس کا کوئی معارض نہیں ہے،اور معاملات میں ایک آدمی کی خبر مقبول ہے چاہے جس طرح بھی ہو،جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

اصول: یہاں چند مسئلے ہیں جنکا اصول یہ ہے کہ قرائن،یا دلائل کے ذریعہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ سچ کہہ رہا ہےتو اس پر عمل کرنا جائز ہے۔

تشریح: مثلا خالد کو معلوم ہے کہ یہ باندی زید کی ہےاور عمر یہ کہہ رہا ہے کہ مجھے زید نے بیچنے کا وکیل بنایا ہے تو خالد کے لئے جائز ہے کہ باندی کو خرید لے،اوراس سے وطی بھی کرلے۔

وجہ: عمر عاقل،بالغ اور آزاد آدمی ہےاس لئے اس کی بات ثقہ ہےاوراس کے خلاف کوئی قرینہ نہیں ہےاس لئے اس کی خبر پر یقین کر کے خریدنا بھی جائز ہےاوراس کو استعمال کرنا بھی جائز ہے۔

قَبْلُ. ٢ وَكَذَا إذَا قَالَ اشْتَرَيْتهَا مِنْهُ أَوْ وَهَبَهَا لِي أَوْ تَصَدَّقَ بِهَا عَلَيَّ لِمَا قُلْنَا. وَهَذَا إذَا كَانَ ثِقَةً. ٣ وَكَذَا إذَا كَانَ غَيْرَ ثِقَةٍ، وَأَكْبَرُ رَأْيِهِ أَنَّهُ صَادِقٌ؛ لِأَنَّ عَدَالَةَ الْمُخْبِرِ فِي الْمُعَامَلَاتِ غَيْرُ لَازِمَةٍ لِلْحَاجَةِ عَلَى مَا مَرَّ، وَإِنْ كَانَ أَكْبَرُ رَأْيِهِ أَنَّهُ كَاذِبٌ لَمْ يَسَعْ لَهُ أَنْ يَتَعَرَّضَ لِشَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ؛ لِأَنَّ أَكْبَرَ الرَّأْيِ يُقَامُ مَقَامَ الْيَقِينِ. ٤ وَكَذَا إذَا لَمْ يَعْلَمْ أَنَّهَا لِفُلَانٍ، وَلَكِنْ أَخْبَرَهُ صَاحِبُ الْيَدِ أَنَّهَا لِفُلَانٍ، وَأَنَّهُ وَكَّلَهُ بِبَيْعِهَا أَوْ اشْتَرَاهَا مِنْهُ، وَالْمُخْبِرُ ثِقَةٌ قُبِلَ قَوْلُهُ، وَإِنْ لَمْ

ترجمه : ٢ ایسے ہی اگر کہا کہ میں نے باندی مالک سے خریدی ہے، یا اس نے مجھکو ہبہ کیا ہے، یا مجھ پر صدقہ کیا ہے، یہ جب ہے کہ آدمی ثقہ ہو۔

تشریح : پہلے یہ کہا تھا کہ مجھے بیچنے کا وکیل بنایا ہے، اب یہ کہہ رہا ہے کہ باندی کو زید سے خریدا ہے، یا اس نے مجھے ہبہ کیا ہے، یا مجھ پر صدقہ کیا ہے تب بھی خالد کے لئے یہ جائز ہے کہ باندی اس سے خرید لے، اس لئے کہ یہ ثقہ کی خبر ہے، جو معاملات میں مقبول ہے۔

ترجمه : ٣ ایسے ہی اگر ثقہ نہ ہو لیکن غالب گمان یہ ہو کہ یہ سچا ہے [تو بھی باندی خرید سکتا ہے] اس لئے کہ ضرورت کی بنا پر معاملات میں خبر دینے والے کا عادل ہونا لازم نہیں ہے۔

تشریح : آدمی ثقہ نہیں ہے، لیکن حالات دیکھ کر غالب گمان یہ ہو کہ یہ سچ کہہ رہا ہے تو اس سے باندی کا خریدنا جائز ہے، اس لئے کہ معاملات میں خبر دینے والے کا عادل ہونا ضروری نہیں ہے۔

ترجمه ٤ اور اکبر رائے یہ ہو کہ وہ جھوٹا ہے تو یہ سب کرنے کی گنجائش نہیں ہے، اسلئے کہ اکبر رائے یقین کے قائم مقام ہے

تشریح : اگر غالب گمان یہ ہے کہ یہ آدمی جھوٹا ہے تو پھر اس آدمی سے باندی خریدنے کی گنجائش نہیں ہے، اور نہ اس سے وطی کرنا جائز ہے۔ یہاں غالب گمان کو ہی یقین کا درجہ دیا جائے گا۔

ترجمه : ٤ ایسے ہی خریدنے والے کو معلوم نہیں ہے کہ باندی فلاں کی ہے لیکن قبضے والے نے اس کو خبر دی کہ باندی فلاں کی ہے، اور اس نے اسکے بیچنے کا وکیل بنایا ہے، یا اس سے خرید لیا ہے، اور خبر دینے والا ثقہ ہے، تو اس کی بات قبول کی جائے گی، اور اگر ثقہ نہیں ہے تو غالب گمان کا اعتبار کیا جائے گا، اس لئے کہ اپنے حق میں اس کی بات حجت ہے۔

تشریح : خریدنے والے کو اس کا پتہ نہیں تھا کہ یہ باندی کس کی ہے، لیکن باندی بیچنے والے نے خود ہی کہا کہ یہ باندی مثلا زید کی ہے، آگے کہتا ہے کہ مجھے اس باندی کو بیچنے کا وکیل بنایا ہے، یا میں نے اس سے خرید لیا ہے، اور ابھی بیچ رہا ہوں، تو خبر دینے والا ثقہ ہے تو اس کی بات مان لی جائے گی، اور اگر ثقہ نہیں ہے تو غالب گمان کا اعتبار کیا جائے گا۔

وجه : یہاں ایک بات مالک کے بارے میں کہہ رہا کہ اس کی باندی ہے، اس بات کو مان لی جائے گی، اور دوسری بات اپنے

يَكُنْ ثِقَةً يُعْتَبَرُ أَكْبَرُ رَأْيِهِ؛ لِأَنَّ أَخْبَارَهُ حُجَّةٌ فِي حَقِّهِ، ۵ وَإِنْ لَمْ يُخْبِرْهُ صَاحِبُ الْيَدِ بِشَيْءٍ. فَإِنْ كَانَ عَرَّفَهَا لِلْأَوَّلِ لَمْ يَشْتَرِهَا حَتَّى يَعْلَمَ انْتِقَالَهَا إِلَى مِلْكِ الثَّانِي؛ لِأَنَّ يَدَ الْأَوَّلِ دَلِيلُ مِلْكِهِ، ٦ وَإِنْ كَانَ لَا يَعْرِفُ ذَلِكَ لَهُ أَنْ يَشْتَرِيَهَا وَإِنْ كَانَ ذُو الْيَدِ فَاسِقًا؛ لِأَنَّ يَدَ الْفَاسِقِ دَلِيلُ الْمِلْكِ فِي حَقِّ الْفَاسِقِ وَالْعَدْلِ وَلَمْ يُعَارِضْهُ مُعَارِضٌ، وَلَا مُعْتَبَرَ بِأَكْبَرِ الرَّأْيِ عِنْدَ وُجُودِ الدَّلِيلِ الظَّاهِرِ ۷ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مِثْلُهُ لَا يَمْلِكُ مِثْلَ ذَلِكَ، فَحِينَئِذٍ يُسْتَحَبُّ لَهُ أَنْ يَتَنَزَّهَ، وَمَعَ ذَلِكَ لَوِ اشْتَرَاهَا يُرْجَى أَنْ يَكُونَ فِي سَعَةٍ مِنْ ذَلِكَ لِاعْتِمَادِهِ الدَّلِيلَ الشَّرْعِيَّ.

بارے میں کہہ رہا ہے کہ اس نے مجھکو وکیل بنایا ہے، یہ بات خود کے بارے میں کہہ رہا ہے اس لئے ثقہ ہوگا تو مانی جائے گی ورنہ نہیں، یا غالب گمان ہو کہ سچ کہہ رہا ہے تو مانی جائے گی ورنہ نہیں۔

ترجمہ: ۵ باندی پر قبضے والے نے کسی چیز کی خبر نہیں دی، پس پہچان لیا کہ یہ باندی فلاں کی ہے تو اس کو نہ خریدے، جب تک یہ جان نہ لے کہ دوسرے کی طرف کس طرح منتقل ہوئی ہے، اس لئے کہ پہلے کا قبضہ اس کی ملک ہونے کی دلیل ہے۔

تشریح: باندی بیچنے والے نے کچھ نہیں بتایا، لیکن خریدنے والا جانتا تھا کہ یہ باندی زید کی ہے تو جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ باندی اس بیچنے والے کے پاس کس طرح آئی ہے، اس وقت تک اس سے نہ خریدے، کیونکہ جب یہ باندی زید کی تھی تو یہ اس کی ملکیت کی دلیل ہے اس لئے اس سے منتقل ہونے کا سبب معلوم ہونا چاہئے۔

ترجمہ: ٦ اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ باندی کس کی ہے تو اس کے لئے گنجائش ہے کہ اس کو خرید لے چاہے قبضہ والا فاسق کیوں نہ ہو اس لئے کہ فاسق کا قبضہ بھی اس کی ملکیت کی دلیل ہے، اور اس کے معارض کوئی چیز نہیں ہے، اور دلیل ظاہر کے وقت غالب گمان کا اعتبار نہیں ہے۔

تشریح: خریدنے والے کو یہ معلوم نہیں ہے کہ یہ باندی کس کی ہے، اور بیچنے والے نے بھی نہیں بتایا کہ کسکی ہے تو جسکے قبضے میں ہے اسی کی سمجھ کر اس کو خرید لینا جائز ہے، چاہے قبضے والا فاسق کیوں نہ ہو۔

وجہ: قبضہ ہونا اس آدمی کی ملکیت ہونے کی ظاہری دلیل ہے، چاہے وہ آدمی فاسق ہو یا عادل ہو، اس لئے کہ ظاہری دلیل ہوتے ہوئے غالب گمان کی طرف جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: ۷ مگر ایسی مبیع اس جیسے کی ملکیت میں ہونا مشکل ہو تو اس وقت مستحب یہ ہے کہ پرہیز کرے، اس کے باوجود اگر خرید لیا تو امید یہ ہے کہ اس کی گنجائش ہوگی اس لئے کہ دلیل شرعی پر اعتماد ہے۔

تشریح: ایک آدمی ایسی چیز بیچ رہا ہے جو اس کی شایان شان نہیں ہے، تو شک ہو جاتا ہے کہ اس کی چیز ہے یا نہیں، اس لئے یہاں خریدنے میں احتیاط کرنا چاہئے مثلا فقیر آدمی موتی بیچ رہا ہے، تو لگتا ہے کہ اس کی موتی نہیں اس لئے پرہیز کرنا چاہئے،

٨ وَإِنْ كَـانَ الَّـذِي أَتَاهُ بِهَا عَبْدًا أَوْ أَمَةً لَمْ يَقْبَلْهَا وَلَمْ يَشْتَرِهَا حَتَّى يَسْأَلَ؛ لِأَنَّ الْمَمْلُوكَ لَا مِلْكَ لَهُ فَيَعْلَمُ أَنَّ الْمِلْكَ فِيهَا لِغَيْرِهِ، فَإِنْ أَخْبَرَهُ أَنَّ مَوْلَاهُ أَذِنَ لَهُ وَهُوَ ثِقَةٌ قُبِلَ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ ثِقَةً يُعْتَبَرُ أَكْبَرُ الرَّأْيِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ رَأْيٌ لَمْ يَشْتَرِهَا لِقِيَامِ الْحَاجِرِ فَلَا بُدَّ مِنْ دَلِيلٍ. (٣٢٢) قَالَ وَلَوْ أَنَّ امْرَأَةً أَخْبَرَهَا ثِقَةٌ أَنَّ زَوْجَهَا الْغَائِبَ مَاتَ عَنْهَا، أَوْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا أَوْ كَانَ غَيْرَ ثِقَةٍ وَأَتَاهَا بِكِتَابٍ مِنْ زَوْجِهَا بِالطَّلَاقِ، وَلَا تَدْرِي أَنَّهُ كِتَابُهُ أَمْ لَا. إِلَّا أَنَّ أَكْبَرَ رَأْيِهَا أَنَّهُ حَقٌّ(يَعْنِي بَعْدَ التَّحَرِّي) فَلَا بَأْسَ بِأَنْ تَعْتَدَّ ثُمَّ تَتَزَوَّجَ؛ ا لِأَنَّ الْقَاطِعَ طَارِئٌ وَلَا مُنَازِعَ، ٢ وَكَذَا لَوْ قَالَتْ

لیکن اگر خرید لیا تو گنجائش ہے، کیونکہ فقیر آدمی مالک تو بن سکتا ہے، اسلئے ظاہری قبضہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ موتی اسی کی ہے

ترجمہ : ٨ جو باندی بیچ رہا ہے وہی خود غلام، یا باندی ہے تو باندی کو قبول نہ کرے اور نہ اس کو خریدے یہاں تک کہ پوچھے کہ اس کا مالک کون ہے اس لئے کہ مملوک کی ملکیت نہیں ہے، تو معلوم ہوا کہ اس میں کسی اور کی ملکیت ہے، پس اگر بتایا کہ آقا نے اس کے بیچنے کی اجازت دی ہے، اور غلام ثقہ ہے تو اس کی بات قبول کر لی جائے گی [اور باندی خرید لے گا] اور اگر غلام ثقہ نہیں ہے تو غالب گمان کا اعتبار کیا جائے گا، اور اگر غالب گمان بھی نہیں ہوا تو باندی کو نہ خریدے کیونکہ روکنے والی دلیل موجود ہے، اس لئے کسی دلیل کا ہونا ضروری ہے۔

تشریح: غلام آدمی باندی بیچ رہا ہے، تو غلام کسی چیز کا مالک نہیں بن سکتا اس لئے یہ طے ہے کہ یہ باندی اس کی نہیں ہے، اس لئے اس کو پوچھا جائے کہ آقا نے بیچنے کی اجازت دی ہے یا نہیں، اگر وہ ہاں کہے، اور غلام ثقہ ہے تو خرید لے، اور اگر ثقہ آدمی نہیں ہے، تو غالب گمان ہو کہ سچ بول رہا ہے تو باندی کو خرید لے، اور کسی طرف رائے نہیں بنی تو نہ خریدے، کیونکہ خریدنے کی کوئی دلیل نہیں ہے، اور آدمی غلام ہے، اس لئے نہ خریدے۔

لغت: لم یکن لہ رای: اس کی کوئی رائے نہیں بنی، تذبذب میں رہا۔ حاجز: روکنے والی چیز۔

ترجمہ: (٣٢٢) ایک عورت کو ثقہ آدمی نے خبر دی کہ اس کا غائب شوہر مر چکا ہے، یا اس نے تین طلاقیں دی ہیں، یا وہ آدمی ثقہ نہیں تھا لیکن شوہر کی جانب سے طلاق کا خط لایا، لیکن بیوی کو اس علم نہیں ہے کہ اس کا خط ہے یا نہیں لیکن اس کا غالب گمان یہ ہے کہ وہ آدمی سچ کہہ رہا ہے تو ان تینوں صورتوں میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ عدت گزارے، پھر نکاح کر لے۔

ترجمہ: ا اس لئے کہ قاطع طاری ہے، اور اس کے خلاف کوئی معارض نہیں ہے۔

اصول : یہاں دو منطقی محاورے ہیں [١] قاطع مقارن: ایک نکاح ہو چکا ہے، لیکن ایک آدمی کہہ رہا ہے کہ یہ نکاح شروع سے غلط ہے تو اس کا قاطع مقارن، کہتے ہیں، اس میں قاعدہ یہ ہے کہ قاطع مقارن کو ثابت کرنے کے لئے دو عادل آدمی کی گواہی چاہئے، اس کے بغیر وہ بات ثابت نہیں ہوگی۔ [٢] دوسرا ہے، قاطع طاری: یہ نہیں کہہ رہا ہے کہ پہلے سے ہی یہ نکاح غلط ہے،

لِرَجُلٍ طَلَّقَنِی زَوْجِی وَانْقَضَتْ عِدَّتِی فَلا بَأْسَ أَنْ یَتَزَوَّجَھَا. ۳؎ وَکَذَا إذَا قَالَتْ الْمُطَلَّقَةُ الثَّلاثُ انْقَضَتْ عِدَّتِی وَتَزَوَّجْتُ بِزَوْجٍ آخَرَ، وَدَخَلَ بِی ثُمَّ طَلَّقَنِی وَانْقَضَتْ عِدَّتِی فَلا بَأْسَ بِأَنْ یَتَزَوَّجَھَا الزَّوْجُ الْأَوَّلُ، ۴؎ وَکَذَا لَوْ قَالَتْ جَارِیَةٌ کُنْت أَمَةً لِفُلانٍ فَأَعْتَقَنِی؛ لِأَنَّ الْقَاطِعَ

بلکہ ابھی فلاں وجہ سے یہ نکاح ٹوٹا ہے، تو اس کو قاطع طاری، کہتے ہیں، اس میں ایک ثقہ آدمی خبر دے گا تو یہ ثابت ہو جائے گی، اس کے لئے دو عادل آدمی کی گواہی کی ضرورت نہیں ہے۔

تشریح : یہاں تین مسئلے ہیں [۱] ایک عورت کا شوہر غائب ہے، اس کے بارے میں ایک ثقہ آدمی خبر دے رہا ہے کہ وہ مر چکا ہے [۲] یا یہ خبر دی کہ اس نے تین طلاق دی دی ہے۔ [۳] یا وہ آدمی ثقہ تو نہیں ہے لیکن ایک خط لا کر دکھلایا جس میں طلاق لکھا ہوا تھا، لیکن عورت کو یہ پتہ نہیں ہے کہ یہ خط شوہر ہی کا ہے، لیکن غالب گمان ہے کہ یہ خط شوہر کا ہی ہے تو ان تینوں مسئلوں میں عورت کے لئے گنجائش ہے کہ عدت گزار کر دوسرا نکاح کر لے۔

وجہ :(۱) شوہر کا بالکل غائب ہونا مرنے اور طلاق دینے کا قرینہ ہے اور آدمی ثقہ ہے، اور یہاں ایک ثقہ آدمی کی خبر قابل قبول ہے اس لئے عورت کے لئے عدت گزارنے کی گنجائش ہے۔ (۲) یہاں یہ نہیں کہہ رہا ہے کہ نکاح ہی درست نہیں ہے، بلکہ یہ کہہ رہا ہے کہ اب طلاق واقع ہوئی ہے جو قاطع طاری ہے، جس میں ایک ثقہ آدمی کی خبر مانی جاتی ہے اس لئے ایک ثقہ کی خبر پر عدت گزار سکتی ہے۔

ترجمہ:۲؎ ایسے ہی عورت نے کہا کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق دی تھی اور میری عدت بھی گزر گئی تو اس سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے

تشریح: یہاں سے قاطع طاری پر تین مسئلے متفرع کر رہے ہیں [۱] ان میں سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ عورت نے کہا کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق دی تھی اور میری عدت بھی گزر گئی ہے، اور مرد کو غالب گمان یہ ہے کہ یہ سچ بول رہی ہے تو اس کے لئے اس سے نکاح کرنے کی گنجائش ہے، کیونکہ یہ قاطع طاری ہے، اور اس کے معارض کوئی دلیل بھی نہیں ہے۔

ترجمہ :۳؎ [یہ دوسرا مسئلہ ہے] ایسے ہی تین طلاق دی ہوئی عورت نے کہا کہ میری پہلی عدت ختم ہوئی اور میں دوسرے شوہر سے نکاح کیا، اس نے مجھ سے صحبت بھی کی پھر مجھ کو طلاق دی اور میری دوسری عدت بھی گزر گئی تو پہلے شوہر کے لئے کوئی حرج نہیں ہے کہ اس سے نکاح کر لے۔

وجہ :اتنا زمانہ گزر چکا ہو کہ یہ سب کام ہو سکتے ہیں اور غالب گمان ہو کہ یہ سچ کہہ رہی ہے تو اس کی بات مان کر پہلے شوہر کے لئے گنجائش ہے کہ اس عورت سے دوبارہ نکاح کر لے کیونکہ حلالہ ہو چکا ہے۔ (۲) یہ قاطع طاری ہے اس لئے ایک ثقہ عورت کی خبر بھی نکاح کرنے کے لئے کافی ہے۔

ترجمہ :۴؎ [یہ تیسرا مسئلہ ہے] ایسے ہی اگر باندی نے کہا کہ میں فلاں کی باندی تھی اس نے مجھے آزاد کر دیا[تو اس سے

طَارِءٌ. ۵؎ وَلَوْ أَخْبَرَهَا مُخْبِرٌ أَنَّ أَصْلَ النِّكَاحِ كَانَ فَاسِدًا أَوْ كَانَ الزَّوْجُ حِينَ تَزَوَّجَهَا مُرْتَدًّا أَوْ أَخَاهَا مِنْ الرَّضَاعَةِ لَمْ يُقْبَلْ قَوْلُهُ حَتَّى يَشْهَدَ بِذَلِكَ رَجُلَانِ أَوْ رَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ. ٦؎ وَكَذَا إذَا أَخْبَرَهُ مُخْبِرٌ أَنَّكَ تَزَوَّجْتَهَا وَهِيَ مُرْتَدَّةٌ أَوْ أُخْتُكَ مِنْ الرَّضَاعَةِ لَمْ يَتَزَوَّجْ بِأُخْتِهَا أَوْ أَرْبَعٍ سِوَاهَا حَتَّى يَشْهَدَ بِذَلِكَ عَدْلَانِ؛ لِأَنَّهُ أَخْبَرَ بِفَسَادٍ مُقَارِنٍ، وَالْإِقْدَامُ عَلَى الْعَقْدِ يَدُلُّ

نکاح کر لینا جائز ہے]

وجہ : یہ بھی قاطع طاری ہے، اور اس میں ثقہ باندی کی خبر بھی مقبول ہے اس لئے مرد کے لئے گنجائش ہے کہ اس آزاد شدہ باندی سے نکاح کر لے۔

ترجمہ :۵؎ اگر عورت کو خبر دینے والے نے خبر دی کہ اصل نکاح فاسد تھا، یا جس وقت نکاح کیا اس وقت شوہر مرتد تھا، یا وہ رضاعی بھائی تھا، تو اس کی بات قبول نہیں کی جائے گی، یہاں تک کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دے۔

تشریح : یہاں قاطع مقارن پر دو مسئلے متفرع کر رہے ہیں [۱] عورت کو کسی نے خبر دی کی اصل نکاح ہی فاسد تھا، یا اس عورت کو خبر دی کہ جس وقت نکاح کیا اس وقت شوہر مرتد تھا، یا وہ رضاعی بھائی تھا، جس کا مطلب یہ ہوا کہ شروع سے نکاح ہی درست نہیں ہوا تھا، تو اس کو ثابت کرنے کے لئے دو مرد کی گواہی چاہئے، یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی چاہئے۔

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح پر اقدام کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ نکاح درست ہے، اب اس نکاح کو رد کرنا چاہتا ہے تو یہ حقوق العباد ہے، اور حقوق العباد کو رد کرنے کے لئے پوری شہادت چاہئے [۲] دوسری وجہ یہ ہے قاطع مقارن ہے، یعنی شروع سے ہی نکاح کو غلط قرار دینا چاہتا ہے اس لئے بھی اس کے لئے پوری گواہی چاہئے تب نکاح کو فاسد قرار دیا جائے گا۔

ترجمہ :٦؎ ایسے ہی خبر دی کہ جس وقت عورت سے نکاح کیا تھا تو وہ مرتدہ تھی، یا رضاعی بہن تھی، تو اس کی بہن سے نکاح نہ کرے، یا اس کے علاوہ چار عورتوں سے نکاح نہ کرے یہاں تک کہ دو عادل آدمی گواہی دے، اس لئے کہ قاطع مقارن کی خبر دی ہے، اور نکاح کے عقد پر اقدام کرنا اس کی صحیح ہونے کی دلیل ہے، اور نکاح کے فاسد ہونے کا انکار ہے اس لئے ظاہر سے منازع ثابت ہو گیا، [اس لئے دو گواہ چاہئے]

تشریح : یہاں دو مسئلے ہیں [۱] ایک آدمی مرد کو خبر دیتا ہے کہ جس عورت سے نکاح کیا ہے وہ نکاح کے وقت مرتدہ تھی، یعنی نکاح درست نہیں تھا، [۲] یا وہ تمہاری رضاعی بہن ہے اس لئے یہ نکاح درست نہیں ہوا اس لئے اس کے علاوہ چار عورتوں سے نکاح کر سکتے ہو، اور چونکہ اس عورت سے نکاح ہوا ہی نہیں اس لئے اس کی بہن سے ابھی بھی نکاح کر سکتے ہو۔

وجہ : نکاح پر اقدام کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ نکاح صحیح ہے اس لئے اس کو فاسد کرنے کے لئے دو عادل آدمی کی گواہی چاہئے۔ (۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ قاطع مقارن ہے، یعنی شروع سے ہی نکاح فاسد کرنا چاہتا ہے، اس لئے اس کے لئے دو

عَلَى صِحَّتِهِ وَإِنكَارِ فَسَادِهِ فَثَبَتَ الْمُنَازِعُ بِالظَّاهِرِ، ٧ بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَتِ الْمَنْكُوحَةُ صَغِيرَةً فَأَخْبَرَ الزَّوْجُ أَنَّهَا ارْتَضَعَتْ مِنْ أُمِّهِ أَوْ أُخْتِهِ حَيْثُ يُقْبَلُ قَوْلُ الْوَاحِدِ فِيهِ؛ لِأَنَّ الْقَاطِعَ طَارِئٌ، وَالْإِقْدَامُ الْأَوَّلُ لَا يَدُلُّ عَلَى انْعِدَامِهِ فَلَمْ يَثْبُتِ الْمُنَازِعُ فَافْتَرَقَا، ٨ وَعَلَى هَذَا الْحَرْفِ يَدُورُ الْفَرْقُ. ٩ وَلَوْ كَانَتْ جَارِيَةً صَغِيرَةً لَا تُعَبِّرُ عَنْ نَفْسِهَا فِي يَدِ رَجُلٍ يَدَّعِي أَنَّهَا لَهُ فَلَمَّا كَبُرَتْ لَقِيَهَا رَجُلٌ فِي بَلَدٍ آخَرَ فَقَالَتْ أَنَا حُرَّةُ الْأَصْلِ لَمْ يَسَعْهُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا لِتَحَقُّقِ الْمُنَازِعِ

گواہ کی ضرورت ہے۔

ترجمہ: ٧ بخلاف جب منکوحہ بہت چھوٹی ہے پھر شوہر کو خبر دی کہ اس نے شوہر کی ماں کا دودھ پیا، یا شوہر کی بہن کا دودھ پیا [جسکی وجہ سے نکاح ٹوٹ گیا] تو اس بارے میں ایک کی خبر قبول کی جائے گی اس لئے کہ یہ قاطع طاری ہے۔اور پہلے نکاح کا اقدام دودوھ نہ پینے پر دلالت نہیں کرتا اس لئے معارض ثابت نہیں ہوا اس لئے دونوں مسئلے الگ الگ ہو گئے

تشریح: یہاں شروع سے نکاح درست ہے، لیکن بعد میں شوہر کی ماں کا، یا اس کی بہن کا دودھ پینے کی وجہ سے نکاح فاسد ہونے کی خبر دے رہا ہے، اس لئے یہ قاطع طاری ہے اس لئے ایک ثقہ آدمی کی خبر سے نکاح ٹوٹ جائے گا۔کیونکہ پہلے نکاح کرنا بعد میں دودھ پینے کے خلاف نہیں ہے، ایسا ہوسکتا ہے کہ نکاح درست ہوا اور بعد میں دودھ پینے کی وجہ سے نکاح ٹوٹ گیا، دونوں کے درمیان کوئی معارض نہیں ہے۔

ترجمہ: ٨ اسی نکتے پر فرق دائر رہے گا۔

تشریح: یہاں دو قسم کے نکتے یہ ہیں۔[۱] دونوں قسم کے مسئلے میں بنیادی فرق یہ ہے کہ جہاں جہاں شروع سے نکاح فاسد قرار دینا ہو وہاں دو عادل مرد گواہی چاہئے ،جسکو قاطع مقارن، کہتے ہیں۔[۲] اور جن مسئلوں میں یہ ثابت کرنا ہو کہ شروع سے نکاح صحیح ہے، لیکن کسی وجہ سے بعد میں نکاح ٹوٹ گیا تو وہاں ایک ثقہ آدمی کی خبر قبول کر لی جائے گی، اور نکاح توڑ دیا جائے گا۔

ترجمہ: ٩ ایک چھوٹی باندی ہے جو اپنے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی کسی آدمی کے قبضے میں ہے، اور وہ دعوی کرتا ہے کہ یہ اس کی باندی ہے، پس جب وہ بڑی ہوگئی اور کسی آدمی سے دوسرے شہر میں ملی، اس سے وہ کہتی ہے کہ میں تو شروع سے ہی آزاد تھی تو اس باندی سے نکاح کرنا درست نہیں کیونکہ یہاں معارض موجود ہے اور وہ مالک کا قبضہ، بخلاف اس مسئلے کے جو پہلے گزرا کہ مجھے بعد میں آزاد کیا ہے۔

تشریح: یہاں دو مسئلوں میں فرق بیان کر رہے ہیں، پہلے حاشیہ نمبر ۴ پر مسئلہ گزرا کہ باندی نے کہا میں پہلے باندی تھی اور اب مجھے آقا نے آزاد کیا ہے تو اس کی بات مان کر اس سے نکاح کر لینا جائز ہے، اس لئے کہ بعد میں آزادگی کا دعوی ہے تو اس کے کوئی معارض نہیں ہے، یہ قاطع طاری ہے۔اور یہاں صورت یہ ہے کہ باندی شروع ہی سے آزاد ہونے کا دعوی کر رہی ہے،

وَهُوَ ذُو الْيَدِ بِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ. (۳۲۳)قَالَ وَإِذَا بَاعَ الْمُسْلِمُ خَمْرًا وَأَخَذَ ثَمَنَهَا وَعَلَيْهِ دَيْنٌ فَإِنَّهُ يُكْرَهُ لِصَاحِبِ الدَّيْنِ أَنْ يَأْخُذَ مِنْهُ، وَإِنْ كَانَ الْبَائِعُ نَصْرَانِيًّا فَلَا بَأْسَ بِهِ[١] وَالْفَرْقُ أَنَّ الْبَيْعَ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ قَدْ بَطَلَ؛ لِأَنَّ الْخَمْرَ لَيْسَ بِمَالٍ مُتَقَوِّمٍ فِي حَقِّ الْمُسْلِمِ فَبَقِيَ الثَّمَنُ عَلَى مِلْكِ الْمُشْتَرِي فَلَا يَحِلُّ أَخْذُهُ مِنَ الْبَائِعِ. وَفِي الْوَجْهِ الثَّانِي صَحَّ الْبَيْعُ؛ لِأَنَّهُ مَالٌ مُتَقَوِّمٌ فِي حَقِّ الذِّمِّيِّ فَمَلَكَهُ الْبَائِعُ فَيَحِلُّ الْأَخْذُ مِنْهُ. (۳۲۴)قَالَ وَيُكْرَهُ الِاحْتِكَارُ فِي أَقْوَاتِ الْآدَمِيِّينَ

اور مالک کا اس پر قبضہ ہونا اس بات کی دلیل ظاہر ہے کہ یہ باندی رہی ہے، اس معارض کی وجہ سے بغیر دو عادل گواہ کے اس کی بات نہیں مانی جائے گی، اور آقا کی اجازت کے بغیر اس سے نکاح کرنا درست نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ قاطع مقارن ہے۔

ترجمہ: (۲۲۳) مسلمان نے شراب بیچی اور اس کی قیمت لی، اور اس پر قرض ہے تو قرض والے کے لئے اس رقم سے قرض لینا مکروہ ہے، اور اگر بیچنے والا نصرانی ہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

ترجمہ: [١] اور فرق کی وجہ یہ ہے کہ پہلی شکل میں بیع باطل ہے، اس لئے کہ مسلمان کے حق میں شراب مال متقوم نہیں ہے، اس لئے ثمن مشتری کی ملکیت رہی، اس لئے بائع سے اس کا لینا حلال نہیں ہے، اور دوسری صورت میں [جب بائع نصرانی ہو]، بیع صحیح ہے اس لئے کہ ذمی کے حق میں شراب مال متقوم ہے، اس لئے بائع اس کا مالک بن گیا اس لئے اس سے اپنا قرض واپس لینا حلال ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کہیں سے روپیہ حرام کا لایا ہو تو اس سے اپنا قرض بھی واپس لینا مکروہ ہے، کیونکہ وہ رقم حرام کی ہے۔

اصول: اگر کہیں سے حلال کا روپیہ لایا ہو تو اس سے اپنا قرض واپس لینا حلال ہے۔

تشریح: مسلمان کے لئے شراب حرام ہے اور وہ اس کے حق میں مال نہیں ہے، اور نصرانی اور ذمی کے لئے حلال ہے، وہ اس کے حق میں مال ہے۔ اب مسلمان نے شراب بیچی اور اس کی قیمت لی اب اس قیمت سے قرض والے کا قرض واپس لینا مکروہ ہے، کیونکہ جو شراب بیچی ہے وہ مال نہ ہونے کی وجہ سے بکی ہی نہیں اس لئے یہ رقم حقیقت میں خریدنے والے کی ہے اس لئے قرض والے کے لئے یہ رقم لینا مکروہ ہے۔

اور اگر شراب بیچنے والا نصرانی ہے تو اس کے حق میں یہ مال ہے اس لئے اس کا بیچنا بھی جائز ہے اور اس کی قیمت لی تو یہ نصرانی اس کا مالک بن گیا، اب قرض والا اپنا قرض اس سے لے رہا ہے تو یہ اس کے لئے یہ رقم لینا حلال ہے۔

ترجمہ: (۲۲۴) مکروہ ہے آدمیوں اور چوپایوں کی غذا کو روکنا ایسے شہر میں جہاں روکنا اہل شہر کو تکلیف دیتا ہو۔ ارا ایسے ہی آگے بڑھ کر مال حاصل کرنا [مکروہ ہے] اور اگر شہر والے کو نقصان نہ دیتا ہو تو مکروہ نہیں ہے۔

وَالْبَهَائِمِ إِذَا كَانَ ذَلِكَ فِي بَلَدٍ يَضُرُّ الِاحْتِكَارُ بِأَهْلِهِ وَكَذَلِكَ التَّلَقِّي. فَأَمَّا إِذَا كَانَ لَا يَضُرُّ فَلَا بَأْسَ بِهِ۱ وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – الْجَالِبُ مَرْزُوقٌ وَالْمُحْتَكِرُ

ترجمه:۱ اس میں اصل وہ حدیث ہے کہ باہر سے غلہ لاکر بیچنے والا روزی دی جاتی ہے اور غلے کو جمع کرنے والا ملعون ہے

تشریح : شہر سے مال خرید خرید کر جمع کرے اور شہر والوں کو اس کی ضرورت کے باوجود ان کو نہ بیچے تاکہ کھانے اور جانور کو کھلانے کی چیز مہنگی ہو جائے ایسا کرنا مکروہ ہے۔ آدمی کے کھانے کی چیز یا جانور کے کھانے کی چیز کے علاوہ کو جمع کر کے رکھنا مکروہ ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مکروہ نہیں اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر شہر والوں کو اس کی سخت ضرورت ہے تو وہ بھی مکروہ ہے۔

وجه:(۱) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن عمر بن الخطاب قال قال رسول الله ﷺ الجالب مرزوق و المحتكر ملعون** (ابن ماجہ شریف، باب الحکرۃ والجلب، ص۳۰۹، نمبر۲۱۵۳) اس حدیث میں ہے کہ جو باہر سے غلہ لاکر شہر میں بیچتا اس کو روزی دی جاتی ہے اور غلہ جمع کر کے رکھتا ہے وہ ملعون ہے۔ (۲) حدیث میں احتکار ممنوع ہے۔ **ان معمرا قال قال رسول الله ﷺ من احتكر فهو خاطئ، فقيل لسعيد فانك تحتكر ؟ قال سعيد ان معمرا الذى كان يحدث هذا الحديث كان يحتكر**. (مسلم شریف، باب تحریم الاحتکار فی الاقوات، ص۷۰۲، نمبر۱۶۰۵/۴۱۲۲/ ابوداؤد شریف، باب فی النھی عن الحکرۃ، ص۴۹۹، نمبر۳۴۴۷/ ترمذی شریف، باب ماجاء فی الاحتکار، ص۳۰۹، نمبر۱۲۶۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غذا کو روکنا مکروہ ہے۔

آدمی یا جانور کی غذا روکنا مکروہ ہے اس کی دلیل (۱) یہ اثر ہے۔ **قال ابو داؤد سالت احمد ما الحكرة؟ قال مافيه عيش الناس** (ابوداؤد شریف، نمبر۳۴۴۷) (۲) دوسری روایت میں ہے کہ حضرت سعید بن میسّبؒ کھجور کی گٹھلی، ببول کی پتی اور بیج کا احتکار کرتے تھے جس سے معلوم ہوا کہ آدمی کے کھانے اور جانور کے کھانے میں احتکار ہے باقی جن چیزوں کے جمع کرنے میں آدمی اور جانور کو نقصان نہیں ہے اس کے احتکار میں کراہیت نہیں ہے۔ اثر یہ ہے۔ **قال ابو داؤد و كان سعيد بن المسيب يحتكر النوى والخبط والبزر** (ابوداؤد شریف، باب فی النھی عن الحکرۃ، ص۴۹۹، نمبر۳۴۴۸) اس اثر میں حضرت سعید بن میسّبؒ گھٹلی، ببول کی پتی اور غلے کی بیج کا احتکار کرتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان چیزوں کا احتکار مکروہ نہیں ہے۔ (۳) کھانے کا احتکار مکروہ ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابى امامة قال نهى رسول الله ﷺ ان يحتكر الطعام** ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۵ فی احتکار الطعام، ج رابع ص۳۰۶، نمبر۲۰۳۸۰/ ابن ماجہ شریف، باب الحکرۃ والجلب، ص۳۰۹، نمبر۲۱۵۵/ مصنف عبد الرزاق، ج ثامن، نمبر۱۴۸۹۶)

لغت :الاحتکار : غلہ کو روک لینا اور نہ بیچنا۔ اقوات : قوۃ کی جمع ہے غذا، البھائم : بھیمۃ کی جمع ہے چوپایا، ۔جالب: کھینچ لینا، یہاں مراد ہے باہر سے غلہ حاصل کرنا اور شہر میں بیچنا۔ التلقی: لقاء سے مشتق ہے، ملنا۔ حاصل کرنا۔ یہاں مراد ہے کہ

مَلْعُونٌ ٢؎ وَلِأَنَّـهُ تَـعَلَّـقَ بِـهِ حَـقُّ الْـعَامَّةِ، وَفِي الِامْتِنَاعِ عَنْ الْبَيْعِ ابْطَالُ حَقِّهِمْ وَتَضْيِيقُ الْأَمْرِ عَـلَيْهِمْ فَيُكْرَهُ إذَا كَانَ يَضُرُّ بِهِمْ ذَلِكَ بِأَنْ كَانَتْ الْبُلْدَ ةُ صَغِيرَةً، ٣؎ بِخِلَافِ مَا إذَا لَمْ يَضُرَّ بِـأَنْ كَـانَ الْـمِصْرُ كَبِيرًا؛ لِأَنَّهُ حَابِسٌ مِلْكَهُ مِنْ غَيْرِ اضْرَارٍ بِغَيْرِهِ، ٤؎ وَكَـذَلِكَ التَّلَقِّي عَلَى هَـذَا التَّـفْـصِيـلِ لِأَنَّ الـنَّبِـيَّ – عَـلَيْـهِ الـصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ –؛ نَهَى عَنْ تَلَقِّي الْجَلَبِ وَعَنْ تَلَقِّي

شہر سے باہر جا کر تاجروں سے مال وصل کرنا۔

ترجمه: ٢؎ اور اس لئے کہ اس کے ساتھ عام شہریوں کا حق متعلق ہو گیا اور بیچنے سے رکنے مین اس کے حق کو باطل کرنا ہے اور اس پر معاملے کو تنگ کرنا ہے اس لئے مکروہ ہوگا اگر اس کو اس سے نقصان ہوتا ہو اس طرح کہ چھوٹا سا شہر ہو،

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے، کہ اس مال کے ساتھ عام شہریوں کا حق متعلق ہو گیا ہے اسلئے نہ بیچنے سے اس کا حق مارا جائے گا اس لئے یہ مکروہ ہے۔

ترجمه: ٣؎ بخلاف اگر نقصان نہ ہوتا ہو اس طرح کہ شہر بڑا ہو [تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے] اس لئے کہ دوسروں کو نقصان دئے بغیر اپنا مال روک رہا ہے۔

تشریح: اگر غلہ روکنے سے عام شہریوں کو نقصان نہ ہوتا ہے تو پھر مکروہ نہیں ہے، کیونکہ بغیر کسی کو نقصان دئے اپنا مال اپنے پاس روک رہا ہے۔

ترجمه: ٤؎ ایسے ہی تلقی مکروہ ہے اسی تفصیل پر، اس لئے کہ حضورؐ نے تلقی جلب اور تلقی رکبان سے منع فرمایا۔

لغت: تلقی جلب: تلقی کا ترجمہ ہے آگے بڑھ کر ملنا، اور جلب کا ترجمہ ہے تجارت کا مال ایک شہر سے دوسرے شہر میں لیجانا۔ یہاں تلقی جلب کا ترجمہ ہوگا شہر سے باہر جا کر تجارت کا مال حاصل کر لینا۔ تلقی رکبان: رکب کا ترجمہ ہے سوار، تلقی رکبان کا ترجمہ ہے تاجر شہر سے باہر جا کر تاجروں سے مل کر مال حاصل کر لینا۔

تشریح: تلقی جلب اور تلقی رکبان اس وقت مکروہ ہے جب شہر والوں کو نقصان ہوتا ہو، اور اس سے شہر والوں کو نقصان نہ ہوتا ہو تو پھر مکروہ نہیں ہے۔

وجه: (۱) تلقی جلب مکروہ ہے اس کے لئے صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن ابی هريرة قال نهى رسول الله ﷺ ان يتلقى الجلب**۔ (مسلم شریف، باب تحریم تلقی الجلب، ص ٦٦٠، نمبر ۱۵۱۹/۳۸۲۲) (۲) تلقی رکبان مکروہ ہے اس کے لئے صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ لا تلقو الركبان**۔ (بخاری شریف، باب ہل یبیع حاضر لباد بغیر اجر؟ ص ۳۴۵، نمبر ۲۱۵۸) اس حدیث میں ہے کہ تلقی رکبان نہ کرے۔

ترجمه: ۵؎ علماء نے فرمایا کہ مکروہ اور نہ ہونا اس وقت ہے کہ تاجروں پر شہر کا بھاؤ نہ چھپائے، اور اگر چھپائے تو دونوں

الرُّكْبَانِ. ۵ۦ قَالُوا هَذَا إِذَا لَمْ يُلَبِّسِ الْمُتَلَقِّي عَلَى التُّجَّارِ سِعْرَ الْبَلْدَةِ. فَإِنْ لَبَّسَ فَهُوَ مَكْرُوهٌ فِي الْوَجْهَيْنِ؛ لِأَنَّهُ غَادِرٌ بِهِمْ. ٦ۦ وَتَخْصِيصُ الِاحْتِكَارِ بِالْأَقْوَاتِ كَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالتِّبْنِ وَالْقَتِّ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ – رَحِمَهُ اللَّهُ –، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ – رَحِمَهُ اللَّهُ – كُلُّ مَا أَضَرَّ بِالْعَامَّةِ حَبْسُهُ فَهُوَ احْتِكَارٌ وَإِنْ كَانَ ذَهَبًا أَوْ فِضَّةً أَوْ ثَوْبًا. وَعَنْ مُحَمَّدٍ – رَحِمَهُ اللَّهُ – أَنَّهُ قَالَ: لَا احْتِكَارَ فِي الثِّيَابِ؛ فَأَبُو يُوسُفَ اعْتَبَرَ حَقِيقَةَ الضَّرَرِ اذْ هُوَ الْمُؤَثِّرُ فِي الْكَرَاهَةِ، وَأَبُو حَنِيفَةَ اعْتَبَرَ الضَّرَرَ الْمَعْهُودَ الْمُتَعَارَفَ. ۷ۦ ثُمَّ الْمُدَّةُ إِذَا قَصُرَتْ لَا يَكُونُ احْتِكَارًا لِعَدَمِ الضَّرَرِ،

صورتوں میں مکرہ ہے، اس لئے کہ یہ تاجروں کو دھوکا دینے والا ہے۔

تشریح: شہر والوں کو نقصان دیتا ہو تو مکروہ اور نہ دیتا ہو تو مکروہ نہیں، یہ اس صورت میں ہے کہ بھاؤ نہ چھپایا ہو، اور اگر بھاؤ چھپایا ہو اور کم قیمت میں مال حاصل کیا تو چونکہ تاجر کو دھوکا دیا اس لئے شہر والوں کو نقصان نہ بھی ہو تب بھی مکروہ ہے اس لئے کہ آنے والے تاجر کو دھوکا دیا۔

وجه: عن ابی هريرة .....فقال رسول الله ﷺ ليس من من غش ۔(ابوداود شریف، باب فی النھی عن الغش، ص ۵۰۰، نمبر ۳۴۵۲) اس حدیث میں ہے کہ جو دھوکا دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

لغت: یلبس: تلبیس سے مشتق ہے، بھاؤ چھپانا، تلبیس کرنا۔ سعر: بھاؤ۔ غادر: دھوکا دینے والا۔

ترجمه: ٦ۦ اور غذا کی چیزوں میں احتکار خاص ہے، جیسے گیہوں، جو، بھوسا، اسپست، یہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے، اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ جس چیز کو روکنے میں عام لوگوں کو نقصان دیتا ہو اس میں احتکار ہے، چاہے وہ سونا، چاندی اور کپڑا ہی کیوں نہ ہو، اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ کپڑے میں احتکار نہیں ہے، پس امام ابو یوسفؒ نے حقیقت احتکار کا اعتبار کیا، اس لئے کہ مکروہ ہونے میں وہی موثر ہے، اور امام ابو حنیفہؒ نے جو مشہور اور متعین چیز ہے اس میں احتکار کا اعتبار کیا۔

تشریح: امام ابو حنیفہؒ کے یہاں انسانی غذا اور جانور کی غذا میں احتکار ہوتا ہے، جیسے گیہوں، جو، بھوسا اور اسپست وغیرہ جو مشہور اور متعین چیزیں ہیں، کیونکہ اسی کے روکنے میں عام لوگوں کو نقصان ہوتا ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ کا قاعدہ یہ ہے کہ جن چیزوں سے عوام کو نقصان ہوتا ہو چاہے سونا، چاندی، کپڑا ہی کیوں نہ ہو اس میں احتکار ہوگا، اور امام محمدؒ کے یہاں کپڑے میں احتکار نہیں ہوگا، اور چیزوں میں احتکار ہوگا۔

لغت: قوت غذا۔ شعیر؛ جو۔ التبن: بھوسا۔ القت: اسپست، ایک قسم کا جنگلی دانہ جو دیہاتی لوگ پکا کر کھاتے ہیں۔

ترجمه: ۷ۦ پھر اگر کم مدت ہو تو احتکار نہیں ہے کیونکہ لوگوں کو نقصان نہیں ہوگا، اور اگر احتکار لمبی مدت تک ہو تو مکروہ احتکار ہے، کیونکہ نقصان متحقق ہوگا۔، پھر کہا کہ لمبی مدت چالیس دن ہیں حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ جس نے چالیس دن تک احتکار کیا

وَإِذَا طَالَتْ يَكُونُ احْتِكَارًا مَكْرُوهًا لِتَحَقُّقِ الضَّرَرِ. ثُمَّ قِيلَ: هِيَ مُقَدَّرَةٌ بِأَرْبَعِينَ يَوْمًا لِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – مَنْ احْتَكَرَ طَعَامًا أَرْبَعِينَ لَيْلَةً فَقَدْ بَرِءَ مِنْ اللَّهِ وَبَرِءَ اللَّهُ مِنْهُ وَقِيلَ بِالشَّهْرِ ؛ لِأَنَّ مَا دُونَهُ قَلِيلٌ عَاجِلٌ، وَالشَّهْرُ وَمَا فَوْقَهُ كَثِيرٌ آجِلٌ، وَقَدْ مَرَّ فِي غَيْرِ مَوْضِعٍ، ٨ وَيَقَعُ التَّفَاوُتُ فِي الْمَأْثَمِ بَيْنَ أَنْ يَتَرَبَّصَ الْعِزَّةَ وَبَيْنَ أَنْ يَتَرَبَّصَ الْقَحْطَ (وَالْعِيَاذُ بِاللَّهِ)، ٩ وَقِيلَ الْمُدَّةُ لِلْمُعَاقَبَةِ فِي الدُّنْيَا امَّا يَأْثَمُ وَإِنْ قَلَّتْ الْمُدَّةُ. وَالْحَاصِلُ أَنَّ التِّجَارَةَ فِي الطَّعَامِ

تو وہ اللہ سے بری ہے اور اللہ اس سے بری ہے۔، اور بعض حضرات نے کہا ایک مہینے سے کم قلیل مدت ہے اور ایک مہینہ اور اس سے زیادہ کثیر مدت ہے۔، اور اس کی تحقیق کئی جگہ پر گزر گئی۔

تشریح :تھوڑی مدت کے لئے مال روکا اور احتکار کیا تو یہ مکروہ نہیں ہے کیونکہ یہ تو مجبوری ہے اور اس میں کسی کا نقصان نہیں ہے، لیکن زیادہ مدت کے لئے احتکار کیا تو یہ مکروہ ہے، کیونکہ اس میں عوام کا نقصان ہے۔

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ چالیس روز یہ لمبی مدت ہے اور اس سے کم قلیل مدت ہے، اس کے لئے یہ حدیث ہے۔عن ابن عمر عن النبی ﷺ من احتکر طعاما اربعین لیلة فقد بریء من اللہ تعالی ، و برء اللہ تعالی منہ ۔(مسند احمد، باب مسند عبداللہ بن عمر، ج ثانی، ص ١١٦، نمبر ٤٨٦٥) اس حدیث میں ہے کہ جو چالیس دن تک احتکار کرے اللہ تعالی اس سے بری ہے۔اور بعض حضرات نے کہا کہ ایک ماہ اور اس سے زیادہ یہ لمبی مدت ہے، اور ایک ماہ سے کم یہ قلیل مدت ہے، اس بارے میں کئی مرتبہ بحث گزر چکی ہے۔

ترجمہ :٨ گناہ میں فرق ہوگا جو لوگ مہنگا ہونے کا انتظار کرتے ہیں [اس کو کم گناہ ہوگا] اور جو قحط سالی کا انتظار کرتے ہیں العیاذ باللہ۔

تشریح :جو لوگ اس لئے احتکار کرتے ہیں کہ غلہ کی قیمت بن بڑھ جائے تب بیچوں گا ، اس کا گناہ کم ہوگا، اور جو لوگ اس لئے غلہ نہیں بیچ رہے ہیں کہ قحط سالی ہو جائے تب بہت مہنگی قیمت میں بیچوں گا اس کا گناہ زیادہ ہے۔

لغت :مأثم: گناہ۔یتربص: تربص سے مشتق ہے، انتظار کرنا۔العزۃ: غلے کا کم ہونا۔

ترجمہ:٩ اور بعض لوگوں نے کہا کہ مدت تو دنیا میں سزا دینے کے لئے ہے اور گناہ تو کم مدت ہو تب بھی ہوگا، حاصل یہ ہے کہ احتکار کے لئے کھانے کی تجارت محمود نہیں ہے۔

تشریح : بعض لوگوں نے یہ مطلب بیان کیا کہ۔اوپر جو ایک مہینہ سے زیادہ ہو تو گناہ ہوگا، یا چالیس دن سے زیادہ ہوگا تو گناہ ہوگا، اس کا مطلب یہ ہے کہ بادشاہ سزا دینا چاہے تو اس مدت سے زیادہ روکنے پر روکنے والے کو سزا دیگا، لیکن لوگوں کو نقصان دینے کے لئے اس سے کم مدت بھی غلے کو روکے گا تو گناہ بہر حال ہوگا، کیونکہ عوام کو نقصان دینے کے لئے غلہ روکا ہے،

غَیرُ مَحمُودَةٍ. (۳۲۵)قَالَ وَمَنُ احتکَرَ غَلَّةَ ضَیعَتِهِ أَو مَا جَلَبَهُ مِن بَلَدٍ آخَرَ فَلَیسَ بِمُحتَکِرٍ ۱ أَمَّا الْأَوَّلُ فَلِأَنَّهُ خَالِصُ حَقِّهِ لَمْ یَتعَلَّقُ بِهِ حَقُّ الْعَامَّةِ؛ أَلَا تَرَی أَنَّ لَهُ أَن لَا یَزرَعَ فَکَذٰلِکَ لَهُ أَن لَا یَبِیعَ. ۲ وَأَمَّا الثَّانِی فَالْمَذکُورُ قَولُ أَبِی حَنِیفَةَ؛ لِأَنَّ حَقَّ الْعَامَّةِ انَّمَا یَتَعَلَّقُ بِمَا جُمِعَ فِي الْمِصْرِ وَجُلِبَ إلَی فِنَائِهَا. وَقَالَ أَبُو یُوسُفَ: یُکرَهُ لِإِطْلَاقِ مَا رَوَیْنَا. وَقَالَ مُحَمَّدٌ: کُلُّ مَا

اور یہ بھی کہا کہ احتکار کی نیت سے غلے کی تجارت کرے تو اچھی تجارت نہیں ہے، ہاں عوام کو فائدہ دینے کے لئے تجارت کرے گا تو ثواب ملے گا۔

ترجمہ:(۳۲۵) جس نے روک لیا اپنی زمین کا غلہ یا وہ غلہ جو دوسرے شہر سے لایا تو وہ روکنے والا نہیں ہے۔

تشریح: اپنے کھیت میں کافی غلہ اگا یا اس کو گھر میں روکے رکھا اہل شہر کو نہیں بیچا۔ یا دوسرے شہر سے غلہ خرید کر لایا اور اس کو روکے رکھا تو یہ احتکار مکروہ نہیں ہے۔

وجہ: (۱) اپنے شہر سے خرید کر غلہ جمع کرے اور اس کو روکے تب مکروہ ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن علی قال نھی رسول اللہ ﷺ عن الحکرۃ بالبلد. (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۵ فی احتکار الطعام، ج رابع، ص ۳۰۷، نمبر ۲۰۳۸۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنے شہر سے خرید کر روکے تو احتکار مکروہ ہے۔ (۲) اگر اپنی زمین سے پیداوار کر کے روکے تو اس میں اہل شہر کا حق متعلق نہیں ہوا اس لئے وہ مکروہ نہیں ہے۔ اس قول تابعی میں ہے۔ عن ابن طاؤس عن ابیہ قال کان یکون عندہ الطعام من ارضہ السنتین و الثلاث یرید بیعہ ینتظر بہ الغلاء (مصنف عبد الرزاق، باب الحکرۃ، ج ثامن، ص ۱۵۶، نمبر ۱۴۹۶۴)۔۔۔۔ضیعۃ : زمین۔ جلبہ: اٹھا کر لایا۔

ترجمہ: ۱ بہر حال پہلی شکل [یعنی اپنی زمین سے پیداوار کر کے روکے] تو اس لئے کہ زمین والے کا اپنا حق ہے، اس سے عام لوگوں کا حق متعلق نہیں ہوا، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ وہ کھیتی کرے ہی نہیں، تو اس کو یہ بھی حق ہے کہ اس غلے کو بیچے ہی نہیں

تشریح: اپنے کھیت میں غلہ اگایا ہے تو اس کے ساتھ عوام کا حق متعلق نہیں ہوا اس لئے اس کو روکنا احتکار نہیں ہے، کیونکہ اس کو یہ حق ہے کہ کھیت میں غلہ اگائے ہی نہیں تو یہ بھی حق ہے کہ اس کو نہ بیچے۔

ترجمہ: ۲ اور دوسری صورت [دوسرے شہر سے غلہ لایا ہو] تو امام ابو حنیفہؒ کا قول مذکور ہے کہ عوام کا حق اس کے ساتھ متعلق جو شہر میں جمع ہو اور اس کے فنا میں لایا گیا ہو، اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ [دوسرے شہر سے لایا ہو تو یہ بھی مکروہ ہے] کیونکہ وہ حدیث مطلق ہے جو ہم نے روایت کی، اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ جہاں سے عام طور پر غلہ لایا جاتا ہو تو وہ فناء شہر کی طرح ہے اس میں احتکار کرنا مکروہ ہوگا اس لئے کہ عوام کا حق اس کے ساتھ متعلق ہو گیا ہے، بخلاف جبکہ جس شہر سے لایا وہ بہت دور ہو عام طور پر وہاں سے لانے کی عادت جاری نہ ہو اس لئے کہ اس کے ساتھ عام لوگوں کا حق متعلق نہیں ہوا۔

يُجلَبُ مِنهُ إِلَى الْمِصْرِ فِي الْغَالِبِ فَهُوَ بِمَنزِلَةِ فِنَاءِ الْمِصْرِ يَحْرُمُ الاحْتِكَارُ فِيهِ لِتَعَلُّقِ حَقِّ الْعَامَّةِ بِهِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ الْبَلَدُ بَعِيدًا لَمْ تَجْرِ الْعَادَةُ بِالْحَمْلِ مِنْهُ إِلَى الْمِصْرِ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ حَقُّ الْعَامَّةِ. (۳۲۶)قَالَ وَلَا يَنبَغِي لِلسُّلْطَانِ أَنْ يُسَعِّرَ عَلَى النَّاسِ ا لِقَوْلِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - لَا تُسَعِّرُوا فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ وَلِأَنَّ الثَّمَنَ حَقُّ الْعَاقِدِ فَإِلَيْهِ تَقْدِيرُهُ، فَلَا يَنبَغِي لِلْإِمَامِ أَنْ يَتَعَرَّضَ لِحَقِّهِ إِلَّا إِذَا تَعَلَّقَ بِهِ دَفْعُ ضَرَرِ الْعَامَّةِ عَلَى مَا

تشریح: دوسرے شہر سے غلہ لاکر احتکار کرے تو اس میں تین قول ہیں[۱] امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ جو غلہ شہر اور فناء شہر میں جمع ہوتا ہو اس کو احتکار کرنا مکروہ ہے اور جو غلہ دوسرے شہر سے لایا گیا ہو اس میں احتکار مکروہ نہیں ہے، کیونکہ اس میں اس شہر کے عوام کا حق متعلق نہیں ہوا ہے[۲] امام ابو یوسفؒ کا قول یہ ہے کہ دوسرے شہر سے غلہ لایا ہو تب بھی اس میں احتکار مکروہ ہے، کیونکہ حدیث میں مطلقا احتکار مکروہ لکھا ہے، جیسا کہ حدیث پہلے گزری۔[۳] امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جس قریب کے شہر سے عام طور پر اس شہر میں غلہ لاتے ہیں وہاں سے بھی غلہ لاکر احتکار کرے گا تو مکروہ ہے، اس لئے کہ وہ شہر چاہے دوسرا شہر ہے لیکن وہ شہر اس شہر کے فناء شہر کے درجے میں ہو گیا ہے، ہاں بہت دور کے شہر سے غلہ لاکر احتکار کیا تو اب مکروہ نہیں ہے، کیونکہ اس شہر سے عام طور پر غلہ لانے کا رواج نہیں ہے اس لئے اس سے عوام کا حق متعلق نہیں ہوا ہے۔

لغت: فناء: شہر کے اردگرد کا مقام جس میں کام کیا جاتا ہے، جیسے قبرستان، گھوڑ دوڑ کی جگہ اس کو فناء شہر کہتے ہیں۔

ترجمہ: (۳۲۶) بادشاہ کے لئے مناسب نہیں ہے کہ لوگوں پر بھاؤ متعین کرے۔

ترجمہ: ا حضورؐ کا قول بھاؤ متعین مت کرو، اس لئے کہ اللہ وہی بھاؤ متعین کرنے والا ہے، تنگی اور کشادگی دینے والا ہے اور رزق دینے والا ہے، اور اس لئے کہ ثمن عقد کرنے والے کا حق ہے، اس لئے اسی کو متعین کرنے کا حق ہے، اس لئے امام کو یہ حق نہیں کہ اس کے حق میں دخل انداز ہو مگر جب کہ اس کے ساتھ عام لوگوں کے نقصان کو دفع کرنے تعلق ہو، جیسا کہ ہم بیان کریں گے۔

تشریح: کھانے پینے کی چیز کا بھاؤ مزید بڑھ گیا ہو تو اس کی قیمت ہمیشہ کے لئے متعین کر دینا مناسب نہیں۔ اس سے چیز بیچنے والے کو نقصان ہوگا۔ یہ اللہ کا نظام ہے کہ کسی چیز کی قیمت بڑھاتے ہیں اور کسی چیز کی قیمت گھٹاتے ہیں۔

وجہ: (۱) حدیث میں اس کا ثبوت ہے جسکو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا۔ عن انس بن مالکؓ قال قال الناس یا رسول اللہ غلا السعر فسعر لنا، قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ ھو المسعر القابض الباسط الرازق وانی لارجو ان القی اللہ ولیس احد منکم یطالبنی بمظلمۃ فی دم ولا مال. (ابوداؤد شریف، باب فی التسعیر ص ۴۹۹، نمبر ۳۴۵۱ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی التسعیر ص ۳۱۹، نمبر ۱۳۱۴ / ابن ماجہ شریف، باب من کرہ ان یسعر ص

نُبَيِّنُ. ٢ وَإِذَا رُفِعَ إِلَى الْقَاضِي هَذَا الْأَمْرُ يَأْمُرُ الْمُحْتَكِرَ بِبَيْعِ مَا فَضَلَ عَنْ قُوتِهِ وَقُوتِ أَهْلِهِ عَلَى اعْتِبَارِ السَّعَةِ فِي ذَلِكَ وَيَنْهَاهُ عَنِ الاحْتِكَارِ، فَإِنْ رُفِعَ إِلَيْهِ مَرَّةً أُخْرَى حَبَسَهُ وَعَزَّرَهُ عَلَى مَا يَرَى زَجْرًا لَهُ وَدَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنِ النَّاسِ، ٣ فَإِنْ كَانَ أَرْبَابُ الطَّعَامِ يَتَحَكَّمُونَ وَيَتَعَدَّوْنَ عَنِ الْقِيمَةِ تَعَدِّيًا فَاحِشًا، وَعَجَزَ الْقَاضِي عَنْ صِيَانَةِ حُقُوقِ الْمُسْلِمِينَ إِلَّا بِالتَّسْعِيرِ

۳۱۵، نمبر ۲۲۰۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بادشاہ کے لئے ایک بھاؤ متعین کر دینا مناسب نہیں ہے۔ (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ مبیع مالک کی ہے اس لئے بازار کا حال دیکھ کر اسی کو بھاؤ متعین کرنے کا حق ہے، اس لئے امام کو اس میں دخل انداز نہیں ہونا چاہئے۔

لغت: سعر : بھاؤ متعین کرنا۔ باسط: پھیلانے والا

ترجمہ: ٢ اور اگر اس معاملے کو قاضی کے سامنے پیش کیا تو احتکار کرنے والے کو اس کا کھانا اور اس کے عیال کا کھانا اس کی گنجائش کے مطابق چھوڑ کر باقی کو بیچنے کا حکم دیا جائے گا، اور اس کو احتکار کرنے سے روکا جائے گا، اور اگر دوسری مرتبہ معاملہ پیش ہوا تو اس کو قید کر دیا جائے گا۔ اور جتنا مناسب سمجھے اس کی تعزیر کرے تاکہ لوگوں سے نقصان دور ہو

تشریح: قاضی کا کام یہ ہے کہ عوام کو نقصان نہ ہو اس لئے اگر قاضی کے سامنے احتکار کا معاملہ پیش ہوا تو اس آدمی کا اپنا کھانا، اس کی فیملی کا کھانا جو وہ فراغت کے ساتھ کھا سکتا ہے اس کے علاوہ جو غلہ بچے تو اس کو بیچنے کا حکم دیا جائے گا، اور اس کو احتکار سے روکا جائے گا ، اور اگر دوبارہ احتکار کا معاملہ پیش ہوا تو اس کو قید کیا جائے گا، اور جتنی مناسب ہو اس کی پٹائی کی جائے گی، تاکہ لوگوں سے نقصان دور ہو۔

لغت: سعۃ: گنجائش، وسعت کے مطابق۔ عزرہ: تعزیر کرے، پٹائی کرے۔ زجرا: ڈانٹنے کے لئے۔

ترجمہ: ٣ اگر غلے والے زبردستی کرتے ہوں اور مناسب قیمت سے بہت زیادہ تجاوز کرتے ہوں، اور قاضی بھاؤ متعین کئے بغیر مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت سے عاجز ہوں تو اس وقت اہل رائے اور اہل بصیرت سے مشورہ کرے [اور مناسب بھاؤ متعین کر دے]۔

تشریح: غلے والے عوام پر بہت زیادتی کرتے ہوں، اور مثلا دوگنی قیمت میں بیچتے ہوں تو قاضی اس زمانے کے اہل رائے اور جو بھاؤ میں تجربہ رکھتے ہوں ان سے مشورہ کر کے بھاؤ متعین کر سکتا ہے، لیکن یہ بھاؤ اس وقت کے حالات تک ہی رہے گا، اور ہر چیز کی قیمت بڑھنے پر غلے کی قیمت بھی بڑھ سکتی ہے، ہمیشہ ایک بھاؤ نہیں رہے گا۔

ترجمہ: ٤ پس جب یہ کر لیا پھر بھی کسی نے اس سے تعدی کی اور اس سے زیادہ بھاؤ میں بیچا تو تو قاضی اس بیع کو جائز قرار دے گا۔ کیونکہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک آزاد آدمی پر حجر نہیں ہے، اور صاحبینؒ کے یہاں حجر ہے لیکن متعین آدمی پر حجر ہے [اور

فَحِينَئِذٍ لا بَأْسَ بِهِ بِمَشُورَةٍ مِنْ أَهْلِ الرَّأْيِ وَالْبَصِيرَةِ، ٤ فَإِذَا فَعَلَ ذَلِكَ وَتَعَدَّى رَجُلٌ عَنْ ذَلِكَ وَبَاعَ بِأَكْثَرَ مِنْهُ أَجَازَهُ الْقَاضِي، وَهَذَا ظَاهِرٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ؛ لِأَنَّهُ لا يَرَى الْحَجْرَ عَلَى الْحُرِّ وَكَذَا عِنْدَهُمَا، إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْحَجْرُ عَلَى قَوْمٍ بِأَعْيَانِهِمْ. ٥ وَمَنْ بَاعَ مِنْهُمْ بِمَا قَدَّرَهُ الْإِمَامُ صَحَّ؛ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُكْرَهٍ عَلَى الْبَيْعِ، ٦ وَهَلْ يَبِيعُ الْقَاضِي عَلَى الْمُحْتَكِرِ طَعَامَهُ مِنْ غَيْرِ رِضَاهُ. قِيلَ هُوَ عَلَى الِاخْتِلَافِ الَّذِي عُرِفَ فِي بَيْعِ مَالِ الْمَدْيُونِ، ٧ وَقِيلَ يَبِيعُ بِالِاتِّفَاقِ؛

یہاں پوری قوم پر حجر کیا ہے اس لئے صاحبین کے یہاں بھی حجر نہیں ہوا] اس لئے بیع نافذ ہوگی۔]

تشریح: قاضی نے بھاؤ متعین کر دیا پھر بھی کسی نے اس سے زیادہ قیمت میں غلہ بیچا تو وہ بیع نافذ ہو جائے گی۔

لغت : حجر: حجر کا معنی یہ ہے کہ قاضی اس کو خرید وفروخت کرنے سے روک دے، اور اس کی بیع نافذ نہ ہونے دے، امام ابو حنیفہؒ کے یہاں حجر کرنے سے کسی آدمی پر حجر نہیں ہوتا، اور صاحبینؒ کے یہاں حجر تو ہوتا ہے لیکن ایک خاص آدمی پر حجر ہوتا ہے پوری قوم پر حجر نہیں ہوتا۔

وجہ :(۱) ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ غلہ اسی کا ہے اور اس نے بیچا ہے اس لئے بیع نافذ ہو جائے گی (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے یہاں حجر نہیں ہوتا اس لئے اس آدمی کو زیادہ قیمت میں بیچنے کا اختیار ہوگا۔ اور صاحبینؒ کے یہاں کسی خاص آدمی پر حجر ہوتا ہے اور یہاں قاضی نے پوری قوم پر حجر کیا ہے اس لئے یہ حجر نہیں ہوا اس لئے انکے مسلک پر بھی آدمی اپنا غلہ زیادہ بھاؤ میں بیچنے میں مختار ہوگا۔ (۳) یہاں بھاؤ متعین کرنے سے تاجروں پر ریٹ کا کنٹرول کرنا ہے، اس پر حجر کرنا مقصود نہیں ہے۔ اس لئے زیادہ قیمت میں بیچ ہی دیا تو بیع نافذ ہو جائے گی۔

ترجمہ: ٥ کسی نے اتنی ہی قیمت میں بیچا جو بھاؤ قاضی نے متعین کیا تھا تو بیع صحیح ہے، اس لئے کہ قاضی بیچنے پر زبردستی نہیں کر سکتا۔

تشریح: قاضی نے جو بھاؤ تعین کیا ہے اسی بھاؤ میں کسی نے بیچا تو بیع ہو جائے گی، کیونکہ قاضی کا مقصد ریٹ کو متعین کرنا ہے، بھاؤ پر مجبور کرنا نہیں ہے۔

ترجمہ : ٦ جو احتکار کرتا ہے، کیا قاضی اس کی رضامندی کے بغیر اس کے غلے کو بیچ سکتا ہے، تو علماء نے فرمایا کہ یہ اسی اختلاف پر ہے جو مقروض کے مال کے بیچنے کے سلسلے میں گزرا۔

تشریح: جو لوگ احتکار کرتے، اور غلہ نہیں بیچتے ہیں تو اس کی مرضی کے بغیر اس کے غلے کو قاضی بیچ سکتا ہے یا نہیں اس بارے میں اختلاف ہے، امام ابو حنیفہؒ کے یہاں نہیں بیچ سکتا اور صاحبینؒ کے نزدیک بیچ سکتا ہے، جیسے کوئی مقروض غلہ بیچ کر قرض ادا نہیں کرتا تو امام ابو حنیفہؒ کے یہاں اس کے غلے کو قاضی نہیں بیچ سکتا اور صاحبینؒ کے یہاں اس کے غلے کو بیچ کر قرض

لِأَنَّ أَبَا حَنِيفَةَ يَرَى الْحَجْرَ لِدَفْعِ ضَرَرٍ عَامٍّ، وَهَذَا كَذَلِكَ. (۳۲۷) قَالَ وَيُكْرَهُ بَيْعُ السِّلَاحِ فِي أَيَّامِ الْفِتْنَةِ ل مَعْنَاهُ مِمَّنْ يُعْرَفُ أَنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْفِتْنَةِ؛ لِأَنَّهُ تَسْبِيبٌ إِلَى الْمَعْصِيَةِ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ فِي السِّيَرِ، ٢ وَإِنْ كَانَ لَا يُعْرَفُ أَنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْفِتْنَةِ لَا بَأْسَ بِذَلِكَ؛ لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنْ لَا يَسْتَعْمِلَهُ

ادا کر دیا جائے گا۔

ترجمه : ۷ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ بالاتفاق بیچنا جائز ہے اس لئے کہ امام ابوحنیفہ بھی عام نقصان دفع کرنے کے لئے حجر کرنا جائز سمجھتے ہیں، اور یہ معاملہ اسی طرح کا ہے۔

تشریح :بعض حضرات نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ کے یہاں بھی اس کے گلے کو بیچ سکتا ہے، کیونکہ عام لوگوں کے نقصان کو دفع کرنے کے لئے انکے یہاں بھی حجر جائز ہے، اور یہ معاملہ ایسا ہی ہے کہ عام لوگوں سے نقصان دفع کرنے کے لئے احتکار کرنے والے کے غلے کو بیچ دیا جائے۔

ترجمه: (۳۲۷) فتنہ کے زمانے میں ہتھیار کا بیچنا مکروہ ہے۔

ترجمه: ل اسکا معنی یہ ہے کہ یہ جانتا ہو کہ یہ فتنہ والا ہے اسلئے کہ یہ گناہ کا سبب بنا اس کو کتاب السیر میں نے بیان کر دیا ہے

تشریح :جنگ چل رہی ہے ایسے زمانے میں باغی سے، یا حربی سے ہتھیار، یا ایسے آدمی سے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ یہ فتنہ کر رہا ہے اس کے ہاتھ میں ہتھیار بیچنا مکروہ ہے۔ تاہم بیچ دیا تو بیع ہو جائے گی۔

وجه:(۱) یہ گناہ پر مدد کرنا ہے اس لئے ہتھیار دینا مکروہ ہوگا، اس کے لئے یہ آیت ہے۔ **و لا تعاونوا علی الاثم و العدوان** ۔(آیت ۲، سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں ہے کہ گناہ پر مدد مت کرو۔ (۲) اس ہتھیار سے ہم ہی سے جنگ کرے گا تو گویا کہ ہتھیار بیچ کر اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنا ہے۔ اس لئے ان سے ہتھیار بیچنا مکروہ ہے (۳) حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ **عن عمان بن حصین قال نھی رسول اللہ ﷺ عن بیع السلاح فی الفتنة**. (سنن للبیہقی، باب کراہیۃ بیع العصیر ممن یعصر الخمر والسیف ممن یعصی اللہ عزوجل، ج خامس، ص ۵۳۵، نمبر ۱۰۷۸۰) (۴) اس قول تابعی میں ہے۔ **عن الحسن و ابن سیرین انھما کرھا بیع السلاح فی الفتنة**. (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۳۱ ما یکرہ ان تحمل الی العدو فیتقوی بہ، ج سادس، ص ۵۱۲، نمبر ۳۳۳۵۹) اس حدیث مرسل اور قول تابعی سے پتا چلا کہ فتنے کے زمانے میں اہل فتنہ سے ہتھیار بیچنا مکروہ ہے۔

ترجمه : ۲ اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ یہ فتنہ والا ہے تو بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے اس لئے کہ یہ احتمال ہے کہ اس کو فتنہ میں استعمال نہ کرے اس لئے شک کی وجہ سے مکروہ نہیں ہوگا۔

تشریح: واضح ہے۔

فِي الْفِتْنَةِ فَلا يُكْرَهُ بِالشَّكِّ. (۳۲۸)قَالَ وَلا بَأْسَ بِبَيْعِ الْعَصِيرِ مِمَّنْ يُعْلَمُ أَنَّهُ يَتَّخِذُهُ خَمْرًا ؛ ا لِأَنَّ الْمَعْصِيَةَ لا تُقَامُ بِعَيْنِهِ بَلْ بَعْدَ تَغْيِيرِهِ، ۲ بِخِلافِ بَيْعِ السِّلَاحِ فِي أَيَّامِ الْفِتْنَةِ لِأَنَّ الْمَعْصِيَةَ

ترجمه: (۳۲۸) کوئی حرج نہیں ہے کہ انگور کا رس اس آدمی کے ہاتھ میں بیچے جس کو جانتا ہو کہ وہ اس کو شراب بنائے گا۔

ترجمه: ا اس لئے کہ گناہ عین انگور کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ اس کو بدلنے کے بعد ہے

تشــریح: زید یہ جانتا ہے کہ عمر انگور کے رس کا شراب بنائے گا اس کے باوجود اس کے ہاتھ میں انگور کے رس بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وجه :(۱) زید عمر کے ہاتھ میں حلال اور پاک رس بیچ رہا ہے جس کے دو مصرف ہیں۔ایک رس کو پینا اور دوسرا رس سے شراب بنانا۔اب پینے کے بجائے شراب بنائے یہ عمر کی غلطی ہے۔زید کی غلطی نہیں ہے وہ تو حلال رس بیچ رہا ہے۔اس لئے حلال رس بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے جائز ہے (۲) اس قول تابعی میں اس کا اشارہ ہے۔**اخبرنا معمر قال قلت لایوب ابیع السلعة بها العیب ممن اعلم انه یدلس وبها ذلک العیب ؟ قال فما ترید ان تبیع الامن الابرار ؟** (مصنف عبد الرزاق، باب بیع السلعة علی من یدلسها، ج ثامن، ص ۱۵۱، نمبر ۱۴۹۳۶) اس قول تابعی میں کہا گیا کیا نیک آدمی ہی سے عیب دار سامان بیچو گے؟ اس سے اشارہ ہوتا ہے کہ تدلیس کرنے والے سے بھی بیچ دیا تو کوئی حرج نہیں ہے۔اسی طرح انگور کا رس شراب بنانے والے سے بیچا تو کوئی حرج نہیں ہے۔

تاہم گناہ میں معاونت ہے اس لئے اس سے نہ بیچے تو اچھا ہے۔

وجه:(۱) حدیث میں ہے کہ ایسے آدمی کی معاونت کرنے میں گناہ ہوگا۔حدیث یہ ہے۔**عن انس بن مالکؓ قال لعن رسول الله ﷺ فی الخمر عشرة عاصرها معتصرها وشاربها وحاملها والمحمولة الیه وساقیها وبائعها وآکل ثمنها والمشتری لها والمشتراة له**۔(ترمذی شریف، باب النھی ان یتخذ الخمر خلا، ص ۳۱۴، نمبر ۱۲۹۵/ ابن ماجہ شریف، باب لعنت الخمر علی عشرة اوجہ، ص ۴۸۹، نمبر ۳۳۸۰) اس حدیث میں شراب بنانے والے اور پینے والے پر لعنت کی گئی ہے۔ساتھ ہی اس کی مدد کرنے والے پر بھی لعنت کی گئی ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ مدد کرنے والے پر کچھ نہ کچھ گناہ ہوگا۔اس لئے ایسے لوگوں سے انگور کا رس بیچنے سے احتراز کرے۔

اصول: گناہ کی چیز میں دور سے مدد کرے تو جائز ہوگا البتہ مدد کے مطابق گناہ گار ہوگا۔

لغت: العصیر : رس، شیرۂ انگور۔

ترجمه: ۲ بخلاف فتنے کے زمانے میں ہتھیار بیچنے کے اس لئے کہ خود ہتھیار سے معصیت متعلق ہے۔

تشریح :شراب بنانے والے سے انگور کا رس بیچنے میں مکروہ نہیں ہے اور ہتھیار بیچنا مکروہ ہے، دونوں میں فرق یہ ہے کہ انگور کے رس کو شراب میں تبدیل کرے گا تب جا کر گناہ ہوگا، اور ہتھیار میں خود ہتھیار سے فتنہ ہوگا، تو چونکہ ہتھیار خود فتنہ کا سبب ہے

تَقُومُ بِعَيْنِهِ. (٣٢٩) قَالَ وَمَنْ أَجَّرَ بَيْتًا لِيُتَّخَذَ فِيهِ بَيْتُ نَارٍ أَوْ كَنِيسَةٌ أَوْ بِيعَةٌ أَوْ يُبَاعَ فِيهِ الْخَمْرُ بِالسَّوَادِ فَلَا بَأْسَ بِهِ ١ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا: لَا يَنْبَغِي أَنْ يُكْرِيَهُ لِشَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ؛ لِأَنَّهُ إِعَانَةٌ عَلَى الْمَعْصِيَةِ. ٢ وَلَهُ أَنَّ الْإِجَارَةَ تَرِدُ عَلَى مَنْفَعَةِ الْبَيْتِ، وَلِهَذَا تَجِبُ الْأُجْرَةُ بِمُجَرَّدِ التَّسْلِيمِ، وَلَا مَعْصِيَةَ فِيهِ، وَإِنَّمَا الْمَعْصِيَةُ بِفِعْلِ الْمُسْتَأْجِرِ، وَهُوَ مُخْتَارٌ فِيهِ فَقَطَعَ نِسْبَتَهُ عَنْهُ،

اس لئے اس کا بیچنا مکروہ ہے اور رس میں خود رس سے فتنہ نہیں ہے اس کا پینا حلال ہے اس لئے اس کا بیچنا مکروہ نہیں ہے۔

ترجمہ: (٣٢٩) اگر کسی نے گھر بیچا تا کہ اس میں مجوسیوں آتش کدہ بنایا جائے، یا یہودیوں کا عبادت خانہ بنایا جائے، یا نصاری کا گرجا گھر بنایا جائے، یا اس میں شراب بیچی جائے گاؤں میں تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ مکان کو ان میں سے کسی کام کے لئے دیا جائے اس لئے اس میں گناہ میں مدد دینا ہے۔

ترجمہ: ١ یہ امام ابوحنیفہؒ کے یہاں ہے، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ ان میں کسی کے لئے کرایہ پر دینا مناسب نہیں ہے اس لئے کہ یہ گناہ پر مدد کرنا ہے۔

اصول: یہاں دو اصول ہیں، جن لوگوں نے اس کو براہ راست معصیت پر مدد سمجھا انہوں نے اس کو مکروہ قرار دیا، اور جن حضرات نے اس کو براہ راست معصیت پر مدد نہیں سمجھا انہوں نے اس کو جائز قرار دیا۔

تشریح: اوپر کی ان چیزوں میں ناجائز کام ہوتے ہیں اس لئے ان کاموں کے لئے مکان کو کرایہ پر دینا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کوئی حرج کی بات نہیں ہے اور امام صاحبینؒ کے نزدیک مناسب نہیں ہے۔

وجہ: (١) صاحبین فرماتے ہیں کہ اس میں گناہ کے کام میں مدد دینا ہے اس لئے مناسب نہیں ہے۔ (٢) و لا تعاونوا علی الاثم و العدوان۔ (آیت ٢، سورۃ المائدۃ ٥) اس آیت میں ہے کہ گناہ پر مدد مت کرو۔

لغت: بیت نار: مجوسیوں کی عبادت گاہ، آتش کدہ۔ کنیسۃ: یہودیوں کی عبادت گاہ۔ بیعۃ: نصاری کا گرجا گھر۔ سواد: کالا، مراد دیہات جس میں کاشتکاری کی وجہ سے زمین کالی سی نظر آتی ہے۔

ترجمہ: ٢ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اجرت گھر کی منفعت پر ہے، یہی وجہ ہے کہ گھر کے سپرد کرنے سے ہی اجرت لازم ہو جاتی ہے، اور اس میں کوئی گناہ نہیں ہے گناہ تو اجرت پر لینے کے فعل پر ہے، اور اس میں اس کو اختیار ہے کہ کنیسہ نہ بنائے اس لئے گناہ کی نسبت کرایہ پر دینے والے سے منقطع ہو گئی۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اجرت گھر کی منفعت پر ہے اور اس میں کوئی گناہ نہیں ہے، گناہ تو مثلا گرجا گھر بنانے میں ہے، اور یہ کام اجرت پر لینے والے کا ہے اس لئے گناہ کی نسبت گھر والے کی طرف نہیں ہوگی، اس لئے اجرت

٣؎ وَإِنَّمَا قَيَّدَهُ بِالسَّوَادِ لِأَنَّهُمْ لَا يُمَكَّنُونَ مِنْ اتِّخَاذِ الْبِيَعِ وَالْكَنَائِسِ وَإِظْهَارِ بَيْعِ الْخُمُورِ وَالْخَنَازِيرِ فِي الْأَمْصَارِ لِظُهُورِ شَعَائِرِ الْإِسْلَامِ فِيهَا. بِخِلَافِ السَّوَادِ. قَالُوا: هَذَا كَانَ فِي سَوَادِ الْكُوفَةِ، لِأَنَّ غَالِبَ أَهْلِهَا أَهْلُ الذِّمَّةِ. فَأَمَّا فِي سَوَادِنَا فَأَعْلَامُ الْإِسْلَامِ فِيهَا ظَاهِرَةٌ فَلَا يُمَكَّنُونَ فِيهَا أَيْضًا، وَهُوَ الْأَصَحُّ. (٣٣٠)قَالَ وَمَنْ حَمَلَ لِذِمِّيٍّ خَمْرًا فَإِنَّهُ يَطِيبُ لَهُ الْأَجْرُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ: يُكْرَهُ لَهُ ذَلِكَ ؎١ لِأَنَّهُ إعَانَةٌ عَلَى الْمَعْصِيَةِ، وَقَدْ صَحَّ " أَنَّ النَّبِيَّ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – لَعَنَ فِي الْخَمْرِ عَشْرًا حَامِلَهَا وَالْمَحْمُولَ إلَيْهِ "

دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ترجمه :٣؎ متن میں دیہات کی قید لگائی، اس لئے کہ شہر میں یودیوں کی عبادت گاہ، اورگرجا گھر، بنانے اور شراب، اور سور کو بیچنے کی قدرت نہیں دی جائے گی اس لئے کہ اس میں شعائر اسلام ظاہر ہے بخلاف دیہات کے، علماء نے فرمایا یہ کوفہ کی دیہات کی بات ہے، اس لئے کہ وہاں کا اکثر ذمی تھے بہر حال ہمارے دیہات میں تو شعائر اسلام اس میں ظاہر ہے، اس لئے انکو ہمارے دیہات میں قدرت نہیں دی جائے گی، اور یہی صحیح ہے۔

تشریح :متن میں دیہات کا لفظ کہا کہ اس میں گرجا گھر اور کنیسہ بنا سکتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ کوفہ کے دیہات میں اس وقت ذمی بہت تھے اس لئے وہاں کنیسہ بنانے کی اجازت تھی، اور وہاں کے شہروں میں شعائر اسلام واضح تھی، اس لئے وہاں کنیسہ بنانے کی اجازت نہیں ہوگی۔ کوفہ کے علاوہ کے دیہات میں چونکہ شعائر اسلام ظاہر ہے اس لئے وہاں کے دیہات میں بھی کنیسہ، اورگرجا گھر بنانے کی اجازت نہیں ہوگی۔

ترجمه :(٣٣٠) کسی نے ذمی کے لئے شراب اٹھائی تو اس کے لئے اس کی اجرت حلال ہے، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اس کے لئے یہ مکروہ ہے

ترجمه :١؎ اس لئے کہ معصیت پر مدد کرنا ہے، اور صحیح حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے شراب کے بارے میں دس آدمیوں پر لعنت کی اٹھانے والا اور جس کے لئے اٹھائی جارہی ہو۔

تشریح :مسلمان نے ذمی کی شراب اٹھائی اور اجرت لی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ اجرت حلال ہے، اور صاحبینؒ کے یہاں یہ اجرت مکروہ ہے۔

وجه :(١) صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ یہ معصیت پر مدد کرنا ہے اس لئے اس کی اجرت مکروہ ہوگی، آیت میں ہے۔ و لا تعاونوا علی الاثم و العدوان ۔(آیت ٢، سورة المائدة ۵) اس آیت میں ہے کہ گناہ پر مدد مت کرو۔ (٢) حدیث میں ہے کہ شراب کے بارے میں دس آدمیوں کو گناہ ہوگا شراب اٹھانے والے کو اور جس کے لئے اٹھا رہا ہے اس کو بھی گناہ ہوگا، اس

۲؎ لَـهُ أَنَّ الْـمَـعْـصِيَةَ فِيْ شُرْبِهَا وَهُوَ فِعْلُ فَاعِلٍ مُخْتَارٍ، وَلَيْسَ الشُّرْبُ مِنْ ضَرُورَاتِ الْحَمْلِ وَلَا يُقْـصَـدُ بِهِ، وَالْحَدِيثُ مَحْمُولٌ عَلَى الْحَمْلِ الْمَقْرُونِ بِقَصْدِ الْمَعْصِيَةِ. (۳۳۱) قَالَ وَلَا بَـأْسَ بِبَيْـعِ بِـنَـاءِ بُيُوتِ مَكَّةَ، وَيُكْرَهُ بَيْعُ أَرْضِهَا۱؎ وَهَـٰذَا عِـنْـدَ أَبِي حَنِيفَةَ. وَقَالَا: لَا بَأْسَ بِبَيْعِ أَرْضِهَا أَيْضًا. ۲؎وَهَـٰذَا رِوَايَةٌ عَـنْ أَبِي حَنِيفَةَ؛ لِأَنَّهَا مَمْلُوكَةٌ لَهُمْ لِظُهُورِ الِاخْتِصَاصِ الشَّرْعِيِّ

کے لئے حدیث یہ ہے۔عن انس بن مالکؓ قال لعن رسول الله ﷺ فی الخمر عشرة عاصرها معتصرها وشاربها وحاملها والمحمولة الیه وساقیها وبائعها وآکل ثمنها والمشتری لها والمشترا ة له۔(ترمذی شریف، باب النھی ان یتخذ الخمر خلا،ص ۳۱۴،نمبر ۱۲۹۵/ابن ماجہ شریف، باب لعنت الخمر علی عشرۃ اوجہ،ص ۴۸۹،نمبر ۳۳۸۰)
اس حدیث میں شراب اٹھانے والے پر لعنت کی گئی ہے۔

ترجمہ :۲؎ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ی ہے کہ گناہ پینے میں ہےاور وہ خود اختیار پینے والے کا کام ہے،اور اٹھانے سے ضروری نہیں ہے کہ پئے بھی اور اٹھانے والا پینے کا ارادہ نہیں کرتا،اور جس حدیث میں اٹھانے والے کو لعنت ہے وہ اس بات پر محمول ہے کہ معصیت کے ارادے سے اٹھائے۔

تشریح :امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اصل گناہ شراب پینے میں ہے اٹھانے میں نہیں ہے،اس لئے کہ وہ تو اجرت کے لئے اٹھا رہا ہے،اور اوپر جو حدیث بیان کی اس کا مطلب یہ ہے کہ پلانے کی نیت اور معصیت سے اٹھائے تو گناہ ہوگا۔

نوٹ :دو طرح کا اٹھانا ہے،ایک [۱] اصل مقصد ہے کہ مجھے اجرت مل جائے چاہے پئے یا نہ پئے تو امام ابوحنیفہؒ کے مسلک پر اس میں گناہ نہیں ہوگا،اور دوسری صورت یہ ہے کہ اصل مقصد یہ ہو کہ یہ پئے اور گناہ میں مبتلا ہو تو اس میں گناہ ہوگا،اور حدیث میں اسی صورت پر لعنت کی ہے۔

فتوی: صاحبینؒ کے مسلک پر فتوی ہے،اور اسی میں احتیاط ہے۔

اصول:خود گناہ نہ کرے،لیکن بواسطہ گناہ کا سبب بنے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک گناہ گار نہیں ہوگا۔

اصول:خود گناہ نہ کرے،لیکن بواسطہ گناہ کا سبب بنے تو امام صاحبینؒ کے نزدیک گناہ گار ہوگا۔

ترجمہ:(۳۳۱) مکہ مکرمہ کے گھر کی عمارت کو بیچنے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے،اور اس کی زمین کو بیچنا مکروہ ہے۔

ترجمہ:۱؎ یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے،اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اس کی زمین بیچنے میں بھی کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

ترجمہ :۲؎ اور یہی ایک روایت امام ابوحنیفہؒ کی ہے اس لئے کہ یہ لوگوں کی ملکیت ہے کیونکہ اس زمین کے ساتھ شرعی اختصاص ظاہر ہوگئی ہے،تو وہ عمارت کی طرح ہوگئی۔

تشریح : یہاں دو باتیں ہیں [۱] ایک ہے مکہ کی زمین کو بیچنا اور اس کو اجرت پر رکھنا۔[۲] دوسرا ہے وہاں بنایا ہوا مکان کو بیچنا اور اس کو کرایہ پر رکھنا۔

بِهَا فَصَارَ كَالْبِنَاءِ. ۳؎ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ قَوْلُهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - أَلَا اِنَّ مَكَّةَ حَرَامٌ لَا تُبَاعُ رِبَاعُهَا وَلَا تُورَثُ وَلِأَنَّهَا حُرَّةٌ مُحْتَرَمَةٌ لِأَنَّهَا فِنَاءُ الْكَعْبَةِ. وَقَدْ ظَهَرَ آيَةُ أَثَرِ التَّعْظِيمِ فِيهَا حَتَّى

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی زمین کو بیچنا مکروہ ہے، اوراس میں بنایا ہوا مکان کو بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک اس کی زمین کو بھی بیچنے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

وجہ: (۱) صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ زمین پر مالک کا قبضہ ہے اوراس کی ملکیت ہے اس لئے اس کو بیچ سکتا ہے۔ تو جس طرح اس کے اندر بنائے ہوئے مکانات کو بیچنا جائز ہوگا اسی طرح اس کی زمین کو بھی بیچنا جائز ہوگا۔ (۲) اس حدیث میں ہے کہ کیا عقیل نے ہمارے لئے زمین اور مکان چھوڑا جس سے معلوم ہوا کہ مکہ کی زمین وراثت میں جا سکتی ہے اوراس کا مالک بن سکتا ہے، لمبی حدیث یہ ہے۔ **عن اسامة بن زیدؓ قال یا رسول اللہ این تنزل فی دارک مکة ؟فقال ھل ترک عقیل من رباع او دور؟** ۔ (بخاری شریف، باب توریث دور مکة وبیعھا وشرائھا۔ ص ۲۵۸، نمبر ۱۵۸۸ / مسلم شریف، باب نزول مکة وتوریث دورھا، ص ۵۶۹، نمبر ۱۳۵۱ / ۳۲۹۴)

نوٹ: ایک ہے بیت اللہ کے اردگرد مسجد حرام کی جگہ جس میں ابھی مسجد حرام ہے، اس پر تو کسی کی ملکیت نہیں ہوگی، دوسرا ہے مسجد حرام سے تھوڑی دور کی جگہ اس بارے میں اختلاف ہے، صاحبین کے نزدیک اس کا بیچنا جائز ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے یہاں اس کا بیچنا جائز نہیں ہے، آج کل عمل صاحبین کے مسلک پر ہے۔

ترجمہ: ۳؎ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل حضورؐ کا قول ہے سنو مکہ حرم ہے اس کی زمین کو نہ بیچی جائے اور نہ وراثت میں تقسیم کی جائے، اوراس لئے کہ وہ محترم ہے، اسلئے کہ وہ کعبہ کا فناء ہے اوراس میں تعظیم کا اثر ظاہر ہے، یہاں تک اس کے شکاری جانور کو بھڑکا نہیں جائے گا، اور نہ اس کی گھاس کاٹی جائے گی اور نہ اس کا کانٹا کاٹا جائے گا تو ایسے ہی بیع کے حق میں تعظیم ظاہر ہوگی

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضورؐ کا قول ہے کہ مکہ مکرمہ حرم ہے اس کی زمین نہ بیچی جائے اوراس کو وراثت میں تقسیم کی جائے، دوسری دلیل یہ ہے کہ حرم محترم ہے اور یہ مقامات کعبہ، کی فناء ہے اس لئے اس کی تعظیم میں اس کو نہ بیچی جائے، تیسری دلیل یہ ہے کہ ان مقامات میں شکار کو چھیڑنا جائز نہیں، اس کی گھاس کو کاٹنا جائز نہیں، اس کا کانٹا کاٹنا جائز نہیں تو اس کی زمین کو بھی بیچنا جائز نہیں ہوگا۔

وجہ: صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ ﷺ مکة حرام و حرام بیع رباعھا و حرام اجر بیوتھا** ۔ (دار قطنی، باب کتاب البیوع، ج ثالث، ص ۴۹، نمبر ۲۹۹۵ / مستدرک للحاکم، باب کتاب البیوع، ج ثانی، ص ۶۱، نمبر ۲۳۲۶) اس حدیث میں ہے کہ مکہ کی زمین بیچنا جائز نہیں، اوراس کے مکانات کو اجرت پر رکھنا بھی جائز نہیں ہے۔

لَا يُـنَـفَّرَ صَيْدُهَا وَلَا يُخْتَلَى خَلاهَا وَلَا يُعْضَدُ شَوْكُهَا، فَكَذَا فِي حَقِّ الْبَيْعِ، ۴ بِخَلَافِ الْبِنَاءِ؛ لِأَنَّهُ خَالِصُ مِلْكِ الْبَانِي. ۵ وَيُكْرَهُ اجَارَتُهَا أَيْضًا لِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – مَنْ آجَرَ أَرْضَ مَكَّةَ فَكَأَنَّمَا أَكَلَ الرِّبَا وَلِأَنَّ أَرَاضِيَ مَكَّةَ تُسَمَّى السَّوَائِبَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – مَنْ احْتَاجَ إِلَيْهَا سَكَنَهَا وَمَنْ اسْتَغْنَى عَنْهَا أَسْكَنَ غَيْرَهُ

لغت: لاینفر: نفر سے مشتق ہے، شکار کو بھڑکانا۔ یختلی: خلی سے مشتق ہے، کاٹنا۔ یعضد: عضد سے مشتق ہے، درخت کاٹنا۔ شوک: کانٹا

ترجمہ: ۴ بخلاف عمارت کے اس لئے کہ یہ خالص تعمیر کرنے والے کی ملکیت ہے۔

تشریح: یہ صاحبین کے قیاس کا جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ اس کے گھر کو بیچ سکتا ہے تو اسی پر قیاس کر کے اس کی خالی زمین کو بھی بیچ سکتا ہے، تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ مکان، مکان بنانے والے کی ملکیت ہے، کیونکہ اس نے اس کو اپنی محنت سے بنایا ہے، اس لئے اس کی ملکیت ہے اس لئے اس کو بیچ سکتا ہے، اور زمین پر اس کی کوئی محنت نہیں ہے وہ تو اللہ کی بنائی ہوئی زمین ہے اس لئے اس کو نہیں بیچ سکتا۔

ترجمہ: ۵ اور مکہ کی زمین کو اجرت پر دینا بھی مکروہ ہے، کیونکہ حضورؐ نے فرمایا کہ جس نے مکہ کی زمین کو اجرت پر دی تو اس نے گویا کہ سود کھایا، اور اس لئے بھی کہ مکہ کی زمین کو حضور کے زمانے سے ٫سوائب٫ کہتے ہیں، جسکو اس کی ضرورت ہو وہ اس میں رہے، اور جس کو ضرورت نہ ہو وہ دوسرے کو اس میں رکھے۔

تشریح: مکہ کی زمین کو اجرت پر دینا مکروہ ہے۔

وجہ: (۱) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابن عمرو عن النبی ﷺ انه قال ان الله حرم مكة فحرام بيع رباعها و اكل ثمنها و قال من اكل من اجر بيوت مكة شيئا فانما يأكل نارا ۔ (دار قطنی، باب کتاب البیوع، ج ثالث، ص ۴۹، نمبر ۲۹۹۶) (۲) صاحب ہدایہ کی دوسری حدیث یہ ہے۔ كانت تدعى بيوت مكة على عهد رسول الله ﷺ و ابى بكر و عمر السوائب لا تباع و من احتاج سكن و من استغنى اسكن (دار قطنی، باب کتاب البیوع، ج ثالث، ص ۵۰، نمبر ۳۰۰۲ / ابن ماجۃ شریف، باب اجر بیوت مکۃ، ص ۴۵۲، نمبر ۳۱۰۷) اس حدیث میں ہے کہ مکہ کی زمین سوائب ہے، یعنی آزاد اونٹنی کی طرح، یعنی اس پر کسی کی ملکیت نہیں ہو سکتی (۲) اس آیت میں ہے کہ مکہ کی زمین پر وہاں کے رہنے والے اور باہر کے رہنے والے دونوں کے لئے برابر کا حق ہے۔ و المسجد الحرام الذی جعلناه للناس سواء العاكف فيه و الباد ۔ (آیت ۲۵، سورۃ الحج ۲۲) اس آیت میں ہے کہ مسجد حرام میں اعتکاف کرنے والے اور باہر سے آنے والے دونوں برابر ہیں۔

(٣٣٢) وَمَنْ وَضَعَ دِرْهَمًا عِنْدَ بَقَّالٍ يَأْخُذُ مِنْهُ مَا شَاءَ يُكْرَهُ لَهُ ذَلِكَ ؛ ١ لِأَنَّهُ مَلَّكَهُ قَرْضًا جَرَّ بِهِ نَفْعًا، وَهُوَ أَنْ يَأْخُذَ مِنْهُ مَا شَاءَ حَالًّا فَحَالًّا. وَنَهَى رَسُولُ اللَّهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – عَنْ قَرْضٍ جَرَّ نَفْعًا ، ٢ وَيَنْبَغِي أَنْ يَسْتَوْدِعَهُ ثُمَّ يَأْخُذَ مِنْهُ مَا شَاءَ جُزْءًا فَجُزْءًا ؛ لِأَنَّهُ وَدِيعَةٌ وَلَيْسَ بِقَرْضٍ، حَتَّى لَوْ هَلَكَ لَا شَيْءَ عَلَى الْآخِذِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

ترجمه:(٣٣٢) کسی نے دکاندار کو درہم قرض پر دیا تا کہ اس سے وقتا فوقتا سامان لیتے رہیں تو یہ مکروہ ہے۔

ترجمہ :١ اس لئے کہ اپنے قرض سے نفع اٹھا رہا ہے وہ یہ کہ دکاندار سے وقتا فوقتا جو چاہے لیگا، حالانکہ رسول اللہ نے ایسے قرض دینے سے منع کیا ہے جس سے نفع اٹھائے۔

تشریح :بنئے کے پاس پاس کچھ روپئے قرض کے طور پر رکھا تا کہ یہ رقم محفوظ رہے اور اس سے گاہے بگاہے سامان لیتا رہے تو اس سے قرض سے ایک قسم سے نفع اٹھا رہا ہے اس لئے یہ مکروہ ہے، حدیث میں اس سے منع فرمایا ہے۔

وجه :(١) اس حدیث میں ہے جسکو صاحب ھدایہ نے ذکر کیا ہے ۔عن فضالة بن عبید صاحب النبی ﷺ انه قال كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا . (سنن للبیہقی ، باب کل قرض جر منفعۃ فھو ربا، ج خامس، ص ٥٧٣، نمبر ١٠٩٣٣ رمصنف ابن ابی شیبۃ ٧٩ من کرہ کل قرض جر منفعۃ ، ج رابع ،ص ٣٣٣، نمبر ٢٠٦٨٣) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر قرض جس سے نفع حاصل کیا گیا ہو وہ سود کی ایک قسم ہے۔

ترجمه:٢ مناسب یہ ہے کہ رقم بنئے کے پاس آمانت پر رکھے پھر اس سے جو چاہے تجوڑا تھوڑا کر کے لیتا رہے، اس لئے کہ یہ امانت پر ہے قرض نہیں ہے چنانچہ اگر بنئے کے پاس یہ رقم ہلاک ہوجائے تو تو بنئے پر کچھ نہیں ہے۔

تشریح :مناسب یہ ہے کہ بنئے کے پاس قرض نہ رکھے بلکہ امانت پر رقم رکھدے اور گاہے بگاہے اس سے سامان لیتا رہے تو یہ مکروہ نہیں ہے، امانت کی شکل میں یہ ہوگا کہ بنئے کی حرکت کے بغیر یہ رقم ہلاک ہوگئی تو بنئے پر کوئی ضمان لازم نہیں ہوگا، کیونکہ امانت ہلاک ہوجاتی ہے اس پر ضمان لازم نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم

﴿مَسَائِل مُتفرّقة﴾

(۳۳۳۳)قَالَ وَيُكْرَهُ التَّعْشِيرُ وَالنَّقْطُ فِي الْمُصْحَفِ ۱ لِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ – رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ –: جَرِّدُوا الْقُرْآنَ. وَيُرْوَى: جَرِّدُوا الْمَصَاحِفَ. وَفِي التَّعْشِيرِ وَالنَّقْطِ تَرْكُ التَّجْرِيدِ. ۲ وَلِأَنَّ التَّعْشِيرَ يُخِلُّ بِحِفْظِ الْآيِ وَالنَّقْطُ بِحِفْظِ الْإِعْرَابِ اتِّكَالًا عَلَيْهِ فَيُكْرَهُ. قَالُوا: فِي زَمَانِنَا لَا بُدَّ لِلْعَجَمِ مِنْ دَلَالَةٍ. فَتَرْكُ ذَلِكَ اخْلَالٌ بِالْحِفْظِ وَهِجْرَانٌ لِلْقُرْآنِ فَيَكُونُ حَسَنًا.

﴿مسائل متفرقه﴾

ترجمه:(۳۳۳۳)مکروہ ہےقرآن میں ہردس آیت پرنشان لگانااورنقطےلگانا۔

ترجمه: ۱ عبداللہ بن مسعودؓ کےقول کی وجہ سےکہ قرآن کودوسری چیزوں سےخالی رکھو،اوردوسری روایت میں ہے جردو المصاحف،اورتعشیر اورنقطےلگانےمیں خالی رکھنےکوچھوڑنا ہے۔

تشریح : شروع میں لوگ عربی جانتے تھے،اس کےاسلوب سےواقف تھے۔اس لئےقرآن کریم میں رکوع وغیرہ نہیں لکھتے تھے۔اورنہ زبرزیرلکھتے اورنہ نقطہ لگاتے تھے۔اس لئےایسا کرنامکروہ سمجھا جاتا تھا۔کیونکہ قرآن کریم کوویساہی رکھنا بہتر ہےجیسا پہلےتھا۔لیکن بعدمیں عجمیوں کی سہولت کےلئےیہ سب کرناپڑااوراب یہ امرمستحسن ہے۔

وجه:(۱) مکروہ ہونےکی وجہ یہ قول صحابی ہےجسکوصاحب ہدایہ نےذکرکیاہے۔ عن عبد الله قال جردوا القرآن و لا تلبسوا به ما ليس منه (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۵۶التعشیر فی المصحف ،ج سادس،ص۱۵۰،نمبر۳۰۲۴۳)اس قول صحابی میں ہےکہ قرآن کودوسری چیزوں سےخالی کرو۔(۲)عن عبد الله (بن مسعود) انه كره التعشير فى المصحف (۳)دوسری روایت میں ہے.عن محمد انه كره الفواتح والعواشر التى فيها قاف و كاف(۴) تیسری روایت میں ہے۔عن عطاء انه كان يكره التعشير فى المصحف وان يكتب فيه شىء من غيره (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۵۶التعشیر فی المصحف ، ج سادس،ص ۱۴۹،نمبر۳۰۲۳۲،۳۰۲۳۸/۳۰۲۳۳)ان تین اثروں سےمعلوم ہوا کہ دس آیتوں پرنشان لگانایاحروف پرنقطےلگانامکروہ ہے۔

لغت: التعشیر : عشرسےمشتق ہے،دس آیتوں پررکوع کانشان لگانا، المصحف : قرآن کریم۔

ترجمه: ۲ اس لئےکہ رکوع لگانےسےآیت کےیادکرنےمیں خلل اندازہوگا،اورنقطےلگانااعراب یادکرنےمیں خلل اندازہوتاہےاسی پراعتمادکرنےکی وجہ سےاس لئےیہ مکروہ ہے۔علماءنےفرمایا کہ ہمارےزمانےمیں عجمیوں کےلئےکسی علامت اوردلالت کاہوناضروری ہےتواس کاچھوڑنایادکرنےمیں مخل ہوگااورقرآن کوچھوڑنالازم آئےگااس لئےیہ احسن ہے

تشریح :دس آیتوں پررکوع کی علامت لگانےسےآیت کویادکرنےمیں خلل اندازہوگا،اورزبرزیرلگانےسےاعراب کے

(۳۳۴)قَالَ وَلَا بَأْسَ بِتَحْلِيَةِ الْمُصْحَفِ لِمَا فِيهِ مِنْ تَعْظِيمِهِ. وَصَارَ كَنَقْشِ الْمَسْجِدِ

یاد کرنے میں خلل انداز ہوگا اس لئے یہ چیزیں مکروہ ہوں گی۔

ہمارے زمانے میں نقطہ اور اعراب، اور رکوع کا ہونا ضروری ہے اس کے بغیر عجمی لوگ قرآن کریم یاد نہیں کر سکیں گے اس لئے اس زمانے میں یہ چیزیں مستحسن ہیں۔

ترجمہ: (۳۳۴) کوئی حرج کی بات نہیں ہے سونے کے پانی سے قرآن کو آراستہ کرنے میں۔

ترجمہ:ا اس لئے کہ اس میں اس کی تعظیم ہے، اور یہ ایسا ہو گیا کہ سونے کے پانی سے مسجد کی نقش و نگار کرے اور اس کی زینت کرے، اور اس کو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔

تشریح: قرآن کو سونے کے پانی سے آراستہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں قرآن کریم کی تعظیم ہے، جس طرح مسجد کو سونے کے پانی سے نقش و نگار کرنا جائز ہے اسی طرح قرآن کو سونے کے پانی سے منقش کرنا جائز ہے۔

وجہ: (۱) عن محمد (ابن سيرين) قال لابأس ان يحلى المصحف. (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۵۵ من رخص فی حلیۃ المصحف، ج سادس، ص ۱۴۹، نمبر ۳۰۲۳۱) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کو سونے کے پانی سے مزین کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ (۲) جس طرح مسجد کو نقش و نگار کر سکتا ہے اس سلسلے میں تو حضرت عثمانؓ کا عمل ہے۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ حدثنا نافع ان عبد الله اخبره ان المسجد كان على عهد رسول الله ﷺ مبنينا باللبن وسقفه الجريد وعمده خشب النخل ... ثم غيره عثمان فزاد فيه زيادة كثيرة وبنى جداره بالحجارة المنقوشة والقصة وجعل عمده من حجارة منقوشة وسقفه بالساج ۔ (بخاری شریف، باب بنیان المسجد، ص ۷۷، نمبر ۴۴۶ / ابوداؤد شریف، باب فی بناء المساجد، ص ۶۷، نمبر ۴۵۱) اس عمل صحابی سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم اور مسجد کو آراستہ اور نقش و نگار کر سکتے ہیں۔

فائدہ: البتہ بہت زیادہ بھڑکدار بنانا مکروہ ہے۔

وجہ: (۱) حدیث میں۔ عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ ما امرت بتشييد المساجد ،قال ابن عباس لتزخرفنها كما زخرفت اليهود والنصارى. (ابوداؤد شریف، باب فی بناء المساجد، ص ۶۷ نمبر ۴۴۸) اس قول صحابی میں ہے کہ بہت زینت نہیں کرنا چاہئے۔ (۲) قال ابو ذرؓ زوقتم مساجدكم وحليتم مصاحفكم فالدمار عليكم ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۵۴، فی المصحف یحلی، ج سادس، ص ۱۴۸، نمبر ۳۰۲۲۸) اس قول صحابی اور قول تابعی سے معلوم ہوا کہ بہت زیادہ زینت مکروہ ہے۔ ایک مناسب انداز میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ترجمہ: (۳۳۵) غیر مسلم مسجد حرام میں داخل ہو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

تشریح: اگر غیر مسلم پاک ہو اور اس پر کوئی ظاہری نجاست نہ ہو تو مسجد حرام میں بھی داخل ہو سکتا ہے اور دوسری مسجد میں بھی

وَتَزْيِينِهِ بِمَاءِ الذَّهَبِ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ مِنْ قَبْلُ. (٣٣٥)قَالَ وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَدْخُلَ أَهْلُ الذِّمَّةِ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ ا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يُكْرَهُ ذَلِكَ: وَقَالَ مَالِكٌ: يُكْرَهُ فِي كُلِّ مَسْجِدٍ. لِلشَّافِعِيِّ قَوْله تَعَالَى ﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا﴾ [التوبة: ٢٨] وَلِأَنَّ الْكَافِرَ لَا يَخْلُو عَنْ جَنَابَةٍ؛ لِأَنَّهُ لَا يَغْتَسِلُ اغْتِسَالًا يُخْرِجُهُ عَنْهَا، وَالْجُنُبُ يُجَنَّبُ الْمَسْجِدَ، ٢ وَبِهَذَا يَحْتَجُّ مَالِكٌ، وَالتَّعْلِيلُ بِالنَّجَاسَةِ عَامٌّ فَيَنْتَظِمُ الْمَسَاجِدَ كُلَّهَا. ٣ وَلَنَا مَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – أَنْزَلَ وَفْدَ ثَقِيفٍ فِي مَسْجِدِهِ وَهُمْ

داخل ہوسکتا ہے، البتہ غلبے کے طور پر داخل ہونے دینا جائز نہیں ہے۔

وجه :داخل ہونے کے جواز کے لئے حدیث یہ ہے۔ **عن عثمان بن ابی العاص ان وفد ثقیف لما قدموا علی رسول اللہ ﷺ انزلھم المسجد لیکون ارق لقلوبھم** ۔(ابوداود شریف، ماجاء فی خبر الطائف، ص ۴۴۳، نمبر ۳۰۲۶)اس حدیث میں ہے کہ مشرکین کو مسجد میں ٹھہرایا۔

ترجمه: ا امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مسجد حرام میں کافر کا داخل ہونا مکروہ ہے، اور امام مالک نے فرمایا کہ تمام مسجدوں میں داخل ہونا مکروہ ہے، امام شافعی ل کی دلیل یہ آیت ہے۔ **یاایھا الذین آمنوا انما المشرکون نجس فلا تقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا** ۔(آیت ۲۸، سورۃ التوبۃ ۹)۔اور اس لئے بھی کہ کافر جنابت سے خالی نہیں ہوتا اس لئے کہ وہ ایسا غسل نہیں کرتا جو جنابت سے نکل جائے، اور جنبی کو مسجد سے دور رکھا جاتا ہے، [اس لئے غیر مسلم کو مسجد سے دور رکھا جائے گا]

تشریح :امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ مسجد حرام میں غیر مسلم کو داخل کر مکروہ ہے، اور امام مالکؒ نے فرمایا کہ تمام مسجدوں میں داخل کرنا مکروہ ہے۔

وجه:(۱)انکی دلیل اوپر کی آیت ہے کہ مشرک نجس ہے اس لئے اس کو مسجد میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔(۲)امام شافعیؒ کے یہاں غسل جنابت کے لئے اس کی نیت کرنا شرط ہے اور مشرک اس التزام کے ساتھ غسل نہیں کرے گا اس لئے وہ جنابت سے پاک بھی نہیں ہوگا، اور آیت یہ ہے کہ جنبی آدمی مسجد میں داخل نہیں ہوسکتا اس لئے مشرک کو مسجد میں داخل ہونے نہ دیا جائے۔ اس کے لئے یہ آیت ہے۔ **ولا جنبا الا عابری سبیل حتی تغتسلوا** ۔(آیت ۴۳، سورۃ النساء ۴)اس آیت میں ہے کہ جنبی نماز کے قریب نہ ہو یعنی مسجد میں داخل نہ ہو۔

ترجمه: ٢ اسی آیت سے امام مالک استدلال کرتے ہیں اور ناپاکی کی علت عام ہے اس لئے تمام مسجدوں کو شامل ہوگا۔

تشریح :امام شافعیؒ نے جو استدلال کیا کہ کافر نجس ہے، اور اس کا غسل جنابت صحیح نہیں ہے، یہ علت عام ہے اس لئے کسی

كُفَّارٌ ۴؎ وَلِأَنَّ الْخُبْثَ فِي اعْتِقَادِهِمْ فَلا يُؤَدِّي إلَى تَلْوِيثِ الْمَسْجِدِ. ۵؎ وَالْآيَةُ مَحْمُولَةٌ عَلَى الْحُضُورِ اسْتِيلَاءً وَاسْتِعْلَاءً أَوْ طَائِفِينَ عُرَاةً كَمَا كَانَتْ عَادَتُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ. (۳۳۶)قَالَ وَيُكْرَهُ اسْتِخْدَامُ الْخُصْيَانِ ۱؎ لِأَنَّ الرَّغْبَةَ فِي اسْتِخْدَامِهِمْ حَثُّ النَّاسِ عَلَى هَذَا الصَّنِيعِ وَهُوَ

بھی مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہوگا ، یہی امام مالکؒ کا مسلک ہے۔

ترجمه: ۳؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے بنی ثقیف کے وفد کو مسجد میں اتارا، حالانکہ وہ کافر تھے۔

تشریح: ہماری دلیل یہ ہے بنی ثقیف کافر تھے پھر بھی اس کے وفد کو مسجد میں اتارا جس کا مطلب یہ ہوا کہ کافر کو مسجد میں داخل ہونا جائز ہے، یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے۔

ترجمه: ۴؎ اور اس لئے کہ خباثت اور نجاست اس کے اعتقاد میں ہے، اس لئے مسجد کو ناپاک کرنے کی شکل نہیں بنے گی۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے کہا تھا کہ کافر نجس ہے، جس کا جواب یہ دیا جا رہا ہے کہ ناپا کی اعتقاد کے اعتبار سے ہے، ظاہری اعتبار سے نہیں ہے سلئے اس سے مسجد ناپاک نہیں ہوگی اس لئے داخل ہونے کی اجازت ہونی چاہئے

ترجمه: ۵؎ اور آیت محمول ہے کہ مسجد حرام میں غلبے کے طور پر اور بلندی کے طور حاضر ہو، یا ننگا طواف کرتا ہوا حاضر ہو جیسا کہ جاہلیت میں اس کی عادت تھی۔

تشریح: ہماری نزدیک آیت کا تین مطلب ہے [۱] مسجد حرام میں غلبہ کر کے داخل نہ ہو۔[۲] بلندی کے طور پر داخل نہ ہو [۳] یا ننگا طواف کرنے کے لئے داخل نہ ہو، باقی مغلوب ہو کر داخل ہونے کی گنجائش ہوگی، آیت یہ تھی، **یاایھا الذین آمنوا انما المشرکون نجس فلا تقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا** ۔(آیت ۲۸، سورۃ التوبۃ ۹) چنانچہ سن ہجری نو میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ آج کے بعد مشرک غلبہ کے طور پر مسجد حرام میں داخل نہیں ہوں گے، اور آج تک وہ اس انداز میں داخل نہیں ہوئے۔

لغت: استیلاء: غلبہ کرتے ہوئے۔ استعلاء: علی سے مشتق ہے، بلند ہوتے ہوئے۔عراۃ: ننگا۔

ترجمه: (۳۳۶) مکروہ ہے خصی سے خدمت لینا۔

ترجمه: ۱؎ اس لئے کہ اس سے خدمت لینے میں لوگوں کو یہ کام کرنے کی ترغیب ہوگی، حالانکہ یہ مثلہ ہے اور حرام ہے۔

تشریح: خصی مرد سے خدمت لینا مکروہ ہے۔

وجه: (۱) اس طرح خصی بننے کی ہمت افزائی ہوگی، اور لوگ بھی خصی بننے کی کوشش کرے گا۔ اس لئے خصی کئے ہوئے مرد سے خدمت لینا مکروہ ہے (۲) حدیث میں خصی کروانے سے منع فرمایا ہے۔ **عن ابن عمرؓ قال نھی رسول اللہ ﷺ عن اخصاء الخیل والبھائم وقال ابن عمرؓ فیھا نماء الخلق** ۔(مسند احمد، سند عبد اللہ بن عمر، ج ثانی، ص ۱۰۱، نمبر ۴۷۵۵) مصنف ابن ابی شیبۃ، ۷ ما قالوا فی خصاء الخیل والدواب من کرھہ، ج سادس، ص ۴۲۶، نمبر ۳۲۵۶۷) اس حدیث

مُثْلَةٌ مُحَرَّمَةٌ. (۳۳۷) قَالَ وَلَا بَأْسَ بِخِصَاءِ الْبَهَائِمِ وَإِنْزَاءِ الْحَمِيرِ عَلَى الْخَيْلِ ؛ لِ لِأَنَّ فِي الْأَوَّلِ مَنْفَعَةٌ لِلْبَهِيمَةِ وَالنَّاسِ. وَقَدْ صَحَّ أَنَّ النَّبِيَّ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – رَكِبَ الْبَغْلَةَ فَلَوْ

میں خصی کرنے سے منع فرمایا اس لئے خصیوں سے خدمت لینا مکروہ ہے۔

ترجمہ: (۳۳۷) کوئی حرج نہیں ہے جانوروں کو خصی کرنے میں اور گدھے کو گھوڑی پر ڈالنے میں۔

ترجمہ: لِ اس لئے کہ پہلی صورت میں جانور اور انسان کا نفع ہے۔ اور صحیح روایت میں ہے کہ حضورؐ خچر پر سوار ہوئے، پس اگر یہ فعل حرام ہوتا تو حضور اس پر سوار نہ ہوتے، اسلئے کہ اس میں اس دروازے کو کھولنا ہے۔

تشریح: یہاں دو مسئلے ہیں [۱] اوپر گزرا کہ جانور کو خصی کرنے میں نسل کشی ہوگی اس لئے یہ ممنوع ہے۔ لیکن بکرے کو خصی نہ کرے تو وہ موٹا نہیں ہوتا اور گوشت اچھا نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ وہ شرارت بہت کرتا ہے اس لئے اس کو خصی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح بیل کو خصی نہ کرے تو وہ طاقتور نہیں ہوتا اور ہل جوتنے کے قابل نہیں ہوتا (میں خود کسان ہوں مجھے اس کا تجربہ ہے) اس لئے اس کو بھی خصی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ بعض کو سانڈھ ہونے کے لئے چھوڑ دیا جائے تا کہ نسل ختم نہ ہو۔ [۲] اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ گھوڑے سے گدھی سے جفتی کروا کر خچر پیدا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وجہ: (۱) حضورؐ نے خصی بکرے کی قربانی کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ خصی کرنا جائز ہے ورنہ آپؐ خصی کی قربانی نہ کرتے۔ حدیث یہ ہے۔ عن جابرؓ بن عبد اللہ قال ذبح النبی ﷺ یوم الذبح کبشین اقرنین املحین موجئین۔ (ابوداؤد شریف، باب ما یستحب من الضحایا، ص ۴۰۷، نمبر ۲۷۹۵ / ابن ماجہ شریف، باب اضاحی رسول اللہ ﷺ، ص ۴۵۵، نمبر ۳۱۲۲) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے خصی کئے ہوئے دو بکرے ذبح فرمائے۔ جس سے معلوم ہوا کہ بعض جانور کو خصی کرنا جائز ہے۔ موجئین کے معنی خصی (۲) اثر میں ہی۔ عن الحسن قال لابأس بخصاء الدواب (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۸، من رخص فی خصاء الدواب، ج سادس، ص ۴۲۶، نمبر ۳۲۵۷۹)

نوٹ: اپنے طور پر گدھے کو گھوڑی پر چڑھا کر خچر پیدا کروانا شریف آدمی کے لئے اچھا عمل نہیں ہے۔ البتہ اگر گدھا اور گھوڑی ایسا کرلیں اور خچر پیدا ہو جائے تو جائز ہے۔

وجہ: (۱) اپنے طور پر گدھے کو گھوڑی پر چڑھانا اچھا عمل نہیں ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابن عباس قال کان رسول اللہ ﷺ عبدا مامورا ما اختصنا دون الناس بشیء الا بثلاث امرنا ان نسبغ الوضوء، وان لا ناکل الصدقة، وان لا ننزی حمارا علی فرس۔ (ترمذی شریف، باب ما جاء فی کراہیۃ ان ینزی الحمر علی الخیل، ص ۲۹۸، نمبر ۱۷۰۱) اس حدیث میں ہے گدھے کو گھوڑی پر چڑھانے سے منع فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ایسا عمل کرنا شریف آدمی کے لئے اچھا نہیں ہے۔

لیکن اگر ایسا ہو گیا تو کوئی حرج نہیں ہے۔

كَانَ هَذَا الْفِعْلُ حَرَامًا لَمَا رَكِبَهَا لِمَا فِيهِ مِنْ فَتْحِ بَابِهِ. (۳۳۸)قَالَ وَلَا بَأْسَ بِعِيَادَةِ الْيَهُودِيِّ وَالنَّصْرَانِيِّ ؛ لِ لِأَنَّهُ نَوْعُ بِرٍّ فِي حَقِّهِمْ، وَمَا نُهِينَا عَنْ ذَلِكَ، وَقَدْ صَحَّ أَنَّ النَّبِيَّ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – عَادَ يَهُودِيًّا مَرِضَ بِجِوَارِهِ . (۳۳۹)قَالَ وَيُكْرَهُ أَنْ يَقُولَ الرَّجُلُ فِي دُعَائِهِ: أَسْأَلُكَ بِمَعْقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ لِ وَلِلْمَسْأَلَةِ عِبَارَتَانِ: هَذِهِ، وَمَقْعَدُ الْعِزِّ، وَلَا رَيْبَ فِي كَرَاهَةِ الثَّانِيَةِ؛ لِأَنَّهُ مِنَ الْقُعُودِ، وَكَذَا الْأُولَى؛ لِأَنَّهُ يُوهِمُ تَعَلُّقَ عِزِّهِ بِالْعَرْشِ وَهُوَ مُحْدَثٌ

وجہ : کیونکہ آپؐ خچر پر سوار ہوتے تھے۔جس سے معلوم ہوا کہ خچر پیدا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔حدیث یہ ہے جسکو صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے ۔سمع البراء وساله رجل من قيس افررتم عن رسول الله ﷺ يوم حنين ... ولقد رأيت النبى ﷺ على بغلته البيضاء وان ابا سفيان بن الحارث آخذ بزمامها ۔(بخاری شریف، باب قول اللہ تعالی ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم ،ص۷۳۰،نمبر۴۳۱۷)اس حدیث میں ہے کہ آپؐ جنگ حنین میں سفید خچر پر سوار تھے۔جس سے معلوم ہوا کہ وہ پیدا ہو جائے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

لغت: انزاء : نر کو مادہ پر کودانا۔

ترجمہ: (۳۳۸) یہودی اور نصرانی کی عیادت کرنے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

ترجمہ: لِ اس لئے کہ یہ اس کے حق میں ایک قسم کی نیکی ہے، اور ہم کو اس سے روکا نہیں ہے، اور صحیح روایت میں ہے کہ حضورؐ نے ایک یہودی کی بیمار پرسی کی جو اس کے پڑوس میں بیمار ہوا تھا۔

تشریح: غیر مسلم کی عیادت جائز ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی خرافاتی نہ ہو۔

وجہ : عن انسؓ قال كان غلام يهودى يخدم النبى ﷺ فمرض فاتاه النبى ﷺ يعوده فقعد عند رأسه فقال له اسلم فنظر الى ابيه و هو عنده فقال له اطع ابا القاسم فاسلم فخرج النبى و هو يقول الحمد لله الذى انقذه من النار ۔(بخاری شریف، باب اذا اسلم الصبی فمات،ص۲۱۶،نمبر۱۳۵۶)اس حدیث میں ہے کہ حضور نے غیر مسلم کی عیادت کی ہے۔

ترجمہ: (۳۳۹) آدمی اپنی دعاء میں, اسألك بمعقد العز من عرشك، کہنا مکروہ ہے۔

ترجمہ: لِ یہاں مسئلے کی دو عبارتیں ہیں، ایک یہ اور دوسری ہے ,بمقعد العز،، اور دوسری عبارت کے مکروہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔اس لئے کہ یہ عبارت قعود سے مشتق ہے، اور ایسے ہی پہلی عبارت بھی اس لئے کہ یہ وہم ہوتا ہے کہ اللہ کی عزت کا تعلق عرش سے ہے، اور عرش محدث ہے، حالانکہ اللہ اپنی تمام صفات کے ساتھ قدیم ہے۔

لغت : قدیم: یہ ایک منطقی محاورہ ہے، جو ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہے اس کو قدیم، کہتے ہیں، اللہ اور اس کی تمام صفات قدیم

وَاللَّهُ تَعَالَى بِجَمِيعِ صِفَاتِهِ قَدِيمٌ. ٢ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ - رَحِمَهُ اللَّهُ - أَنَّهُ لا بَأْسَ بِهِ. وَبِهِ أَخَذَ الْفَقِيهُ أَبُو اللَّيْثِ - رَحِمَهُ اللَّهُ - لِأَنَّهُ مَأْثُورٌ عَنْ النَّبِيِّ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - . رُوِيَ أَنَّهُ كَانَ مِنْ دُعَائِهِ اللّٰهُمَّ انِّي أَسْأَلُك بِمَعْقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِك، وَمُنْتَهَى الرَّحْمَةِ مِنْ كِتَابِك، وَبِاسْمِك الْأَعْظَمِ وَجَدِّك الْأَعْلَى وَكَلِمَاتِك التَّامَّةِ ٣ وَلَكِنَّا نَقُولُ: هَذَا خَبَرُ وَاحِدٍ فَكَانَ الِاحْتِيَاطُ فِي الِامْتِنَاعِ ٤ وَيُكْرَهُ أَنْ يَقُولَ الرَّجُلُ فِي دُعَائِهِ بِحَقِّ فُلَانٍ أَوْ بِحَقِّ

ہیں۔حادث: جو چیز پہلے نہیں تھی اور اب وجود میں آئی اس کو،حادث، کہتے ہیں،مخلوق اور انکی تمام صفات حادث ہیں۔

اصول :ایسی دعاءجس سے یہ وہم ہوتا ہو کہ اللہ کی کوئی صفت حادث ہے،ایسی دعاء مانگنا جائز نہیں، کیونکہ اللہ کی کوئی صفت حادث نہیں ہے۔

تشریح : یہاں مسئلے کی دو عبارتیں ہیں۔[۱] ایک ہے،،بمعقد العزمن عرشک،،اس کا ترجمہ ہے اللہ کی عزت عرش کے ساتھ بندھی ہوئی ہے،عرش حادث ہے اور اللہ کی عزت اس کے ساتھ بندھ جائے تو اللہ کی عزت بھی حادث ہو جائے گی،اس لئے اس قسم کی دعاء اچھی نہیں ہے۔[۲] دوسری عبارت ہے،،بمقعد العزمن عرشک:اس کا ترجمہ ہے عرش پر اللہ کی عزت کے بیٹھنے کی جگہ ہے،عرش حادث ہے،اب اللہ کی عزت عرش پر بیٹھے،تو اللہ کی عزت بھی حادث ہو جائے گی،اس لئے اس طرح کی دعاء بھی مناسب نہیں ہے۔

ترجمہ : ٢ امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اوپر کے جملے کے ساتھ دعاء کرنے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ اسی کو فقیہ ابو الیثؒ نے لیا ہے،اس لئے کہ اس قسم کی دعاء حضورؐ سے منقول ہے۔روایت کی گئی ہے کہ حضورؐ کی دعاء یہ تھی۔ انی اسألک بمعقد العز من عرشک ، و منتهی الرحمة من کتابک ، و باسملک الاعظم و جدک الاعلی و کلماتک التامة ۔

تشریح:امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ اس قسم کی دعاء کتابوں میں منقول ہے اس لئے ایسی دعاء کرنا جائز ہے۔

ترجمہ: ٣ لیکن یہ خبر واحد ہے اس لئے اس سے رکنے میں احتیاط ہے۔

تشریح: یہ امام ابو حنیفہؒ کی جانب سے جواب ہے، کہ امام ابو یوسفؒ نے جو روایت پیش کی ہے وہ خبر احاد ہے اس لئے ایسی دعاء نہ کرنے میں احتیاط ہے۔

ترجمہ: ٤ اپنی دعاء میں بحق فلاں، یا بحق انبیائک، یا بحق رسولک، کہے یہ مکروہ ہے اس لئے کہ اللہ پر مخلوق کا حق نہیں ہے

تشریح: واضح ہے۔

ترجمہ: (۳۴۰) شطرنج، اور نرد، اور چودہ گوٹی سے کھیلنا مکروہ ہے، اور ہر کھیل مکروہ ہے۔

أَنْبِيَائِكَ وَرُسُلِكَ؛ لِأَنَّهُ لَا حَقَّ لِلْمَخْلُوقِ عَلَى الْخَالِقِ. قَالَ (۳۴۰) وَيُكْرَهُ اللَّعِبُ بِالشِّطْرَنْجِ وَالنَّرْدِ وَالْأَرْبَعَةَ عَشَرَ وَكُلِّ لَهْوٍ؛ لِأَنَّهُ إِنْ قَامَرَ بِهَا فَالْمَيْسِرُ حَرَامٌ بِالنَّصِّ وَهُوَ اسْمٌ لِكُلِّ قِمَارٍ، وَإِنْ لَمْ يُقَامِرْ فَهُوَ عَبَثٌ وَلَهْوٌ. وَقَالَ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – لَهْوُ الْمُؤْمِنِ بَاطِلٌ إِلَّا الثَّلَاثَ: تَأْدِيبُهُ لِفَرَسِهِ، وَمُنَاضَلَتُهُ عَنْ قَوْسِهِ، وَمُلَاعَبَتُهُ مَعَ أَهْلِهِ۲ وَقَالَ بَعْضُ

ترجمہ: ۱ اگر اس سے جوا کھیلا، تو آیت کی وجہ سے جوا حرام ہے، اور میسر ہر جوئے کا نام ہے، اور اگر جوا نہیں کھیلا تو یہ عبث ، اور لھو کام ہے، چنانچہ حضورؐ نے فرمایا کہ مومن کا لھو باطل ہے مگر تین کھیل گھوڑے کو ادب دینا، اپنی کمان سے تیر پھینکنا اور بیوی سے ملاعبت کرنا۔

تشریح: کوئی بھی لہو کی چیز ہو یہ مکروہ ہے، اسی طرح شطرنج کھیلنا، نردشیر کھیلنا، چودہ گوٹی کھیلنا یہ سب مکروہ ہے، اور اگر یہ کھیل جوا لگا کر کھیل رہا ہے تو حرام ہے کیونکہ یہ قمار اور میسر ہے جسکو آیت میں حرام لکھا ہے۔

وجہ: (۱) جوا حرام ہے، اس کے لئے آیت یہ ہے۔ انما الخمر و المیسر و الانصاب و الازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون ۔ (۹۰، سورۃ المائدۃ۵) (۲) جوا نہ ہو تب بھی عام حالت میں لہو لعب مکروہ ہے اس کے لئے یہ آیت ہے۔ الذین اتخذوا دینھم لھوا و لعبا و غرتھم الحیوۃ الدنیا فالیوم ننساھم کما نسوا لقاء یومھم ھذا و ما کانوا بآیاتنا یجحدون ۔ (آیت ۵۱، سورۃ الاعراف ۷) (۳) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن عقبۃ بن عامر .....لیس من الھو الا ثلاث تأدیب الرجل فرسہ و ملاعبتہ اھلہ و رمیہ بقوسہ و نبلہ ۔ (ابوداود شریف، باب فی الرمی، ص ۳۶۴، نمبر ۲۵۱۳/ ابن ماجۃ شریف، باب الرمی فی سبیل اللہ، ص ۴۰۶، نمبر ۲۸۱۱) اس حدیث میں ہے کہ تین کھیل کے علاوہ سب کھیل غلط ہیں۔ (۴) نردشیر مکروہ ہے اس کے لئے حدیث یہ ہے۔ عن سلیمان بن بریدۃ عن ابیہ ان النبی ﷺ قال من لعب بالنردشیر فکانما صبغ یدہ فی لحم خنزیر و دمہ ۔ (مسلم شریف، باب تحریم اللعب بالنردشیر، ص ۱۰۰۱، نمبر ۲۲۶۰/۵۸۹۶/ ابوداود شریف، باب فی النھی عن اللعب بالنرد، ص ۶۹۶، نمبر ۴۹۳۹) اس حدیث میں ہے کہ جو نردشیر کھیلے اس نے اپنا ہاتھ سور کے گوشت اور خون میں ڈالا۔ (۵) شطرنج مکروہ ہے اس کے لئے یہ قول تابعی ہے۔ قلت لابراھیم ما تقول فی اللعب بالشطرنج فانی احب اللعب بھا قال فانھا ملعونۃ لا تلعب بھا۔ (بیہقی، شعب الایمان، ۴۱ باب تحریم الملاعب والملاھی، ج خامس، ص ۲۴۲، نمبر ۶۵۲۰)

لغت: شطرنج: ایک قسم کا کھیل ہے، جو چھ مہروں سے کھیلتے ہیں۔ نرد: یہ بھی ایک قسم کا کھیل ہے۔ اربعۃ عشر: چودہ گوٹی، یہ بھی ایک قسم کا کھیل ہے۔ قامر: قمار سے مشتق ہے، جوا کھیلنا۔ میسر: جوا۔ مناضلۃ: نضل سے مشتق ہے تیر اندازی کرنا، قوس: کمان ۔ ملاعبۃ: لعب سے مشتق ہے، بیوی کے ساتھ کھیلنا۔

النَّـاس: يُبَـاحُ الـلَّعِبُ بِالشَّطْرَنْجِ لِمَا فِيهِ مِنْ تَشْحِيذِ الْخَوَاطِرِ وَتَذْكِيَةِ الْأَفْهَامِ، وَهُوَ مَحْكِيٌّ عَـنْ الشَّافِعِيِّ – رَحِمَهُ اللَّهُ –. ۳ لَـنَـا قَـوْلُهُ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – مَنْ لَعِبَ بِالشَّطْرَنْجِ وَالـنَّـرْدَشِيرِ فَكَأَنَّمَا غَمَسَ يَدَهُ فِي دَمِ الْخِنْزِيرِ ۴ وَلِأَنَّـهُ نَـوْعُ لَعِبٍ يَصُدُّ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنْ الْجُمَعِ وَالْجَمَاعَاتِ فَيَكُونُ حَرَامًا لِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – مَا أَلْهَاك عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ فَهُوَ مَيْسِرٌ ۵ ثُـمَّ إنْ قَامَرَ بِهِ تَسْقُطُ عَدَالَتُهُ، وَإِنْ لَمْ يُقَامِرْ لَا تَسْقُطُ؛ لِأَنَّهُ مُتَأَوِّلٌ فِيهِ. ۶ وَكَرِهَ

ترجمہ: ۲ بعض حضرات نے فرمایا کہ شطرنج سے کھیلنا مباح ہے اس لئے کہ اس سے ذہن تیز اور چوکس ہوتا ہے، اور امام شافعیؒ سے یہی منقول ہے۔

تشریح: شطرنج سے ذہن تیز ہوتا ہے اس لئے اگر اس کے کھیلنے سے نماز نہ جاتی ہو اور اس میں جوا بھی نہ ہو تو مباح کے درجے میں ہوگا، امام شافعیؒ کا یہی قول ہے، تاہم اس کی عادت نہیں بنانی چاہئے۔

لغت: تشحیذ: شحذ سے مشتق ہے، تیز کرنا۔ تذکیۃ: ذکی سے مشتق ہے روشن ہونا۔

ترجمہ: ۳ ہماری دلیل حضورؐ کا قول ہے جو شطرنج اور نردشیر کھیلے گویا کہ اس نے اپنے ہاتھ کو سور کے خون اور گوشت میں داخل کیا۔۔ یہ حدیث اوپر گزر گئی۔

ترجمہ: ۴ اور اس لئے کہ یہ ایک قسم کا کھیل ہے جو اللہ کے ذکر جمعہ اور جماعتوں سے روکتا ہے اس لئے حرام ہوگا، کیونکہ حضورؐ نے فرمایا کہ جو چیز اللہ ذکر سے غافل کرے وہ میسر ہے۔

تشریح: حنفیہ کی جانب سے یہ یہ دلیل ہے شطرنج کھیل ہے اور اس میں مشغول ہونے سے اللہ کے ذکر سے غافل ہوتا ہے۔ جمعہ کی نماز جاتی ہے اور جماعت کی نماز بھی جاتی ہے، اور حضورؐ نے فرمایا کہ جو اللہ کے ذکر سے روکے وہ میسر اور جوا ہے اس لئے شطرنج کھیلنا جائز نہیں ہوگا۔

وجہ: صاحب ہدایہ نے جو ذکر کیا وہ یہ قول صحابی ہے۔ عن عبید اللہ بن عمر قال قیل للقاسم هذه النرد تکرهونها فما بال الشطرنج قال کل ما الهی عن ذکر الله و عن الصلوة فهو من المیسر (بیہقی، شعب الایمان، ۴۱ باب تحریم الملاعب والملاهی، ج خامس، ص ۲۴۲، نمبر ۶۵۱۹) اس قول صحابی میں ہے کہ جو کھیل بھی اللہ کے ذکر سے روکے وہ میسر اور جوا ہے۔

ترجمہ: ۵ پھر اگر شطرنج سے جوا کھیلا تو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی، اور اگر جوا نہیں کھیلا تو اس کی عدالت ساقط نہیں ہوگی اس لئے کہ اس کھیل کی تاویل ہے۔

وجہ: سمعت محمد ابن سیرین یقول لو رددت شهاده من یلعب بالشطرنج کان ذالک اهلا۔ (بیہقی،

أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ التَّسْلِيمَ عَلَيْهِمْ تَحْذِيرًا لَهُمْ، وَلَمْ يَرَ أَبُو حَنِيفَةَ - رَحِمَهُ اللَّهُ - بِهِ بَأْسًا لِيَشْغُلَهُمْ عَمَّا هُمْ فِيهِ. (۳۴۱)قَالَ وَلَا بَأْسَ بِقَبُولِ هَدِيَّةِ الْعَبْدِ التَّاجِرِ وَإِجَابَةِ دَعْوَتِهِ وَاسْتِعَارَةِ دَابَّتِهِ. وَتُكْرَهُ كِسْوَتُهُ الثَّوْبَ وَهَدِيَّتُهُ الدَّرَاهِمَ وَالدَّنَانِيرَ ١ وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ. وَفِي الْقِيَاسِ: كُلُّ ذَلِكَ بَاطِلٌ؛ لِأَنَّهُ تَبَرُّعٌ وَالْعَبْدُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِهِ. وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - قَبِلَ هَدِيَّةَ سَلْمَانَ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - حِينَ كَانَ عَبْدًا، وَقَبِلَ هَدِيَّةَ بَرِيرَةَ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا - وَكَانَتْ مُكَاتَبَةً وَأَجَابَ رَهْطٌ مِنْ الصَّحَابَةِ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ - دَعْوَةَ مَوْلَى أَبِي أُسَيْدٍ وَكَانَ عَبْدًا، وَلِأَنَّ فِي هَذِهِ الْأَشْيَاءِ ضَرُورَةً لَا يَجِدُ التَّاجِرُ بُدًّا مِنْهَا، وَمَنْ مَلَكَ شَيْئًا يَمْلِكُ مَا هُوَ مِنْ ضَرُورَاتِهِ، وَلَا ضَرُورَةَ فِي الْكِسْوَةِ وَإِهْدَاءِ الدَّرَاهِمِ فَبَقِيَ عَلَى أَصْلِ

شعب الایمان، ۴۱ باب تحریم الملاعب والملاھی، ج خامس، ص۲۴۳، نمبر ۶۵۲۶) اس قول تابعی میں ہے کہ جو شطرنج کھیلتا ہے اس کی گواہی رد کر دی جائے۔ اس لئے اگر اس سے جوا کھیلتا ہے تو بدرجہ اولی اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی۔

ترجمہ: ٦ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے ان لوگوں پر سلام کرنا مکروہ سمجھا ان کو ڈرانے کے لئے، اور امام ابو حنیفہؒ نے اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا تا کہ تھوڑی دیر کے لئے اس کھیل سے ہٹا دیا جائے۔

تشریح: صاحبین نے ان لوگوں پر سلام کرنا مکروہ سمجھا تا کہ وہ لوگ اس ڈر بھی شطرنج کھیلنا چھوڑ دیں، اور امام ابو حنیفہؒ نے یہ کہا کہ ان پر سلام کرو تا کہ کم از کم اتنی دیر کے لئے شطرنج سے دور ہو جائیں۔

وجہ: عن يزيد بن يوسف انه سأل يزيد بن ابى حبيب عن اللعب بالشطرنج فقال يزيد لو مررت على قوم يلعبون بالشطرنج ما سلمت عليهم ۔(بیہقی، شعب الایمان، ۴۱ باب تحریم الملاعب والملاھی، ج خامس، ص۲۴۳، نمبر ۶۵۲۷) اس قول تابعی میں ہے کہ شطرنج کھیلنے والے پر سلام نہ کرے۔

ترجمہ: (۳۴۱) تاجر غلام کا ہدیہ قبول کرنے، اس کی دعوت قبول کرنے میں اور اس کی سواری کو عاریت پر لینے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے، لیکن اس کا کپڑا پہننے، اور درہم اور دینار کا ہدیہ لینا مکروہ ہے۔

ترجمہ: ١ یہ استحسان کا تقاضہ ہے، اور قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ سب باطل ہیں، اس لئے یہ ایک قسم کا تبرع ہے اور غلام تبرع کا اہل نہیں ہے، اور استحسان کی وجہ یہ ہے حضورؐ نے حضرت سلمان کا ہدیہ قبول کیا جب وہ غلام تھے، اور حضرت بریرہ کا ہدیہ قبول کیا جب وہ مکاتبہ تھیں، اور صحابہ کی ایک جماعت نے مولی ابی اسید کی دعوت قبول کی جبکہ وہ غلام تھے۔ اور اس لئے کہ ان چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے، اس لئے کہ تاجر کو اس کے بغیر چارہ نہیں ہے، اور جس چیز کا مالک ہوتا ہے تو اس کے لوازمات کے ساتھ مالک ہوتا ہے، اور کپڑے میں اور درہم کے ہدیہ میں کوئی ضرورت نہیں ہے اس لئے وہ اپنے اصل پر باقی رہا۔

الْقِيَاسِ. (۳۴۲)قَالَ وَمَنْ كَانَ فِي يَدِهِ لَقِيطٌ لا أَبَ لَهُ فَإِنَّهُ يَجُوزُ قَبْضُهُ الْهِبَةَ وَالصَّدَقَةَ لَهُ ا وَأَصْلُ هٰذَا أَنَّ التَّصَرُّفَ عَلَى الصِّغَارِ أَنْوَاعٌ ثَلَاثَةٌ: نَوْعٌ هُوَ مِنْ بَابِ الْوِلَايَةِ لا يَمْلِكُهُ إِلَّا مَنْ هُوَ وَلِيٌّ كَالْإِنْكَاحِ وَالشِّرَاءِ وَالْبَيْعِ لِأَمْوَالِ الْقِنْيَةِ؛ لِأَنَّ الْوَلِيَّ هُوَ الَّذِي قَامَ مَقَامَهُ بِإِنَابَةِ

تشریح: دوقسم کے ہدئے ہیں[۱] ایک وہ ہدیہ ہے جوگا ہک کو مائل کرنے کے لئے کرنا پڑتا ہے، مثلا چائے پلانا، معمولی ضیافت کرنا، موقع دیکھ کر اپنی سواری پر سوار کرنا، یہ کام تاجر غلام کرسکتا ہے، [۲] دوسرا وہ ہدیہ ہے جو تاجر کو اس کی ضرورت نہیں پڑتی، جیسے کپڑا ہدیہ میں دینا، درہم دینار ہدئے میں دینا، اس لئے تاجر غلام یہ نہیں کرسکتا، کیونکہ یہ آقا کا مال ہے اس لئے اس کی اجازت کے بغیر خرچ نہیں کرسکتا، حضور نے غلام کا ہدیہ قبول کیا اس کے لئے حدیث نیچے ہے۔

وجه: (۱) تجارت کی اجازت ہو تو اس کے لوازمات کی بھی اجازت ہوگی، اور یہ سب اس کے لوازمات میں سے ہیں اس لئے اس کی بھی اجازت ہوگی۔ (۲) عن انس بن مالک قال کان رسول الله ﷺ یعود المریض و یشهد الجنازة و یرکب الحمار و یجیب دعوة العبد۔ (ترمذی شریف، باب سنة عیادة المریض وشہود الجنازة، ص ۲۴۶، نمبر ۱۰۱۷/ ابن ماجة شریف، باب البرأة من الکبر والتواضع، ص ۶۰۹، نمبر ۴۱۷۸) اس حدیث میں ہے کہ حضور غلاموں کی دعوت قبول کرتے تھے۔ (۳) صاحب ہدیہ کی حدیث یہ ہے۔ ان سلمان لما قدم المدینة اتی رسول الله بهدیة علی طبق فوضعها بین یدیه فقال .....ما هذا قال هدیة لک فقال رسول الله لاصحابه کلوه ۔ (مستدرک للحاکم، باب کتاب البیوع، ج ثانی، ص ۲۰، نمبر ۲۱۸۳) اس حدیث میں ہے کہ حضرت سلمان فارسی کا ہدیہ قبول فرمایا۔ (۴) صاحب ہدایہ کی حضرت بریرہ والی حدیث یہ ہے .عن عائشة قالت کانت فی بریرة ثلاث سنن.....فقیل لحم تصدق علی بریرة و انت لا تأکل الصدقة فقال هوا علیها صدقة و لنا هدیة۔ (بخاری شریف، باب الحرة تحت العبد، ص ۹۱۱، نمبر ۵۰۹۷/مسلم شریف، باب بیان ان الولاء لمن اعتق، ص ۶۵۵، نمبر ۱۵۰۴/ ۳۷۸۱)

ترجمه: (۳۴۲) جس کے ہاتھ نیچے پایا ہوا بچہ ہو اور اس کا باپ نہ ہو تو پانے والے کے لئے جائز ہے کہ ہبہ پر اور اس کے صدقہ پر قبضہ کرے۔

تشریح: چھوٹے بچے کو پایا جس کا باپ نہیں ہے تو پانے والے کے لئے جائز ہے اس بچے کے اوپر کسی نے صدقہ کیا ہے یا ہبہ کیا ہے تو اس پر قبضہ کرلے۔

وجه: یہ چیزیں بچے کے محض فائدے کے لئے ہیں اس لئے ان پر پانے والا قبضہ کرسکتا ہے۔

ترجمه: ا اس کا اصل قاعدہ یہ ہے کہ پائے ہوئے بچے پر تصرف کرنے کی تین قسمیں ہیں [۱] پہلی قسم ہے جو ولایت کے باب میں سے ہے جو ولی ہی اس کے کرنے کا مالک ہے، جیسے نکاح کرانا نسل برقرار رکھنے والے مال کو خریدنا اور بیچنا اس لئے کہ ولی ہی کو شریعت نے قائم مقام بنایا ہے۔

الشَّرْعِ،۲؎ وَنَوْعٌ آخَرُ مَا كَانَ مِنْ ضَرُورَةِ حَالِ الصِّغَارِ وَهُوَ شِرَاءُ مَا لَا بُدَّ لِلصَّغِيرِ مِنْهُ وَبَيْعُهُ وَإِجَارَةُ الْأَظْآرِ. وَذَلِكَ جَائِزٌ مِمَّنْ يَعُولُهُ وَيُنْفِقُ عَلَيْهِ كَالْأَخِ وَالْعَمِّ وَالْأُمِّ وَالْمُلْتَقِطِ إذَا كَانَ فِي حِجْرِهِمْ. وَإِذَا مَلَكَ هَؤُلَاءِ هَذَا النَّوْعَ فَالْوَلِيُّ أَوْلَى بِهِ، إلَّا أَنَّهُ لَا يُشْتَرَطُ فِي حَقِّ الْوَلِيِّ

تشریح : پائے ہوئے بچے کی ضروریات کی تین صورتیں ہیں[۱] پہلی صورت۔اس کے مال کو بڑھانے کے لئے خرید و فروخت، یہ صرف اس کا ولی کرسکتا ہے[۲] دوسری صورت۔اس کی ضرورت کی چیز خریدنا،جس کی پرورش میں بچہ ہے وہ خرید سکتا ہے،اوراس کا ولی بھی خرید سکتا ہے[۳] تیسری صورت: بچے پر کوئی صدقہ کرے، ہبہ کرے اس پر قبضہ کرنا، یہ ولی بھی کرسکتا ہے، پرورش والا بھی کرسکتا ہے،اور خود بچہ بھی کرسکتا ہے، یہی مسئلہ متن میں ہے اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

[۱] پہلی قسم۔ایسا کام جو صرف ولی ہی اس کام کو کرسکتا ہے، کیونکہ شریعت نے اس کو کام کرنے کا نائب بنایا ہے، جیسے نکاح کرانا ، یا ایسے جانور کو خریدنا، یا بیچنا جس سے نسل بڑھے، یہ کام صرف ولی کرسکتا ہے، جیسے باپ، دادا، چچا، قاضی۔

لغت:لقیط: پایا ہوا بچہ۔قنیۃ: گائے، بکری جس سے اس کی نسل بڑھے۔

ترجمہ : ۲؎ دوسری قسم وہ تصرف ہے جو بچے کی ضرورت کی چیز ہے،اور وہ بچے کے لئے ضروری چیز خریدنا،اور بیچنا ہے، اور دودھ پلانے والی دایہ کو اجرت پر لینا، اس کے لئے ہے جو اس پر نگرانی کرتا اور اس پر خرچ کرتا ہو، جیسے بھائی، چچا، ماں، پانے والا، جبکہ بچہ اس کی پرورش میں ہو،اور جب یہ لوگ اس کا مالک ہیں تو ولی بدرجہ اولی اس کا مالک ہوگا، یہ اور بات ہے کہ ولی کے حق میں بچے کا اس کی پرورش میں ہونا ضروری نہیں ہے۔

تشریح :[۲] دوسری قسم۔بچے کے لئے جو ضروری چیز خریدنا اور بیچنا ہے، یا بچہ دودھ پینے والا ہے اس لئے دایہ کو دودھ پلانے کے لئے اجرت پر لینا ہے، یہ سب کام وہ کرسکتا ہے جسکی پرورش میں بچہ ہے جیسے بھائی، چچا، ماں، بچے کو پانے والا، یہ سب یہ کام کرسکتے ہیں، لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ بچہ اس کی پرورش میں ہو۔اور جب یہ لوگ یہ کام کرسکتے ہیں تو بچے کا جو ولی ہے وہ بھی ان کاموں کو کرسکتا ہے،اور بچے کے لئے اس کی ضرورت کا سامان خرید سکتا ہے، البتہ بچہ اس کی پرورش میں ہو یہ ضروری نہیں ہے،اس کے بغیر بھی خرید سکتا ہے۔

لغت:اس حدیث میں ماں نے بچے کے نفقے پر قبضہ کیا، **جائت هند بنت عتبه فقالت يا رسول الله ان ابا سفيان رجل مسيک فهل علی حرج ان اطعم من الذی له عيالنا ؟ قال: لا الا بالمعروف** ۔(بخاری شریف، باب نفقۃ المرأۃ اذا غاب عنھا زوجھا ونفقۃ الولد، ص ۹۵۷، نمبر ۵۳۵۹)

لغت :اظار: ظیر سے مشتق ہے، دودھ پلانے والی دایہ۔ یعول: عیال سے مشتق ہے، پرورش کرنا، نگرانی کرنا۔حجر: گود میں ہو، پرورش میں ہو۔

أَنْ يَكُونَ الصَّبِيُّ فِيْ حِجْرِهِ، ۳ وَنَوْعٌ ثَالِثٌ مَا هُوَ نَفْعٌ مَحْضٌ كَقَبُولِ الْهِبَةِ وَالصَّدَقَةِ وَالْقَبْضِ، فَهَذَا يَمْلِكُهُ الْمُلْتَقِطُ وَالْأَخُ وَالْعَمُّ وَالصَّبِيُّ بِنَفْسِهِ إِذَا كَانَ يَعْقِلُ، لِأَنَّ اللَّائِقَ بِالْحِكْمَةِ فَتْحُ بَابِ مِثْلِهِ نَظَرًا لِلصَّبِيِّ فَيَمْلِكُ بِالْعَقْلِ وَالْوِلَايَةِ وَالْحِجْرِ وَصَارَ بِمَنْزِلَةِ الْإِنْفَاقِ. (۳۴۳) قَالَ وَلَا يَجُوزُ لِلْمُلْتَقِطِ أَنْ يُؤَاجِرَهُ، وَيَجُوزُ لِلْأُمِّ أَنْ تُؤَاجِرَ ابْنَهَا إِذَا كَانَ فِيْ حِجْرِهَا وَلَا يَجُوزُ لِلْعَمِّ؛ ۱ لِأَنَّ الْأُمَّ تَمْلِكُ اتْلَافَ مَنَافِعِهِ بِاسْتِخْدَامٍ، وَلَا كَذَلِكَ

ترجمہ :۳ [۳] تیسری قسم وہ ہے کہ اسمیں بچے کا نفع ہی نفع ہے، جیسے ہبہ اور صدقہ کو قبول کرنا، اور اس پر قبضہ کرنا، اس کا مالک خود پانے والا ہوگا، اور بھائی، چچا، اور خود بچہ اگر سمجھدار ہو، تو وہ بھی قبضہ کرنے کا مالک ہوگا، اس لئے کہ حکمت کا تقاضا ہے کہ اس قسم کا دروازہ کھول دیا جائے، جس میں بچے کا نفع ہو، اسلئے بچہ عقل والا ہو تو وہ مالک ہوگا، اور ولی اور پرورش کرنے والا ہو تو وہ مالک ہوگا، اور یہ خرچ کرنے کے درجے میں ہے۔

تشریح: تیسری صورت یہ ہے کہ، جس میں بچے کا نفع ہی نفع ہو، جیسے ہبہ، اور صدقہ قبول کرنا اور اس پر قبضہ کرنا، تین قسم کے لوگ یہ کرنے کے مالک ہوں گے [۱] بچہ سمجھدار ہو تو خود بچہ ہبہ قبول کر سکتا ہے۔ [۲] بچے کا جو ولی ہے وہ قبول کر سکتا ہے [۳] بچہ جسکی پرورش میں ہے وہ قبول کر سکتا ہے۔

وجہ :اس میں بچے کا نفع ہی نفع ہے اس لئے یہ کام تینوں قسم کے لوگ کر سکتے ہیں (۲)، جس طرح بچے پر خرچ کرنے کے تینوں قسم کے لوگ مالک ہیں اسی طرح صدقہ اور ہبہ کو قبول کرنے کے مالک ہوں گے۔

ترجمہ : (۳۴۳) پانے والے کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ بچے کو اجرت پر رکھے، اور ماں کے لئے جائز ہے کہ اپنے بیٹے کو اجرت پر رکھے، جبکہ اس کی پرورش میں ہو، اور چچا کے لئے جائز نہیں ہے کہ بھتیجے کو اجرت پر رکھے۔

ترجمہ : ۱ اس لئے کہ ماں کو حق ہے کہ بچے کو خدمت پر رکھ کر اس کے نفع کو استعمال کرلے، لیکن پانے والے کو اور چچا کو یہ حق نہیں ہے۔

تشریح :بچہ پانے والا اور چچا کو یہ حق نہیں ہے کہ بچے کو اجرت پر رکھے، اور ماں کو یہ حق ہے کہ اپنے بچے کو اجرت پر رکھے اور اس کی اجرت لے لے۔

وجہ :(۱) ماں کو یہ حق ہے کہ بچے کو اجرت پر رکھ کر اس کی اجرت لے اور خود استعمال کرلے، تو یہ بھی حق ہوگا کہ اس کو اجرت پر رکھے۔ (۲) اس حدیث میں ماں نے اپنے بیٹے کو خدمت میں رکھا ہے۔ عن ام سلیم انها قالت یا رسول الله انس خادمک ادع الله له قال اللهم اکثر ماله و ولده و بارک له فیما اعطیته ۔ (بخاری شریف، باب الدعاء بکثرۃ المال والولد مع البرکۃ، ص ۱۱۰۸، نمبر ۶۳۷۸) اس حدیث میں ام سلیمؓ نے اپنے بیٹے انسؓ کو حضورؐ کی خدمت کے

الْـمُلْتَقِطُ وَالْعَمُّ (۳۴۴) وَلَـوْ أَجَّرَ الصَّبِيُّ نَفْسَهُ لَا يَجُوزُ ؛ا لِأَنَّـهُ مَشُوبٌ بِالضَّرَرِ إِلَّا إِذَا فَرَغَ مِـنْ الْعَمَلِ ؛ لِأَنَّ عِنْدَ ذَلِكَ تَمَحَّضَ نَفْعًا فَيَجِبُ الْمُسَمَّى وَهُوَ نَظِيرُ الْعَبْدِ الْمَحْجُورِ يُؤَاجِرُ نَـفْسَـهُ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ. (۳۴۵) قَالَ وَيُكْـرَهُ أَنْ يَـجْعَلَ الرَّجُلُ فِي عُنُقِ عَبْدِهِ الرَّايَةَا وَيَرْوُونَ الـدَّايَةَ، وَهُـوَ طَـوْقُ الْـحَدِيدِ الَّذِي يَمْنَعُهُ مِنْ أَنْ يُحَرِّكَ رَأْسَهُ، وَهُوَ مُعْتَادٌ بَيْنَ الظَّلَمَةِ؛ لِأَنَّهُ

لئے رکھا۔

ترجمہ: (۳۴۴) اور اگر خود بچے نے اپنے آپ کو اجرت پر رکھ دیا تو یہ جائز نہیں ہے۔

ترجمہ : ا اس لئے کہ نفع کے ساتھ نقصان ملا ہوا ہے، لیکن اگر کام سے فارغ ہو گیا تو [تو جائز کردو] اس لئے کہ اس وقت اب محض نفع ہے، اس لئے متعین اجرت واجب ہوگی۔

تشریح : بچہ خود کو اجرت پر دے دے تو یہ جائز نہیں ہے، لیکن رکھ ہی دیا اور کام سے فارغ ہو گیا تو اب اس اجرت کو جائز قرار دے دیا جائے گا اور اجرت لے لی جائے گی۔

وجہ: کیونکہ اب اجرت کا لینا نفع ہی نفع ہے اس لئے عقد کو جائز قرار دیکر اجرت لینے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ مشوب: ملا ہوا ہے

ترجمہ : ا اس کی مثال وہ غلام ہے جسکو تجارت کی اجازت نہیں ہے، وہ اپنے آپ کو اجرت پر رکھ دے [تو بعد میں جائز قرار دے دی جائے گی] اس کو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔

تشریح : بچے کے اجرت کی مثال، وہ غلام ہے جسکو آقا نے اجرت پر رکھنے کی اجازت نہیں دی ہے، اب وہ اپنے آپ کو اجرت پر رکھے تو جائز نہیں ہے، لیکن رکھ ہی دیا اور کام سے فارغ ہو گیا تو آقا اس کو جائز قرار دے گا اور اس کی اجرت لے گا، کیونکہ اب تو نفع ہی نفع ہے۔

ترجمہ: (۳۴۵) آدمی غلام کی گردن میں طوق ڈال دے یہ مکروہ ہے۔

ترجمہ : ا ایک روایت میں دایہ، کا لفظ ہے، وہ لوہے کا طوق ہے، جس سے غلام سر نہیں ہلا سکتا، اس لئے کہ یہ ظالموں کی عادت ہے، اور جہنمیوں کی سزا ہے، اس لئے یہ مکروہ ہوگا، جیسے کہ آگ سے آدمی کو جلانا مکروہ ہے۔

تشریح: غلاموں کی گردن میں لوہے کا طوق ڈالنا مکروہ ہے۔

وجہ : (۱) اس سے غلام کو بہت تکلیف ہوگی۔ (۲) یہ ظالم لوگوں کی سزا ہے، اس لئے اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔ (۳) یہ جہنمیوں کی سزا ہے اس لئے بھی اس سے پرہیز کرنا چاہئے، جیسے آگ سے جلانے کی سزا سے پرہیز کا حکم دیتے ہیں۔ آیت یہ ہے۔ سیطوقون ما بخلوا به يوم القيامة۔ (آیت ۱۸۰، سورۃ آل عمران ۳) اس آیت میں ہے کہ بخیلوں کو طوق کی سزا دی جائے گی، اس لئے انسانوں کو یہ سزا نہیں دینی چاہئے۔

عُقُوبَةُ أَهْلِ النَّارِ فَيُكْرَهُ كَالْإِحْرَاقِ بِالنَّارِ ٢ وَلَا يُكْرَهُ أَنْ يُقَيِّدَهُ لِأَنَّهُ سُنَّةُ الْمُسْلِمِينَ فِي السُّفَهَاءِ وَأَهْلِ الدَّعَارَةِ فَلَا يُكْرَهُ فِي الْعَبْدِ تَحَرُّزًا عَنْ إِبَاقِهِ وَصِيَانَةً لِمَالِهِ. (۳۴۶) قَالَ وَلَا بَأْسَ بِالْحُقْنَةِ ١ يُرِيدُ بِهِ التَّدَاوِيَ لِأَنَّ التَّدَاوِيَ مُبَاحٌ بِالْإِجْمَاعِ، وَقَدْ وَرَدَ بِإِبَاحَتِهِ الْحَدِيثُ. ٢ وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ إِلَّا أَنَّهُ لَا يَنْبَغِي أَنْ يُسْتَعْمَلَ الْمُحَرَّمُ كَالْخَمْرِ وَنَحْوِهَا؛ لِأَنَّ

لغت: طوق: لوہے کی ہنسلی ہوتی ہے، جس سے آدمی سر بھی نہیں ہلا سکتا ہے

ترجمہ: ٢ اور پاؤں میں بیڑی ڈالنا مکروہ نہیں ہے اس لئے کہ یہ بیقوفوں اور بدکاروں کے بارے میں مسلمانوں کی سنت ہے، اس لئے غلام میں ایسا کرنا مکروہ نہیں ہے غلام کو بھاگنے سے بچانے کے لئے اور اپنے مال کو بچانے کے لئے۔

تشریح: غلاموں کے پاؤں میں لوہے کی بیڑی ڈالنا یہ مکروہ نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کا طریقہ ہے۔

وجہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان بدکاروں کو اور بیوقوفوں کو بڑی میں باندھتے ہیں اس لئے یہ جائز ہے (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ غلام کو بھاگنے سے بچانا ہے، اور اپنے مال کو ضائع ہونے سے بچانا ہے اس لئے یہ جائز ہے۔

لغت: سفہاء: سفیہ کی جمع ہے، بیوقوف۔ دعار: خبیث، مفسد۔ تحرزا: بچتے ہوئے۔ اباق: بھاگنا۔

ترجمہ: (۳۴۶) حقنہ کرنے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

ترجمہ: ١ اس سے مراد دوا کرنا ہو [موٹا بننا نہ ہو] اس لئے کہ بالاجماع علاج کرنا مباح ہے، اور دوائی کرنے کے مباح ہونے کے بارے میں حدیث وارد ہوئی ہے۔

تشریح: دوائی اور پانی ملا کر پیخانے کے راستے سے یہ دوائی ڈالتے ہیں اس کو حقنہ، کہتے ہیں، یہ علاج کے طور پر ہو تو مباح ہے، اور موٹا بننے کے لئے ہو تو مباح نہیں ہے، کیونکہ یہ شرم کی چیز ہے۔

وجہ: دوائی کرنا حلال ہے اس کے لئے یہ حدیث ہے۔ عن اسامة بن شريک ....فقالو يا رسول الله !انتداوى ؟ فقال تداووا فان الله تعالى لم يضع داء الا وضع له داء غير داء واحد الهرم۔ (ابوداود شریف، باب الرجل يتداوى، ص ۵۴۹، نمبر ۳۸۵۵/ ترمذی شریف، باب ماجاء فی الدواء والحث علیہ، ص ۴۶۹، نمبر ۲۰۳۸) اس حدیث میں ہے کہ دوا کرو۔

ترجمہ: ٢ حقنہ لگوانے میں مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہے، مگر یہ کہ حرام چیزوں کا استعمال کرنا مناسب نہیں ہے جیسے شراب وغیرہ اس لئے کہ حرام چیزوں سے شفاء حاصل کرنا حرام ہے۔

تشریح: مرد کا جس طرح حقنہ لگانا جائز ہے اسی طرح عورت کا بھی لگانا جائز ہے، البتہ شرط یہ ہے کہ حرام چیز استعمال نہ کی جائے، کیونکہ حرام چیز کو دوا کے استعمال کرنا بھی حرام ہے۔

الاِسْتِشْفَاءَ بِالْمُحَرَّمِ حَرَامٌ. (۳۴۷)قَالَ وَلَا بَأْسَ بِرِزْقِ الْقَاضِي؛ ا لِأَنَّهُ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – بَعَثَ عَتَّابَ بْنَ أُسَيْدٍ إِلَى مَكَّةَ وَفَرَضَ لَهُ، وَبَعَثَ عَلِيًّا إِلَى الْيَمَنِ وَفَرَضَ لَهُ ٢ وَلِأَنَّهُ مَحْبُوسٌ لِحَقِّ الْمُسْلِمِينَ فَتَكُونُ نَفَقَتُهُ فِي مَالِهِمْ وَهُوَ مَالُ بَيْتِ الْمَالِ، ٣ وَهَذَا لِأَنَّ

وجه:حرام چیز کو استعمال کرنا جائز نہیں اس کے لئے یہ حدیث ہے۔سأله سويد بن طارق او طارق بن سويد عن الخمر فنهاه فقال انا لنتداوى بها فقال رسول الله انها ليست بدواء و لكنها داء۔(ترمذی شریف، باب ما جاء فی کراہیۃ التداوی بالمسکر ،ص ۴۷۱، نمبر ۲۰۴۶/ابوداؤد شریف، باب الادویۃ المکرّہ،ص ۵۵۱،نمبر ۳۸۷۳)اس حدیث میں ہے کہ نشہ اور چیز سے دوا کرنا جائز نہیں ہے۔

نوٹ:مسلمان طبیب حاذق یہ کہہ دے کہ اس حرام چیز ہی سے شفاء ہوگی، دوسرا کوئی علاج نہیں ہے، اور اس سے شفاء ہونا غالب گمان ہو تو حرام چیز کا استعمال کرنا جائز ہے، کیونکہ اہل عرینہ کو اونٹ کا پیشاب پینے کی حکم دیا گیا تھا۔

ترجمہ:(۳۴۷) قاضی کو تنخواہ دینے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے عتاب بن اسید کو مکہ روانہ کیا اور ان کے لئے کچھ تنخواہ متعین کی، اور حضرت علیؓ کو یمن روانہ کیا اور اس کے لئے تنخواہ متعین کی۔

تشریح: قاضی کے لئے تنخواہ متعین کرے اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے، کیونکہ یہ امت کے لئے کام کرتے ہیں اس لئے بیت المال میں سے انکی تنخواہ متعین کی جائے گی۔

وجہ:(۱)اس قول صحابی میں ہے کہ حضرت ابوبکر اور عمر کے لئے تنخواہ متعین کی۔

كان شريح القاضي يأخذ على القضاء اجرا و قالت عائشة يأكل الوصى بقدر عمالته و اكل ابو بكر و عمر۔(۲)اس حدیث میں بھی ہے کہ حضرت کو تنخواہ دیا اور اس کے لینے پر حضورؐ نے اصرار کیا۔ سمعت عمر يقول كان النبى ﷺ يعطينى العطاء فاقول اعطه افقر اليه منى حتى اعطانى مرة مالا فقلت اعطه افقر اليه منى فقال النبى ﷺ خذ فتمول و تصدق به۔(بخاری شریف، باب رزق الحکام والعاملین علیھا،ص ۱۲۳۳،نمبر ۷۱۶۴) اس حدیث میں ہے کہ قاضی کو بیت المال سے تنخواہ دی جائے (۳) صاحب ہدیہ کی حدیث تقریبا یہ ہے۔سمعت عتاب بن اسيد و هو مسند ظهره الى بيت الله يقول و الله ما اصبت فى عملى هذا الذى ولانى رسول الله ﷺ الا ثوبين فكسوتهما كيسان مولاى۔(مستدرک للحاکم، باب معرفۃ الصحابۃ، ج ثالث،ص ۶۸۷،نمبر ۶۵۲۴)اس حدیث میں ہے کہ عمل کے بدلے میں دو کپڑے لئے۔

ترجمہ: ٢ اور اس لئے کہ قاضی مسلمانوں کے حق کے لئے محبوس ہے اس لئے اس کا نفقہ مسلمانوں کے مال سے ہوگا۔اور وہ بیت المال ہے۔

تشریح: قاضی مسلمانوں کے لئے محبوس ہے اس لئے وہ مسلمانوں کے بیت المال سے نفقہ لیگا۔

الْحَبْسَ مِنْ أَسْبَابِ النَّفَقَةِ كَمَا فِي الْوَصِيِّ وَالْمُضَارِبِ إِذَا سَافَرَ بِمَالِ الْمُضَارَبَةِ، ۴؎ وَهَذَا فِيمَا يَكُونُ كِفَايَةً، فَإِنْ كَانَ شَرْطًا فَهُوَ حَرَامٌ؛ لِأَنَّهُ اسْتِئْجَارٌ عَلَى الطَّاعَةِ، اذْ الْقَضَاءُ طَاعَةٌ بَلْ هُوَ أَفْضَلُهَا، ۵؎ ثُمَّ الْقَاضِي إِذَا كَانَ فَقِيرًا: فَالْأَفْضَلُ بَلْ الْوَاجِبُ الْأَخْذُ؛ لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُهُ اقَامَةُ فَرْضِ الْقَضَاءِ إِلَّا بِهِ، اذْ الِاشْتِغَالُ بِالْكَسْبِ يُقْعِدُهُ عَنْ اقَامَتِهِ، وَإِنْ كَانَ غَنِيًّا فَالْأَفْضَلُ الِامْتِنَاعُ عَلَى مَا قِيلَ رِفْقًا بِبَيْتِ الْمَالِ. وَقِيلَ الْأَخْذُ وَهُوَ الْأَصَحُّ صِيَانَةً لِلْقَضَاءِ عَنْ الْهَوَانِ

ترجمه: ۳؎ اوراس لئے کہ محبوس ہونا نفقہ کے اسباب میں سے ہے جیسے وصی، اور مضارب جبکہ مال مضارب لیکر سفر کررہا ہو

تشریح: کسی کے لئے محبوس ہونے سے اس کا نفقہ لازم ہوتا ہے، جیسے وصی بچے کے لئے محبوس ہوتو وصی کا نفقہ بچے کے مال میں واجب ہوتا ہے۔ مضارب مضاربت کا مال لیکر سفر کرے تو کھانے کا خرچ مال مضاربت سے لیا جاتا ہے، اسی طرح قاضی مسلمانوں کے لئے محبوس ہوتو اس کا خرچ بھی مسلمانوں پر لازم ہوتا ہے۔

وجه: اس آیت میں ہے کہ وصی کا خرچ یتیم کے مال میں لازم ہوتا ہے۔ ولا تأكلوها اسرافا و بدارا ان يكبروا و من كان غنيا فليستعفف ومن كان فقيرا فليأكل بالمعروف۔ (آیت ٦، سورۃ النساء۴)

ترجمه: ۴؎ یہ وظیفہ اتنا ہو جتنا کافی ہوجائے، اور اگر شرط کے طور پر ہوتو حرام ہے اس لئے کہ طاعت پر اجرت لینا ہے اس لئے کہ قضا بھی طاعت ہے، بلکہ افضل طاعت ہے۔

تشریح: قاضی جو وظیفہ لیگا وہ پہلے سے شرط کے طور متعین نہ کرے بلکہ اس کے لئے اور اس کے عیال کے لئے جتنا کافی ہو اتنا بیت المال سے دے دیا جائے، اس لئے کہ قضا افضل عبادت ہے اور عبادت کے لئے شرط کر کے اجرت لینا جائز نہیں ہے

ترجمه: ۵؎ پھر قاضی اگر فقیر ہے تو افضل یہ ہے بلکہ واجب یہ ہے کہ وظیفہ لے اس لئے کہ قضا کا فرض اس کے بغیر قائم نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ کمانے میں مشغول ہوگا تو قضا کے قائم کرنے سے بیٹھ جائے گا، اور اگر مالدار ہے تو افضل یہ ہے کہ نہ لے جیسا کہ کہا گیا ہے، بیت المال پر مہربانی کرتے ہوئے، اور بعض حضرات نے کہا کہ لے، اور یہی صحیح ہے قضا کو ذلت سے بچانے کے لئے اور جو بعد میں محتاج لوگ قضا لیگا اس کی مصلحت کے لئے، اس لئے کہ ایک زمانے تک وظیفہ منقطع ہوجائے تو اس کو واپس لانا متعذر رہوتا ہے۔

تشریح: قاضی اگر فقیر ہے تو اس کے لئے وظیفہ لے لینا افضل ہے، بلکہ واجب ہے، کیونکہ کمائے گا تو قضا کا کام نہیں کر سکے گا۔ اور اگر مالدار ہے تو افضل یہ ہے کہ نہ لے تاکہ بیت المال پر بوجھ نہ پڑے۔

وجه: ولا تأكلوها اسرافا و بدارا ان يكبروا و من كان غنيا فليستعفف ومن كان فقيرا فليأكل بالمعروف۔ (آیت ٦، سورۃ النساء۴) اس آیت میں ہے کہ مالدار ہوتو وظیفہ نہ لے اور فقیر ہوتو لے۔

وَنَظَرًا لِمَنْ يُوَلّٰى بَعْدَهُ مِنَ الْمُحْتَاجِينَ؛ لِأَنَّهُ إِذَا انْقَطَعَ زَمَانًا يَتَعَذَّرُ إِعَادَتُهُ ٦ ثُمَّ تَسْمِيَتُهُ رِزْقًا يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ بِقَدْرِ الْكِفَايَةِ، ٧ وَقَدْ جَرَى الرَّسْمُ بِإِعْطَائِهِ فِي أَوَّلِ السَّنَةِ؛ لِأَنَّ الْخَرَاجَ يُؤْخَذُ فِي أَوَّلِ السَّنَةِ وَهُوَ يُعْطَى مِنْهُ، وَفِي زَمَانِنَا الْخَرَاجُ يُؤْخَذُ فِي آخِرِ السَّنَةِ وَالْمَأْخُوذُ مِنَ

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ پھر بھی لے۔

وجه:(۱) وظیفہ نہیں لے گا تو لوگ اس کام کو حقیر سمجھیں گے تو اس حقارت سے بچانے کے لئے وظیفہ لے۔(۲) بعد میں کوئی محتاج قاضی آئے گا تو اس کو وظیفہ دینا مشکل ہوگا، کیونکہ ایک زمانے تک نہ دیا ہو تو پھر دینا بھاری پڑتا ہے اس لئے بعد کے قاضی پر مہربانی کرنے کے لئے وظیفہ لے لے۔(۳) **سمعت عمر یقول کان النبی ﷺ یعطینی العطاء فاقول اعطه افقر الیه منی حتی اعطانی مرة مالا فقلت اعطه افقر الیه منی فقال النبی ﷺ خذ فتمول و تصدق به**۔(بخاری شریف، باب رزق الحکام والعاملین علیھا، ص۱۲۳۳، نمبر۷۱۶۴) اس حدیث میں ہے کہ محتاج نہ ہو پھر بھی لے اور مالدار بنے اور صدقہ کرے

ترجمه:٦ پھر متن میں اس کو رزق کہا، یہ جملہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جتنا کافی ہو اتنا ہی وظیفہ لے۔

تشریح: متن میں یہ کہا گیا کہ قاضی رزق لے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اہل وعیال کی روزی میں جتنے مال کی ضرورت ہے اتنا ہی لے اس سے زیادہ نہ لے

وجه:(۱) اس آیت میں ہے کہ **فلیأکل بالمعروف**، یعنی کھانے میں جتنا خرچ ہو اتنا ہی لے۔آیت یہ ہے: **ولا تأکلوھا اسرافا و بدارا ان یکبروا و من کان غنیا فلیستعفف و من کان فقیرا فلیأکل بالمعروف**۔(آیت ۶، سورۃ النساء۴)(۲) **سمعت عمر یقول کان النبی ﷺ یعطینی العطاء فاقول اعطه افقر الیه منی حتی اعطانی مرة مالا فقلت اعطه افقر الیه منی فقال النبی ﷺ خذ فتمول و تصدق به فما جاءک من ھذا المال . و انت غیر مشرف و لا سائل فخذھو ما لا فلا تتبعه نفسک**۔(بخاری شریف، باب رزق الحکام و العاملین علیھا، ص۱۲۳۳، نمبر۷۱۶۴) اس حدیث میں ہے کہ آدمی سوال بھی نہ کرے اور بہت لالچ بھی نہ کرے، بلکہ ضرورت کے مطابق لے۔

ترجمه: ٧ اور رسم یہ جاری ہے کہ شروع سال میں یہ وظیفہ دیتے ہیں، اس لئے کہ خراج شروع سال میں وصول کرتے ہیں، اور اسی سے وظیفہ دیا جاتا ہے، اور ہمارے زمانے میں خراج سال کے آخیر میں لیا جاتا ہے، اور جو لیا جاتا ہے وہ پچھلے سال کا خراج ہے اور وہی صحیح ہے۔

تشریح: مصنف فرماتے ہیں کہ قاضی کی روزی خراج سے دیا جاتا ہے، اور انکے زمانے میں خراج شروع سال میں لیا جاتا

الْخَرَاجِ خَرَاجُ السَّنَةِ الْمَاضِيَةِ هُوَ الصَّحِيحُ، ٨ وَلَوْ اسْتَوْفَى رِزْقَ سَنَةٍ وَعُزِلَ قَبْلَ اسْتِكْمَالِهَا، قِيلَ هُوَ عَلَى اخْتِلَافٍ مَعْرُوفٍ فِي نَفَقَةِ الْمَرْأَةِ إذَا مَاتَتْ فِي السَّنَةِ بَعْدَ اسْتِعْجَالِ نَفَقَةِ السَّنَةِ، وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ يَجِبُ الرَّدُّ. (٣٤٨) قَالَ وَلَا بَأْسَ بِأَنْ تُسَافِرَ الْأَمَةُ وَأُمُّ الْوَلَدِ بِغَيْرِ مَحْرَمٍ؛ ا لِأَنَّ الْأَجَانِبَ فِي حَقِّ الْإِمَاءِ فِيمَا يَرْجِعُ إلَى النَّظَرِ وَالْمَسِّ بِمَنْزِلَةِ الْمَحَارِمِ عَلَى مَا ذَكَرْنَا مِنْ قَبْلُ، وَأُمُّ الْوَلَدِ أَمَةٌ لِقِيَامِ الْمِلْكِ فِيهَا وَإِنْ امْتَنَعَ بَيْعُهَا. وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

تھااس لئے روزی بھی شروع سال میں دی جاتی تھی ،اور صاحب ہدایہ کے زمانے میں خراج سال کے آخیر میں لیا جاتا ہے اس لئے روزی بھی سال کے آخیر میں ہی دی جائے گی۔

ترجمہ :اور اگر قاضی نے ایک سال کی روزی لے لی ،اور سال پورا ہونے سے پہلے معزول کر دیا گیا،تو کہا گیا ہے کہ وہ اسی اختلاف پر ہے جو عورت کے نفقے میں مشہور ہے جبکہ وہ سال کے درمیان مر گئی ہو، اور پورے سال کا نفقہ لے چکی ہو،صحیح بات یہ ہے کہ باقی کو واپس کرنا واجب ہے۔

تشریح :قاضی نے پہلے ہی ءسے ایک سال کی روزی لے لی اور درمیان سال میں معزول کر دیا گیا تو باقی روزی کو واپس لی جائے گی یا نہیں،اس بارے میں وہی اختلاف ہے جو بیوی نے سال بھر کی روزی پیشگی لے لی، پھر عورت درمیان سال میں مر گئی تو اختلاف ہے،صحیح بات یہ ہے کہ جو باقی روزی ہے وہ واپس لی جائے گی، کیونکہ اب قاضی اس کا حقدار نہیں رہا۔

ترجمہ: (۳۴۸) باندی اور ام ولد بغیر محرم کے سفر کرے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ترجمہ :ا اس لئے کہ اجنبی مرد باندی کے حق میں دیکھنے میں محرم کے درجے میں،جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا،اور ام ولد باندی ہے اس لئے کہ اس میں ملکیت قائم ہے،یہ اور بات ہے کہ اس کی بیع ممتنع ہے۔

تشریح :ام ولد بھی باندی ہی ہوتی ہے، کیونکہ اس میں آقا کی ملکیت موجود ہوتی ہے،صرف اتنا فرق ہے کہ ام ولد کو بیچ نہیں سکتا، کیونکہ اس میں آقا کے مرنے کے بعد آزادگی کا شائبہ آچکا ہے، باندی اور ام ولد تین دن سے زیادہ کا سفر بغیر محرم کے کرے تو کر سکتی ہے۔

وجہ :اس کی وجہ یہ ہے کہ اجنبی مرد اس کے لئے محرم کے درجے میں ہے اس لئے وہ سفر کر سکتی ہے۔(۲) اس کو آقا کے کام میں دور دراز مقام جانا پڑتا ہے اس لئے بھی اس کے لئے یہ گنجائش ہے۔۔۔واللہ اعلم بالصواب

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ناچیز شرح لکھنے میں یہاں تک پہنچا۔

ثمیر الدین قاسمی، مانچسٹر

۱۰/۹/ ۲۰۱۳ء